

فروعِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت



مدیر
ڈاکٹر سراج احمد قادری



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



دبستانِ نعت

فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

شمارہ نمبر ۲

جنوری - دسمبر ۲۰۱۷ء

سرپرست

پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد

(سجادہ نشین خانقاہ حضرت دیوان شاہ ارزانی - پٹنہ - بہار)

مدیر

ڈاکٹر سراج احمد قادری

زیر نگرانی

فیروز احمد سیفی - نیویارک

NAAT RESEARCH CENTER-INDIA

Mohalla Banjaria West,
Khalilabad -272175
Distt. Sant Kabir Nagar, UP
INDIA

Mob: +91-9415875761
8423867205
+ 1-347-561-2447

E-mail:

Drsiraj123@gmail.com
Anees11435@gmail.com

Rs. 500/-/-

مجلس مشاورت

سید بیچ الدین صبیح رحمانی - کراچی
پروفیسر ابوالکلام قاسمی - علی گڑھ
ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین فاروقی - نیویارک
ڈاکٹر آصف آدر - گلاسگو
سید شاکر القادری - انک - پاکستان
ڈاکٹر شائر اللہ خان - رام پور
پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد - بڑودہ
قاضی اسد بخاری - حیدرآباد

مجلہ دبستانِ نعت میں شامل نگارشات کی آراء سے
ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ جملہ تخلیقات
ماہرین کی آراء کے اتفاق سے شامل کی گئی ہیں۔

يارب تو کړی ورسول تو کړیم
صد شکر کړم ميان تو کړیم
صلی الله علیه وسلم

عاشقِ رسول ﷺ

حسّان الہند

علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے نام

حضرت شمس الدین محمد حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

یا صاحب الجہاں ویا سید البشر
 من فی جہک المنیر نور القمر
 لا ینک لہ شئنا کما کان حقہ
 بعد از خدا بزرگ توئی مختصر

اے پیکرِ حسن اور اے سہرناجِ انسانیت ! یقیناً (چودھویں کا) چاند
 آپ ہی کے نور افشاں چہرے سے درخشاں (ہوا) ہے (پوری انسانیت بھی
 ایک زبان ہو کر) آپ کے اوصاف و کمالات بیان کر پائے ؟ یہ ممکن ہی نہیں
 اس (بے پناہ) داستان کو یوں مختصر کرتا ہوں کہ خدا کے بعد آپ ہی کی ذات بزرگ بزرگ ہے

نور و نکہت

11

اداریہ

تحمید و تقدیس

- 23 میرے بیٹے کر یقیں سب سے بڑا اللہ ہے بیکل اتساہی
- 25 سلسلہ ہزار میرا رب کرشن کما رطور
- 26 ہر اک وجود خدا یا ترا ہی ہے شیدا ہے ڈاکٹر آصف آدر
- تاہش فکر و نظر
- 30 فنِ نعت گوئی پروفیسر ڈاکٹر واحد نظیر
- 39 احمد رضا کے نعتیہ کلام کی شعری جمالیات پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
- سیرت ابن ہشام کے کچھ سیرتی مباحث
- 49 اشعار کی روشنی میں پروفیسر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی
- حمد و نعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ
- 64 کے تحقیقی مقالوں کا تعارف ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری
- 81 نظر لکھنوی ایک گم نام، قادر الکلام نعت گو ڈاکٹر عزیز احسن
- 84 حمد کی شعریات سلیم شہزاد
- 95 میلاد نامہ اکبر وارثی میرٹھی (کچھ مزید) ڈاکٹر صابر سنبھلی
- 100 فارسی ادب کا اولین قدآور نعت گو شاعر ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری
- 127 سریش بھٹ کی مراٹھی نعت کا تجزیہ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

- 138 نعت کی تنقید۔ اہمیت، مسائل اور امکانات شاہ اجمل فاروق ندوی
- 144 نعت کی لفظیات ڈاکٹر حافظ کرناٹکی
- 157 ڈاکٹر راہی فدائی کی نعتوں میں آل رسول کا تذکرہ ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری

افکار روشن

- 163 نعتیہ شاعری میں اصنافِ سخن کی جلوہ سامانیاں ڈاکٹر عزیز احسن
- 167 نعت میں بچوں اور ادبِ اطفال کا حصہ تنویر پھول
- 182 اقبال سہیل اور موج کوثر۔ نام محمد کا شعری وظیفہ پروفیسر مولابخش
- 192 مختلف شعری ہیئتوں میں نعتیہ تجربے ڈاکٹر حقانی القاسمی
- 198 پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا خراجِ احترام ڈاکٹر راہی فدائی
- چند رہبان خیال کی طویل نظم ”لولاک“
- 212 کے حوالے سے شارق عدیل
- 229 نعت گوئی اور ہندو شعراً خورشید ملک
- 234 کلام حضرت حسان کی منظوم اردو ترجمانی ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
- 243 بہشتِ تضامین پر ایک طائرانہ نظر ڈاکٹر عزیز احسن
- 250 راشد طرازی کی ایک مشک بار غزل کا تجزیاتی مطالعہ پروفیسر فاروق احمد صدیقی
- صنائع و بدائع کا تقاضہ ترویج اور اعلیٰ حضرت
- 256 امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شعری عظمت ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی
- 270 حرفِ نیاز۔ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں منیر احمد
- 286 اردو شاعری میں حضرت شائق حیدر آبادی کا مقام پروفیسر عبدالحمید اکبر
- 294 ”شمعِ ہدیٰ“ پر ایک نظر ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی
- 301 نعتیہ شاعری افادیت و مقصدیت ڈاکٹر بی محمد داؤد محسن
- 308 مولانا یوسف علی خاں عزیز بحیثیت نعت گو ڈاکٹر تسلیم

	طوطی دکن تہنیت النساء بیگم تہنیت کی
319	ادبی خدمات و نعت گوئی ڈاکٹر علی باز ہرہما
325	علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری ڈاکٹر جعفر جری
337	نعت گوئی کے بنیادی تقاضے ڈاکٹر رؤف خیر (حیدر آباد)
345	افسار مروہوی اور ان کی نعت گوئی ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی
357	خانوادہ قادری کے اکابرین کی نعتیہ شاعری الحاج سید مفیض الدین قادری
370	اڑیسہ میں نعتیہ شاعری حال و ماضی کے تناظر میں عبد المتین جامی
379	مضطر اعظمی کی نعتیہ شاعری ڈاکٹر شکیل اعظمی

گوشہ حسّان الہند

390	عربی نعت علامہ سید آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ
392	عربی نعتیہ قصیدہ علامہ سید آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ
395	فارسی نعت علامہ سید آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ
399	منقبت شہیر رضوی
400	حسّان الہند غلام علی آزاد بلگرامی اور عربی خدمات ڈاکٹر غلام زرقانی
	حسان الہند میر سید غلام علی آزاد بلگرامی
426	شخصیت اور فن ڈاکٹر اشفاق انجم، مالیگاؤں
	حسّان الہند غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ حیات،
438	خدمات اور شاعری ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی
	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ
460	نعتیہ شاعری کے گل سرسبد پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
485	حسّان الہند علامہ سید میر غلام علی آزاد بلگرامی ڈاکٹر مشاہد رضوی

تعارف و تبصرہ

- کائناتِ نعت 510 ڈاکٹر رضوان انصاری
- زاویہ نگاہ
- 539 شعاعِ امید دبستانِ نعت پروفیسر ابوسفیان اصلاحی
- 545 ”دبستانِ نعت“ ایک دستاویزی رسالہ ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی
- 549 ”دبستانِ نعت“ کا تنقیدی جائزہ ڈاکٹر اشفاق انجم
- 570 ”دبستانِ نعت“ پر ایک سرسری نظر علامہ ڈاکٹر شہزاد مجیدی
- 573 ”دبستانِ نعت“ پر ایک طائرانہ نظر پروفیسر فاروق احمد صدیقی
- 578 ”دبستانِ نعت“ کا پہلا شمارہ ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی
- 584 ”دبستانِ نعت“ ایک تاثر پروفیسر محمد سعد اللہ
- 587 جریدہ ”دبستانِ نعت“ پر ایک نظر متین عمادی
- 600 مجلہ ”دبستانِ نعت“ پر ایک عمیق نظر اقبال اعظمی
- 608 مقالات و مضامین پر ایک تحقیقی نظر ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری
- 648 ”دبستانِ نعت“ پر چند سطور خان حسنین عاقب
- 652 ”دبستانِ نعت“ ایک مطالعہ فہیم بک
- 657 ”دبستانِ نعت“ ایک جائزہ مفتی توفیق احسن برکاتی
- 668 ”دبستانِ نعت“ پر ایک نظر طاہر سلطانی
- 678 حمدیہ و نعتیہ ادب پر امتیازی خصوصیت کا حامل ”دبستانِ نعت“ حلیم صابر

گل ہائے عقیدت

- 681 میں بیت اللہ سے مسعود تھفہ لے کے آیا ہوں سید مسعود حسن مسعود

- 683 علامہ ڈاکٹر شہزاد مجددی تضمینِ دل پذیرِ کلامِ نصیر
- 685 پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی پہلے ہر سانس مشک بو کرنا
- 686 متین عمادی علم کے شہر کی خدمت ہے زباں پر یارب
- 687 ڈاکٹر صابر سنبھلی نعتیہ سہ غزلہ
- 690 ڈاکٹر عزیز احسن عزم لازم ہے نئے عہدِ وفا سے پہلے
- 691 سید شاکر القادری خیال، نعت کی چوکھٹ پہ سربہ خم آیا
- 692 پروفیسر علی احمد فاطمی آمدِ مصطفیٰ کا ہے موسم سارے منظر سہانے لگے
- 693 پروفیسر مظفر حفیّی دعائے کبھی نہیں مانگی سومانگ لیں اللہ
- 694 ڈاکٹر فراز حامدی دو ہا نعت
- 695 ساجد امر و ہوی اُنکی پہ جن کی گھوم رہے ہیں یہ شش جہات
- 696 پروفیسر ڈاکٹر واحد نظیر ہے خداوندی کرم نام نبی
- 697 اسلم مرزا امتی ہوں آپ کا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
- 698 گوہر تری کیروی تخلیق کائنات ہے قدرت کا آئینہ
- 699 لیس۔ یم عقیل اک مسافر ہے وہ
- 701 مشتاق سعید فضائیں عطر آگیں ہیں مہک کیسی فضا میں ہے
- 702 حمیرا راحت جب ان کے نام پہ جلتا چراغ ہاتھ میں تھا
- 703 سید لطف اللہ راحل بخاری ہو کیوں کر بیاں مجھ سے نعتِ محمد ﷺ
- 704 پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد ترے نام ہی کے صدقے، ترے لطف کے سہارے
- 705 سید محمد نور الحسن نور فتح پوری بدل جائے گی صورت میرے گھر کی
- 706 ڈاکٹر جعفر جری روضے پہ اپنے مجھ کو بلا لیے حضور ﷺ
- 707 تلکراج پارس سوئے ہوئے عالم میں بھی بیدار ہیں آنکھیں
- 708 فاخر جلال پوری مجھے مال و زر کیا تخت دارا و سکندر کیا

709	ظفر اقبال فتح پوری	آنکھوں میں میرے دل میں مدینے کی فضا ہے
710	سہیل کا کوروی	سورج رخِ صبح صادق پر کرنوں سے مجھ لکھتا ہے
711	غلام مرتضیٰ راہی فتح پوری	ہزار دل ہزار جان سے ہمیں قبول ہے وہ
		حبیبی محمد ﷺ نبی تہامی، زہے عز و
712	سیدہ نیلو فرنیاب	جاہِ رسول ﷺ گرامی
713	ڈاکٹر حبیب راحت جُباب	ملی ایک اشارے پہ جس کے، کنکریوں کو بھی گویائی
714	ڈاکٹر محمد شفیع سینا پوری	مدحت خیر البشر ﷺ سب کے مقدر میں کہاں
715	ڈاکٹر مجیب شہزاد	ہر سمت موجزن ہے جو فیضانِ مصطفیٰ
716	قاری قاضی محمد رفیق فائز فتح پور	اعلان جس کا کر رہا، قرآن ہے کہ بس
717	اظہار مسرت یزدانی	صَلِّ وَسَلِّمْ

ستائش نامے

سید حبیب رحمانی، محمد ابرار حنیف مغل، سعید رحمانی، ڈاکٹر آفاق فاخری، پروفیسر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر شائر اللہ خان، ڈاکٹر حبیب راحت جُباب، ڈاکٹر عزیز احسن، تنویر پھول، غفران اشرفی، ڈاکٹر رضوان انصاری، متین عمادی، ڈاکٹر وحید انجم، مدھوش بلگرامی، ثار اختر انصاری، اسلم مرزا، اظہر عنایتی، شارق عدیل، کرشن کمار طور، ڈاکٹر صابر سنبھلی، انور سلیم، قاضی محمد رفیق فائز، فتح پوری، محمد نظام الدین نوری، مرزا ساجد حسین امر و ہوی، الحاج سید مفیض الدین قادری، مشتاق احمد نوری، ظفر اقبال ظفر فتح پوری، مولانا عبدالعلیم اشرف، پروفیسر فیروز احمد، ڈاکٹر لیس۔ یم عقیل، پروفیسر توقیر احمد خاں، ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری، پروفیسر سید ابوالحسنات حق، ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی، پروفیسر شریف حسین قاسمی، پروفیسر علی احمد فاطمی، شمس بدایونی، محمد علی صدیقی (علیگ) شیدا بستوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ، ڈاکٹر جعفر جری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اداریہ

مجلہ ”دبستانِ نعت“ کا دوسرا شمارہ قارئین کرام کے پیشِ نظر ہے پہلے شمارے کے حوالے سے قارئین کرام نے ادبِ نوازی کے جس جذبہٴ بیکراں کے تحت ہماری پذیرائی کی اس کے لیے ہم صمیمِ قلب سے ان کے شکر گزار ہیں۔ اکثریت نے صرف مجلے کے ظاہری محاسن پر نگاہ ڈال کر ستائش کی ہے مگر بعض قارئین نے اس پر عمیق ناقدانہ نظر ڈال کر ہماری لغزشوں اور کوتاہیوں کی طرف بھی توجہ مبذول کراتے ہوئے مفید مشوروں سے نوازا ہے۔ ایسی صورت میں جنہوں نے صرف مجلے کے ظاہری محاسن کو استحسان کی نظر سے دیکھ کر پذیرائی کی ان کے شکریے کے ساتھ ہم اپنے ان قارئین کرام کے زیادہ ممنون و مشکور ہیں جنہوں نے مجلے پر انتقادی نگاہ ڈال کر اس کی خامیوں کا آئینہ دکھاتے ہوئے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ ممکن نہیں کہ ان کی یہ ناقدانہ ستائش ہمارے مقاصد کے حصول کے لئے خضرِ راہ کا کام کر جائے۔

درحقیقت ”دبستانِ نعت“ کے جاری کرنے کا مقصد صرف ادب کے مطالعے سے ایک ادبی جریدے کا اجرا ہی نہیں بلکہ ایوانِ ادب میں ایک تحریک اس فکری شعور کے ساتھ پیدا کرنا ہے کہ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

علامہ اقبال

کیوں!

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبضِ ہستی تپشِ آمادہ اسی نام سے ہے

علامہ اقبال

ہم مجلہ ”دبستانِ نعت“ اور نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا۔ کے پلیٹ فارم سے پوری دنیا میں بود و باش

اختیار کرنے والے مجاہدِ رسول ﷺ کی قدر کرتے ہیں۔ ان کو پلوں پہ بٹھانا جبہ صد افتخار سمجھتے ہیں۔ ہماری یہی خواہش ہے کہ نعتِ نبی اکرم ﷺ کا اُجالا اکنافِ عالم میں اس طرح پھیلے کہ ہر گھر اور ہر روح اسمِ محمد ﷺ کے نور سے روشن و منور ہو جائے۔

دہر میں اسمِ محمد سے اُجالا کر دے

”دبستانِ نعت“ کے اجرا کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد صاحبانِ علم و بصیرت کے مابین نعت کو بحیثیت صنفِ سخن متعارف کرانا اور اس کے ادب پاروں کا نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھ کر ادب میں اس کے جائز مقام و مرتبے کا تعین ہے۔ نیز اسی کے ساتھ ان عوارض و عوامل کی بھی تلاش و جستجو ہے کہ جن کی بنا پر آج تک نعت کو صنفِ سخن کا درجہ نہیں مل سکا۔ غور و خوض اور مطالعہ و مشاہدہ سے یہ بات منصفِ شہود پر جلوہ گر ہوئی کہ علم و ادب سے وابستہ ایک طبقہ نعت گوئی، نعت نگاری یا نعت خوانی کو صرف اور صرف کا رِ ثواب یا مذہبی شاعری ہی کی نگاہ سے دیکھتا اور اسی حیثیت سے اسے تسلیم بھی کرتا ہے اس سے آگے بڑھ کر نعت کو پڑھنے سمجھنے اور بحیثیت صنفِ سخن تسلیم کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، جب کہ نعت کے صنفِ ادب ہونے پر چشم کشا شواہد موجود ہیں جن پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر لوگ صالح فکر اور چشمِ بصیرت سے نعت کو بحیثیت فکر و فن اور صنفِ ادب کے مطالعہ کریں تو حقیقت ان پر بھی انظر من الشمس ہو جائے گی۔ مگر نہ جانے کیوں نعتِ رسول مقبول ﷺ کے تئیں ان کی فکر منجمد ہو کر رہ گئی ہے۔

میں نعت کو دیگر اصناف کے تقابل و تناظر میں دیکھنے کا قطعی قائل نہیں کہ مثنوی اور مرثیہ اگر ادب کی صنف ہیں تو نعت کیوں نہیں؟ میرا موقف یہ ہے کہ مثنوی اور مرثیہ بھی ادب کی صنف ہیں مگر نعت کو بھی صنفِ ادب کا درجہ ملنا چاہئے اس لیے کہ نعت کی لفظیات و شعریات ان تمام اوصافِ حمیدہ سے متصف ہیں جن سے دیگر اصنافِ ادب متصف ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر خالد ندیم اسٹنٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف اردو، جامعہ سرگودھا، پاکستان اپنے ایک تحقیقی و تنقیدی مضمون ”اصنافِ ادب پر اردو مطبوعات کا جائزہ“ میں اصنافِ ادب پر شائع ہونے والی کتب کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اصنافِ ادب پر بڑی ہی عالمانہ بحث فرمائی ہے اور اپنے مضمون کے آخر میں ماحصل کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

درج بالا بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصنافِ ادب پر مطبوعات میں بتدریج بہتری آئی ہے اور اصنافِ شعروثر کے حوالے سے ابہامات بھی دور ہوئے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سلسلے

میں مزید کام کی گنجائش ہے اور ضرورت بھی۔ اصناف کے بارے میں کوئی مصنف واضح نہیں۔ بعض کے ہاں احتیاط اس حد تک ہے کہ اردو ادب میں جڑ پکڑ چکی اصناف سے بھی صرف نظر کیا گیا ہے اور بعض کی جدت پسند طبیعت ہر اس صنف کو اردو اصناف میں شامل کرنے پر مائل ہے، جس کا کہیں سے نام بھی سنا ہوا اور چاہے اس کے لیے کوئی مثال بھی موجود نہ ہو۔ یہ طرز عمل طلبہ و طالبات اور قارئین ادب کے لیے پریشان کن ہے۔ اصنافِ سخن میں موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے مباحث ابھی تک منطقی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ اصنافِ سخن کی درجہ بندی میں بعض مغالطے موجود ہیں، جن کی وجہ سے بعض اصناف کی موضوعاتی یا ہیئتی شناخت کا تعین نہیں ہو سکا، اسی طرح اصنافِ نثر میں بھی صنف اور پیرایہ اظہار میں بعض مسائل موجود ہیں۔ یہ بھی ہے کہ بعض شعبہ ہائے ادب کو صنف کی حیثیت سے متعارف کرانے کا شوق ابھی تک باقی ہے۔ ان تمام مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اصنافِ شعر و ادب کے بارے میں سنجیدہ کوششوں کا آغاز کیا جائے اور ابتدا سے اب تک کسی بھی صنف میں ہونے والی تبدیلیوں کے پیش نظر اس کی انفرادیت کو تلاش کر کے اس کو شناخت دی جائے۔ اس کے لیے اصنافِ ادب پر اب تک کی جملہ مطبوعات کے مندرجات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، ساتھ ساتھ انفرادی طور پر لکھے گئے مضامین و مقالات و کتب سے بھی استفادہ ضروری ہے۔“ فکر و تحقیق شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء قومی کونسل برائے نغز و اردو زبان، نئی دہلی صفحہ ۱۱۲/۱۱۳۔

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس و صدر شعبہ اردو ڈاکٹر بشیم راؤ امبیڈکر یونیورسٹی، مظفر پور، بہار، ایسے ہی لوگوں کے احساس و فکر کو بیدار کرنے کی سعی محکم کرتے ہوئے مجلہ ”دبستان نعت“ کے پہلے شمارے پر تبصرے کے تحت تحریر فرماتے ہیں:-

”مسئلہ زیر بحث کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ مرثیہ جس میں ممدوح کائنات اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسیہ محترم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اعوان و انصار کی المناک شہادت کا بیان ہوتا ہے۔ اس کی ہیئت اور اجزائے ترکیبی طے کئے جائیں۔ مگر نعت جس میں خود امام عالی مقام کے جدِ کریم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش ہوتی ہے۔ اس کے اجزائے فن اور عناصر ترکیبی کی تشکیل سے تغافل اور تجاہل برتا جائے۔ اور یہ امر محتاج وضاحت نہیں کہ حضرت امام حسین کی زندگی کی تمام بہاریں نانا جان سے انتساب کی بدولت ہی ہیں۔“

نعت کو خالص مذہبی یا موضوعاتی شاعری کہ دینے سے یا یہ کہ اس کی کوئی ہیئت متعین نہیں

اس لیے اس کو صنفِ ادب قرار نہیں دیا جاسکتا اب ان کی یہ دلیل کمزور اور غیر معقول نظر آتی ہے اس لیے کہ دانشوروں کے مطابق اصنافِ شعری شروع سے ہی ہینتی اور موضوعاتی اقسام میں منقسم رہی ہیں۔ جہاں تک نعت کے مذہبی ہونے کا امر ہے تو اس کے متعلق عصر حاضر کے ایک عظیم دانشور اور محقق پروفیسر شریف حسین قاسمی، سابق پروفیسر دہلی یونیورسٹی، دہلی کا قول ہے کہ ”پورا مشرقی نظامِ زندگی ہی مذہبی شاعری ہے۔“ چنانچہ راقم کے نام اپنے مکتوب محررہ مورخہ ۲۰ مئی ۲۰۱۷ء میں رقم طراز ہیں:-

”میں فارسی کا طالب علم ہوں، آپ کو ضرور معلوم ہوگا کہ میرے اندازے کے مطابق شاید فارسی میں دوسری زبانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ نعتیں کہی گئی ہیں۔ فارسی بنیادی طور پر مذہبی شاعری ہے۔ اس حقیقت کا اطلاق صرف فارسی شاعری ہی پر نہیں ہوتا بلکہ پورا مشرقی نظامِ زندگی ہی مذہبی شاعری ہے۔ دنیا کے اس حصے میں مذہبی شاعری نے ذہنوں کو زیادہ متاثر کیا ہے۔ فارسی کے ایسے شعرا کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے مذہبی شاعری کو اپنی توجہ کا مرکز نہ بنایا ہو۔ حمد، نعت اور منقبت وغیرہ کا شمار ظاہر ہے مذہبی شاعری کے زمرے میں کیا جاتا ہے، یہ صحیح اور منطقی بھی ہے، مشکل ہی سے کوئی ایسا فارسی شاعر یا ادیب رہا ہوگا جس نے اپنا دیوان یا نثری کارنامہ حمد سے شروع نہ کیا ہو، پھر نعت نہ کہی ہو اور بعض شعرا نے منقبت لکھنا بھی ضروری سمجھا ہے۔ حمد و نعت و منقبت میں قصائد و غزلیات و فنی مثنویات نظم کی ہیں۔ چند شعرا ایسے بھی ہیں جنہوں نے صرف مذہبی شاعری کو ہی اپنے فن کا محور قرار دیا ہے اور ان کے کلام پر مذہبی اور دینی عناصر نسبتاً زیادہ حاوی ہیں۔“

محترم پروفیسر قاسمی صاحب اور پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب کا نقطہ نظر اس بات کا بلیغ اشارہ ہے کہ نعت کی ہمہ جہتی اور اس کی آفاقیت یوں ہی نہیں بلکہ حقیقت برہنی ہے اور ان کا نقطہ نظر ناقدین ادب کو دعوتِ فکر و عمل کے ساتھ مستقبل میں نعت کو بحیثیت صنفِ ادب تسلیم کئے جانے کا مشرکہ جاں فزا بھی ہے۔

مجھے نعت کے ارتقائی فروغ کے حوالے سے اپنے قارئین کرام کو یہ خبر دیتے ہوئے دلی خوشی کا احساس ہو رہا ہے کہ ابھی تک ہم اس بات سے نا بلند تھے کہ نعت رسول مقبول ﷺ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں شامل نصاب بھی ہے مگر مجلہ ”دبستانِ نعت“ کی ترسیل و ابلاغ کے دوران یہ بات معلوم ہوئی کہ دین دیال اُپادھیائے (گورکھ پور یونیورسٹی۔ گورکھ پور) کے ایم۔ اے

(اردو) میں نعت بطور نصاب شامل ہے۔ نصاب (Syllabus) کے فرسٹ Semester کو یونیورسٹی کی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کر مجلہ کے آخر میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ وہاں کے صدر شعبہ اردو محترم ڈاکٹر رضی الرحمن صاحب نے یہ خوشخبری دیتے ہوئے یقین دلایا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں کسی موقع پر اس کی تفصیلات پیش کروں گا کہ کتنی جد جہد کے بعد اس کو شامل نصاب کرایا جاسکا۔ ہم نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا کی جانب سے ان کی اس عظیم کاوش کی پذیرائی کرتے ہوئے انہیں دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ان سے عرض گزار ہیں کہ وہ دیگر یونیورسٹیز کے صدر شعبہ اردو و ذمہ دارن کو بھی اس جانب متوجہ کرائیں جس سے کہ دوسری یونیورسٹیز میں بھی نعت شامل نصاب ہو سکے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ کارکردگی نعت کے روشن مستقبل کی علامت ہے۔

ہم ہندوستان کے تعلیمی کمیشن (یونیورسٹی گرانٹ کمیشن) کے ذمہ دار عہدے داران سے عرض گزار ہیں کہ وہ نعت کے موضوع کو ہندوستان کی یونیورسٹیز میں شامل نصاب کئے جانے کے احکامات نافذ کرے۔ نیز یونیورسٹیز کے اساتذہ سے گزارش ہے کہ وہ نعت کے موضوعات پر زیادہ سے زیادہ تحقیقی مقالات قلم بند کرائیں اور سال میں کم از کم ”نعت“ کے موضوع پر ایک سیمینار کا بھی انعقاد کرائیں جس میں دانشوران قوم و ملت نعت کے موضوع پر کھل کر اپنے نقطہ نظر کا اظہار کر سکیں۔ اس طرح کے سیمینار اور کانفرنسوں کا انعقاد ”نعت“ کے لئے نیک شگون ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہمارا ادارہ بطور معاون ان کے شانہ بشانہ ہے۔

”دبستان نعت“ کا یہ شمارہ بھی پہلے شمارے کی طرح درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہے۔ ”تحمید و تقدیس“ جس کے تحت تین حمد پاک شامل کی گئی ہیں۔ تحقیقی و تنقیدی مقالات و مضامین کو ”تابش فکر و نظر“ اور دیگر نعتیہ مقالات و مضامین کو ”افکار روشن“ کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس شمارے میں ”زاویہ نگاہ“ کے عنوان سے ایک نیا گوشہ شامل کیا گیا ہے جو ”دبستان نعت“ کے پہلے شمارے کے حوالے سے ناقدین ادب کے تبصروں پر مشتمل ہے۔ اس گوشے کا مقصد اختلاف رائے کی گنجائش کا پیغام دینا ہے۔ مگر اس طرح کے اختلافات جو خود ساختہ اصولوں پر مبنی ہوں ان کی اس میں قطعی گنجائش نہیں۔ ہم ذہنی، فکری، نظریاتی علمی اور ادبی اختلاف کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی افہام و تفہیم، شعور و فکر کی بالیدگی کے ساتھ محبت رسول ﷺ دائرے میں کرنے کے قائل ہیں۔ یقیناً فکری اور ادبی اختلافات ادب اور فن کو تابانی عطا کرتے ہیں۔ مگر خود

ساختہ اصولوں پر مبنی اختلافات عموماً نزع کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جس سے ادب میدان مبارزت بن کر رہ جاتا ہے۔ ادب کا میدان مبارزت بن جانا ارتکاز فکر کے منجمد ہونے کے مترادف ہے۔ اس شمارے کا بھی انتساب ماسابق کی طرح عظیم نعت گو اور عاشق رسول ”حسان الہند“ حضرت علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی، رحمۃ اللہ علیہ سے کیا گیا ہے۔ نعت گو شعراً کی نعتیہ گل افشانیوں کو شمارہ اول کی طرح ”گلہائے عقیدت“ کے تحت ہی نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔ اس بار اس شمارے میں نعتیہ دواوین اور مجموعہ کلام پر تبصرے کے حوالے سے ”کائنات نعت“ کے عنوان سے ایک گوشے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مجلے کا آخری موضوع ”ستائش نامے“ کے عنوان سے ہے۔ جس میں قارئین مجلہ کے افکار و خیالات کی جلوہ ریزیاں خطوط کی شکل میں ہیں۔

”دبستان نعت“ کا یہ شمارہ کافی تاخیر سے قارئین کرام تک پہنچ رہا ہے جس کے لئے ہم ان سے معذرت خواہ ہیں۔ تاخیر کی وجہ یہ رہی کہ اس مجلے کو ہم جس معیار کا پیش کرنا چاہ رہے تھے اس طرح کے مضامین کم وقت میں دستیاب ہو پانا ممکن نہیں۔ جبکہ مضامین کے حصول کے لئے محترم جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) اور یہ ناچیز مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ دوسری وجہ یہ رہی کہ پہلے شمارے کی اشاعت کے بعد بہت سے احباب نے یہ مشورہ دیا کہ اس جریدے کو ”ششماہی“ کے بجائے ”کتابی سلسلہ“ کر دیا جائے جس سے مقالات و مضامین بھی وقت سے مل جائیں گے اور کام بھی معتبر ہوگا اُسی کے پیش نظر ہم نے اس شمارے کو ”ششماہی“ کے بجائے ”کتابی سلسلہ“ کر دیا ہے۔

جیسا کہ آپ سبھی کے علم میں ہے کہ مجلہ ”دبستان نعت“ کے ساتھ نعتیہ ادب کے فروغ و ارتقاء کے لئے محترم فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) ایک عرصہ دراز سے بہت ہی فکر مند اور حساس رہے ہیں اس کے لئے انہوں نے پیہم کتنی سعی کی ہے یہ پوری داستان انہیں کے منہ سے زیب دیتی ہے۔ ایک مدت سے ان کی دلی خواہش تھی کہ نعت جیسی عظیم اور متبرک صنف ادب پر ہندوستان سے بھی معیاری کام ہونا چاہئے اُسی جذبے کے پیش نظر ۲۰۱۶ء میں محترم فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) نے ”نعت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ“ قائم کیا جس کے وہ ”فاؤنڈر/ڈائریکٹر“ ہیں۔ ”دبستان نعت ششماہی“ کا پہلا شمارہ اسی ادارے کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوا تھا مگر اب جب کہ مجلے کو لوگوں کی خواہش کے احترام میں ”کتابی سلسلہ“ قرار دیا جا چکا ہے تو ادارے کے نام میں بھی قدرے ترمیم کرتے ہوئے اس کو ”نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا“ قرار دیا جا چکا ہے۔

فروع نعت کے حوالے سے مستقبل میں انشاء اللہ تعالیٰ مستحکم طور پر کام کرنے کا ارادہ ہے۔
 ”نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا“ کے زیر اہتمام نعتیہ کلیات و دواوین، نعتیہ ادب پر یونیورسٹیز میں قلم بند کئے گئے تحقیقی و تنقیدی مقالات کی نشر و اشاعت، یونیورسٹیز میں نعتیہ ادب پر تحقیقی مقالات قلم بند کرنے والے ریسرچ اسکالرز کو گائیڈ لائن کے ساتھ لٹرچر کی فراہمی، مجلس مذکرہ اور سیمینار و کانفرنس کا انعقاد وغیرہ اس کے عزائم ہیں۔

”دبستان نعت“ کی ترتیب و تدوین میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا جاتا ہے اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ مقالہ نگار کے مقالے کی افادیت کی مناسبت سے ان کے مقالے کو اسی گوشے اور مقام پر شامل اشاعت کیا جائے جس کا وہ متحمل ہے مگر انسانی سرشت کے مد نظر اگر کسی مقالے کو اس کے شایان شان مقام نہ مل سکا ہو تو ہم مقالہ نگار سے معذرت کے ساتھ ہی عرض گزار ہیں کہ وہ ہماری توجہ اس جانب ضرور مبذول کرائیں جس سے کہ مستقبل میں ہم اور محتاط و مستعد ہو کر ترتیب تدوین کا کام انجام دے سکیں۔

انتہائی حزم و احتیاط کے باوجود گذشتہ شمارے کے ادارے میں ایک ایسا غیر مشروع لفظ ”موضوع روایات“:

”میلاد اکبر میں اگرچہ کچھ موضوع روایتیں بھی شامل ہیں، مگر فضائل و مناقب میں موضوع روایات موثر نہیں۔ حدیث کے کلیے کے مطابق فضائل و مناقب میں موضوع روایات کا بھی اعتبار ہے“ صفحہ ۱۵

تحریر ہو گیا تھا۔ جس کی پشیمانی آج بھی میری روح پر سائے کی طرح چھائی رہتی ہے۔
 درحقیقت میں لکھنا چاہ رہا تھا کہ ”فضائل و مناقب میں حدیث ضعیف کا بھی اعتبار ہے“ مگر حدیث ضعیف کے بجائے ”موضوع روایات“ تحریر ہو گیا جس کا احساس مجھے تادم زیست رہے گا۔ میں اب تک سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس طرح کا لفظ مجھ سے کیسے اور کیوں کر سرزد ہوا جبکہ میں خود ہی ”موضوع روایت“ کے خلاف اپنے مقالات و مضامین میں لکھتا رہا ہوں۔ اپنی اس کوتاہی کے لئے میں اللہ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی بارگاہ عالی جاہ میں توبہ و استغفار کرتا ہوں اور عظیم عاشق رسول ﷺ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ کے درج ذیل شعر کو وسیلہ بخشش بناتا ہوں۔

سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں
 آقا حضور اپنے کرم پر نظر کریں

اداریے کے اختتامیہ سے قبل ان نعت گو شعرا کرام کی ارواح طیبات کے حضور خراج تحسین پیش کرنا ضروری ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی نعت گوئی کے لئے وقف کر رکھی تھی اور حیاتِ مستعار کی آخری سانس تک وہ آقا و مولا روحی فدا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح و ثنا میں رطب اللسان رہے اگر ان کی ارواح طیبات کو خراج تحسین نہ پیش کیا جائے تو روح خود کو ملامت کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

مرزا افسر حسین بیگ افسر امر و ہوی

افسر امر و ہوی کا تعلق علم و ادب کے گہوارہ امر و ہ سے ہے۔ انہوں نے نعتیہ ادب کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ ان کی پوری زندگی مدحتِ مصطفیٰ ﷺ میں گزری۔ انہوں نے ۲۱ جمادی الاول ۱۳۳۷ء تا ۳۱ مارچ ۲۰۱۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کے فکرو فن اور نعت گوئی پر ایک وقیع مقالہ ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی صاحب کا شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

ظہیر غازی پوری

ظہیر غازی پوری کا پورا نام ظہیر عالم انصاری تھا۔ ان کی ولادت ۸ جون ۱۹۳۸ء کو غازی پور (یو۔ پی) میں ہوئی ۲ نومبر ۲۰۱۶ء کو اربعے شب میں طویل علالت کے بعد صوبہ جھارکھنڈ کے مشہور شہر ہزاری باغ میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ شاداب افکار و خیالات کے مالک تھے۔ نیر تخلیقی و تنقیدی بصیرتوں کے بھی جامع تھے۔ وہ ایک باوقار نعت گو شاعر بھی تھے قدرت نے انہیں تحقیقی و تنقیدی عطا کیا تھا مجملہ ”نعت رنگ“ کراچی میں ایک زمانے تک بڑی دلچسپی کے ساتھ اپنے فکرفن کا جوہر دکھاتے رہے۔ ”نعت رنگ“ کی تحقیقی و تنقیدی بحثوں میں بھی دل جمعی کے ساتھ حصہ لیتے رہے ہیں۔ وہ نعت کو جدید رنگ و آہنگ اور افکار و خیالات کی روشنی میں دیکھنے اور پرکھنے کے حامی تھے۔

بیکل اتساہی

بیکل اتساہی صاحب کا پورا نام محمد شفیع خاں تھا۔ وہ اتر پردیش کے مشہور شہر بلرام پور میں یکم جون ۱۹۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا انتقال ۳ دسمبر ۲۰۱۶ء کو ڈاکٹر رام منوہر لویہ اسپتال دہلی میں ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ان کی شاعری کی پذیرائی کرتے ہوئے انہیں اتساہی شاعر کہا۔ بعد میں بیکل صاحب نے اس سے متاثر ہو کر خود کو بیکل اتساہی لکھنا شروع کر دیا۔ ۱۹۷۶ء میں انہیں پدم شری کے خطاب سے نوازا

گیا۔ ۱۹۸۶ء میں وہ راجیہ سبھا کے ممبر بنے۔ تقریباً ۲۲ شعری مجموعہ کلام کا گراں قدر سرمایہ اردو ادب کو دیا۔ جن کا موضوع صرف اور صرف نعت رسول مقبول ﷺ ہے۔ ان کی عظیم شخصیت کو خراج پیش کرتے ہوئے انجم عظیم آبادی صاحب نے کہا تھا۔

نعت ہو یا گیت یا نظم و غزل ان کے کہنے کا الگ انداز تھا

چار نسلوں نے سنا، جن کا کلام آپ! بیکل ہو گئے ہم سے جدا

بیکل صاحب نے اپنی فکرو فن کا عنوان نعت رسول مقبول ﷺ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے جس طرح ذاتِ رسول اکرم ﷺ کو اپنی نعتوں اور گیتوں کے ذریعے عوام کے دلوں میں بٹھایا وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ جنہوں نے بیکل صاحب کو ایک بار بھی سنا ہوگا وہ آج بھی عشقِ رسول کی کسک اور تڑپ اسی تابندگی کے ساتھ محسوس کر رہے ہوں گے۔ انہوں نے نعت گوئی کے حوالے سے اردو ادب کو جو فکرو فن کا خزانہ عطا کیا ہے آج تک اردو کا کوئی بھی شاعر و ادیب نہیں دے سکا۔ ان کی شاعری کا محور مقامی بولیاں اور لب لہجے کا انوٹھاپن تھا۔ علامہ قمر بستی کے الفاظ میں۔

”بیکل صاحب نے اپنی ایک پہچان بنائی وہ تھی مقامی زبان کو اردو شاعری میں جگہ دینا جس میں وہ کامیاب رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہندستان میں اسی فیصد طبقہ گاؤں میں رہتا ہے۔ محنت و مزدوری کرتا ہے۔ کھیتی باڑی کرتا ہے۔ اس کا اپنا تشخص ہے، اس کی اپنی زبان اور تہذیب ہے۔ ہماری اردو میں فیصد طبقے کی ترجمانی کرتی ہے اور اسی فیصد کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ ایک مجلس میں فرمایا کہ:-

”میں غالب اور اقبال کو زمینی شاعر نہیں مانتا۔ ان کی شاعری آسمانی شاعری

ہے۔ آپ عربی و فارسی کی بوجھل تراکیب، گراں قدر الفاظ اپنی شاعری میں اگر استعمال

کریں گے تو وہ اسی فیصد جو آپ کو سننے آیا ہے، وہ کیا لے کر جایگا؟ اس کو اسی زبان میں

سنائیے تاکہ وہ سمجھ سکے۔“ ماہنامہ کنز الایمان، دہلی شمارہ فروری ۲۰۱۷ء صفحہ ۲۹

ہم نے بیکل اتساہی صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے گوشہ ”تحمید و تجید“ کے

تحت ان کی ایک حمد پاک شامل کی ہے۔

ریاض حسین چودھری

ریاض حسین چودھری ۸ نومبر ۱۹۴۱ء کو سیال کوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ۶ اگست

۲۰۱۷ء کو اس دار فانی سے دارِ جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ ”زرِ معتبر“ ۱۹۹۵ء

میں طبع ہو کر منظر عام پر آیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ اس ۲۳ سالہ وقفے میں صرف اور صرف رسول اکرم ﷺ کی ہی مدح و ثنا میں سرگرم رہے۔ اب تک اُن کے ۱۲ نعتیہ مجموعے منظر عام پر آ کر مقبول عوام و خواص ہو چکے ہیں۔ ریاض حسین چودھری صاحب نے نعت کو قدیم روایت سے نکال کر جدید رنگ و آہنگ، لفظ و معانی اور فکر سے ہمکنار کیا۔ ان کی طبیعت میں بلا کی جدت تھی نعت میں نئے نئے گوشوں کی تلاش میں وہ ہمہ وقت محو فکر و نظر رہتے تھے۔ وہ اپنے نعتیہ مجموعے ”غزل کا سہ بکف“ میں فرماتے ہیں۔

”غزل سے نعت کا تخلیقی سفر رنگوں، روشنیوں اور خوشبوؤں کا سفر ہے، کائناتی سچائیوں اور جمالیاتی توانائیوں کی معراج ہے۔“

نیز اسی مجموعہ کلام میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

”نعت محض اوزان و بحر کے حوالے سے اپنی پہچان نہیں رکھتی بلکہ اندر کی روشنی کے بھرپور

ابلاغ کا نام ہے۔“

درحقیقت محترم ریاض حسین چودھری عصر حاضر میں اس عاشق رسول کا نام تھا جس کا سرپا عشق مصطفیٰ ﷺ کی خوشبوؤں میں بسا ہوا تھا۔ نعت رسول مقبول ﷺ کے تئیں اُن کا ایمان و ایقان تو دیکھئے وہ فرماتے ہیں۔

محشر کے دن بھی نعت حوالہ بنی ریاض

محشر کے دن بھی حرفِ سخن محترم ہوا

سبحان اللہ! محشر کا قیام ابھی ہوا نہیں مگر محبت رسول میں ان کے ایمان کی صدائے صدا آفریں تو دیکھئے کہ نعت بنی ﷺ میرا حوالہ بنی اور یہ نعت کا ہی اعجاز ہے کہ میرا حرفِ سخن محترم رہا۔

اللہ کریم جل مجدہ کی بارگاہ عالی جاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان عاشقان رسول ﷺ کو جو آقا و مولیٰ روحی فدا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسم پاک کے اُجالے سے پوری کائنات کو منور کرنے میں زندگی کی آخری سانس تک مصروف رہے ان کی قبروں میں ”اسم محمد ﷺ“ سے اُجلا کر دے۔ آمین

”دبستان نعت“ کی اس مجلس مسعود میں شامل سبھی تخلیق کاروں کا ہم تہ دل سے امتنان و تشکر ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اپنی گراں قدر تخلیقات سے ہماری ہمت افزائی کی جس سے مجلے کا وقار سر بلند ہوا۔ نعت نبی ﷺ کے مختلف گوشوں اور موضوعات پر قلم اٹھا کر جہاں

انہوں نے ایک بڑا علمی و ادبی کارنامہ انجام دیا ہے وہیں انہوں نے اپنے لئے توشہ آخرت بھی تیار کیا ہے۔ ہم اپنے تمامی لکھنے والوں سے نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ ملتے ہیں کہ تخلیقات کی ارسا لگی کے وقت اس کے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کی وضاحت ضرور فرمائیں جس سے کہ حقیقتِ حال ہم پر واضح رہے۔ کچھ مقالات و مضامین اور نعتیہ کلام کو ہم نے آئندہ شماروں کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ جنہیں قریب کے شماروں میں ان شاء اللہ شامل اشاعت کیا جائے گا۔

”دبستانِ نعت“ کا یہ شمارہ جو خوشبوئے مندیہ ﷺ سے معطر ہے آپ کی فکر و نظر کے حوالے کرتے ہوئے حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔ ۛ

زباں در دہن تا بود جائے گیر
ثنائے محمد ﷺ بود دل پذیر

سب بارگاہِ رسول اکرم ﷺ
سراج احمد قادری

تحمید و تقدیس

نیرنگیوں سے یار کی حیراں نہ ہو جیو
ہر رنگ میں اسی کو نمو دار دیکھنا

شاہ نیاز بریلوی

حمد باری تعالیٰ ﷻ

میرے بیٹے کر یقین سب سے بڑا اللہ ہے
وہ ہر اک نیکی بدی سے ہر طرح آگاہ ہے

وہ زمانے میں غرور و تمکنت کو توڑ دے
ایک پل میں چاہے تو ٹوٹے دلوں کو جوڑ دے

جو اکڑ کر چلتے ہیں ان کو جھکا دیتا ہے وہ
ناز جن کو دھن پہ ہے وہ دھن مٹا دیتا ہے وہ

قادرِ مطلق ہے وہ ، سب پر اسی کا راج ہے
بادشاہوں کا اسی کے ہاتھ تخت و تاج ہے

وہ ہمالہ کو کرے گہرا سمندر آن میں
پھول کی وادی اگا دے گرم ریگستان میں

ہے وہی سب کچھ وہی خالق وہی منان ہے
دوزخی کو جنتی کر دے بڑا رحمان ہے

جو چھٹے پھرتے ہیں ان کو قید میں دیتا ہے ڈال
جو اسیری میں پڑے ہیں ان کو لیتا ہے نکال

اس کے ہاتھوں میں ہر اک انسان کی تقدیر ہے
وہ ہے منصف یہ جہاں فریاد کی زنجیر ہے

وہ زمیں کے ذرے ذرے کو کرتا ہے پل میں مہر و ماہ
راج کرواتا ہے منگتے کو بنا کر بادشاہ

عظمت و اعزاز سب کچھ اس سے ہی منسوب ہے
بعد اس کے سب کا مالک اس کا ہی محبوب ہے

بعد رب العالمین ہے رحمت للعالمین
جس کی رحمت سے ہے یہ فرشِ زمیں عرشِ بریں

جب کرم فرماتے ہیں جس پر رسول کائنات ﷺ
تب بفضلِ ربی بن جاتی ہے اس کی بگڑی بات

مانگ لے حسنین کا صدقہ رسول اللہ ﷺ سے
تجھ کو سب مل جائیگا بیکل اسی درگاہ سے

بیکل اتساہی (یوپی)

حمرب جلیل ﷺ

سلسلہ ہزار میرا رب
 مرا پرور دگار میرا رب
 زندگی کا حصار میرا رب
 ہے خوشی کا دیار میرا رب
 باعث تیرگی ہیں ہم سارے
 روشنی کا نکھار میرا رب
 اس کی شانِ کریمی حد سے پرے
 موجب اعتبار میرا رب
 وار دیں اس پہ سارے حرفِ ثنا
 بے نشان بے شمار میرا رب
 میری آنکھوں میں آنسو کیوں آئیں
 جب کہ ہے غم گسار میرا رب
 ہے وہ موجود سطحِ آب پہ طور
 حسن موج ہزار میرا رب

کرشن کمار طور (ہماچل پردیش)

حمد باری تعالیٰ ﷻ

ہر اک وجود خدایا ترا ہی ہے شیدا ہے
عبادتوں کی وجہ تو تجھی کو سجدہ روا

حسین کتنی ہے مولا تری یہ کائنات
صدف کے موتی کی رعنائی میں ہے عکس ترا

ترے جمال سے ہر گُل میں پنہاں جذب طور
سا دی ریگ کے ذرے میں وسعت صحرا

ہے ذرے ذرے سے افشاں کمالِ یکتائی
ہر اک حباب میں لپٹا ہے بے کراں دریا

ترے نشان ہیں ہر سو مگر تو خود بے نشان
ہوائیں، لہریں، بہاریں ترا ہیں دیتیں پتہ

تو حرفِ گُن سے کرے خلق عالم شش جہات
ہر اک وجود میں روح پھونک دی کرن چکا

یہ نجم و مہر و قمر کہکشاں سیارے سب
مدارِ ہو میں رواں ہیں ترے ہی گرد خدا

ترے اشاروں پہ کوہساروں سے رواں دھارے
تو دھوپ میں کرے چھاؤں دے شب کو سحر دھلا

جسے تو چاہے دے عزت تو ہی ذلیل کرے
تو دوستوں کو کرے سُرخرو تو رکھوالا

قریب شہ رگ سے مولا سُنے تو دل کی آواز
کرے تو مشکل کشائی کہ تو ہے غوثِ اعلیٰ

تو ابراہیم کا تھا آسرا تو ہی حوصلہ
کرے تو آگ کو گلزار سلامتی والا

ہو شکمِ مچھلی باغیچہ جدھر رہے یونس
کرے تو اونٹنی پتھر سے صالح کی پیدا

لبِ داود سے راگوں کا لُحْنِ حمد کرے
شجر، پرند، ہوائیں ہوں مست سُن کے ثنا

عصائے موسیٰ میں طاقت جو چیرے سیل رواں
کلیسی میں ہے نہاں تو ، نہیں کوئی دوسرا

زبانِ عیسیٰ سے نکلے جو قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ
ترا ہی اذن ہو صادر جو کر دے مردہ کھڑا

یہ حبیب ﷺ سے کنکراڑیں اُڑائے تو
ہوا بے بصر وہ جو بھی ترے نبی ﷺ سے اُڑا

تَوَاصِلًا مَّا أَمَرَهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا
ترے کمال سے ہر شے فروزاں سحر افزا

ترے جمال سے روشن ہیں نجم و مہر و قمر
ترا قرآن ہے مردہ دلوں کو دیتا ضیاء

ترا حبیب مکرم ﷺ ترا ہے عکسِ کرم
سہارا ہم کو ہے کملی کا جو لے عاصی چھپا

محیط تیرا ورا ہے نہ لفظوں میں یہ ڈھلے
تَوَلَّمَ يَنْزِلُ مِثْرَ مَوْلَا تَوْهِي وَرَى الْوَرَا

ترے حبیب ﷺ کے صدقے دُعائے آدر ہے
نواز ہم کو اذن سے ہمیں لے اپنا بنا

ڈاکٹر آصف آدر (گلاسگو)

تابشِ فکر و نظر

ملفوظِ نعت میں رہے حدِ ادبِ عزیز
کہ دیں نہ اہلِ ذوق کہ حد سے نکل گیا

یوسف علی خاں عزیز ٹوٹکوی (راجستھان)

پروفیسر ڈاکٹر واحد نظیر (نئی دہلی)

فنِ نعت گوئی

نعت بہ معنی تعریف، مصدر ہے اور اس کی جمع نعتوت ہے۔ اصطلاح میں ایسی تعریف کو نعت کہتے ہیں جو ذاتِ رسول ﷺ سے منسوب ہو۔ یہ نحو کی ایک اصطلاح بھی ہے جو صفت کے مترادف ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نعت کہنے والے کو ”ناعت“ (نعت سے اسم فاعل) کہا ہے۔ لفظ نعت کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارکہ سے ادا ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح باب ”اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم و صفاتہ“ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا خدمتِ رسول ﷺ میں حاضر ہوا کرتا تھا، پیار ہوا تو رسول اکرم ﷺ اس کے گھر عیادت کو تشریف لے گئے۔ لڑکے کا باپ سر ہانے بیٹھ کر تورات پڑھ رہا تھا، پیارے رسول ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:

”...يَا يَهُودِيُّ اُنْشِدْكَ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ التَّوْرَةَ عَلٰى مُوسٰى هَلْ تَجِدُ فِي التَّوْرَةِ نَعْتِيْ وَصِفَتِيْ وَ مَخْرَجِيْ....“

ترجمہ: اے یہودی! میں تجھ کو اس خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں، جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل فرمائی کہ کیا تو تورات میں میری نعت، میری صفت اور میرے مخرج کا تذکرہ پاتا ہے؟ یہودی نے توفنی میں جواب دیا لیکن اس کے لڑکے نے خدا کی قسم کھا کر کہا میں تورات میں آپ کی نعت، آپ کی صفت اور آپ کے مخرج کا تذکرہ پاتا ہوں۔

اس حدیث پاک سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب کی جو تعریفیں کیں انھیں خود رسول نے نعت سے موسوم فرمایا ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ کارِ مستحسن ہے، جس کے آغاز کو خدا کی ذات سے نسبت حاصل ہے۔ اردو کے معروف شاعر مرزا غالب نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے عجزِ بیان کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

غالب ثنائے خولجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دان محمد ﷺ است

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ذاتِ مبارکہ کی تعریف خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمائی ہو، اس کی تعریف ایک عام انسان کس طرح کر سکتا ہے اور اگر کرے بھی تو اس کی کیا وقعت ہے؟ اس سوال کی روشنی میں یہاں میں دو نکات کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔ پہلا نکتہ یہ کہ اپنے محبوب کی تعریف خدا نے کی ہے اور انسان اللہ کا خلیفہ ہے، اس لیے نیابت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بھی رسول ﷺ کی تعریف کرے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنا نائب بنا کر دراصل اسے اپنے محبوب کی مدحت کے قابل بنادیا۔ چوں کہ مدحت رسول ﷺ، اصل یعنی خدا کی ذات سے ہو چکی ہے اس لیے نائب اس میں کوئی جدت یا اضافہ تو نہیں کر سکتا بلکہ وہ محبوب خدا کی مدحت سرائی کر کے صرف اپنے اصل کی نیابت کا فریضہ انجام دینے کی سعادت ہی حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ ان لوگوں کے دعوؤں سے تو شر مسار ضرور ہوتی رہی ہے جنہوں نے کبھی خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور کبھی نبوت پانے کے دعویدار ہوئے لیکن ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ تاریخ کے کسی دور میں کسی نے مدحت رسول ﷺ کا پورا پورا حق ادا کرنے کا دعویٰ کیا ہو۔ مولانا نعیم صدیقی کی مشہور تصنیف ”محسنِ انسانیت“ پر تقریظ لکھتے ہوئے مولانا ماہر القادری رقم طراز ہیں: ”کس کی مجال ہے جو خلاصہ کائنات، فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والتحيات کی مدحت سرائی اور سیرت نگاری کا حق ادا کر سکے۔ یہ غلط دعویٰ نہ کسی کی زبان سے نکل کر فضا میں پھیلا اور نہ کسی قلم نے اسے صفحہ قرطاس پر ثبت کیا۔ اس بارگاہِ اقدس میں جس نے بھی لب کشائی کی تو اس کا مقصد حصولِ سعادت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔“

حصولِ سعادت کا یہی وہ پاکیزہ جذبہ ہے جس سے سرشار ہو کر عہد نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت کعب بن زہیر، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے کبار صحابہ کرام نے اپنی زبان، قلم اور کاغذ کو مرہونِ نعت کیا۔ یہاں تک کہ ابوطالب اور میمون بن قیس اشجلی جیسے معاصرین رسول ﷺ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں خلوص سے کام لیا۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے زمانے میں ایک بڑی تعداد ایسے شعرا کی بھی ملتی ہے

جو ایمانی دولت سے مملو تو نہیں تھے لیکن ان کے مدحیہ اشعار سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اوصافِ رسول سے کس قدر متاثر تھے۔ عظمتِ رسول ﷺ کے بالواسطہ اعتراف کا یہی وہ پہلو ہے جو ہر زمانے میں معجزہ بن کر روشن ہوتا رہا۔ ہر عہد، ہر ملک اور ہر مذہب میں پیارے مصطفیٰ ﷺ کے مدحت سرا پیدا ہوتے رہے اور صبحِ قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ تفصیلات سے قطع نظر صرف ایک مثال کے ساتھ اس نکتے کو یہیں چھوڑتا ہوں کہ جرمن شاعر گوئٹے کی شہرہ آفاق نظم ”نعماتِ محمدی ﷺ“ کا آزاد ترجمہ علامہ اقبال نے ”جوئے آب کے“ نام سے ”پیامِ مشرق“ میں شامل کیا۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں نعت کی وسعت و مقبولیت کا ایک خام اشاریہ تو مرتب کرتی ہیں لیکن ان سے موضوعِ نعت کی وسعت پر روشنی نہیں پڑتی۔ بلاشبہ نعت کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کا تصور بھی محال ہے۔ مثال کے طور پر یہ اسلامی کلنڈر کا چودہ سو چھتیسواں سال ہے۔ آپ نے چودہ سو چھتیس (۱۴۳۶) لکھا تو یہ اعداد کا ایک مجموعہ ہے لیکن جیسے ہی آپ نے اس پر ہجری کی ”ھ“ لگائی یہ اعداد کا مجموعہ نعت کے دائرے میں داخل ہو گیا۔ چوں کہ یہ ”ھ“ صرف ایک حرف نہیں بلکہ ہجرتِ رسول کے تاریخی واقعے کی علامت ہے۔ اسی طرح خدا خالق ہے یہ ایک حمدیہ جملہ ہے لیکن جب آپ نے خدا کی خلاق پر غور و فکر شروع کیا تو گویا موضوعِ نعت کے دروازے پر دستک دے دی۔ اس لیے کہ غور و فکر کے اگلے مرحلے میں ہی یہ حقیقت آپ کے سامنے کھڑی ہوگی کہ اللہ کے خالق ہونے کا اعلان اس وقت تک نہ ہوا جب تک اس نے نورِ محمدی ﷺ کی تخلیق نہیں فرمائی۔ موضوع کے حوالے سے یہ صرف اشارے ہیں ورنہ حق تو یہ ہے کہ یہ نکتہ فقط خالق و مخلوق تک ہی محدود نہیں بلکہ ساجد و معبود، عبد و معبود اور اسمائے الہی کے تعلق سے بس پھیلتا ہی چلا جاتا ہے۔

نعت کے موضوع کی یہی وسعت اور حمدیہ موضوع سے قربت نعت گو شعراء کے لیے آسانیاں بھی فراہم کرتی ہے اور انھیں کڑی دشواریوں سے بھی رو برو کرتی ہے۔ آسانیاں اس طرح کہ موضوع کی گونا گونی شاعر کو احساس بے مائیگی کا شکار نہیں ہونے دیتی اور دشواریاں اس طرح کہ حمدیہ موضوع سے اس کی قربت شاعر کو سراپا محتاط رہنے پر قانع رکھتی ہے۔ یہ وہ نازک مرحلہ ہے جہاں زبان و بیان کے شہسواروں کی رفتار تھم جاتی ہے۔ یہ مرحلہ ایسے پل صراط کے مانند ہے کہ ذرا سا غلو قبابِ قوسینِ اودائی کی حدود کو توڑ کر الوہیت کے دائرے میں ڈال سکتا ہے اور ذرا سی تنقیص دنیا و آخرت کے تباہ و برباد ہونے کی وجہ بن سکتی ہے۔ آیتِ قرآنی

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی کا شانِ نزول ہمارے پیش نظر ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ نعت گوئی کے مرحلے اگر اس قدر دشوار گزار ہیں تو ایسے شعرا جن کے سینے میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ ٹھاٹھیں مار رہا ہو، کیا کریں؟ کیا اپنے جذبات اور قلبی واردات کو شعری پیکر میں ڈھالنے سے باز آجائیں؟ مدحِ رسول ﷺ اور ذکرِ رسول ﷺ کو نظم کا پیکر نہ دیں اور اسے حوالہ قرطاس کرنے سے اپنے قلم روک لیں؟ انہی پریشان کن سوالوں کا حل حضرت شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن زید المعروف بہ امام بوصری کے اس شعر میں پوشیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

دَعِ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارَىٰ فِی نَبِیِّہُمْ
وَحُكْمُ بِمَا شِئْتَ مَذْحًا فِیْہِ وَاحْتَكَمْ

ترجمہ: صرف وہ بات چھوڑ دو، جس کا دعویٰ نصرانیوں نے اپنے نبی کے بارے میں کیا ہے اس کے بعد جو تمھارا جی چاہے، حضور ﷺ کی مدح میں کہو اور جو حکم چاہو لگاتے جاؤ۔

معلوم یہ ہوا کہ نعت گوئی کے لیے بیانِ مضمون کا ایک بڑا ادب، اسرائیلی روایات سے احتراز ہے، اُس طورِ تفصیل سے احتراز جس کا سفر تثلیث کی وادی تک پہنچا دیتا ہے۔ امام بوصری کے اس شعر میں نعت کے موضوع کی تعین بڑی خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ مدحِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکنات اور اس کی حدیں انسان کی فکری دسترس سے باہر ہیں لیکن یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ عہدِ نبوی سے تا حال ہر موزوں طبع عاشقِ رسول ﷺ نے کچھ نہ کچھ نعتیہ اشعار ضرور کہے ہیں۔ ان اشعار کے موضوع کی دو قسمیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس میں شاعر نے اپنے داخلی جذبات و کیفیات کو بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں پیش کیا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس میں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور اس کے متعلقات منظوم ہوئے ہیں۔ موضوع کی یہ تقسیم وسیع تناظر میں پیش کی گئی ہے، ورنہ ایمان کی بات یہ ہے کہ نعت میں پیش کیے گئے موضوعات کو عنوان دیا جائے تو دفتر کے دفتر وجود میں آجائیں۔

داخلی جذبات کے تعلق سے آرزو، استغاثہ، اظہارِ عشق و محبت یا قلبی واردات، مدینے سے جغرافیائی دوری کے احساسات جیسے موضوعات شامل ہیں۔ جب کہ حیاتِ رسول ﷺ اور سیرت و شمائل کے حوالے سے حالاتِ ماقبلِ ولادت، بشارتِ ولادت، ولادتِ باسعادت، رضاعت، یتیمی، نبوت، رسالت، خطابت، فصاحت، بلاغت، اخلاق، اوصاف، خصائل، معراج، ہجرت، غزوات، معاہدے، شرافت، نجابت، سخاوت، شفقت، عدل، صداقت، امانت، بلہیت، انکساری،

مزاج، حسن و جمال، گفتار، رفتار، تبسم، وضع، رخسار، گیسو، قد، ملبوسات، اسلوبِ کلام، ماکولات، مشروبات، شجاعت، عزم و استقلال، شعرِ فنی، نقد و تبصرہ، معجزات، دعوتِ نامے، خاندانی شرف، انبیا میں فضیلت، اہل و عیال وغیرہ، اسی طرح متعلقات میں گنبدِ خضریٰ، سنہری جالیاں، حریری پردے، سنگِ درِ اقدس، مدینہ منورہ کا جغرافیہ، اس کی تاریخ، بہارِ مدینہ وغیرہ نعت کے موضوعی عناصر ہیں۔

مقصدیت کے اعتبار سے نعت کا ایک گونہ رشتہ صنفِ قصیدہ سے قائم ہوتا ہے۔ چوں کہ نعت میں رسولِ آخر الزماں ﷺ کی تعریف مقصود ہوتی ہے اور قصیدے میں بادشاہ یا دیگر شخصیتوں کی تعریف۔ لیکن فنی تقاضے دونوں کے مختلف ہیں۔ قصیدے کا مزاج یہ ہے کہ غلو اور مبالغہ آرائی بسا اوقات دروغ گوئی کی سرحدوں کو بھی چھوئے لگتی ہے پھر بھی اسے شاعر کے فنی کمال سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ فنِ نعت گوئی اس کا متقاضی ہوتا ہے کہ حقیقت کے بیان میں ایک سرِ موفرق واقع نہ ہونے پائے۔ علاوہ ازیں طمطراق، طنطنہ، شکوہ لفظی اور زورِ بیان قصیدے کے فن کو حرارت بخشتے ہیں اور نعت میں یہی خصوصیات فنی نقص میں شمار ہو جاتی ہیں چوں کہ نعت میں زورِ بیان نہیں سنجیدگی اور متانت درکار ہوتی ہے۔ ”عرفی مشتاب اس رہ نعت ست نہ صحرا“ میں ”مشتاب“ کہہ کر عرفی نے اسی سنجیدگی اور متانت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ گویا قصیدہ اور نعت مقصدیت کے اعتبار سے مشترک ہونے کے باوجود لفظیات اور لہجے کی سطح پر بالکل مختلف ہیں۔ عرفی کے ایک مشہور نعتیہ قصیدے کا شعر ہے:

ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن

نعتِ شہ کو نین و مدح کے وجم را

گویا لفظیات اور لہجے کے انتخابی مراحل میں نعت گو شعرا کو یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ سلطانِ انبیا اور دنیوی سلاطین کی مدحت میں تین فرق ہے۔ وہ الفاظ و اصطلاحات جو کسی فرد کے لیے مخصوص ہوں نعتیہ اشعار کا پیرایہ اظہار نہیں بن سکتے۔ یہی حکم لہجے اور پیش کش پر بھی صادر ہوتا ہے۔ فلمی گیتوں کے طرز پر نعت نبی کا پڑھنا اور لکھنا اسی لیے درست نہیں۔ بیان و اظہار کا یہ محتاط رویہ جہاں نعتِ رسول ﷺ کو عمومیت سے پاک رکھنے میں معاون ہوتا ہے وہیں ذکرِ الوہیت کے خصوصی دائرے میں داخل ہونے سے بھی بچاتا ہے۔ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ جادہ نعت کے مسافر درحقیقت نیا بتا اللہ کی ہی حمد و ثنا کے سفر میں ہوتے ہیں ان کا فکری اور فنی امتیاز اسی صورت میں باقی رہ سکتا ہے جب کہ ان کی شعری کاوشوں میں توحید و رسالت کا فرق نمایاں طور پر موجود

ہو۔ خالق و مخلوق کے امتیاز کا شعور کسی بھی مرحلے پر کم نہ ہونے پائے اور ہر لمحہ عقیدت کے ساتھ عقیدہ کا ہوش باقی رہے۔

عقیدت اور عقیدہ دراصل یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کے اظہار میں سلامت روی سے گزر جانا نعت کہنے کے فن سے حتی المقدور عہدہ برآ ہونے میں کامیابی پانے کے مترادف ہے۔ اگر عقیدتوں کا بیان ہو تو فنی لحاظ سے نعت کے شاعر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کا بیان و اظہار قاری پر بھی عقیدت و التجا کی وہی کیفیت طاری کر دے جس سے شاعر دو چار ہوا ہے اور پڑھنے والوں کے دلوں میں بھی وہی آرزوئیں مچنے لگیں جن آرزوؤں اور تمنائوں نے شاعر کو ماہی بے آب بنا رکھا ہے۔ اگر نعتیہ شاعری میں عقیدوں کا بیان ہو تو فنی لحاظ سے شاعر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کا بیان لفظی تلمیحات کا مرہونِ منت ہوئے بغیر فکری طور پر قاری یا سامع کو نہ صرف اس عقیدے کی تہہ تک پہنچا دے بلکہ اس کے افہام میں معاون اور استحکام میں اضافہ کا سبب بن جائے، جس عقیدے سے وابستگی نے اسے متعلقہ شعر کہنے کا ذہن بخشا ہے۔ اگر عقیدتوں کے بیان میں شاعر کے لیے یہ بات کسی آفت سے کم نہیں کہ ہوشیاری کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگا ہو تو یقیناً عقیدوں کے بیان میں بھی یہ بات ایک بڑی افتاد کے مصداق ہی قرار پائے گی کہ اس کی صحت کسی بھی جہت سے مجروح ہوگئی ہو۔ خود شاعر کی نوکِ قلم سے اس کے اپنے عقیدے پر نشر لگ گیا ہو اور اسے خبر بھی نہ ہوئی ہو۔ یا اعتقاد یہ کے بیان میں ایک قسم کی رمزیت آگئی ہو۔ ایسی رمزیت جو مذہب کو یا تو فرقہ باطنیہ میں تبدیل کر دیتی ہے یا پھر طرح طرح کی تاویل و توجیہ کے دروازے کھول دیتی ہے۔ وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر، جیسے اشعار سے جو علمی قضیے وجود میں آئے ان سے نعتیہ ادب کا مطالعہ رکھنے والے بہ خوبی واقف ہیں۔ دوسری جانب عظمتِ رسول ﷺ کی تحفیف کرنے والے شعرا کی تعداد بھی کم نہیں اعتقاد یہ کے بیان میں مبالغہ اور تحفیف دونوں ہی ایمان کے لیے خطرناک ہیں۔

حالی کی نعت ”وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا“ ہم میں سے کس کو یاد نہیں۔ لیکن اسی شاعر کا جب یہ شعر سامنے آتا ہے کہ:

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم

کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

تو پھر صاف پتا چل جاتا ہے کہ اعتقاد یہ کی شکوہ جیگی نے کیا گل کھلائے ہیں اور شاعر نے

کس طرح یہ عقیدہ نظم کر دیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نبي مختار نہیں، نبی مجبور ہیں۔ یہاں نعتیہ شاعری میں عقیدوں کے بیان کی مختلف کیفیات کو سامنے لانا یا ان مثالوں کی طرف جانا مقصود نہیں، جن میں عقیدہ اوتار یہ اور نعوذ باللہ ”نبی مجبور“ جیسے عقیدے کی پیش کش ہوئی ہے۔ بلکہ یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عقیدوں کی پیش کش میں حزم و احتیاط نہ ہو تو نعتیہ شاعری ایمان کے لیے خطرہ بن جاتی ہے۔ عقیدوں کی پیش کش میں فنی مرتبے کا ایک اوسط حال تو یہ ہے کہ لفظی تلمیح برجستہ آئی ہو اور اس سے بھی بلند درجہ یہ ہے کہ معنوی تلمیح سے صحیح عقیدے کی طرف قابل فہم نشاندہی ہوگی۔ ایسی نشاندہی جس میں روح قرآنی جھلک رہی ہو۔ اگر شاعر پیارے مصطفیٰ ﷺ کا سراپا بیان کر رہا ہو تو شانِ تخیل بے لگام نہ ہو بلکہ شاملِ نبوی کے مضامین اس کے موید ہوں۔ مزید ایک بات برسرِ تذکرہ عرض کرنا چاہوں گا کہ آج کی نعتیہ شاعری میں عصری حسیت کو بھی مختلف نہجوں سے برتا جا رہا ہے۔ عالمی منظر نامے پر اہل اسلام کی جو کر بناک تصویریں ابھر رہی ہیں انھیں دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اظہار غیر فطری بھی نہیں۔ اپنا حال سنانے کے لیے محبانِ رسول ﷺ کے سامنے خدا و رسول ﷺ کی بارگاہ سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ احتیاط ضروری ہے کہ عصری حسیت کو بیان کرتے ہوئے آدابِ نعت کا دامن ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے کیونکہ حالِ زمانہ کو پیش کرتے ہوئے غلو کا سہارا لینا گویا نبی ﷺ کے دربار میں غلو کے ساتھ باتیں کرنا ہے۔

نعت کے فن پر باتیں کرتے ہوئے مختلف ہیئتوں کے استعمال کا معاملہ بھی سامنے آتا ہے۔ نہ صرف سرحد پار بلکہ خود ہمارے ملک میں بعض شعرا نے گیت اور دوہے کی شکل میں نعتِ نبی ﷺ لکھا ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی زبان میں یا کسی ادب کے قواعد و ضوابط اور آئین و اصول کی رعایتوں کے ساتھ نعت گوئی پر کوئی قید اور کوئی قدغن نہیں۔ نبی ﷺ کی امت میں صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی شامل ہیں اور اپنے نبی ﷺ سے عقیدت و محبت کا اظہار وہ کرتی ہیں اور کر بھی سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں اصل چیز بس یہ ہے کہ قریب المفہوم الفاظ و اصطلاحات کے استعمال کا خصوصی دائرہ قائم رہنا چاہیے۔ اس بات کو قدرے وضاحت کے ساتھ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی زبان، کسی ادب اور کسی شعری ہیئت کے نام پر جہاں معناتی لحاظ سے الفاظ کے استعمال میں اس کی سرگزشت، تداولی کیفیت اور تمدنی ثقافت پر نظر رکھنا ضروری ہے وہیں یہ بھی لازم ہے کہ ایسی قریب المفہوم اصطلاحوں کے استعمال میں ترادف کے لحاظ سے

کوئی سمجھوتہ نہ ہو جن کا تعلق اعتقادات سے ہے یا جو اعمالیات میں بہمہ وجود ممتاز و شناختہ ہیں۔ کیوں کہ اس احتیاط کے بغیر نعت کے فن کو بھگتی گیتوں کی فضا کے غلبے سے بچانا ناممکن ہے۔ موضوعِ نعت پر اس مختصر گفتگو کے بعد یہ حقیقت روشن ہے کہ نعت گوئی خالص مقصدی شاعری سے عبارت ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ کوئی بھی شعری تخلیق دو ہی نظریے کے تحت وجود پذیر ہوتی ہے۔ ایک شاعری برائے شاعری اور دوسرا شاعری برائے زندگی۔ شاعری برائے شاعری خالص تفریحی اور شعری جمالیات کا آئینہ ہوتی ہے۔ جب کہ شاعری برائے زندگی مقصدیت کی حامل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے پہلے نظریے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ گرچہ شعری حسن کاری کے مظاہرے کا موقع اس میں زیادہ ہے۔

اب نعت گو شعرا کے سامنے صرف شاعری برائے زندگی یعنی مقصدی تخلیق کا ہی میدان بچ جاتا ہے۔ ایک ایسا میدان جہاں شعریت یا شعری استعداد کے جوہر دکھاپانا آسان نہیں۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شعریت اور شریعت دونوں کے تقاضوں کو بحسن و خوبی نباہ پانا ایک بڑا فن کار ہونے کا ثبوت ہے۔ مثلاً چودھویں کے چاند کو دیکھ کر ایک شاعر کا تخیل چہرہ مصطفیٰ ﷺ کی تابانیوں تک رسائی حاصل کرتا ہے اور اسی چاند کو دیکھ کر ایک شاعر کی فکری پرواز انگشتِ مصطفیٰ ﷺ کی عظمتوں کے آسمان میں گم ہو جاتی ہے۔ اس طرح نعت گوئی کی سعادت تو دونوں کو حاصل ہوئی لیکن غور و فکر سے یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ دونوں کی فکری سطح، ادراک و عرفان، احتیاط کے رویے یہاں تک کہ عشق و محبت کے تقاضے میں بھی بہت فرق ہے۔

چاند اور چہرہ مصطفیٰ ﷺ کا تصور جمالِ رسول ﷺ کا اظہار ہے، جب کہ چاند اور انگشت کا تصور کمالِ مصطفیٰ ﷺ کا آئینہ دار۔ ایک کا تعلق تشبیہ سے ہے اور دوسرے کا تلخیص سے۔ ایک نے عکس کو دیکھا اور نقش تک پہنچنے کی کوشش کی اور دوسرے نے واقعہ کو دیکھا اور اثر تک یا صاحبِ واقعہ تک رسائی کی کوشش کی۔ رسول اور صحابہ کے جھرمٹ کو ہم چاند تاروں سے تشبیہ تو دے سکتے ہیں لیکن تشبیہ کا مفہوم یہ نہیں ہوگا کہ آقا کا چہرہ واقعتاً چاند جیسا ہے یا چاند واقعتاً آقا کے چہرے جیسا ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ لاثانی ہے اور لاثانی کی مثال نہیں ہوتی۔

یہ نکات و اشارات اپنی جگہ لیکن یہ حقیقت ہے کہ فکری و فنی حزم و احتیاط اور خلوص کے ساتھ نعت لکھنا، پڑھنا اور سننا عینِ عبادت ہے۔ نیز اعتقاد کی صداقت اور موضوع کی حقانیت اس کی بنیادی شرط ہے۔ لہذا حقائق کو منظوم کرتے ہوئے حد درجہ احتیاط لازمی ہے جب کہ عقیدتوں کے

بیان میں خود سپردگی، سرشاری اور خلوص ضروری ہے۔ چوں کہ نعت صرف شعری ذوق کی تسکین کا سبب نہیں ہوتی بلکہ یہ اسلام اور بانی اسلام کی تاریخ، حیاتِ مومن کا لائحہ، شاعر کے ایمان و ایقان کا مظہر اور قرآن و احادیث کی تفہیم کا آئینہ بھی ہوتی ہے۔ اس طرح نعتیہ شاعری کے تخلیقی عمل میں ذرا سی بے احتیاطی ایمان کو کس طرح نقصان پہنچا سکتی ہے، اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زمین و آسمان کی کسی بھی حقیقت پہ پہلا حجاب حمد کا ہے کہ ہر شے کی تخلیق خدا نے فرمائی ہے اور دوسرا حجاب نعت کا ہے کیوں کہ ہر شے کی تخلیق کا باعث ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لولاك لما خلقت الافلاك اسی حجاب کی تصدیق ہے۔



پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین (نئی دہلی)

احمد رضا کے نعتیہ کلام کی شعری جمالیات

اردو شاعری کی تنقید میں کئی اصطلاحیں ایسی ہیں جن کی خود تعریف و تعبیر حتمی طور پر نہیں ہو سکی ہے۔ انہی اصطلاحوں میں جمالیات کی اصطلاح ہے۔ اس کی الگ الگ تعبیریں پیش کی گئی ہیں اور جتنی تعبیریں ہیں اسی قدر انتشار بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمالیاتی اقدار تہذیب و تمدن کے اقدار سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ حسن کو جمالیات کا مظہر مانا جاتا ہے لیکن حسن کے معیارات طے کرنے میں انتشار ہے۔ کیونکہ حسن کا معیار علاقے، خطے، تہذیب و تمدن کے لحاظ سے تبدیل ہوتے ہیں۔ عموماً حسن کو عشق کی ابتدا مانا جاتا ہے۔ اور عشق کو ہی کائنات کا حاصل تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن عشق کے معیارات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن حسن و عشق کو جمالیات کی بنیاد مانتے ہیں۔ اسی لیے جمالیات کی تعبیر مفکروں نے اپنے اپنے انداز سے کی ہیں۔

ویکی پیڈیا کے مطابق ”جمالیات فلسفے کی ایک صنف ہے جو فن کے حسن اور فن تنقید کی قدروں اور معیاروں سے بحث کرتی ہے۔ جمالیات کی اصطلاح پہلی بار باؤم گارٹن نے 1750 میں استعمال کی اور اس سے مراد علم حیات لی، جس کا بنیادی مقصد حسن کی تلاش قرار دیا۔ کانٹ نے ماورائی جمالیات کی ترکیب استعمال کی جس سے حسیاتی تجربے کے بنیادی اصول لیے۔ اس اصطلاح کے جدید معنی ہیگل نے 1820ء میں متعین کیے۔ پرانے زمانے میں جمالیات سے مراد وہ علم تھا جو حسن یا جمال اور رفعت کی ہیئت سے متعلق مجرد تصورات پر بحث کرتا تھا۔ مگر جدید فلسفہ کے نزدیک جمالیات وہ سائنس ہے جو تخلیقی تجربہ، تجربہ حسن اور نقد و نظر کی قدروں اور معیاروں سے بحث کرتی ہے اور نوعیت اور عمل کے اعتبار سے منطق اور نفسیات سے مختلف ہے۔“ ادب میں ان اقدار کو بنیاد بنا کر ادبی شہ پاروں پر نقد و تبصرہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں یہ بھی ایک بڑا سوال رہا ہے اور یہاں بھی اختلافات کی گنجائش موجود ہے۔ اس حوالے سے نصیر احمد

ناصر نے لکھا ہے کہ:

”ادب کو جمالیاتی بنیادوں پر پرکھنا مناسب ہے یا فلسفیانہ اور اخلاقی قدروں پر، اس بات کا تعلق فلسفہ فن سے ہے، جس کی بحث ادب میں بہت قدیم ہے۔ محض فلسفیانہ اور اخلاقی نہیں بلکہ اس بحث کے افادی، علمی، ادراکی، فکری، معاشی، معاشرتی، عمرانیاتی، سائنسی اور کئی دیگر پہلو بھی ہیں۔ جمالیاتی معروض کا تعلق صرف جسمانی یا مرنی مظاهر سے نہیں، غیر مرنی اور داخلی محسوسات اور اظہارات سے بھی ہوتا ہے۔ جمالیاتی تصور آفاقی ہے اور اسے علمی طور پر بھی پرکھا جاسکتا ہے۔ فلسفے اور اخلاق کی اعلیٰ اقدار جمالیاتی سیاق و سباق ہی میں ادب پارے کا روپ دھار سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے ادب کو جمالیاتی بنیادوں پر پرکھنا زیادہ مناسب ہے۔“ (نصیر احمد ناصر۔۔۔ ادارہ تسطیر جولائی 2010 ادبی جمالیات، مواد، اثرات اور دائرہ کار“ سے مقتبس)

بات درست بھی یہی ہے کہ ادب کے قاری ادب کو اپنے ذوق مزاج اور تہذیبی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ شاعری جو جذبہ و دل کی ترجمان ہے، اس کو بھی دیکھنے، کہنے اور سننے کا اپنا اپنا جمالیاتی ذوق ہوتا ہے۔ کیونکہ عشق جو جمالیات کا مظہر ہے اس کے رنگ بھی ہزار ہیں اور جلوے بھی بے شمار ہیں۔ یہ عشق فرزا نگ بھی سیکھاتا ہے اور دیوانگی بھی۔ لیکن ایک عشق ایسا بھی ہے جو حد ادب کو ملحوظ رکھنے کا درس دیتا ہے۔ جی ہاں یہ بات ذرا عقل و فہم سے دور ہے کہ عشق اور ادب ایک ساتھ ممکن نہیں۔ کیونکہ عشق دیوانگی سیکھاتا ہے تو عقل سنجیدگی کا درس دیتا ہے۔ اسی لیے عشق و عقل ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ کبھی عقل حاوی ہوتی ہے تو کبھی عشق کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ اقبال جیسے شاعر نے بھی عشق کو عقل پر ترجیح دی ہے اور یہ کہا کہ:

تازہ میرے ضمیر پر معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

اقبال یہ کہتے ہیں کہ عقل تو گوگو کی کیفیت میں میں رہتی ہے اور سود و زیاں کا حساب لگاتی ہے اسی لیے عقل ہمیشہ پیچھے رہتی ہے اور عشق اپنے ایک ہی جست سے کائنات کی کئی پہنائیاں طے کر لیتا ہے۔ تاریخ نے عشق کے بدولت ہی ایسے کارنامے درج کیے ہیں جو عقل سے ممکن نہیں

تھا۔ اگر عشق نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم خلیل کے مرتبے تک نہ پہنچتے۔ یہ عشق ہی تو تھا کہ جس نے آتش کو گلزار بنایا:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشا لے لبِ بامِ ابھی
عشق کی جلوہ طرازیوں سے انسانی تمدن کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ زندگی کے جس چاک کو عقل نہیں سی سکتی اس کو عشق اپنی طاقت سے بے سوزن اور بغیر تارِ رُفوسی سکتا ہے:
وہ پُرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں
عشق سیتا ہے انہیں بے سوزن و تارِ رُفو
اس مقابلے عقل سودو زبان کے پیانے کو سامنے رکھتا ہے۔ اسی لیے عقل طرح طرح کے حربے اپناتا ہے، عقل کی عیاری اور عشق کی سادگی اور اخلاص کو اقبال نے اس طرح ظاہر کیا ہے:
عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
لیکن اسلامی زندگی کے شعار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کو معتدل انداز میں رکھا جائے اسی لیے اقبال نے یہ بھی کہا ہے کہ:

بہتر ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑیے
کیونکہ عقل سے شرع محمدی کی تعمیل ہوگی اور دل سے عشق محمد ﷺ کی محفل سجائی جائے گی کیونکہ:
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بُتِ کدہٗ تصورات

لیکن بات اگر یہاں آ کر ٹھہرتی ہے تو ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دنیا کا حاصل بھی عشق رسول ﷺ ہی ہے۔ بغیر عشق رسول ﷺ کے کچھ نہیں مل سکتا، نہ تو دنیا میں امن ممکن ہے اور نہ آخرت کا حصول ممکن۔ لیکن یہ عشق یعنی عشق رسول ﷺ ایسا عشق ہے جس میں دیوانگی نہیں فرازاگی کی ضرورت ہے کیونکہ یہ عشق دنیا کے عشق سے نرالا ہے۔ اسی لیے تو شاعر نے کہا ہے کہ:

ادب گاہِ پست زیرِ آسماں از عرشِ نازک تر
نفسِ گم کردہ می آئید جنید و بایزید اینجا

عشق کا تقاضہ تو یہ ہے کہ دیوانہ وار خود کو بچھا رو کر دیں لیکن امام احمد رضا اس عشق کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہتے ہیں :

پیشِ نظر وہ نورِ بہار سجدے کو دل ہے بیقرار

روکنے سر کو روکنے ہاں یہی امتحان ہے

یہاں شاعری میں عشق کی جس جمالیات کا ذکر ہے وہ دنیا کی شاعری میں اور کہیں نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ عشق کا یہ ادب درِ رسول ﷺ کے علاوہ اور کہیں مل ہی نہیں سکتا۔ یہ عشق حاصلِ کل ہے۔

روکنے سر کو روکنے ہاں یہی امتحان ہے

کہہ کر احمد رضا عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی تڑپ کو بھی برقرار رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے آداب کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا معاملہ یہ ہے کہ بغیر عشقِ الہی کے حاصل نہیں کر سکتے۔ اور یہاں اجازت ہے کہ عشق کی دیوانگی کو بے محار چھوڑ سکتے ہیں:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار

عشقِ حقیقی اللہ کا ایک نایاب تحفہ ہے یہ عشق دولت و ثروت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یادِ الہی اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تپش میں اپنے آپ کو جلانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور جب یہ دولت لازوال حاصل ہوتی ہے تب وہ مدحتِ رسول ﷺ کرنے کا حقدار ہوتا ہے اور ایسے عشاق کی مدحت پھر صرف شاعری نہیں رہتی اور نہ ساحری بنتی ہے، بلکہ حیاتِ جاودانی کا درس دیتی ہے اور زندگی میں ایسی تازگی کا رس گھولتی ہے جو دائمی ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم نعتیہ شاعری میں جمالیاتی عناصر کی تلاش کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہمارے ذہن میں ادب کے وہی بندھے نکلے معیار نظر آتے جو عشقِ مجازی کے معیار ہیں۔ نعتیہ شاعری میں اس معیار کی تلاش بے سود ہے کیونکہ یہاں تو وہ معیار نظر آئیں گے جس میں پاکیزگی اور تقدس کے عناصر ملیں گے۔ اسی لیے شاعری کی تنقید کرنے والوں کی نظر عموماً ان عناصر کی تلاش کرتے ہیں جو عشقِ مجازی کی خصوصیات ہیں۔ لہذا وہ نعتیہ شاعری کو فنی جمالیات سے خالی تصور کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نعتیہ شاعری میں فنی اعتبار سے جدت و ندرت دیکھنے کو نہیں ملتی کیونکہ یہاں بے شمار پابندیاں ہیں اور موضوعات بھی طے ہیں۔ یہاں حد ادب کو ملحوظ رکھنا ہوتا اور نعتیہ شاعری میں مبالغہ اور تخیل کی کارفرمائی کی گنجائش بھی نہیں۔ نعت گو شاعر کے ذہن میں ہمہ وقت یہ بات رہتی

ہے کہ شان رسول ﷺ میں کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔ نعتیہ شاعری میں ذرا سی لغزش شاعر کو گمراہی اور ضلالت کی طرف لے جاسکتی ہے۔ اسی لیے شاعر محض اپنے عقیدے کا اظہار کرتا ہے۔ لہذا اس طرح کی شاعری میں اسلوب و بیان کی جولانیوں کے بجائے سیدھا سادہ بیان اور اسلوب دیکھنے کو ملتا۔ فن کی نیرنگیاں اور زبان و بیان کی لطافتیں نعتیہ شاعری میں عموماً مفقود ہیں۔ جو لوگ بھی نعت کو پسند کرتے ہیں وہ محض عقیدت کی بنیاد پر۔ لیکن یہ تمام باتیں یکسر غلط ثابت ہو جاتی ہیں جب ہم نعتیہ کلام کا بغائر مطالعہ کرتے ہیں۔ صرف احمد رضا کی شاعری کو دیکھیں تو یہ تمام مفروضات غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ مثال میں یہاں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی، نازک شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو، روح القدس سے ایسی شاخ
ظاہر و باطن، اول و آخر، زیب فروغ و زین اصول
باغ رسالت میں ہے تو ہی گل، غنچہ، جڑ، پتی شاخ

ان اشعار میں ایسی شعری جمالیات کی مثالیں موجود ہیں جن کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی کیونکہ یہاں صرف اسلوب کی ندرت ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت کے بیان میں وہ جدت ہے کہ عقیدت و محبت کے ساتھ نعت کی عظمت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ اسلوب بھی رنگین ہے اور بیان بھی جدید ہے۔ شاخ طوبیٰ کی اونچی اور نازک شاخ کہہ کر امام احمد رضا نے نعتیہ شاعری کی عظمت کے ساتھ ساتھ اس کے آداب کو جس خوبی سے بیان کیا ہے ایسا دلکش اور دلپذیر نمونہ شاعری عشقیہ کلام میں نظر نہیں آتی۔ ان دو اشعار میں اختصار و ایجاز کے ساتھ جس طرح عظمت نعت کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ کی اس کائنات گیتی میں آمد اور تمام رسول و انبیاء میں آپ کی اولیت کو ظاہر کیا ہے وہ ان کا انوکھا اسلوب اور نادر انداز بیان ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ نعت رسول ﷺ لکھنے اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔ سعدی شیرازی جب نعت نبی ﷺ کہنے کا ارادہ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبست
یا کوئی یہ کہہ کر خاموش ہو گیا:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن امام احمد رضا نے عجز بیان ظاہر نہیں کرتے بلکہ نعت نبی ﷺ لکھنے کے لیے انتہائی عظیم وسیلہ کو ڈھونڈتے ہیں اور تب یہ کہتے ہیں:

ماگوں نعت نبی لکھنے کو، روح القدس سے ایسی شاخ
اب آپ زمانہ قدیم کے اس رواج کو نظر میں رکھیں جب قلم کی جگہ سرکنڈے کے قلم کا
استعمال کرتے تھے۔ اس عہد میں قلم تراشنے کے لیے شاخ طوبیٰ کی تمنا کرنا بھی اپنے آپ میں
بڑی عظمت کا متحمل ہے۔

ان تمام صفات کے باوجود اگر اردو تنقید میں نعتیہ شاعری کو نظر انداز کیا گیا ہے تو یہ اردو تنقید
کا المیہ ہے نعتیہ شاعری کا المیہ نہیں کیونکہ نعت و حمد تو دنیا کے ہر خطے میں گنگنائے جاتے رہیں
گے۔ اور عشق رسول ﷺ کے متوالے اس سے سرور و کیف حاصل کرتے رہیں گے۔ اردو
شاعری میں نعتیہ سرمائے کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن بہت کم ہی شاعر ہیں جن کو نعتیہ شاعری
کے سبب اردو ادب میں مناسب جگہ دی گئی ہو۔ اس حوالے سے اگر کسی کا ذکر ہوتا ہے تو اکثر حقیقت
جالدھری اور محسن کا کوروی کا نام آتا ہے۔ محسن کا کوروی کو ان کے مدحیہ قصیدے کی وجہ سے یاد کیا
جاتا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہا بن میں ابھی
کہ چلے آئے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ
کہیں پھر کعبے میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل

یہ وہی قصیدہ معراجیہ ہے جسے محسن کا کوروی اپنا یہ قصیدہ سنانے کے لئے امام احمد رضا کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور ظہر کی نماز کے بعد محسن کا کوروی نے اشعار سنانے شروع کیا۔ ابھی
دو اشعار ہی پڑھ سکے تھے کہ امام احمد رضا نے کہا اب بس کیجیے عصر کی نماز کے بعد بقیہ اشعار سنے
جائیں گے۔ اسی ظہر و عصر کے درمیان امام احمد رضا نے بھی ایک قصیدہ معراجیہ لکھا اور جب مجلس بیٹھی
تو پہلے آپ نے اپنا قصیدہ سنایا۔ اسے سن کر محسن کا کوروی نے کہا:

”مولانا اب بس کیجیے اس کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سناسکتا“

محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی میاں بیان فرماتے ہیں کہ لکھنؤ کے ادیبوں کی ایک شاندار محفل میں حضرت رضا رحمہ اللہ علیہ کا قصیدہ معراجیہ میں نے اپنے مخصوص انداز میں پڑھ کے سنایا تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطہ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدہ کی زبان کے متعلق سننا چاہتا ہوں تو سب نے کہا:

”اس کی زبان کوثر و تسنیم کی دھلی ہوئی ہے۔“

اب ذرا اس قصیدے کے بھی چند اشعار ملاحظہ کریں:

وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے سماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھو میں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
اتار کر ان کے رخ کا صدقہ وہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جو بن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے
تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے
خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے
سراغِ این و متی کہاں تھا نشانِ کیف و الی کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا

جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

قصیدے کے یہ اشعار کسی بھی اردو طرح اردو کے نمائندہ قصائد سے کم نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قصیدے کی اصل روح لب و لہجے کا پُر شکوہ ہونا ہے اور مبالغہ اس کی جان ہے، تخیلات کے

سہارے شاعر اپنے کلام کو دلکش و دلفریب بناتا ہے۔ امام احمد کے اس قصیدہ 'معراجیہ' میں صنفِ قصیدہ کی تمام خوبیاں اپنے خاص آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔ یہاں شعری جمالیات کے وہ عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں جن کا سرا اگر ایک طرف اگر انتہائی عقیدت و محبت کی طرف جاتا ہے تو دوسرا سرا قرآن و حدیث سے ملتا ہے۔ اس لیے اس قصیدے میں جن کی جو جلوہ طرازیوں اور جولانیوں موجود ہیں ان کو مئےِ دو آتشہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اردو شاعری میں پیکر تراشی کو خاص اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ پیکر تراشی کا ملکہ ہر کوئی کو حاصل نہیں کیونکہ پیکر تراشی کا مطلب یہ ہے کہ لفظوں کے ذریعے کسی تصور یا خیال کو اس طرح پیش کرنا کہ اس کی شکل و صورت سامنے آجائے۔ نعتیہ شاعری میں یہ تو نہیں کر سکتے۔ البتہ مراثی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ نعت میں چونکہ حضور اکرم ﷺ کی مدحت ہوتی ہے۔ اور اس حوالے سے پیکر تراشی کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ لیکن امام احمد رضا کا شعری اسلوب دیکھئے کہ انھوں نے اپنے اشعار میں ان کے صفات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ پیکر تراشی کا شائبہ ہوتا ہے۔ مثال ملاحظہ فرمائیں:

سر تا بقدم ہے تن سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
ایک اور مثال دیکھیں:

خوار و بیمار و خطا وار و گنہ گار ہوں میں
رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

اس شعر میں حضور کے صفات والا کمال کے ساتھ ساتھ جو انداز بیان اور اسلوب ہے اس میں لفظی تلازمے قابلِ دید ہیں۔ پہلے مصرعے کے مقابل دوسرے مصرعے میں ویسے ہی الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو درد کا مداوا ہے اور علاجِ عاصیاں ہے۔ اس طرح کے اشعار وہی کہہ سکتا ہے جس کو زبان کے ساتھ ساتھ فن پر پوری مہارت حاصل ہو۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں امام احمد رضا کو نعتیہ شاعری میں جو رتبہ حاصل ہے اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔ کیونکہ انھوں نے نعتیہ شاعری کو اپنی فکر سے نئی جہات سے آشنا کرایا ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد تنگ و تاریک قبر ہی سب کا ٹھکانہ ہونے والا ہے۔ لیکن عشقِ رسول ﷺ کے دیوانے قبر میں جانے سے ڈرتے نہیں بلکہ قبر میں جانے کی حسرت رکھتے ہیں کیونکہ قبر میں نور

محمدی ﷺ کا دیدار ہونے والا ہے۔ اب اعلیٰ حضرت کا یہ شعر دیکھیں کہ انھوں نے اسی موضوع کو کس انوکھے انداز سے باندھا ہے:

لحد میں رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے
اس طرح کے اشعار وہی کہہ سکتا ہے جو سچا عاشق رسول ﷺ ہو کیونکہ اسے معلوم ہے کہ
جس قبر میں نور محمدی ﷺ آجائے وہاں پھر اندھیرا کیسا؟ یا اس شعر کو دیکھیں جو عشق کے انوکھے
رنگ میں ڈوبا ہوا ہے:

کاش آویزہ قنذیلِ مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روزِ فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

مورا تن من دھن سب پھونک دیا
یہ جان بھی پیارے جلا جانا

اب چند ایسے اشعار بھی ملاحظہ کریں جو امام احمد رضا کی فکری و فنی عظمت کی دلیل ہیں:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھو کریں سب کی کھائیں کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا
دل عبثِ خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا
گروں کا سہار عصائے محمد ﷺ

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلادیے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

ان اشعار کے مطالعے سے بس یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ:
ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس راہ چل گئے ہو سکے بیٹھا دئے ہیں

پروفیسر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

سیرت ابن ہشام کے کچھ سیرتی مباحث - اشعار کی روشنی میں

سیرت پاک کی اولین کتابوں میں سیرت ابن ہشام اور سیرت ابن اسحاق کا ذکر واضح الفاظ میں موجود ہے۔ سیرت ابن اسحاق کا علاحدہ ذکر عہد حاضر میں ممکن نہیں، البتہ محققین کے نزدیک اس کا پورا مواد یا حجم سیرت ابن ہشام میں آ گیا ہے۔ ابن ہشام نے جگہ جگہ ابن اسحاق کی مرتب سیرت پر اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ سیرت ابن ہشام بہ مکمل ہمارے سامنے موجود ہے، بعد کے سیرت نگاروں نے اسے اساسی ماخذ کا درجہ دیا۔ اس کی افادیت واہمیت کے پیش نظر دنیا کی قائدانہ زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ ابن ہشام نے اپنی اس کتاب کی ترتیب میں مختلف مراجع کو پیش نظر رکھا۔ آیات کریمہ اور احادیث سے استفادہ کیا۔ اسی طرح سیرت پاک کے بہت سے پہلوؤں کی توضیح و تشریح کے لئے اشعار عرب کو بھی اساسی مرجع قرار دیا، اور معاندین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار سے استفادہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے انوار و حقائق کو سپرد قسط کیا۔ بالخصوص غزوات و سرایا کی بہت سی باریکیوں کو شعراء کی زبانی بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی نسب، تعمیر کعبہ، آمد رسول، جنگ بدر، دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناپاک عزائم، شہداء اسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاکیزہ احساسات کو اشعار کی روشنی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

عربوں کی معاشرتی، ادبی، ثقافتی اور سیاسی کردوٹوں کا اشعار کی روشنی میں جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے اسے ”دیوان العرب“ کہا گیا ہے۔ شاعر اپنے قبیلے کا ترجمان ہوا کرتا تھا۔ قبیلے کی خصوصیات کو بیان کرنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔ اپنے آباء و اجداد کے کارناموں کا فخر یہ ذکر کرنا، محاذ جنگ پر جا کر اپنے لوگوں کو اکسانا اور تحفظ ناموس میں جان کی بازی لگانے کی

بات کرنا ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ عربوں کے ثقافتی خطوط کا دواوین عرب میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف بھی ناگزیر ہے کہ ان اشعار میں الحاقات بھی ہیں۔ ابن ہشام میں منقولہ اشعار کے باب میں بھی یہ یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہوگا کہ اس میں الحاقات نہیں ہیں۔ لیکن اس اعتراف سے فرار بھی ممکن نہیں کہ اشعار کے بغیر بہت سی سیرتی تفصیل کی دستیابی آسان نہیں۔ اس مضمون میں کوشش ہوگی کہ سیرت ابن ہشام کی پہلی جلد سے بہت سے ایسے اشعار نقل کئے جائیں جن سے عظمت سیرت پاک کا احساس جاگے نیز قارئین سیرت رسول سے خود کو پوری طرح ہم آہنگ کر سکیں۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی شخصیت سے متعلق کچھ اشعار نقل کئے جائیں گے تاکہ یہ انداز ہو سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کن عظمتوں کے حامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندانی سلسلہ کن کن اوصاف عالیہ سے مربوط ہے اور رجال خاندان کو کن کن اعزاز و اکرام سے نوازا جاتا تھا۔

علی رجل کریم غیر وغل له الفضل المبين علی العبيد
(اس شریف شخص پر) (آنسو بہنے لگے) جو دوسروں کے نسب میں ملنے کا جھوٹا دعویٰ نہ تھا۔
جسے بندگان خدا پر نمایاں فضیلت حاصل تھی)

علی الفياض شيبة ذی المعالی أبيض الخیر وارث کل وجود
(شیبہ پر جو بڑا فیاض اور بلند مرتبہ والا تھا۔ اپنے اچھے باپ پر جو ہر قسم کی سخاوت والا تھا)
صدوق فی المواطن غیر نکس ولا شخت المقام ولا سفیه
(اس پر جو جنگ کے میدانوں میں خوب لڑنے والا۔ اپنے ہمسروں سے کسی بات میں پیچھے نہ رہنے والا، نہ کم رتبہ اور نہ دوسروں کے نسب میں مل جانے والا تھا)

طویل الباع ، أردع شیظمی مطاع فی عشیرتہ حمید
(اس پر جو بہت ہی کشادہ دست، عجیب حسن و سخاوت والا، بھاری بھر کم گھرانے کا قابل تعریف سردار تھا)

أعینی واستخرطاً او اسجماً علی رجل غیر نکس کھام
(اے میری آنکھوں! خوب جم کر رولو، اور ایسے شخص پر آنسو بہاؤ جو نہ پیچھے رہنے والا تھا اور نہ کمزور)

علی شيبة الحمد، واری الزناد وذی حصق بعد ثبت المقام

(مہمان نواز، قابل ستائش شیبہ پر اور اپنے مقام پر جے رہ کر، سخت حملہ کرنے والے پر)
 وسيف لدى الحرب صمصامة ومردى الخاصم عند الخصام
 (اس پر جو جنگ کے وقت خم نہ ہونے والی تلوار اور جھگڑے کے وقت دشمن کو ہلاک کرنے والا تھا)

وسهل الخليفة، طلق الیدین وفی عد ملی صمیم لهام
 (نرم سیرت والے، کشادہ ہاتھوں والے، وفادار، سخت پختہ ارادے والے، کثیر الخیر شخص پر)

مذکورہ اشعار کے علاوہ بی شمار اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی شناخت کی گئی ہے۔ اشعار میں مذکورہ صفات شہادت دیتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک معروف و ممتاز گھرانے سے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا مہمان نواز، سخی، پیش پیش رہنے والے، ثابت قدم جنگجو، بااخلاق، نرم خو، وفادار اور کثیر الخیر انسان تھے۔ ایسے پاکیزہ اور مقدس ماحول میں پرورش پانے والا انسان لازماً اعلیٰ اقدار کا حامل ہوگا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اسی اعلیٰ و ارفع سلسلہ نسب سے تھا۔ گویا خاندانی وجاہت اور رسالت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کا مثالی انسان بنادیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء اور انتہا تمام نفائس سے مربوط تھیں۔ ایسا عظیم اور خلیق انسان اب تک دنیا میں نہ آیا ہے اور نہ آئندہ آئے گا۔ اسی پہلو کو قرآن کریم میں یوں واضح کیا گیا ہے۔

ومن الليل فتهد به نافلة
 لك عسى ان يبعثك ربك
 مقاما محمودا (بنی اسرائیل ۷۹/۱۷)
 اور اے پیغمبر! رات کا کچھ حصہ (یعنی پچھلا پہر)
 شب بیداری میں بسر کر یہ تیرے لئے ایک
 مزید عمل ہے قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے
 مقام میں پہنچا دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو۔

مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں ”مقام محمود“ کی نہایت اچھی تصویر کشی کی ہے مناسب ہوگا کہ یہ طویل اقتباس نقل کر دیا جائے جو قارئین کے لئے باعث فرحت ہوگا:

”آیت ۷۹ میں مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے۔ فرمایا کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو عالم گیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے

تھے اور مظلومیت اور بے سروسامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی، حتیٰ کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کر سکتا تھا کہ انہیں مظلومیوں سے فتح و کامرانی پیدا ہو سکتی ہے؟ لیکن وحی الہی نے صرف فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہیں دی، کیوں کہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی، بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت و ارتقاء کی سب سے آخری بلندی ہے، یعنی ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا“ حسن و کمال جہاں پہنچ کر محمودیت خلاق کی عالم گیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو، لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی، ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی، محمود یعنی سرتا سرمدوح ہستی بن جائے گی:

ما شئت قل فیہ فأنت مصدق فالحب یقضى والمحاسن تشهد
یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے۔ اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی، اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ جاسکتی ہے، لیکن یہ بات نہیں پاسکتی کہ روجوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے، سکندر (Alexander) کی ساری فتوحات خود اس کے عہد و ملک کی ستائش اسے نہ دلاں کیں اور نپولین (Napoleon) کی ساری جہاں ستائیاں اتنا بھی نہ کر سکیں کہ کورسیکا (Corsica) کے چند غدار باشندوں میں اسے محمود و مدوح بنادیتیں جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں حسن و کمال ہو، کیوں کہ روجیں حسن ہی سے عشق کر سکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستائش میں کھل سکتی ہیں، لیکن حسن و کمال کی مملکت وہ مملکت نہیں جسے شہنشاہوں اور ماتحتوں کی تلواریں مسخر کر سکیں۔

غور کرو! جس وقت سے نوع انسانی کی تاریخ معلوم ہے نوع انسانی کے دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستائش کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصے میں یا خدا کے ان رسولوں کے حصے میں جنہوں نے جسم و ملک کو نہیں، روح و دل کو فتح کیا تھا؟ یہی مقام محمود ہے جس کی خبر ہمیں ایک دوسری آیت میں دی گئی ہے اور خبر کے ساتھ امر بھی ہے: ”ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی، یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔“ (۵۶:۳۳)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہوگا جو قیامت کے دن پیش

آئے گا جب کہ اللہ کی حمد و ثنا کا علم آپ کریں گے، اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے۔ جو ہستی یہاں محمود خلّاق ہے وہاں بھی محمود و مدوح ہوگی۔ (ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، پہلی بار ۱۹۷۷ء، ۳۰۸-۳۰۶)

اس مؤقر و مکرم انسان کا قصہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے کہا یہ صفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی غمازی کرتی ہیں۔ اگر میں اس وقت تک باحیات رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاؤں گا۔ لیکن افسوس کہ آپ کی زندگی میں یہ خوبصورت ساعت ظہور پذیر نہ ہو سکی۔ ورقہ بن نوفل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اپنے احساسات کو ان اشعار میں منظوم کیا ہے۔

ببطن المکتین علی رجائی حدیثك ان أری منه خروجا
(اے خدیجہ! میں سمجھتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ تمہاری بات کا ظہور مکہ کے دونوں بطنوں کے درمیان ہوگا)

بما خبرتنا من قول قس من الرهبان اكره أن يعوجا
(تم نے راہبوں کی جن باتوں کی خبر دی ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ غلط ہو جائے)
بأن محمداً سيسود فينا ويخضم من يكون له عجيبا
(کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں عنقریب سردار ہو جائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جو شخص کسی سے بحث کرے گا وہی غالب رہے گا)
ويظهر في البلاد ضياء نور يقيم به البشرية أن تموجا
(اور تمام شہروں میں اس کے نور کی روشنی پھیل جائے گی۔ جو خلق خدا کو سیدھا چلائے گی اور منتشر ہونے سے بچائے گی)

فيلقى من يحارب به خساراً ويلقى من يسالهم فلوجا
(اس کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرے گا نقصان اٹھائے گا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کرے گا منجھدر ہے گا)

فياليتني اذا ما كان ذاكم شهدت وكنت اكثرهم ولوجا
(کاش! میں بھی اس وقت رہوں جب تمہارے سامنے ان واقعات کا ظہور ہوا اور کاش میں اس میں داخل ہونے والوں میں سے زیادہ حصہ دار ہوں)

ولو جافی الذی کرهت قریش ولو عجت بمکتها عجیبا
(اس دین میں داخل ہو جاؤں جس سے قریش کو کراہت رہے۔ اگرچہ وہ اپنے مکہ میں بہت کچھ چیخ پکار کریں)

مذکورہ اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ ورقہ بن نوفل ایک عالم اور سنجیدہ طبیعت کے انسان تھے۔ فکر آگئی ان کے مزاج کا حصہ تھی جس کا ظہور ان اشعار میں پوری طرح موجود ہے۔ وہ عیسائیت کے ایک بڑے عالم تھے جس کی وجہ سے انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق موجودہ بشارت سے بخوبی واقف تھے۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف یاب ہوں اور زبان و قلب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف کریں رسالت محمدی سے آپ کی عقیدت و محبت کو ان الفاظ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

وهل امر السفالة غیر کفر بمن یختار من سمک البروج
(جس نے بلندی کو برجوں کے لئے منتخب کیا ہے اس سے انکار و کفر کے سوا کیا کوئی اور ذلت بھی ہے؟)

حضرت ابوطالب اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر چاہتے تھے اور اس محبت میں پورے عرب سے دشمنی مول لینا ان کے لئے کوئی بڑی چیز نہ تھی، وہ بہر صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ اور دفاع کے لئے تیار تھے۔ کچھ محققین اور مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ اندرونی طور سے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن معاشرتی خوف اور اپنے آبائی دین کے سبب زبان سے اعتراف ان کے لئے ایک مسئلہ بن چکا تھا لیکن ہم اس مسئلے میں نہ جاتے ہوئے صرف اتنا اظہار خیال ضرور کریں گے کہ حضرت ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و جان سے شیدائی تھے۔ وہ جو بھی کریں وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔ گویا ان کی دعوت توحید اور دین اسلام کے احیاء سے متعلق کوششوں کا ساتھ دیں گے۔ اللہ دلوں کا حال بہتر جانتا ہے وہ اسی کے مطابق فیصلہ صادر کرے گا۔ جب عربوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک طوفان برپا ہو گیا تو آپ نے ان اعداء رسول کے سامنے پہلے اپنے خاندانی وقار کا ذکر کیا اور اس کے بعد شریعت محمدی کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی قوم کی عداوت و شناعة کو موضوع بحث بنایا۔

ولما رأیت القوم، لا ود فیہم وقد قطعوا کل العری والرسائل
(جب میں نے قوم کو دیکھا کہ ان میں محبت نہیں رہی اور انہوں نے تمام تعلقات اور

رشتوں کو توڑ دیا)

وقد صارحونا بالعداوة والاذ وقد طاعوا أحد العدو المزال
(انہوں نے ہم سے کھلی دشمنی اور ایذا رسانی شروع کی۔ انہوں نے ہم سے الگ ہونے والے دشمن کی بات مانی)

صبرت لهم نفسى بسمراء سمحة وأبيض غضب من تراث المقاتل
(تو میں بذات خود ایک چمکیلے نیزے اور شایان سلف کی وراثت میں ملی ہوئی ایک چمکیلی تلوار لے کر ان کے مقابلے میں ڈٹ گیا)

یہ ایک طویل قصیدہ ہے۔ اس میں حضرت ابوطالب نے اپنی حیثیت بتلائی اور اپنے مخالفین کو ہدف تنقید بناتے ہوئے مختلف انداز میں اپنے احساسات و جذبات کی عکاسی کی ہے اور اختتامِ قصیدہ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف اعلیٰ جہات و صفات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ ان اشعار میں حضرت ابوطالب کی محبت کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ انھیں اپنے بھتیجے سے کس قدر قلبی اور جذباتی لگاؤ تھا۔ ان کی ہر تحریک اور ہر اقدام کا سہارا بنے سردارانِ عرب کی مخالفتیں ان کے جوشِ محبت کو جدانہ کر سکیں اس تعلق سے کچھ اشعار ہدیہِ ناظرین ہیں۔

لعمري لقد كلفت وجداً بأحمد واخوته داب المحب المواصل
(اپنی عمر کی قسم! جس طرح دائمی محبت کرنے والوں کی محبت ہوتی ہے۔ میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان بھائیوں کے عشق میں مبتلا کیا گیا ہوں)

فلا زال في الدنيا جمالا لأهلها وزيناً لمن والاه رب المشاكل
(ایک دوسرے سے متشابہ شکلیں بنانے والے پروردگار احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے بھائیوں سے تعلقات رکھنے والوں کے جمالِ دنیوی ہمیشہ رکھے اور جن لوگوں کی اس نے سرپرستی کی ہے ان کی زینت کو دوامِ عطا فرمائے)

فمن مثله في الناس أي مؤمل اذا قاسه الحكام عند التفاصيل
(احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سالوگوں میں ہے کون؟ حکام نے جب فضائل کا مقابلہ کرنے کے لئے اس (کے رتبے) کا اندازہ کیا تو اس کے لئے ان لوگوں میں جن سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔ عجیب قسم کی برتری ہوئی)

حليم، رشيد عادل، غير طائش يوالى الها ليس عنه بغافل

(وہ بردبار، سیدھی راہ چلنے والا، عادل، جذباتی نہیں ہے۔ اس کا تعلق ایک ایسے معبود سے ہے جو اس سے غافل نہیں)

لقد علموا أن ابننا لا مكذب لدينا ولا يعنى بقول الأباطل
(تمام لوگوں کو پتہ ہے کہ ہمارا بیٹا ہم لوگوں کے نزدیک کذب و افتراء سے پاک ہے اور
لا یعنی باتوں پر توجہ نہیں دی جائے گی)

حدبت بنفسى دونه وحميته ودافعت عنه بالذرا والكلاكل
(اس کی مدافعت میں میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال دی۔ اپنی نسبت کی بلندی
اور سینے کے بڑے حصے سے اس کی حفاظت کی)

فأيدى رب العباد بنصره وأظهر ديننا حقه غير باطل
(پس رب العباد نے اسے اپنا ذاتی تعاون دیا۔ اور اپنی حقانیت سے دین برحق کو سر بلندی
عطا کی)

حضرت ابوطالب کے اس طویل قصیدہ سے چند اشعار یہاں پیش کئے گئے۔ اس میں تین
بنیادی نکات پر توجہ صرف کی گئی ہے۔ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس شاخ سے تعلق ہے
وہ اپنے کردار کے سبب ممتاز و منفرد ہے۔ دوسرے مخالفین کے انداز فکر پر اظہار افسوس بتایا گیا ہے
اور مسک الختام کے طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ اور مقامات مقدسہ کا عقیدہ تاذکر
کیا گیا ہے۔ ان اشعار کے تناظر میں حضرت ابوطالب کی عظمت کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ تمام
ترموانع و مشاکل کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی دست کش نہیں ہوئے۔

سیرت ابن ہشام میں ہجرت مدینہ کے حوالے سے خاصی معلومات موجود ہیں۔ جب اللہ
کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں تین روز مقیم رہے اور وہیں سے ہجرت کا منصوبہ بنایا، لیکن یہ
سب چیزیں راز میں رہیں یہاں تک کہ ایک جن کے ذریعہ اس حقیقت کا اظہار کیا گیا۔ یہ اظہار
منظوم شکل میں تھا:

خير الله رب الناس خير جزاء رفيقين حلا خيمتى ام معبد
(رب الناس ان دونوں دوستوں کو اپنی جانب سے بہترین جزاء دے جو ام معبد کے خیمے
میں اترے)

هما نزلا بالبر تم تروحا فأفلق من أمسى رفيق محمد

(وہ دونوں اچھائیوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ پھر شام ہوتے ہوتے روانہ ہو گئے۔ یہ یقینی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی فلاح یاب ہوگا)

لیعصى بنی کعب مکان ومقعدھا للمؤمنین بمصر
(بنی کعب کو اپنے زنان خانے اور دلو ان خانے سے خوش ہونا چاہئے کہ وہ ایمان داروں کی انتظار گاہ ہیں)

مذکورہ اشعار میں رسالت محمدی کے تقدس و تبرک کو پیش کیا گیا ہے۔ اس ذات اقدس سے جو کوئی وابستہ ہو جائے کامیابی اس کی تقدیر کا حصہ بن جاتی ہے۔ عہد حاضر میں رفاقت کی شکل یہ ہے کہ سیرت نبوی کو اپنا معیار و محور بنایا جائے اور ہر میدان میں میزان نبوی مقصود و مطلوب ہو۔ یہی رفاقت نبوی اخروی الجھنوں سے نجات کا باعث ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت نبوی کو اللہ نے اس قدر پسند کیا کہ اسے اپنی کتاب میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گویا یہ رفاقت ابوبکر تمام دنیاوی رفاقتوں پر بھاری ہے۔ جس کا ذکر سورہ توبہ میں یوں کیا گیا ہے:

الاتنصروه فقد نصره
اللہ اذ اخرجه الذین کفرو
ثانی اثنین اذهما فی الغار
اذ یقول لصاحبه لاتحزن ان
اللہ معنا۔ (التوبہ ۴۰/۹)
اگر تم ان (بنی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جب کہ انھیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا۔ دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس کی توضیح کچھ اس طرح ہے:-

”جہاد سے پیچھے رہنے یا اس سے جان چھڑانے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد اس وقت بھی کی جب اس نے غار میں پناہ لی تھی اور اپنے ساتھی یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا ”غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے“ اس کی تفصیل حدیث میں آئی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”جب ہم غار میں تھے تو میں نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر ان مشرکین نے (جو ہمارے تعاقب میں ہیں) اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے“ حضرت بنی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر! ”ما ظنک باثنين الله ثالثهما“ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ التوبہ) اے ابو بکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے ”یعنی اللہ کی مدد اور اس کی نصرت جن کے شامل حال ہے۔“

(قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، ۱۴۱۷ھ، ص: ۵۱۲)

یہ رفاقت تمام مادی آلائشوں سے پاک و صاف ہے۔ ہم اپنی رفاقت کا جائزہ لیں کہ کیا سرور کائنات کے تئیں اس میں صداقت اور اخلاص ہے۔ رفاقت محمدی کے توسط سے ہم مناصب اور شہرت و عظمت کے خواستگار تو نہیں؟ آج اسی رفاقت کے حوالے سے سیرت اور دولت کمائی جا رہی ہے۔ گویا نعت گوئی اور نعت خوانی حصول مادیت کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ پاکستانی خواتین اس نعت خوانی کے توسط سے اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم اس حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود بھی ذلت و حقارت کی زد پر ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں ایک خوشی کا ماحول تھا۔ اس بابرکت تشریف آوری سے وہاں کی فضا خوشیوں اور برکتوں میں بس گئی۔ ہر شخص اپنی قسمت پر نازاں تھا کہ دنیا کی قیمتی متاع ہمارے حصے میں آگئی۔ ہماری ہی سرزمین سے اسلام کا بول بالا ہوگا اور ہم خدام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلائیں گے۔ ابوقیس صرمہ نے ان جذبات کی ترجمانی اس انداز سے کی ہے۔

ثوی فی قریش بضع عشرة حجةً یذکر لویلقى صديقاً مواتیا
(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دس سال سے زائد قریش میں قیام پذیر رہے کہ کاش کوئی موافق دوست مل جائے)

ويعرض فی أهل المواسم نفسه فلم یرمن یؤدی ولم یر داعیا
(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے مواقع پر خود کو (عوام الناس کے سامنے) پیش کرتے رہے، لیکن کسی نے نہ تو دست گیری کی اور نہ ہی کسی لبیک کہنے والے شخص کا مشاہدہ کیا)

فلما أتانا أظهر الله دينه فاصبح مسروراً بطيبة راضياً
(جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف فرما ہوئے تو اللہ نے اپنے دین کو غلبہ عطا کیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر طیبہ سے مکمل طور سے راضی برضا ہو گئے)

وألقي صديقاً واطمانت به النوى وكان لنا عوناً من الله باديًا

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا دوست پایا جس میں آپ کی غریب الوطنی کو اطمینان حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے معاون تھے کہ جس کی مدد بالکل ظاہر و باہر تھی۔

يقص لنا مقال نوح لقومه وما قال موسى اذا جاب المناديا
نوح عليه السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بیان فرماتے ہیں اور موسیٰ نے (غیب سے) پکارنے والے کو جو جواب دیا، اس کی تفصیل فرماتے ہیں۔

واصبح لا يخشى من الناس واحداً قريباً ولا يخشى من الناس نائياً
(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں صبح کی کہ لوگوں میں سے کسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ڈرتے، چاہے وہ نزدیکی ہو یا دور والا)

بذلنا له الاموال من حل مالنا وانفسنا عند الوغا والتأسيا
(ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جائیں اور اپنے مال کا بڑا حصہ جنگوں اور ہمدردیوں میں صرف کیا۔)

ونعلم ان الله لا شيء غيره ونعلم ان الله افضل هادياً
(اور ہم جاننے لگے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز ہے ہی نہیں اور جان رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہترین رہنما ہے۔)

نُعَادِي الذِي عَادَى مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ جميعاً وان كان الحبيب المصافيا
(سب لوگوں میں سے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنی کا اظہار فرماتے ہیں ہم بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ مخلص دوست ہو۔)

أَقُولُ إِذَا دَعَاكَ فِي كُلِّ بَيْعَةٍ تَبَارَكَتْ قَدْ أَكْثَرْتَ لِأَسْمِكَ دَاعِيَا
(جب میں ہر عبادت گاہ میں جا کر تجھ سے دعا گو ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ تم نے برکتیں نازل کیں، یقیناً میں نے دعا کرتے ہوئے تیرا نام بہت لیا ہے۔)

أَقُولُ إِذَا جَاوَزْتَ أَرْضًا مَخُوفَةً حَنَانِيكَ لَا تَظْهَرِ عَلَى الْأَعَادِيَا
(جب میں کسی خطرناک سرزمین سے گزرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ تو اپنی مہربانیوں سے مجھ پر دشمنوں کو غلبہ نہ دے۔)

سیرت ابن ہشام جلد اول سے مذکورہ بالا اشعار نقل کئے گئے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے

مزید اشعار مل سکتے ہیں جن میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل مقدسہ کی توضیح کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ بلند کا انکشاف کیا گیا۔ ان اشعار کی روشنی میں ایک معتبر زاویہ نظریہ سامنے آیا کہ نہ صرف عرب بلکہ رہتی دنیا تک تمام خطوں میں بسنے والے اللہ کے بندوں کے لئے کوئی قائد و رہبر ہو سکتا ہے تو یہ صرف بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے جس کی ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی تحریروں میں نہایت وقیع استدلال فرمایا ہے۔ سرداران عرب نے ہر طرح سے اس آواز کو دبانا چاہا لیکن چونکہ اس آواز کو تائید ایزدی حاصل تھی اس لئے اس سیادت و قیادت کو دبانا یا چراغ مصطفوی کو بجھانا انسانی بساط سے باہر تھا۔ قرآن کریم نے جس کی تبلیغ تصویر کشی یوں کی ہے: ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارا آواز بلند کیا۔ اس کی تفسیر صاحب تدبر قرآن نے یوں کی ہے:

یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ ہم نے تمہارا آواز بلند کیا! ”لک“ جس طرح پہلی آیت میں اختصاص، تائید اور نصرت کے اظہار کے لئے ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ یعنی تمہاری تقویت و حوصلہ افزائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہارا ذکر دور دور تک پھیلا دیا ہے۔

اس آیت سے سورہ کا زمانہ نزول معین ہوتا ہے کہ یہ اس دور میں اتری ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا چرچا عرب کے اطراف و اکناف میں پھیلنے لگا ہے۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ مکہ کے سادات جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے دعوت دی، وہ تو ایک عرصہ تک دعوت اور داعی کی مخالفت پر جمے رہے لیکن حج کے موسم میں باہر کے جو لوگ آتے ان کے ذریعہ سے یہ دعوت مکہ کے اطراف خصوصیت کے ساتھ مدینہ کے انصار میں پھیل گئی۔ پھر بالتدریج نہ صرف عرب کے دور و قریب کے قبائل بلکہ اطراف کے دوسرے ملکوں میں بھی اس کا ذکر پہنچ گیا اور یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں رہا کہ یہ آواز دبنے والی نہیں ہے بلکہ جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ بچہ بچہ کی زبان پر اس کا چرچا ہوگا اور گوشہ گوشہ اللہ اکبر کی صدا سے گونج اٹھے گا۔

(تدبر قرآن۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، دہلی ۱۹۸۹ء/۹۲۷)

ان اشعار سے یہی ترشح ہوتا ہے کہ اگر فکر میں صداقت، دیانت، اخلاص اور جذبہ انفاق شامل ہو تو کامیابیاں تحریک اور تقدیر کا نوشتہ بن جاتی ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثاروں کے احوال و آثار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ مذکورہ تمام اوصاف بدرجہ اتم ان کے اندر موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفتیں اور عداوتیں ان کے سامنے بے معنی ہو کر رہ گئیں۔ یہ جیش

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تعداد میں کم اور آلات حرب کے لحاظ سے خالی خولی، لیکن حمایت حق اور اخلاص کی ایسی دولت اور ایسی قوت ان کے پاس تھی جو تمام قوتوں اور لشکروں پر بھاری ہوتی۔ چنانچہ پورا عرب اسی اخلاص و انفاق کے سبب زیر اسلام آگیا اور خانہ کعبہ جو بتوں کا ٹھکانا تھا اور اس کی دیواریں مختلف تصاویر سے اٹی ہوئی تھیں نعرہ توحید سے گونجنے لگیں۔ وحدانیت کے نام پر وجود میں آنے والا یہ خانہ کعبہ جو شرک و کفر میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے خالص توحید کے لئے مخض کر دیا گیا۔ یہ توحیدی اختصاص انشاء اللہ تاقیامت برقرار رہے گا اس عظیم فتح و کامرانی کے لئے سورہ الکوثر کو نازل کیا گیا اس حکم کے ساتھ کہ اب سجدے صرف رب العالمین کے کئے جائیں گے، اور قربانی محض اسی کے نام کی جائے گی، اور تمہارے دشمنوں کی پوری طرح تیخ کنی کر دی گئی ہے۔ ان تمام مباحث کی توضیح مولانا فراہی نے اپنی تفسیر الکوثر میں کر دی ہے جس کا سیرت پاک سے گہرا تعلق ہے۔ تعمیر کعبہ کے حوالے سے اس سیرت میں کافی مواد موجود ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی نامناسب نہ ہوگی کہ اردو زبان میں تعمیر کعبہ کے تعلق سے جو تحریریں موجود ہیں ان میں سب سے نمایاں تحریر اور تحقیق سرسید کے خطبات احمدیہ میں ہے۔

سیرت ابن ہشام کی ایک بین خصوصیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب و نسب کے باب میں کافی اشعار موجود ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب و نسب کے تعلق سے یہود و نصاریٰ نے جو تحریفات و تکذیبات کی ہیں اس کا عملی جواب مولانا فراہی کے مکاتیب شبلی، سیرت النبی اور فیمن هو الذبیح میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی خاندانی وجاہت کے تعلق سے متعدد قصائد اس میں موجود ہیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب عالی اور علونسی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان قصائد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی معاشرتی خدمات، حجاج کعبہ کی نگہداشت، شجاعت اور سخاوت اور ضیافت کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کی مثال دنیا پیش کرنے سے در ماندہ ہے۔ اسی طرح حضرت ابوطالب نے اپنے اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس و ترفع کا ذکر چھیڑا ہے، نیز مختلف اوصاف پر روشنی بھی ڈالی ہے۔ دشمنان رسالت پر لعن طعن کی ہے اور ان کی دناءت و سطحیت پر اظہار افسوس کیا ہے۔ حضرت ابوطالب کی زندگی کا یہ پہلو قابل اعتناء ہے کہ انھوں نے اس طوفان عداوت میں حمایت رسالت کا بباغ دہل اعلان کیا۔ یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت

وحدت کا شعراء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات بھی دیئے۔ جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کن شدائد و مصائب سے دوچار تھے یعنی سیرت ابن ہشام سے معاندین رسالت کے پلید احساسات کا ادراک بھی ناممکن نہیں ہے۔ اسی طرح جنگ بدر کے موضوع پر ایسے بیشمار قصائد ہیں جن میں معتقدین خاتم الرسل نے اسلام اور رسالت کے تئیں اپنے اخلاص کو منظوم کیا ہے۔ اسی طرح کفار و مشرکین نے اپنی حسرت کا رونا بھی رویا ہے اور عربوں کو انتقام کے لئے اکسایا ہے ان دونوں احساسات کا مطالعہ کیا جائے تو جنگ بدر کی ایک سچی تصویر سامنے آسکتی ہے۔ ان قصائد میں جہاں بیشمار سیرتی جہات ہیں وہیں تفسیر آیات کریمہ کی بہت سی گریں بھی واہوتی ہیں۔ مثلاً اصحاب الاخدود، اصحاب فیل، اصحاب کھف، ذوالقرنین، اسراء و معراج، برہان قرآن، تحویل قبلہ، سورہ انفال کا نزول اور تحریف قرآنی جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یہاں یہ صراحت بھی نامناسب نہ ہوگی کہ مقالات سرسید میں اسراء و معراج پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس کا خوبصورت جائزہ پروفیسر محمد صلاح الدین عمری نے اپنے مقالہ ”واقعہ اسراء و معراج“ میں کیا ہے (دیکھئے: خطبات احمدیہ کا مطالعہ (تریب از ڈاکٹر عبید اللہ فہد اور پروفیسر سید لطیف حسن شاہ کاظمی) سیرت کمیٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۱۶ء، ۱۴۳۷ھ، ص: ۸۳-۷۴)

سیرت ابن ہشام سے ایک صحت مند نقطہ نظر یہ منظر عام پر آتا ہے کہ سیرت رسول کا اصل معتبر و مستند مصدر قرآن کریم ہے۔ اس اساسی مصدر کے ذریعہ دیگر مصادر سیرت کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے عصر حاضر میں پاکستانی محقق مرحوم خالد مسعود نے اپنی مایہ ناز تصنیف ”حیات رسول امی“ کے ذریعہ یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ انھوں نے قرآنی میزان کے توسط سے بہت سی روایات پر سوالیہ نشان کھڑا کیا ہے۔ ابن ہشام کو شعری منحولات کا پورا اندازہ ہے۔ اکثر قصائد نقل کرتے ہوئے ان کی تحقیقی نوعیت کا تعین بھی پیش کیا ہے اور ان کے معیار و مصداق پر اپنا تنقیدی رویے کا اظہار کیا جس سے یہ متبادر ہے کہ سیرت سے متعلقہ اشعار کا ایک بڑا حصہ الحاقی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عربی اشعار کا سیرت مقدسہ کی تقدیم میں گراں قدر رول رہا ہے۔ سیرت کے باب میں قرآن کریم ایک حتمی ماخذ ہے جو تمام شکوک و شبہات سے معری ہے۔ لیکن افسوس کہ سیرت مقدسہ کی تعمیر و تاسیس میں بیشمار ماخذ کو بغیر چھان پھٹک کے استعمال کیا گیا ہے۔ سرسید اور شبلی پہلے شخص ہیں جنھوں نے سیرت نگاری کو علمی و فکری رخ دیا۔ آج تفاسیر اور سیرت میں ضعیف روایات کا ایک ڈھیر ہے جن میں صحیح و فہم روایات کا انتخاب و اختیار ایک دشوار عمل ہے۔ اسی طرح

نعتیہ اشعار میں ضعیف روایات کا بکثرت استعمال رہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ”کان خلقه خلق القرآن“ کا ماہصل یہی ہے کہ سیرت مقدسہ کی ترتیب میں ان مآخذ و مصادر سے مدد لی جائے جو معیار و میزان کے اعتبار سے اعلیٰ و ارفع ہوں۔ اس میں کہیں سے ابہام و ایہام کا شائبہ نہ ہو۔ بلکہ راقم الحروف یہ بھی کہنا چاہے گا کہ سیرت ابن ہشام کا مطالعہ بھی کھلی آنکھ اور کھلے دل سے کیا جائے تاکہ سیرت پاک کی تنقیحات میں کسی علمی فساد کا دخول نہ ہو۔ سیرت پاک کا یہ آب زلال تمام غل و غث سے دور سے دور تر ہو بلکہ قرآن کریم کی زبان میں ”ماء فرات“ ہو اور مستشرقین کی تمام کاوشیں بلکہ ہرزہ سرائیاں اس بات میں بے معنی ثابت ہوں۔ ولیم میور اور سلمان رشدی کا جواب مظاہرہ اور چیخ و پکار نہیں بلکہ علمی استدلال ہو یعنی کتاب کا جواب کتاب ہو۔



ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری (یو پی)

حمد و نعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ کے تحقیقی مقالوں کا تعارف

راقم اپنی زیر نگرانی حمد اور نعت پر پی ایچ ڈی کی ڈگری یافتہ سرچ اسکالرز اور ان کے موضوعاتِ نعت پر خامہ فرسائی سے پیشتر مناسب سمجھتا ہے کہ وہ اولاً بہ حیثیت ریسرچ سپروائزر اپنی بابت چند باتیں حوالہ قرطاس کر دے۔

راقم کے والد معظم حافظ محمد جمیلؒ ایک مخیر اللہ والے بزرگ تھے، جو غرباء و مساکین کی امداد بہت فراخ دلی اور کشادہ دہی سے کرتے تھے۔ انہوں نے راقم کی تعلیم و تربیت بڑے اشتغال و انہماک سے کی، جس کا ثمرہ یہ ہے کہ اس نے اپنا تعلیمی سفر بحسن و خوبی انجام پذیر کیا۔ اور اس نے اپنی تعلیمی زندگی کے ہر امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس نے ابتدائی دس سالوں کا وقفہ مذہبی و دینی علوم کی تحصیل میں کیا اور 1958ء تک عربی و فارسی کے جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اس کے بعد اس نے عصری علوم کی تحصیل کی جانب رخ کیا۔ جولائی 1958ء میں اس کا داخلہ انگریزی کے نویں کلاس میں ہوا۔ اس نے عصری علوم کی تحصیل میں دس سال صرف کر کے ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی تک کی ڈگریاں نمایاں کامیابی کے ساتھ حاصل کیں۔ اسے اس کی تعلیمی زندگی میں از ابتدا تا انتہا علمی و لیاقتی وظائف ملتے رہے، جس میں ملک کا مقتدر وظيفہ جے۔ آر ایف بھی شامل ہے۔

پی ایچ ڈی ڈگری کے لئے اس کا موضوع تحقیق ”اردو شاعری میں نعت“ تھا۔ اس کا مجلہ بالا یہ مقالہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول کا عنوان نعتیہ شاعری کا ارتقا (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ) ہے، جو 420 صفحات کو محیط ہے۔ اس جلد کے پہلے باب کا عنوان ”نعت: تحقیق و تنقید“ ہے، جس پر اسے دس ضمنی عنوانات میں منقسم

کر کے، سیر حاصل بحث کی گئی ہے، جو 92 صفحات کو محیط ہے۔ دوسرے باب کا عنوان ”عربی کے مشہور نعت گو شعراء“ ہے۔ جس پر بحث، اسے دو ضمنی عنوانات: ”عہد نبوی کے شعراء“ اور ”عہد نبوی کے بعد کے اہم شعراء“ میں منقسم کر کے کی گئی ہے، اس باب میں ایک سو نو (109) صفحات ہیں۔ تیسرے باب کا عنوان ”فارسی میں نعت گوئی کا ارتقاء اور فارسی کے مشہور نعت گو شعراء“ ہے۔ یہ باب ایک سو اکیانوے (191) صفحات کو محیط ہے۔ راقم کی یہ کتاب 1988ء کی مطبوعہ ہے۔ بطور جملہ معترضہ عرض ہے کہ راقم کی اب تک کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد اڑتیس (38) ہے، جس میں کی نو وارد کتاب کا نام ”مولانا حسرت موہانی اور فتح پور“ ہے، جو اسی دسمبر 2016ء کی مطبوعہ ہے۔

آدم برسر مطلب! راقم نے اردو کی نعتیہ شاعری پر بحث اپنی مصنفہ کتاب ”اردو شاعری میں نعت“ کی دو جلدوں میں کی ہے، جن میں سے پہلی جلد میں ”ابتداء سے عہد محسن“ تک کے اور دوسری جلد میں ”حالی سے حال“ تک کے شعراء نعت مشمول ہیں۔ ان دونوں جلدوں میں صفحات کی مجموعی تعداد (344+427)۔ 772 ہے۔ یہ دونوں کتابیں 1992ء کی مطبوعہ ہیں۔ راقم نے نعت پر اپنی ان تین کتابوں کے علاوہ ایک چوتھی کتاب ”اردو نعت اور غیر مسلم شعراء“ نام سے تخلیق کی ہے۔ جس کا سنہ اشاعت 1987ء ہے۔ ان چاروں کتابوں کے علاوہ، اس کی مولفہ دو کتابوں میں حمد و نعت کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ جن میں سے پہلی کا نام ”سوغات صنم خانہ“ ہے، جو 2013ء کی مطبوعہ ہے اور 236 صفحات پر مشتمل ہے، جب کہ دوسری کتاب کا نام ”صدائے حرم“ ہے، جو 2014ء کی مطبوعہ ہے اور اس کے صفحات کی مجموعی تعداد 309 ہے۔ پہلی میں غیر مسلم شعراء نعت کی نعتیہ کاوشوں کا انتخاب ہے، جب کہ دوسری میں اردو کے مشاہیر شعراء حمد و نعت کے شعری اثاثہ کا انتخاب شامل ہے۔ اوّل الذکر کتاب میں 35 صفحات کا اور ثانی الذکر میں 84 صفحات کا مقدمہ ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا مناسب نہ ہوگا کہ راقم کی شریک حیات ڈاکٹر شاہدہ پروین نے اپنا دوسرا ایم۔ اے اردو میں فرسٹ ڈویژن، کانپور یونیورسٹی میں فرسٹ پوزیشن کے ساتھ پاس کر کے اسی یونیورسٹی سے ”اردو کی نعتیہ شاعری کے تحقیقی و تنقیدی مطالعہ“ موضوع پر استاد محترم ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

راقم کی حیات، شخصیت اور اس کے اکتسابات و کارکردگی پر دو کتابیں منظر عام پر آچکی

ہیں۔ (1) خود نوشت سوانح حیات معنون بہ ”بات اپنی“ مطبوعہ 2011ء اور (2) ”حقیقت و سراب“ مصنف ڈاکٹر حکیم حبیب الرحمن کانپوری، مطبوعہ 2012ء۔ اول الذکر میں 126 صفحات اور ثانی الذکر میں 167 صفحات ہیں۔

راقم کی زیر نگرانی متعدد خواتین و حضرات نے مختلف موضوعات پر معیاری تحقیقی و تنقیدی کام کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں، جن میں مذہبی و غیر مذہبی دونوں قسم کے ادبی موضوعات شامل ہیں۔ یہ بھی ایک اتفاقی امر ہے کہ راقم کی زیر نگرانی اولین پی ایچ ڈی کی ڈگری غیر مذہبی موضوع پر لی گئی ہے۔ اس ریسرچ اسکالر کا نام ڈاکٹر فردوس فاطمہ ہے۔ یہ پنی محلہ کی رہنے والی شعبہ تعلیم سے منسلک خاتون ہیں۔ ان کے مقالہ کا موضوع تحقیق ”فکرتو نسوی: حیات، شخصیت اور کارنامے“ ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد اشخاص نے غیر مذہبی موضوعات پر راقم کی زیر نگرانی پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں، جو اس وقت کے راقم کے دائرہ موضوع سے خارج ہیں۔ اسی طرح راقم اپنی نگرانی میں حاصل کردہ ان حضرات کی پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کو بھی شامل مقالہ نہیں کر رہا، جن کا موضوع تحقیق خالص نعت نہیں ہے۔ مثلاً محسن کا کوروی پر کیا گیا تحقیقی کام یا حفیظ جالندھری کی نعتیہ شاعری پر کیا جا رہا تحقیقی و تنقیدی کام۔ راقم اس مقالہ میں صرف حمد اور خالص نعت پر کئے گئے تحقیقی و تنقیدی کام کو شامل کر رہا ہے۔

واضح ہو کہ راقم کی زیر نگرانی ایک ریسرچ اسکالر نے حمد پر اور چار خواتین نے خالص نعت پر تحقیقی و تنقیدی کام کر کے کانپور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ حمد پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے محقق کا نام ڈاکٹر محمد اظہار ولد علی بناب الحاج کبیر الدین ہے، جو محمد پور گوتی ضلع فتح پور کے رہنے والے ہیں۔ ان کو یہ ڈگری 18 دسمبر 2008ء کو اردو میں حمد نگاری کی روایت، ”موضوع پر تفویض کی گئی تھی۔ ڈاکٹر موصوف کا یہ مقالہ چھ ابواب میں منقسم ہے۔

باب اول کا عنوان حمد: مفہوم و ماہیت ہے۔ اس باب میں حمد کی ماہیت و حقیقت، حمد کی لغوی و اصطلاحی معنی، دنیا کے مختلف مذاہب اور دنیا کے قدیم دانشوروں میں اللہ پاک کا تصور اور حمد نگاری، مذہب اسلام میں تحمید و تجید، اسلام کے علاوہ مذاہب میں اللہ پاک کی ثنا و تقدیس پر بحث کرتے ہوئے حمد و نعت، حمد و منقبت اور حمد و ثنا کے مابین کے فروق کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی باب میں حمد کے متعدد انواع و اقسام، حمد کے مختلف انداز و اسالیب اور حمد نگاری کی مختلف ہیئت و

اضناف سے بھی بحث کی گئی ہے۔ باب دوم میں عربی و فارسی زبانوں میں حمد نگاری کی روایت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور عربی و فارسی کی حمدیہ شاعری اور اس کے نمائندہ شعراء کے کلام کا جائزہ قدرے تفصیل کے ساتھ لیا گیا ہے، جن سے اردو شعرائے حمد خاص طور پر متاثر ہوئے ہیں۔

باب سوم کا عنوان ”اردو میں حمد نگاری کی روایت: آغاز سے 1718ء تک“ ہے۔ ڈاکٹر اظہار نے اس باب میں اردو میں حمد نگاری کی روایت پر گفتگو سے پیشتر اردو زبان کی پیدائش اور اس کی نشوونما کے دوران ہندوستانی تہذیب و معاشرت کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ مسلم صوفیوں اور ہندو سنتوں نے اللہ پاک کی تحمید و تمجید میں اپنی زندگیاں بسر کر دیں۔ صوفیائے کرام اور سنت مہاتماؤں کا زیادہ زور تصفیہ باطن پر تھا۔ وہ روح مذہب کو بہت اہمیت دیتے تھے اور امن و آشتی اور میل ملاپ کی افادیت سے آگاہ تھے۔ ان میں صوفیائے کرام کی وجہ سے ہندوستان میں حمد نگاری کی روایت قائم ہوئی۔ ڈاکٹر موصوف نے اسی باب میں اردو حمد پر اس وقت کی تہذیب و معاشرت کے اثرات تلاش کئے ہیں اور ان کی نشاندہی کی ہے اس دور کی حمدیہ شاعری کے افہام و تفہیم کے لئے، اس عہد کے پچاس سے زائد شعرا کا انتخاب کر کے اس عہد کی حمد نگاری کی روایت کو واضح کرنے کی قابل تحسین کوشش کی گئی ہے۔

باب چہارم کا عنوان ”اردو میں حمد نگاری کی روایت 1718ء سے 1857ء تک“ ہے۔ اس باب میں اولاً 1718ء کی اہمیت سے بحث کی گئی ہے۔ یہ سن اردو ادب میں بہت اہم ہے کیونکہ اسی سن میں ولی کا دیوان دلی آیا اور یہاں کے شعراء نے اس میں وہ نور دیکھا، جسے دیکھنے کے لیے ان کی آنکھیں ترس رہی تھیں اور اسی کے تتبع میں انہوں نے فارسی چھوڑ کر اسی رنگ سخن کی پیروی شروع کر دی اور اس طرح اردو ادب دورِ قدیم سے دورِ جدید میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر موصوف نے اردو کی حمدیہ شاعری کے افہام و تفہیم کی خاطر اس طویل و بسیط عہد سے چالیس سے زیادہ ممتاز مشاہیر شعرائے حمد کا انتخاب کیا ہے اور ان کے حمدیہ اثاثے سے نمونے پیش کر کے اس عہد کی حمد نگاری کی روایت کی توضیح کی ہے۔

باب پنجم کا عنوان ہے ”اردو میں حمد نگاری کی روایت 1857ء سے عصرِ حاضر تک“ جسے دو ذیلی عنوانات میں تقسیم کر کے 1857ء کی جنگ آزادی کے اثرات، اردو ادب پر بالعموم اور اردو کی حمدیہ شاعری پر بالخصوص تلاش کئے گئے ہیں۔ اسی باب میں پہلی جنگ آزادی کے عواقب میں رونما ہونے والے تغیرات کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد اردو

کی حمد یہ شاعری ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ جدید شعرائے حمد میں حالی اور اقبال پیش پیش ہیں۔ انہوں نے حمد کو قومی و ملی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ ان شاعروں کی حمد نگاری کا نیا دور ماقبل کی حمد نگاری سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ 1857ء سے آج تک کی حمد نگاری کا جائزہ لینے کے لئے پچاس سے زائد گرانقدر شعرائے حمد کا انتخاب کیا گیا ہے اور ان کی حمد یہ شاعری کا ناقدا نہ جائزہ اس طرح لیا گیا ہے کہ حمد نگاری کی روایت واضح ہو کر سامنے آ جائے۔

باب ششم کا عنوان ”اردو میں حمد نگاری کی ادبی و شعری قدر و قیمت“ ہے۔ اس باب میں حمد نگاری کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اردو ادب میں اس کی قدر و قیمت کا تعین کیا گیا ہے۔ اس باب میں حمد نگاری کے محرکات و عوامل تلاش کئے گئے ہیں اور اس کے ان وجوہ و علل سے بحث کی گئی، جن کے باعث حمد نگاری کی صنف اہم، مفید اور مقبول بنی۔ حمد نگاری ذریعہ نجات سمجھی جاتی ہے، اس لئے اسے عالم گیر مقبولیت ملی حمد سے صوفیائے کرام کے غیر معمولی شغف، نیز محافل سماع سے اس کی وابستگی نے اسے قبول عام کی سند عطا کروانے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس باب میں حمد کی مقبولیت کے اسباب بھی تلاش کئے ہیں اور مستقبل کے توقعات و امکانات سے بحث کی ہے۔

سائنس اور ٹکنالوجی میں انسان کی مثالی کامرانیوں نے اللہ پاک کی وحدانیت، اس کی قدرت و جبروت اور اس کی بہترین خلافت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔ اللہ پاک نے آج سے چودہ سو سال پیشتر قرآن کریم کے ذریعہ فرمایا تھا ”خَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ“ ہم نے ہر چیز کو ایک متعین انداز سے بنایا ہے۔ آج اس آیت کی مکمل وضاحت کمپیوٹر اور کلوننگ نے کر دی ہے۔

اللہ پاک نے اپنے آپ کو ”رب المشارق و رب المغرب“ یعنی مغربوں اور مشرقوں کا رب بتلایا ہے۔ آج نئی نئی دنیاؤں کے انکشاف نے فرمان الہی کی صداقت پر مہر لگا دی ہے۔ مجموعی طور پر حمد پر یہ مقالہ معیاری ہے۔ اس مقالہ کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اغلباً یہ مقالہ اردو حمد نگاری کی روایت پر پہلا تحقیقی و تنقیدی مقالہ ہے۔

راقم کی زیرنگرانی اردو نعت پر کانپور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والی ڈاکٹر آنسہ نگار سلطانہ ساکنہ محلہ جیلدار فتح پور ہیں۔ ان کے تحقیقی مقالہ کا موضوع ”بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعراء“ ہے۔ ڈاکٹر موصوفہ نے اپنے پی ایچ ڈی کے اس مقالہ میں

غیر مسلم نعت گو شعراء کے سیاق و سباق میں اردو کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ موصوفہ کا یہ تحقیقی مقالہ چھ ابواب میں منقسم ہے۔ باب اول کا عنوان ”نعت کا تعارف“ ہے۔ ڈاکٹر موصوفہ نے اس باب میں نعت کی ماہیت، نعت کی تعریف، نعت کے مختلف موضوعات اور نعت کے تلمیحاتی ورثہ پر بحث کرتے ہوئے نعت کے آداب متعین کئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سر زمین عرب میں ظہور پذیر ہوئی تھی اور وہیں نعتیہ شاعری پروان چڑھی، اس لئے اس باب میں اولاً عربی کی نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے اور عربی کے ممتاز شعراء نعت کی انفرادیت سے بحث کی گئی ہے۔ چونکہ اردو کی نعتیہ شاعری، عربی کی نعتیہ شاعری کی بہ نسبت فارسی کی نعتیہ شاعری سے زیادہ متاثر ہے۔ اس لئے ڈاکٹر نگار نے فارسی کی نعتیہ شاعری اور اس کے ان نمائندہ شعراء کا اجمالی جائزہ بطور خاص لیا ہے، جن سے اردو کی نعتیہ شاعری متاثر ہوئی ہے۔

باب دوم میں غیر اسلامی ادب میں نعتیہ عناصر کی نشاندہی کی گئی۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر موصوفہ نے سب سے پہلے قدیم ترین زبان سنسکرت کی مشہور روزگار تصنیفات رگ وید اور اتھروید میں موجود نعتیہ شہادات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ اسی باب میں تورات اور انجیل سے وہ اقتباسات نقل کئے گئے ہیں۔ جن میں نعت محمد ﷺ عربی و امی مرقوم ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کی ان پیشین گوئیوں کا تذکرہ بھی اسی باب میں کیا گیا ہے، جن میں نبی آخرا الزماں ﷺ کا ذکر خیر ہے۔ اسی باب میں اردو نعت کی ابتدائی شکل کو منظر عام پر لانے کی غرض سے اردو کی نعتیہ شاعری کی ابتدا و ارتقاء پر بھی طائرانہ نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اسی بات میں ڈاکٹر صاحبہ نے بیسویں صدی سے پیشتر کے ان شعراء نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا ہے، جن کی نعتیہ کاوشوں کے اثرات بیسویں صدی کے غیر مسلم شعراء نعت پر پڑے ہیں۔ اس باب کا عنوان ”غیر اسلامی ادب میں نعتیہ عناصر“ ہے۔

باب سوم کا عنوان ہے ”بیسویں صدی کے غیر مسلم نعت گو شعراء: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ“ اس باب میں چھیا سی ممتاز شعراء کے نعتیہ اثاثہ سے بحث کی گئی ہے۔ جن شعراء کے سوانح حیات ڈاکٹر موصوفہ کو دستیاب ہو سکے، ان کے سوانح حیات بھی موصوفہ نے قلم بند کر دیئے ہیں۔ اور ان کے کلام پر نقد و تبصرہ ان کے نعتیہ سرمائے کو مد نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ ان شعراء کے ان نعتیہ اشعار کو بطور خاص تحقیق و تنقید کے خراج پر چڑھایا گیا ہے۔ جن میں منبع نعت کے آفاقی و کائناتی انعامات و اکرامات کا تذکرہ ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ نے اسی باب میں ہندو شعرائے نعت کے نعتیہ کلام کو پیش کر کے یہ دکھلایا ہے کہ ان کے یہاں مقامی و ماحولی رنگ کافی چوکھا اور خاصا گہرا ہے۔ یہیں موصوفہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ کم از کم ہندو شعرائے نعت کے نعتیہ سرمایہ کی روشنی میں اردو پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ ”اردو کا شاعر رہتا تو ہے جتنا گنگا اور زربدا گھاگھر والے ملک میں، لیکن بات کرتا ہے دجلہ، فرات اور جیحون و سیحون کی۔ وہ ٹکلی، چمپا، موگرا، جوہی اور بیلے کی بات نہ کر کے نسرین و نستران اور سمن و نرگس شہلا کی قصیدہ خوانی میں لطب اللسان ہے۔ وہ رہتا ہے ہیر رانجھا، سہنی مہیوال کے دلش میں لیکن گن گاتا ہے لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد اور دامتق و عذرا کے۔

باب چہارم کا عنوان ہے ”نعت کا فنی و معنوی تجزیہ (غیر مسلم شعرائے نعت کے آئینے میں)“ اس باب میں نعت کے مختلف اشکال و ہیئات پر بحث کرتے ہوئے نعت میں مقامی رنگ کی وضاحت کی گئی ہے۔ نعت کا تعلق موضوع و مفہوم سے ہے اور وہ ہیئت و ساخت کے اعتبار سے جملہ مروجہ شکلوں میں کہی گئی ہے۔ اس باب میں ان نعتیہ عناصر کی توضیح کی گئی ہے، جو سرزمین ہند اور ہندو شعراء کی دین ہیں۔ ہندوستان میں عورت اپنے جذبات عشق کا اظہار گیت کے روپ میں کرتی ہے۔ گیت کی شکل میں نعت کا ظہور خالص ہندوستانی چیز ہے اسی باب نعتوں میں ہندوستان کی اوتار وادی ذہنیت کو دکھلایا گیا ہے۔

اردو نعت میں اس قبیل کے اشعار خاصی تعداد میں ہیں، جن میں الفاظ کو توڑ مروڑ کر، میم سے پردہ اٹھا کر اور عرب کے عین کو ہٹا کر، احمد کو احد اور رسول عربی کو عرب کا نہیں بلکہ رب کی شان میں جلوہ گر کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نعتوں میں منظر نگاری، جذبات نگاری، مرقع نگاری اور شخصیت نگاری کے بیش بہا موتی بکھرے ہوئے ہیں، ڈاکٹر موصوفہ نے اس باب میں ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اسی باب میں مولود ناموں، معراج ناموں اور وفات ناموں میں شخصیت نگاری اور جذبات نگاری کے نمونے تلاش کئے گئے ہیں۔

باب پنجم کا عنوان ”اردو نعت گوئی پر ہندو شعرائے نعت کے اثرات“ ہے۔ نعت نبی ﷺ خالص اسلامی ادب میں شمار کی جاتی ہے، لیکن یہی ادب جب ہندوستان آیا، تو اس نے اپنی ممتاز خصوصیات کی بنا پر فارسی اور عربی نعتیہ شاعری سے علاحدہ اپنا ایک منفرد رنگ جمایا، جو یقیناً ملکی اثرات کا نتیجہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خوانی ہندوستان آ کر ان اصنام یا دیوتاؤں کی مدح سرائی سے کافی متاثر ہوئی، جن کے گیت بھجوں میں گائے جاتے ہیں۔ ہندو

شعراے نعت کے مزعومات و معتقدات کا اثر اردو نعت گوئی پر اس حد تک پڑا کہ ایک مسلم نعت گو شاعر اس طرح گرم سخن ہے۔

آپ اپنا پیام پہنچایا + آپ خود اپنا کر گیا اقرار
یار آیا تھا نامہ بر بن کر + خط کے دھوکے میں رہ گئے اغیار

باب ششم کا عنوان ہے ”غیر مسلم شعراے نعت کی اہمیت اور اردو ادب میں ان کا مقام“ اس باب میں غیر مسلم شعراے نعت کی شعری خصوصیات کو مد نظر رکھ کر اردو نعت میں ان کے مقام کے تعین کی کوشش کی گئی ہے اور ان میں وہ تمام عناصر تلاش کئے گئے ہیں، جن کا عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری میں فقدان ہے۔ مسلم شعراے نعت کے شعری سرمایہ میں، جہاں کہیں اس قبیل کی چیز ملتی ہے، وہ غیر مسلم شعراے نعت کے عواقب و اثرات ہیں۔

پاکستان کے مرحوم فنکار نور احمد میرٹھی نے ڈاکٹر نگار سلطانہ کے مقالہ پر اپنی وقیع اور گراں بہار رائے حوالہ قرطاس کرتے ہوئے لکھا ہے: ”آنسہ نگار سلطانہ نے غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے حوالہ سے کانپور یونیورسٹی (یو. پی.) بھارت سے 1994ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کے مقالہ بعنوان ”بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعراء“ کو اس اعتبار سے بھی اہمیت ہے کہ اس موضوع پر یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے۔“

(بہر زماں بہر زباں ﷺ از نور احمد میرٹھی، صفحہ: 74)

ڈاکٹر نگار سلطانہ نے اس مقالہ کے اختتام پر کتابیات کے تحت ان تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب و جرائد و رسائل کو جمع کیا ہے، جن کے حوالے اس مقالہ میں دیئے گئے ہیں۔

راقم کی زیر نگرانی اردو نعت پر دوسرا تحقیقی مقالہ، جس پر پی ایچ. ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی ہے، ڈاکٹر شکیلہ خاتون زوجہ جناب سید جنید احمد صاحب ساکن چھیکن ٹولہ شہر فتح پور کا تحقیقی مقالہ معنون بہ ”اردو نعت کا صنفی و ہیئت مطالعہ“ ہے، جو 1996ء میں کانپور یونیورسٹی میں پی ایچ. ڈی کی ڈگری کے لئے پیش کیا گیا تھا اور جس پر تحقیق کنندہ کو 1999ء میں پی ایچ. ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ موصوفہ مہاتما گاندھی بوسٹ گریجویٹ کالج فتح پور میں شعبہ اردو کی چیئر پرسن ہیں۔ موصوفہ کا یہ مقالہ چھ ابواب اور کتابیات پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اس مقالہ کے پہلے باب کا عنوان ”نعت کا تعارف“ ہے۔ اس باب میں اولاً لفظ نعت کی لغوی تشریح کی گئی ہے اور کتب سیر و معادی اور احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں مدح رسول ﷺ کے

لئے لفظ نعت کے اولین استعمال کا سراغ لگایا گیا ہے۔ اسی باب میں نعت کے موضوع اور فن پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور قرآن و احادیث سے وہ اقتباسات، جو وصفی انداز کے حامل ہیں، نقل کئے گئے ہیں اور موضوعاتِ نعت کا جائزہ اُسے بیس ذیلی سرخیوں میں منقسم کر کے لیا گیا ہے۔ اسی باب میں قرآن کریم اور احادیثِ رسول ﷺ کی روشنی میں نعت کی دینی حیثیت متعین کرتے ہوئے اس (نعت) کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے باب کا عنوان ”عربی و فارسی نعت کا اجمالی جائزہ“ ہے اردو کے نعت گو شعراء نے دوسری اصناف کی مانند اس صنف میں بھی عربی و فارسی نعتوں کے نمونے پیش نظر رکھے ہیں، اس لئے اردو نعت کو مکافہ سمجھنے کے لئے بطور پس منظر عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس باب میں عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ عربی نعت گوئی والے حصہ کو دو ذیلی عنوانات میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے ذیلی عنوان میں عہد نبوی اور مابعد عہد نبوی کی شعری خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسرے ذیلی عنوان میں نو منتخب و نمائندہ شعراء نعت کی خصوصیات شعری سے بحث کی گئی ہے اور ان کے کلام کے نمونے پیش کئے گئے ہیں۔

فارسی کی نعت گوئی والے حصہ کا جائزہ بھی، اسے دو ذیلی عنوانات میں منقسم کر کے لیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں فارسی زبان کے چودہ صاحب اسلوب نعت نگاروں کے کلام کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور ان کے نعتیہ عطیات سے بحث کی گئی ہے۔ اسی عنوان کے تحت دلائل و براہین کی روشنی میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کس شاعر کو کس موضوع میں اولیت کا فخر حاصل ہے۔

تیسرے باب کا عنوان ہے ”اردو نعت کا اجمالی جائزہ“ اس باب کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے کا ذیلی عنوان ہے ”دکن کی نعتیہ شاعری“ مقالہ کے اس حصہ میں ان عناصر کی نشاندہی کی گئی ہے جنہوں نے دکن میں اردو نعت کی راہ ہموار کی۔ اس باب میں اس سیاسی، تہذیبی اور لسانی پس منظر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اردو زبان و ادب کی بالعموم اور اردو نعت کی بالخصوص دکن میں ترویج ہوئی۔ اسی باب میں دکن کے اٹھارہ نمائندہ نعت گو شعراء و شاعرات کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ شمالی ہند میں نعت کا ارتقائی سفر ان ہی اساسی منایج پر چلتا رہا، جن میں شعراء دکن کا مزن رہ چکے تھے۔ اسی باب میں شعراء دکن کے اسالیب زبان اور مخصوص موضوعات و اصناف خصوصاً مثنوی، قصیدہ، اور نظم کی

ساخت میں کہی گئی نعتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرے باب کے دوسرے حصہ کا عنوان ہے ”شمالی ہند کی نعتیہ شاعری“ جس میں اولاً شمالی ہند کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں بعدہ سودا سے عصر حاضر تک کے شعرائے نعت میں سے اٹھارہ نمائندہ شعراء کا انتخاب کر کے ان کے نعتیہ کلام کا اس طرح جائزہ لیا گیا ہے کہ شمالی ہند کی نعتیہ شاعری کے خدو خال واضح ہو جائیں۔ اس مقالہ کے چوتھے اور پانچویں ابواب اساسی حیثیت کے حامل ہیں، اسی لئے ڈاکٹر موصوفہ کے یہ ابواب نسبتاً زیادہ ضخیم ہیں اور انہوں نے ان کی ترتیب و تزئین میں خصوصی توجہ دی ہے۔

چوتھے باب کا عنوان ”شعری اصنافِ سخن اور اردو نعت“ ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر موصوفہ نے اولاً صنفِ سخن کی اصطلاح کی وضاحت کی ہے تاکہ ہیئت اور صنف کے مابین کا فرق واضح ہو جائے اور دونوں اصطلاحیں ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اصناف کی مراد درجہ بندی کے باعث نہ تو صنف کا تصور واضح ہو پاتا ہے اور نہ ہیئت کا۔ کسی صنف کے ساتھ محض اس کی ہیئت چپک گئی ہے مثلاً مثنوی۔ کسی کے ساتھ موضوع اور صنف دونوں وابستہ ہیں مثلاً قصیدہ اور کسی کی بنیاد محض موضوع پر ہے مثلاً مرثیہ۔ مرثیے مختلف ہیئتوں میں لکھے گئے ہیں۔ مثلاً غزل، دوبیتی اور مسدس وغیرہ بینات میں۔ انیس و دیر کے مرثیے مسدس کی شکل میں ہیں۔ غالب نے عارف کا مرثیہ غزل میں لکھا ہے، حالی نے مرثیہ غالب ترکیب بند میں نظم کیا ہے۔ ہیئت پرستی کا رجحان بھی معاملہ کو بگاڑنے میں کچھ کم ذمہ دار نہیں ہے۔ اقبال کا مرثیہ ”والدہ مرحومہ کی یاد میں“ مثنوی میں ترتیب دیئے جانے والے مقالوں میں مثنوی کی فہرست میں شامل ہیں۔ اس طرح موضوع کے لحاظ سے ایک ہی صنف تین ہیئتی اصناف میں موجود ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر موصوفہ نے صنف اور ہیئت کی حد بندی اقسامِ شعر کے حوالے سے اس طرح کی ہے کہ اس قسم کے ابہامات و اشکالات کا سد باب ہو جائے۔ اسی باب میں ڈاکٹر صاحبہ نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ نعت اردو شاعری کی موضوعاتی تقسیم کے تحت آتی ہے اور اردو شاعری کی جملہ مروجہ اصنافِ سخن میں کہی گئی ہے۔ ہیئت یا ساخت کے اعتبار سے اس کی کوئی متعین شکل نہیں ہے۔ اس کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات سے ہے، اس لئے ہر وہ شعری کاوش، جس کا انشلاک نبی اقدس ﷺ سے ہو، نعت کہلاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ نے صنف کے حوالے سے اقسامِ شعر کی ایک نئی جامع و مانع حد بندی کرتے ہوئے اردو نعت کو مثنوی،

قصیدہ، غزل، سلام، مرثیہ، شہر آشوب، بارہ ماسہ، نظم اور گیت کی اصناف میں دیکھا ہے اور ان شقوں کے ممتاز شناسوروں کے نعتیہ کلام کا جائزہ بالخصوص اس طرح لیا ہے کہ ان اصناف میں اردو نعت کی حیثیت روز روشن کی مانند عیاں ہو جائے۔ اس باب میں اردو نعت کا مطالعہ ادب کی تمام اصناف کو چار شقوں میں محصور کر کے کیا گیا ہے۔

پانچویں باب کا عنوان ”ہینات سخن اور اردو نعت“ ہے۔ یہ باب اس مقالہ کا اہم ترین باب ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے پانچ ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے ذیلی عنوان میں ہیئت کو حصارِ تعریف میں مقید کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے دائرہ کار کا تعین کیا گیا ہے نیز اسی عنوان کے تحت اردو شاعری کے مزاج کا تعارف کرایا گیا ہے۔ دوسرے ذیلی عنوان میں ہندوستان کی اردو نعت کا ہیئت مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس ذیلی عنوان کو درج ذیل چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:-

پہلے حصہ میں ترکیب بند، دوسرے حصہ میں ترجیع بند، تیسرے میں مستزاد، چوتھے میں قطعہ، پانچویں میں مسط اور چھٹے میں ہندی دوہے کی روایت کا جائزہ اردو نعت کے سیاق و سباق میں لیا گیا ہے اور ان تمام ہیئتوں میں طبع آزمائی کرنے والے مشاہیر شعرائے نعت کی نعتوں سے حوالے پیش کر کے مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

تیسرے ذیلی عنوان میں پاکستانی اردو نعت کا ہیئت مطالعہ مجملاً پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں خصوصی طور پر مندرجہ ذیل ہینات کو محورِ بحث بنایا گیا ہے۔

ترجیع بند، ترکیب بند، نظم معرّی، آزاد نظم اور نثری نظم۔
چوتھے ذیلی عنوان میں ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ دیگر ایشیائی و مغربی شعری ہیئتوں میں لکھی جانے والی نعتوں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی ذیلی عنوان کے تحت سائٹ، ہائیکو کے تعارف کے بعد ان ہینات میں لکھی جانے والی نعتوں کے نمونے قلمبند کئے گئے ہیں۔

پانچویں ذیلی عنوان کے تحت مختلف بولیوں میں کہی جانے والی نعتوں کا جائزہ لیا گیا ہے اس سلسلے میں ٹھمری، دادرہ، شیا م کلیان اور ترانہ کے حوالے سے اردو نعت کو سمجھنے کی کاوش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر موصوفہ نے مسلم نعت گو شعراء و شاعرات کے ساتھ ساتھ غیر مسلم شاعرات و غیر مسلم شعرائے نعت کی نمائندگی بھی پیش کی ہے۔

چھٹے باب کا عنوان ”مختلف ہینات سخن میں نعت کی ادبی قدر و قیمت“ ہے۔ اس باب میں

سب سے پہلے فنِ شعر کی حقیقت، شعر کی ماہیت اور اس کی بابت مشرقی و مغربی ناقدین ادب کی وقیع آراء سپرد قلم کی گئی ہیں اور اس کے بعد مختلف اصنافِ شعر اور شعری ہیئتوں کے حوالے سے نعت کی شعری حیثیت و اہمیت کا جائزہ لیا گیا ہے، جس سے یہ حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ نعت اردو شاعری کی ایک اہم موضوعی صنفِ سخن ہے۔

اردو نعت کے شعری محاسن کے جائزے سے یہ بات واضح ہے کہ اردو نعت میں فکر و فن کی وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں، جو اردو شاعری کی کسی بھی صنف کے لئے طرہ امتیاز گردانی جاسکتی ہیں۔ فن کی عظمت کے ساتھ ساتھ موضوع کی عظمت بھی ضروری ہے۔ نعت کے موضوع میں جو عظمت، جو عقیدت، جو محبت اور جو دالہانہ وار فکری ہے، اس نے نعتیہ شاعری میں فکر و فن کی غیر معمولی عظمت پیدا کر دی ہے۔

نعتیہ شاعری، تزکیہ نفس اور اخلاقی بلندیوں کی شاعری ہے، جس کا خاص موضوع حب رسول ﷺ ہے۔ عشق و محبت، فرقت و مجھوری، دالہانہ شیفنگی اور دل گداز خنکی وہ اندرونی جذبات ہیں، جن سے نعت کی تخلیق ہوئی ہے۔ مذہب سے وابستگی کی بنا پر نعت کی صنفی حیثیت سے انکار مناسب نہیں ہے بلکہ ناروا ہے۔ ملٹن کی ”فردوسِ گمشدہ“ کا موضوع مذہب ہے اور انجیل مقدس کو سمجھے بغیر فردوسِ گمشدہ کو سمجھنا اور اسے مناسب و ضروری داد دینا ناممکن ہے، لیکن اس کے باوجود ملٹن کی ”فردوسِ گمشدہ“ انگریزی ادب کا ایک حسین اور عمدہ شاہکار ہے۔ اس طرح ڈاکٹر شکیلہ خاتون اس آخری باب میں مختلف ہیئتِ سخن میں نعت کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔

راقم کی زیر نگرانی پی ایچ ڈی ڈگری کے لئے خالص نعت پر لکھا گیا تیسرا تحقیقی مقالہ محترمہ شمیم اختر خاتون کا تحریر کردہ ہے۔ اس مقالہ کا عنوان ہے ”اردو نعت کے موضوعات“ موصوفہ نے اپنا یہ مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا کر، بہ حیثیت سپروائزر مقالہ پر راقم کی رپورٹ چسپاں کر کے، یکم دسمبر 2002ء کو کانپور یونیورسٹی میں باقاعدہ مجوزہ فیس جمع کر کے داخل کیا تھا۔ موصوفہ کو اغلباً پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی جا چکی ہوگی، کیونکہ مقالہ کو باقاعدہ یونیورسٹی میں داخل کئے ہوئے چودہ سال کی طویل مدت گزر چکی ہے۔ موصوفہ راقم کے رابطہ میں نہیں ہیں اس لئے راقم کو اس بات کا یقینی علم نہیں ہے کہ حقیقی و واقعی صورتحال کیا ہے؟ بہر حال موصوفہ کا یہ مقالہ مفید، اہم اور وقیع ہے اور کافی دیدہ ریزی سے لکھا گیا ہے۔ موصوفہ طلاق محل کانپور کی رہنے والی ہیں اور ڈاکٹر

حکیم حبیب الرحمن کی شریک حیات ہیں۔

موصولہ کا یہ تحقیقی مقالہ سات ابواب میں منقسم ہے۔

اس مقالہ کے پہلے باب کا عنوان ”نعت کی تعریف“ ہے۔ اس باب میں اولاً نعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم واضح کیا گیا ہے بعدہ حدیث مبارکہ و فرمودہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روشنی میں لفظ نعت کی تحقیق کے بعد اس (نعت) کی جامع و مانع تعریف کی گئی ہے اور نعت کی شرعی حیثیت کے ذیل میں نعت و مذہب، نعت و معتقدات، نعت و روایت، نعت و تاریخ، نعت و سوانح حیاتی عناصر اور نعت و تلمیحات عنوانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں نعت کی شان نزول کی نشاندہی کے ساتھ لوازمِ نعت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس مقالہ کے دوسرے باب میں عربی و فارسی میں مروجہ موضوعات کے تحت عربی کے مشاہیر شعراءِ نعت، حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، جناب ابوطالب، گل سرسبد نعت حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زبیر، حضرت کعب بن مالک اور میمون بن قیس اشجی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ فارسی کے مشاہیر شعراءِ نعت کے ضمن میں سنائی، عطار، خاقانی اور جامی وغیرہم نیز ہندوستان کے فارسی نعت گو شعراءِ غالب اور اقبال پر خاطر خواہ بحث کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں اردو نعت کے ارتقاء پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس میں اولاً دکن کی نعتیہ شاعری، اس کے عناصر ترکیبی اور اس کے نمائندہ شعراءِ نعت پر، ثانیاً شمالی ہند کی نعتیہ شاعری اس کی فنی خصوصیات اور اس کے نمائندہ شعراءِ نعت پر اور ثالثاً پاکستانی نعتیہ شاعری، اس کی خصوصیات اور اس کے نمائندہ شعراءِ نعت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں اردو نعت کے متابع و مخارج اور محرکات شعری کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں اردو نعت کے اساسی موضوعات کی تلاش کی گئی ہے اور ان کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔

چھٹا باب اردو نعت کے ثانوی موضوعات کی تلاش پر منحصر ہے۔ اسی باب میں کچھ اہم فیصلے بھی کئے گئے ہیں۔

ساتویں باب میں موضوعاتِ نعت کی اہمیت و افادیت اور اردو ادب میں ان کا مقام زیر

بحث ہے۔

یہ مقالہ، مجموعی طور پر، جہاں تک موضوعاتِ نعت کا تعلق، ایک اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں ممکن حد تک نعت کے تمام موضوعات کو جیلہ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

راقم کی زیرنگرانی لکھنؤ کی ڈاکٹر قریشہ بانو نے جو اردو کے مشہور شاعر مرحوم الحاج محمد مسعود صدیقی المتخلص بہ راہی پر تاپ گڑھی کی دختر نیک اختر ہیں، اپنا تحقیقی سفر اختتام پذیر کیا ہے۔ ان کی تحقیق کا موضوع ”ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعتیہ شاعری کا تقابلی مطالعہ“ ہے۔ ڈاکٹر موصوفہ نے یہ مقالہ، اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر 02.06.1999 میں چھترپتی ساہو جی مہاراج یونیورسٹی میں داخل کیا تھا اور 2002ء میں وہ دکتور ادب (Ph.D) کی ڈگری سے سرفراز کی گئی تھیں۔

ڈاکٹر موصوفہ اور ان کے مرحوم والد، دونوں کو، راقم نہیں جانتا تھا۔ دونوں باپ بیٹی استاذی عالی مرتبت ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی زیرنگرانی تحقیق کی شادری کے لئے کوشاں تھے، لیکن مرحوم استاد نے انہیں راقم کے پاس، ان سے یہ کہہ کر بھیج دیا کہ وہی اس موضوع پر تحقیقی سفر طے کرا سکتا ہے۔ یہ بات راقم کے لئے خوش نصیبی اور خوش طالعی کی ہے۔ پروفیسر ولی الحق انصاری سابق صدر فارسی لکھنؤ یونیورسٹی نے بھی راقم کے پاس سفارشی پیغام بھیجا اور اپنی تیار کردہ سناپسس بھیج دی، جسے راقم نے اس سے بہتر سناپسس سے بدل کر واپس کر دیا، جسے ان دونوں واجب الاحترام معزز اساتذہ نے پسند کیا۔

جیسا کہ ماقبل میں لکھا جا چکا ہے نعت پر تحقیق کا یہ موضوع استاذی ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی اور پروفیسر ولی الحق کا عطا کردہ ہے۔ راقم کو مسرت ہے کہ اس نے ان دونوں اساتذہ کی خواہش کے احترام میں ڈاکٹر موصوفہ کا یہ تحقیقی سفر بحسن و خوبی اختتام پذیر کرایا۔

ڈاکٹر قریشہ بانو کا یہ مقالہ سات ابواب میں منقسم ہے:

باب اول کا عنوان ”نعت کی فنی و صنفی حیثیت“ ہے۔ موصوفہ اس باب میں نعت کی ماہیت، نعت کی تعریف، نعت کے مختلف موضوعات اور نعت کے ہیئت و رشتہ پر بحث کرتے ہوئے، نعت کے آداب کا تعین کیا ہے۔ اسی باب میں نعت کے مختلف اشکال و بینات کی تفصیل کے ساتھ نعت کے مختلف انداز و اشکال کی تشریح کی گئی ہے اور محزکاتِ نعت و مقامی اثرات تلاش کئے گئے ہیں۔ اسی باب میں نعت کی مقبولیت کے اسباب کی عدد شماری بھی کی گئی ہے۔

باب دوم کا عنوان ”نعت گوئی کی مختصر تاریخ“ ہے۔ اس باب میں اولاً عربی نعت گوئی، اس

کی ابتدا و ارتقاء اور اس کی شان نزول پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی باب میں عہد و مابعد عہد نبوی کے عربی کے نمائندہ شعراء کی نعتیہ شاعری کے ذکر کے بعد عرب کے اکیس نمائندہ شعراء اور ہندوستان کے چار اہم شعراء کی نعتیہ کاوشات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے منفرد نعتیہ خصائص کی تشریح کی گئی ہے۔ ڈاکٹر موصوفہ نے اسی باب میں فارسی میں نعتیہ شاعری کی ترویج پر گیارہ ایرانی شعراء اور پانچ عہد ساز ہندوستانی شعراء کے کلام کے انتخاب کے ساتھ، ان کی نعتیہ انفرادیت کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ اسی باب میں عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات شعری پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

باب سوم کا عنوان ”اردو میں نعت گوئی کی ابتدا و ارتقاء“ ہے۔ اس باب کو تین ذیلی سرخیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی ذیلی سرخی میں متقدمین شعراء نے نعت کے مجموعی کلام کو مد نظر رکھ کر ان کی خصوصیات شعری پر بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں سینتالیس عہد ساز شعراء نے نعت کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسری ذیلی سرخی میں متوسطین شعراء نے نعت میں سے گیارہ قد آور شعراء کو منتخب کر کے ان کے نعتیہ سرمایہ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ تیسری ذیلی سرخی کو دو شقوں میں منقسم کر کے پہلی ذیلی سرخی معنون بہ ”متاخرین شعراء نے نعت آزادی سے قبل“ کے تحت چوبیس نمائندہ شعراء نے نعت اور دوسری ذیلی سرخی ”متاخرین شعراء نے نعت آزادی کے بعد“ کے ذیل میں چونتیس قد آور شعراء پر ان کے نعتیہ خصائص کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

باب چہارم کا عنوان ”ہندوستان میں تقسیم ہند کے بعد اردو نعت گوئی کی کیفیت“ ہے۔ اس باب میں اولاً تقسیم ملک کے عواقب کے بطور اثر پر دلش اور ملک کے دوسرے شمالی صوبوں میں اردو مخالف لہر نیز اردو ادب پر بالعموم اور اردو نعت پر بالخصوص اس کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں عصر حاضر کے شعراء نے نعت میں سے ایک سو ایک ہندوستانی نعت گو شعراء کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس باب میں عصر حاضر کے شعراء نے نعت کے نعتیہ سرمایہ کے جائزے کے بعد، اس دور کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات پر بالتفصیل گفتگو کی گئی ہے۔

باب پنجم کا عنوان ”تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں اردو نعت گوئی“ ہے، جس میں بطور تمہید تحریک آزادی، قیام پاکستان اور پاکستانی تہذیب و ثقافت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ تمہیدی گفتگو کے بعد مجوزہ عنوان کو تین ذیلی سرخیوں میں منقسم کر کے پاکستان میں اردو نعت گوئی پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ پہلی ذیلی سرخی نگر نگر میں نعت ہے۔ جس کے تحت بلوچستان، سندھ، حیدر آباد،

لاڑکانہ اور کراچی میں نعتِ رسول ﷺ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسری ذیلی سرخی میں پاکستان کے دورِ جدید کے نعت گو شعراء کے کلام پر تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اس ذیلی سرخی کے تحت ایک سو ایک پاکستانی شعراء نعت کا انتخاب عمل میں لایا گیا ہے۔ تیسری ذیلی سرخی کے ضمن میں جنرل ضیاء الحق کے دور میں فروغِ نعت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ موصوف نے پہلی بار سرکاری تقریبات میں تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد نعت کو التزاماً شامل کر دیا تھا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں نعتیں بکثرت پڑھی اور لکھی جانے لگی تھیں اور ریڈیو ٹیلی ویژن میں نعتیہ کلام کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ جنرل ضیاء الحق نبی امی و عربی ﷺ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ مرحوم، نعتیہ کلام پسند فرماتے تھے اور شعراء نعت و معتقدین نعت کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اس باب میں نعت کو فروغ دینے والے اداروں پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے اور مختلف اداروں سے شائع ہونے والے رسالوں پر بھی اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

باب ششم کا عنوان ”ہندوستان اور پاکستان کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر“ ہے۔ اس باب میں تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان میں رونما ہونے والے رجحانات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی باب میں ان ہیبتی تجربات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، جو نعت کے حوالے سے ہندوستان اور پاکستان میں کئے گئے ہیں۔ پاکستان کی نعت گوئی میں ہیبتی تجربات کے ضمن میں سانٹ، ہائیکو، نظم، معرّی، آزاد نظم اور نثری نظم کو بطور خاص مد نظر رکھا گیا ہے اور آخر میں ہندوستان اور پاکستان کی نعتیہ شاعری کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

باب ہفتم کا عنوان ہے ”ہندوستان اور پاکستان میں نعت گوئی کا مستقبل“ ہے۔ اس باب میں ہر دو ممالک کے عہدِ رفتہ و عہدِ حاضر کی نعتیہ شاعری کو مد نظر رکھ کر مستقبل کے توقعات پر بحث کی گئی ہے۔ درحقیقت عہدِ حاضر، عہدِ نعت ہے۔ شہاب الہ آبادی کا یہ مصرعہ بنی برصداقت ہے کہ۔

یہ عہد، عہدِ رسول کریم ہے

یہ بات پُر از واقعیت ہے کہ سائنسی ترقیات نے ان باتوں کو جو ایمان بالغیب کے زمرے میں تھیں، ایمان بالمشاہدہ کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی افادیت ہمہ آنی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خاتم الرسل والانبیاء کی تعلیمات کی افادیت آج پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے اور یہ افادیت مستقبل میں حال سے زیادہ محسوس ہوگی۔ اس لئے یہ

بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اکیسویں صدی اور اس کے بعد آنے والی صدیوں میں نعت کو ماضی سے زیادہ تابناکی ملے گی۔ (ان شاء اللہ) اس لئے نعت کا مستقبل کافی درخشاں و تاباں ہے۔ ڈاکٹر قریشہ بانو نے شاعراتِ نعت اور غیر مسلم شعرائے نعت کو بھی مناسب نمائندگی دی ہے۔ ڈاکٹر قریشہ بانو کا یہ فیصلہ مناسب ہے کہ پاکستان کی نعتیہ شاعری وسعت میں دریا ہے اور ہندوستان کی نعتیہ شاعری گہرائی میں کنواں ہے۔ ڈاکٹر موصوفہ صفحہ 494 میں اس باب کا ماحصل اس طرح بیان کرتی ہیں:-

”جہاں تک نعت کی تحقیقی و تنقیدی کتابوں کا تعلق ہے، (جو پی ایچ ڈی کے مقالوں کے علاوہ ہیں) یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس شعبہ میں بھی ہندوستان کو پاکستان پر تفوق حاصل ہے۔ اس شعبہ میں جتنا سرمایہ ہندوستان سے شائع ہوا ہے، وہ پاکستان سے شائع ہونے والے سرمایہ سے کہیں زیادہ ہے۔ نعت پر معیاری اور مستند مضامین و کتب کے باب میں بھی ہندوستان کو پاکستان پر اولیت حاصل ہے۔“

آخر میں راقم اپنے اس فیصلے میں حق بجانب ہے کہ اس کی نگرانی میں حمد و نعت سے متعلق تحریر کئے گئے محولہ بالا پانچوں مقالے معیاری ہیں اور اطمینان بخش کہے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

نظر لکھنوی ایک گمنام، قادر الکلام نعت گو

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رسول ﷺ کے ذکر کو بلندی بخشی تو عالم آب و گل میں جس ذی نفس نے بھی آپ ﷺ کا محبت، خلوص اور ایمانی حرارت سے مملو تذکرہ کیا اس کو بھی دوام بخش دیا۔ نعت گوئی کا مقدس عمل بھی ایسا ہی عمل ہے کہ جس کسی نے بھی مبداءِ فیاض سے طبع موزوں پائی اور اپنی فکر کو مطہر کر کے بارگاہِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں فنِ سخن کا نذرانہ پیش کرنے کی پُر خلوص کوشش کی، شہرت و نام وری نے اس کے قدم چومے، چاہے وہ خود گمنام رہنے کی کتنی ہی تدابیر کیوں نہ اختیار کر لے۔

محمد عبدالحمید صدیقی نظر لکھنوی نے ۳ جولائی ۱۹۲۷ء کو لکھنؤ موضع چھٹ میں آنکھ کھولی اور ۳ جنوری ۱۹۹۴ء کو اسلام آباد میں راعی ملک بقا ہوئے۔ اپنے ترکے میں چند نعتیہ بیاضیں چھوڑیں، جنہیں ان کے اکلوتے فرزند محمد احسن صدیقی نے حرزِ جاں بنالیا۔ نظر لکھنوی مرحوم کو قدرت نے جس فیاضی سے سخن گوئی کی استعداد عطا کی تھی، شہرت و نام وری کی طرف سے اسی قدر بے نیازی ان کی طبیعت کا خاصہ ٹھہری۔ چنانچہ مشاعرہ بازی اور طباعتِ کلام کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے انھوں نے عزلت گزینی کو ترجیح دی۔ نتیجتاً وہ اس دارِ فانی سے گمنام ہی رخصت ہوئے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

اشعار میں مرے مئے باطل کی بو نہیں
عشقِ بتانِ دہر کی بھی ہوا ہو نہیں
اسپِ سخن ہے میرا بھیدِ زمامِ دیں
داؤِ سخن کی مجھ کو نظر آرزو نہیں

محمد احسن صدیقی خلف الرشید نظر لکھنوی کا بیان ہے کہ ”ان کے ابو، روایت پسند تھے اور

شاعری کے دبستان کے لیے ایک خاص تعصب رکھتے تھے۔ دبستان لکھنوی پر کی گئی تنقید پڑھتے ضرور تھے لیکن تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حسنِ شعری کے وہ سارے ظاہری لوازم جو لکھنوی دبستان کی پہچان ہیں، شاعری کی مقصدیت کے ساتھ برتے جاسکتے ہیں۔“

نظر لکھنوی کی قائم کردہ شعری فضا پر بلاشبہ لکھنوی دبستانِ سخن کی روایت کا پرتو ہے۔ انھوں نے محسن کا کوروی کے تتبع میں نشاطیہ شعری مزاج کو مقصدیت سے ہم آہنگ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ محسن کا کوروی نے لکھنوی شاعری کی صنعت گری اور ٹھٹھول بازی کو نعتیہ مضامین کی اعلیٰ مقصدیت سے ہم کنار کیا تھا اور سخن گوئی کی تمام تر صلاحیتیں مدح سید الکونین ﷺ کے لیے وقف کر دی تھیں اور اس طرح وہ منفرد لہجے میں نعت کہنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ نظر لکھنوی نے بھی مدحتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور قادر الکلامی، ردیف و قوافی کی ندرت، فن کی تازہ کاری، لفظیاتی مرصع سازی اور فکری طہارت کے جواہر سرکارِ رسالت مآب ﷺ کی نذر کیے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ شعری بنت پر بھرپور توجہ صرف کرنے کے باوجود متن سخن (Poetic text) کو کہیں بھی درجہ استناد سے کم نہیں ہونے دیا ہے۔

نظر لکھنوی کا شعری عمل (Poetic work) اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ قصیدہ نگاری کی طرف مائل ہوتے تو اس صنفِ سخن میں امتیازی حیثیت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن ان کے شعری ارژنگ میں قصیدہ کا کوئی مرقع نہیں۔ یہاں تو نعتیہ غزلوں کے نقش و نگار اپنی چھب دکھلا رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے قلم کو سپردِ سیل طبع رواں کر دیا تھا۔ قصیدے کی فنی ضرورت کے لیے تشبیب کی مصنوعی فضا پیدا کرنا، شاعرانہ غزرا ظاہر کرنا اور گریز کی گرانی کے مرحلوں سے گزرنا نظر لکھنوی کے طبعی عجزِ ہنر کے منافی تھا۔ اس لیے انھوں نے قصیدے کا کبھی قصد نہیں کیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روایت پسند اور قادر الکلام ہونے کے باوجود قصیدے کو نظر لکھنوی نے فرسودہ صنفِ سخن گردانا ہو۔ یہ الگ بات کہ قصیدہ نگاری کے ہیئتِ نمونے ان کی شاعری میں نہ ہونے کے باوجود ان کی نعتیہ غزلوں میں شکوہ لفظی اور نشاطیہ لہجے کی گونج ویسی ہی ہے جیسی قصیدے کا طرہ امتیاز ہے۔ لکھنوی دبستانِ سخن کی پاسداری ان کے لفظ لفظ سے نمایاں ہے وہ قوافی برتنے اور ردیفیں چکانے کا ہنر جانتے ہیں۔ حبِ رسول ﷺ کے جذبہ صادقہ نے ان کے لہجے کو ادب سے ہم کنار کیا ہے۔

ع عشق بن یہ ادب نہیں آتا (میر)

اور فی اخلاص نے ان کے کلام کو سنوارا ہے۔

نظر لکھنوی نے دسمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کی اور ملٹری اکاؤنٹس راولپنڈی میں تعینات ہوئے اور بیشتر وقت یہیں گزارا۔ علاوہ ازیں اپنی عمر عزیز کے آخری دس برس اسلام آباد میں بسر کیے۔ اس شہر کی فضا الحمد للہ نعتیہ شاعری کے لیے بڑی سازگار ہے کیوں کہ یہاں ”محفلِ نعت“ کے نام سے ایک بزم باقاعدگی سے ہر ماہ نعتیہ مشاعرے منعقد کرائی جاتی ہے اور الحمد للہ اس عمل کے استمرار کو بلا تعطل سولہ سال ہو گئے ہیں۔ لیکن اس بزم کے اربابِ بست و کشاد جنابِ عرش ہاشمی اور جنابِ سبطین شاہجہانی بھی نظر لکھنوی مرحوم کو دریافت نہیں کر سکے۔ علاوہ ازیں حال ہی میں علامہ قمر عینی نے ”تذکرہ نعت گو یانِ راولپنڈی، اسلام آباد“ مرتب فرمایا ہے، یہ تذکرہ بھی نظر لکھنوی کے ذکر سے خالی ہے، راقم الحروف کو خود بڑا افسوس ہو رہا ہے کہ مرحوم سے شرفِ نیاز حاصل نہیں کر سکا حالانکہ کہیہ ناچیز ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۲ء تک اسلام آباد ہی میں تھا اور جناب محمد احسن صدیقی خلف الرشید نظر لکھنوی سے ارادت مندی کا شرف بھی اس خاکسار کو حاصل تھا۔ بہر حال نظر لکھنوی مرحوم کے شہرت بیزاری نے انھیں متعارف نہیں ہونے دیا۔ اور اب بقول غالب:

ع شہرتِ شعرم گیتی بعد من خواہد شدن

ان کے کلام کی شہرت ان شاء اللہ پوری دنیا میں ہوگی۔

الحمد للہ! اب راقم الحروف کی تحریک پر جناب محمد احسن صدیقی اپنے والد گرامی کا نعتیہ کلام مرتب کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ یہ مجموعہ بہت جلد منصفہ شہود پر آجائے گا۔ نظر لکھنوی کی نعتوں میں حضور اکرم ﷺ کا حسنِ صورتی بھی منعکس ہے اور حسنِ سیرت بھی، ختمِ نبوت کے مضامین بھی ضو بار ہیں اور عظمتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جھلکیوں سے بھی یہ نعتیں مملو ہیں۔ حضور ﷺ کے پیغام کا تحریک (Dynamism) اور دعوتِ عمل کا راست جذبہ بھی ان نعتوں میں لمحہ ریز ہے اور حاضری کی تمنا بھی اشعار کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ اہم بات یہ کہ نعتوں میں شعری محاسن سمونے کے باوجود شاعرانہ تعلیٰ کے بجائے عجزِ ہنر کے مضامین زیادہ ہیں جو اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ شاعر اپنی شعری دانش کے اظہار کو اپنے فن کے حوالے سے کوئی کارنامہ نہیں سمجھتا اور یقیناً یہی راہِ صواب ہے، اخلاص کا تقاضا بھی یہی ہے۔

سلیم شہزاد (مالیگاؤں)

حمد کی شعریات

انسانی معاشرہ، مہذب ہو کہ غیر مہذب، کسی زمانے میں مذہب کے وجود سے خالی نہیں رہا ہے اور نہ کسی مذہب کو خدا کے تصور سے عاری قرار دیا جاسکتا ہے۔ مذہب کی معاشرے پر یہ فوقیت افراد کے ذریعے مذہبی روایات و رسوم کی تکمیل میں اپنا ثبوت فراہم کرتی ہے اور خدا کے تذکرے، اس کی عبادت، اس سے استمداد اور اسے خوش کرنے کے لیے اس کی تعریف و توصیف کے بغیر مذہبی روایات و رسوم کی تکمیل نہیں ہوتی۔ خدا سے ہم رشتہ ہونے یا خدا سے ہم رشتہ کرانے والے یہ تعلیمات اس کی تحمید و تقدیس بیان کرنے کا بھی تقاضا کرتے ہیں چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا بھر کے مذاہب میں خدا کی تحمید کی روایت پائی جاتی ہے۔ مختلف مذاہب میں تحمید و تقدیس بیانی کے مختلف نام، مراحل اور ذرائع ملتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں حمد کو اس کی مذہبی، لسانی، فنی اور صنفی جہات سے دیکھنے دکھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

لسانی ساختہ کے طور پر ”حمد“ ایک سہ حرفی مادہ ہے جس کے معنی دوسرے ایسے ہی سہ حرفی مادے ”مدح“ کے معنی سے مماثلت رکھتے ہیں یعنی تعریف، توصیف، ثنا وغیرہ۔ پہلے لفظ کی صوتی و معنوی اصل بعض قدیم و جدید زبانوں تک پھیلی ہوئی ہے، خاص طور پر یونانی، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی وغیرہ زبانوں تک اور ان زبانوں میں اس لفظ کا لسانی تفاعل وہی رہا اور وہی ہے جو عربی، فارسی اور اردو میں ملتا ہے یعنی خدا کی تعریف۔ یہ لفظ یونانی ”ہمنوس“ (humnos) سے لاطینی ”ہمنس“ (hymnus) بنا اور فرانسیسی کے توسط سے انگریزی میں آکر ”ہم“ (hymn) ہو کر رہ گیا۔ عربی مادے ”حمد“ کی پہلی دو آوازیں محولہ یورپی الفاظ کی دو آوازوں کے مماثل ہیں جن کے آخری صوتیے امتداد زمانہ نے مٹا دیے۔ عربی لفظ کی آخری صوت ایک دندانی صوتیہ یعنی /د/ بن گئی جس کا مخرج یورپی صوتیوں /ن/ س/ کے مخرجوں سے قریب پایا جاتا ہے۔ یہ اشتقاقی تحقیق

تقدیسی شاعری میں حمد کو کرہ ارض کے مشرق و مغرب میں مستعمل ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ خدا کی تعریف ہر زمان اور ہر مکاں کو محیط کرتی ہیں اس لیے قرآن کریم کی تمہیدی آیت الحمد للہ رب العالمین کی زمانی و مکانی آفاقیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ آیت دنیا کی تمام قدیم و جدید زبانوں کے ادب میں حمد یہ اظہار کی انتہائی تعیم ہے۔

قدیم یونان میں حمد کی اصطلاحی تعریف کے پیش نظر کسی دیوی دیوتا یا ہیرو کی تعریف و توصیف پر مشتمل حمد یہ شاعری نئے مذاہب کے عروج کے ساتھ مختلف ملکوں کی تقدیسی شاعری بن گئی۔ یونان میں ’ہمنوس‘ تین معنوں میں مستعمل تھا (۱) کسی بھی قسم کا گیت (۲) دیوی دیوتا کی تعریف بیان کرنے والا گیت یا بھجن اور (۳) دیوتا کی تعریف میں کوئی خاص گیت۔ پھر ان گیتوں میں تاریخی رنیم تاریخی سوراواؤں کی تعریف بھی شامل کر لی گئی۔ یونانی شاعری میں اس صنف کے قدیم ترین نمونے ساتویں صدی قبل مسیح کے رزمیہ نگار شاعر ہومیرس یا ہومر کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ یہ کلام اس کی کلاسیک نظموں ’ایلیڈ‘ اور ’اوڈیسی‘ کے بیان میں ’ابتدائیہ‘ کے طور پر شامل ملتا ہے۔ اصل کلام میں ابتدائیہ نظموں کی شمولیت کی روایت قدیم طریقہ ڈراموں کی روایت رہی ہے جسے دنیا بھر کی بیانیہ شاعری کی روایت سمجھنا بے جا نہ ہوگا (اردو مثنویوں میں بھی حمد و نعت وغیرہ ابتدائیہ نظموں کی طرح شامل دیکھے جاسکتے ہیں) ان نظموں کو کورس اپنے مخصوص لباس میں اسٹیج پر پیش کرتا تھا۔ یہ کورس آگے چل کر کلیساؤں اور خانقاہوں کی چیز بن گیا۔ آج بھی زبور کی دعائیں پڑھنے والے کورس کے روپ میں اسے کلیسا کی اہم سرگرمیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی خانقاہیں اذکار و وظائف اور قوالی کے راگوں سے گونجتی رہتی ہیں اور مندروں میں اجتماعی بھجن کیرتن اسی کورس کی مختلف ثقافتی مذہبی شکلیں ہیں۔

رومی ثقافت میں دیوتاؤں کی تعریف و توصیف کے لیے زیر لب ادا گی کا چلن اختیار کیا گیا تھا۔ معبدوں میں پجاریوں کے گروہ مخصوص آسن میں بیٹھ کر منہ ہی منہ میں حمد یہ کلام پڑھتے۔ روم میں یہ خاموش کلام پجاریوں کا مشاہدہ کرنے والوں میں خوف بھی پیدا کر دیتا اس لیے ان کی خاموش حمد کو لوگ جادو سے تعبیر کرنے لگے۔ انگریزی لفظ charm حمد یہ خاموش کلامی کے اسی تصور سے وجود میں آیا ہے جس کی اصل carmen ہے یعنی مخصوص مفہوم اور مقصد کے حصول کے لیے ادا کیا گیا کلام۔ ہندوستان میں اس لفظ کا مترادف ’تنتر‘ ہے جس سے ’تانترک‘ بنا ہے اور تانترک کے عمل سے کون واقف نہیں؟ تصوف کے باطنی سلسلوں میں خاموش کلامی کو ذکر

خفی کے مماثل سمجھنا چاہیے۔ مشرقی خطہ زمین پر ہندوستان کئی مذاہب کی نشوونما اور عروج و زوال کی آماجگاہ رہا ہے۔ ان میں ہندومت کو سب سے قدیم خیال کیا جاتا ہے۔ اس مذہب کی چار کتابیں: رِگ وید، یج وید، سام وید اور اتھرو وید حمدیہ نظموں سے خالی نہیں۔ ہر وید کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس کا پہلا حصہ منتر کہلاتا ہے اور یہی منتر حمد کے مترادف ہے۔ منتروں کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عبادت گزار بندوں کی آستھاؤں اور آشاؤں کو الیشور کے سمکشیارپن کرتے ہیں۔ بشریات اور اسطوریات کے ماہرین نے ویدوں کی حمدیہ شاعری کو یونانی اور ایرانی تقدیسی شاعری سے قدیم تر قرار دیا ہے۔

کثیرالارباب مذاہب میں حمد و ثنا کے یہ تصورات آگے چل کر لوح و قلم سے دیواروں پر تراشے گئے نقوش تک پہنچ گئے۔ حضرت عیسیٰ سے صدیوں پہلے یونان و روم، مصر و عراق، ہندو ایران وغیرہ کے معبدوں میں دیوی دیوتاؤں کے بھجن گاتے پجاریوں کو تصویروں کے ذریعے پیش کیا جانے لگا: رومی کلیساؤں میں توریت کے واقعات، مصر کے قدیم کھنڈروں کی دیواروں پر مصری دیوتاؤں کے بھجن، ہندوستان کے قدیم مندروں کی دیواروں پر دیوتاؤں کے رزمیہ اور ایرانی مصورمانی کی ”ارژنگ“ میں تصویروں، مورتیوں اور تصویری خط کے ذریعے کائنات کی تخلیق کرنے والے کی تحمید و تقدیس کو مصور کیا گیا ہے۔

یہ مختصر جائزہ حمد کے تقدیسی شاعری ہونے کے لسانی، تاریخی، ثقافتی، مذہبی وغیرہ عوامل کو سامنے لاتا ہے جو حمد کو ایک شعری صنف کے طور پر اجاگر کرنے میں معاونت کرنے والے عوامل ہیں۔

حمد کو ایک شعری صنف کے طور پر قبول کرنے میں اکثر وہ ناقدین تکلف محسوس کرتے ہیں جو ادب و مذہب کے رشتے پر یقین نہیں رکھتے اگرچہ خود ادب یعنی شعر، قصہ، ڈراما وغیرہ دنیا بھر کی زبانوں میں مذہب کے لطف سے پیدا ہوا ہے اور بے مذہب ناقدین اس تاریخی ثقافتی مظہر سے ہرگز ناواقف نہیں۔ اس کے باوجود مذہب اور ادب کا رشتہ ہر زمانے میں زیر بحث آتا رہا ہے۔ مابعد الطبیعیات، تصوف، اخلاقیات اور فلسفہ علوم انسانی کے ایسے شعبے ہیں جو کئی زاویوں سے مذہب سے جڑے رہے اور جڑے ہوئے ہیں۔ ان علوم کے موضوعاتی دائرے ایک دوسرے کو کاٹتے ضرور ہیں اور ایک کے بغیر دوسرے کے وجود کا تصور ناممکن سا نظر آتا ہے۔ ان اسباب کی بنا پر تقدیسی شاعری میں حمد جو مذہب کے رفیع و اعلا ترین موضوع اللہ، خدا، رب، الیشور وغیرہ کو اپنا

موضوع بناتی ہے، دراصل عظیم شاعری کا درجہ رکھتی ہے اس لیے حمد کی صنفی حیثیت سے انکار کرنا ممکن ہی نہیں۔

اردو میں حمد کی صنف فارسی اور عربی کے توسط سے آئی۔ اصطلاحی مفہوم سے قطع نظر یہ شاعری کی ایک اور اہم صنف قصیدے سے معنوی طور پر مترادف ہے مگر قصیدہ ایک مخصوص ہیئت میں کہا جاتا ہے جب کہ حمد کہنے کے لیے کوئی ہیئت متعین نہیں۔ اس لحاظ سے ہر حمد اللہ تعالیٰ کا قصیدہ ہے مگر ہر قصیدہ حمد نہیں ہوتا۔ (البتہ ”حمد“ کے مادے میں ذرا سی تصریف سے بنا ہوا لفظ ”مدح“ لفظ ”قصیدہ“ کا مترادف مانا جاتا ہے) اردو حمد دنیا کی اور زبانوں میں کہی جانے والی حمد کی طرح مذہبی شاعری ہے۔ اس کا آغاز صوفیانہ اور فلسفیانہ خیالات کے شعری اظہار کی صورت میں ہوا لیکن مذہبیت ہر دور میں حمد پر حاوی رہی۔ واضح رہے کہ صوفیانہ خیالات کبھی پوری طرح مذہبی نہیں ہوتے، ان پر فلسفیانہ رنگوں کی چھوٹ بھی ہوتی ہے اور نقدیسی شاعری میں حمد کا تقاضا ہے کہ سورہ فاتحہ کی پہلی آیت اس کے اظہار کی اساس رہے۔ چند مثالوں میں دیکھیے کہ حمد یہ شاعری میں تصوف اور فلسفہ کس طرح مذہب سے آمیز ہو جاتے ہیں۔

دیا چاند سورج کو نور و ضیا
فلک پر ستارے کیا خوش نما
سراج اور نگ آبادی کا یہ شعر خالص حمد کا شعر ہے یعنی اس کے ہر لفظ پر مذہبی رقرآنی تاثر
حاوی ہے جب کہ

عجب قادر پاک کی ذات ہے
کہ سب ہے نفی اور وہ اثبات ہے

شعر میں قادر پاک / مذہب

ذات / تصوف

نفی و اثبات / فلسفہ

شعری لفظیات کا یہ تجزیہ بتاتا ہے کہ حمد کہتے ہوئے شاعر پر مختلف علمی تصورات کا غلبہ

تھا۔ اور یہ اشعار

کہیں آپ معشوق ہو، گل ہوا

کہیں آپ عاشق ہو، بلبل ہوا

کہیں ہو کے لیلیٰ، ہوا جلوہ گر
کہیں آپ آیا ہے مجنوں ہو کر
کہیں روح ہو کر، دکھایا جمال
کہیں ہو کے پتلی، بنایا مثال

تصوف کے ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کے ملے جلے فلسفے کو پیش کر رہے ہیں۔ ان اشعار کے فاعل میں اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے مگر یہ خالص تحمیدی اشعار نہیں ہیں۔ صوفی (یا ان اشعار کا خالق سراج) جب معرفت حق سے بہرہ مند ہو جاتا ہے تو فلسفی کی طرح خدا کے وجود پر مباحثے میں مشغول ہو جاتا ہے اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے حوالوں سے تصوف کے یہ مباحث بھی فلسفے کی بلندی کو چھونے لگتے ہیں۔ جزو کل، شاہد و مشہود اور من و تو کی غیریت کو مٹانے کے لیے صوفیاء نے عشق اللہ کے رنگ میں رنگ جانے کو احسن قرار دیا ہے اور یہ رنگ گل و بلبل، شمع و پروانہ، ذرہ و صحرا، قطرہ و دریا وغیرہ کو مختلف صورتوں میں نہیں دیکھتا۔
محولہ بالا پہلا شعر دوبارہ پڑھیے۔

دیا چاند سورج کو نور و ضیا
فلک پر ستارے کیا خوش نما
اس شعر پر، جیسا کہ کہا گیا، مذہبی رقر آنی تاثر حاوی ہے لیکن شعریت اس میں نام کو نہیں پائی جاتی۔ سراج کہتے ہیں کہ۔

اللہ نے چاند اور سورج کو روشنی دی
اس نے فلک پر ستاروں کو خوش نما بنایا
یہ عام بیانات ہیں اور اللہ کی ذات پر ایمان رکھنے والا ہر فرد ان کی مطلق سچائی سے واقف بھی ہے۔ حمد کی شعریات کا تقاضا یہ ہے کہ شاعر ان بیانات کو اس طرح نہ پیش کرے جیسا کہ عام افراد انہیں جانتے سمجھتے اور بیان کرتے ہیں۔ شعری اظہار ان عمومی بیانات پر جو یقیناً قرآن سے آتے ہیں شعریت کے رنگوں کا متقاضی ہوتا ہے، تبھی یفن کی ذیل میں آتے ہیں اور ان کی لسانی / اظہاری قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا

گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے
تو جس طرف کو دیکھیے ، اس کا ظہور ہے

میر درد کے ان اشعار سے ہمہ اوست یا وحدت الوجود کا صوفیانہ فلسفہ صاف ظاہر ہے جس کے ڈانڈے ”اَدَویت“ یعنی ”کن کن میں ایشور“ کے ہندو تصور سے مل جاتے ہیں۔ ”معرفت کا نور چشم بصیرت“ جیسے استعارے یہاں شعریت کی حامل ترکیبیں ضرور ہیں لیکن شعر میں مرسلہ خیال خدا کے وجود کے اسلامی تصور سے متضاد ہے۔

ہمہ اوست کے بالمقابل ہمہ از اوست یا وحدت الشہود کا نظریہ بھی حمد کے اشعار میں خوب خوب نظم کیا گیا ہے۔ میر کہتے ہیں۔

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس کا ہی ذرہ ظہور تھا

اس کے حسن سے یعنی نور مطلق سے ساری کائنات میں نور پھیلا ہوا ہے۔ سورج کی آب و تاب میں بھی اسی ازلی نور کا ایک ذرہ روشن ہے۔ اس مضمون میں حمد الہی کا واقعی تصور منظوم ہوا ہے لیکن میر ہی کے شعر۔

اشجار ہوویں خامہ و آب سیہ بحار
لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اس کی صفات کا

یہ قرآنی آیات کا محض ترجمہ نظم کر دیا گیا ہے جسے ”اللہ نے چاند اور سورج کو روشنی دی“ جیسے عام بیان کے مترادف سمجھنا چاہیے۔ اسی طرح۔

اے مصحفی، کچھ کمی نہیں وال

جو چاہے سو مانگ، پر خدا سے

شعریت سے محروم لسانی تعامل ہے جسے حمد کا شعر سمجھا جاتا ہے۔

غالب کے شعر۔

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود

قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

میں ہمہ اوست یا ادویت کے فلسفے کو نظم کیا گیا ہے۔ شعریت اس شعر میں ضرور ملتی ہے لیکن

تحمید کا پتا نہیں۔ غالب کی طرح ادویت کو ماننے والے ”اہل نظر“ محسوس و مجسم ”کعبے“ کو عام خیال کے مطابق ”قبلہ“ نہیں، ”قبلہ نما“ سمجھتے ہیں یعنی (۱) قبلہ کی سمت اشارہ کرنے والا اور (۲) قبلہ جیسا کچھ۔ ادویت یا افلاطونی عینیت کے مطابق کائنات کے مظاہر اصل نہیں، اصل کے اعیان رسایے ہیں۔ ہم بظاہر قبلہ کی سمت رخ کر کے اپنی عبادتیں نذر کرتے ہیں لیکن ہمارا رخ دراصل عینی قبلہ کی سمت ہوتا ہے یعنی ہمارا مسجود سرحد ادراک سے پرے پایا جاتا ہے۔ امیر مینائی کا شعر۔

محروم اس کے خوان تجلی سے کون ہے

حصہ ہر ایک آنکھ نے پایا ہے نور کا

تحمید اور شعریت سے بھرا ہوا ہے لیکن دو مصرعوں کے بیچ ہمہ از اوست کا تصور شاعر نے جس طرح مقدر کر دیا ہے، اس کی داد دیے ہی بنتی ہے۔ ”تجلی“ اللہ کی ذات کی طرف اشاری ہے کہ ہر چشم را از اوستہ می رسد۔ جگر اپنے شعر۔

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا

جس رنگ میں دیکھا تجھے، کیلتا نظر آیا

میں کثرت میں وحدت یا کثرت ہی وحدت کہہ کر ہمہ اوست کے قائل نظر آتے ہیں۔ دوسرے مصرع کے فقرے ”جس رنگ میں دیکھا تجھے“ کا مخاطب اللہ تعالیٰ ہے تو اس کے رنگ کے حوالے سے یہ فقرہ قرآنی آیت ”صَبَّغَهُ اللَّهُ وَمِنْ أَحْسَنُ وَمِنْ اللَّهِ صَبْغَهُ“ سے ماخوذ ہے۔ اردو لفظ ”رنگ“ اور فقرہ ”جس رنگ میں دیکھا“ کی شعریت نے پہلے مصرع کے فلسفیانہ علوکوزیر کر لیا ہے۔ میر کے محولہ شعر ”اشجار ہو ویں خامہ“ میں بھی قرآنی حوالہ آیا ہے لیکن جیسا کہ کہا گیا، یہ محض ترجمے کا اردو شعری بیان ہے۔ یہاں جگر نے قرآنی آیت سے استفادے کو شعریت میں حل کر دیا ہے جس سے شعر کے رس کا مزہ دو بالا ہو گیا ہے اور حمد کی شعریات اسی فنکاری کی مقتضی ہے۔

صبحِ رحمانی کا شعر۔

وہی تو شام کی دہلیز پر سویرے تک

چراغِ ماہ جلاتا، نجوم رولتا ہے

حمد یہ شاعری کے نہ صرف ایک قرآنی خیال (اللہ نے آسمان کو چاند ستاروں سے سجایا ہے)

کی بلکہ جدید تر لہجے کو شعریت کے جلو میں رکھنے کی بھی مثال ہے۔
ادب کی ادبیت یا شعر کی شعریت ہی ادب و شعر کی تخلیق کا واحد مقصد ہے۔ مذہبی، سیاسی، سماجی اور بہت سے انسانی غیر انسانی مقاصد ادب و فن کے توسط سے حاصل کیے جانے کی مثالیں یوں تو دنیا کے تخلیقی اظہارات میں پائی جاتی ہیں لیکن انھیں ایسے مقاصد کا حصول قرار دینا چاہیے جو ادب و فن کے لیے اضافی حیثیت رکھتے ہیں اور نقدی شاعری یعنی حمد، نعت، منقبت اور مناجات کے شعری اظہار میں بھی اولیت اور فوقیت اظہار کی شعریت، بیان کے حسن اور ماورائی کیف و سرور کے اکتساب کو حاصل ہے۔ یہاں اسلام سے ہم رشتہ متعدد تصورات جیسے تصوف، تفقہ، تجرد، فلسف اور سب سے بڑھ کر مسلکی تصورات شعری اظہار میں سرایت کر سکتے اور کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ مثالوں میں دیکھا گیا لیکن امیر مینائی، جگر اور صبیح رحمانی کے شعروں پر حاوی فنکارانہ تمہیدی رنگوں کے پیش نظر ثابت ہے کہ حمدیہ شاعری کے تقاضے کیا ہیں۔ ہم تصوف، فلسفے اور دیگر علوم کے دقیق مسائل سے متعارف ہونے کے لیے نقدی شاعری کی تخلیق نہیں کرتے اور نہ اس مقصد کے لیے اسے سنتے اور پڑھتے ہیں۔ حمد و نعت تخلیق کرنے اور انھیں سننے پڑھنے کا اول و آخر مقصد روحانی جمالیات حظ کے سوا کچھ اور نہیں۔ ان معروضات کا حاصل:

- (۱) حمد مذہبی شاعری ہے۔
- (۲) حمدیہ اظہار کی مختلف ہیئتیں تمام مذاہب میں پائی جاتی رہی ہیں۔
- (۳) قرآن کی سورہ فاتحہ کی پہلی آیت سے حمد کی زمانی و مکانی وسعتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔
- (۴) تصوف، فلسفہ، اسطوریات، نفسیات اور دیگر علوم حمد کو متاثر کرتے ہیں۔
- (۵) شعری اظہار میں حمد ایک موضوعی صنف ہے۔
- (۶) قصیدہ ہونے کے باوجود حمد ہیئتی / موضوعی صنف قصیدے کی ذیل میں نہیں آتی۔
- (۷) نقدی شاعری کی دیگر اصناف (نعت، مناجات وغیرہ) کی طرح حمد نگاری اور حمد خوانی کا مقصد روحانی جمالیاتی حظ کا اکتساب ہے۔

وہ شعری تخلیق جس سے روحانی جمالیاتی حظ کا اکتساب کیا جاتا ہے یعنی حمد کس طرح صورت پذیر ہوتی ہے؟ اب تک کی بحث سے کھل چکا ہے کہ اس تخلیق کا موضوع اللہ / خدا / رب / الیٰہ کی ذات کو تسلیم کیا جاتا ہے جسے کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہے، کون ہے، کہاں ہے، کب سے ہے، کیوں

ہے، کیسا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالوں کے جوابات مذہب کی راہ سے ملیں کہ فلسفے کی مویشگانہ فیوں سے آئیں یا تصوف کے پردوں سے ظاہر ہوں، سب کا رشتہ حمد کے موضوع کی ذات و صفات سے مربوط نظر آئے گا۔ قرآن اپنے اسلوب میں ان سوالوں کے جوابات دیتا ہے۔ احادیث بھی رسول کریم ﷺ کے نطق بابرکت میں یہ جوابات اپنے دامن میں رکھتی ہیں لیکن اللہ کا تصور یکسر ایک غیر مادی تصور ہے اور اس کے تعلق سے اوپر کے سوالات کے بھی ایسے جوابات نہیں ملتے کہ کوئی کہہ دے کہ یہ ہے اللہ! جب ذات خداوندی کی شکل، جہت، مقام وقوع وغیرہ کسی کے تجربے مشاہدے میں قطعی نہیں تو اب حمد کہنے والا کیا کرے؟ اسی مقام پر ”با خدا دیوانہ باش“ کا مقولہ اپنے معنوں کے ساتھ روشن ہو جاتا اور حمد یہ اظہار کا نام دیوانگی قرار پاتا ہے (جسے شاعر کے عالم جذب میں ہونے سے بھی مماثل کہا جاسکتا ہے) حمد کا شاعر اس دیوانگی کے اظہار میں حقیقت مطلق کو طرح طرح کے مجازی لباس میں دیکھنا اور دکھانا چاہتا ہے۔ اقبال کی بھی یہ خواہش ہے کہ کبھی حقیقت منتظر کو لباس مجاز میں دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ کو لباس مجاز میں دیکھنے کی خواہش ہی وہ دیوانگی ہے جس سے حمد کی شاعری صورت پذیر ہوتی ہے۔ یہ صورت پذیری کسی مخصوص صنفی ہیئت کو قبول نہیں کرتی بلکہ اسے توڑتی ہے (دیوانگی کہاں کسی ثابت و سالم شے کو اپنی حالت پر رہنے دیتی ہے) یہ مذہبی (بلکہ اس مضمون کے لکھنے اور سننے پڑھنے والوں کے لیے اسلامی) فلسفیانہ، صوفیانہ، صنیاتی، شعوری و لاشعوری غرض ہر رنگ کو قبول کرتی اور ہر رنگ کا اظہار کرتی ہے۔ ایک پھول کا رنگ اس کے لیے ناکافی ہوتا ہے کیوں کہ صبغۃ اللہ کی حقیقت سے تو کوئی واقف نہیں مگر شاعر خود اللہ کے حکم سے اللہ کے رنگ میں اپنے وجود کو شرابور دوڑتا ہے اور یہ رنگ بستی، سبز، سرخ، سیاہ کوئی سا بھی رنگ ہو سکتا ہے (دیوانگی میں رنگوں کی پہچان کہاں ممکن ہے)

حمد شعری اظہار کا وہ پیرایہ ہے جس میں اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے رنگوں کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کا مرکوز نظر مخصوص ہوتا ہے مگر اس تخصیص میں اتنی وسعتیں، گہرائیاں اور گیرائیاں پائی جاتی ہیں کہ ان کے آگے من دون اللہ جدا جدا ہر ذات اور اس کی صفت کی توسیع، مبالغے اور غلو کے بعد بھی ہیچ نظر آتی ہے۔ تمہید کی سزاوار ذات باری کے اوصاف کے جلووں کو جب صبغۃ اللہ میں غرق شاعر نزول شعر کی شعوری و لاشعوری کیفیات میں محسوس کر لیتا ہے تو شعریات اس کے لیے کسی اصول کی پابندی کا نام نہیں رہ جاتا۔ راقم السطور نے کبھی انھی کیفیات کے زیر اثر بہت سی حمدیں صفحہ قرطاس پر اتاری تھیں، با خدا دیوانہ باش کے اصول پر عمل کرتے

ہوئے اس نے غزل کی روایتی ہیئت کو توڑ کر اسے ایک آزاد ہیئت میں بدل دیا اور اس کا نام حمد غزلیہ رکھا۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ریت دریاؤں کو آئینہ بنائے اللہ
 آئینہ آب سے محروم کرے، آب ستارے کو سیاہی میں چھپائے اللہ
 رنگ در رنگ مناظر پہ مسلط کرے شب ظلمت رنگ
 اور شب دشت میں اک شمع جلائے اللہ
 اِنَّا زَيْنًا کی تفسیروں میں
 آسمانوں کو ستاروں سے (زمینوں کو چراغوں سے) سجائے اللہ
 برق، قندیل، شرر، چشم، گہر، اشک، ستارہ، جگنو
 سارے الفاظ یہ روشن ہوں اگر ان میں کوئی موجہ انوار بہائے اللہ
 قم باذنی وانا اللہ و اقرا کی جلا کر شمعیں
 کبھی صیون، کبھی طور و حرا میں کلمہ اپنا جگائے اللہ
 گائے کے سینک پہ رکھی ہو، کسی ناگ کے پھن پر ہو کہ بہتی ہو کسی دریا پر
 ہفت افلاک میں دھرتی کو گھمائے اللہ

کبھی تنکے کو ڈبو دے لیکن
 کبھی سیلاب بلا بھی ہو تو کشتی کو ترائے اللہ
 ابر کیا، سبزہ و گل کیا، یہ ہوا کیسی ہے، کیسے یہ پری چہرہ لوگ
 چار سؤ پھیلے ہیں سائے، اللہ

احدو الصمدو لم یلد ولم یولد
 کوئی اس کا نہیں، وہ سب کا، تو پھر کیا ہے سوائے اللہ
 یہ گویا عالم جذب کا کلام ہے۔ اس میں عروض کی سخت گیری کا لحاظ نہیں۔ اس کے چھوٹے
 بڑے مصرع مجذوب کی بڑے مماثلت رکھتے ہیں۔ اس میں مذہب ہے: انا زینا قم باذنی وغیرہ
 تصوف ہے: چار سؤ پھیلے ہیں سائے/کیا ہے سوائے اللہ

فلسفے سے آئے ہوئے سوالات ہیں: ابر کیا سبزہ و گل کیا / یہ ہوا کیسی ہے
 صنمیا ت ہے: گائے کے سینک / ناگ کے پھن پر رکھی / دریا پر تیرتی ہوئی دھرتی
 اس حمد غزل کے مقصد مذہب، تصوف، فلسفے اور صنمیا ت سے آپ کو متعارف کرانا نہیں لیکن
 فنی اظہار میں شعریت اور جمالیاتی رنگوں کی تخلیق سے ان کا معنوی تال میل حمد کی شعریات کے
 تقاضے کی تکمیل کی نشاندہی کرتا ہے اور یہی حمد نگاری کا اولین مقصد ہے۔



ڈاکٹر صابر سسنبھلی (یو پی)

میلا دنامہ اکبر وارثی میرٹھی (کچھ مزید)

ششما ہی مجلہ ”دبستان نعت“، خلیل آباد کا پہلا شمارہ 1437ھ مطابق 2016ء میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں ایک مضمون ”میلا اکبر۔ ایک مطالعہ“ مصنفہ ڈاکٹر نذیر فتح پوری بھی شامل ہے۔ مضمون ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ راقم صابر نے اپنے مضمون پڑھنے کے بعد اسی کا ہی مطالعہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے صفحہ 181 پر تحریر فرمایا ہے۔

”میلا اکبر کیا ہے۔ یہ پہلی بار کب شائع ہوئی..... اس قسم کی معلومات ہمیں

میلا اکبر کے مطالعے سے نہیں ملتیں۔“

ان جملوں کو پڑھ کر بہت حیرت ہوئی۔ حیرت کی وجہ یہ تھی کہ راقم السطور کے پاس بھی اس کتاب کا ایک بوسیدہ نسخہ موجود ہے، جس پر سنہ طباعت کا اندراج نہیں ہے۔ ورق گردانی کی تو صفحہ 87-88 پر قطعہ تاریخ بطور تقریظ کے عنوان سے (غزل کی ہیئت میں) 14 اشعار کی ایک نظم موجود پائی۔ یہاں پر نقل کرتا ہوں۔

اے جزاک اللہ اکبر! واہ واہ	کیا لکھی رودادِ میلا در حضور
ہیں رسالے اور بھی، لیکن یہ ہے	ایک ہی رودادِ میلا در حضور
سچے سچے واقعے کی شرح ہے	واقعی رودادِ میلا در حضور
آپ کے حصے میں ہی روز ازل	آگئی رودادِ میلا در حضور
آپ کی تالیف کو صد آفریں	جمع کی رودادِ میلا در حضور
آپ کے حق میں سند ہے مستند	عفو کی رودادِ میلا در حضور
دونوں آنکھوں نے لیے دو صا جب	دیکھ لی رودادِ میلا در حضور
کھول کر بستہ جو کھولی یہ کتاب	گھل گئی رودادِ میلا در حضور

راہ پر آئے جو پڑھ لے ایک بار
ایسی دلچسپ آج تک دیکھی نہ تھی
غنجہ دل کھل گیا جب یہ سنا
بزم میں ایمان تازہ ہو گیا
دوہری خوبی یہ کہ تم نے خود لکھی
خود پڑھی رودادِ میلادِ حضور
مدعی، رودادِ میلادِ حضور
کوئی بھی رودادِ میلادِ حضور
چھپ گئی رودادِ میلادِ حضور
جب سنی رودادِ میلادِ حضور
چھاپ دو حافظ کی بھی تاریخ طبع
”اب چھپی رودادِ میلادِ حضور“

اس سے سال 1337 برآمد ہوتا ہے۔

قطعاتِ تاریخ عموماً طویل نہیں ہوتے۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس کی ردیف کچھ زیادہ ہی طویل ہو گئی ہے۔ راقم الحروف نے اس سے پہلے ایسی ردیف (شاید) نہیں دیکھی ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ اس کا مصرع تاریخ ہے۔

”اب چھپی رودادِ میلادِ حضور“

اس کا وزن ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔ ردیف ہے۔ ”رودادِ میلادِ حضور“ نیز قافیہ کا وزن ہے ”فاعِلن“ مزے کی بات یہ ہے کہ مصرع میں ردیف اور قافیہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسے مصرع بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ تاریخ حافظ خلیل الدین صاحب ریس و آزریری مجسٹریٹ بہادر، پہلی بھیت کی مستخرج ہے۔ معلوم نہیں نذیر فتح پوری صاحب کو تاریخ طباعت نہ ہونے کا سہو کیوں اور کیسے نذیر صاحب کے بیان سے مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی کہ اُن کے پیش نظر جو ایڈیشن تھا وہ بعد کے زمانے کا ہوگا۔ اس لیے کہ تاریخ طباعت عام طور سے پہلے ایڈیشن میں چھاپی جاتی ہے۔ اس سے مجھ کو یہ خوش فہمی بھی ہو گئی کہ میرے پاس موجود بوسیدہ نسخہ طبع اول ہے۔ بازار سے مجھے میلاد اکبر کا جدید ایڈیشن قدرے تاخیر سے دستیاب ہوا۔ یہ جسیم ڈپوٹیا محل، جامع مسجد دہلی نمبر 6 کا شائع کردہ ہے۔ اس میں 102 صفحات ہیں۔ اور یہ کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ آفسیٹ پر طبع ہوا ہے۔ جدید طباعت کا سال مذکور نہیں ہے، بلکہ کسی طباعت کا بھی حوالہ نہیں۔ آخر میں چار دیگر شعراء کا کلام مزید ہے۔ نثر میں کچھ ذکرِ پاک حضرت غوث اعظم علیہ الرحمہ کا زائد ہے۔

یہ عرض کر چکا ہوں کہ میلاد اکبر پہلی بار 1337ھ میں طباعت سے آراستہ ہوا تھا، جو آج تک بھی جاری ہے۔ اس کو ایک اتفاق ہی کہا جائے گا کہ ”دبستانِ نعت“ کے جس شمارے میں یہ

مضمون شائع ہوا وہ 1437ھ میں منظر عام پر آیا۔ اگر پہلے سے ہی اس بات پر غور کر لیا گیا ہوتا تو میلاد اکبر وارثی پر کچھ اور مضامین لکھوا کر اس کو میلاد اکبر وارثی کا صدی نمبر قرار دیا جاسکتا تھا اور اگر ایسا ہو جاتا تو وہ موقع محل کے عین مطابق ہوتا۔

اب سال 1437ھ تو گزر گیا۔ اس بھول چوک کی بھرپائی اس طرح ہو سکتی ہے کہ 1337ھ مطابق تھا 1918-19ء کے، لہذا اب میلاد اکبر کا صدی نمبر 2018-19ء میں شائع کیا جاسکتا ہے، جو سال عیسوی کے حساب سے درست ہوگا۔

ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے میلاد اکبر کی کئی خوبیوں کا ذکر مذکورہ مضمون میں کیا ہے۔ دو چار باتیں میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ قطعہ تاریخ طباعت کتاب کے آخر میں ہوتا ہے، لیکن اتفاق کی بات کہ اس خوبی کا ذکر آغاز میں ہی آ گیا، کچھ مزید خوبیوں یا کیفیات کا ذکر بعد میں کر رہا ہوں۔

کتاب میں تقریباً صد صفحات ہیں اور ساری کتاب ذکر میلاد اور فضائل سے ہی متعلق ہے۔ مصنف زوائد سے دامن کش رہے ہیں بلکہ اختصار کا بھی خیال رکھا ہے۔ اگر کسی موقع پر ذکر میلاد کے لیے وقت کم ہو یا بہت کم ہو تو اس کو بہت تھوڑے وقت میں بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ قدیم ایڈیشن کے صفحہ نمبر 132 اور صفحہ نمبر 33 پڑھ کر بھی کام چلایا جاسکتا ہے۔ قیام کی حالت میں پڑھا جانے والا سلام بھی انہی دو صفحوں میں شامل ہے۔

میلاد اکبر وارثی میں اکثر شعری کلام بھی مصنف یعنی اکبر وارثی میرٹھی کا ہی ہے، لیکن مستثنیات بھی ہیں۔ قطعہ تاریخ طباعت کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حافظ خلیل الدین صاحب کا عطیہ ہے۔ (قطعہ تاریخ مصنف کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اکثر و بیشتر حالت میں یہ کسی دیگر شخص کا ہی ہوتا ہے)۔

علاوہ ازیں کچھ تضمینات بھی ہیں جو اکبر وارثی صاحب نے نظم کی ہیں جن غزلوں پر مصرعے لگائے ہیں وہ ان کے نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ تعداد میں زیادہ نہیں ہے۔

صفحہ نمبر 22 پر نمسے کے چار بند ہیں مطلع یہ ہے۔

در مصطفیٰ سنگ موسیٰ نہیں ہے

یہاں عرض ہے، طور سینا نہیں ہے

یہ نعتیہ غزل حضرت بیان میرٹھی کی ہے، جو شاید اکبر وارثی میرٹھی کے استاد بھی تھے۔ اکبر وارثی صاحب نے اس غزل پر مصرعے لگا کر نمسے کی شکل مرحمت فرمائی ہے۔

صفحہ نمبر 59-60 پر مثنوی مولانا روم سے تین عدد معجزات سید خیر الانام کی تلخیص کی ہے۔

ان اشعار کا اردو میں ترجمہ بھی نہیں کیا ہے جو آج کل کے لحاظ سے ضروری ہوتا۔ اس لیے کہ اب فارسی جاننے والے بہت کم ہیں۔

صفحہ نمبر 79-80-81 پر ایک خمسہ ہے، جس کی غزل بیان میرٹھی کی تخلیق ہے۔ اُس پر مصرع لگا کر تضمین اکبر وارثی کی ہے۔ صفحہ 85 پر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی بیت ہے

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجی بجمالہ

حسنّت جمیع خصالہ صلّوا علیہ وآلہ

پر تضمین کے چار چار مصرع لگا کر مسدس کے چھ بند تیار کر ترجیع بند بنادیا ہے۔ آخر میں فارسی شاعر حزیں کی بیت ہے۔

دو عالم بہ کاگل گرفتار داری

بہ ہر سو ہزاروں سیہ کار داری

پر مصرع لگا کر 8 بند تحریر کئے ہیں۔ ان میں پانچ بند مطلع ہیں یعنی ہر بند کے سبھی (6) مصرعوں میں ماری، کٹاری، ساری، بھکاری، چُبّاری وغیرہم توانی رکھے ہیں۔ اس سے تضمین پسندیدہ ہوگئی ہے۔ اکبر وارثی میرٹھی سلجھے ہوئے نثر نگار اور خوشگو شاعر تھے۔ نثر میں جہاں کہیں کچھ خامیاں نظر آتی ہیں غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ سہو کتابت کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ نثر عام طور پر رواں اور اس عہد کے چلن کے مطابق ہے، جب وہ لکھی گئی تھی۔ ایک صدی بعد زبان کا معیار بدل جانیا اور تبدلِ زمانہ کے باعث ذوق اور معیار تبدیل ہو جانے کی وجہ سے نامانوس سی لگتی ہے مگر فہمائش اور تاثیر میں کچھ کمی نہیں ہے۔

اکبر وارثی کو جیسی قدرت نثر پر حاصل تھی ویسی ہی شاعری پر بھی تھی۔ میلادِ اکبر میں شامل شعری کلام میں خلوص، اثر اور جوش کی کارفرمائی آج بھی محسوس ہوتی ہے۔ بطور نمونہ تین عدد فن پارے نقل کر رہا ہوں۔

کیا نام ہے اے صلی علیٰ نام محمد ﷺ

کس شان سے خالق نے لکھا نام محمد ﷺ

کس پیار سے لیتا ہے خدا نام محمد ﷺ

غافل! تو کہیں بھول گیا نام محمد ﷺ

لو صبح و مسا نام خدا نام محمد ﷺ

تعظیم سے لیتا ہے خدا نام محمد ﷺ

قرآن میں، جنت میں، سرعرش، سرلوح

مژمل و مدثر کہہ کہہ کے پکارا

ڈرتا تھا گناہوں سے میں رحمت نے ندادی

ان ناموں کے انعام میں مل جاتی ہے نعمت

اللہ کرے اُس پہ حرام آتش دوزخ
کیا ڈر ہے اگر قبر میں ہوں انفی و کثر دم
جس شخص کے ہو دل پہ لکھا نام محمد ﷺ
ہے امت عاصی کا عصا نام محمد ﷺ
آنکھوں میں بے دل میں رہے ہونٹوں پر آئے
طیبہ کی فضا، یادِ خدا، نام محمد ﷺ

اکبر تو بچا چاہے اگر نارِ سقر سے

سینے کے گھینے پہ گھدا نام محمد ﷺ

آمدِ مصطفیٰ ﷺ سے پھولا پھلا چمن چمن
آئی بہار ہر طرف کھلنے لگا چمن چمن
شادی ہے ہر مقام میں نخل ہیں سب قیام میں
ڈالیاں ہیں سب سلام میں، جھکنے لگا چمن چمن
کلیاں تمام کھل گئیں، شاخیں خوشی سے ہل گئیں
بلبلیں گل سے مل گئیں ہنسنے لگا چمن چمن
چومتا ہے شجر شجر، تازہ ہوا ہے پھول پھول
سبز ہوئی روشِ روش، گل سے بھرا چمن چمن
ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں، کلیاں بھی مسکراتی ہیں
بلبلیں چچھاتی ہیں، صلِ علی چمن چمن
بادِ خزاں کو چھانٹتی، خوشبو سے سب کو آنتی
پھرتی ہے عطر بانٹی بادِ صبا چمن چمن

نعت میں قیل و قال ہو، مدحتِ ذوالجلال ہو

اکبر خوش مقال ہو، نغمہ سرا چمن چمن

جب کہ پیدا ہوا شاہِ زمن ہو گیا
وقتِ میلاد ہر غنچہ گلزار میں
اک جہاں غیرتِ صد چمن ہو گیا
خندہ زن خندہ زن خندہ زن ہو گیا
تختِ اوندھے ہوئے اور ابلیس بھی
بے وطن، بے وطن، بے وطن ہو گیا
آپ کے فیض سے بحرِ فضلِ خدا
موجزن، موجزن، موجزن ہو گیا
چاکِ عشاق کا آپ کے جگر میں
پیر ہن پیر ہن پیر ہن ہو گیا
بت شکستہ ہوئے اور خطابِ آپ کا
بت شکن، بت شکن، بت شکن ہو گیا
تم پہ قرباں ہمارا شہِ انبیا!
جانِ وتن، جانِ وتن، جانِ وتن ہو گیا

آپ کے ہجر میں اکبر نیم جاں

خستہ تن، خستہ تن خستہ تن ہو گیا

بلاشبہ یہ اس کتاب کی خوبیاں ہی ہیں، جن کے باعث یہ ایک صدی سے اپنے ہم مضمون

دوسری کتابوں سے زیادہ مشہور، معروف اور رائج ہے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری (یوپی)

فارسی ادب کا اولین قدآور نعت گو شاعر

اب تک کی دستیاب معلومات کی روشنی میں فارسی میں نعتیہ اشعار اولاً اولاً فردوسی نے کہے ہیں، جن کی کنیت ابوالقاسم اور نام حسن بن شرف ہے۔ آپ کا شاعرانہ لقب یا تخلص فردوسی ہے۔ موصوف عہد غزنوی کے مشہور شاعر ہیں۔ جنہوں نے ایران کی قومی داستان اور تاریخ کو زندگی بخشی اور فارسی زبان میں ایک نئی جان ڈال دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صرف غزنوی دور کے شاعر نہ ہو کر ایران کے بزرگ شاعر کہے گئے۔

عروضی سمرقندی نے ”چہار مقالہ“ میں ان کی ولادت صوبہ طوس میں تہران کے قریب باژگاؤں میں بتلائی ہے۔ موصوف کے سن ولادت کے بارے میں شدید اختلافات ہیں لیکن شاہنامہ میں موجود داخلی شہادت کی روشنی میں ان کی ولادت 330ھ میں قرین عقل معلوم ہوتی ہے، ان کی وفات 411ھ میں ہوئی۔ ان کا ادبی شاہکار ان کا تخلیق کردہ شاہنامہ ہے، جس نے اپنے تخلیق کار کو زندہ جاوید بنادیا۔

فردوسی نے شاہنامہ مذکورہ بالا میں نعت و منقبت میں مخلوط بیتیں اشعار کہے ہیں۔ خالص نعت سے متعلق اشعار درج ذیل ہیں:

چو خواہی کہ یابی زہر بدرہا
سر اندر نیاری بدام بلا
بوئے درد گیتی زبد رنگاہ
نکو نام باشی ہر کردگار
بگفتار پیغمبرت را جوی
دل آ ز تیر گیہا بدیں آب شوی

تو را دین و دانش رہاند درست
 رہ رستگاری بیاید بجست
 اس کے بعد حضرت ابوبکر کی منقبت اس طور پر کی گئی ہے کہ اس منقبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے مدد لی گئی ہے۔

چہ گفت آں خداوند تنزیل وحی
 خداوند امر و خداوند نہی
 کہ خورشید بعد از رسولان مہ
 نتابید بر کس زبوتر بہ

اس سے پیوستہ ایک شعر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت اور اس سے پیوستہ شعر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت کی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں لکھے گئے شعر میں حدیث نبوی سے استعانت کرتے ہوئے فردوسی یوں گرم سخن ہے:

چہارم علی بود جنت بتول
 کہ او را بخوبی ستاید رسول
 کہ من شہر علمم علیم درست
 درست ایں سخن گفت پیغمبر!

درست اور درست میں تجنیس محرف کا برجستہ استعمال قابل ستائش ہے۔ فردوسی نے اپنی اس نعتیہ کاوش میں منقبت کی ضمنی حیثیت رکھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مدح فکر نعت کو اولیت دینا تھا۔ اس طرح اس کے مخطوط 32 اشعار میں نعت کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ اس نے خلفائے راشدین و صحابہ گرام کی مدح اس طرح کی ہے کہ اس سے بھی نعت کی حیثیت واضح ہوتی ہے۔ شگفتگی، روانی، مدلل انداز بیان، مدح کا موڈ پہلو، عقیدت و محبت کا اظہار اور احادیث نبویہ سے لطیف استفادے کرنا۔ اس کی نعتیہ کاوشوں کے مابہ الامتیاز عناصر ہیں۔

شاہنامہ فردوسی میں نعت و منقبت کے بتیس اشعار کو ”درستائش پیغمبر و یارانش“ کا عنوان دیا گیا ہے۔ شاہنامہ کا پہلا عنوان ”گفتار اندر ستائش خسرو“ دوسرا عنوان ”گفتار اندر آفرینش جہان و مردم“ اور تیسرا عنوان ”درستائش پیغمبر و یارانش“ ہے۔

فردوسی کی حیثیت ضمنی نعت گو کی ہے۔ لیکن سلجوقی دور کا حکیم سنائی درحقیقت پہلا نعت گو

شاعر ہے، جس نے نعت میں مختلف مضامین کو جگہ دے کر اس میں تنوع اور بولقلمونی پیدا کی۔ حکیم سنائی سے پیشتر کسی نے نعت میں اتنی پختگی، اتنی استواری، اتنی سلاست اور کلام کی اس قدر صفائی کے ساتھ اشعار نہیں کہے تھے۔

سلجوقی دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں صوفیانہ شاعری پروان چڑھی فارسی کی صوفیانہ شاعری میں سنائی، عطار اور رومی کو سرآمد روزگار سمجھا جاتا ہے اور ان تینوں میں حکیم سنائی کو گل سرسبد کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ جس طرح مسائل تصوف نظم کرنے میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے، اسی طرح وہ پہلا فارسی نعت گو شاعر ہے، جس نے نعت میں مختلف مضامین کو جگہ دے کر اس میں تنوع اور بولقلمونی پیدا کی۔ حکیم سنائی سے قبل کسی نے نعت میں اتنی پختگی، اتنی سلاست اور کلام میں اس قدر صفائی کے ساتھ اشعار نہیں کہے۔

ابوالمجد مجدود ابن آدم سنائی پانچویں صدی ہجری میں متولد ہوئے۔ راج قول کے مطابق ان کا سن ولادت 427ھ۔ 1045ء اور سن وفات 545ھ۔ 1150ء ہے۔

موصوف اپنے اوائل عمر میں غزنوی دربار سے منسلک تھے۔ بعد میں ایک مجذوب کی ملامت نے دل پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ انہوں نے دربار سے اپنے تعلقات منقطع کر کے صوفیانہ مسائل اور نعتیہ مضامین کو شعری جامہ پہنانے میں عمر عزیز صرف کر دی۔ حکام و سلاطین کی جھوٹی مدح سے زبان کو ملوث کرنے سے گریز کرتے ہوئے اپنی تمام شاعرانہ صلاحیتیں نعت نبوی میں صرف کر دیں۔

اے سنائی جز مدح ایں چنین سید مگوئی

تا توانی جز بنام نیک او مکشائی دم

پیش علم و حلم و جود او کجا دارند پائی

عالم را عالمیں و کوہ قاف و ابریم

انتاہی نہیں وہ کائنات کے ہر ذرہ اور عالم کی ہر شے سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو ذات نبوی کی مدح کے لئے بروئے کار لائے وہ ہوا سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

”تو حضرت سلیمان کی خدمت کیوں کرتی ہے؟ (اپنی تمام وداع خداوندی کو اس ذات

اقدس پر کیوں صرف نہیں کرتی، جن کا نام نامی حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر کنداں ہے،

جس پر ان کی ساری حکمرانی کا دار و مدار ہے) اس نے کہا اسی لئے کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام

آپ کی انگوٹھی پر ہے۔

باد را گفتم سلیمان را چه خدمت کنی
گفت ازاں کش نام احمد بر خاتم بود ۳
س کا عقیدہ ہے کہ مدحِ نبی ﷺ میں اپنا ہی فائدہ ہے۔ نعت گوئی ارتقائی مراحل طے کرنے میں سلم (سیڑھی) کا کام انجام دیتی ہے۔

اے سنائی از رہ جان گوئی مدحِ مصطفیٰ
تا ترا سوی سپیر بر ترین سلم بود ۴
سنائی نے ایک دیوان اور کئی مثنویاں بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ سنائی کی تمام مثنویوں کے مطالب صوفیانہ اور عرفانی مضامین سے پُر ہیں۔ ان میں توحید، نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، منقبتِ صحابہ، ترک دنیا، ظاہر سے بیزاری، رجوع الی الباطن، خود پسندی اور غرور کے ترک کی تعلیم جیسے مضامین بیان کئے گئے ہیں، مگر ان کی تمام مثنویات میں حدیقتہ الحدیقہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ مثنوی ۵۲۵ء میں اختتام کو پہنچی تھی۔ اس میں گیارہ ابواب اور دس ہزار اشعار ہیں۔ نعت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے حدیقتہ کا مطالعہ اس لئے بھی ناگزیر ہے کیونکہ شاعر موصوف نے اپنے مذکورۃ العنوان شاہکار کے باب دوم میں صرف نعتیں جمع کی ہیں۔ یہ نعتیں مختلف النوع مضامین کی حامل ہیں۔

کلیات سنائی میں مشمول نعتیہ قصائد کے مطالعہ حسب ذیل ہیں: ۵
کفر و ایمان را ہم اندر تیرگی ہم در صفا
نیست دارالملک جز رخسار و زلفِ مصطفیٰ ۶
روشن آں بدری کہ کمتر منزلش عالم بود
جزم آں صدرے کہ قبلہش حضرت اعظم بود ۷

زہے پشت و پناہ ہر دو عالم
سر و سالار فرزندان آدم ۸

چوں بصرہ شد جمال سید کونین از عدم
جاہ کسریٰ ازو بعالم ہائی عزل اندر قدم ۹

ای کشتہ زتابش صفائی تو
آئینہ روی ما قضائی تو ۱۰

جوئندہ جان آمدہ ای عقل زہے کو
دلخواہ جہاں آمدہ ای قوم فہی کو ۱۱

حکیم موصوف کی ایک نعتیہ کاوش جو 21 اشعار پر مشتمل ہے اور جس کا پہلا شعر ہے:
مرحبا ای رایت تحقیق را رایت حشم
رای تو شد حشم توفیق بفرازد علم ۱۲

اس لئے اہم ہے کہ شاعر نے اپنی اس کاوش میں مدح کے ضمن میں حضرت رسالت
مآب ﷺ کے احسانات جاندار طریقے پر شمار کئے ہیں اور قرآنی تلمیحات شاعرانہ انداز میں
بیان کی ہیں۔ صنائع لفظیہ و معنویہ کا استعمال فطری اور برجستہ ہے۔ شاعر کہتا ہے:

کرنودی بود تو موجود کلی را وجود
حق بجاں تو کردی یاد در قرآن قسم ۱۳
گر نخواندی رحمۃ للعالمین ایزد ترا
در ہمہ عالم کہ دانستی صد را از صنم
چوں لعرک گفت اینجا جای دیگر واضعی
کشتماں روشن کہ تو بوالقاسمی نہ بود الحکم
تانسیم روی و مویت پردہ از رخ برداشت
نہ ظلم از نور پیدا بود نہ نور از ظلم
عالی بیمار غفلت اندر راہ لا
حق ترا از حقہ تحقیق فرمودش نعم
کاں محمد روطیب حاذق و صادق توئی
خلق کن با خلق و در نہ درویشاں را ادم

ہر کرا شربت بود شانی بدہ اینک قدح
 ہر کرا حجت بود حاجت بخواہ اینک کرم
 حکیم سنائی نے ایک دوسرے قصیدے میں آپ کی اولویت و افضلیت اس طرح بیان کی ہے:
 سرور دو جہاں کار ساز حشر و نشر
 آفتاب دیں محمد سید عالی ہم
 حکیم سنائی نے 79 اشعار کا ایک قصیدہ یحییٰ صاعد معروف بہ عارف زرگر کی مدح میں لکھا
 ہے اور اس میں یہ جدت طرازی کی ہے کہ قصیدہ کی تشبیہ میں نعتیہ مضامین نظم کئے ہیں۔ تشبیہ
 میں آمد ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی تیز بہاؤ والا دریا ہے، جو روانی کے ساتھ بہہ رہا ہو۔
 چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

اے سنائی گر ہچوئی ز لطف حق سنا
 عقل را قربان کن اندر بارگاہ مصطفیٰ
 ہچ مندیش از چنین عیاری ایرا بس بود
 عاقلہ عقل ترا ایمان و سنت خوں بہا
 مصطفیٰ اندر جہاں آنکہ کس گوید ز عقل
 آفتاب اندر فلک آنکہ کسی گوید سہا
 طوقداران الہی از زباں ذوق و شوق
 عقل را در شرع او خوانند غمخوار کیا
 در شریعت ذوق دیں یابی نہ اندر عقل از آنک
 قشر عالم عقل دارد مفر روح انبیاء ۱۴

قصیدہ مذکورہ السبق کی تخلیص (گریز) میں قلم شاعر سے مثالی نعتیہ اشعار نکلے ہیں۔
 تشبیہات اصل مدعا کو واضح کرنے میں مدد و معاون ہیں، ان کا استعمال صرف محاسن شعری کے
 بطور نہیں ہوا ہے۔

صورت آدم ز احمد بود لیک اندر صفت
 آدم از احمد پدید آمد چو ز آصف برخیا

جو ہر ش چوں ز اضطرار عقل و نفس اندر گذشت
گفت در کوشش کہ الرحمن علی العرش استوی
خاک آدم ز آفتاب جو در زین رخ شدہ است
عارف زاگرش خواند پردہ دار کبریا ۱۵

حکیم سنائی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ نعت میں منبع نعت سے جس قسم کی مدد چاہتا ہے اپنی شعری کاوش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی اوصاف کا تذکرہ کرتا ہے، جو مستعان بہ سے مناسبت رکھتے ہوں۔ اسی طرح اس کے کلام میں معنوی مراعات النظر کا استعمال ملتا ہے۔ شاعر کی یہ ادا اس کے کلام میں بلا کا اثر پیدا کر دیتی ہے۔ ساتھ ہی اس طور پر اس کے کلام میں منبع نعت سے متعلق سوانح حیاتی عناصر بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ مرقومہ ذیل اشعار بطور شہادت پیش کئے جاسکتے ہیں:

از زبان خود ثنائے گوئی مارا در عرب
تا زبان ماترا اندر عجم گوید ثنا
ہر کجا کام تو آمد افتخار آرد ز میں

ہر کجا عدل تو آمد انقیاد آرد سما
ای یتیمی کردہ اکنوں با یتیمہاں لطف کن
وی غریبی کردہ اکنوں با غریباں کن وفا ۱۶

سنائی بکثرت تلمیحات استعمال کر کے اپنے قاری کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کرے۔ وہ قرآنی آیات اکثر بعینہ نقل کرتا ہے اور جہاں کہیں وہ تلمیحات استعمال میں قرآنی آیات بعینہ نقل نہ کر کے ان کے آزاد ترجمے نظم کرتا ہے۔ وہاں کلام سنائی سے کما حقہ مستفید ہونے کے لئے غیر معمولی دقت نظر مطلوب ہوتی ہے۔ مثال میں حسب ذیل اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

لاف نحن الفالبوں بسیار کس گفتند ز لیک
غالبو نشان کشت آ منا چو ثباں تو عصا ۱۷

یا الم نشرح چه گوئی مشکلی باشد بہ بند
با فترضی، ہیچ عاصی در مقام غم بود

طاؤس سدرہ کی پر کز ہما می دوتش
بر پر خود الست ازاں پر وحی را محرم بود
خضر کردہ چشمہ حیواں ازاں میکشت دیر
تا مکر دریا بدش یادی دی ہم دم بود ۱۸

زہے پشت و پناہ پر دو عالم
سرو سالارِ فرزندانِ آدم
دلیلِ رایستِ ابراہیم آذر
منادیِ ملتِ عیسیٰ مریم ۱۹

نبودی گر برایت گفت ایزد
نہ آدم آفریدی و نہ عالم
کلاہ و تخت کسریٰ از تو نابود
سپاہ ملک و قیصر از تو درہم ۲۰

آیت نصر من اللہ چوں برآمد از عرب
آتش اند زد بجاں شیر یارانِ عجم
خاک پائے بوذرش از یک جہاں نو در بہشت
دزد نعلینِ بلال او را بہ صدر و ستم
ہیچو لاشہ سرنگوں آنکس کہ رو را گفت
وز سعادت بانعم شد آنکہ او را گفت نعم
چرخِ اعظم آمدہ بیش قیامش در رکوع
کارم کسریٰ از و کسر و زجاہ او نجم

تا بیان شرع دینش را خداوند جہاں
یاد کرد اندر کلام خود نہ افزوں و نہ کم
صاقدین بوذر لا وہم قائنین مقدار بود
منفقین سلماں علی متفریں آمد بہم
برسا دارد چوں میکائیل و چوں جبرئیل دوست
پر زمیں دارد چو صدیقی و فاروقی خدم ۲۱
حکیم سنائی کی وہ نعتیں، جن میں وہ استعمال تلمیحات سے گریز کرتے ہیں، سادگی، صفائی
سلاست اور سرلیج اٹھی میں اپنے آپ مثال ہوتی ہیں۔

مہتر اولاد آدم خواجہ ہر دو جہاں
آنکہ یزدانش امامت داد برکل ام
از جلال و جاہ اقبالش خدائے ذوالجلال
نام او پیش از ازل با نام خود کردہ رقم
سرور ہر دو جہاں و کار ساز حشر و نشر
آفتاب دین محمد سید عالی مقام
مصطفیٰ و مجتبیٰ آں کز برائے خیر حال
در ادای وحی جبریلش ندیدی مہتم ۲۲

حکیم سنائی نے حدیقۃ الحدیقہ کے باب ثانی کو نعت نبی کے لئے وقف کر دیا ہے اور چودہ
عنوانات کے تحت کافی جاندار نعتیں لکھی ہیں۔ حدیقہ میں شامل نعتیں منبع نعت کی حیات طیبہ کے
مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان نعتوں میں سوانح حیاتی عناصر بکثرت ملتے ہیں۔ سنائی کا یہ
وصف قابل تحسین ہے کہ اس نے شاعرانہ واقعیت کے ساتھ تاریخی صداقت کا بھی لحاظ رکھا ہے
اور واقعیت و حقیقت کا دامن ہر جگہ اس کے ہاتھ سے وابستہ رہا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ
حدیقہ میں شامل عنوانات سلسلہ وار لکھ دیئے جائیں اور ہر عنوان کے ذیلی مضمون کا بھی ہلکا سا
تعارف کر دیا جائے تاکہ حکیم موصوف کی نعتیہ کاوشات کا ایک اجمالی خاکہ ذہن نشین ہو جائے۔
حکیم سنائی نے حدیقہ میں مرقوم نعتوں کے عنوانات باب دوم میں اجمالاً جمع کرتے ہوئے
لکھا ہے۔

(1) فی فضیلة نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی سائر الانبیاء۔ (2) وفی معراجہ۔ (3) وفی بدایة ذاته۔ (4) وبدوشانہ۔ (5) وفی منقبتہ۔ (6) وفی حسن خلقہ۔ (7) وکرامتہ۔ (8) وانشریح صدرہ۔ (9) ومشیتہ۔ (10) واتباعہ۔ (11) وبعثتہ۔ (12) وارسالہ۔ (13) وفی الصلوٰۃ علیہ۔ قال اللہ تعالیٰ ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبیؐ، یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ وقال اللہ تعالیٰ و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین وقال علیہ السلام انا سید ولد آدم ولا فخر و آدم و من دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ ولا فخر۔

شاعر باب دوم کے مضامین کا دستور تعارف دے کر ہر ایک عنوان کے تحت نعتیہ مثنویاں لکھتا ہے۔ ہر مثنوی فارسی زبان و ادب میں نقش اول ہونے کے باوجود معلوماتی ہے اور شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ مثنویوں کے عنوانات اس طرح ہیں:-

- (1) فی معراجہ صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہ۔ آغاز، ص: 185۔
- (2) فی فیضلتہ علی سائر الانبیاء۔ ص: 190۔
- (3) فی بدایة ذاته علیہ السلام۔ ص: 191۔
- (4) فی کرامتہ علیہ السلام۔ ص: 192۔
- (5) فی اتباعہ علیہ السلام۔ ص: 196۔
- (6) فی انشریح صدرہ علیہ السلام۔ ص: 199۔
- (7) فی مشیتہ صلوٰۃ الرحمن علیہ۔ ص: 200۔
- (8) و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔ ص: 202۔
- (9) فی الصلوٰۃ علیہ۔ ص: 205۔
- (10) فی بدوشانہ۔ ص: 207۔
- (11) فی منقبتہ علیہ السلام۔ ص: 220۔
- (12) فی بعثتہ وارسالہ علیہ السلام۔ ص: 226۔
- (13) فی حسنہ خلقہ۔ ص: 231۔
- (14) فی فضیلتہ علی سائر الانبیاء و معراجہ۔ ص: 238۔

جملہ انبیائے عظام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدیم بالشرف کی بابت جوابیات کہے گئے ہیں، وہ صاف و سادہ ہیں اور ان میں کہیں بھی تقلید، گجھک اور پیچیدگی نہیں ہے۔
شاعر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کی درمیانی نسبت کو کہیں استاد و شاگرد، کہیں مہندس و مزدور، کہیں عقل و سر اور کہیں نبی و ولی کے تفاوت کو دکھلا کر واضح کیا ہے:

او سری بود و عقل گردن او

او ولی بود و انبیاء تن او ۲۳

حکیم سنائی ایک مقام پر آپ کی فضیلت ظاہر کرتے ہوئے استعارہ کا سہارا لے کر کہتا ہے:

فیض فضل خدا دایہ او

فر پر ہمائی سایہ او ۲۴

حدیقہ کے باب دوم میں معراج پر مستقلاً اشعار کہے ہیں۔ حکیم سنائی فارسی زبان و ادب کا پہلا شاعر ہے، جس نے نعت کے ضمن میں معراج نامے داخل کئے۔ اس کے بعد تقریباً نعت کے ہر بڑے شاعر نے نعت کے تحت معراج نامے لکھے۔ اور اس طرح شعرائے نعت نے معراج سے متعلق جملہ جزئیات جمع کر دیں۔

معراج کے لغوی معنی زینہ ہے۔ عرف عام میں یاء رجب کی ستائیسویں شب کو سنہ 10ھ میں نبی آخر الزماں ﷺ کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ ۲۵ اور وہاں سے آسمان ۲۶ اور پھر اس کے آگے عجائب ملکوت ۲۷ وغرائب قدرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے ملائعہ اعلیٰ تشریف لے جانے اور خالق کائنات سے شرف ۲۸ ملاقات حاصل کرنے اور دیدار الہی سے مستفیض ۲۹ ہونے کے واقعہ کو معراج کہتے ہیں۔ لفظ معراج کا مادہ عرج ہے۔ چونکہ احادیث نبویہ میں الفاظ ”عرج بی“ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس لئے اس واقعہ مبارکہ کے لئے لفظ معراج خاص ہو گیا۔ لفظ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں۔ چونکہ عروج و ارتقا منزل بمنزل ہوا۔ لہذا واقعہ باطنی کے لئے یہ تشبیہ ظاہری بھی خوب ہے۔ ۳۰
ذکر معراج میں شاعر نے سب سے پہلے وہ تلمیحات استعمال کی ہیں، جن کا استعمال مابعد کے شعراء کے یہاں سرمایہ افتخار کے طور پر ملتا ہے۔ مقالہ میں ذیل کے اشعار میں موجود تلمیحات پیش کی جاسکتی ہیں:-

دو جہاں پیش ہمنشیں بدو جو
سرما زانغ البصر و ما طفلی بشنو

شدہ از صحرہ تا سوئے رفر
قاب قوسین لطف کردہ بکف
قامت عرش با ہمہ نثرش
ذرہ پیش ذروہ نثرش
بر نیادہ خدای در معراج
برسر ذاتش از لمرک تاج
بافترضی دل تباہ کر است
بالمرک غم گناہ کر دست ۳۱
ہمتش الریق الاعلیٰ جوی
عزتش لا بنی بعد ی گوئی ۳۲

عالم خاکی سے آپ کے جسمانی افتراق کی ابتدا شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے
شاعر کہتا ہے:

برنہادہ ز بہر تاج قدم
پامی بر فرق عالم و آدم ۳۳
پای او تاج فرق آدم شد
دست او رکن علم عالم شد ۳۴

شاعر نے کس قدر بلیغ انداز میں معراج کے مفہوم کی وضاحت صرف ایک شعر میں کی ہے:

بار گیرش سو ازل معراج
نردبانش سو ابد منہاج

اس نے کس قدر ایجاز کے ساتھ معراج کا اجمالی خاکہ صرف ایک شعر میں کھینچتے ہوئے کہا ہے:

در شب از مسجد حرام بکام
رفتہ و دویدہ و آمدہ بمقام ۳۵

سنائی کے معراج نامہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں معراج کی تفصیلی جزئیات نہیں ملتیں، لیکن خالص نعت کے اشعار تعداد میں زیادہ ہیں۔ حکیم سنائی کی بداعتِ اظہار اور تشبیہات و استعارات کا بر محل استعمال سامعہ کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

چشم جمشید ماندہ در ابروش
قرص خورشید حیرہ گیسوش
رنگ رخسارہ زحل کامش
نقش پیشانی قمر نامش
شرف اہل حشر فتراکش
لوح محفوظ ملک ادراکش
بودہ در مکتب حکیم و علیم
لوح محفوظ برکنار مقیم ۳۶

”لولاك لما خلقت الافلاك“ کے جانے پہچانے مضمون کو بداعتِ اسلوب ہی نہیں

جاذب سامعہ بنا دیا۔

غرض عالم آدم از

اول غرض آدم احمد مرسل ۳۷

آپ کی فضیلت میں لکھی گئی نعتوں کا انداز مدلل ہے۔ شاعر جملہ انبیاء علیہم السلام پر آپ کے تفوق کی ایک دلیل یہ بتلاتا ہے کہ ہر شریعت کے لئے کہنگی و تنبیخ ہے۔ جب کہ آپ کی شریعت مطہرہ کے لئے نہ کہنگی ہے اور نہ تنبیخ۔

تبغ و قرآں درا شدہ معجز

نشود شرع او خلق ہرگز ۳۸

ہدایت ذات کو موضوع بنا کر جو نعتیہ اشعار کہے گئے ہیں، ان میں آپ کے ظہور مبینت لزوم اور اس کے عواقب و اثرات نیز عصری کوائف کا بیان حسین و لطیف اور دلکش استعارات کا سہارا لے کر کیا گیا ہے۔

حکیم سنائی میلاد نامہ کا موجد ہے۔ بعد کے شعراء بالخصوص شعرائے اردو نے بہت سے میلاد نامے لکھے اور اس میدان میں بھی اپنی طبیعت کی جولانیاں دکھلائی ہیں۔

دیده از چشم دل بنور احمد
از درپچہ ازل سرانی آید

شد ز تابش نشانه کسری
سر ایوان طارم کسری
پای کویاں عروس عشق ازل
سرنگوں اوفادہ لات و ہبل
دادہ دادش ہمہ خلّاق را
عزّ معشوق و ذلّ عاشق را
رفتہ از اقتداس تا عیوق
زشت و نیکو و لاحق و مسبوق

شاعر نے آخری شعر میں اقتدا ”لاحق“ اور ”مسبق“ کی فقہی اصطلاحات جمع کر دی ہیں۔ اس طرح شعر معرض بحث میں صنعت مراعاة النظر کا استعمال بے حد فطری انداز میں برجستہ ہوا ہے۔ ایسا متصور ہوتا ہے کہ شاعر کے یہاں صنعت کا استعمال نہیں ہو رہا بلکہ صنعت خود شعر کے اندر آ گئی ہے یا شعر خود صنعت کے اندر چلا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت کے اظہار میں لکھے گئے ابیات خالص نعت کے اشعار ہیں۔ اس عنوان کے تحت وارد ابیات میں سے پہلے بیت میں شاعر نے صنعت تلمیح سے امداد لیتے ہوئے تقابلی انداز میں آپ کے عہد مبارک کی تعریف اس طرح کی ہے۔

گر ملک دیو شد گہ آدم
دیو در عہد او ملک شد ہم ۳۹

سنائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آنکھ، زبان تو زبان آپ کی ابرو پر بھی ”نہیں“ لفظ کبھی نہیں دیکھا گیا۔

ہیچ سائل بخشنی و بخشم
لا در ابروی او ندیدم چشم ۴۰

سنائی کا کہنا ہے کہ جبرئیل آپ کی خاک راہ بن کر ہی شاہنشہ ملائک بن سکے۔ آپ کا ذکر

خیر ارواح ملائک کے لئے غذا ہے:

جبرئیل از کرامتش در راہ
بر ملک جمع گشتہ شہنشاہ
طیب ذکرش غذای روح ملک
طول عمرش مدار دور فلک

شاعر حضرت آدم کے تقدم بالزماں اور آپ کے تقدم بالشرف کو ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے:

پدر ملک بخش عالم او
پسر نیک بخت آدم او
آدمی از وی پسر پدر گشتہ
وز نجابت در پسر گشتہ
چشم روشن شدہ از آدم
جان او از چناں پسر خرم ۴۱

معروض بحث نعتیہ مثنوی کے آخری دو بیت جو کہ درج ذیل ہیں، مضمون کے اعتبار سے حاصل ابیات ہیں، اور مثنوی میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

منفرد بخطہ ملکوت
متوحد بفرت جبروت
جان او بر پریدہ ز آب و زگل
دوست را دیدہ از دریچہ دل ۴۲

شاعر نے اتباع کے عنوان کے تحت، جو اشعار حوالہ قرطاس کئے ہیں، وہ اس اجمال کی تفصیل کے سلسلے میں ہیں کہ نبی کی اتباع خلاق خداوندی پر اس لئے بھی لازم ہے کہ کائنات اپنے وجود میں آپ کی رہن منت ہے۔ عالم آب و گل پر آپ کے اتنے احسانات ہیں، جو حیۃ اعداد سے باہر ہیں۔

آدمی زندہ انداز جانش
انبیاء گشتہ اند مہمانش

آنکہ شب را سپید موی کند
 کی سخن را سیاہ روی کند
 اسی ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات نظم کئے گئے ہیں۔ آتش کسریٰ کے سرد
 ہو جانے والے واقعہ کو نظم کرتے ہوئے حکیم سنائی کہتا ہے:
 آتش کسریٰ از تفش بگریخت
 جان خود زیر پائے اسپش ریخت ۴۳
 شاعر نے اتباع کے ذیلی عنوان کے تحت آپ کے اوصاف حسنہ اور خصائل حمیدہ بیان کئے
 ہیں۔ تلمیحات کا استعمال بھی برجستہ اور فطری ہے:
 یافتہ دین حق بدو تعظیم
 خلق او را خدای خواندہ عظیم ۴۴

گاہ گفنی جہاں مرا ست تیج
 گاہ گفنی رجوع گاہ اشبع ۴۵
 اس شعر میں مصانج میں مرقوم مندرجہ ذیل حدیث کی جانب تلمیح ہے:
 قال عرض علی رب لیجعل لی بطحا ملکہ ذہباً فقلت لا یا ربی و لکن اشبع
 یوماً و اجوع یوماً فاذا جمع تفرع الیک و ذکرک و اذا شبعتم حمدتک و شکرک.
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ وہ
 میرے لئے مکہ کے بطحا کو سونے کا کر دے۔ میں نے جواباً عرض کیا نہیں میرے پروردگار! میں
 ایک دن بھوکا اور ایک دن شکم سیر رہنا چاہتا ہوں تاکہ بھوکا رہنے پر آپ کے سامنے گڑ گڑاؤں اور
 آپ کا ذکر خیر کروں اور آسودہ ہونے پر آپ کی حمد کروں اور آپ کا شکر ادا کروں۔
 شق القمر کے معجزہ کو نظم کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

آں بنالی کہ کردہ مہ بدو نیم
 کی کشیدی زخامہ حلقہ میم ۴۶
 انشراح صدر سے متعلق ابیات بہت سے اچھے نعتیہ اشعار کے حامل ہیں۔ انبیائے ماسبق
 میں سے ہر ایک موثر اور صاحبِ عظمت ہے۔ لیکن جب ان کی عظمت و وقار کی نسبت آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و توقیر سے کی جائے، تو دونوں کے مابین کوئی تناسب سمجھ میں نہیں آتا۔
اس تناسب کا لفظ صفر سے اظہار بہت پر مغز اور بلیغ ہے۔

انبیاء گرچہ محتشم بودند
ہر یکے صفر آں رقم بودند ۷۴

صفر کی حیثیت صرف اسی وقت ظاہر ہوتی اور بڑھتی ہے، جب اس کے ساتھ کوئی ہندسہ آجائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہندسہ ہیں اور سارے انبیاء آپ کے صفر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ صفر کی حیثیت سے عالم انسانی میں آتے رہے اور آخر میں نبی آخر الزماں نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہندسے کی شکل میں جلوہ افروز ہو کر ہر صفر کی وقعت و اہمیت واضح کر دی۔ صفر کے ساتھ اگر ہندسہ نہ آئے، تو وہ صفر محض ہے۔ شعر مذکورہ بالا نبی آخر الزماں کے تقدم بالعلیہ، تقدم بالوجود اور تقدم بالشرف کو ظاہر کرتا ہے۔

شاعر نے مشیت کے ذیلی عنوان کے تحت عقل و نقل کا سہارا لے کر بہت سے جاندار ابیات کہے ہیں۔ پورے ذیلی باب کے کلیدی ابیات دو ہیں، جو کہ رقم ذیل ہیں:

پیش او گوش کشتہ عقل ہمہ
پس از وفاش گشتہ نقل ہمہ
ہر مصالح کہ مصطفیٰ فرمود
نقل داند کہ گوش باید دید ۷۵

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے۔ شاعر نے اس مضمون پر لکھے گئے ابیات کا عنوان کلام الہی سے مستعار لیا ہے۔ اس سلسلے کے اشعار میں متنوع انداز میں اولیٰ بات واضح کی گئی ہے کہ آپ کی ذات بابرکات موجودات عالم کے لئے رحمت ہے۔ کوئی تنفس اپنا اتنا خیر خواہ اور خیر اندیش نہیں ہو سکتا، جتنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے ہیں:-

برتر از نفس تو رحیم ترست
در شفاعت ازاں کریم ترست

شاعر مطالبہ کرتا ہے کہ ایسے رحیم و کریم کی اتباع بغیر چوں چرا کرنا چاہئے:

ہر چہ او گفتمہ امر مطلق داں
و آنچه او کردہ حق داں ۷۶

حکیم موصوف نے حدیث نبوی ”مثل امتی کمثل الغیث لا یدری اولہ خیر ام آخرہ“ کو کس لطیف پیرائے میں شعری جامہ پہناتے ہوئے مرقومہ ذیل بیت کہا ہے۔

امتنانش چو قطرہ باراں

کاؤل و آخرش بود چو میاں

”فی الصلوٰۃ علیہ“ کے ذیلی عنوان کے تحت مرقومہ نعتیہ ابیات، شاعر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت و عقیدت کے مظہر ہیں۔ مخلص عقیدت نے کہیں کہیں شاعر کے انداز بیان کو تحکمانہ بنادیا ہے:

خاک او باش و بادشاہی کن

آں او باش و ہرچہ خواہی کن

شاعر کا عقیدہ ہے کہ ہر وہ فرد، جو اس کے دربار کا خاک نہیں ہوا، ذلیل ہے، خواہ فرشتہ ہی کیوں نہ ہو:

کانکہ او خاک نیست بر در او

گر فرشتت خاک بر سر او

عقل و جان دولت احمدی سے مشرف ہو کر زندہ جاوید اور امر ہو جاتی ہیں:

عقل و جاں را بدولت احمد

از بقا ساختند جیش ابد اہ

شاعر نے آپ کی شان ظاہر کرنے میں جتنی تلمیحات استعمال کی ہیں، اتنی تلمیحات اس نے کسی بھی نعتیہ کاوش میں استعمال نہیں کیں۔ تلمیحات مذہبی ہیں اور ان میں بھی اکثر قرآنی ہیں۔ اسی لئے اکثر اشعار میں صنعت تلمیح کا استعمال ملتا ہے۔

انظروا کیف مسرف الاندار

واذکروا اذ معترف الاسرار

پہلے مصرع میں آیت فانظر کیف کان عاقبة المنذرین۔

(سورہ یونس۔ 1، ع۔ 8/12)

اور دوسرے مصرع میں آیت یا ایہا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرًا کثیراً و سبحوه بکرة و اصیلا۔ (سورہ الاحزاب۔ 6-ع۔ 5/2) کی طرف اشارہ ہے۔

اھبطوا امر آمد از قرآن

پا غش ربنا ظلمنا خواں

پہلے مصرع میں ”قلنا اھبطوا بعضکم بعض عدو و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین“ (سورہ بقرہ-9ع-3/3) اور دوسرے مصرع میں ”قالا ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترجمنا لکنونن من الخاصرین“ کی طرف اشارہ ہے۔

ان شر الدواب مختصراں

اہل حسن المآب معتبراں

پہلے مصرع میں ”ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون“ (قال الملأ، انفال:9ع-3/16) اور دوسرے مصرع میں ”الذین آمنوا و عملوا الصالحات طوفیٰ لهم و حسن مآب“ کی طرف اشارہ ہے۔

اسی طرح حکیم سنائی نے بہت سے اشعار میں قرآنی آیات بطور بیج استعمال کی ہیں۔

شاعر نے حضرت نوح، خلیل، موسیٰ، عیسیٰ، ابن مریم، ادریس، خضر، ذوالنون، صالح، لوط، ہود، یوشع، سلیمان، اسحاق، اسمعیل، یعقوب، یوسف، شعیب علیہم السلام۔ انبیائے ماسبق کی مایہ الامتیاز تحقیقات کا تذکرہ کرتے ہوئے شاعرانہ انداز بیان میں ثابت کیا ہے کہ وہ سب کے سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرہون منت ہیں۔ اس نعتیہ مثنوی کا بیت اول مع اس بیت کے، جس کو راقم الحروف ذیل میں بیت اول کے بعد حوالہ قرطاس کر رہا ہے، ساری مثنوی میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

انبیاء آسماں پیادہ شدند

وزو سادہ بسوے سادہ شدند ۵۲

(بیت اول)

رفعت ادریس از ثنائے تو یافت

سدرہ جبرئیل از برائے تو یافت ۵۳

پوری مثنوی میں ”لو لاک لما خلقت الاخلاق“ میں مخفی بنیادی خیال کی وضاحت کی گئی ہے۔ شاعر کا عقیدہ ہے کہ عرش کو رفعت اور بلندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے ملی ہے:

شرف قاب اذاں نقاب فزود

رفعت عرش رتبت از تو ربود ۵۴

آپ کی نعت خوانی کے لئے زمانہ کے درمیان سے جمعہ، بیض، عید، لیلۃ القدر، اور شب برأت، مکان کے درمیان سے مکہ، یثرب، حرا اور حرم آئے:

از زماں آمدند بہر ثنات

جمعہ و بیض و عید و قدر و برات

و زمکاں آمدند قدہا خم

مکہ و یثرب و حری و حرم ۵۵

کائنات اور کائنات کی ہر شے آپ ﷺ کے علوم کا فی و رفعت شانی کے مظاہر ہیں۔

ہفت سیارہ و دوازدہ برج

شدہ نام ترا خزائنہ درج ۵۶

منقبت پر کہے گئے نعتیہ آیات میں قابل رقم بات یہ ہے کہ شاعر نے لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت لطیف تشریح کی ہے۔

گویدت معنی محمد راست

مح و مدست و ہر دو بر و عطیات

محمد کفر از سرا می پردہ دیں

مدا طناب شرع تا برد ۵۷

حکیم سنائی نے ایک دوسرے مقام پر حروف صاء، دال، عین اور شین کی تشریح اس طرح کی ہے:

صاد و دال آب داد صادق را

عین و شین عشوہ داد عاشق را ۵۸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

روئے از خوب و رائے او ثاقب

ازش خوندہ حاشیہ و عاقب ۵۹

اسی ضمن میں راقم الحروف یہ عرض کر دینا چاہتا ہے کہ مرقومہ ذیل بیت کا مصرع اول نبی آخرا الزماں کی بلندی ظاہر کرتا ہے جب کہ مصرع ثانی ایسا کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ تو اس سے یقیناً بلند ہوا کہ انہوں نے نبی آخرا الزماں کو اپنا خسر پایا لیکن منبع نعت کے علوم مکان کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی کا خسر ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، لیکن

اتنی بات تو اہم ہے ہی کہ باب بیت العلم کی ہر ایسی شخصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داماد تھی۔

منخر جملہ انبیا او بود

خسر و میر مرتضیٰ او بود ۶۰

نعتیہ ابیات کے درمیان گوش و زبان کا تذکرہ آیا، تو حکیم سنائی نے ہر دو اعضاء پر کئی لطیف و بلیغ اشعار کہہ دیئے، اس کے بعد اس نے اصل مدعا کی جانب گریز کرتے ہوئے بیت مندرجہ ذیل کہا ہے اور پھر نعت خوانی میں منہمک ہو گیا:

باز گشتم بہ نعت سید قاب

بر گفتم ز روی عذر نقاب ۶۱

اس طرح شاعر موصوف نے مثنوی میں قصیدہ کی شان پیدا کر دی ہے۔

بعثت و رسالت کے سلسلے میں شاعر نے بتلایا ہے کہ بے خودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تخت، بے کلامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاج، رعب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر اور معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرکب ہے۔

بیخودی تخت و بے کلامی تاج

لشکرش رعب و مرکبش معراج ۶۲

رسالت کے سلسلے میں حضرت جبرئیل کی شخصیت اس لئے اہم ہے کہ وہ ذات خداوندی و مرسل الیہ کے مابین فرائض پیغام رسانی انجام دیتی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر بشکل حضرت وحیہ کلبی ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حاضر خدمت ہوتے تھے۔ ذیل کے ابیات میں مناظر مرقع نگاری لائق تحسین ہیں:

پشت احمد چو کشت محرابی ۶۳

پیش روی آمدی چو اعرابی ۶۴

جبرئیل از پئی دعا کردن

راست انگشت و خم سر و گردن ۶۵

کہ نمودی چو شرقی از عربی

رای او را روی وحیہ الکھی

واضح ہو کہ حضرت وحیہ الکھی بہت توانا حسن و جمال کے مالک تھے۔ ”ومن احسن من

اللہ صبعۃ کے نگار خانہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی آرائش کی گئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ﷺ کے ایمان کی دعا مانگتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”اللہم ارزق دحیۃ الکبی الاسلام“ (خدا یا! دحیۃ الکھی کو اسلام کی دولت سے نواز دے)۔
شاعر نے بیان کیا ہے کہ اجرام فلکی نے اپنے بیش بہا خزانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دیئے۔ اس سلسلے کے صرف تین ابیات منقول ہیں:

زجلش کردہ زیر پای نثار
ہمت و ذہن و حفظ و فکر وقار
دادہ مرتخش از برائے خطر
مجد و اقدام و عزم و زور و ظفر
شمس پیشش کشیدہ بہر جمال
رفعت و قدرت و بہاء و جلال ۶۶

شاعر نے اپنی مذکورہ بالا مثنوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے براہ راست عواقب و اثرات یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ ایک مقام پر کہتا ہے:

جملہ یارانش جاں فدی کردہ
لفظ او روز و شب غدی کردہ
جاہ او ہم رکاب علین
دین او ہم عنان یوم الدین ۶۷

حکیم موصوف نے غزوہ احد کا بھی خاکہ کھینچا ہے اور غزوہ مذکورہ کے کئی جزئیات اور جزئی واقعات اس ڈھنگ سے بیان کئے ہیں کہ وہ ایک کامیاب مرقع نگار اور کامراں منظر نگار نظر آتا ہے۔

مثلہ افکندہ حمزہ در میداں
ہمچو ہفتاد زان جوانمرداں
خواجہ ابلیس نعرہ زن برکوہ
کانیت فخی بزرگ و کاہ شکوہ
کشتہ شد نقطہ امید و امل
روی یاراں بہ پشت کشتہ بدل

ہند ہند و نہادہ برسر کوہ
 کافراں پیش او گروہ گروہ ۶۸
 سنائی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر کلیدی بات صنعت محرف کے فطری اور برجستہ
 استعمال کے ساتھ اس طرح کہی ہے:-
 خلق او خلق را نوید گرسٹ
 نو رماہ از فروغ جرم خورست ۶۹
 حکیم سنائی نے آپ کے اخلاق حسنہ پر مرقومہ نعتیہ مثنوی کا افتتاح شاعرانہ انداز میں اس
 طرح کیا ہے:

عندلیباں باغ آن خوشجوی
 در ترنم تبارک اللہ گوی
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع کی تعریف اس انداز سے کی گئی
 ہے کہ وہ بداعت اسلوب کے ساتھ مراعاة النظر کی صنعت سے مالا مال اور استعارات کے حسن
 سے مزین ہے۔ نیز فلکی اصطلاحات کسوف و خسوف کا استعمال بھی لطیف ہے۔
 ماہ راہش خسوف پذیرد
 شمس سرعش کسوف پذیرد ۷۰
 اسی نعت میں ایک دوسرے مقام پر شرع کی تعریف، فقہی اصطلاح قیاس و استحسان کا سہارا
 لیتے ہوئے اس طرح کی گئی:

شرع او در بصیرت و احساں
 بر تراست از قیاس و استحساں ۷۱
 نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا وصف یہ تھا کہ اپنے اوصاف حسنہ اور
 خصائل حمیدہ سے دوسروں کو متاثر کرتے تھے، بوڑھوں کو جوانوں کا سوز و ساز اور مٹی کو پانی
 کی سی آب و تاب عطا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بے نظیر لیاقت سے کل
 روئے زمین کو مسجد بنا دیا۔

شیخ را سوز و ساز دادہ چو شباب
 خاک را آبرو دادہ چو آب

از ہمہ بندہ بود از سرجد
ہمہ عالم زی پای او مسجد ۲۷
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان کی زکوٰۃ اونٹوں کی شکل میں ادا کی گئی۔ بارگاہ ایزدی سے
عبداللہ بن عبدالمطلب کی قربانی کی جگہ اونٹ کی قربانی قبول ہوئی۔

از پی جان آں سر سادات
اشتر بار کش بدادہ زکات ۳۷
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی برتری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدر و منزلت کے
تفوق کے سلسلے میں حتمی بات کہتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

در رہ مصطفیٰ ژندی نیست
برتر از قدر او بلندی نیست ۴۷

حکیم سنائی نے جملہ انبیائے عظام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کی معراج کے عنوان سے جو نعتیہ کاوش سپرد قلم کی ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تفوق
کو واقعہ معراج سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے بھی
آگے گئے۔ جہاں حدیث کی گنجائش نہیں ہے اور جہاں صرف قدم کا گزر ہے۔ جبریل علیہ السلام
نے منہائے حدیث پر پہنچ کر عرض کیا تھا:

پیش ازیں مرا مجال نماند
حدیثاں را زبان قال نماند ۵۷

اسی نعت میں ایک دوسرے مقام پر جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح
ہمکلام ہوئے:

زاں مقامیکہ من بماندم بس
نرسد ہیچ و ہم خاطر کس ۶۷

اس طرح حکیم سنائی نے باوجود یہ کہ ان کے سامنے ایرانی ادبیات میں نعتوں کے نمونے
نہ تھے، پختہ، کامیاب شاندار اور جاندار نعتیں لکھی ہیں۔ وہ بایں معنی فارسی زبان کے پہلے نعت گو
شاعر ہیں کہ انہوں نے نعت میں تنوع اور بوقلمونی کی اور نعت پر مختلف عنوانات کے تحت اشعار
کہے۔ ان کی نعتیہ کاوشوں میں پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ سے متعلق اتنے عناصر ہیں کہ اگر ان کو

منظم طور پر یکجا کر لیا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سوانح حیات کا ایک خاکہ مرتب ہو جائے گا۔ اس کی نعتوں میں جذبات کی صداقت، عقیدہ کی پختگی اور خلوص کی حکمرانی ہے اس کی اکثر نعتوں کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جذبات و عقیدہ کا ایک دریا ہے، جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ وہ پہلا شاعر ہے، جس نے نعت پر باقاعدہ طبع آزمائی کر کے، اسے ایک صنفِ سخن بنانے کی کوشش کی، اس نے نعت میں سب سے پہلے معراج نامے اور میلاد نامے داخل کئے۔ نعت کے باب میں وہ اس لئے بھی سدا یاد رکھا جائے گا۔ کیونکہ اس نے سب سے پہلے مدحِ خیر المرسلین کے لئے لفظ ”نعت“ استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس لفظ کی اتنی ترویج ہوئی کہ فارسی اور اردو ادب میں نعت کے اصطلاحی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقات و منسلکات کا تعارف نیز ان کی تعریف و توصیف قرار پائے۔ سنائی نے سب سے پہلے شعر کے جامے میں کہا تھا:

در سخن جز نام او گفتن خطا باشد خطا
در ہنر جز نعت او گفتن ستم باشد، ستم

حواشی:-

- ۱۔ شاہنامہ فردوسی جلد اول: فردوسی، صفحہ 4، مطبوعہ نامی پریس نئی نول کشور، بکھنؤ۔
- ۲۔ کلیات سنائی: حکیم سنائی، ص 56، مطبع برجیس، بمبئی شوال المکرم 1328ھ۔
- ۳۔ کلیات سنائی، ص 24۔ ۴۔ کلیات سنائی، ص 24۔
- ۵۔ کلیات سنائی، ص 24۔ ۶۔ کلیات سنائی، ص 10۔
- ۷۔ کلیات سنائی، ص 23۔ نوٹ: اس قصیدہ میں نعت و منقبت کا اُدغام ہے۔
- ۸۔ کلیات سنائی، ص 58۔ ۹۔ کلیات سنائی، ص 55۔
- ۱۰۔ کلیات سنائی، ص 86۔ ۱۱۔ کلیات سنائی، ص 86۔
- ۱۲۔ کلیات سنائی، ص 82۔ ۱۳۔ کلیات سنائی، ص 82۔
- ۱۴۔ کلیات سنائی، ص 7۔ ۱۵۔ کلیات سنائی، ص 7۔
- ۱۶۔ کلیات سنائی، ص 10 و 11۔ ۱۷۔ کلیات سنائی، ص 11۔

- ۱۸ کلیات سنائی، ص: 23- ۱۹ کلیات سنائی، ص: 58-
 ۲۰ کلیات سنائی، ص: 59- ۲۱ کلیات سنائی، ص: 56-
 ۲۲ کلیات سنائی، ص: 56- ۲۳ کلیات سنائی، ص: 183-
 ۲۳ کلیات سنائی، ص: 184-
 ۲۵ سبحان الذی اسرئ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ۔
 ۲۶ حدیث نبوی: انه قال فی روایۃ اسرئ بی الی السماء ترینی ربی حتی کان بینی و بینہ کتاب قوسین اور ادنیٰ۔ جلالین شریفین، ص: 437، حاشیہ نمبر-16۔
 ۲۷ لقد رای من آیت ربہ الکبریٰ، قال فما خطبکم۔ سورہ النجم-21، ع-2/4۔
 ۲۸ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔ قال فما خطبکم۔ سورہ النجم-21، ع-2/4۔
 ۲۹ ماذا غ البصر و ما طفی۔ قال فما خطبکم سورہ النجم-21، ع-2/4۔
 ۳۰ رحمۃ للعالمین جلد دوم، ص: 117 ۳۱ حدیقہ سنائی، ص: 186-
 ۳۲ حدیقہ سنائی، ص: 189- ۳۳ حدیقہ سنائی، ص: 185-
 ۳۳ حدیقہ سنائی، ص: 186- ۳۵ حدیقہ سنائی، ص: 187-
 ۳۶ حدیقہ سنائی، ص: 187- ۳۷ حدیقہ سنائی، ص: 190-
 ۳۸ حدیقہ سنائی، ص: 194- ۳۹ حدیقہ سنائی، ص: 194-
 ۴۰ حدیقہ سنائی، ص: 194- ۴۱ حدیقہ سنائی، ص: 195-
 ۴۲ حدیقہ سنائی، ص: 196- ۴۳ حدیقہ سنائی، ص: 196-
 ۴۴ حدیقہ سنائی، ص: 197- قرآنی آیت انک لعلی خلق عظیم کی طرف تلمیح ہے۔
 ۴۵ حدیقہ سنائی، ص: 198- ۴۶ حدیقہ سنائی، ص: 196-
 ۴۷ حدیقہ سنائی، ص: 199-
 ۴۹ حدیقہ سنائی۔ ص: 203۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے ”وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی و ما ینطق عن الہویٰ ان ہو الا وحی یوحی۔“ قال فی خطبکم سورہ نجم۔ ۵۰ ترجمہ: میری امت کی مثال ابر باراں کے مانند ہے۔ ابرو کچھ کر یہ بات نہیں

جانی جاتی کہ ابر باراں کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا اس کا اختتامی حصہ۔

۵۱ حدیقہ سنائی۔ ص: 206۔	۵۲ حدیقہ سنائی۔ ص: 207۔
۵۳ حدیقہ سنائی۔ ص: 208۔	۵۴ حدیقہ سنائی۔ ص: 208۔
۵۵ حدیقہ سنائی۔ ص: 209۔	۵۶ حدیقہ سنائی۔ ص: 210۔
۵۷ حدیقہ سنائی۔ ص: 223۔	۵۸ حدیقہ سنائی۔ ص: 221۔
۵۹ حدیقہ سنائی۔ ص: 220۔	۶۰ حدیقہ سنائی۔ ص: 221۔
۶۱ حدیقہ سنائی۔ ص: 229۔	۶۲ حدیقہ سنائی۔ ص: 231۔
۶۳ سنائی عہد تک فارسی کے حروف تہجی میں گاف نہ تھا، اس لئے گشت، کشت لکھا ہوا ہے۔	
۶۴ حدیقہ سنائی۔ ص: 232۔	۶۵ حدیقہ سنائی۔ ص: 229۔
۶۶ حدیقہ سنائی۔ ص: 234۔	۶۷ حدیقہ سنائی۔ ص: 235۔
۶۸ حدیقہ سنائی۔ ص: 233۔	۶۹ حدیقہ سنائی۔ ص: 236۔
۷۰ حدیقہ سنائی۔ ص: 236۔	

ڈاکٹر سید یحییٰ شیط (مہاراشٹرا)

سریش بھٹ کی مراٹھی نعت کا تجزیہ

”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ کی صدا قرآن حکیم نے جب سے لگائی ہے، اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کا ذکر چہار دانگ عالم میں ہر زمانے اور ہر زبان میں ہو رہا ہے۔ یورپین ممالک کی ترقی یافتہ زبانوں سے لے کر افریقہ اور آسٹریلیا کی بعض غیر متدن اقوام کی اجڑ اور غیر ترقی یافتہ بولیوں تک میں اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر نہایت والہانہ و عقیدت مندانہ انداز میں کیا جا رہا ہے۔ کہیں اذانوں میں ”محمد رسول اللہ“ کی گونج ہے تو اوراد و اذکار میں نام رسول ﷺ و رِزباں ہے۔ کہیں محافلِ وجد و سماع میں ذکر رسول ﷺ پر سردھنے جا رہے ہیں تو کہیں میلاد کے جلسوں میں مدحت حبیب ﷺ ہو رہی ہے۔ تسبیحات میں درود و صلوٰۃ کا ورد ہو رہا ہے تو نمازوں میں صلوٰۃ و سلام پڑھے جا رہے ہیں۔ غرض یہ کہ ذکر حبیب ﷺ محلوں میں بھی ہے کاشانوں میں بھی۔ خانقاہوں میں ”اللہ ہو“ کے ساتھ ”محمد رسول اللہ“ کا ذکر اگر ہے تو مدارس میں ”قال اللہ و قال رسول اللہ“ کی صدا۔ دشت و صحراؤں میں اسی کی بازگشت ہے تو گلزاروں اور کشتزاروں میں بھی اسی کی پکار۔ یاد رسول اللہ ﷺ پہاڑوں پر بھی ہو رہی ہے تو میدانوں میں بھی۔ سمندروں کے سینوں پر انسان ذکر رسول ﷺ میں رطب اللسان ہے تو بسیط فضاؤں میں ہوا کے دوش پر بھی۔ رسول اللہ کی یاد دلوں کا انبساط اور روح کی نشاط ہے۔ اور ہمارا تو یہ اعتقاد کہ فضا سے پرے خلاؤں سے آگے فلک الافلاک سے بہت اوپر اللہ کے عرش پر بھی یاد رسول ﷺ میں صلوٰۃ و سلام کا آواز بلند رہتا ہے۔

برصغیر میں اردو، ہندی کے بعد آریں زبانوں میں مراٹھی ترقی یافتہ زبان سمجھی جاتی ہے اور یہ عجب اتفاق ہے کہ شروع ہی سے یہ زبان وادب بالراست عرب کچھ زبان سے متاثر ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کی صوبائی زبانوں میں مراٹھی ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں عربی فارسی

کے ذخیل الفاظ اس کے اپنے ذخیرۃ الفاظ سے زیادہ ہیں۔ وہ اصنافِ ادب جو خالصتاً مسلم کچر کے مرہون احسان رہے ہیں مراٹھی زبان و بیان میں بعض کو جوں کا توں قبول کر لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حمد و نعت اور سلام و مراٹھی جیسی خالص مذہبی اصنافِ سخن بھی مراٹھی میں ملتی ہیں۔ ہندوستان کے دیگر صوبوں کے بالمقابل مہاراشٹر میں ہندو مسلم قوموں کا باہمی ربط اور آپسی بھائی چارہ سماجی سطح پر کچھ زیادہ ہی رہا ہے اور اس کے تاریخی شواہد آٹھویں صدی عیسویں سے ملتے ہیں۔ یہاں کے راشٹرکوتہ خاندان کے بادشاہ (ولہہ رائے گووند سوم ۷۹۳ء-۸۱۲ء اور اموگھ ورشا ۸۱۲ء-۸۷۷ء) مسلمانوں کے شرعی احکام کی بجا آوری کے لیے مسلم قاضی (جنہیں مقامی زبان میں ”ہنرمَن“ کہا جاتا تھا) اپنے درباروں میں رکھتے تھے اور بادشاہ ان کے فیصلوں پر تکیہ کرتا تھا۔ یہاں ان تاریخی حقائق کو پیش کرنے کا محل نہیں، بہر کیف! مراٹھی ادب میں نعت کا جو سرمایہ ہے اس کے ابتدائی نقوش ایک ناتھ مہاراج (پ-۱۶۳۳ء) کے یہاں ملتے ہیں۔ انھوں نے قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لیے جہاں ”ہندو ترک سنواؤ“ لکھا، وہاں نعت رسول ﷺ لکھ کر اپنی عقیدت کو آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ کر لیا۔ اس نعت کا خاص وصف یہ ہے کہ کسی ہندو شاعر کی لکھی ہوئی یہ پہلی نعت ہے، جس میں شاعر نے رام، کرشن اور محمد ﷺ کی تثلیث میں غیر منفصل سلسلہ کو تلاش کر کے ان کا نقطہ اتصال محمد ﷺ کی ذات میں ڈھونڈا ہے۔ ایک ناتھ کے بعد ہندو سنتوں کا طویل سلسلہ ہے جو عصر حاضر کے ٹکڑو جی مہاراج تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلے کے کئی شعراء ہیں جنھوں نے مراٹھی میں نعتیں لکھی ہیں یا اپنے مراٹھی اشعار میں حضور ﷺ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ لیکن غیر صوفی سنتوں میں سریش بھٹ دورِ جدید کے ایسے مراٹھی شاعر ہیں جنھوں نے برائے شعر گفتن نہیں بلکہ عقیدتاً نعت رسول ﷺ لکھی ہے۔ نور احمد میرٹھی کی مرتبہ کتاب ”بہر زماں بہر زباں ﷺ میں یہ نعت اور اس کا ڈاکٹر عصمت جاوید کا کیا ہوا منظوم ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ ذیل میں اسی نعت کا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سریش بھٹ کی مراٹھی نعت اردو رسم الخط میں

مراٹھی نعت

اُجاڑ ویران واڑوئی کھڑاڑ نارا جھرا محمد ﷺ
جگات لیا دین دُکھتا نچا اکھیر چا آسرا محمد ﷺ

اتاج ڈوڑے پوسونی زھالے اتاج می لاگو ہسایا
 اتاج ہا بھیللا جیواچا، سکھا ملا ہاسرا محمد ﷺ
 کھرچ تو چندر امرتا چا، کھرچ تو سورہ جیونا چا
 دشا دشاننا پرکاشنارا، دسے تجھا چہرا محمد ﷺ
 تجھیا گھراچی طرح نیاری، سمان شریمنت وا بھکاری
 تجھیا گھری دے اتا ملا ہی، لہان سا کوپرا محمد ﷺ
 جسے تجھے ناو گھیتلے می، تجھیا دے چا سنگندھ آلا
 اجون، ہی انترات ما جھیا، پھلے تجھا موگرا محمد ﷺ
 بھلے برے پاہیلے کتی می، کتی کھرے ان کتیک کھوٹے
 بھلیات ماجھا بھلا محمد ﷺ کھریات ماجھا کھرا محمد ﷺ

منظوم ترجمہ از ڈاکٹر سیدتی نشیط

اجاڑویراں ریکزاروں میں ”بہتا چشمہ“ مرا محمد ﷺ
 جہاں کے سارے ہی بے سہاروں کا آخری آسرا محمد ﷺ
 ابھی ابھی اشک میں نے پونچھے، ابھی ابھی ہنسنے میں لگا ہوں
 مجھے ملا جو یہ خندہ بر لب عزیز از جاں مرا محمد ﷺ
 تو چاند امرت کا ہے یقیناً، تو آفتاب حیات بھی ہے
 جہاں کو ہر سو کرے ہے روشن رخ منور ترا محمد ﷺ
 ترے مکاں کی ہے ریت نیاری، ہیں سب برابر غنی بھکاری
 ترے ہی گھر کا ذرا سا گوشہ مجھے بھی کر دے عطا محمد ﷺ
 زباں پہ تیرا جو نام آیا، نفس نفس ہو گیا معطر
 ابھی بھی تیرے کرم کا دل میں کھلا ہے اک موگرا محمد ﷺ
 بھلے برے کتنے میں نے دیکھے، ہیں کتنے سچے، ہیں کتنے جھوٹے
 بھلوں میں لیکن بھلا محمد ﷺ کھروں میں میرا کھرا محمد ﷺ

سریش بھٹ نے نعت کے مطلع میں ”اُجاڑ ویران واڑونٹ“ کی ترکیب استعمال کر کے رسالت محمد ﷺ کے سلسلے کو سلسلہ ابراہیمی سے جوڑا ہے۔ دورِ ابراہیم کے مکہ مکرمہ کے لیے قرآن نے ”غیر ذی زرع“ کی اصطلاح استعمال کی ہے، جسے دعائے ابراہیم اور پائے اسمعیل سے اپنے والے چشمہ زم زم نے ”پھل دار“ بنا دیا تھا۔ ہزاروں برس بعد بھی زمیں جب مولد نبی ﷺ بنی تو اخلاقی گراوٹ اور شرع ابراہیمی سے غفلت کا صحرا بنی ہوئی تھی۔ لیکن بعثتِ رسول ﷺ اس سنگلاخ وادی میں چشمہ آب ثابت ہوئی جس نے زمین انسانیت کو سیراب کر کے گلزار بنا دیا۔ شاعر نے آپ ﷺ کی ذات کے لیے ”کھڑا ناراجھرا“ کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ جس کے اردو معنی ”بہتا جھرنّا“ یا ”آب جوئے رواں“ ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے لیے یہ استعارہ اگرچہ قرآن و احادیث میں مذکور نہیں لیکن یہ نیا اور انوکھا بھی نہیں ہے۔ عربی شاعری میں اسے برتا گیا ہے۔ لیکن جتنا واضح گوئے اور علامہ اقبال کے یہاں یہ استعارہ مستعمل ہے اتنا واضح عربی شاعری میں نہیں۔ چودھویں صدی عیسوی کے عربی شاعر جابر الاندلسی کی نعتوں میں ہمیں اس استعارہ کی قریب المعنی تراکیب ملتی ہیں۔ انھوں نے آپ ﷺ کو ایک جگہ ”البحر فی ریم“ (سخاوت میں دریا) کہا ہے۔

کالبدر فی شیم ”البحر فی ریم“

والزھر فی نعم والدھر فی تقم

(یعنی) آپ ﷺ اخلاق میں چودھویں کا چاند، سخاوت میں دریا، احسان بخشی میں پھول اور حق کی حمایت میں سخت [ہیں]۔
ابن حجر الحموی (م ۸۳۹ھ) نے اپنے بدیعہ میں آپ ﷺ کی مدحت سرائی کرتے ہوئے کہا ہے کہ۔

و جز تم بودی الجزع فاخضر و التقویٰ

علی خدة بالبننت صدع مهنم

(یعنی جب آپ ﷺ وادی الجزع سے گزرے تو وہ سرسبز ہو گئی، کہ اس وادی کی پیشانی کا کنارہ الال بوٹے سے بھرا ہوا اس کے چہرے کی روئیدگی سے لپٹ گیا۔)
مذکورہ اشعار میں آئے ہوئے استعارے کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب ”عربی میں نعتیہ کلام“ میں رقم طراز ہیں کہ ”اس استعارے کا مطلب یہ ہے کہ

آپ ﷺ جس وادی سے گزرے وہ اگرچہ خشک صحرا کی مانند تھی مگر آپ ﷺ کے قدم کی بدولت سرسبز و شاداب ہو گئی۔ ”الحموی کے اس نعتیہ شعر میں اگرچہ دریا بحر یا آب جو کا کوئی قرینہ نہیں لیکن شعر کے مفہوم سے ذہن میں ”بہتے دریا“ کا ہی تصور متحضر ہوتا ہے۔ اسی بدیعہ میں ایک جگہ آپ ﷺ کو شاعر نے ”اے سرچشمہ پاک“ کہہ کر بھی مخاطب کیا ہے۔ عربی کے ایک اور شاعر شیخ عبدالرحیم البرعی نے اپنے ”قصیدہ جیمہ“ میں حضور ﷺ کو ”متموج بحر“ سے تشبیہ دی ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

مکارم اخلاق و حسن شمائل

وشمة جود ”بحرہ متموج“

عربی کے یہ تمام استعارے و تشبیہات ”کھڑا ناراجھرا“ کے قریب المعنی ہیں لیکن جرمن شاعر گوٹے (م ۱۸۳۲ء) نے عین اسی مفہوم کا استعارہ اپنی مشہور جرمن زبان کی نظم Mahamets Ge Sang میں استعمال کیا ہے۔ وہ حضور ﷺ کو Rock Born Stream (جوئے آب) کہتا ہے۔ جو ”کھڑا ناراجھرا“ کی ہو بہو ترکیب ہے۔ دو علاحدہ تہذیب اور زبانوں کے استعاروں میں اتنی مطابقت دونوں شعراء کے فکری انسلاک اور حضور ﷺ سے رکھی جانے والی عقیدت میں یکسانیت کی مظہر ہے۔

”کھڑا ناراجھرا“، ”بحر متموج“، ”سرچشمہ پاک“، ”جوئے آب“ اور Rock Born Stream یہ سارے استعارے علامتِ حیات ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاں بھی حیات انسانی کی تفصیل آئی ہے پانی کا ذکر ہوا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں کہا گیا (آیت نمبر ۶۰) یعنی یاد کرو، جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا فلاں

چٹان پر اپنا عصا مارو چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر قبیلے نے جان لیا کہ کون سی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے، اس کے علاوہ قرآن میں بعض جگہ پانی کا ذکر زندگی کی علامت کے طور پر بھی ہوا ہے۔ طبی تحقیق کی رو سے بھی ”پانی“ حیاتی عنصر ہے۔ جسمانی خلیوں میں جس کا وجود زندگی کا ضامن ہے۔ جغرافیہ ”جاڑ ویران واڑونٹ“ (ریگستان) میں ”پانی“ کو زندگی کے معنی میں گردانتا ہے۔ پس یہ ساری قرآنی، علمی، سائنسی، طبی اور جغرافیائی مثالیں ”پانی“ کے ”مظہر حیات“ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن میں پانی کو ”رحمت“ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ اس کا چھین لیا جانا سخت محرومی ہی نہیں زندگی کے چھین لیے جانے کے مترادف ہے۔

ان تمام شواہد کی روشنی میں سریش بھٹ کا آپ ﷺ کو ”اجاڑ ویران واڑونٹ“ میں ”کھڑاڑنارا جھرا“ کہنا بڑا معنی خیز بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ استعارہ ایک طرف زندگی کی علامت ہے، اس معنوں میں اس استعارہ کا صریح مطلب ہوگا کہ آپ ﷺ کی ذات کائنات کی زندگی سے عبارت ہے کہ آپ ﷺ نہ ہوتے تو یہ کائنات وجود میں نہ لائی جاتی۔ ”لو لاک لما خلقت الافلاک“ کا قول فیصل اس پر دال ہے۔ دوسری طرف ”کھڑاڑنارا جھرا“ (سیل رواں) یعنی بہتا پانی ”رحمت“ بھی ہے۔ اس معنی میں شاعر آپ ﷺ کو ”رحمت“ متصور کرتا ہے۔ قرآن نے ان ہی معنوں میں آپ ﷺ کو رحمت للعالمین کہا ہے۔ تیسری طرف ”کھڑاڑنارا جھرا“ حر کی قوت کی تمثیل بھی ہو سکتا ہے۔ اس معنی میں آپ ﷺ کی ذات سراپا عمل اور عوام الناس کے لیے نمونہ عمل ہے۔ اس طرح سریش بھٹ کی نعت کے مصرعِ اولیٰ کی ایک ترکیب لفظی میں انسلالات معنی کا مربوط اور وسیع سلسلہ ملتا ہے۔

اسی شعر کے مصرعِ ثانی میں شاعر نے آپ ﷺ کی ذات کو دنیا کے مظلوم و ناداروں کا ”آسرا“ کہا ہے۔ جس سے دونوں مصرعوں میں بڑا لطیف ربط قائم ہو گیا ہے۔ اردو میں مولانا الطاف حسین حالی نے ایک نعت میں آپ ﷺ کے اس وصف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا

فقیروں کا بلجا ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی غلاموں کا مولا

ان چھ مصرعوں میں جن اوصافِ محمدی ﷺ کا ذکر ہوا ہے، سریش بھٹ کی نعت کے ایک مصرع میں وہ تمام مفہوم سمویا ہوا ہے۔ عربی شاعری میں آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے چند مدحیہ اشعار ملتے ہیں۔ سیرۃ النبی ابن ہشام میں آپ ﷺ کی توصیف بیانی میں ابوطالب کا یہ شعر نقل ہوا ہے۔

و ابیض یستقی الغمام بوجه

ثم الیتامی عصمة للادامل

(یعنی وہ روشن تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے، وہ

یتیموں کے والی اور یتیموں کے سر پناہ ہیں۔)

حالی اور ابوطالب نے آپ ﷺ کو یتیموں اور ناداروں / بیواؤں کو سہارا دینے والا کہا ہے۔ جبکہ سریش بھٹ نے آپ ﷺ کی 'صفت' کو 'اسم' میں بدل دیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ سہارا دینے والے ہی نہیں، خود آسرا ہیں۔ انگریزی گرامر جاننے والے ایسے جملوں کی "شدت" کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس نعت کے دوسرے شعر کا تعلق مطلع کے مصرع ثانی سے جوڑا جاسکتا ہے۔ اس ترکیب سے دوسرے شعر کے معنی از خود کھلنے لگتے ہیں۔

نعت ہذا کے تیسرے شعر میں خالصتاً ہندوی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ یعنی "چندر امرتا چا" (مہ آب حیات) اور "سوریہ جیونا چا"، یعنی "آفتاب حیات"۔ ہندو اسطور میں سورج منبع حیات سمجھا گیا ہے۔ اس معنی میں سریش بھٹ آپ ﷺ کو "سوریہ جیونا چا"، کہہ کر منبع حیات تسلیم کر رہے ہیں۔ اسلامی فکر بھی ایک حدیث کی رو سے آپ ﷺ کو منبع حیات تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ نے ایک حدیث نقل کی ہے "كنت نبيا و الادم بين الماء و الطين" یعنی میں نبی تھا جب آدم پانی اور گارے کے درمیان تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تخلیق آدم سے قبل آپ ﷺ موجود تھے۔ گویا آپ ہی منبع انسانیت و مبداء حیات ہیں۔ اس پر دال "لو لاک لما خلقت الافلاک" بھی ہے کہ اگر آپ ﷺ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ کائنات وجود میں نہ لائی جاتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات وجہ تخلیق کائنات ہے مولانا جامی نے اسی خیال کی ترجمانی اپنی ایک نعت میں اس طرح کی ہے۔

جنش اول ز محیط قدم سلسلہ جنباں وجود از عدم
مطلع دیباچہ ایں ابجدست پیش تریں حرف کہ در احمدست
نقطہ وحدۃ چو قد افراختہ از پئے احمد الے ساختہ
صدر نشیں اوست دریں بارگاہ "کنت نبیا" بود اورا گواہ

درج بالا نعت میں جامی کے استعمال کیے ہوئے القاب (جنش اول، مطلع دیباچہ ابجد، الف احمد اور صدر نشین بارگاہ) آپ ﷺ کے وجود اول ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ دوسری طرف چاند اور سورج 'نور' کی علامات ہیں۔ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کی ایک صفت نور بھی بتائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (المائدہ، آیت نمبر ۱۹) یعنی "بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آیا۔" دوسری جگہ آپ ﷺ کو "سراج منیر" کہا گیا ہے۔ عقائد اسلامیہ کی کتب میں بعض قول ایسے نقل ہوئے ہیں جن میں آپ ﷺ کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صاحب ”روح البیان“ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت جبریل سے دریافت فرمایا: اے جبریل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ تو جبریل نے عرض کیا، حضور مجھے کچھ خبر نہیں، ہاں! اتنا جانتا ہوں کہ ”ان فی الحجاب الرابع نجماً یطلع فی کل سبعین الف سنة مرہ رانیہ اثنین و سبعین الف مرة“ یعنی چوتھے حجاب میں ایک تارہ ستر ہزار برس کے بعد ایک مرتبہ چمکتا ہے، میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ چمکتے دیکھا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا ”و عزہ ربی انا ذالک الکوکب“ یعنی میرے رب کی عزت کی قسم میں ہی وہ تارہ ہوں۔ حضور ﷺ کے نور ہونے پر دلالت کرنے والی ایک روایت ”دلائل ابن ابی نعیم“ اور ”طبقات ابن سعد“ کے حوالے سے مولانا دریس کاندھلوی نے اپنی کتاب ”سیرۃ مصطفیٰ“ میں نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبد اللہ کو نکاح کے لیے لے کر چلے تو راستے میں ایک یہودی عورت پر گزر ہوا، جس کا نام فاطمہ بنت مرّ تھا۔ حضرت عبد اللہ کے چہرے پر نور نبوت دیکھ کر اس نے حضرت عبد اللہ کو اپنی طرف ملتفت کرنا چاہا لیکن ارتکاب حرام کی طرف آپ مائل نہ ہوئے واپسی پر پھر اس عورت پر گزر ہوا تو اس عورت نے کہا واللہ! میں کوئی بدکار عورت نہیں۔ تمہارے چہرے پر نور نبوت دیکھ کر میں یہ چاہ رہی تھی کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے لیکن اللہ نے جہاں چاہا اس نور کو ودیعت رکھا۔

یہ تو نصوص و احادیث کے حوالے ہیں، لیکن بعض عربی شعراء نے آپ ﷺ کے چہرہ انور کی مدحت سرائی کچھ اس انداز سے کی ہے کہ گویا آپ ﷺ سراپا نور ہیں۔ چنانچہ کعب بن مالک نے غزوہ احد کے موقع پر ایک قصیدہ آپ ﷺ کی شان مبارکہ میں کہا تھا، اس کا ایک شعر یہ ہے۔

فینا الرسول شہاب ثم یتبعہ

نور مضیٰ لہ فضل علی الشہب

(ہمارے درمیان اللہ کے رسول ﷺ ایک درخشندہ ستارے کی مانند ہیں، جن سے روشنی کی ایک لوٹکتی ہے۔ جو سب کو روشن کر دیتی ہے اور دوسرے تمام ستاروں کو روشنی بخشتی ہے۔)

(عربی میں نعتیہ کلام: ڈاکٹر عباس اللہ عباس ندوی)

دوسرے ایک عربی شاعر نے کہا ہے۔

علیک صلوٰۃ یا خیر من تلا

و ہاد بنور اللہ فی الشرق و الغرب

(آپ ﷺ پر ہزاروں صلوٰۃ و سلام اے ہادی اعظم۔ اے! مشرق و مغرب میں اجالا پھیلانے والے) عربی کے علاوہ فارسی، اردو میں بھی آپ ﷺ کی صفت نور کو شعراء نے مختلف رنگ اور عجب عجب ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ ان شعراء نے نعتیہ شاعری میں ”نور نامے“ کی ایک علاحدہ صنف قائم کی ہے۔ اور اس پر طبع آزمائی کر کے ضخیم نور نامے ترتیب دیئے ہیں۔ ان کے علاوہ نور کو موضوع بنا کر مختلف طریقوں سے اشعار بھی لکھے ہیں جن میں سے بعض تو ضرب المثل بن گئے ہیں۔ فارسی کا ایک مشہور نعتیہ مصرع ہے ”جہاں روشن است از جمال محمد ﷺ“ غرض کہ آنحضرت ﷺ کی مدح سرائی میں یہی ایک ایسا موضوع ہے جس کے مختلف گوشوں میں الگ الگ رنگ بھر کر قوس قزح سنواری جاسکتی ہے۔ سریش بھٹ نے بھی عقیدت کی نظر سے آپ ﷺ کے نورانی حسن کو دیکھا ہے اور فرط محبت میں اشعار کے ذریعہ اس کا برملا اظہار کیا ہے۔ چراغ دیر اور شمع حرم کی تابانی میں انھوں نے ایک ہی نور کو جلوہ گلن دیکھا ہے۔ مذکورہ شعر میں ان کی ہندوی اصطلاح کا استعمال اس قیاس کی مثبت دلیل ہے۔ ان کے علاوہ یہ حقیقت ہے کہ شاعر کا خلاق تخیل جو بھی خیال آرائی کرے گا وہ نبی ﷺ کی وصف بیانی میں حقیقت بن جائے گا۔ سریش بھٹ کی مدحت رسول ﷺ میں خیال آرائی بھی سچائی کے پیکر میں ڈھل گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مشاہدے سے جو بات کہتے تھے، ہمارے مداحین شعراء اپنے تخیل سے ان حقائق کو اپنے اشعار میں پیش کر دیتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ مشاہدہ اور تخیل دونوں یکساں دکھائی دیتے ہیں۔ سریش بھٹ کے خلاق تخیل کا یہ کمال ہے کہ نعت رسول ﷺ میں ان کے اکثر اشعار دور نبوی کے شعراء کے کلام سے لگا کھاتے ہیں۔

چوتھے شعر میں سریش بھٹ نے آپ ﷺ کے حسن سلوک، سب کے ساتھ یکساں برتاؤ اور تفوق و تشریف سے عاری مساواتی رویہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ساتھ ہی اپنے عجز و انکسار کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ”اے رسول اللہ، آپ ﷺ کے گھر (مجلس) کے طریقے بڑے عجیب ہیں۔ یہاں امیر و غریب کے درمیان کوئی فرق مراتب نہیں، برتر و کمتر اور افضل و ارذل میں حد فاصل کا یہاں تصور ہی نہیں۔ آپ ﷺ کی شان میں سریش بھٹ کی یہ مدحت طرازی صرف الفاظ کا گورکھ دھند نہیں بلکہ اشارے کنایوں میں سیرت رسول ﷺ کے تاریخی گوشے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی نعت کا لفظ لفظ حقیقت حال بنا ہوا ہے۔ اسی شعر میں کہا گیا ہے کہ، ”تجھیا گھر اچی طرح چ نیاری، سامن شری منت و ابھکاری“، یعنی تمہارے گھر کی عجیب ریت ہے

کہ امیر و غریب یکساں مانے جاتے ہیں۔ سریش بھٹ کا یہ شعر اگرچہ سرسری طور پر کہا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن اس کے پس پشت سیرت مبارکہ کا وہ عظیم واقعہ بھی ہے جب آپ ﷺ نے کہا تھا، ”اکراہ ان التمییز علیکم ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ بکرہ من عبده ان یراہ متحیزہ بین اصحابہ۔“ (میں امتیاز کو پسند نہیں کرتا، اللہ کو یہ پسند نہیں کہ اس کا بندہ اپنے ساتھیوں کے درمیان امتیاز کے ساتھ رہے۔) دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا، ”لیس لا بن البیضاء علی ابن السواد فضل“ (کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں) اس پس منظر میں دیکھئے کہ شعر کے معنی کتنے بلند ہو جاتے ہیں۔ مساوات کا یہ پیغمبرانہ عمل دیکھ کر ہی سریش بھٹ نہایت عاجزی و انکساری سے عرض معروض کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے گھر کے کسی گوشے ہی میں سر چھپانے کے لیے تھوڑی سی جگہ مرحمت فرما دیجئے۔ دربار نبوی ﷺ کا جاروب کش، غلام، خدمت گار وغیرہ کئی اصطلاحات نعتیہ شاعری میں مل جاتی ہیں، لیکن عقیدت کی فراوانی، انکساری کے ساتھ دربار نبوی ﷺ کے گوشے میں تھوڑی سی جگہ مانگنے میں ہے، وہ ان اصطلاحات میں نہیں۔ خود خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربار نبوی کے ایک گوشے میں ابدی استراحت کے لیے تھوڑی سی جگہ کی تمنا تھی۔ سریش بھٹ کا اس گوشہ عافیت میں تھوڑی سی جگہ مانگنا ان کے فکری اور جذباتی سلسلے کی کڑیوں کو دور فاروقی سے ملاتا ہے۔ نعتیہ اشعار میں ایسی تمنا کرنے والے فارسی شعراء میں مولانا جامی اور مراٹھی میں سریش بھٹ ہی ملے ہیں۔ جامی ”تحفۃ الاحرار“ کی ایک نعت میں ملتی ہیں۔

از ہمہ آفات تننیم سلیم
برد دربار تو جامی مقیم

سریش بھٹ کی نعت کا پانچواں شعر حسن شعری کا اچھا مرقعہ ہے۔ اس شعری تخیل کی تطبیق شیخ عبدالرحیم البرعی کے قصیدہ جمیہ کے درج ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

وان ذکر و الیٰلیٰ و لبنیٰ فاننی

بذکر الحبيب الطیب الذکر الہج

(یعنی جب یہ لوگ کسی لیلیٰ یا لبنیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو میں اس حبیب پاک ﷺ کی یاد میں

نغمہ خواں ہوتا ہوں، جن کا ذکر سر اسر معطر ہے)

ذکر حبیب میں مشام جاں کا معطر ہونا عشق حبیب میں اخلاص اور محبت میں فراوانی پر

دلالت کرتا ہے۔ سریش بھٹ کا روم روم بھی یاد حبیب اور ذکر رسول ﷺ سے معطر ہو گیا ہے۔ اس نعت کے آخری شعر میں اگرچہ کوئی خاص مضمون نہیں ہے، نہ خیال آرائی نہ خیال آفرینی، حسن شعری کی کرشمہ سازی، مرصع و آبداری ہے نہ معنی آفرینی۔ بس سیدھے سپاٹ انداز میں شاعر نے دل کی بات نوک قلم سے شعر میں اتار دی ہے۔ ہاں! البتہ اس شعر میں تاریخی حقائق کا ایک جہاں آباد ہے۔ بعثت سے پہلے ہی نہیں بعد میں بھی کٹر سے کٹر دشمن آپ ﷺ کے صادق و سچے ہونے کی گواہی دیتے تھے اور باوجود نفرت و عداوت کے آپ کے قول کی صداقت کو تسلیم کرتے تھے۔ وجاہت اور سرداری کی وجہ سے بظاہر آپ ﷺ کی تکذیب بھی ہوا کرتی تھی لیکن بباطن وہ آپ کی سچائی کو ماننے کے لیے مجبور ہو جاتے تھے۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں بعض روایات ملتی ہیں کہ آپ ﷺ کا کھلا دشمن جب آپ ﷺ کا چہرہ انور دیکھ لیتا، تو گواہی دیتا کہ ”یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔“ ”سیر الصحابہ“ میں آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھ کر دین کی سچائی پر ایمان لانے والوں کے واقعات بھی ملتے ہیں، جو یہ کہتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہوئے کہ ہاں! اس شخص کی باتیں جھوٹی نہیں ہو سکتیں۔ ان شواہد کی روشنی میں مذکورہ شعر کو پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ سریش بھٹ نے ”تاریخ“ کو اس شعر کے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

غرض کہ یہ نعت نہ صرف الفاظ کی چچی کاری کا نمونہ ہے نہ عقیدت کی فراوانی کا چڑھتا دریا، نہ حسن شاعری کا مرقع، نہ خیال آفرینی کا طلسماتی جہاں، بلکہ سریش بھٹ نے نہایت جذباتی اور والہانہ انداز میں وہ تمام حقائق اس نعت میں سمیٹ لیے ہیں جن کا سنہرا ہالہ آپ ﷺ کی ذات کے اطراف پھیلا ہوا ہے۔

شاہ اجمل فاروق ندوی (نئی دہلی)

نعت کی تنقید - اہمیت، مسائل اور امکانات

انسانی زندگی میں تنقید کی اہمیت و افادیت مسلم ہے۔ اس کی تعریف میں تو اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن اس کی معنویت میں کوئی اختلاف نہیں۔ علمی دنیا تنقیدی عمل کی افادیت پر متفق ہے۔ جمیل جالبی نے کہا ہے:

”تنقید فکر و ادب کے لیے ویسے ہی ضروری ہے، جیسے سانس لینا انسان کے لیے ضروری ہے۔ تنقید اچھے اور برے، صحیح اور غلط میں امتیاز پیدا کرتی ہے، تخلیق کو جہت دیتی ہے اور فکر کو بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ جیسے مثنوی غزل نہیں ہے، قصیدہ رباعی نہیں ہے، ڈراما ناول سے ایک الگ صنف ہے، اس کا منصب الگ ہے۔ لیکن جیسے ڈرامے میں افسانہ یا ناول میں ڈراما موجود ہوتا ہے، اسی طرح تنقید میں تخلیق اور تخلیق میں تنقید موجود ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر تخلیقی اور تنقیدی جہلتیں ایک ہی ہوتی ہیں۔“

(تحفۃ السرور، شمس الرحمن فاروقی، ص: ۲۸)

آل احمد سرور نے اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

”تنقید کا کام مفصلہ ہے۔ تنقید دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتی ہے۔ تنقید وضاحت ہے، صراحت ہے، ترجمانی ہے، تفسیر ہے، تشریح ہے، تجزیہ ہے۔ تنقید قدریں ہی متعین نہیں کرتی، وہ ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے۔ تنقید انصاف کرتی ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ، جھوٹ اور سچ، پست و بلند کے معیار قائم کرتی ہے۔ تنقید ادب میں ایجاد کرنے اور محفوظ رکھنے، دونوں کا کام دیتی ہے۔ وہ بہت شکنی بھی کرتی ہے اور بت گری بھی۔ تنقید کے بغیر ادب ایک ایسا جنگل ہے، جس میں پیداوار کی کثرت ہے، موزونیت اور قرینے کا پتا نہیں۔“ (تنقید کیا ہے؟ آل احمد سرور، ص: ۳۱)

ایک طرف تنقید کی یہ مسلمہ اہمیت و افادیت ہے، تو دوسری طرف اردو نعت کا وسیع ذخیرہ۔

نعت کے تقدس کی وجہ سے اسے ہم آل احمد سرور کے بہ قول کثیر پیداوار والا جنگل تو نہیں کہہ سکتے، البتہ اتنا طے ہے کہ نعت کے نام پر وجود میں آنے والا بہت بڑا ذخیرہ فنی لحاظ سے نعت کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہے۔

ہم نعت والے ہیں۔ نعت کے والہ و شیدا ہیں۔ نعت کے عاشق و جو یا ہیں، لیکن ہم علمی دنیا میں نعت کی عدم مقبولیت کا الزام غیروں کے سر دھرنے کی نا انصافی نہیں کر سکتے۔ ہم آئے دن یہ شکوہ کرتے ہیں کہ نعت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جا رہا ہے۔ نعت کو قصیدے و مثنوی اور غزل و مرثیے کی طرح پڑھا پڑھایا یا سمجھا یا نہیں جاتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا نعت والوں نے نعت کو ایک فن پارے کی حیثیت سے برتا ہے؟ اُس کو اُسی طرح اختیار کیا ہے، جس طرح کسی سخن پارے کو اختیار کرنا چاہیے؟ سچی بات یہ ہے کہ ہماری اردو نعت اپنی عمر کے لحاظ سے عمر رسیدہ اور وسعت کے لحاظ سے بڑی وسیع و کشادہ، لیکن علمی و فنی لحاظ سے بہت محدود و مختصر ہے۔ اس عظیم خلا کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں نعت کی تنقید اپنے تمام اصول و کلیات کے ساتھ وجود میں نہیں آ سکی۔ نعت پر لکھا تو جاتا رہا، لیکن انصاف کے ساتھ ایک فن پارے پر جس طرح تنقیدی عمل ہونا چاہیے، وہ نہیں ہو سکا۔ نتیجہ یہ ہے کہ نعت کے متعلق متعدد ابتدائی و اساسی موضوعات اب تک تشنہ ہیں۔ ان کے متعلق نہ ہم نے کوئی بحث کی ہے اور نہ کسی نتیجے تک پہنچ سکے ہیں۔ کسی شاعر یا متشاعر نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں جو کچھ کہہ دیا، اُسے نعت سمجھ لیا گیا۔ نہ اُسے جانچا پرکھا گیا، نہ اس کی چھان پھٹک ہوئی۔ بس یہ مان لیا گیا کہ نعت وجود میں آ گئی۔ خواہ نعت کے نام پر وجود میں آنے والی وہ عبارت فنی لحاظ سے درست ہو یا نہ ہو۔ فکری لحاظ سے راست ہو یا نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اس طرح کی نعتیں (جن کو نعت کہنا بھی درست نہیں ہے) کہنے والوں کا جذبہ پوری طرح صادق ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عوام اُس نعت نما عبارت کو سن کر جھوم اٹھیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ اُسے نعت کے ذخیرے میں شامل کر لیا جائے۔ جذبہ و نیت اور چیز ہے اور فکر و فن بالکل دوسری چیز۔ نظم ہو یا نثر، وہ اُسی وقت نظم یا نثر کہلاتی ہے، جب اپنے اصول و ضوابط کے ساتھ تخلیق کی گئی ہو۔ آپ نثر کہیں اور اصرار کریں کہ اُسے نظم سمجھ لیا جائے، یا نظم کہیں اور چاہیں کہ اُسے نثر مان لیا جائے، یہ کیسے ممکن ہے؟ اس صورت حال میں نعت کی تنقیدی روایت کو صحیح بنیادوں پر استوار کر کے مستحکم کرنا بے حد ضروری ہے۔

اردو نعت میں تنقیدی روایت کے استحکام کے لیے دو بنیادوں پر کام کرنا ضروری ہے:

۱۔ نعت کے اصول تنقید کی دریافت

۲- اصول و ضوابط پر مبنی عملی تنقید کا وجود

یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ صرف اصول وضع کر کے بیٹھ جانا بھی بے کار ہے اور بے اصولی کے ساتھ تنقید کرتے رہنا بے فائدہ۔ جب تک یہ دونوں بنیادیں ایک ساتھ فراہم نہ کی جائیں گی، اس وقت تک مثبت، مستحکم اور صالح تنقید وجود میں نہ آ سکے گی۔ ان دونوں نکات پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔

(۱) ہمارے ہاں نعت پر ہونے والی تنقیدی گفتگو عام طور پر بہت سطحی ہوتی ہے۔ اس درجہ سطحی کہ اُسے تنقید کے دائرے میں داخل کرنا بھی جرم لگتا ہے۔ گفتگو کرنے والا، زیر بحث مجموعے یا فن پارے کو دیکھتا ہے اور اس میں موجود عام باتوں کو نشر میں بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ فلاں کی نعتیہ شاعری میں عشق رسول پایا جاتا ہے، مدینے جانے کا شوق ملتا ہے، رسول اکرم سے وابستہ ہر چیز سے محبت ملتی ہے، رسول کے آل و اصحاب سے بھی والہانہ لگاؤ ہے، اتباع سنت کا جذبہ ہے، وغیرہ۔ حالاں کہ ان باتوں کا بیان سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ جس شخص کو اس کا وجدان نعت کہنے پر مجبور کر رہا ہے، اس کے اندر محبت رسول کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ جب رسول سے محبت ہے تو آپ سے وابستہ مادی و روحانی تمام چیزوں سے محبت ہوگی ہی۔ اس میں بیان کرنے والی کیا بات ہے؟ فن پارے پر جس طرح گفتگو ہونی چاہیے، وہ ہوتی ہی نہیں۔ شاعری کے فنی محاسن کا کوئی ذکر ہی نہیں آتا۔ آتا بھی ہے تو برائے نام۔ اس غیر ذمے دارانہ روش کا نتیجہ ہے کہ نہ جانے کیسی کیسی چیزوں کو نعت کے زمرے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ غیر ذمے دارانہ رویہ بھی بے سبب وجود میں نہیں آیا۔ جب نعت کے اصول تنقید ہی وضع نہیں کیے گئے تو ناقد سے کیسی شکایت؟ وہ کن اصولوں کے مطابق تنقید کا فریضہ انجام دے گا؟ جیسے ہی وہ کسی نعت پر گفتگو کرنے چلتا ہے، بے راہ روی اور بے سمتی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اُسے اپنے سامنے کسی متعین راہ کے بجائے ایک وسیع صحرا نظر آتا ہے۔ وہ جس سمت میں چاہتا ہے، چل دیتا ہے۔ احمد امین نے تنقید کے دو بنیادی مقاصد بیان کیے ہیں:

للنقد مهمتان مختلفتان۔ مهمة التفسير Interpretation و

مهمة الحكم Judgment و حقاً إنه عملياً قد اجتهد هاتان

الوظيفتان عادةً حتى يومنا الحاضر۔

(النقد الأدبي، ڈاکٹر احمد امین، ص: ۱۸۰)

تنقید کے دو مختلف مقاصد ہیں۔ تشریح (Interpretation) اور فیصلہ (Judgment)۔ سچ تو یہ ہے کہ تنقید ایک عملی چیز ہے۔ اس میں یہ دونوں مقاصد آج تک فطری طور پر شامل سمجھے جاتے ہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نعت کی تنقید ان دونوں مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کو بھی پورا کرتی نظر نہیں آتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اب تک ہم نعت کے اساسی اصول تنقید بھی وضع نہیں کر سکے ہیں۔ ایسے متعدد مسائل ہیں، جن کا کوئی حل دریافت نہیں کیا گیا۔ حل دریافت کرنا تو دور کی بات ہے، دریافت کی کوشش بھی نہیں ہوئی۔ جب ہمارے پاس اُن مسائل کا کوئی حل نہیں ہے تو ناقد سے مستحکم تنقید کی امید کرنا بھی فضول ہے۔ وہ تو اپنے ذہن کے مطابق تنقیدی عمل انجام دے گا۔ جس سمت چاہے گا، جائے گا اور جو چاہے گا، لکھے گا۔ نہ اصول کی پابندی اور نہ ضوابط کا لحاظ۔ مثال کے طور پر نعت میں عقائد کی بحث کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ ہے۔ نعت پر گفتگو کرتے وقت عقائد کی بات آنی چاہیے یا نہیں؟ نہیں تو کیوں نہیں؟ اور ہاں تو کس طرح اور کتنی؟ عام طور سے دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی کی نعت پر گفتگو کرنے والے اس مسئلے میں بے سمتی اور بے اعتدالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ شاعری پر گفتگو کرتے کرتے کب اعتقادی و فقہی موضوعات میں داخل ہو جاتے ہیں، پتا ہی نہیں چلتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شعری تنقید، اعتقادی اور فقہی تنقید بن جاتی ہے اور افادیت کے بجائے مضرت رساں ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی تنقید نما گفتگو نعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا پاتی۔ اس مسئلے میں سنجیدہ مباحثے کے بعد ایک مثبت نتیجے تک پہنچنا ضروری ہے۔ ورنہ نعت کو بھی اعتقادی مکاتب فکر کی طرح تقسیم کرنا پڑے گا۔ جیسے: شیعہ نعت، سنی نعت، بریلوی نعت، دیوبندی نعت، تقلیدی نعت اور غیر تقلیدی نعت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ شعر و ادب میں اس طرح کی تقسیم انتہائی لغو قرار دی جائے گی۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے ہمیں ہر حال میں ”نعت کی تنقید میں عقائد کی بحث“ پر سیر حاصل گفتگو کر کے کچھ متفق علیہ نتائج اخذ کرنے ہوں گے۔

ایک بڑا مسئلہ لفظیات کے استعمال کا بھی ہے۔ نعت کا مرکزی موضوع رسول اکرم ﷺ کی ذات، صفات اور سیرت ہے۔ لہذا نعت میں لفظیات کا استعمال زیادہ نازک اور محتاط رخ اختیار کر جاتا ہے۔ دنیا کے عام محبوبوں کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ، کنایات، استعارات اور تشبیہات کا استعمال نعت میں درست ہے یا نہیں؟ رسول کریم کے اسم ذات کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟ واحد مذکر حاضر اور جمع مذکر حاضر کے صیغے (تو اور تم) استعمال کیے جاسکتے

ہیں یا نہیں؟ اس طرح کے کئی مسائل ابتداء ہی سے ہمارے ہاں مختلف فیہ رہے ہیں۔ کوئی ان مسائل میں اثبات کا قائل ہے اور کوئی نفی کا۔ دورِ حاضر میں ان مسائل پر بحث کر کے کسی نتیجے تک پہنچنا ضروری ہو گیا ہے۔

ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ نعت کا مرکزی موضوع خیالی یا مثالی نہیں ہے۔ اس کا اپنا ایک مستقل وجود ہے۔ اس وجود پر تاریخی دلائل و شواہد متفق ہیں۔ صرف وجود پر نہیں، بلکہ پوری زندگی اور سیرت و کردار پر۔ لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک تاریخی شخصیت کے متعلق افسانوی خیالات اور تصوراتی بیانات پیش کرنا درست ہے یا نہیں؟ اثبات میں جواب دیا جائے تو علمی، تحقیقی اور تاریخی اصول و ضوابط پر ضرب پڑتی ہے۔ جواب نفی میں ہو تو دائرہٴ سخن بھی محدود ہوتا ہے اور نعت کے موجودہ ذخیرے کا بڑا حصہ قابلِ گرفت قرار پاتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی تمام جوانب کے ساتھ بحث و تحقیق کا محتاج ہے۔

آج کل دو بڑے مسائل اور پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک روحِ عصر کا مسئلہ اور دوسرا ہیئتی تجربوں کا مسئلہ۔ یہ دونوں مسائل اردو کے دورِ جدید کی دین ہیں۔ اب شاعری صرف حظ اٹھانے کا ذریعہ نہیں رہی، بل کہ مقصدی ہو گئی ہے۔ اسی طرح اس کا ظاہری دامن محدود نہیں رہا، بل کہ وسیع تر ہو گیا۔ شاعری میں مقصدیت کی روش بھی چل نکلی اور ہیئتی تجربے بھی کیے جانے لگے۔ موجودہ نعت گو کے سامنے یہ دونوں مسائل بڑی شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ وہ نعت میں روحِ عصر کا اہتمام کرے یا نہ کرے؟ کرے تو کس طرح؟ جب مرکزی موضوع متعین ہے تو اس کے ساتھ دوسرے موضوع کو ضم کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اگر نعت میں روحِ عصر کی وکالت کی جاتی ہے تو اس کے طریقہ کار کی تعیین بھی ضروری ہوگی۔ اس سے نسبتاً آسان مسئلہ ہیئتی تجربوں کا ہے۔ ہمیں ہیئتی تجربے کرنے یا نہ کرنے کے فوائد و مضرات پر غور کرنا ہوگا اور ایک راہ عمل طے کرنی ہوگی۔

آج نعت کے ناقد کو اس طرح کے متعدد مسائل درپیش ہیں۔ ان کو حل کیے بغیر نعت میں مستحکم تنقیدی روایت کی طرح نہیں ڈالی جاسکتی۔ جب تک صالح نعتیہ تنقید وجود میں نہیں آئے گی، تب تک ہم ادبی حلقوں میں نعت کے لیے پائے جانے والے اجنبی ماحول کو بھی ختم نہیں کر سکتے۔

(۲) نعت کی تنقید کے اصول و ضوابط طے کرنے کے بعد عملی تنقید کا مرحلہ آئے گا۔ اس مرحلے میں ہمیں ناقد کے شخصی اوصاف طے کرنے ہوں گے۔ ایک عام ناقد میں جن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے، وہ تمام اوصاف نعت کے ناقد کے اندر بھی ہونے چاہئیں۔ لیکن نعت

کے موضوع کے لحاظ سے اس کے اندر کچھ اضافی صلاحیتیں بھی درکار ہوں گی۔ وہ صلاحیتیں کون سی ہوں؟ ان کا تعین ضروری ہے۔ ان صلاحیتوں کا تعین اُس بے تکرے رویے پر روک لگا دے گا، جو تنقید کے نام پر ہمارے ہاں پایا جاتا ہے۔

ہم بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ نعت کا موضوع بہ ظاہر ایک ذات میں محیط، لیکن حقیقتاً کل کائنات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے کہ وہ ذات گرامی جو نعت کا مرکز و محور ہے، وہ اپنی صفات اور تعلیمات کے لحاظ سے دو جہانوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس وسیع ترین موضوع کے باوجود نعت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جاتا۔ اس سلسلے میں دوسروں پر الزام دھرنے سے بہتر ہے کہ اپنا جائزہ لیا جائے۔ نعت کے ساتھ جانب داری برتنے والوں سے شکوے شکایت کے بجائے اپنا محاسبہ کیا جائے۔ اس سچائی کا انکار کون کر سکتا ہے کہ نعت کے نام پر نہ جانے کیا کیا چیزیں نعت کے ذخیرے میں شامل کر دی گئی ہیں؟ ایسا اس لیے ہے کہ ہم نے چھان پھٹک کا دروازہ کھولا ہی نہیں۔ جانچ اور پرکھ کی روایت قائم ہی نہیں کی۔ ناپ تول کے لیے میزان وضع ہی نہیں کیا۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اگر نعت کے سلسلے میں ایک مستحکم تنقیدی روایت وجود پذیر ہو جائے اور وہ پوری دیانت داری کے ساتھ کام کرنے لگے تو بہت جلد مثبت نتائج سامنے آنے لگیں گے۔ نعت کو بے دھڑک دوسری اصناف کے ساتھ رکھا جانے لگے گا۔ نعت کا شجر طوبی پوری شان و شوکت کے ساتھ برگ و بار لانے لگے گا۔ اس سے کہیں آگے بڑھ کر نعت انسانیت کو مضبوط نظریاتی اساس فراہم کرنے لگے گی۔

ڈاکٹر حافظ کرناٹکی (شیموگہ)

نعت کی لفظیات

نعت اردو شاعری کی ایسی مقبول صنف شاعری ہے جس پر طبع آزمائی کرنا ہر شاعر باعث سعادت سمجھتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس صنف شاعری میں جدت و ندرت پیدا کرنا ممکن نہیں ہو پاتا ہے۔ کیوں کہ نعت کہنے کی روایت بہت قدیم ہے اور اس کے حدود بھی متعین ہیں ایسی صورت حال میں اپنی تخیل کی پرواز سے کام لینا کسی بھی شاعر کے لیے آسان کام نہیں ہے۔ کیوں کہ تخیل کی پرواز شاعر کو ان حدود سے ماورا کر سکتی ہے، جو ایمان و ایقان کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ نعتیہ شاعری میں نت نئے تجربوں کا جو کھم نہیں اٹھاتے ہیں اور نہ خود کو آزمائش میں ڈالنے کا خطرہ مول لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نعت کی لفظیات کی کائنات بھی بہت وسیع نہیں ہے۔ اتنی بات ہم سبھی جانتے ہیں کہ جب انسان کے تجربات، مشاہدات، احساسات اور ان سب کو لفظوں کے پیکر میں ڈھالنے کے امکانات لامحدود ہوتے ہیں تو ان کے پاس لفظوں کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے اور وہ اپنی فہم و فراست اور عقل و فہم سے کام لے کر جس قدر جی چاہے زور بیان کے کرشمے دکھاتا ہے۔ اور لفظی پیکر بھی ڈھالتا ہے اور موقع ملے تو تخیل کی اونچی سے اونچی پرواز کے بھی نمونے دکھاتا ہے۔ مگر صنف نعت میں اس طرح کے مواقع بالکل ہی نہیں ملتے ہیں۔ کیوں کہ یہاں شریعت، طریقت، ایمان، عقیدے، مسلک، عابد اور معبود کی حدیں متعین ہوتی ہیں۔ اس لیے اس صنف میں وہی لوگ کچھ نیا، بہتر اور عمدہ کر پاتے ہیں جنہیں دین اسلام، ایمان، عقیدے، نبوت، رسالت، الوہیت وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ اور جو اسلامی تاریخ، سیرت نبوی وغیرہ سے کما حقہ واقف ہوتے ہیں اور کسی حد تک تصوف وغیرہ میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذہب میں عقل محض اور عقیدے میں اندھی جذباتیت کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اس لیے نعت گو شعرا کو سنبھل سنبھل کر قدم آگے بڑھانا پڑتا ہے۔ اس لیے ان سے بے ساختگی میں کوئی ایسا

شعر، سرزد ہو بھی جائے جو شعریت کے اعتبار سے بہت ہی عمدہ، اعلیٰ اور خوب صورت ہو، مگر شریعت کے اعتبار سے درست نہ ہو تو اسے حذف کرنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ عام طور پر نعتیہ شاعری بہت حد تک یک رنگ اور خوش آہنگ، عقیدت خیز، رفعت انگیز، مگر جذب و کیف کے رنگ میں کم و بیش شرابور نظر آتی ہے۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ دوسری اصناف شاعری کی طرح نعتیہ شاعری کو محض ایک تخلیقی صنف یا فن کے طور پر نہیں دیکھا جاتا ہے۔ نعتیہ شاعری کو ہمیشہ پہلے ایمان و عقیدے اور مسلک کی درستگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ بعد ازاں اس کی شعری خوبیوں پر توجہ کی جاتی ہے، اسی لیے یہاں لفظوں کا انتخاب اور اس کے برتاؤ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، اس کے باوجود ہم نعتیہ شاعری کی لفظیات کو غربت کا شکار قرار نہیں دے سکتے ہیں، کیوں کہ بہت سے ایسے الفاظ اور تراکیب ہیں جو محض نعتیہ شاعری کی بدولت اردو شاعری اور اردو زبان کے روزمرہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اور بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً؛ مولانا، سیدنا، حضرت، حضور، سردار، سید البشر، شفیع الامم، خلق عظیم، وجہ تخلیق کائنات، نوری پیکر، پیکر نور، ساقی کوثر، رحمت عالم، سایہ عرش، محبوب کبریا، محبوب خدا، محبوب زمین و زماں، محبوب کون و مکاں، شافع محشر، رحمت کا سمندر، سرور کائنات، سرور انبیا، نبیوں کے سردار، خیر البشر، خیر البریہ، خیر الوری، اور اس کے علاوہ وہ الفاظ و تراکیب جو نعت رنگ شاعری یا نعتیہ شاعری کے فیض سے اردو میں رائج ہیں۔ اور جن کا تعلق براہ راست نبی اکرم ﷺ کی ذات والا صفات سے ہے یا پھر ان مقامات مقدسہ سے جن سے نبی اکرم ﷺ کا براہ راست تعلق ہے، یا پھر ان واقعات اور اخلاق حسنہ سے متعلق الفاظ جو نبی اکرم ﷺ کی وجہ سے مسلمانوں کی تاریخ اور مذہبی امور میں خصوصی اہمیت رکھتے ہیں اور اس کے ایمان و عقیدے کو اجالتے اور ان کے جذبات و احساسات کو روشن کرتے ہیں۔ مثلاً:

شاہ بحر و بر، شاہ کون و مکاں، شہ انبیا، شہ انس و جن، شہ دین و ایماں، شاہ بطحا، شاہ مدینہ، طیبہ نگر، وصف احمد مجتبیٰ، اوصاف مصطفیٰ، عشق رسول، حب نبی، حمیت اسلام، غیرت ایمان، حرمت رسول یا رغار، نور حرا، وجہ توفیر انساں، حرا، غار حرا، غار ثور، صفا و مروہ، سات سموٰت ہفت افلاک، عرش بریں، بہشت بریں، قاب و قوسین، معراج، شق القمر، جسم اطہر، پائے مبارک، زلف معنبر، آمنہ کے دلارے، عبداللہ کے لاڈلے، پیکر نور، شاہ ہدی، امی، امین، صادق وغیرہ

اور پھر وہ جملے اور خوب صورت تراکیب جو دین ایمان اور سیرت النبی کی خوشبو اور محبت و عقیدت سے معطر ہیں اور جو عام طور پر دین فطرت، اسلام کی اساس سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ کی نعتیں لکھتے وقت کبھی پس منظر تو کبھی عقبی زمین کے طور پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات زندگی، اخلاق کریمانہ، صفات منصفانہ کا استعمال ہوتا ہے تو کبھی ان کے عملی کارناموں، صبر و رضا، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک کے تمام حالات و کوائف نعتیہ شاعری کا خمیر بنتے ہیں۔ اور بسا اوقات دوسرے انبیاء کرام کے صفات عالیہ کے تناظر میں حضور پر نور ﷺ کی صفات عالیہ کو نعت کا موضوع بنایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری کی زرخیزی میں اور اس کے لفظی ذخیرے میں وہی شعر از یادہ اضافہ کر پاتے ہیں جو دین حق کی فطرت، اس کی تاریخ، اس کی روح اور سب سے بڑھ کر تخلیق کائنات کی منشا اور تعمیر کائنات کے رمز سے واقف ہوتے ہیں۔ اس طرح کا علم رکھنے والے شعر اپنے عقیدت مندانہ تخیل کے زور پر نہ صرف یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی سنتوں اور سیرتوں میں ان نکتوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں جنہیں عام لوگ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں بلکہ ان حیات کو بھی انگیزت کرنے کے قابل بن جاتے ہیں جو سنت رسول ﷺ کا مقصد ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ نعت عقیدت کی بنیاد پر کہنے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور دین اسلام کی فطرت سے واقفیت کے احساس کے ساتھ کہی جائے تاکہ اس کی تازگی و توانائی برقرار رہے اور ایک ہی طرح کی لفظیات کے تکرار کی وجہ سے نعت جیسی دلکش و دلچسپ اور روح پرور صنف بے رس نہ ہونے پائے۔ نعتیہ شاعری نے جس طرح کے الفاظ و تراکیب کو رواج عام کی شکل دی ہے اس میں اس طرح کے لفظوں اور ترکیبوں کی کثرت ہے مثلاً نور شبیہ رسول / جب سے نظر میں نور شبیہ رسول ہے۔ نبی کی راہ میں خار کا پھول بنا / گلشن، ستارے، کہکشاں مہمہ و ماہ و گل کا نبی کے قدموں کی دھول بنا / امت کی لغزش پہ رسالت کا ملول ہونا۔ امی ہونے کے باوجود منج علم ہونا / عدو کو گلے لگانا / شریعت کو رائج کرنا / طریقت کا درس دینا / نیکیوں کا نبی کی قدم بوسی کو آنا / نیکیاں آتی ہیں آقا کی قدم بوسی کو / حسن جزا سے پہلے اذن نبی کی طلب / چاہیے اذن نبی حسن جزا سے پہلے / پیوند قبا کا خلعت شاہ جہانی اور جنت کے لباس سے بڑھ کر ہونا / خلعت شاہ جہانی ہو کہ جنت کا لباس / محترم کب تھے یہ پیوند قبا سے پہلے / نبی کے قدموں پہ ارمغان جاں کا نذرانہ / کوئی طلب نہ کوئی مدعا وہاں ہوگا / قدم پہ آپ کے بس ارمغان

جاں ہوگا/ آمد رسول پر عرش کا جشن منانا/ فلک کا نعت پڑھنا/ بیان سیرت شاہ ہدی جہاں ہوگا/ پڑھے گا نعت فلک جشن عرشیاں ہوگا/ خدائے عزوجل کا راز داں ہونا/ ہوا کا پابوسی ضیا کے لئے چلنا/ ہوا کی زد پہ بھی چراغ حرم کا روشن رہنا/ سیاہ کملی کا سفینہ عقبیٰ کا باد باں ہونا/ سیاہ کملی کا احساس دل میں رہنے دے/ یہی سفینہ عقبیٰ کا باد باں ہوگا/ نبی کے فیض سے خاکداں کا روشن ہونا/ دل کا درودوں کا مسکن ہونا/ گل طیبہ کی خوشبو سے روح کا معطر ہونا/ نقش پائے محمد ﷺ کے چومنے کی آرزو میں گھلتے رہنا/ بہ روز قیامت شفاعت محمد ﷺ کے یقین کی شمع جلا کے رکھنا/ دشت ظلمت میں نبی ﷺ کی صورت میں نور کا ظہور ہونا/ آمد شاہ دیں کی خبر سن کر مکہ اور مدینہ کی گلیوں کا مسکرانا/ مکہ اور مدینہ کی مٹی کو کیمیا اور ہوا کو اکسیر سے تعبیر کرنا/ آقا کے پسینے سے فضاؤں کا مہلکا/ روضے کی جالی سے نور کا چھنا/ طیبہ کے کنکر کا گوہر نظر آنا/ مدینہ کی گلیوں کے پتھروں کا گل تر معلوم ہونا/ نام محمد کے زباں پر آتے ہی فردوس کی خوشبو کا بکھر جانا/ نور کے پیکر کا فلک کی راہ سے نقوش پا کے صدقے میں طیبہ کی گلیوں کا کہکشاں نظر آنا/ گنبد خضرا کے خنک چھاؤں میں آرام پانا/ نبی کی آواز کا صوت ہادی کی طرح دلوں میں اتر جانا/ قرآن کا نسخہ کیمیا بن کر نبی کے ہاتھوں امت تک پہنچنا۔

یہ ایسے الفاظ و تراکیب جملے، محاورے اور عقیدت مندانہ نعت رنگ لفظی اور شعری ٹکڑے ہیں۔ جن سے نعت کی لفظیات کی کائنات نور و نکہت سے روشن و معطر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تو محض مثال کے لیے چند نمونے ہیں، ہم چاہیں تو اس طرح کے لفظوں، تراکیبوں کی ایک قابل قدر لغت تیار کر سکتے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اردو شعر و ادب کو یہ سب نعت ہی کی دین ہے۔ اگر اردو زبان و ادب میں نعتیں کہنے کی روایت مستحکم نہ ہوتی اور لوگ نعتیں کہنے کے معاملے میں بحالت سے کام لیتے یا اپنی مذہب بیزاری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے محض واعظ اور شیخ کا مذاق اڑاتے رہ جاتے تو اردو زبان و ادب کو خوب صورت، روشن مقدس، اور دلی جذبات و احساسات کی آگ سے دھکتے، اور جذبے کی صداقت سے مہکتے ان الفاظ و تراکیب کا خزانہ کبھی نہیں مل پاتا۔ اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ نعتیں کہنے والے لوگوں کا بھی ادبی قدر و قیمت کے تناظر میں مقام متعین کیا جائے اور اس کے شاعرانہ اور فنکارانہ کمالات کا اعتراف کیا جائے۔ نیز انہوں نے تخلیقی سطح پر جو کچھ اردو زبان و ادب کو دیا ہے اس کا ایمان داری سے جائزہ لیا جائے۔ تاکہ نعت بہ حیثیت ایک منفرد صنف شاعری کے اپنی مستحکم شناخت بنا سکے۔

ہم جانتے ہیں کہ اردو کے کم و بیش تمام شعرا نے نعتیں کہی ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو

سکا ہے اس صنف شاعری کو مقبولیت عطا کرنے اور اپنی سعادت مندی کا ثبوت فراہم کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اردو شاعری کا فارسی شاعری سے براہ راست رشتہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حافظ، رومی، اور سعدی کی روایت نے نہ صرف یہ کہ اردو کی عام شاعری کو اجالنے میں اہم رول ادا کیا بلکہ نعتیہ شاعری کے لحن کو توانائی بخشے میں بھی خصوصی کردار نبھایا ہے۔ اردو کے ہندو مسلم سکھ عیسائی سبھی شعرا نے خوب خوب نعتیں کہی ہیں۔ یہاں پر اس کا موقع نہیں ہے کہ حضرت امیر خسرو سے لے کر میر وغالب اور حالی و اقبال سے لے کر جوش و محروم تک اور اس کے بعد کے شعرا کے یہاں سے نعتیہ اشعار کی مثالیں پیش کی جائیں۔ اس کے باوجود یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ نئے عہد کے چند شعرا کے یہاں سے کچھ نعتیہ اشعار بطور مثال پیش کیے جائیں تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ اس وقت بھی نعتیہ شاعری کے تسلسل میں کسی طرح کی رکاوٹ واقع نہیں ہوئی ہے۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت کرتا چلوں کہ عام طور پر انہیں شعرا کے یہاں سے مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن کے یہاں حد سے زیادہ غلو نہیں ہے۔ یعنی عابد و معبود کے درمیان والا فاصلہ اور خالق و مخلوق والا رشتہ ملحوظ ہے۔ نہیں تو اردو میں ایسے شعرا کی کوئی کمی نہیں ہے جو نبی اور رسول اور خدا سب کو ایک ہی طرح کی صفات سے متصف کر دیتے ہیں۔ اور ایمان و ایقان کو آزمائش میں ڈال دیتے ہیں۔ بہر حال آئیے چند نعتیہ اشعار دیکھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ شعرا حضرات کس توازن کے ساتھ نعت رنگ شعر کہہ رہے ہیں۔ اور تجدید ایمان و ایقان کی دعوت دے رہے ہیں، نیز یہ بھی دیکھتے چلیں کہ یہ حضرات کس طرح کی لفظیات کا استعمال کرتے ہیں۔ اور نعتیہ شاعری کے لفظی ذخیرے میں کس حد تک اضافہ کرنے کی سعی مستحسن میں لگے ہوئے ہیں۔

اس راستے میں عرش کا زینہ بھی آئے گا
یعنی نبی کا شہر مدینہ بھی آئے گا
انگشتی ارض کی زینت بنا ہوا
پر نور سبز رنگ، نگینہ بھی آئے گا

انجم عرفانی

لمبی پلکیں اور سرخی مائل رخسار
گیتوں جیسی آہٹ نغمہ سی رفتار

تن کے اوپر سادے سے سادہ جامہ
سر کے اوپر روشنیوں کا عمامہ

واحد سحری

ہے ان کے ذکر سے لرزاں وجود تیرہ شہی
نبی کے نام سے دیوار و در چمکنے لگے

ایس بوظفر

وہی یعنی خورشید دین میں
امام جہاں سید المرسلین
وہ محبوب داور جمیل الشیم
وہی یعنی سردار خیر الامم

متین طارق بانپتی

ادا وہ آپ کے در پر ہی ہوگا
ہمارے سر جو سجدہ مانگتے ہیں
کھنڈر مخمور اپنی بستیوں کے
نمود شہر فردا مانگتے ہیں

مخمور سعیدی

گناہ گار کا سر ہے گناہ گار کا سر
اسے حضور کی رحل قدم پر رہنے دو
جب ان کی نعت پڑھوں گا نفس نفس قسمت
تو پھر کہوں گا مجھے اپنے دم پر رہنے دو

مولانا قسمت

زباں پہ ذکر نبی منور نظر میں رحمت مدام روشن
 شہ زماں کی تجلیوں سے زمیں پہ چرخ دوام روشن
 خدا نے نور محمدی کے طفیل سارا جہاں بنایا
 وہ انبیا کی صفوں میں اوّل انہیں پر ہے اختتام روشن
 خورشید اکبر

مصطفیٰ محبوب سبحانی ہے تو
 کبریا کی طرح لا ثانی ہے تو
 عارف حق تا بہ حد معرفت
 واقف اسرار یزدانی ہے تو

حیات لکھنوی

ہے عرش بریں تیرے لیے صاحب لولاک
 قرآن تری عظمت کا ہی اظہار کرے ہے
 عرفان نظر تم سے ملا احمد بے میم
 کثرت اسی وحدت کی ہی تکرار کرے ہے

جاوید وششٹ

اس کے ذرات ہیں نازش کہکشاں
 مصطفیٰ کا جہاں نقش پا مل گیا
 اس کی ٹھوکریں ہے سطوت قیصری
 جس کو احسن در مصطفیٰ مل گیا

احسن

وہ زرّہ ناچیز کو خورشید بنا دیں
 یہ فیض تو آقا کا مرے عام بہت ہے

جو ساقی کوثر سے ملے مجھ کو ذرا سی
وہ میرے لیے دردِ تہہ جام بہت ہے

متین امر و ہوی

برکات دیکھے تو رسالت مآب کی
عالم میں روشنی ہے مسلسل جناب کی
خاک حجاز سر چشمِ عظیم ہو
تعبیر خوشگوار ملے ایسے خواب کی

عمران عظیم

ظاہر ہے کہ ان شعرا کے نعتیہ اشعار کے دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نعتیں کہنے میں لوگوں نے کسی طرح کی بیجا پابندیوں کا خیال نہیں رکھا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے عشق رسول کے اظہار میں ہر طرح کی آزادی سے کام لیا ہے، غالباً نعتیں کہنے والے شعرا بھی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عشق اور جنگ میں سب جائز ہے۔ اب اس عہد کے ایک اہم اور پھیلے ہوئے نعت گو شاعر جناب ابرار کمرت پوری کے کچھ اشعار دیکھے ان کے اشعار کے دیکھنے سے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ دراصل نعت کہنے میں بھی توازن رکھنا بہت ضروری ہے۔ ابرار صاحب کی نعتوں میں کہیں بھی عدم توازن کا احساس پیدا نہیں ہوتا ہے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دین فطرت کی انساں نے پائی ضیا گم ہوں کو ملی منزل ارتقا
سرور دیں سا بخشا گیا رہ نما رہنا رہنا آفریں آفریں

ہم کو رحمت سے ملے گی منزل
دور تک نقش قدم آپ کے ہیں

بندے کی التماس مودب قبول کر
شہر نبی میں حاضری یا رب قبول کر

جتنی دعائیں خدمتِ عالی میں پیش ہیں
میں چاہتا ہوں ربِ علیٰ سب قبول کر
رب کے حبیب کو ملا مرتبہٴ جلالِ نور
آپ کی ذاتِ پاک ہے ہستی بے مثالِ نور

تا کراں درس جو آقا کے چمکتے جائیں
پھول صحراؤں میں ایماں کے مہکتے جائیں

پاک قرآن ہے معیارِ رسولِ عربی
منزلِ آئینہ ہے کردارِ رسولِ عربی

شرح کتابِ صدق ہے سیرتِ رسولِ کی
لکھی ہے آبِ زر سے فضیلت کی

سرکارِ دو عالم کی یہ شفقت کا اثر ہے
ہر لمحہ مری قبہٴ خضریٰ پہ نظر ہے

آتی ہے ہر ایک حرف سے رحمن کی خوشبو
سرکار کی باتوں میں ہے قرآن کی خوشبو

ابرارِ کرت پوری صاحب کی نعتوں میں کسی طرح کی افراط و تفریط نہیں پائی جاتی ہے۔ وہ
چوں کہ دینِ فطرتِ اسلام کا بہترین علم رکھتے ہیں اس لیے شریعت و طریقت سے بھی وہ خوب
واقف ہیں، سوان کی نعتیں کسی بھی موجد کے لیے آزمائش نہیں بنتی ہیں۔ میں نے بھی نعتیہ شاعری
میں طالبِ علمانہ کوششیں کی ہیں اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے نعتیہ شاعری کے حدود کا خیال رکھا
ہے۔ چند اشعار پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

کہاں مجھ میں یارا نبی جی پہ لکھوں
شہِ بحرِ ویر کی بزرگی پہ لکھوں

وہ ہستی ہے اعلیٰ میں عاجز بیاں ہوں
وہ کامل حقیقت میں ناقص زباں ہوں

رسالت کے آداب ملحوظ رکھوں
تواضع سے ہر ایک ملفوظ لکھوں

حیاتِ نبی ﷺ نوکِ خامہ پہ آئے
قلمِ ذکرِ احمد ﷺ سے اب جگمگائے

نبی ﷺ کی فضیلت کا ہے ترجمان
جو اترا ہے ان پر وہ قرآن ہے

ہو دل میں لگن تو ملے گا نہ کیوں
محمد ﷺ کے ذریعے خدا کا پتہ

شاعری چاہے کسی بھی قسم کی ہو اس کا اعجاز یہ ہوتا ہے کہ وہ اشارے کنائے میں ساری باتیں نہایت موثر انداز میں بیان کر دیتی ہے۔ ایک بار کسی نے شیفتہ کے سامنے میرا نہیں کا مصرعہ ”آج شبیر پر کیا عالم تنہائی ہے“ پڑھا تو وہ تڑپ اٹھے اور کہا کہ انیس نے بیکار اتنے سارے مرثیے لکھے۔ ان کا سارا مرثیہ تو اسی ایک مصرعہ میں ضم ہو کر رہ گیا ہے۔ یہی بات شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے اس مصرعے ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ یہ مصرعہ نعتیہ شاعری کی کلید ہے۔ تا قیامت جتنی بھی نعتیں کہی جائیں گی اس کا خلاصہ ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ ہی ہوگا۔ اور جو لوگ ان حدود سے نکل جائیں گے ظاہر ہے کہ وہ نعتیہ شاعری کی حقیقی روح اور اس کے حدود سے ہی نہیں ایمان کامل کے حدود سے بھی تجاوز کر جائیں

گے اس لیے اگر اس ایک مصرعہ کو نعتیہ شاعری کی کلید مان لی جائے تو یہ شاعری ہر طرح کی افراط و تفریط سے محفوظ و مامون رہے گی۔ اور عابد و معبود کے حقیقی تناظر میں ایمان و ایقان کی تجدید کا فریضہ بھی ادا کر پائے گی۔ لیکن یہ تو صرف ایک خواہش ہے، حقیقت تو اس کے برعکس ہے کیوں کہ ہمارے بیشتر شعراء کرام تو نبی اکرم ﷺ کو بشر ہی ماننے کو تیار نہیں ہیں جبکہ قرآن نے بہ صراحت نبی ﷺ کے بشر ہونے کی تائید و تاکید کی ہے۔

”تو کہا اس کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے اس کی دعوت ماننے سے انکار کیا تھا ہماری نظر میں تو تم (اے نوح) اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہماری طرح بشر ہو“ (سورہ ہود ۲۷)

لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو صرف اس بات نے روکا کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۱)

غرض یہ کہ کافر نبی کو صرف اس لیے نبی ماننے کو تیار نہ تھے کہ وہ بشر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی اليهم من اهل القرى۔

(سورہ یوسف آیت ۱۰۹)

(اے محمد) تم سے پہلے ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجے وہ سب بھی انسان ہی تھے اور انہیں بستیوں کے رہنے والے تھے۔

معلوم یہ ہوا کہ تمام انبیاء کرام بشر تھے اور بشری خوبیوں سے معمور تھے۔ ایک غلط تصوّر نعت خواں حضرات نے یہ پیدا کیا ہے کہ نبی معجزہ دکھانے کا اختیار رکھتے تھے۔ یا یہ کہ ان میں بذات خود یہ طاقت تھی کہ وہ کوئی بھی معجزہ دکھاتے تھے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے یہ اختیار صرف اللہ کو ہے چنانچہ فرمان الہی ہے۔

وما كان لرسول ان ياتي باية الا باذن الله (سورہ رعد آیت ۳۸)

اور کسی رسول کو بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی لا کر دکھا دیتا۔

معلوم یہ ہوا کہ نبی کو فوق الفطری اختیارات حاصل نہیں تھے۔ وہ خدا نہیں ہوتے تھے اور نہ ان میں خدائی صفات پائے جاتے تھے اس لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی بھی شاعر اپنی نعتوں میں نبی اکرم ﷺ کو بشری صفات سے ماورا قرار دے اور خدائی صفات کا حامل بنا کر پیش کرے۔ تصوّر رسالت اور نعت کی لفظیات کے تعین کے سلسلے میں خود حضور اکرم ﷺ کی احادیث سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

چند احادیث دیکھئے۔

(۱) عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مبالغہ آرائی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر میری ثنا خوانی نہ کرو، جیسا کہ عیسائیوں نے ابن مریم کی بڑھا چڑھا کر تعریفیں کیں۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، پس اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (متفق علیہ)

(۲) حضرت ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے آپ کو خیر البریہ کہہ کر خطاب کیا یعنی مخلوقات میں سب سے بہتر تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ابرہیم علیہ السلام ہیں (مسلم)

(۳) عبد اللہ الثخیر کے بیٹے مطرف سے روایت ہے کہ میں بنی عاد کے وفد میں شامل ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم لوگوں نے عرض کیا آپ ہمارے (سید یعنی سردار ہیں) آپ نے فرمایا سید تو اللہ تعالیٰ ہے تب ہم لوگوں نے عرض کیا آپ ہمارے سب سے زیادہ فضیلت و عظمت رکھنے والے ہیں۔ فرمایا کہہ لو اپنی بات یا اپنی کچھ بات مگر شیطان تم کو ہرگز جری نہ بنادے (احمد ابو داؤد) ذرا غور کیجئے کہ جو نبی خود کو سید، خیر البریہ، اور مخلوقات میں سب سے بہتر کہلوانا بھی پسند نہیں فرماتے ہیں اسے ان سے محبت کا دعوا کرنے والے خدا بنانے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں گالم گلوچ ہونے لگی اسی دوران مسلمان نے کہا قسم اس ذات کی جس نے محمد کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا۔ یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا، اس پر مسلمان نے طیش میں آکر اس یہودی پر ہاتھ اٹھا دیا۔ یہودی حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سارا ماجرا بیان کیا تو حضور نے مسلمان کو بلایا اور اس سے تمام بات معلوم کی تب حضور ﷺ نے فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح مت دو کیوں کہ قیامت کے دن تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو ان کے ساتھ میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا۔ میں اچانک دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا کنارہ پکڑے ہوئے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم وہ بے ہوش ہونیوالوں میں ہوں گے اور انہیں مجھ سے پہلے ہوش آئے گا یا وہ ان لوگوں میں ہوں گے جن کو اللہ نے بے ہوشی سے مستی کر دیا ہے (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کسی بندہ کے لیے مناسب

نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس سے بہتر ہوں (متفق علیہ)

ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور کو دوسرے انبیاء کرام کے احترام کا کتنا خیال تھا۔ مگر ہمارے بیشتر نعت گو شعرا جب تک نبی اکرم ﷺ کو نبیوں کے سردار، امام الانبیاء، وغیرہ نہیں کہہ لیں انہیں سکون ہی نہیں ملتا ہے۔ بسا اوقات تو وہ دوسرے انبیاء کرام کو کم کر کے دکھانے سے بھی باز نہیں آتے ہیں۔

کہنے کا مطلب یہ کہ نعتیں کہتے وقت جوش عشق کے ساتھ ساتھ ہوش و خرد اور ایمان و ایقان کے حقیقی تصور کا بھی خیال رکھنا چاہیے تاکہ نعتیہ شاعری پر کسی طرح کا اعتزاز نہ کیا جاسکے۔ اور اسے دوسری اصناف شاعری کی بہ نسبت زیادہ مطہر اور پاکیزہ سمجھا جائے۔ نعت کی لفظیات سے متعلق ان تمام باتوں سے کسی نہ کسی حد تک یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نعت کی لفظیات سے معطر اردو شاعری کا خزانہ نعت گو شعرا کے تخلیقی و فورا ور عشق نبی کے حقیقی شعور کی وجہ سے دن بہ دن ثروت مند ہوتا جا رہا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ لوگ اب نعتیہ شاعری اور نعت رنگ الفاظ کو ہر طرح کے ذہنی تحفظات سے آزاد ہو کر دیکھیں۔ اور اس کا مطالعہ ادبی شرائط کی روشنی میں کریں۔ اس طرح نعتیہ شاعری اور نعت گو شعرا دونوں کا حق بہ آسانی ادا کیا جاسکے گا۔

ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری (آندھرا پردیش)

ڈاکٹر راہی فدائی کی نعتوں میں آل رسول ﷺ کا تذکرہ

”درود پاک“ وہ مقدس ذکر ہے جس میں بندہ تو کجا بلکہ رب العالمین، خالق کائنات کی ذات والا صفات جیسی مقدس ہستی بھی شامل ہے۔ بات یہاں تک ختم نہ ہوئی بلکہ رب کائنات نے فرشتوں جیسی حقیقی مطیع و فرمانبردار مخلوق کو بھی شامل کر کے اس بات کا بلند و بالا اعلان کیا کہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ اے وہ لوگو! جو خدا پر ایمان لائے ہوئے تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر نہ صرف درود پاک پڑھو بلکہ مکمل سلام کے ہدیہ کو بھیجو۔ یہ حکم خداوندی ہے اس میں بندہ کو اختیار نہیں کہ وہ چاہے تو اس مقدس ذکر پاک میں شامل رہے یا نہ رہے۔ یہاں فرمان خداوندی کو کہیں ایسا نہ سمجھو کہ اس مقدس ذکر میں تم اکیلے ہو بلکہ خدائے تعالیٰ اور اس کے فرشتے جیسی مخلوق بھی شامل ہے۔

”درود پاک“ کی اہمیت و افادیت کا واضح پہلو ہر کلمہ گو افراد کے سامنے ظاہر ہونے لگا۔ اب ہم درود پاک کے مفہوم کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا حصہ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اے اللہ میں اپنے سردار و آقا حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج رہا ہوں۔ اور دوسرا حصہ۔ عَلٰی آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اے اللہ آپ ﷺ کی آل (مبارک) پر بھی درود و سلام اور برکت نازل فرما۔

درود پاک کا مبارک سلسلہ پیارے نبی آقا ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر ہی قائم نہ ہوا بلکہ آپ کی ذات والا صفات کی آلِ اطہار پر بھی جاری و ساری ہے۔ اب یہاں معلوم ہوا کہ یہ دونوں درود پاک کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ قیامت تک اس میں نہ ترمیم ہوگی اور نہ ہی اضافہ بلکہ یوں کہنا بے جا نہ

ہوگا کہ درود پاک کے مقدس الفاظ ایک ساتھ اس طرح جوئے ہوئے ہیں جس طرح کلمہ خلیبہ کے دونوں اجزاء جوئے ہوئے ہیں۔

درود پاک کا ذکر اُس وقت مکمل ہوگا جبکہ درود پاک بھیجنے والا آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی ”آل اطہار“ پر بھی درود بھیجا کرے۔ اب یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ پیارے نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کے ساتھ ساتھ آپ کی آل مبارکہ پر بھی درود پاک بھیجا جائے۔ آپ ﷺ کی آل اطہار کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پیارے نبی ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ ساتھ آپ کی آل اطہار کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

مذکورہ نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف نے عاشقان رسول ﷺ اور قارئین کرام کی توجہ کو مبذول کروانا چاہتا ہے کہ جو بھی عاشقان رسول ﷺ اور عام امتی درود پاک کے مقدس ذکر میں شامل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی آل مبارکہ کو بھی شامل کر لیا جائے۔ درود پاک کا یہ مبارک سلسلہ نہ صرف آج بلکہ قیامت تک کے لئے قائم و دائم رہے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں اور نہ ہی شک و شبہ کہ گنجائش رہے گی بلکہ یقین کامل کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

آل رسول ﷺ کی اہمیت و افادیت کو خداوند تعالیٰ نے نہ صرف درود پاک کے ذکر میں شامل رکھا ہے بلکہ نماز جیسی عبادت میں بالخصوص ”تشہد“ میں بھی درود پاک کو شامل کر کے ”درود ابراہیم“ کا نام دیا ہے۔ لفظ صلّ اور لفظ بارک دونوں الفاظ کا ذکر علاحدہ علاحدہ شکل میں بیان کر کے نبی پاک ﷺ کی ذات والا صفات کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی آل اطہار کو نماز جیسی عبادت میں شامل کر کے قیامت تک کے لئے اس سلسلہ کو قائم و دائم کر دیا۔

راقم الحروف کے خیال میں ”نعت پاک“ جیسے مقدس نورانی تذکرہ میں آپ کی آل اطہار کا ذکر کرنا بھی بڑی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ نعت پاک کا وہ حصہ جس میں آل اطہار کی فضیلت بیان کی گئی ہو گویا کہ وہ فرمان خداوندی کے عین مطابق ہوگا۔ اور بعض نعت گو حضرات بھی اس کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی ان کی انفرادی خصوصیت ہے۔ اور اسی نکتہ کو راقم نے عام قاری کے سامنے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

وہ نعت گو حضرات قابل مبارک و لائق ستائش ہوتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے مبارک و مسعود تذکرہ اور آپ ﷺ کے جملہ اخلاق و عادات و معجزات کے ساتھ ساتھ آپ کی آل

اطہار کی فضیلت کو بھی بیان کیا ہو۔ راقم کو اس بات کا ہمدت کے ساتھ احساس ہونے لگا کہ کیوں نہ مختلف نعت گو شعرا کی نعتوں میں آل اطہار کے تذکرہ کی وضاحت کی جائے۔ اس سلسلہ میں راقم نے شہر کڈپہ کے نعت گو شعرا کی نعت گوئی میں آل رسول ﷺ کے تذکرہ کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ عام قاری کے سامنے آل رسول ﷺ کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کیا جاسکے۔

راقم کے سامنے اس وقت شہر کڈپہ کے چار شعرا ثکلیل احمد ثکلیل، ش.م. ہاشم، ن.م. جالب اور ستار فیضی کا مجموعہ کلام ”سرور کونین“ ﷺ مطبوعہ ۲۰۱۲ء موجود ہے۔ راقم نے ہر ایک شاعر کی نعت میں ذکر آل رسول ﷺ کو تلاش کیا کہیں بھی کسی بھی نعت شریف میں آل رسول ﷺ کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ شہر کڈپہ کے ایک اور قدیم شاعر پروفیسر محمد جلال الدین جلال کڈپوی (مرحوم) کا ایک شعری مجموعہ ”جمال جلال“ (مطبوعہ پاسبان آفسیٹ پریس، بنگلور) سے شائع ہوا ہے لیکن اس تصنیف میں کہیں بھی سن طاعت موجود نہیں ہے۔

”جمال جلال“ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصہ اول میں ”جمال یزدانی و انوار مدنی“ اور حصہ دوم میں ”انوار روحانی“ کا نام دیا گیا ہے۔ حصہ اول میں تقریباً اٹھائیس نعتیں موجود ہیں کہیں بھی کسی بھی جگہ آپ نے آل رسول ﷺ کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ جناب قمر امینی کا لکھا ہوا نعتوں کا مجموعہ ”کشکول کرم“ مطبوعہ ۲۰۱۷ء میرے سامنے موجود ہے جس میں تقریباً اٹھتر نعتیں موجود ہیں ان تمام نعتوں میں آپ نے کہیں بھی آل رسول ﷺ کی فضیلت پر کوئی ایک شعر نہیں کہا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اٹھاون قطعات پیارے نبی ﷺ کی شان میں لکھے ہیں ان میں بھی آل رسول ﷺ کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

بڑے خوش نصیب ہیں وہ نعت گو حضرات جنکی نعتوں میں درود پاک کے دونوں اجزائے ذکر نبی پاک ﷺ اور آل رسول ﷺ کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہو۔ ان خوش نصیب نعت خواں حضرات میں راقم الحروف کو بھی شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے ملاحظہ کیجئے۔

بہاریں دین کی پھیلائے ہے گلشن محمد ﷺ کا
بڑا ہی پُر فضا ہے دیکھئے آنگن محمد ﷺ کا

راقم نے مذکورہ شعر میں ”گلشن“ اور ”آنگن“ دونوں الفاظ کے ذریعہ آل رسول ﷺ کی اہمیت و فضیلت کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس طرح احقر کا نام ان خوش نصیب نعت گو شعرا کی فہرست میں شامل ہو گیا جنہوں نے اپنی نعتوں میں آل رسول ﷺ کا تذکرہ کر کے

صنفِ نعت میں تنوع پیدا کیا۔ آئیے اب ہم ایک اور خوش نصیب نعت گو شاعر جناب ڈاکٹر راہی فدائی کڈپوی کا نام لیتے ہیں جن کی نعتوں کا مجموعہ ”ناعت و منعت“ ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا جس میں تقریباً ساٹھ نعت شریف موجود ہیں۔ راقم نے ان کی جملہ نعتوں کو پڑھنے کے بعد پانچ ایسے اشعار کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جن میں ذکرِ آلِ رسول ﷺ کو بڑے احسن پیرائے میں پیش کیا ہے۔ جن کی تفصیلات حسبِ ذیل اشعار میں ملاحظہ کیجئے۔

رہو گے نعتِ نسبت سے سرفراز ضرور
غلامِ آل ”بشیر“ و ”نذیر“ ہو جاؤ

(ص ۱۴۱)

مذکورہ شعر میں شاعر نے پہلے مصرعہ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو لوگ نعت شریف لکھتے ہیں اُن پر پیارے نبی ﷺ کا کرم ضرور ہوگا، آپ کے فیض و کرم سے نعت گو شاعر ضرور سرفراز ہوگا۔ دوسرے مصرعے میں وہ تمام امتِ مسلمہ کو اس بات کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ اگر تم امتِ رسول ﷺ میں بلند مقام و مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو پیارے نبی آقا ﷺ آپ کا لقب ”بشیر“ (خوش خبری دینے والا) اور ”نذیر“ (نافرمانوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرانے والا) بھی ہے، لہذا آپ ﷺ کی غلامی کے شرف کو حاصل کرو۔

راقم کے خیال میں مذکورہ شعر عصرِ حاضر کے مسلمانوں کو ایک لائحہ عمل پیش کرتا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو مختلف عقیدوں کے خانوں میں بانٹ رکھا ہے۔ چنانچہ راہی فدائی ایک اور شعر میں رقم طراز ہیں۔

حقدار وہی آپ کے الطاف و کرم کا
جو آل سے کرتا ہے وفا احمد مختار کا

اس شعر میں شاعر نے بالکل واضح طور پر کہا ہے کہ وہی مسلمان نبی اکرم ﷺ کے الطاف و کرم کے حق دار ہوتے ہیں جو آپ ﷺ کی آلِ اطہار سے وفا کرتے ہیں۔ تا ابد باقی رہے گی عظمتِ آلِ رسول کی کس قدر اعلیٰ ہے نسبتِ سرورِ کونین کی

مذکورہ شعر میں ڈاکٹر راہی نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ آلِ رسول ﷺ کی عظمتِ تاقیامت باقی رہے گی اس کا تعلق آپ ﷺ کی نسبتِ مبارک کی وجہ سے ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح

واضح ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”دروِ ابراہیم“ میں آلِ رسول ﷺ کے تذکرہ کو شامل کر کے قیامت تک کے لئے درودِ پاک کے مبارک سلسلہ کو جاری و ساری رکھا۔
محترم، محترم، محترم، محترم، محترم
رب کے نورِ نظر اہل آل آپ ﷺ کے

مذکورہ شعر میں راہی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آلِ رسول ﷺ کا مقام و مرتبہ اس قدر بلند و بالا ہے کہ آپ کی ﷺ آلِ قابلِ احترام ہے اور وہ عزت و عظمت کا درجہ رکھنے والی ہے اور اعتنائی کیفیت کی حامل ہے۔ آلِ رسول ﷺ کی عظمت اور اعلیٰ مرتبت کا یہ سلسلہ انہیں پر موقوف ہے اور انہیں پر اختتام پذیر ہے۔

آلِ اطہر اور اصحابِ پیغمبر کو سلام
یاد رکھیں گے مسلمان ان کے احسان کو

(ص ۱۹۴)

ڈاکٹر راہی فدائی کے نعتیہ مجموعہ میں ایک ”سلام“ مبارک بھی بڑے اہتمام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مذکورہ شعر میں آپ کا سلام آلِ رسول کی عظمت پر خلوص بھرا دکھائی دیتا ہے۔ راہی فدائی نے آپ ﷺ کے اصحابِ کرام جنہوں نے اسلام کے لیے خالص قربانیاں پیش کی ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے بالخصوص آپ کی آلِ اطہار میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقائے اسلام کے لئے جو قربانیاں پیش فرمائی ہیں ان کی وضاحت کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ انہیں کے احسان کی بدولت آج مذہبِ اسلام زندہ و پابندہ ہے۔ بحیثیت مجموعی ڈاکٹر راہی فدائی نے آلِ رسول ﷺ کے مبارک تذکرہ سے نعتوں میں ایک ایسی خوبی پیدا کر دی ہے کہ جس کی تابناکی عاشقانِ رسول ﷺ کے قلوب کو جلا بخشتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جس کی کرنیں ہر عاشقِ رسول ﷺ کے قلب و ذہن کو روشن و منور کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ خدا کرے کہ اس طرح نہ صرف ”دبستانِ نعت“ میں اپنا نام درج کراویں بلکہ پیارے نبی ﷺ کے ”سچے نعت خواں“ کے زمرے میں اپنے آپ کو شامل کر لیں۔ تاکہ دامنِ رسول میں انہیں تھوڑی سی جگہ مل جائے۔ اور جنت میں نعت خوانی سے بھی سرفراز ہو جائیں۔ آمین ثم آمین۔

فَدَاكَ اَبِي وَاُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

افکار روشن

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سُن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر

علامہ اقبال

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

نعتیہ شاعری میں اصنافِ سخن کی جلوہ سامانیاں

اجمل نقشبندی کے نعتیہ مجموعوں کی تعداد تقریباً نصف درجن ہو گئی ہے۔ اس بات سے شاعر کے اس والہانہ شغف کا اندازہ ہوتا ہے جو اسے مدحتِ رسول ﷺ سے ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ نعت میں شاعری کی قدیم اصناف کے ساتھ ساتھ جدید عہد میں متعارف ہونے والی نئی اصناف میں بھی نعتیہ مضامین کی تاب و تاب نظر آتی ہے۔ شاعر کا یہ رُحمان جذبے سے اسلوب کی طرف جست کی عکاسی کرتا ہے۔

ابتدا میں ”حمدیے“ ہائیکو یا ہائیک کی ہیئت فارم میں ہیں۔ ان میں ہائیک کی مروجہ بحر پانچ سات پانچ کی پابندی کی گئی ہے۔ مافیہ (Content) کے حوالے سے ایک ہائیک پیش خدمت ہے جس میں شاعر نے اُمتِ مسلمہ کی تاریخ بھی رقم کر دی ہے اور بیدار مغزوں کی قلبی بے چینی اور اضطرابِ دروں کو بھی سمودیا ہے۔ کرب کے باوجود تعبیروں کے کھوج کا عمل رکا نہیں ہے۔ یہ رجائیت بھی بین السطور رقم ہو گئی ہے۔

اے رب الارباب!
تعبیروں کی کھوج میں ہم ہیں
صدیوں سے بے خواب!

اس ہائیک کی قرأت (Reading) سے احساس کا جو تموج پیدا ہوتا ہے، کتاب کی خواندگی کے مرحلے میں وہ حرف بہ حرف اور لفظ بہ لفظ بڑھتا ہی جاتا ہے۔

نعتیہ شاعری کے ضمن میں شعریت (اسلوب یا Style) اور شریعت (مافیہ کلام یا Content) دونوں کا توافق (Harmony) ضروری ہے۔ اجمل کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شعریت اور شریعت کا امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاعر موصوف نے دُعا کی ہے:

مری سرشت ترے مصطفیٰ کی سنت ہو مرے خیال کو حسنِ خیال دے اللہ
 ”حضور سے پہلے حضوری کے بعد“ میں شامل تقاریض سے پتہ چلتا ہے اور شاعر کی تصویر
 سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت پر مصرعِ اولیٰ کی قبولیت کے اثرات بحسن و خوبی مرتب
 ہونے لگے ہیں۔ رہا حسنِ خیال کا معاملہ تو اس کے ثبوت میں یہی بات کہی جاسکتی ہے کہ جس
 شاعر کے خیال کا مرکزی نقطہ ہی طیبہ کی سرزمین ٹھہرے اس کے خیال میں حسن پیدا نہ ہونے
 کا گمان بھی سوئے ادب ہے۔
 مایہ میں بھی اجمل صاحب نے طبع آزمائی کی ہے۔ اس صنف میں بھی ان کے بیان کا
 باکپن دیدنی ہے۔

سر چشمہ رحمت ہے
 لاریب مدینہ ہی
 عشاق کی جنت ہے

سامیٹ کی صنف مغربی ادب سے اُردو میں آئی ہے۔ اُردو میں سامیٹ لکھے تو گئے ہیں
 لیکن زیادہ مقبول نہیں ہو سکے۔ نعت نگاروں نے بھی سامیٹ کے فارم میں عشق رسول ﷺ کے
 اظہار کی کوششیں کی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں بھی چند سامیٹ ہیں جن کا اسلوب شگفتہ ہے اور متن
 (Text) کے حوالے سے بھی لائقِ توجہ ہیں کیونکہ ان میں سیرتِ محبوب رب العالمین ﷺ کی
 تنویریں، تاریخِ اسلام کی جھلکیاں اور بعثتِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عالمِ انسانی کو پہنچنے
 والے فیضان کا تذکرہ ہے۔ ایک سامیٹ ”روشنی“:

دہر میں ہر طرف تھی تاریکی
 تیرہ بختی کا سخت موسم تھا
 ظلمتوں، نفرتوں کا عالم تھا
 بحرِ ظلمات، ارضِ گیتی تھی
 مہر، اُلفت، خلوص، پیار وفا
 ہو گیا تھا جہان سے مفقود
 بربریت کی انتہا کے سوا
 نسلِ آدم میں کچھ نہ تھا موجود

ایسے میں اک کرنِ محبت کی
کوہِ فاراں کی پشت سے پھوٹی
چاک جس نے ردائے ظلمت کی
ہر طرف تیز روشنی پھیلی

میرا اس تیز روشنی کو سلام
یعنی اللہ کے نبی ﷺ کو سلام
اسی طرح آزاد نظم (Free Verse) جسے نعت گو شعراء نے کم اپنایا ہے، اجمال
نقشبندی کے اس نعتیہ مجموعے کی زینت بنی ہے۔
یہ کوشش بھی خاصی کامیاب ہے۔ اس نظم میں طلبِ خیر کی تڑپ اور طلب کے ساتھ ساتھ
انکشافِ حقیقت کا پرتو بھی ہے اور ہادیٰ برحق رسولِ رحمت ﷺ کی بعثت سے انسانیت کو حاصل
ہونے والی طمانیت کا احساس بھی:

پھر مجھے پھیر کر خیر کی راہ پر
گامزن کر دیا اور میں کہہ اٹھا
اے سراپا عطا! عکسِ نورِ خدا!
مصطفیٰ ﷺ مجتبیٰ ﷺ!
اک تیرا ہے فقط
راستہ خیر کا
راستہ خیر کا!

قدیم اصنافِ سخن میں غزل کی ہیئت میں بہت سی نعتیں ہیں جن کا مزاج غزل کی روایت
سے ہم آہنگ ہے۔ ان نعتیہ غزلوں میں جذبہٴ عشقِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بڑی سادگی
سے جزو و ہنر بن گیا ہے۔ غزل کے دو مصرعوں میں نقشِ گری کرنے والے شعراء بعض اوقات ایسے
اشعار کہہ جاتے ہیں جن میں انسانی حافظے پر نقش ہو جانے کی خوبی ہوتی ہے۔ اجمال صاحب کے
بھی اشعار اس خصوصیت کے حامل ہیں۔ مثلاً:

مدح سرکارِ ﷺ میں یوں عمر ہماری گزرے جیسے حسانؓ نے جامیؒ نے گزاری گزرے

کوئی شب ان کے تصور سے نہ گزرے خالی کوئی شب ان کے دیدار سے عاری نہ گزرے
دل کی بے راہ روی بے جہتی ناممکن رہنما آپ کا ذکر، آپ کی یاد، آپ کا نام
جس کے دل میں نبی ﷺ کی اُلفت نہیں اس کو حاصل خدا کی قربت نہیں
نبی ﷺ کی عنایت کے صدقے ہے آساں سنا ہے کہ یہ راہِ مدحت کڑی ہے
کفر کی تیرہ ہوا اپنی جگہ دین کا روشن دیا اپنی جگہ
میں ذرہ اور صحرا آپ ﷺ میں اک قطرہ دریا آپ ﷺ
پڑھے ان ﷺ پر درود ادب کے ساتھ نام جن ﷺ کا ہے نامِ رب کے ساتھ
ہر وقت مدحتوں کے اُجالوں میں گم رہوں محبوبِ کبریا ☆ کے خیالوں میں گم رہوں
درج بالا اشعار غزل کی شگفتہ بیانی، فصاحت اور سلاست کے باعث حافظے میں محفوظ
ہو جانے کی قوت رکھتے ہیں۔

اس کتاب میں مسدس، مخمس اور رباعیات بھی ہیں۔ ان اصناف کی موجودگی سے اندازہ
ہوتا ہے کہ جمل نقشبندی اصناف کو وسیلہ اظہار بنانے پر قادر بھی ہیں۔
اجمل نقشبندی نے بزمِ مدحت گزراں میں داخل ہوتے ہوئے شعر کی زیادہ سے زیادہ
ہیئتوں کو رفعتِ مضمون سے ہمکنار کیا ہے۔ انھیں یہ بھی سعادت حاصل ہے کہ ان کا توسن خیال
زیادہ تر حمد و نعت ہی کی مقدس وادیوں میں اپنی جولانیاں دکھاتا ہے اور اس سے بڑی سعادت یہ
ہے کہ ان کا کلام عقیدے اور عقیدت کا لائق تحسین امتزاج نظر آتا ہے۔

پس نوشت:

☆ ”کبریا“..... اللہ رب العزت کا نام نہیں صفت ہے۔ اس لیے اس غلط العام استعمال کو
ترک کرنا بہتر ہے۔ سورہ یونس اور سورہ جاثیہ دیکھیے۔ (اور حاصل ہو جائے تم دونوں کو
سرمداری [کبریا] اس ملک میں ۸: ۱۰)..... (اور اسی کو سزاوار ہے بڑائی [کبریا] آسمانوں
اور زمین میں ۳۷: ۴۵)۔

تنویر پھول (نیویارک)

نعت میں بچوں اور ادبِ اطفال کا حصہ

نعتیہ ادب میں بچوں کی شرکت کا سب سے پہلا حوالہ ہمیں ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری پر ”جَا نَبِیُّ اللّٰہِ ، جَا رَسُوْلُ اللّٰہِ“ (اللہ کے نبی ﷺ آ گئے، اللہ کے رسول ﷺ آ گئے) کے نعروں کے دوران وہاں کی ننھی منی بچیوں کے اس مشہور و مقبول، سادہ اور آسان نغمے سے ملتا ہے جو دف بجا کر گایا تھا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوُدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَىٰ لِلّٰہِ دَاعِ

(چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا ہے، وداع کی گھاٹیوں کی طرف سے۔ ہم پر شکر ادا کرنا واجب ہے اس دعوت کا جو اللہ کے داعی نے ہمیں دی ہے)

جب آپ ﷺ بنونجار کے محلے میں پہنچے اور آپ ﷺ کی اوٹنی جس کا نام قصویٰ تھا، وہیں ٹھہر گئی تو آپ ﷺ نے وہاں کے سب سے قریبی گھر کے مالک حضرت ابو ایوب خالد بن سلطان انصاری کو میزبانی کا شرف بخشنے کا ارادہ ظاہر کیا تو خوشی کے اظہار میں بنونجار کی ننھی منی بچیوں نے بھی دف بجا کر یہ نغمہ گایا:

نَحْنُ جَوَارِ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ
يَا حَبْذَا مُحَمَّدٌ ﷺ مِنْ جَارِ

(ہم بنونجار کی بچیاں ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ حضرت محمد ﷺ ہمارے پڑوس میں رہیں گے)
ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اس کی تصویر کشی یوں کی ہے:

زباں پر ’اشرق البدر علینا‘ کی صدائیں تھیں
دلوں میں ’ما دعی اللہ داع‘ کی دعائیں تھیں

کہیں معصوم ننھی بچیاں تھیں ، دَف بجاتی تھیں
 رسول پاک ﷺ کی جانب اشارے کر کے گاتی تھیں
 کہ ہم ہیں بچیاں نجار کے عالی گھرانے کی
 خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی
 مسلمانوں کے بچے بچیاں مسرور تھے سارے
 گلی کوچے خدا کی حمد سے معمور تھے سارے
 نبوت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی
 درود و نعت کے نعمات کی آواز آتی تھی

حضور ﷺ نے ان بچیوں سے نہایت شفیق لہجے میں پوچھا ”کیا تمہیں ہم سے بہت محبت ہے اور تم ہمارے آنے پر بے حد خوش ہو؟“ تو انھوں نے سر ہلا کر اقرار کیا، اس پر آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”ہمیں بھی تم سے بہت لگاؤ اور محبت ہے۔“ حضرت انس بن مالک جنھیں بچپن سے حضور ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل تھا، فرماتے ہیں کہ ”جس روز حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے اُس روز ہر چیز منور ہو گئی۔“ غالباً اسی وجہ سے اس شہر کو ”مدینہ منورہ“ کے مقدس نام سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ پہلے اس کا نام ”یثرب“ (قابل الزام و ملامت جگہ جو خراب آب و ہوا کی وجہ سے مشہور تھی) تھا۔ اب جو نعتیں بچوں کے ادب میں شامل ہیں اُن کے کچھ نمونے:-

معصومیت کا ہالہ بچپن مرے نبی ﷺ کا
 پھولوں کی طرح اُجلا بچپن مرے نبی ﷺ کا
 سب اچھی عادتوں سے پُر نور اور مُزین
 سچائی کا حوالہ بچپن مرے نبی ﷺ کا
 آغوشِ آمنہ! سے دن کی طرح اُبھر کر
 جگ کو سجانے والا بچپن مرے نبی ﷺ کا
 گھر حارث ۲ و حلیمہ ۳ کا برکتوں سے بھرتا
 رعنائیوں کا جھرنا بچپن مرے نبی ﷺ کا
 شیمہ ۴ کی اور انیسہ ۵ کی چاہتوں کا مرکز

بادلِ محبتوں کا بچپنِ مرے نبی ﷺ کا
 بنتِ اسدؑ کی دھڑکن ، وہ جانِ اُمِّ ایمن کے
 توقیرِ جد بڑھاتا بچپنِ مرے نبی ﷺ کا
 (شاعر: حفیظ تائب، ماخوذ از ماہنامہ ”ہلال“ کراچی شمارہ اکتوبر ۲۰۰۰ء۔ ”ورلڈ ریکارڈ
 نمبر“ ۱۲۱۲ صفحات پر مشتمل)

جس نے بنائے چاند ستارے روشنیوں کے چشمے سارے
 اُس نے اُنھیں ﷺ پسند کیا ہے اُن ﷺ کا ذکر بلند کیا ہے
 کتنی عظیم ہے اُن ﷺ کی ہستی ذکر ہے اُن ﷺ کا بستی بستی
 صادق اور امین وہی ﷺ ہیں طہ اور یلین وہی ﷺ ہیں
 مولا کی پہچان وہی ﷺ ہیں سب سے بڑے انسان وہی ﷺ ہیں
 وہ ﷺ مہمانِ عرشِ معلیٰ شانِ محمد ﷺ اللہ اللہ
 رحمت اُن ﷺ کی عالم عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم

(شاعر: انور مسعود، ماخوذ از سہ ماہی ”ادبیات“ اسلام آباد۔ شمارہ نمبر ۹۴-۹۵۔ جنوری
 تا جون ۲۰۱۲ء۔ بچوں کا ادب نمبر)

بچوں کے لئے آسان زبان میں ایک اور نعت ملاحظہ کیجئے:
 ہم کو ہیں دل سے پیارے آنکھوں کے ہیں وہ ﷺ تارے
 ہم سب کے ہیں سہارے پیارے نبی ﷺ ہمارے
 باطل مٹانے والے قرآن لانے والے
 ہیں بخشوانے والے پیارے نبی ﷺ ہمارے

نیکی ہمیں سکھائی اور شمعِ حق جلائی
 کی دُور ہر بُرائی پیارے نبی ﷺ ہمارے

اندھیروں کو مٹایا دنیا کو جگ لگایا

ہر بُت کدے کو ڈھایا پیارے نبی ﷺ ہمارے

اُن ﷺ سے کرو محبت سب کے لئے ہیں رحمت
ہر دل میں اُن ﷺ کی اُلفت پیارے نبی ﷺ ہمارے

کر دیں مددِ خدا را دے دیں اسے سہارا
ہے پھول نے پُکارا پیارے نبی ﷺ ہمارے
(شاعر: تنویر پھول، ماخوذ از مجموعہء کلام ”گلشنِ سخن“، مطبوعہ جنوری ۱۹۷۰ء)

سہ ماہی ”ادبیات“ اسلام آباد کے مذکورہ ”بچوں کا ادب نمبر“ (جلد دوم: قومی ادب: حصہ
نظم) میں شامل بچوں کے لئے دو خوب صورت نعتیں ملاحظہ کیجئے:

وہ ﷺ جس پہ نازاں ہیں خود عطا ئیں جو بخشے اغیار کی خطائیں
سُنے جو ﷺ بے کس کی التجائیں جو خوں کے پیاسوں کو دے دعائیں
جو ﷺ خلق سے دل کے زخم سی دے جو گھٹپ اندھیروں کو روشنی دے
ستارے گرد اُس ﷺ کی رہگزر میں فرشتے ساتھ اُس ﷺ کے ہر سفر میں
محبت اُس ﷺ کی نظرِ نظر میں دیانت اُتری اُسی ﷺ کے گھر میں
امانت اُس ﷺ کی ادا پہ جھومے صداقت اُس ﷺ کی زبان چومے
(شاعر: محشر بدایونی، ماخوذ از سہ ماہی ”ادبیات“ اسلام آباد۔ شمارہ نمبر ۹۴-۹۵۔ جنوری
تا جون ۲۰۱۲ء۔ بچوں کا ادب نمبر)

پیارا پیارا نام نبی ﷺ کا سب سے اچھا نام نبی ﷺ کا
سورج بن کر اِس دھرتی پر ہر سُو چمکا نام نبی ﷺ کا
دیتا ہے آرامِ دلوں کو راحت والا نام نبی ﷺ کا
اپنے ہاتھوں پر لکھ لکھ کر میں نے چوما نام نبی ﷺ کا
بگڑے کام بنانے والا ہم نے دیکھا نام نبی ﷺ کا
بچے بچے کے ہونٹوں پر دیکھو! آیا نام نبی ﷺ کا
یاور! ہم سب پر لازم ہے لیتے رہنا نام نبی ﷺ کا

(شاعر: یاورِ عظیم، ماخوذ از سہ ماہی ”ادبیات“ اسلام آباد۔ بچوں کا ادب نمبر)
 بچوں کے لئے ایک اور نعت ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کی ردیف میں:
 سب نبیوں کے آپ ہیں سرورِ صلی اللہ علیہ وسلم
 آپ سراپا نور کے پیکرِ صلی اللہ علیہ وسلم
 آپ ہی سے قرآن ملا ہے، سچ یہ ہے ایمان ملا ہے
 آپ ہیں ہادی، آپ ہیں رہبرِ صلی اللہ علیہ وسلم
 آپ نے ہم کو رب سے ملایا اور سیدھا رستہ دکھلایا
 آپ کی یاد سے دل ہیں منورِ صلی اللہ علیہ وسلم
 آپ سے آقا ﷺ! آپ کو مانگوں اور مجھے درکار نہیں کچھ
 خواب میں دیکھوں روضہء انورِ صلی اللہ علیہ وسلم
 طیبہ نگر مشتاق بھی آئے، اتنا کرم فرمائیں آقا ﷺ!
 جلد بلائیں اس کو در پرِ صلی اللہ علیہ وسلم
 (شاعر: محمد مشتاق حسین قادری، ماخوذ از مجموعہء نظم و نثر ”گلہائے رنگارنگ“، مطبوعہ شعبان المعظم، ۲۰۱۴ء)

بچوں کے لئے ”صنعتِ توشیح“ میں ایک نعت جس کے مصرعوں کے ابتدائی حروف سے ”محمد رسول اللہ ﷺ“ کے الفاظ نکلتے ہیں:

م : مُشَفِّق و مہرِ باں آپ ہیں یا نبی ﷺ!
 ح : حامیِ مومنوں آپ ہیں یا نبی ﷺ!
 م : مومنوں پر ہے رحمتِ بڑی آپ ﷺ کی
 د : دُور ہوتی ہے مسلم کی ہر بے کلی
 ر : رحمتِ دو جہاں آپ ﷺ کا ہے لقب
 س : سارے عالم کی تخلیق کا ہیں سبب
 و : وائی بے کساں آپ ﷺ ہیں بالیقین
 ل : لطف کی آپ ﷺ کے، کوئی حد ہی نہیں
 ا : اب ہماری طرف بھی نظر کیجئے

ل: لب پہ ہے التجا ، اس کو سُن لیجئے

ل: لیں ہماری خبر ، پھول ہے کہہ رہا

ہ : ہم پہ چشمِ کرم ہو حبیبِ خدا ﷺ!

(شاعر: تنویر پھول، ماخوذ از مجموعہء حمد و نعت و منقبت ”انوارِ حرا“ (۳۰۴ صفحات پر

مشتمل)، مطبوعہ جولائی ۱۹۹۷ء)

”مُرسلِ اکرم ﷺ“ کے زیر عنوان ”صنعتِ عاطلہ“ یعنی غیر منقوطہ (جس میں کوئی نقطہ

استعمال نہ ہو) میں ایک نعت جو بچوں کے لئے بھی ہے:

احمد ﷺ ، حامد اور مکرم مُرسلِ اکرم ﷺ ، سرورِ عالم
اسمِ محمد ﷺ ، اعلیٰ ، اولیٰ وہ ہے ہوا ممدوح مولیٰ
مسلمِ عاصی کے وہ سہارے حامی ہوئے سرکارِ ﷺ ہمارے
ہر رہرو اس در کا سوالی راہ دکھائے ہادی ء عالی ﷺ
والی، ماویٰ ہے وہ ﷺ ہمارا اسمِ محمد ﷺ دل کا سہارا
وہ عالی ہے ، وہ اعلیٰ ہے اُس سے طلوعِ ماہِ حرا ہے
اس کی مہکِ اطہر و معطر عالمِ کامل ، مُرسلِ داورِ ﷺ
مسعودِ عالم اسمِ اُس کا محمودِ آدم اسمِ اُس کا
اللہ اللہ اُس کے کرم سے دُور ہوئے دکھ ہر مسلم کے
رحم و کرم اور عدل ہے اعلیٰ گُل کا ہے دل کملی والا ﷺ
عالی ہے سرکارِ دو عالم اور احمد ﷺ سردارِ دو عالم
وہ ﷺ محمود ، مکرم ، عادل وہ ﷺ اُمّی ، طہ اور کامل
احمد ﷺ ، اول اور ولی وہ ﷺ داعی ، مدعو اور حاجی وہ ﷺ
اولیٰ، مطہر اور محرم آمر ، مُرسل ، ہادی ء عالمِ کامل ﷺ
لاکھوں درودوں کی دو سلامی اعلیٰ ہے وہ اسمِ گرامی
مدحِ محمد ﷺ کے ہم عادی
دل کی کلی ہے اس سے کھلا دی

(مندرجہ بالا نعت میں حضور ﷺ کے توصیفی نام استعمال ہوئے ہیں جو بچوں کے لئے ابتدائی قرآنی قاعدہ ”یسرنا القرآن“ میں بھی موجود ہیں)
(شاعر: تنویر پھول، ماخوذ از مجموعہ ”نعت“ ”تذیلِ حرا“، مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۳ء)
بچوں کے لئے ایک اور نعت:

نعت اشکوں سے لکھوں اور سحر ہو جائے
زندگی اُن ﷺ کی ثنا میں ہی بسر ہو جائے
آرزو ہے مجھے مل جائے غلامی کا شرف
یہ کرم آپ ﷺ کا سرکار ﷺ! اگر ہو جائے
اک تڑپ دل میں اُٹھی، یاد مدینہ آیا
اب مدینے کا مجھے اذن سفر ہو جائے
آنے جانے کا یہ قصہ ہی سمٹ جائے گا
آپ ﷺ کے حکم سے طیبہ میں جو گھر ہو جائے
ہو میسر جو مجھے خاکِ مدینہ یا رب!
میرا مدنِ مرے آقا ﷺ کا نگر ہو جائے
کام بگڑے ہوئے بن جائیں گے اس کے طاہر!
جس کی جانب مرے آقا ﷺ کی نظر ہو جائے

(شاعر: طاہر سلطانی، ماخوذ از حمدیہ و نعتیہ انتخاب ”ارمغانِ حمد و نعت“، مطبوعہ شعبان المعظم

۱۴۲۸ھ، مطابق ۲۰۰۷ء)

ایک اور خوب صورت نعت ملاحظہ کیجئے:

مری سوئی ہوئی قسمت اگر بیدار ہو جائے
جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا خواب میں دیدار ہو جائے
ملے گی دولتِ عشقِ الہی آپ ﷺ کے در سے
مری جانب اگر چشمِ کرم اک بار ہو جائے
مجھے ہر ماسوا سے توڑ کر اپنا بنا لو تم ﷺ
مرے مولیٰ ﷺ! مجھے حاصل تمہارا پیار ہو جائے

اسے دنیا و دیں کی سرفرازی پھر سے حاصل ہو
 کرم کی اک نظر اُمت یہ اب سرکارِ ﷺ! ہو جائے
 وہی نجم الہدیٰ جو آپ ﷺ کے در کا بھکاری ہے
 سہارا آپ ﷺ دیں تو اس کا بیڑا پار ہو جائے
 (شاعر: پروفیسر ڈاکٹر نجم الہدیٰ، فروری ۱۹۷۹ء کی نعت، ماخوذ از تحقیق مقالہء پی ایچ، ڈی۔ مقالہ نگار: ڈاکٹر ثریا جہاں ایم اے، پی ایچ، ڈی)
 بچوں کے لئے ایک اور دلکش نعت:

جس جگہ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ نہ ہوا روشنی کا بھی سلسلہ نہ ہوا
 جس نے جانا نہیں محمد ﷺ کو وہ خدا سے بھی آشنا نہ ہوا
 نعت لکھی تمام عمر مگر 'حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'
 در بدر ہو گیا زمانے میں جس کا اُس در سے واسطہ نہ ہوا
 پیر رکھتا ہے جو محمد ﷺ سے کیا وہی دشمنِ خدا نہ ہوا؟
 ہم نے اپنے نبی ﷺ کے صدقے میں رب سے مانگا تو کیا عطا نہ ہوا!
 شاہ کیا؟ خاک ہو گا دنیا میں آپ ﷺ کے در کا جو گدا نہ ہوا
 شبِ معراج ہے سداے دل!
 کیا خدا آپ ﷺ پر فدا نہ ہوا؟

(شاعر: امان خان دل، ماخوذ از مجموعہء نعت "شہرِ لواک ﷺ"، مطبوعہ ۱۴۲۷ھ، مطابق ۲۰۰۶ء)
 ایک اور خوب صورت نعت ملاحظہ کیجئے:

کہاں تک اٹھاؤں ستم یا محمد ﷺ! مٹا دو مرے رنج و غم یا محمد ﷺ!
 تمہارا وسیلہ ہے درکارِ مجھ کو میں ہوں اور بحرِ الم یا محمد ﷺ!
 بنا دو مقدرِ خدا بنا دو مری سمتِ چشمِ کرم یا محمد ﷺ!
 خطا کار ہوں پھر بھی میں ہوں تمہارا سرِ حشر رکھنا بھرم یا محمد ﷺ!
 بیاں کیا ہو رتبہ کہ عرش بریں پر تمہارے ہیں نقشِ قدم یا محمد ﷺ!
 رقم صرف مدحت کرے جو تمہاری عطا ہو مجھے وہ قلم یا محمد ﷺ!
 صدا دے رہی ہے مری سانسِ اختر
 کرم یا محمد ﷺ! کرم یا محمد ﷺ!

(شاعر: پرویز اختر، ماخوذ از مجموعہء نعت ”صاحبِ معراج ﷺ“، مطبوعہ ۱۴۲۳ھ، مطابق ۲۰۰۲ء)
ایک اور دلکش نعت ملاحظہ کیجئے:

تم سیرت سرکار ﷺ کو اپنا کے تو دیکھو
طیبہ کی طرف ایک قدم آ کے تو دیکھو
منزل تمہیں مل جائے سرِ راہِ مدینہ
دنیا کی محبت سے تم اکتا کے تو دیکھو
پائیں گے سبھی دل میں محمد ﷺ کی محبت
تم اُن ﷺ کی محبت کبھی سمجھا کے تو دیکھو
بھر جائے گا نعت سے تمہارا تہی دامن
سرکار ﷺ کے آگے اسے پھیلا کے تو دیکھو
گر اسمِ محمد ﷺ کا اثر دیکھنا چاہو
ہر وقت زبانی اسے دُہرا کے تو دیکھو
رحمت کا خزانہ تمہیں مل جائے گا آتی
میلاد کی محفل میں کبھی جا کے تو دیکھو

(شاعر: آسی سلطانی، ماخوذ از حمدیہ و نعتیہ انتخاب ”ارمغانِ حمد و نعت“، مطبوعہ ۱۴۲۸ھ، مطابق ۲۰۰۷ء)

ایک اور سلیس و خوب صورت نعت:

ہوا خاتمہ دہر سے تیرگی کا کرشمہ ہے یہ آپ ﷺ کی زندگی کا
پتا دے کے منزل کا دونوں جہاں کی کیا حق ادا آپ ﷺ نے رہبری کا
زمین باقی اُس کے لئے قید خانہ ہوا جو کہ عاشقِ دیارِ نبی ﷺ کا
حروفِ سنہری میں لکھنے کے لائق ہے فرمانِ ہر اک ہمارے نبی ﷺ کا
قناعت کا پابند انساں اگر ہو کبھی دل میں خدشہ نہ ہوگا کمی کا

گھر! اپنے اعمال کی تم خبر لو
کہ گھر ہو گا جنت میں بس متقی کا

(شاعر: گہرا عظمیٰ، ماخوذ از مجموعہ ”نعت“ حضور ﷺ میرے، ایوارڈ یافتہ)
یہ وضاحت ضروری ہے کہ شعراء کا نعتیہ کلام پیش کرنے میں کسی خاص ترتیب کو مد نظر نہیں رکھا گیا ہے۔

مختصر بحر میں بے ہوش محبوب نگری کی ایک نعت جسے بچے آسانی سے یاد کر سکتے ہیں:

یادِ طیبہ آئی ہے زیستِ جگمگائی ہے
بعدِ حقِ دو عالم میں شانِ مصطفائی ہے
دنیا اُن ﷺ کے صدقے میں نور میں نہائی ہے
نسبتِ شہِ والا ﷺ در پہ کھینچ لائی ہے
اُس کو مل گئے آقا ﷺ جس نے لو لگائی ہے
خوب نعت ہے بے ہوش! تو نے جو سُنائی ہے

امام احمد رضا خان بریلوی کی ایک مشہور و مقبول نعت کے کچھ اشعار:

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ سب سے بالا و والا ہمارا نبی ﷺ
اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی ﷺ دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی ﷺ
بزمِ آخر کا شمعِ فروزاں ہوا نورِ اول کا جلوہ ہمارا نبی ﷺ
مجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی ﷺ
جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی ﷺ
قرونِ بدلی رسولوں کی ہوتی رہی چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبی ﷺ
کون دیتا ہے؟ دینے کو منہ چاہئے دینے والا ہے سچا ہمارا نبی ﷺ
مُلکِ کونین میں انبیاءِ تاجدار تاجداروں کا آقا ہمارا نبی ﷺ

جس نے ٹکڑے کئے ہیں قمر کے، وہ ہے

نورِ وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی ﷺ

حاجی امداد اللہ مہاجر کی استاد مولانا قاسم نانوتوی و مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک سلیس

نعت جو ”کلیاتِ امدادیہ“ میں موجود ہے:

یا رسولِ کبریا ﷺ! فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ ﷺ! فریاد ہے
آپ ﷺ کی امداد ہو، میرا یہ حال یا نبی ﷺ! ابتر ہوا، فریاد ہے

سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل اے مرے مشکل کشا ﷺ! فریاد ہے
چہرہء تاباں کو دکھلا دو مجھے تم ﷺ سے اے نورِ خدا! فریاد ہے
قیدِ غم سے اب چھڑا دیجئے مجھے یہ شہِ ہر دو سرا ﷺ! فریاد ہے
اب بطور نمونہ مختلف شعراء کے منتخب نعتیہ اشعار:

نیکی کی لذتوں سے ہمیں آشنا کیا نفرت دلوں میں آپ ﷺ نے ڈالی گناہ کی
کنکر پُکار اُٹھے کہ محمد ﷺ رسول ہیں حاجت صداقتوں کو ہوئی جب گواہ کی
ضبیحِ رحمانی

نہ پوچھو، خود کو کیا پایا ہے میں نے محمد ﷺ لکھ کے جب چوما ہے میں نے
مدینے کو فقط دیکھا نہیں ہے مدینے کو بہت سوچا ہے میں نے
ماجد خلیل

البتا ہے رسولِ اکرم ﷺ سے چارہ سازِ ہر ایک عالم سے
دورِ غم چلے ہوں تمام دنیا کے نقشِ پا پر چلوں میں آقا ﷺ کے
عزیزِ احسن

ہر قدم پر کیوں نہ رکھیں فاصلہ دشمن تمام حُلقِ آقا ﷺ سے ہو جب دل کا حرارِ روشن تمام
قمر وارثی

خود خدائے برتر کو فخر ہے محمد ﷺ پر نازشِ دو عالم ہے آمنہ کا شہزادہ ﷺ
اسلم فریدی

رسولِ گرامی ﷺ کے جلووں سے اب تک ہے پُر نور غارِ حرا اللہ! اللہ!
جمیل عظیم آبادی

سر درِ اقدس پہ رکھ کر نیند آجائے اثر! ایسی قسمت چاہئے، ایسا مقدر چاہئے
عبدالجبار اثر

سہ ماہی ”مفیض“ کے تبصرہ نعت نمبر میں احسان اللہ طاہر لکھتے ہیں:

”قیومِ نظر نے اُردو اور پنجابی میں بہت کچھ لکھا، انھوں نے بڑوں اور بچوں کے لئے بھی
ادب تخلیق کیا۔ اُن کی نظموں اور نعتوں کو آج بھی ہمارے اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ بچوں
کے لئے ادب تخلیق کرنا کتنا مشکل کام ہے اس کو بچوں کی ذہنی سطح پر آکر لکھنے والا ہی محسوس کر سکتا

ہے کیونکہ تخلیق کار کو اپنی تخلیق میں بچوں کی عمر اور اس عمر کے تقاضوں کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے اور ان کی ذہنی قبولیت کے لفظوں کے ذخیرہ کو بھی۔ ان سب باتوں کو قیومِ نظر نے ایک ماہرِ نفسیات کی طرح پہلے سمجھا ہے اور پھر شعوری طور پر بچوں کے لئے نعتیں تخلیق کی ہیں۔ قیومِ نظر کی نعتوں میں فکری طور پر بڑا تنوع ہے، انھوں نے بچوں کو سمجھانے کے انداز میں بڑی سادہ بیانی سے کالی کملی والے آقا ﷺ کی سیرت کو بیان کیا ہے اور آپ ﷺ کی سیرت و سنت کے اُن پہلوؤں کو اپنی نعتوں میں منظوم کیا ہے جو کہ زندگی میں قدم قدم پر ہمارے کام آتے ہیں۔ اپنے مجموعے ”نعتیں“ میں قیومِ نظر نے زبان بہت ہی سادہ اور لفظ بچوں کی سمجھ میں آنے والے لکھے ہیں بلکہ نعتیں ایسی لکھی ہیں کہ بچوں میں بھی نعت لکھنے اور ایسے سادہ شعر بنانے کا شعور اُجاگر ہونے لگ جاتا ہے جیسے یہ اشعار دیکھیں:

ہر اک مقام سے ہے اونچا مقام اُن ﷺ کا
صادق ہیں، وہ امیں ہیں، رحمت ہے نام اُن ﷺ کا

رحمت ہیں وہ سراپا، ہے فیض عام اُن ﷺ کا
اسلام بن کے پہنچا گھر گھر پیام اُن ﷺ کا
قیومِ نظر نے اپنی نعتوں میں بچوں کو اسلام کے بنیادی ارکان سے بڑے آسان لفظوں میں آگاہی دی ہے اور بچوں کے ذہن و فکر میں ایسے بنیادی نقوش کو
قلب شاداں ہے سنہری جالیوں کے سامنے
روح فرحاں ہے سنہری جالیوں کے سامنے

اک بار جو درود پڑھے اُن ﷺ کی ذات پر
دس بار کرد گار کا اُس پر سلام ہے

عابد! ملی ازل میں مجھے نعتِ مصطفیٰ ﷺ
عنوان کیا حسیں ہے مری سرنوشت کا
بچوں کے ادب میں خالد بزمی کا نام بھی شامل ہے، اُن کے نعتیہ اشعار:

بزمی! وہ ﷺ جن کا آپ خدا مدح خوان ہو
انسان آنحضور ﷺ کی تعریف کیا کرے

دیکھنے میں آرہی ہے اب جو اس دنیا کی رو
اس میں ہر انسان کو درکار ہے طیبہ کی وضو
کس نے بخشا عصر حاضر کے تقاضوں کا شعور
کس کی تعلیمات ہیں تازہ بہ تازہ، نو بہ نو

تم پیکرِ اخلاق کا عنوان بنا دو
لکھنا ہے اگر آپ ﷺ کی سیرت پہ مقالہ
گر آپ ﷺ کی سیرت پہ عمل ہو تو ملے گا
آنکھوں میں کوئی اشک نہ لب پر کوئی نالہ

راقم الحروف کی ادبی سرگرمیوں کا آغاز مارچ ۱۹۵۷ء سے ہوا اور پہلی شعری تخلیق اپریل ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔ پہلی نعت کی سعادت ۱۹۶۳ء کے وسط میں حاصل ہوئی جو بچوں کے ماہنامہ ”غنچہ“ کراچی شمارہ جولائی ۱۹۶۳ء کی زینت بنی، ملاحظہ کیجئے:

ہماری نگاہوں کے تارے محمد ﷺ ہمیں اپنی جاں سے ہیں پیارے محمد ﷺ
غریبوں کے حامی، یتیموں کے والی سراپا ہیں رحمت ہمارے محمد ﷺ
انھیں ﷺ پر جمی ہیں جہاں کی نگاہیں بنے ہیں دلوں کے سہارے محمد ﷺ
نہ ہوتے اگر وہ ﷺ، یہ دنیا نہ ہوتی خدا کے چہیتے، دُلا رہے محمد ﷺ
بھنور میں پھنسا ہے سفینہ ہمارا اسے اب لگائیں کنارے محمد ﷺ
نہیں اُن ﷺ سے بزرگ کوئی اس جہاں میں دو عالم سے افضل ہمارے محمد ﷺ
شفاعت ہماری کریں روزِ محشر یہی التجا اک ہے پیارے محمد ﷺ!
ذرا پھولِ عاصی کی بھی اب خبر لو
کہاں جائیں ہم غم کے مارے، محمد ﷺ

راقم الحروف کی والدہ مرحومہ کی خالہ جو مشہور ادیب اور ماہر جمالیات پروفیسر ڈاکٹر شکیل الرحمن کی بڑی بہن تھیں، بچوں کے لئے محفل میلاد شریف منعقد کرتی تھیں۔ راقم کی عمر اُس وقت تقریباً سات سال تھی مگر یادیں ذہن کے گوشے میں محفوظ ہیں۔ اگر آج بھی بچوں کے لئے ایسی محافل کا انعقاد کیا جائے تو وہ بچپن کے زمانے سے ہی نعت کے خوگر ہو جائیں۔ میرے ذخیرہ کتب کا بہت بڑا حصہ یہاں یعنی امریکا میں میرے پاس موجود نہیں اس لئے اس مضمون میں میری نعتوں کا حوالہ نسبتاً زیادہ ہے۔ ماہنامہ ”بچوں کی دنیا“ لاہور شمارہ اگست ۱۹۶۴ء اور جنوری ۱۹۶۵ء میں شائع شدہ میری نعت جو مختصر بحر میں ہے:

نبیوں کے سردار محمد ﷺ اُمت کے غم خوار محمد ﷺ
 دین کی دولت آپ ﷺ سے پائی آپ ﷺ نے سیدھی راہ دکھائی
 رحمتِ عالم ﷺ بن کر آئے دین کی خاطر پتھر کھائے
 ظلم و ستم کا نام مٹایا نیکی کا گلشن مہکایا
 آئے گا جب روزِ قیامت ہم پر ہوگی آپ ﷺ کی رحمت
 آقا ﷺ ہیں سرکارِ دو عالم آقا ﷺ ہیں سردارِ دو عالم
 آقا ﷺ ہی محبوبِ خدا ہیں آقا ﷺ پر ہم دل سے فدا ہیں
 باطل کی ظلمت کو مٹایا ہر سو نورِ حق پھیلایا
 آپ ﷺ کی جو کرتے ہیں اطاعت اُن کی کریں گے آپ ﷺ شفاعت
 پھول پہ آقا ﷺ! چشمِ کرم ہو دُور خدا را سارا غم ہو
 ماہنامہ ”کھلونا“ شمارہ مئی ۱۹۶۵ء میں شائع شدہ راقم الحروف کی ایک اور نعت:

محمد ﷺ ہمیں جان و دل سے ہیں پیارے قیامت کے دن عاصیوں کے سہارے
 ہمیں اپنے در پر بلا لیں محمد ﷺ! کہاں جائیں ہم درِ وفرت کے مارے
 ہوئی جاتی ہے غرقِ اُمت کی کشتی اسے اب خدا را لگائیں کنارے
 ہماری طرف چشمِ رحمت ہو آقا ﷺ! ہیں کافی تمھاری نظر کے اشارے
 وجود آپ ﷺ کا ہے سکونِ دل و جاں کہ ہیں آپ ﷺ میری نگاہوں کے تارے
 ہمیں تحفہٗ حق دیا آپ ﷺ نے ہی ملے ہم کو قرآن کے تمیں پارے
 خدا نے عطا کی ہیں تسنیم و کوثر کہ ہیں آپ ﷺ بے شک خدا کے دُلا رے

نہ ہوتے اگر آپ ﷺ، کچھ بھی نہ ہوتا نہ شمس و قمر اور نہ روشن ستارے
 کئے رب نے پیدا محمد ﷺ کی خاطر یہ دریا، یہ جنگل، یہ گلزار سارے
 الہی! عطا کر محمد ﷺ کا صدقہ ترے در پہ ہیں ہاتھ اپنے پیارے
 یہی پھول عاصی کی ہے اب تمنا خدا بخش دے سب معاصی ہمارے
 مختصر بحر میں ایک نعت جو ماہنامہ ”بچوں کی دنیا“ شمارہ جنوری ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی:

سارے جہاں کے رہبر اللہ کے پیہر ﷺ!
 پھرتا ہوں مارا مارا چشمِ کرم! خدا را
 سر چشمہء محبت سب کے لئے ہی رحمت
 اے کاش! یا محمد ﷺ! بر آئے دل کا مقصد
 کہتا ہے پھولِ احقر چشمِ کرم ہو مجھ پر
 آخر میں ”غنیچہ“ سے یکتا امر وہوی کی نعت کے دو اشعار:

نہیں کیا شہِ دو جہاں آپ ﷺ کا زمیں آپ کی آسماں آپ ﷺ کا
 اسے بھولنے گا نہ محشر کے روز یہ یکتا بھی ہے مدح خواں آپ ﷺ کا

پروفیسر مولابخش (علی گڑھ)

اقبال سہیل اور موج کوثر: نام محمد کا شعری وظیفہ

نعتیہ قصیدہ یا نعتیہ شاعری کی جملہ صورتیں اس امر کا اعلان کرتی ہیں کہ کوئی بھی متن خالص نہیں بلکہ ہر متن بین متن کا مظہر ہے۔ یعنی شاعری یا ادب اپنے اسلوب اور طرز احساس کی وجہ سے ہی عظیم قرار پاتا ہے۔ غزل میں دیکھئے مضامین متحدہ کا سیلاب ہوتا ہے مضامین مختلفہ تو چند خوش قسمت شعرا کے یہاں ہی بمشکل نظر آئے اور یہ مضامین تخیلہ بھی کیا ہیں وہ جو قاری کے حافظے سے سرک کر تحت الشعور کا حصہ بن چکے ہوتے ہیں۔ قصیدہ گو وہ مذہبی عظیم المرتبت شخصیات کا ہو، انبیاء، صحابہ، ائمہ، صلحا کا ہو یا کسی بادشاہ، وزیر یا صاحب حیثیت کا یہاں یہ تو طے ہے کہ تعریف یا ہجو کی جائے گی یعنی مضمون سبھی کے تقریباً طے شدہ ہوتے ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ان میں کوئی خاقانی تو کوئی سودا تو کوئی محسن کا کوروی اور کوئی اقبال تو کوئی اقبال سہیل صرف اس لیے بن جاتا ہے کہ وہ زبان و بیان کی طرفگی اور مصرعوں کے معنوی تیوروں کا خیال رکھتے ہوئے طے شدہ مضمون میں معنی کے نئے کرن کو محسوس کر لیتا ہے یعنی کسی ایک مظہر یا ممدوح کی ذات کو اپنے نقطہ نظر سے دیکھنے کا فنی ہنر رکھتا ہے۔ جیسے معراج کا واقعہ نعت میں مشہور ترین مضمون بنتا آیا ہے۔ اسے اقبال نے نئے معنوی تیور میں کچھ یوں دیکھا:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہاں حضور ﷺ کو عظمت انسانی کی دلیل بنا کر کیونکر پیش کیا گیا

ہے۔ علامہ اقبال ہی کی طرح اقبال سہیل نے نعتیہ قصیدوں، مثنویوں، قطعات، منقبتوں، نعتیہ

نموسوں اور غزلوں میں معنویاتی درون اور طرفگی خیال کے سہارے عشق رسول سے متعلق جذبات و

احساسات کی نغمہ دلوں چھیڑا ہے جو اپنے سننے اور پڑھنے والوں کو شاہ عرب ﷺ کی محبت اور

سر شاعری کے متبرک عالم میں لے جانے کا براق بن جاتا ہے۔
نعتیہ ادب کے ایک نقاد ڈاکٹر عزیز احسن نے اپنی کتاب ”اردو نعت اور جدید اسالیب“ میں لکھا ہے:

”اردو کی نعتیہ شاعری میں شاعرانہ رویے کا شروع ہی سے فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میدان میں بڑی شاعری اب تک صرف ایک خواب ہے جو شرمندہ تعمیر ہونے کے لیے شعرا کو مسلسل دعوت دے رہا ہے۔“ (عزیز احسن، اردو نعت اور جدید اسالیب (۱۹۹۸ء) فضلی سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، اردو بازار کراچی ص: ۳۴)

اس خیال سے اتفاق کرنا ذرا مشکل ہے لیکن یہ سچ ہے کہ نعت کہتے وقت نانوے فیصد شعرا شعریت کو ذہن میں نہ رکھتے ہوئے کھوکھلی تعریفوں اور ثواب پر نظر رکھتے ہیں۔ لیکن اردو میں اس ذیل میں کسی حد تک حالی اور بڑی حد تک اقبال، محسن کا کوردی، امام احمد رضا اور اقبال سہیل کے علاوہ حالیہ زمانہ میں بھی چند شعرا نعتیہ شاعری کے ذریعے عام شاعری کے معیاروں سے آگے جانے کی مثالیں فراہم کی ہیں۔ اقبال سہیل کے نعتیہ قصیدے زبان و بیان اور شکوہ بیان کے لحاظ سے اردو میں اعلیٰ شاعری کا نمونہ تو ہیں ہی نعت کہنے کا پیمانہ بھی وضع کرتے نظر آتے ہیں۔ زیر غور ”موج کوثر“ صنف قصیدہ کے صوری و معنوی ابعاد و عناصر کو فنی طریقے سے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ہر چند کہ یہ قصیدہ قصیدے کی اس قسم سے تعلق رکھتا ہے جہاں تشبیب نہیں ہوتی۔ قصیدہ گوراست طریقے سے مدح سرائی سے ہی قصیدے کا آغاز کرتا ہے اور دعا پر قصیدہ اختتام کو پہنچتا ہے لیکن اقبال سہیل کے دیگر نعتیہ قصائد میں بہاریہ، فلسفیانہ اور حکمت سے معمور سودمند علوم سے متعلق تشابیب کے علاوہ گریز کی فنی صورتیں اگر بہت اعلیٰ نہیں تو کم از کم اس پائے کی ضرور ہیں جنہیں قارئین حیرت سے پڑھتے ہوئے ایک خاص نوع کی جمالیاتی کیف کے ساتھ رسالت مآب ﷺ کے قریب خود کو محسوس کریں۔

اقبال سہیل اپنے قصیدوں میں اپنے مدوح کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں، اگر بغائر نظر سے دیکھیں تو ان کے نعتیہ قصائد میں ملک کے مسائل، اپنی قوم کی زبوں حالی اور ملک کی غلامی سے نالاں اور انگریزوں کے استبدادی نظام، کالونیل جبر کا دکھ سرور کائنات سے مخاطب نظر آتا ہے۔ ان کے قصیدے مشرقی اقدار کی بازیافت اور نوآبادیاتی آقاؤں کی ذہنیت کا پردہ فاش یوں کرتے

ہیں کہ وہ دنیا کے ایک ایسے انسان کے حضور قاری کو لے جاتے ہیں جس کا نام پوری دنیا میں ایک ہی وقت میں بلند میناروں سے پکارا جاتا ہے اور جس نے دنیا میں اللہ کا غلام بننے کے علاوہ کسی بھی ہستی کی غلامی سے نجات کا راستہ دکھایا ہے۔ دیکھئے اپنے عہد کی انگریزی سیاست اور اس کے خلاف آزادی کی سیاسی جدوجہد کس طرح نعت نبی کے مندرجہ شعر کی بندشوں میں معنی کی لاشعوری جہتوں کو مترشح کرتے نظر آتے ہیں۔

باغ جہاں کا حارس نامی جس نے مٹائی رسم غلامی
پھر سے سنوارا گلشن آدم صلی اللہ علیہ وسلم
'پھر سے سنوارا گلشن آدم' مصرعے کا آدھا پونٹ دنیا کو سنوارنے کے جتن اور سنت نبوی ﷺ کی ادائیگی کے نئے سیاق کی طرف قاری کو لے جاتا ہے۔ یعنی گلشن آدم کو سنوارنے کی صورت انہیں ہندوستان کو انگریزوں سے پاک کرتے ہوئے تحریک آزادی میں نظر آئی۔ آگے سینے حضور کی ذات اقدس نے جہاں ان گنت عجوبے بطور اصلاح کیے ان میں سے ایک دویہ بھی ہیں:

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلم
فرد و جماعت، زمر و اطاعت کسب وقناعت، عفو و شجاعت
حل کیے جو اسرار تھے مبہم صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے شعر میں توحید کا فلسفہ اور ایک خدا سے رشتے جوڑنے کی بابت خیر سر تا پایا سیاست مدن کا بھی سیاق رکھتا ہے کہ قوم اسی توحید کی بنیاد پر خلق ہوتی ہے۔ دوسرے شعر میں عطفی مرکبات، فرد و جماعت، امر و اطاعت، کسب وقناعت، عفو و شجاعت اپنی جگہ مستقل سماجی، سیاسی اور روحانی فلسفے کی جہت رکھتے ہیں۔ فرد اور جماعت میں سے کون اہم کون غیر اہم، ان کے مابین جدلی رشتہ ہے یا تکملے کا۔ جماعت کے بغیر فرد اور فرد کے بغیر جماعت کے معنی کیا ہوں گے۔ یعنی خودی بغیر بے خودی کیا معنی رکھتی ہے شاید کچھ نہیں اور یہ کہ جماعت کے لیے خودی کے لیے فرد/خودی کی تشکیل کا جذبہ ہی اصل فرد و جماعت کا جوہر ہے۔ حکم کون دے کیوں دے اور کس طرح کا حکم دے۔ اطاعت کب بزدلی ہو جاتی ہے کب کارثواب، یہ حضور نے ہی ہمیں سکھایا۔ صبر کے اصل مفہوم کیا ہیں اور عمل کسب کی شرعی جہت کیا ہیں۔ معاف کون کر سکتا ہے، کسی کو معاف کرنا کیونکر شجاعت کا جوہر ہے۔ درج مصرعے میں اقبال سہیل نے انسانیت کے جوہر

کے فلسفے کو کشید کر کے رکھ دیا ہے اور مرثدہ سنایا ہے کہ ان غیر واضح فلسفوں اور تصورات کو آقائے دنیا میں آکر بالکل دو اور دو چار کی طرح سمجھا دیا۔

یہ موج کوثر یعنی قصیدہ میمہ سے ماخوذ چند ان اشعار سے ماخوذ نمونے تھے جن میں مادح یعنی اقبال سہیل نے رسالت مآب کی انسانیت کے تین خدمات اور کارنامے گنوائے ہیں۔ یہ طویل بلکہ اقبال سہیل کا سب سے طویل قصیدہ ہے جس کی ردیف درود شریف ہے۔ اس قدر کے طویل قصیدے میں قافیے کو نبھانا اور خود کو مغالطے کے عیب سے بچائے رکھنا یعنی اگر دوبارہ یا سہ بارہ کسی قافیے کو اگر باندھا ہے تو قافیے یعنی لفظ کے معنی اور مزاج کو بدل دینے میں کامیابی حاصل کرنا، قارئین کو انہیں داد و تحسین دینے پر مجبور کرتا ہے۔

دوسری خوبی اس قصیدے کی یہ ہے کہ فعل فعلن فعلن فع کی مثنی صورت کو یعنی آٹھ رکن کو چار چار میں بانٹ کر ہر چار رکن میں قافیے کا التزام رکھا ہے اور بہت سے ایسے اشعار ہیں جن میں قافیوں کی برسات ہے یعنی Internal Ryhme برائے لفظی تکرار ہی نہیں بلکہ معنی آفرینی کا ذریعہ بنتے نظر آتے ہیں۔ اس ذیل میں موج کوثر سے ماخوذ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بزم ملل تھی نظم سے خالی بکھرے ہوئے تھے حق لالی
اس نے کیے سب آ کے منظم صلی اللہ علیہ وسلم
حفظ مراتب پاس اخوت سعی و توکل رفق و فتوت
تلك حدود اللہ میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم
الفت قربی، قطع علاق، حب وطن اور حب خلایق
کردیے سب توحید میں مدغم صلی اللہ علیہ وسلم

مذکورہ اشعار کے مصرع اول میں خالی، لالی، اخوت فتوت، علاق خلایق، اتنے طویل قصیدے کے ہر شعر کے مصرع اول میں قافیے کے اس التزام کی وجہ سے شعر کی معنیاتی حسن پر فرق پڑنا لازمی تھا۔ لیکن حیرت ہے اقبال سہیل نے اس التزام کو معنی آفرینی کا ذریعہ بنا لیا ہے جس کی داد فن کے استاد اور اساتذہ نے انہیں دی ہے۔ جیسے اسلم جیراچری، افتخار اعظمی، مرزا احسان بیگ، شاہ معین الدین احمد ندوی اور عطیہ خلیل عرب کے علاوہ نعت کے ہمعصر نقاد جیسے صبیح رحمانی کے توسط سے انور سدید اور عزیز احسن وغیرہ۔

آئیے اب ذرا قافیوں کی بہار اور اس کے معنیاتی حسن کا مظاہرہ کریں۔

اسوہ اجمل، دین مثل، نطق مدلل، وحی منزل
 شرع معدل، سلم مسلم صلی اللہ علیہ وسلم
 مقصد امکاں، مہبط قرآن، منبع احسان، مرجع دوراں
 روح کے درمیاں قلب کے مرہم صلی اللہ علیہ وسلم
 باطن و ظاہر، طیب و طاہر، خسر و قاہر، کوکب باہر
 جان مظاہر مرکز عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 گزردقائق، حصن حقائق، جان حقائق، روح خلائی
 سب پر فائق سب پر اقدم صلی اللہ علیہ وسلم
 مہر رسالت، مہر جلالت، عین عدالت، خضر دلالت
 اے بہ کمال ناطقہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نے قافیہ در قافیہ کی مذکورہ بالا صوتی جھنکار اور ان میں موجود معنی آفرینی کے سیاق و سباق کو ملاحظہ فرمایا۔ شعر نمبر (۳) دیکھیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ جن لفظوں کو قافیہ کیا ہے وہ محض صوتی جھنکار نہیں معنوی جھنکار اور معنی آفرینی کا ذریعہ بنے ہیں۔ کہا ہے کہ آقا کو کہ آپ جان مظاہر ہیں۔ اشارہ یہ ہے کہ وہ کائنات کی روح ہیں۔ ہم خاک کی عام انسان ظاہر و باطن میں توازن نہیں رکھ پاتے۔ اس بات پر جھگڑنے لگتے ہیں کہ رسول عربی روح ہیں یا جسم یا جسم و روح معراج روحانی ہے یا جسمانی۔ ذرا غور کیجئے ذوقائیتین کا التزام سیرت نبوی کے عجائب کو کتنے با اثر بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں یا انہیں چشم بصیرت سے دیکھنے کا ملکہ اپنے قارئین یا سامعین میں کیونکر پیدا کرتے ہیں۔ کوکب باہر کہہ کر حضور کی ذات کے وصف کو دو چند کر دیا ہے اور وہ یہ کہ ہر چمکتی شے کو دیکھنے کے بعد نہ جانے کیوں ہمیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ وہ باہر سے چمکیلی تو ہے اندر سے کیسی ہوگی ہم اس شے کے پورے وجود کو روشن خیال کرتے ہیں یعنی حضور کو ہم ظاہر و باطن کی اصطلاحوں میں بانٹ کر نہیں دیکھ سکتے بھلا سورج میں اندر سے خالی اور باہر سے آگ سے بھری ہوئی ہے، ایسا خیال ہمارے ذہن میں کیوں نہیں آتا۔ وہ اندر اور باہر سے ہمیں یکساں ہی تو نظر آتا ہے۔

کوکب باہر کو دیکھئے کوکب ستارہ جیسے ہی ذہن میں آتا ہے روشن ہوتا ہے اس میں جوڑا ہے باہر اور جس کے معنی چمک اور روشنی کے ہیں۔ التباس بھی خوب ہے باہر سے باہر کا دھوکہ بھی ہوتا ہے کہ جو اندر سے روشن ہے وہی تو باہر بھی روشن ہے۔ ایسے حضور کی ذات کی تقسیم کے کیا معنی رہ

جاتے ہیں ان کا ظاہر اور کیا باطن دونوں یکساں ہے۔ پھر نبیؐ کو مرکز عالم کہا ہے اسے یوں سمجھئے۔ دل جسم کا مرکز ہے بھلا دل کا ظاہر اور باطن کیا ہو سکتا ہے۔ پھر جو برزخ کبریٰ ہو اسے ظاہر اور باطن کے جھیلے سے کیا مطلب۔ آپ نے دیکھا کہ اقبال سہیل قافیہ پیمائی تو کرتے ہیں لیکن قافیوں کی ترتیب سے معنی آفرینی کی ایک دنیا آباد کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے مشرقی علوم و ادبیات اور ادب العالیہ پر گہری نظر رکھنے والے نقاد ظفر احمد صدیقی نے اقبال سہیل کے نعتیہ قصیدہ ”کرے تار شعاعی لاکھ اپنی سعی امکانی“☆ افق ہوتا نہیں اب صبح کا چاک گریبان کی بلیغ مطلع ہے سودا کے اس زمین میں جو قصیدہ ہے کے بعض معائب کی وضاحت کرتے ہوئے ظفر احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ:

”گریز کے بعد مدح شروع ہوتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سہیل کے زیر بحث قصیدے کا سب سے منفرد دلکش حصہ یہی ہے۔ اس انفرادیت کے کئی پہلو ہیں۔ اول یہ کہ سہیل نے نعت کی بنیاد جن مضامین پر رکھی ہے وہ روایتی اور بار بار کے باندھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان میں پیشتر سہیل کے یہاں پہلی بار مسلک نظم میں پروئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر۔“

محمد وہ کتاب کون کا طغرہ اے پیشانی

محمد وہ حریم قدس کا شمع شبستانی

(معارف، مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ، ۱۹۵۷ء، اپریل ۲۰۱۵ء، ظفر احمد صدیقی،

اقبال سہیل کا ایک نعتیہ قصیدہ تقابلی مطالعے کے روشنی میں، ص: ۲۸۴)

ظفر احمد صدیقی نے نہ صرف سودا بلکہ سہیل کے اس قصیدے کا موازنہ محسن کا کوروی کی اس زمین میں لکھے قصیدے سے کرتے ہوئے سہیل کے قصیدے کو صوری و معنوی اعتبار سے دونوں سے بڑھا ہوا دکھایا ہے اور ساتھ ہی سہیل کے قصیدے کی کمی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نعت میں دعا کا حصہ نہیں ہے۔ جس قصیدے کا تجزیہ راقم کر رہا ہے اس قصیدے میں بھی دعا کا حصہ نہیں ہے۔ قصیدہ جس شعر پر ختم ہوتا ہے وہ یہ ہے:

نظم سہیل ان کا ہی کرم ہے ورنہ یہاں کب تاب رقم ہے

ان اللہ تعالیٰ اعلم، صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی اخیر میں اپنی شاعری کا بھی مرجع رسالت مآب کی ذات کو بتایا ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ظفر احمد صدیقی نے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ سہیل پامال مضمون کے بجائے

مضامین تازہ یا نئے مضامین زیادہ باندھتے ہیں۔ نعتیہ قصائد اور دیگر نعتیہ اصناف میں جن مضامین متحدہ پر زور ملتا ہے ان میں مدینہ اور یہاں کے مناظر، مدینہ جانے کی ٹرپ کا اظہار، کعبہ خضر کے نظارے کا اظہار حضور کے شافع محشر ہونا، دوسرے انبیاء سے آپ کا تقابل، احد سے متعلق مضامین، مدینے کا موازنہ جنت سے کرنا (جسے غیر شرعی قرار دیا گیا ہے) حضور کی کملی کا ذکر جسے ہندی شعرا نے بھکتی کا رنگ بھی عطا کر دیا ہے۔ گنبد خضر کا طواف کرتے ہوئے کبوتروں کا ذکر، حضرت جبریل کا ذکر، عشق رسول میں جبریل کی تحقیر کرنے کا غیر شرعی عمل، واقعہ معراج سے متعلق مضامین (اقبال سہیل نے معراج پر باضابطہ ایک قصیدہ لکھا ہے)

نبی کی بعثت، ولادت سعادت سے متعلق مضامین، حضور کے جمال صوری و معنوی کے مضامین، اسمائے مبارکہ، اسوۂ مقدسہ آپ کی اتباع کی آرزو، آپ کی تعلیمات، تعلق مع اللہ ان کی خدمات، عظمت، معجزات اور ان کے اصحاب کی توصیف سے متعلق مضامین، امت کی شفاعت کا التماس اور حضور کے دیدار کی تمنا سے متعلق مضامین کے علاوہ اور بھی بہت سے مضامین نعتیہ قصیدے کے مضامین متحدہ قرار پاتے ہیں۔ اقبال سہیل کے زیر نظر تجزیہ قصیدے میں حضور کے اسمائے مبارکہ اور صفات سے متعلق نئے مرکبات کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں جیسے بر مغ فارس، قدس کے رہاں، آئینہ الطاف الہی، لمعۂ قدس، مہبط قرآن، مرجع دوراں، صدر مکرم، حارس گہاں، عروہ و فلی، حاذق دوراں، جان مظاہر، حض حقائق، بحر قدم کا موج نخستیں (یعنی پرانے سمندر میں اٹھنے والی پہلی موج) آپ ایسے نادر القاب اور صفات سے متعلق تراکیب اور بھی تلاش کر سکتے ہیں جن کی حیثیت ایک استعارے کی ہے۔

بر مغ فارس، قدس کے رہاں، کشور بابل، وادی کنعاں
سب کی زباں پر مرثدہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
آئینہ الطاف الہی، رحمت جس کی لامتناہی
جس کی ہدایت ارحم ترحم صلی اللہ علیہ وسلم
لمعۂ قدس تن بے سایہ، جس کی بدولت خلق نے پایا
دین مکمل خلق منعم صلی اللہ علیہ وسلم
مقصد امکاں، مہبط قرآن، منبع احساں، مرجع دوراں
روح کے درماں قلب کے مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

شافع محشر، حاجی عصیاں، حامی مضطر، حارس گیہاں
 ساقی کوثر، وارث زمزم صلی اللہ علیہ وسلم
 سید بطحی، منبر صادق، عروہ وثقی مصحف ناطق
 برزخ کبریٰ، آیہ محکم صلی اللہ علیہ وسلم
 ابر در افشاں، سرور سامی، بدر در خشاں صدر گرامی
 حاذق دوراں چارہ گر غم صلی اللہ علیہ وسلم

منجملہ فنون سخن میں قصیدہ محض شاعری نہیں علم اور اگر نعتیہ قصیدہ ہے تو علم + عقیدت + شاعری کی شکل میں عظیم شاعری (High Poetry) کے بطور معرض وجود میں آنے والی شاعری کا نام ہے۔ وہ بھلا کیا قصیدہ جس میں سامنے کے الفاظ کی بھرمار ہو۔ قصیدہ نگاری کا ایک مقصد وہ الفاظ جو ہمارے حافظے سے معدوم ہو رہے ہوں ان کی یاد تازہ کرنا بھی ہے یعنی قصیدہ تقلیل الفاظ کی شاعری ہے نیز سرتاپا تخیلی شاعری بھی۔

بات جب مظہر کبریا کو تخیل + عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے کی سامنے آتی ہے جو نعتیہ قصیدے کی سرشت ہے تو غلو کے اور مدح میں بہک جانے کے امکانات بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ سہیل نے اپنے چشم تخیل اور عقیدت کے جذبات سے لبریز ہونے کے بعد صاحب معراج کو اپنی نظر خاص سے دیکھتے ہوئے حضور ﷺ کو کُن صفات سے متصف کیا ہے مندرجہ بالا اشعار میں تراکیب اس امر کے گواہ موجود ہیں۔ ان میں کچھ مرکبات تو وہی ہیں جو چلن میں ہیں لیکن بیشتر ان کے شعری کمالات کا اظہار ہیں۔ اتنے اجنبی الفاظ کا استعمال اس نعت میں کئے گئے ہیں کہ عام قاری تقریباً سو بار دیکھے اور عالم بھی متعدد بار۔ اس کے کیا معنی ہیں اس کے معنی ہیں کہ وہ اپنے علم اور ذخیرہ الفاظ میں اضافہ تو کرے ہی بار بار رسالت مآب کے پوشیدہ خصائص، صفات یا عجائبات پر غور کرے، محسوس کرے اور حضور کی ذات اس پر منکشف ہو جائے۔ اب بھلا بتائیں حصن حقائق کیا ہے؟ حص کے معنی فلسفے کے ہیں یعنی Philosophy of reality یہاں یہ استعارہ ہے جو شے کی اصل حقیقت کو سمجھتا ہو۔ وہ بھلا آقائے نامدار کے علاوہ کون ہے۔ جان حدائق بمعنی باغ کی جان مگر استعارہ کیا ہے اگر یہ دنیا ایک باغ ہے تو اس کی جان محمد ﷺ ہیں۔ باغ کی جان دنیا کی جان ترتیب، عدل اور بھائی چارگی اور انسانیت پسندی کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے یعنی رسول عربی ان خصائص کا منبع ہیں۔

یہ طویل نعت اسمائے صفات محمد ﷺ کا ایک دفتر ہے جسے ہم حضور کا ایک صوری اور معنوی خاکہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس میں حضور ﷺ کے ظاہر و باطن کو ایک جانتے ہوئے ان کے جسم اور روح یعنی صورت اور سیرت کو نشان زد کیا گیا ہے۔ حضور کے جسم اطہر کے جمال کا بیان جن تراکیب یا مرکبات کے سہارے کیا گیا ہے ان میں جسمِ مزی، لمحہٴ قدس، تن بے سایہ، شرحِ الم نثر، وہ سینہٴ نوری تنِ کملی میں چھپائے، انکے ابرو کیسے معلوم ہوتے ہیں کچھ اس طرح طاق عبادت ابروئے پرخم، قامت رعنا، نطقِ مدلل، خلقِ خلیلی اور نطقِ کلیسی جیسی تراکیب کے ذریعے حضور کا خاکہ اقدس پیش کیا ہے۔ یہ تو آقا کی وہ صورت ہے جسے ایک مادی نے اپنے تخیل کی آنکھوں سے دیکھا ہے لیکن مادی کی نظر میں ان کا ظاہر اور باطن ایک ہے۔

اقبالِ سہیل نے حضور کی ذات کے علاوہ ان کے شہرِ مدینہ، گنبدِ خضرا کے منظر کو اپنے ڈھنگ سے باندھا ہے۔

گنبدِ سبز کے بسنے والے ماہِ رسالت کے دوہالے
 آج بھی دونوں ساتھ ہیں ہمدِ صلی اللہ علیہ وسلم
 صدرِ امم سلطانِ مدینہ وہ جس کے کف پا کا پسینہ
 گلِ کدہٴ فردوس کا شبنمِ صلی اللہ علیہ وسلم
 دیکھئے دوسرے شعر میں نازک خیال کی حدِ کردی ہے کیسا پیکرِ حضور کا ہمارے سامنے
 رکھا گیا ہے کہ وہ گلِ کدہٴ فردوس کی شبنم ہیں۔ یعنی جنت کے پھولوں پر ٹپکنے والے شبنم کے
 مانند ہیں۔ سبحان اللہ۔

حضور کی کملی سے متعلق یہ اسلامی اور ہندی ثقافتی مدلولات کے ذریعے یعنی نوری + تن اور
 لفظِ رم جہم کے ذریعے کیسی انوکھی تصویر بنائی ہے۔

نوری تنِ کملی میں چھپائے بادل میں بجلی لہرائے
 نور کا مینہ برسائے رم جہمِ صلی اللہ علیہ وسلم
 گویا کہ موجِ کوثر میں اول حصے میں حضور کے اوصافِ حمیدہ اور ان کی سماجی،
 سیاسی، ثقافتی، روحانی اور خدمتِ خلق کا بیان کیا ہے۔ دوسرے حصے میں ان کے اصحاب کے
 اوصاف اور ان کے اٹوٹ رشتے کی اہمیت لیکن ان جملہ بیانات کا تفاعل نبی کی ذات اور انبیاء
 میں ان کے انفرادی نشاندہی ہے۔ اس نعت کا مادی اپنے شعری طریق کار اور زبان کے استعمال

کی نوعیت کے اعتبار سے ایک سچا عاشق رسول نظر آتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو درد شریف پر مبنی ردیف پر قصیدہ امیر مینائی نے بھی کہا ہے مگر وہ انداز کہاں جو احمد سہیل کے پاس ہے۔ پاکستانی شاعر احسان اکبر نے اسی زمین میں نعت کہی ہے، جس سے اقبال سہیل کی اس نعت کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک شعر سنئے:

کام کمال کرامت والا، ناداروں کی راحت والا

دیں دنیا کے درد کا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

احسان اکبر کا لہجہ حالی والا ہے جس کے بارے میں حسن عسکری نے کہا تھا کہ:

”حالی کی نعت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت کا کردار نہایت بلند تھا اور ان سے

ہمیں بڑے فائدے پہنچے۔ بلند کردار کے لوگ اور انسانیت کو فائدہ پہنچانے والے تو

بہت ہوئے ہیں مگر ان لاکھوں انسانوں کو ایسی والہانہ محبت کیوں نہیں ہوتی جیسی

آنحضرت سے ہے۔ اس کا جواب ہمیں حالی کی نعت میں نہیں ملتا۔“ (صحیح رحمانی، اردو

نعت کی شعری روایت، اکادمی بازیافت کراچی پاکستان (۲۰۱۶ء) ص: ۲۷۹)

مجھے کہنے دیجئے کہ اس کا جواب ہمیں اقبال، محسن کا کوروی اور کچھ ایک شعرا کے علاوہ اقبال

سہیل کے یہاں ملتا ہے۔ اس نعت کو سنتے یا پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے برسوں کی

ریاضت، محنت اور کوشش کے بعد حضور اخیر میں ایک اونچے الوہی ٹیلے پر بیٹھے اپنی امت کی

حرکات و سکنت نیز اپنے پیغام کے اثرات دیکھ رہے ہیں اور ہم میں سے ایک شخص اقبال سہیل

اپنے نبی کی ایک ایک ادا، ایک ایک وصف، ایک ایک بات شفقتوں، مہربانیوں کا یکے بعد

دیگرے ایک مجاہد اور عاشق کی طرح اپنے محبوب کا وصف گنوا تا جا رہا ہے۔ اس کی لے، طرز ادا

ایسی ہے کہ حضور کی روح سرشار ہو رہی ہے اور نام محمد سرمدی نغمے بن کر فضا میں تحلیل ہو رہا ہے

اور ادھر امتی بھی جھوم رہے ہیں۔ یہ شاعری نہیں یقیناً عقیدت کا ایک ایسا پھول ہے جس پر خزاں

کے سائے قربان ہو جائیں۔

ڈاکٹر حقانی القاسمی (نئی دہلی)

مختلف شعری ہیئتوں میں نعتیہ تجربے

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

خوشبو ذہن سے ہی معطر خیالات وجود میں آتے ہیں!

باطنی وجود میں جتنی روشنی ہوگی، ظاہری سطح پر اس کا اتنا ہی انعکاس ہوگا۔ جب باطن میں الوہی طلعت اترتی ہے تو ذہن کے تمام منطقوں کو اس طرح منور کر دیتی ہے کہ سارے تاریک خیالات دور بھاگنے لگتے ہیں اور صحت مند خیالات کا نمونہ ہونے لگتا ہے اور پھر انسان تاریکی سے روشنی، ظلمت سے نور کے حلقے میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے وجود میں ایک ایسا سورج طلوع ہوتا ہے جو مدام اس کے ذہنی اور روحانی وجود کے ساتھ سفر کرتا رہتا ہے۔

یہی روشنی سچائی کا استعارہ ہوتی ہے اور روشنی کا یہی شجر اپنی تمام تر شاخوں کے ساتھ زمین احساس پر پھیلنے لگتا ہے تو اظہارات کی نت نئی کونپلیں کھلنے لگتی ہیں۔

عظیم امر وہی کے وجود میں بھی وہی خوشبو اور روشنی بسی ہوئی ہے۔ اسی لیے انھوں نے مختلف شعری ہیئتوں میں نعتیہ کلام لکھتے ہوئے اسی عقیدت، محبت اور جذب و وارفتگی کا ثبوت دیا ہے جو نعتیہ فضا کے لیے ضروری ہیں:

کھو کے ان کی یاد میں پڑھتا ہوں جب بھی نعت میں

یہ سمجھتا ہوں کہ سر پر سائباں خوشبو کا ہے

ان کے روضے کی ہواؤں کا تصور جب کیا

یہ لگا جیسے کہ یہ سارا جہاں خوشبو کا ہے

پھول کیا خاروں کے دل بھی خوشبوؤں سے بھر دیے

سارے عالم سے جدا وہ گلستاں خوشبو کا ہے

روضہ پر نور سے مس ہو کے جب آتے ہیں لوگ

ایسا لگتا ہے کہ جیسے کارواں خوشبو کا ہے

عظیم امر و ہوی نے مختلف ہیئتوں میں جو عطر بیز تجربے کیے ہیں، وہ اس اعتبار سے بہت اہمیت کے حامل ہیں کہ نعتیہ شاعری زیادہ تر غزلیہ ہیئت میں ہوتی رہی ہے کیونکہ نعت کی کوئی ہیئت مخصوص نہیں ہے اور نہ ہی اسے صنفِ سخن کا درجہ حاصل ہے۔ موضوعی اعتبار سے اسے صنف کہا جاسکتا ہے مگر ہیئتی اعتبار سے کسی مخصوص صنف کے لوازمہ میں قید نہیں ہے۔ عظیم امر و ہوی نے نعتیہ نظمیں، نعتیہ آزاد نظمیں، نعتیہ قطعات، نعتیہ رباعیات، نعتیہ ہائیکو، نعتیہ دوہے، نعتیہ گیت، نعتیہ تراویح، نعتیہ لوریاں، نعتیہ پنج گنجی، نعتیہ مرثیہ، نعتیہ تضمین کہے ہیں۔ متنوع ہیئتوں میں یہ نعتیہ شاعری فکری اور لسانی اعتبار سے ان کی جدتِ طبع اور لسانی استعداد کا مظہر ہے۔

ماضی میں مثنوی، قصائد، گیت اور آزاد نظموں میں نعت کہنے والوں کی ایک بڑی تعداد رہی ہے۔ خاص طور پر ملا وجہی کی مثنوی قطبِ مشتری، غواصی کی سیف الملوک، ابنِ ناشلی کی پھول بن اور نصرتی کی 'علی نامہ' اور 'گلشنِ عشق' میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ولی دکنی نے بھی نعتیہ قصائد لکھے ہیں۔ رباعیات، خمس، مستزاد میں بھی نعتیں لکھی ہیں۔ اس طرح نعت گو یوں کا ایک پورا قافلہ ہے جس میں کرامت علی شہیدی، لطف علی خاں لطف بریلوی، امیر مینائی، محسن کاکوروی، مولانا ظفر علی خان، مولانا احمد رضا خان بریلوی اور دیگر لوگوں کے نام آتے ہیں جنہوں نے اردو میں نعت کو ایک نئی توانائی عطا کی اور اسے شوکت و رعنائی سے روشناس کیا، مگر جدید ترین اصناف میں نعتیہ کلام کہنے والوں کی تعداد خاصی کم ہے، خاص طور پر ہائیکو، تراویح اور سانیٹ میں نعتیہ تجربے کم کیے گئے۔ عظیم امر و ہوی کا یہ انفرادی اختصاص کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے تراویح میں نعتیں کہی ہیں، جس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

ہے جو انساں صاحبِ خلقِ عظیم
اس پہ صبح و شام ہوں لاکھوں سلام
اس نے دکھائی ہے راہِ مستقیم
ہے جو انساں صاحبِ خلقِ عظیم
در حقیقت ہے وہ کلِ عقلِ سلیم
امن کا اس نے دیا سب کو پیام

ہے جو انساں صاحب خلق عظیم
 اس پہ صبح و شام ہوں لاکھوں سلام
 ترایلے ایک فرانسیسی صنف سخن ہے۔ عظیم امر و ہوی نے اس پر ایک مختصر سائنوٹ لکھا ہے کہ:
 ”ترایلے آٹھ مصرعوں پر مشتمل ایک مختصر نظم کو کہتے ہیں۔ اس میں ردیفوں کا
 پیٹرن ہوتا ہے۔ پہلے دونوں مصرعوں کی تکرار آخری دونوں مصرعوں میں ہوتی ہے۔
 پہلا مصرع پھر چوتھا اور ساتواں مصرع بن کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یعنی پہلے مصرع کی تین
 مرتبہ تکرار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس صنف سخن کا نام Triolet رکھا گیا ہے۔ اس
 صنف سخن کی ابتدا فرانس میں ہوئی۔ فرانسیسی شاعر Adenes Le Roi نے
 پہلی بار اپنی نظم Cleomades میں اس کا تجربہ کیا۔ Patrek Keray نے
 پہلی بار 1651 میں اسے انگریزی زبان میں داخل کیا۔ Fadrik
 Rasman نے جرمن زبان میں اس صنف سخن کو بہت فروغ دیا۔ اردو میں
 احمد ندیم قاسمی، نریش کمار شاد، قاضی سلیم اور فرحت کیفی وغیرہ نے مختلف موضوعات پر
 ترایلے کہے ہیں۔ لیکن نعتیہ ترایلے راقم کی نظر سے نہیں گزرے۔“

اردو میں جو شعری ہیئتیں جدید دور میں وضع کی گئیں یا دوسری زبانوں سے مستعار لی گئی
 ہیں، ان میں ایک ہائیکو بھی ہے۔ یہ جاپانی صنف سخن ہے، جس میں نہ تو ردیف قافیہ کی پابندی
 ہوتی ہے اور نہ ہی مخصوص بحر کی قید، یہ صرف تین مصرعوں پر محیط ہوتی ہے۔ اردو میں ہائیکو لکھنے
 والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے اور اس پر کافی تحقیق بھی ہو چکی ہے۔ روز بہ روز ہائیکو سے جڑنے
 والوں کا قافلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ عظیم امر و ہوی نے اس جاپانی صنف سخن میں بھی نعتیہ تجربہ کیا
 ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

وہ خلق پیکر عظیم رہبر

جو درس اخلاق دے گیا ہے

وہی ہے سب سے بڑا پیغمبر

جو بشیر ہے، جو نذیر ہے، وہی دو جہاں کا امیر ہے

جو رسول آئے ہیں دہر میں وہ عظیم سب، یہ بجا مگر

نہ مرے نبی ﷺ کی مثال ہے نہ مرے نبی کی نظیر ہے

نعتیہ ہائیکو پر نوٹ لکھتے ہوئے انھوں نے یہ واضح کیا ہے کہ اردو میں گزشتہ 50-60 سال میں چند شعرا نے ہائیکو کہی ہے لیکن نعتیہ ہائیکو راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ یہاں اس بیان کے تعلق سے تھوڑی وضاحت ضروری ہے کہ اطلاعاتی ذرائع اور وسائل کی فراوانی کے باوجود اس امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اردو کائنات میں جو تجربے کیے جا رہے ہیں، ان تک ہماری رسائی نہ ہو۔ شاید اسی عدم رسائی کی وجہ سے عظیم امر و ہوی نے یہ بات کہی ہوگی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہائیکو میں اس سے پہلے بھی تجربے ہو چکے ہیں۔ بہت پہلے علیم صبانویدی کا ایک مجموعہ ’ترسیلے‘ کے نام سے شائع ہوا تھا، جس کے بارے میں پروفیسر سید سجاد حسین صدر شعبہ اردو مدراس یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ ’ترسیلے علیم صبا کے جدید انداز کی نعتوں پر مشتمل مجموعہ ہے جو قدیم جاپانی صنف شاعری ہائیکو کے رنگ میں 1986ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں دو قسم کی ہائیکو نظمیں شامل ہیں۔ پابند ہائیکو، نثری ہائیکو، اردو میں صنف ہائیکو کو پہلی بار صبانویدی نے نعت گوئی کے مقدس اظہار سے مالا مال کیا۔ شعاع شرق‘ ترسیلے ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس میں سارے کے سارے پابند ہائیکو شامل ہیں۔‘

علیم صبانویدی نے ہی نعتیہ سانیٹ کا سب سے پہلا تجربہ کیا جو ’نور السموات‘ کے نام سے سامنے آیا۔

ڈاکٹر عظیم امر و ہوی نے ’رسولیات‘ میں جس طرح کے فنی تجربے کیے ہیں، وہ ان کی قدرت کلامی کا مظہر ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ ان کی زبان میں کوثر و تسنیم ملی ہوئی ہے۔ اپنے خیالات کے اظہار میں انھوں نے زبان کی نزاکتوں اور لطافتوں کا خیال رکھا ہے۔ خاص طور پر انھوں نے جو نعتیہ قصیدے کہے ہیں، ان میں جوشان و شوکت اور جزالت ہے وہ بڑے کلاسیکی قصیدہ نگاروں کی یاد دلاتی ہے۔ ان کا آہنگ اتنا بلند اور پر شکوہ ہے اور بلاغت بیان اس قدر کہ میر انیس کے آہنگ کی بازگشت کا احساس ہوتا ہے۔

’قصیدہ بعثت‘ سے چند شعر ملاحظہ ہوں:

اس کی بعثت جس پہ اترا ہے کلام اللہ کا
دے گیا ہے حشر تک جو اک ہدایت کا چراغ
اس کی بعثت ہے کہ جو دنیا کو یہ بتلا گیا
کس قدر پر نور ہے ایماں کی طاقت کا چراغ

اس کی بعثت ہے کہ جو اللہ کا محبوب ہے
 دے گیا دنیا کو الفت کا محبت کا چراغ
 اس کی بعثت ہے کہ جو ہے اک مدینہ علم کا
 جس کے آگے گل ہوا ظلم و جہالت کا چراغ
 یہ مدحت رسول صرف سیرت و شمائل تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ حالی کی طرح عظیم
 امر و ہوی نے حضور ﷺ کے پیغام اور تعلیمات کا سلسلہ عہد حاضر کے آشوب سے بھی
 جوڑا ہے۔ جس طرح حالی نے کہا تھا:

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
 امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
 اسی طرح عظیم امر و ہوی نے آج کے اخلاقی زوال اور انسانی بحران کو اپنی نعتیہ شاعری میں
 پیش کیا ہے اور پھر حضور ﷺ کی سیرت سے اپنا رشتہ جوڑنے کی بات یوں کہی ہے کہ وہی چراغ
 ہدایت ہے جس سے آج کی تاریکیاں دور ہو سکتی ہیں:

آج کے انسان کا کردار بے حد پست ہے
 آج انساں کا شرافت سے بھی کچھ رشتہ نہیں
 آج انساں کے دلوں میں بھر گیا اتنا نفاق
 دل کی سچی بات کوئی لب پہ لاتا ہی نہیں
 ’رسولیات‘ پاکیزہ احساسات اور خیالات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے حضور ﷺ کی
 ذات و صفات کے تمام روشن نقوش سامنے آتے ہیں۔ عظیم امر و ہوی نے کوشش کی ہے کہ خیالات
 میں افراط و تفریط نہ ہو اور شاید انھوں نے مشروع اور غیر مشروع کا بھی خیال رکھا ہوگا مگر پھر بھی
 دیوانہ محبت میں مبالغہ کا شکار ہو ہی جاتا ہے کہ نعت گوئی ہے ہی مشکل فن۔ یہ پل صراط پر چلنے جیسا
 ہے۔ بہت پہلے عرفی نے کہا تھا:

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحراست
 آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را
 عظیم امر و ہوی نے اس نعتیہ مجموعہ میں اپنی تازہ کاری اور جودت طبع کا مکمل ثبوت دیا ہے
 کیونکہ ان کی نعتیں صرف ایک ہی ہیئت میں مقید نہیں ہیں بلکہ متنوع شعری ہیئتوں میں ان کا ظہور

ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقیدت ایک ہیئت میں قید نہیں ہو سکتی بلکہ عقیدت اپنے اظہار کے مختلف رنگ اور راستے تلاش کرتی رہتی ہے۔ عظیم امر و ہوی نے 'رسولیات' کے ذریعہ اپنے خیالوں کی خوشبو کو آج کے عہد کی مسموم فضا کے حوالہ کیا ہے، اس امید کے ساتھ کہ:

اتحاد باہمی قائم ہو پورے ملک میں
اب رہے روشن سدا مالک محبت کا چراغ
اے خدا ظلم و ستم روئے زمیں پر اب نہ ہو
امن کو پھونکے نہ دنیا میں سیاست کا چراغ



ڈاکٹر راہی فدائی (بنگلور)

پیغمبر اسلام کی بارگاہ میں غیر مسلم شعراء کا خراج احترام

نعت شریف کے سلسلہ میں عام طور پر اہل علم کا یہ رجحان ہے کہ ان کے نزدیک نعت پاک کہنے والے شعرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت و محبت میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں اور ان کا ایک ایک شعر بلکہ ایک ایک مصرع عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشاندہی کرتا ہوا نظر آتا ہے اور ان کے خیال میں شاعر نعتوں میں جس قدر وارفتگی کا اظہار کرے گا اسی قدر اس کے اشعار میں تاثیر پیدا ہوگی، یہی سبب ہے کہ شعر کو دلی جذبات کا آئینہ کہا گیا ہے اور ایسے موقع پر ہی ”از دل خیزد بر دل ریزد“ (دل سے نکلنے والی بات ضرور دل پر اثر کرتی ہے) کا مقولہ استعمال کیا جاتا ہے۔

راقم الحروف (راہی فدائی) اسلامیات و ادبیات کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت ایمان کی سلامتی کے لئے لازم و شرط اولین ہے نہ کہ نعت گوئی کے لئے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے ”لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین“ (متفق علیہ) یعنی تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی ذات، اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ اس کا محبوب نہ رہوں۔ نعت گوئی کے لئے شرط یہ ہے کہ شاعر کو فن شاعری پر دسترس حاصل ہو اور وہ اپنے مدوح کے اوصاف و کمالات کا بخوبی علم و ادراک رکھتا ہو، پھر اس علم کو جذبہ میں اور جذبہ کو شعر میں تبدیل کرنے کا میلان طبع اپنے اندر پاتا ہو تو اس کی کہی ہوئی نعتوں میں دلکشی اور اثر انگیزی پیدا ہوگی۔ مزید برآں اگر وہ لفظوں کی معنویت کو ملحوظ رکھتے ہوئے صنائع و بدائع کا استعمال اپنے اشعار میں

مناسب طور پر کرے تو اثر آفرینی میں غیر معمولی اضافہ ہوگا اور یہ تاثر تادیر قائم بھی رہے گا۔
 غرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی شاعر کا نعتیہ کلام پڑھتے یا سنتے ہیں اور وہ دل کو چھو جاتا ہے تو فوراً کہہ اٹھتے ہیں شاعر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوب کر شعر کہا ہے۔ حالانکہ حقیقت حال ایسی نہیں ہوتی ہے، چنانچہ بعض نعت گو شعرا ایسے بھی ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کا خیال تو کجا اسلام کے فرائض و واجبات کا بھی لحاظ نہیں رہتا مگر وہ بہترین نعتیہ اشعار کہہ رہے ہیں اور ”لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ“ کی منہ بولتی تصویر پیش کر رہے ہیں۔ اگر واقعتاً وہ ”حُبِّ رسول ﷺ“ میں غرق رہتے تو بمصادق ”الاناء يتدرشح بمافيہ“ یعنی برتن وہی چیز اٹھیلتا ہے جو اس میں موجود ہے، ان کا ظاہر بھی باطن کا عکس جمیل ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت پاک کی طرف شاعر کا میلان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات و اعلیٰ صفات سے کسی نہ کسی حد تک لگاؤ اور تعلق ہے جس کے زیر اثر وہ نعت کہنے پر آمادہ ہوا ہے۔ اس لگاؤ اور ربط و تعلق کی تعبیر ”عشق رسول ﷺ“ جیسے پُر معنی و پُر وقار لفظ سے کرنے کی بجائے چاہت اور احترام کے الفاظ سے کریں تو مناسب ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے کئی درجے ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ عشق ہے اور ادنیٰ درجہ احترام۔ اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سارے شعراء کرام نے نعتیں کہی ہیں جن میں غیر مسلم شعراء کی تعداد بھی معتد بہ ہے، ان غیر مسلم حضرات شعراء کے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں رطب اللسان ہونے کا جذبہ اسی احترام کے راستے سے در آیا ہے جسے احترام انسانیت کا نام بھی دیا جاسکتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوام عالم کے اہل علم و فضل اور اصحاب دانش و بینش کے نزدیک ”انسان کامل“ ہیں۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کے عظیم اخلاق دوست و دشمن، اپنا پرایا اور ادنیٰ و اعلیٰ سبھی کے حق میں یکساں ہیں، یہی سبب ہے کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم اہل سخن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متاثر و مرعوب ہیں۔ اس تاثر کے پیش نظر جناب پنڈت بال مکند عرش ملیانی (ولادت ۱۹۰۸ء وفات ۱۹۷۹ء) ابن و تلمیذ جوش ملیانی نے کیا خوب کہا ہے۔

حاصلِ جلوۂ ازل ، پیکرِ نورِ ذات تو ﷺ

شانِ پیغمبری سے ہے سرورِ کائنات تو ﷺ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، آپ ﷺ کے مبارک و مقدس عادات و اطوار اور آپ ﷺ کے شائل و فضائل سے متاثر ہو کر پروفیسر تلوک چند محروم (ولادت ۱۸۸۷ء وفات

۱۹۶۶ء) نے یہ اقرار کیا ہے۔

مبارک پیشرو جس کی ہے شفقت دوست و دشمن پر
مبارک پیش رو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے
آپ ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعے سے کنور مہندر سنگھ بیدی سحر (ولادت ۱۹۰۹ء) کا
جذبہ احترام چاہت و محبت میں بدل گیا، چنانچہ ان کا ارشاد ہے۔
تکمیل معرفت ہے محبت رسول ﷺ کی
ہے بندگی خدا کی ، اطاعت رسول کی
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
کچھ مسلمان کا محمد ﷺ پہ اجارہ تو نہیں
آخر الذکر شعر کے مضمون کو چند پرکاش جوہر بجنوری (ولادت ۱۹۲۳ء) نے اس طرح ادا کیا ہے۔
نہیں ذکر محمد ﷺ کے لئے تخصیص مذہب کی
یہ کس نے کہہ دیا، یہ صرف مسلم کی زباں تک ہے
اسی طرح جناب جوش ملیانی کے شاگرد کالی داس گپتا رضا (ولادت ۱۹۲۵ء) کا یہ شعر
ملاحظہ کیجئے:

جام و مینا سے نہیں ہم کو سروکار مگر
آپ ﷺ کے نام سے آجائے تو مستی اچھی
پنڈت لبھورام جوش ملیانی (وفات ۱۹۷۶ء) کے ایک شاگرد امیر چند قیسی جالندھری کا
یہ اعتراف بھی خوب ہے۔

حیات سادہ کے اسباق دے کے عالم کو
تکلفات کے پردے اٹھا دیئے تو نے
حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند ترین اخلاق اور اعلیٰ وارف اقدار سے متاثر ہو کر کرشن
بہاری نور نے خود کو آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا اور اس عمل کو اپنی معراج قرار دیا، اس
طرح انہوں نے اپنے تخلص نور کا گویا حق ادا کیا۔ ان کا قطعہ۔
دیر سے نور چلا اور حرم تک پہنچا
سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا

تیری معراج محمد ﷺ تو خدا ہی جانے
 میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا
 پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی (ولادت ۱۸۶۶ء وفات ۱۹۵۵ء) تلمیذ شمس العلماء الطاف
 حسین حالی (متوفی ۱۹۱۵ء) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن گفتار و بلندی کردار پر اس قدر
 وارفتہ ہوئے کہ انہوں نے محسوس کیا، ان کے پاس سب کچھ موجود ہے مگر ایک چیز کی کمی ہے جس
 کے بغیر زندگی لایعنی سی لگتی ہے وہ ہے دل کی تاریکی کو دور کرنے کا واحد ذریعہ ”نور ایمانی“۔ اسی
 کی آرزو میں حضرت کیفی نے بارگاہ الہی میں یہ دعا کی۔

یوں روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جیسے
 بطحی سے ہوا جلوہ فگن نور ﷺ خدا کا
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس حالات و کمالات کا تہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے
 جناب بابو برج گوپی ناتھ صاحب بیکل امرتسری نے کس عمدگی سے اپنے جذبات کا اظہار نظم
 مسدس میں کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

اے رسول پاک، اے پیغمبر عالی وقار
 چشم باطن میں نے دیکھی تجھ میں شانِ کردگار
 تیرے دم سے گل نظر آئے رہ عرفاں کے خار
 خوابوں کا ہو تری کیونکر بھلا ہم سے شمار
 نور سے تیرے اندھیرے میں درخشانی ہوئی
 تیرے آگے آبرو کفار کی پانی ہوئی
 اک جہالت کی گھٹا تھی چار سو چھائی ہوئی
 ہر طرف خلقِ خدا پھرتی تھی گھبرائی ہوئی
 شاخ دیدار کی بھی بے طرح مرجھائی ہوئی
 لہلہا اٹھی تری جب جلوہ آرائی ہوئی
 تیرے دم سے ہو گئیں تاریکیاں سب منتشر
 پاگئی راحت ترے آنے سے چشم منتظر
 کیوں نہ ہم بھی اس جہاں کا پیشوا مانیں تجھے

کیوں نہ راہ حق میں اپنا رہنما مانیں تجھے
دیکھنے دے خدا آنکھیں تو پہچانیں تجھے
حق کی ہے بیکل صدا شمس الضحیٰ مانیں تجھے
گو مسلمانوں کا اک پیغمبر اعظم ہے تو
اپنی آنکھوں میں بھی اک اوتار سے کب کم ہے تو؟

بیکل امرتسری کے آخری بند کے آخری شعر پر غور کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ہندو حضرات کے یہاں جو ”اوتار“ کا عقیدہ ہے اس کی ترجمانی شاعر نے اپنے شعر..... ”گو مسلمانوں کا اک پیغمبر ہے تو :- اپنی آنکھوں میں بھی اک اوتار سے کب کم ہے تو؟“..... میں کی ہے۔ ان کے مذہب میں ”اوتار“ کا عقیدہ یہی ہے جتنے مہاپرش اور مقدس ہستیاں ہیں وہ سب بھگوان اور خدا کے نہ صرف مظاہر ہیں بلکہ ”اوتار“ ہیں۔ یعنی ان بزرگوں میں نعوذ باللہ خدا حلول کئے ہوئے ہے۔ یہاں یہ فرق ملحوظ رہے کہ ”اوتار“ کا اعتقاد اسلام میں صریح کفر و باطل ہے۔ اور مظاہر حق ہونے کا اعتقاد صحیح اور درست ہے۔ ایک مومن کامل رب تعالیٰ کا مظہر جمیل اور اس کی قدرت کا عکس حسین ہوتا ہے، جس کے اشارے قرآن پاک اور حدیث شریف میں پائے جاتے ہیں اور یہ حقیقت اہل علم و عرفان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے، اس مقام پر تفصیل غیر ضروری ہے۔ راقم نے مقالہ کی تمہید میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ غیر مسلم شعرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کی منور و مسعود شخصیت سے متاثر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت و احترام میں نعت گوئی پر از خود آمادہ ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی ثنا خوانی و مدح سرائی میں رطب اللسان ہونے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اس جذبہ و احساس کو عشق و محبت کا نام دینا اور اس شاعری کو عشقیہ شاعری کہنا جیسا کہ ہمارے عام نقادوں کا خیال ہے، غیر حقیقی رویہ بھی ہے اور بعید از قیاس رجحان بھی، اگر واقعتاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ان غیر مسلم شعرا کا عشق سچا اور پاک ہو تو ضرور انہیں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی توفیق ملی ہوتی۔ اس بات کا انہیں خوب علم ہے کہ وہ اسلام کے عقیدہ تو حید پر نہیں ہیں اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھرپور تعریف و توصیف کرنے کے باوجود اصل دین و توحید الہی کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلاتا اور اسے دیا رسول کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وہ احساس ہے شاعر کو درج ذیل شعر کہنے پر مجبور کر دیا، ٹھا کر دامودرذکی محبوب نگری (تلنگانہ) شاگرد ازل لاہوری

وحسب اللہ وفا حیدر آبادی (ولادت ۱۹۰۳ء وفات ۱۹۷۶ء) نے اپنی شدید خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے۔

اتنی سکت کہاں ہے میں آسکوں وہاں تک تو خواب میں تو آجاں بارے مدینہ
زیارت مدینہ منورہ کی آرزو میں بابوروشن لعل صاحب نعیم ڈیرہ غازی خاں نے اپنے
جذبات و تصورات کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر اس طرح پیش کیا ہے:

لہذا بلا لیجئے سرکارِ مدینہ مرجائے نہ یہ ہند میں بیمارِ مدینہ
حسرت ہے کہ دم نکلے در شاہِ علیہ عرب پر مدفن ہو تہہ سایہ دیوارِ مدینہ
اے شیخ تجھی کو رہ فردوس مبارک کافی ہے مجھے گوشہ گلزارِ مدینہ
مرجائے نعیم الفت سرور علیہ میں الہی تعویذ لحد ہو در دربارِ مدینہ
اولین نعت گو غیر مسلم شاعر:

دکن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس طرح اردو زبان کے اولین شاعر حضرت بندہ نواز گیسو دراز (ولادت ۱۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء وفات ۸۲۵ھ ۱۴۲۱ء) گلبرگہ کی سرزمین میں آسودہ ہیں اسی طرح اردو کے اولین نعت گو غیر مسلم شاعر جن کا نام نامی ایکنا تھ مہاراج ہے، دکن ہی کی خاک سے اٹھے ہیں۔ ایکنا تھ جی مہاراج کے متوطن تھے، مراٹھی کے قدیم و اہم شعرا میں مہاراج کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے مراٹھی کی صنف شاعری 'بھاروڑ' میں خوب طبع آزمائی کی ہے، ایک سنت ہونے کے اعتبار سے ان کا کلام عوام و خواص میں مشہور ہے۔ ایکنا تھ جی کی ولادت حضرت بندہ نواز کے وصال کے ایک صدی بعد (۱۵۳۳ء-۱۵۹۹ء) ہوئی تھی۔ مشہور محقق و ادیب ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب نے ایکنا تھ جی کو کھوج نکالا ہے، ان کی نعتیہ شاعری پہلی بار ڈاکٹر نشیط کے توسط سے اہل علم میں روشناس ہوئی ہے۔ ایکنا تھ کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

خیال کیا، مچھلی والے و لیکن دریا و ڈھونڈے گووند محمد ﷺ
کھیل کھلانے آیا محمد ﷺ
دشتر تھ، رام رانا و لیکن دیو چھراوے بند محمد ﷺ
کھیل کھلانے آیا محمد ﷺ

لنکا پتی راون مارا لیکن راجیہ دیا بھیشن محمد کھیل کھلانے آیا محمد ﷺ
اردو میں غیر مسلم نعت گو شعرا کی تعداد سیکڑوں میں ہے جن میں سے بعض منتخب شعر اکو تار بنی

ترتیب کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں خراج احترام و نذرانہ عقیدت گزارنے والوں کے جذبات و احساسات کی کما حقہ قدر افزائی ہو سکے اور ساتھ ہی ان کے اسلوب ادا اور طرز نگارش کا کسی قدر اندازہ بھی لگایا جاسکے، راقم کی گزارش ہے کہ منصب نقد و انتقاد پر فائز حضرات نعت کی وسعت و وقعت، اس کے تنوع و ترفیع اور اس کی رنگارنگی و ہمہ جہتی کا صحیح ادراک کرتے ہوئے نعت گو شعرا کو ان کا مناسب مقام و مرتبہ دینے میں تکلفات و تعصبات سے کام نہ لیں۔

(۱) عاشقِ دہلوی، مہاراجہ کلیان سنگھ (ولادت ۱۷۴۹ء وفات ۱۸۲۲ء)

یہ لکھتے ہیں نعت رسول ﷺ خدا مغیث الورا ﷺ خواجہ دوسرا محمد ﷺ ہیں محبوب پروردگار محمد ﷺ ہیں مطلوب پروردگار ۵

(۲) ساقی سہارن پوری، منشی شنکر لال ولد خوب چند (۱۸۶۰ء..... ۱۸۹۰ء) تمیذ نشی

لال کمند بے صبر (وفات: ۱۸۸۵ء) وفیضیافتہ

مرزا غالب و منشی تفتہ۔

مرا ہر لفظ نعت احمدی در کیتا ہے لکھا جو دائرہ ہے وہ مہ کامل کا ہالا ہے صفات ذات احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے خیال اہل دانش جب یہاں کڑی کا جالا ہے نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے کیا میری ان ﷺ کے مدح خوانوں میں پیشی ہوگی ساقی نے کفر و شرک کے خلاف بلا تکلف لکھا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کا کلام نہیں بلکہ خدا ترس مومن کا کلام ہے، یہ شعر دیکھئے۔

ہوئی کافور نور مصطفیٰ ﷺ سے شرک کی ظلمت سیاہی سے ندامت کی دل کفار کا لالہ ہے ۶

(۳) سائر دہلوی پنڈت امر ناتھ مون (۱۸۶۳ء..... ۱۹۴۲ء) وظیفہ یاب ڈپٹی کلکٹر

مراقب مطلع نور ہے کہ حرم میں جلوہ یار ہے دل و دیدہ مجھ کو نظارہ ہیں کہ نہ گرد ہے نہ غبار ہے

بے سایہ نور باعث ایجاد و مغفرت جس کے وجود جو د سے رحمت نہال ہے

امت کا اپنی شافع روز جزا بنا اب پرسش جواب نہ روئے سوال ہے ۷

(۴) شاد، مہاراجہ کشن پرشاد ولد راجہ ہری کشن پرشاد (۱۸۶۴ء..... ۱۹۴۰ء)

وزیر اعظم سلطنت آصفیہ، حیدر آباد، مصنف مجموعہ نعت ”ہدیہ شاد“ (مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)۔ شاد صاحب کے کلام سے یہ اندازہ لگانا دشوار ہے کہ یہ ایک غیر مسلم کا کلام ہے۔ وہ نعت گوئی کی توفیق

پر خدائے تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے کہتے ہیں۔

مشغلہ نعت نبی ﷺ کا ہے مجھے شکر خدا بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقصد مجھ کو
شاد کی وارفتگی اور جذبات کی فراوانی کا عالم دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ رب تعالیٰ اپنے محبوب
صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا خوانی کس کس زبان و کس کس قلم سے کروا رہا ہے اور کن کن زاویوں سے
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہو رہی ہے۔ مہاراجہ شاد کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

کافر عشق محمد ﷺ خلق کہتی ہے مجھے سب مسلمان قدر کرتے ہیں مرے زنار کی
کافر ہوں کہ مؤمن ہوں، خدا جانے میں کیا ہوں پر بندہ ہوں ان کا جو ہیں سلطانِ مدینہ ﷺ
ہم خیالِ رخ پر نور میں حیراں ہوں گے یاد آئیں گے جو کیسو تو پریشاں ہوں گے
لے گیا جنت اگر روضہ اقدس کی طرف جان ہل سے کبھی صدقے کبھی قرباں ہوں گے
ہم کو تو گلشنِ طیبہ میں اڑا کر لے جا ہم ترے باد صبا، بندہ احساں ہوں گے
جب سے وحدت کا ہوا دل میں خیال تھا جو بیگانہ، یگانہ ہو گیا
کفر چھوڑا پی کے مئے توحید کی رنگ شاد اب عاشقانہ ہو گیا

(۵) کوثری، چودھری دلو رام ولد بھورا رام حصاری (۱۸۸۲ء.....۱۹۳۳ء) اردو

کے ممتاز نعت گو شاعر ہیں جنہیں پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے ”حسان الہند“ کے
خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ کوثری نے دولت ایمانی سے محرومی کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی بارگاہ اقدس میں نعتوں کا نذرانہ پیش کیا، آل اطہار و اصحاب کبار کی منقبتیں لکھیں
اور اسلامی روایات پر بہترین نظمیں قلمبند کیں، زندگی بھر یہی مشغلہ رہا، حیدر آباد، بھوپال، رام پور
وغیرہ درباروں میں انہیں نعت خوانی کی دعوت دی جاتی تھی اور ان کی عزت افزائی کی جاتی تھی۔
کوثری نے کیا خوب کہا ہے۔

کراے ہندو بیاں اس طرز سے توصف احمد ﷺ کا مسلمان مان جائیں لو ہا سب تیغِ مہند کا
محمد ﷺ اور دلو رام میں نقطہ نہیں کوئی کہ ہے مداح اور مدوح میں یہ ربط کس حد کا
دلو رام کوثری کو یہ اعتماد ہے کہ دوزخ کی آگ انہیں جلانے کی نہیں، کیونکہ وہ مداح نبی صلی
اللہ علیہ وسلم ہیں، جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا ہے۔

ہندو سمجھ کے مجھ کو جہنم نے دی صدا میں پاس جب گیا تو نہ مجھ کو جلا سکا
بولا کہ تجھ پہ کیوں مری آتش ہوئی حرام کیا وجہ تجھ پہ شعلہ جو قابو نہ پاسکا

میں نے کہا کہ جائے تعجب نہیں ذرا واقف نہیں تو میرے دل حق شناس کا
 انہیں یقین ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہوگی جس کے وسیلے سے
 خدائے رب العزت کا ساتھ بھی میسر آئے گا، چنانچہ وہ اس طرح رقم طراز ہیں۔
 کثریٰ تنہا نہیں ہے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہے جو نبی ﷺ کے ساتھ ہے کبریا کے ساتھ ہے
 لے کے لورام کو حضرت گئے جنت میں جب غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے ۹
 (۶) فلک لاہوری، لالہ لال چندر تلکیز دووار کا پرساد حق لکھنؤی (۱۸۷۷ء.....۱۹۶۷ء)
 نعمۂ وحدت حق دہر میں گایا تو ﷺ نے کملی والے ﷺ یہ عجب گیت سنایا تو ﷺ نے
 رب بے مثل کا دنیا میں بٹھا کر سکہ نقش، اوہام پرستی کا مٹایا تو ﷺ نے
 ریت کے ذروں کو بارود کی طاقت بخشی خاک ناچیز کو اکسیر بنایا تو ﷺ نے
 گنبد و سقفِ فلک، گوش زمیں گونج اٹھے کوس توحید عرب میں جو بجایا تو ﷺ نے ۱۰
 (۷) جواں سندیلوی، منی لال، تلکیز ہنر سندیلوی و آرزو لکھنؤی (۱۸۸۹ء.....
 ۱۹۷۴ء) کے مسدس کا یہ بند ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے واقعہ معراج کو کس خوبصورتی
 کے ساتھ پیش کیا ہے۔

آج کیا ہے جو سجاوٹ ہے سرچرخ بریں چاندنی رات بھی دلکش ہے، ستارے بھی حسین
 نور ہی نور ہے ظلمت کا کہیں نام نہیں قابل دید سے گلزارِ جناس کی تزیں
 حکم خالق ہے، فرشتے سبھی ہشیار رہیں مرے محبوب ﷺ کی تعظیم کو تیار رہیں ۱۱
 (۸) جوہر بلگرامی، شکر سہائے ولد بابوسری واستو (۱۸۹۰ء.....۱۹۷۱ء) منصف
 و ناظم دیوانی و فوجداری، حیدر آباد دکن۔

یوں تو دنیا میں بہت سے ہوئے مولیٰ والے پر تری ﷺ شان ہی کچھ اور تھی بطحی والے
 تو وہ مخلوق کہ خالق تری تخلیق پہ خوش بعد مولیٰ تھے ﷺ کیوں مانیں نہ مولیٰ والے
 آئے گا سوا نیزے پر جب نیر اعظم ہم ہوں گے تہ دامن سلطان ﷺ مدینہ ۱۲
 (۹) جذبِ رانچوری، پنڈت رگھوندر راؤ، تلکیز ترکی و شوکت میرٹھی (۱۸۹۴ء
۱۹۷۳ء) ایڈوکیٹ:

لکھتا ہوں ثنائے رخ نیکوئے محمد ﷺ روش خورشید فلک روئے محمد ﷺ
 مکے سے مدینہ سے ہی پہنچی سر افلاک بوئے گل رخسارہ و گیسوئے محمد ﷺ

اس جذبِ دل افکار کو رویا میں کسی شب یارب تو دکھا دے رخ نیکوئے محمد ﷺ ۱۳
(۱۰) سآمی جہلپوری، منشی مہادیو پرساد تلمیذ مضطر خیر آبادی (۱۸۹۵ء..... ۱۹۷۱ء)
بڑے پُرگو شاعر گذرے ہیں، سآمی نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و ثنا کرتے
ہوئے قربت رسول اکرم ﷺ کی تمنا میں خود کو وقف کیا ہے اور اپنے گناہوں کی مغفرت بھی طلب
کی ہے۔

جناب سآمی اپنا مدعی پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہیں۔
جنت کی سمت رخ نہ کروں آپ ﷺ کے بغیر حضرت ﷺ کا ہوں گدا تو طبیعت غیور ہے
ممکن ہے مدح کس سے ہو اس ذاتِ پاک کی مدحت طراز جس کا خدائے غفور ہے
کافی ہے یہ نصیحتِ اغیار کے لئے وہ دور ہے خدا سے، نبی ﷺ سے جو دور ہے
مقصود عرض حال ہے ورنہ غلام کو دعویٰ کلام کا نہ زباں کا غرور ہے
خادم کا بال بال گنہگار ہے تو ہو مداح ہے حضور ﷺ کا اتنا ضرور ہے
لاکھوں خطائیں کی ہیں بس اتنی امید پر حضرت ﷺ بھی ہیں کریم، خدا بھی غفور ہے
محشر میں دیکھ لیں گے جنہیں اشتباہ ہو سآمی ہے اور جامِ شرابِ طہور ہے
جناب سآمی نے مقطع کے بعد ایک تاریخی شعر رقم کیا ہے، جس میں اس واقعہ کا سن ہے جبکہ
جہلپور میں ۶ شعبان ۱۳۴۵ء مطابق فروری ۱۹۲۷ء کو بعد مغرب ایک روشن ستارہ ٹوٹا اور وہ صاف طور
پر آپ ﷺ کا اسم گرامی ”محمد ﷺ“ کی شکل اختیار کر گیا، اس نظارہ سے بہت سارے خوش نصیب
بہرہ ور ہوئے، اسی کی طرف سآمی نے اپنے دو شعر میں اشارہ کیا ہے۔

تارے سے نامِ نامی حضرت عیاں ہوا یہ معجزہ حضور کرامتِ ظہور ہے
تھی مجھ کو فکرِ سال کہ ہاتف نے دی ندا لوحِ فلک پہ جلوہ نامِ حضور ﷺ ہے ۱۴
۱۳۴۵ء

(۱۱) حامی بریلوی، بشن نارائن ولد پنڈت دیبی پرشاد صادق بریلوی (ولادت تقریباً
۱۸۹۶ء) صاحب دیوان شاعر تھے، شاعری انہیں ورثہ میں ملی تھی، تارتخ روہیل کھنڈ مع تارتخ
بریلی کے مؤلف مولانا عبدالعزیز خان بریلوی نے جناب حامی کی خوب تعریف کی ہے۔
ہو کیوں نہ بشر تابعِ فرمانِ حم ﷺ فردوس میں جائیں گے غلامانِ محمد ﷺ
عاشقِ تپشِ مہر قیامت سے ڈریں کیوں کافی ہے انہیں سایہِ دامنِ محمد ﷺ

- از بسکہ گنہگار ہوں، محشر میں الہی چھوٹے نہ مرے ہاتھ سے دامن محمد ﷺ
بخشیں مجھے توفیق اگر نعت کی حامی بھولوں نہ کبھی عمر بھر احسان محمد ﷺ ۱۵
- (۱۲) اختر ہوشیار پوری، پنڈت ہری چند تلمیذ حفیظ جالندھری (۱۹۰۰ء.....۱۹۵۸ء) کو اپنے وسعتِ مشرب پر فخر ہے اور وہ تصور میں سبز گنبد کی زیارت سے مشرف ہو کر انتہائی خوش ہیں۔
وسعتِ مشرب سے ہیں اک مخزنِ اسرار ہم کفر ہم، اسلام ہم، تسبیح ہم، زنا ہم
سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں لیجئے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار ہم
نام پاک احمد مرسل سے ہم کو پیار ہے اس لئے لکھتے ہیں اختر نعت میں اشعار ہم ۱۶
- (۱۳) باغِ اکبر آبادی، حکیم بال کشن داس ولد حکیم ہنومان سہائے تلمیذ حضرت سید محمد علی شاہ میکیش اکبر آبادی و فلک حیدر آبادی (۱۹۰۶ء.....۱۹۵۹ء) بڑے شائستہ و شستہ مذاق کے حامل تھے، حکیم باغ صاحب کی نعتوں میں دلکشی و دل آویزی موجود ہے، یہ شعر دیکھئے۔
رہا کرتا ہے اس میں جلوہ یکتا محمد ﷺ کا مراد دل ہے ازل سے آئینہ خانہ محمد ﷺ کا
گلہ غم کا نہیں، غم دینے والے یہ شکایت ہے جو تجھ کو غم ہی دینا تھا، تو غم دیتا محمد ﷺ کا
اگر تجھ کو محبت ہے جو تیرا عشق صادق ہے تو آنکھیں بند کر کے کھینچ لے نقشہ محمد ﷺ کا ۱۷
- (۱۴) دل کشمیری، منوہر لال ولد گوندل آنند شاگرد اثر لکھنؤی و جوش ملیحانی (ولادت ۱۹۱۲ء) مصنف مجموعہ کلام ”نقدِ دل“ (مطبوعہ ۱۹۷۳ء) دل اسٹیٹ بینک آف انڈیا جو کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہو کر وظیفہ یاب ہوئے، دل صاحب نے جموں میں ایک ادبی انجمن کی بنیاد ڈالی، جو اولاً ”بزمِ سخن“ کے نام سے اور بعد میں ”بزمِ اردو“ کے نام سے مشہور ہوئی۔ دل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کی تعریف و توصیف میں اس طرح رطب اللسان ہیں۔
آقا جو محمد ﷺ ہے عرب اور عجم کا بے مثل نمونہ ہے مروت کا کرم کا
حاصل ہے جنہیں تیرے غلاموں کی غلامی لیتے نہیں وہ نام کبھی قیصر و جم کا
فردوسِ نظر ہے ترے مسکن کی زیارت روضہ ترا علیہ السلام دنیا میں بدل باغِ ارم کا
کیا دل سے یہاں ہو تیرے علیہ السلام اخلاق کی توصیف عالم ہوا مداح تیرے لطف و کرم کا ۱۸
- (۱۵) مکھن حیدر آبادی، راجہ مکھن لال (وفات مابعد ۱۸۴۴ء) صاحب دیوان شاعر تھے، جس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ ”گورنمنٹ میانسکرپٹ لائبریری“ کی زینت ہے۔ انہوں نے نعتیں فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کہی ہیں، ۱۲۶۰ء مطابق ۱۸۴۱ء میں عمر خیام کی رباعیات کا

منظوم ترجمہ صنف رباعی ہی میں کیا، مکھن لال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں عقیدت تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی آرزو میں اشعار کہے ہیں۔

بسکہ تو نے کیا ہے جرم عظیم جا پکڑ دامن شفیع رحیم
عرض کر بندگی بصد تعظیم بول اپنا پکار حال سقیم
کر مدد مجھ پہ یا رسول اللہ تا نہ دیکھوں عذاب نارِ جہیم ۱۹
(۱۶) رونقِ دہلوی، منشی پیارے لال تلید راسخ دہلوی (وفات ۱۹۳۴ء) بلند پایہ شاعر تھے، زباں و بیان پر قدرت حاصل تھی، نعتوں میں طباعی کا مظاہرہ خوب کیا ہے۔

کلمہ صل علیٰ وردِ زباں رکھتا ہوں خواب میں دیکھ لیا ہے قدِ بالا تیرا
عفو ہو جائیں گی محشر میں خطائیں ساری داوڑِ حشر کو دوں گا میں حوالا تیرا
آ کر ہجر محمد ﷺ میں سنبھل کر اے دل عرش کے پار نکل جائے گا نالا تیرا ۲۰
(۱۷) منظر، ڈاکٹر کے، مدنا منظر تہا پوری ابن پر بھوراؤ (ولادت: ۱۹۲۰ء وفات ۱۹۸۲ء) سول سرجن ہونے کے باوجود فطرتاً صوفی منش تھے، اردو، ہندی، کنڑی اور انگریزی میں شعر کہتے تھے۔ اردو شاعری میں نعتوں کی طرف ان کا میلان زیادہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یکتائی میں شعر کہتے ہوئے ان پر محویت کا عالم طاری رہتا تھا۔ اسی لئے ڈاکٹر صاحب کے اشعار میں تاثیر کا عنصر نمایاں ہے۔

تمہارے چہرہ زیبا کو ہم قرآن سمجھتے ہیں تمہاری ہر ادا کو معنی فرقاں سمجھتے ہیں
تمہارے عشق میں جینے تمہارے عشق میں مرنا اسے ہم دین کہتے ہیں اسے ایمان سمجھتے ہیں
الہی زندگی میں ایک ایسا وقت بھی آئے کروں سجدہ جہاں نقشِ کفِ پا ہو محمد ﷺ کا ۲۱
حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں خراج عقیدت پیش کرنے کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے اور آج بھی بہت سارے غیر مسلم شعراء اس پاک شغل میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اسے اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ان شعراء میں جناب چندر بھان خیال (ولادت ۱۹۴۶ء) اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ انہوں نے ”لولاک“ (مطبوعہ ۲۰۰۲ء) کے نام سے منظوم سیرت طیبہ تحریر کی، خیال صاحب اولین غیر مسلم منظوم سیرت نگار ہیں۔ ”لولاک“ کے چند بند ملاحظہ ہوں۔
اوج بخش و بخت آور، نام تھا محمد ﷺ کا آسروں نے ڈھونڈا تھا آسرا محمد ﷺ کا
رفعتوں کی خاموشی، وسعتوں کی تاریکی ختم ہو گئی جیسے مصطفیٰ ﷺ کی آمد پر

برق سی گری اک دم واہموں کے برگد پر ہل اٹھا نظامِ شر خیر کی اس آمد پر
جذبہ ﷺ صداقت اب زندگی کے صحرا میں چچھاتی چڑیوں سا چچھاتے پھرتا تھا
آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی شان اقدس کا کرشمہ ہے کہ آج کے لسانی و مذہبی تعصب کے زمانے میں بھی اردو کے غیر مسلم
شعرا ہی نہیں بلکہ ہندی کے غیر مسلم شعرا بھی نعتیں کہنے کو اپنی خوش قسمتی تصور کر رہے ہیں، جس کی
ایک مثال جواں سال شاعر گیان چند مرکتیا بنگلور (ولادت ۱۹۵۹ء) کی ہے جن کا کلام ہندی
رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے، دیکھئے کہ مرکتیا کے یہ شعر کس قدر سادگی و شائستگی کا نمونہ ہیں۔
کرنے دو مجھے صاحبِ ایمان کو سلام حضرت رسول ﷺ پاک مہربان کو سلام
جب آپ ﷺ نے انسانیت کی راہ دکھائی انسان بھی کرنے لگے انسان کو سلام
راقم کو اس مقالے کی تیاری میں محترم ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کا تعاون حاصل رہا جس کے لئے
وہ ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہے۔

جزاکم اللہ خیر الجزاء

ماخذ

- ۱۔ مسلم سلیم، ہندو گو شعرا، کھوج خبر نیوز ڈاٹ کام Muslim salum.blogspot.in
- ۲۔ ”مسلمان لاہور“ کا غیر مسلم نعت گو شعرا نمبر جلد ۷/ شمارہ ۸ ص: ۳۲، ۳۱
- ۳۔ والیضاً..... ص: ۳۶
- ۴۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، اردو مراٹھی کے تہذیبی رشتے، بہار آفسٹ، اکولہ (مہاراشٹر) ۱۹۹۵ء ص: ۵۴
- ۵۔ علیم صبا نویدی، نعتیہ شاعری میں ہنسی تجر بے، مطبوعہ تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چینائی۔ ۲۰۰۲ء ص: ۳۱
- ۶۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، اردو میں نعتیہ شاعری، مطبوعہ کراچی (پاکستان) ۱۹۷۶ء ص: ۲۷-۲۵
- ۷۔ ”مسلمان لاہور“ ص: ۴۲-۴۷
- ۸۔ ”اردو میں نعتیہ شاعری“ ص: ۴۹۲-۴۹۳
- ۹۔ ”مسلمان لاہور“ ص: ۲۵-۲۶
- ۱۰۔ ”اردو میں نعتیہ شاعری“ ص: ۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵
- ۱۱۔ ”نعتیہ شاعری میں ہنسی تجر بے“ ص: ۴۹

- ۱۲۔ نور احمد میرٹھی ”بہر زباں بہر زماں صلی اللہ علیہ وسلم“ ادارہ فکرِ نو، کراچی۔ ۱۹۹۶ء ص: ۲۲۸
- ۱۳۔ ”مسلمان لاہور“ ص: ۴۷-۴۸
- ۱۴۔ ”والیضاً..... ۳۸-۳۹“
- ۱۵۔ ”بہر زماں بہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم“ ص: ۲۴۳
- ۱۶۔ ”مسلمان لاہور“ ص: ۳۴-۳۵
- ۱۷۔ ”بہر زماں بہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم“ ص: ۱۶۴
- ۱۸۔ ”والیضاً..... ۲۶۴“
- ۱۹۔ ”اردو میں نعتیہ شاعری“ ص: ۲۳۳-۲۳۴
- ۲۰۔ ”مسلمان لاہور“ ص: ۳۳
- ۲۱۔ ڈاکٹر مدنا منظر ”منظر بہ منظر“ انجمن ترقی اردو ہند (کرناٹک) بنگلور۔ مطبوعہ ۱۹۸۲ء۔ ص: ۱۷-۲۵
- ۲۲۔ چندر بھان خیال ”لولاک“ فرید بک ڈپو، دہلی، مطبوعہ ۲۰۰۲ء ص: ۴۴

شارق عدیل (مارہرہ)

چندر بھان خیال کی طویل نظم ”لولاک“ (کے حوالے سے)

چندر بھان خیال اردو دنیا میں اپنی انفرادی سوچوں کے سبب خاصی وقعت رکھتے ہیں۔ چونکہ نظم کے حوالے سے ان کے دو شعری مجموعات منظر عام پر آ کر ناقدین کو ہیئت اور موضوعات کے نئے جہانوں سے رو برو ہونے کے مواقع فراہم کر رہے ہیں۔ ایسا میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مذکورہ مجموعات کے تعلق سے میں ثقہ ناقدین شعر و ادب کی آراء کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں مجموعات میری نظروں سے گزرے نہیں ہیں، لیکن ان کے ناموں میں جو شعری کشش ہے اس سے یہ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ چند بھان خیال اپنی نظمیں شاعری کے لب و لہجے کے تعلق سے دوسرے شعراء سے ایک دم مختلف ہیں، یہی تو اردو زبان و ادب کے صاحب فخر ناقدین ان کے دونوں مجموعوں ”شعلوں کا شجر“ ”گمشدہ آدمی کا انتظار“ کے حوالے سے یوں اظہار خیال کرتے ہیں کہ اردو کا ہر قاری چند بھان خیال کے نظمیں راستوں میں سفر کرنے کا طالب نظر آتا ہے۔

گوپی چند نارنگ، کے خیال میں اردو پر فی زمانہ جو پیغمبری وقت آن پڑا ہے اور اقدار شکنی اور نفسا نفسی کا جو دور دورہ ہے ایسے میں اگر کچھ دیے ایسے بھی جلتے رہیں تو راہ کا اندھیرا اگر کم نہ ہوگا تو کم از کم بڑھے گا بھی نہیں۔ گوپی چند نارنگ کے خیال میں چند بھان خیال ایک ایسے شاعر ہیں جن کی موجودگی میں ”اردو وادی“ میں اندھیرا بڑھنے کا امکان نہیں ہے۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔ چونکہ چند بھان خیال اپنی ہر نظمیں تخلیق کو اپنی ایجاد کردہ ہیئت کے پیراہن میں ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ ان کی آزاد نظمیں بھی مسلسل قوافی کی تکرار سے پیدا ہونے والی دل پذیر موسیقی کے نزدیک رہتی ہیں، جس سے اس دور کی نظمیں شاعری محروم نظر آتی ہے۔

پروفیسر شمس الرحمن فاروقی کی نظر میں چندر بھان خیال کی نظمیں بہت خوب ہیں۔ کئی نظمیں سحر انگیز ہیں، اور بہت دیر تک مسحور رکھتی ہیں۔ پروفیسر شمس الرحمن فاروقی کی یہ یک سطری رائے چندر بھان خیال کے شعری احساس کی گہرائی و گیرائی کی بہترین مبصر ہے۔ اور ہر اعتبار سے صداقت کی آغوش میں پناہ گزین نظر آتی ہے۔ پروفیسر خلیق انجم کی نظر میں چندر بھان خیال ایک منفرد آہنگ منفرد سوچ اور بے پناہ شدت احساس کا شاعر ہے۔ وہ کسی فارمولے یا سیاسی نظریے کی عینک کے بجائے کھلے ذہن سے سوچتا ہے۔ وہ ملک کے بہترین نظم نگاروں میں نمایاں ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ چندر بھان خیال، موجودہ عہد کے نمایاں فنکار ہیں۔ ویسے میری نظر میں پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر شمس الرحمن فاروقی کی آراء کو سپرد قریطاس کرنے کے بعد کسی اور کی رائے کو لکھنے کے کوئی معنی نہیں ہیں، لیکن پروفیسر خلیق انجم اور پروفیسر جوگندر پال بھی اپنے اندر زبردست تخلیقی قوتیں رکھتے ہیں۔ اس لیے ان دونوں ارباب فکر و نظر کی آراء کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، پروفیسر جوگندر پال نے کیا سچی اور کھری بات کہی ہے۔ چندر بھان خیال نے کوئی نئی بات سننے کے لیے کان کھڑے کر رکھے ہیں۔ آپ اس جیلے شاعر کی ٹوہ میں رہیے۔ تھوڑا انتظار کیجئے کیا پتہ وہ کب کس طرح کوئی نئی بات لے کر آپ کے سامنے موجود ہو اور آپ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔

واقعی پروفیسر جوگندر پال نے چندر بھان خیال کی شاعری کے تعلق سے کیا صادق پیشین گوئی کی ہے کہ دل کی دھڑنیں تیز رفتار ہو گئی ہیں، چندر بھان خیال کے اول شعری مجموعے کا نام ”شعلوں کا شجر“ سے محسوس ہوتا ہے کہ دنیا اپنے عصر کے خوزیز مناظر کے ساتھ اس کے اوراق پر بکھری پڑی ہے۔ اور امن کی امید ایک ہلکی سی صبح کی کرن کی مانند کہیں کہیں اپنے ہونے کا احساس دلا رہی ہے۔ جو شاعر کو مایوسی کے غار میں اترنے سے باز رکھتی ہے۔

اور دوسرا شعری مجموعہ ”گمشدہ آدمی کا انتظار“ نظم کی دنیا میں۔ ایک ایسا استعارہ ایک ایسا خیال بن کر ظاہر ہوا ہے کہ مذکورہ آدمی جب بھی دنیا کو دستیاب ہو جائے گا تو اس کی معنویت مکمل ہو جائے گی اور دنیا کا شب گزیدہ چہرہ چاند کی مانند روشن نظر آئے گا۔ اور تیسرا مجموعہ ان کی طویل نظم ”لولاک“ کے نام سے منظر عام پر آیا ہے۔ جو پروفیسر جوگندر پال کی پیشین گوئی کا آئینہ ہے۔ مذکورہ نظم چھ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے اور ہر باب کی موضوعی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے چار بحور کا استعمال کیا گیا ہے جو کسی بھی معمولی شاعر کی سوچ کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ چونکہ نظم

کے تخلیقی سفر میں بحر کا بدلاؤ موضوع کے بیانیہ احساس سے بید گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے ”لولاک“ کے شاعر کی ذہانت کو تخلیقی لمحوں میں محسوس کرنے کی از حد ضرورت ہے۔ نظم کا پہلا باب بحر مل سالم محذوف کے ارکان فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن، میں تخلیق کیا گیا ہے۔ مذکورہ وزن غزل تخلیق کرنے میں کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ نرم جذبات و احساسات کو اپنے اندر جذب کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے۔

نظم کا دوسرا باب بحر ہزج اشتر سالم کے ارکان، فاعلن، مفاعیلن، فاعلن، مفاعیلن، میں تخلیق کیا گیا ہے۔ اس وزن میں یہ صفت ہے کہ یہ لہجے کو اونچی صداؤں میں ڈھلنے سے روکتا ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے شاعر کو مناسب لفظیات کی طرف کوچ کرنے کی دعوت دیتا ہے اور نظم کا تیسرا باب بحر متدارک..... کے ارکان فَعْلُن، فَعْلُن، فَعْلُن، فَعْلُن، فَعْلُن، فَعْلُن، فَعْلُن، فَعْلُن میں پوری کاریگری کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے۔

چونکہ نظم کا یہ حصہ موضوعاتی تذکرات میں بے حد تفصیلی ہے۔ اس لیے شاعر کو یہاں طویل وزن کی ضرورت تھی، اور چوتھا، پانچواں، باب اوپر بیان کئے گئے عروضی ارکان پر مشتمل ہے۔ البتہ چھٹوں باب بحر ہزج مثنیٰ سالم کے ارکان، مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، پر تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ وزن بھی اپنے اندر سُراور سنگیت کا زبردست بہاؤ رکھتا ہے۔ جو کسی بھی تخلیقی منظر کو تعمیر کرنے میں بہترین معاون کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس طرح چند رہبان خیال نے اپنی طویل نظم ”لولاک“ کی کاشت میں چار بحر کو برتا ہے جو مذکورہ نظم کی تخلیق میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، مذکورہ نظم فخر انسانیت رسول اکرم ﷺ کی سیرت و اخلاص کو احاطہ کرنے کی غرض سے وجود میں آئی ہے۔ اور اپنے قارئین کو یہ بتانے میں پوری طرح کامیاب رہی ہے کہ زندگی رسول اکرم ﷺ کے جلوہ افروز ہونے کے بعد زبردست انقلاب سے گزری ہے۔ چند رہبان خیال کی رسول اکرم ﷺ سے عقیدت و محبت عمر کے اس حصے میں پیدا ہوتی ہے جس کا کوئی بھی نقش ذہن سے آسانی سے محو نہیں ہوتا ہے۔

وہ رسول اکرم ﷺ کے تعلق سے فرماتے ہیں، میں جب چوتھی جماعت کا طالب علم تھا، تو حضرت محمد ﷺ سے متعلق ایک چھوٹا سا مضمون کسی کتاب یا رسالے میں پڑھا تھا۔ اس مضمون میں بتایا گیا تھا کہ عرب کی سرزمین پر چودہ سو برس قبل ایک عظیم المرتبت شخص نے جنم لیا تھا جس نے دنیا کو دین اسلام دیا، صرف 23 برس کی قلیل مدت میں غیر مہذب اور منتشر عرب معاشرے کو

نہ صرف مہذب اور منظم کر دیا بلکہ چھو اچھات برادری واد، امیری غربتی کی لعنت سے نجات دلا کر اعلیٰ اور ادنیٰ کے فرق کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ اس مضمون نے مجھے سر اسیمگی کے سمندر میں غوطہ زن کر دیا تھا، میں حیران تھا کہ جن برائیوں کے نرغے میں آج ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں وہ محمد ﷺ نام کے ایک شخص نے صدیوں قبل ہی مٹا دی تھی، یہی وہ نقش ہے جو چندر بھان خیال کے معصوم ذہن میں اس طرح بیٹھ گیا کہ انہیں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں جو کچھ بھی پڑھنے کو ملا وہ اسے پوری یکسوئی کے ساتھ پڑھتے رہے۔ اور ”لولاک“ ایسی لافانی نظم ان کے ذہن میں تخلیق ہوتی رہی، لولاک، رسول اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور اس وقت کے جہل فطرت، ماحول کو جس طرح آئینہ کرتی ہے اس میں چندر بھان خیال کی شعری شخصیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، چونکہ وہ نظم کی ابتدا رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے قبل کے ماحول میں کرتے ہیں، اور اپنے قارئین کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ وجود میں آنے سے قبل دنیا اس قدر جہالت کے اندھیروں میں غرقاب تھی کہ انسان اچھائی اور برائی کے واضح فرق کو بھی نظر انداز کر چکا تھا۔ نظم کا ابتدائی منظر ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت آدم سے پیدا ہو گیا جب آدمی
سمتِ امکانات میں بڑھنے لگا جب آدمی
سینہ صحرا میں ہر دم جگمگاتا تھا کوئی
تیرہ و تاریک لمحوں سے گزرنے کے لیے
آدمی کے راستوں میں رنگ بھرنے کے لیے
تہہ بہ تہہ تنہائی کی تہہ میں اترنے کے لیے
بحر و بر کی وسعتوں سے دامنِ افلاک تک
گونجتی تھی اک تڑپ تخلیق کی دیوانہ وار
خلوتوں کی خاک میں لپٹے ہوئے دن بیقرار
اور ستاؤں کے آگے بے قبا شبِ شرمسار
اک طرف مبہم عقائد دوسری جانب فریب
بچ میں بیٹھے ہوئے بے دست و پا شام و سحر
پر بتوں کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے سوکھے شجر

ہنہاتی، ہانپتی، ہستی، ہوا کے دوش پر
 ایک قطرہ آگ کا رکھ دیں تو کتنی وادیاں
 خاک ہو کر خوف کے طوفاں اٹھا دیتیں کئی
 وادیاں جو آگ کے دریا بہا دیتیں کئی
 اور ٹھنڈی ریت پر لیٹا ہوا تنہا بشر
 چونک کر پھر سر جھکا دیتا کسی کے سامنے
 ہر طرف بے روح منظر آدمی کے سامنے
 ایک بھی چلتی نہیں تھی تیرگی کے سامنے
 روشنی کے نام پر اڑتی ہوئی چنگاریاں
 ہائے پھیلا تھا جہاں میں بے بسی کا سامراج

نظم کے یہ ابتدائی مصاربع لفظ و معنی کا اک جہاں سمیٹے ہوئے ہیں اور چندر بھان خیال کے
 اندر کے فنکار کی بیدار ذہانت کا منہ بولتا ثبوت فراہم کراتے ہیں۔ چونکہ شاعر کے پیش کردہ ماحول
 میں روشنی کی جگہ چنگاریاں رقص کرتی ہیں اور انسان سفاک ظلمتوں کے پنبے میں پوری طرح بے
 بس نظر آتا ہے۔ لیکن زندگی کے اس گھور منظر میں بھی چندر بھان خیال کے ذہن میں مچلتی ہوئی
 شعری لہریں برق رفتار احساس کے نور سے نظم کے ہر مصرعے کو طویل معنویت سے گوندھنا چاہتی
 ہیں۔ نظم کی ہیئت بھی اپنے اندر کسی کارنامے سے کم نہیں ہے چونکہ نظم کے ہر بند کے پہلے دو مصرعے
 مطلعے کی شکل میں تخلیق کیے گئے ہیں اور بعد کے دو مصرعے اس انداز سے تخلیق کیے گئے ہیں کہ
 دوسرے بند کے ابتدائی دونوں مصرعوں سے مل کر ہم قافیہ بن جاتے ہیں جو پابند نظم کی موسیقی کے
 لطف کو دوبالا کر دیتے ہیں، نظم کی یہ خوبصورت ہیئت ’لولاک‘ کے شاعر کی اپنی ایجاد کردہ ہے جس کا
 ساتھ آخری مصرعے تک نباہنا بڑے جو کھم کا کام ہے۔ چند مصرعے اور دیکھیں۔

ہاتھ میں پتھر لیے آواز کی بے چہرگی
 ڈوبتے سورج کے پیچھے پاگلوں سی دوڑتی
 اور کسی بے شکل بت کے سامنے پھن کاڑھ کر
 ناچتا تھا خواہشوں کا ناگ دن ہو یا کہ رات

ساعتوں کے دوش پر بیٹھے جنوں کے جنگلات
 غار کے اندر مسلسل موت سے لڑتی حیات
 صبح صادق کے اجالوں سے معافی کچھ نہ تھے
 کوئی بھی واقف نہیں تھا شام کی تحریر سے
 ذہن و دل سہمے ہوئے ناکردہ ہر تقصیر سے
 ہر عمل جیسے بندھا ہو جہل کی زنجیر سے
 جب ستارہ ٹوٹا کوئی سرِ آغوشِ شب
 ہر جہت، ہر منزل و مرکز پہ چھا جاتا سکوت
 بھیڑ میں روتا کبھی ویرانوں میں گاتا سکوت
 اور کبھی آسیب بن کر سر پہ منڈلاتا سکوت
 ہر نئے احساس کو دعویٰ خدائی نور کا
 نور کا چہرہ معاً آواز کے اشکوں میں غرق
 جستجو کی جنگ میں الجھے ہوئے تھے غرب و شرق
 آدمی کرتا نہ تھا خوف خدا میں کوئی فرق
 تتلیوں کے پر چمکتے تھے، گلوں پر رنگ بھی
 دیکھنے والے مگر بینائی سے محروم تھے

مذکورہ نظم کی ہیئت کا اک کمال یہ بھی ہے کہ اس کے مصارع کو مثال بنا کر پیش کرنے میں بھی ایک جہد مسلسل سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ چونکہ نظم کا تواتر کسی زبردست سیلاب کی سی طاقت رکھتا ہے جسے اس کی مرضی کے بغیر ہر مقام پر نہیں روکا جاسکتا، اور اگر ناقذ نظم کے ساتھ من مانی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو نظم اپنے تواتر اور معانی میں بکھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس مقام پر نظم کی بیانیہ ندرت کی داد دینا بھی بے حد ضروری ہے۔ چونکہ اس تخلیقی صفت سے بیشتر نظم نگار آگاہ ہی نہیں ہوتے۔

ذرا غور کیجئے قدرت کے سارے کرشمات آدمی کی آنکھوں کے سامنے تھے مگر وہ دیکھنے اور محسوس کرنے والی بینائی سے محروم تھا، کیونکہ اس کا ہر احساس جہالت کے تابع تھا، اب ذرا انسان

کے ذہن سے تو ہم پرستی کی گرد کو صاف کرتا ہوا ایک بہت ہی بے باک شعری منظر ملاحظہ فرمائیے
جودل و دماغ کے تمام طاقتوں کو روشن کر دے گا۔

آسمان کی وسعتوں کو ذہنِ انساں کا سلام
فکر کی پرواز کو جن سے ملی عمرِ دوام
تیز تیز اٹھنے لگے آگے تجسس کے قدم
طاہرِ تحقیق کی امت بڑی ہونے لگی
عزم کے سینے میں پھر کچھ روشنی ہونے لگی
بے خبر دنیا جہالت سے بری ہونے لگی
سبز دھرتی کی مہکتی فصلِ گل کے ساتھ ساتھ
عالمِ بالا نے بھی ”وا“ کر دیئے رحمت کے باب
اور ابراہیم اترے دشت میں لے کر شہاب
ہاتھوں میں اجلے صحیفے، ہنٹوں پر وحدت کے گیت
آدمی کے واسطے انسان کی عظمت کے گیت
پتھروں کی بھیڑ میں گونجی صدا اک پیار کی
کفر سے انکار کی اور جرأتِ اظہار کی
اونگھتی سب رہ گزاروں نے بھی کی محسوس پھر
ہر نفس اک نزمِ نکہت نصرت و ایثار کی
ہر جبل پر جلوہ گر جادوِ جمالِ عشق کا
ہر سمندر کی جبین پر موجزن طوفانِ ہوش
جیسے روشن رفعتوں پر جستجو کا آفتاب
اور ابراہیم اترے دشت میں لے کر شہاب
شرک کی اونچی حویلی، کافروں کی عیش گاہ
اور نادانوں پہ اپنا راج کرتے رو سیاہ
عقل کی آندھی کے آگے یوں ہوئے بے بس، کہ بس
سر جھکا کر رہ گئے سارے بتانِ کج کلاہ

گرم تپتی ریت کے سینے سے پھوٹا آبشار
سو بہ سو سب کوہ و صحرا میں اذال ہونے لگی
ماند سا پڑنے لگا مہمل عقیدوں کا شباب
اور ابراہیم اترے دشت میں لے کر شہاب

نظم اپنی شعریت کا لوہا منواتی ہوئی جس طرح ابراہیم تک پہنچی ہے اسی شان سے آگے
بڑھتے ہوئے بت پرستی کو تو حید کا آئینہ دکھاتی ہے اور باطل عقائد کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتی ہے۔
اور زمین پر خدا کے پہلے گھر کی گواہی دینے کے ساتھ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا
جشن مناتی ہے۔ اور اظہار کی صداؤں کو مزید نرم و شیریں بنانے کی غرض سے بحر کی تبدیلی پر زور
دیتی ہے۔ تاکہ لہجے اور اسلوب کے بام و در طہارت کی روشنی میں جگمگانے لگیں۔ نظم کے مذکورہ
منظر کو علمی اعتبار سے پُر اثر بنانے کے لیے چندر بھان خیال نے اپنے اندر کے شاعر کی تمام
شعری قوتیں یکجا کر کے قرطاس پر اس انداز سے سجائی ہیں کہ شاعری سے نا آشنا لوگ بھی
”لولاک“ کی گرفت میں سمٹ آتے ہیں، چونکہ نظم کا دوسرا باب جوں جوں واقعاتی مناظر کی
تخلیق سے گزرتا ہے نظم قارئین کے دل و دماغ پر مرتب ہونے لگتی ہے اور قارئین نظم کے حرف
حرف کے ساتھ سفر کرنے لگتے ہیں۔

سمت سمت نورانی.....
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی
دشت میں کہستاں میں شہر میں بیاباں میں
پُرسکون سی ہلچل عالمین امکان میں
اور زمین کے اوپر
آسمان کے نیچے اک شبیہ لاثانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی
صاحب کتاب آیا لے کر پھر شباب آیا
آگیا یقین سب کو اہل انقلاب آیا
اور سکوت نے گایا

نور کی ولادت کا ایک گیت لافانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی
شش جہات نے چوما، کائنات نے چوما
چاند جیسے چہرے کو سب صفات نے چوما
اور حرا کی آنکھوں نے
آمنہ کے آنچل میں دیکھا عکس ربانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی

مذکورہ نظم کی تخلیقی تکنیک کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہی رہے گی چونکہ شاعر نے نظم کی ہیئت کو مزید پُر اثر بنانے کے لیے یہاں پہلا مصرعہ نصف بحر میں تخلیق کیا ہے اور اس کے بعد کے تین مصرعے مکمل بحر میں تخلیق کر کے چوتھے مصرعے کو پھر نصف بحر میں تخلیق کیا ہے جس سے نظم کا یہ حصہ موسیقی کی مستی میں جھومتا ہوا محسوس ہوتا ہے تو یہ سوچنا ہی پڑتا ہے کہ شاعر کے احساسات کس تخلیقی بلندی سے گزر رہے ہیں جو وہ اس طرح مصرعے تخلیق کر رہا ہے کہ جیسے اس کا ہر لفظ ہر خیال ایمان کے نور میں شراپور ہو چکا ہے۔ چاند جیسے چہرے کو سب صفات نے چوما، رسول اکرم ﷺ کے عاشقین کو اپنا ہموا بنانے کے لیے نظم کا مذکورہ مصرع ہی کافی ہے۔ لیکن ”لولاک“ تو ایسے مصاریع کا ایک طویل شعری سلسلہ ہے۔ غربی سے جو جھٹتا ہوا حلیمہ کے خستہ مکان کا ایک منظر دیکھیے جس کے سامنے رسول اکرم ﷺ کی برکتوں کے عوض مخلوق کے ست رنگ اجالے بھی پھیکے نظر آتے ہیں۔

ناتواں حلیمہ کے روز وارے نیارے تھے
مطمئن نگاہیں تھیں، پر فضا نظارے تھے
مفلسی کے جملوں سے زخم خوردہ سانسوں سے
اعتماد کے نغمے پہلی بار گائے تھے
لطف اور مسرت میں روز و شب نہائے تھے
بے اماں گھروندے پر رحمتوں کے سائے تھے
پاس کے اندھیرے میں بیکسی کے ڈیرے میں
سو ادا سے روشن تراک دیا محمد ﷺ کا

رسول اکرم ﷺ کے معصوم بچپن سے ابھرتی ہوئی کراماتی روشنیوں کو شاعر جس طرح حلیمہ کے شوہر کی آنکھوں سے دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کرتا ہے یہ اس کے فنکارانہ احساس کی ایک ایسی صورت ہے جس کی چمک کبھی ماند پڑنے والی نہیں ہے۔

تھا فضا میں اجلا پن اک نئی بشارت کا
وادیاں دھڑکتی تھیں قربتوں کی حدت سے
اور ایک دن دیکھا شوہر حلیمہ نے
نونہال کا سینہ علم کا سمندر ہے
صبر و شکر کا مسکن، صلح کل کا محور ہے
عدل و عزم کا مظہر نیکیوں کا رہبر ہے
یہ کمال قدرت کا وہ عظیم لمحہ ہے
جس نے کھول دیں آنکھیں بے شمار لمحوں کی
راہ ہوگئی روشن تار تار لمحوں کی
باغ، باغ تھیں سانسیں بے قرار لمحوں کی
ایک ایک لمحے میں ایک اک صدی پنہاں
مکملہ تمدن کی ذی وقار مظہر تھی

مذکورہ نظم کے واقعات منظروں میں شاعر نے اپنے لہو کو جی بھر کر انڈیلا ہے تبھی تو ہر مصرع کا چہرہ درخشندہ نظر آتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ ایک بار بچپن میں ڈھول تماشے کی طرف چلے گئے تھے، لیکن قدرت کی کرم پرور ہواؤں نے آپ کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر گہری نیندوں کے حوالے کر دیا، اس واقعے کو چندر بھان خیال کی نظم ”لولاک“ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیے۔

صرف رنگ مستی کا شاد کام چہروں پر
جھوم جھوم کر ناچے شر تمام چہروں پر
کفر کی طرب ناکی پسلیوں کو گرمائے
اک طلسم تازہ کا اہتمام چہروں پر

بے لباس لمحوں کے شعلہ بار عالم میں
 عرش دیکھتا جائے فرش پر خموشی سے
 آدمی کے ہاتھوں سے آدمی کی بربادی
 برق بن کے ناچ اُٹھی بے لگام آزادی
 اس طرف یہ عالم تھا اور آپ کے آتے
 لعنتوں کی بارش میں تن گئے کئی چھاتے
 نیند آگئی گہری سو گئے وہیں حضرت
 اور کی قدم بوسی صبح کے اجالوں نے
 پھر کبھی نہیں چھیڑا ان برے خیالوں نے
 اور معجزہ دیکھا سب قریش والوں نے
 سرزمین مکہ پر آفتِ اکال اتری
 ابر کی علامت سے آسمان خالی تھا

نظم کے اس حصے میں قریش کی عیاشیوں اور جہالتوں کو آئینہ کرنے کے ساتھ آپ کا بچپن
 میں اس طرف جانا اور قریش کا اکال ایسی مصیبت سے دوچار ہونا ایسے واقعات ہیں جو انسان کے
 ذہن پر بہت ہی گہرے نقوش مرتسم کرتے ہیں، اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ کائنات کو انسان کی
 گمراہیوں نے ہی برباد کیا ہے۔

دل تو نہیں چاہتا، لیکن طوالت کے خوف سے نظم کو یہیں چھوڑ کر تیسرے باب میں داخل
 ہو رہا ہوں، چونکہ میں نظم کے ہر باب سے گزرنے کا تہیہ کر چکا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ قارئین بھی
 میرے ساتھ رہیں۔ نظم کے مذکورہ باب کو تخلیق کرنے کے لئے شاعر نے جس بحر کو برتا ہے وہ بہت
 ہی مترنم ہے اور زیادہ الفاظ کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔ جس کی شاعر کو ضرورت بھی ہے۔ چونکہ
 مذکورہ باب نبوت کی پُر نور ساعتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ چند مصاربع دیکھیں اور
 چندر بھان خیال کی شعری پرواز کی داد دیں۔

موسم کے بدلتے تیور اور حالات پہ قابو کس کا ہے
 انسان ہے کس کا دستِ نگر ہر ذات پہ قابو کس کا ہے

پوشیدہ سبھی کے سینوں میں وہ کوئی تو ہے وہ کوئی تو ہے
 وہ کوئی تو ہے جو ہر لمحہ سانسوں کو تسلسل دیتا ہے
 اسرار سمیٹے ہستی کو نزدیک ہی چھپ کر بیٹھا ہے
 وہ جس نے بنایا دنیا کو جو قادر مطلق و یکتا ہے
 اسرار سمیٹے ہستی کے نزدیک ہی چھپ کر بیٹھا ہے
 وہ جس نے بنایا دنیا کو جو قادر و مطلق و یکتا ہے
 وہ کوئی تو ہے وہ کوئی تو ہے جو روح پہ قابض ہے ہر دم
 فرمان سے جس کے پیڑوں کی شاخوں پہ نکلتی ہیں کلیاں
 اور دور سمندر سے جا کر ملتی ہیں دوڑ کے سب ندیاں
 یہ چاند ستارے اور سورج آغوشِ فلک میں رقص کناں
 پھر سوچ کے تپتے صحرا میں رمضان کی وہ شب آہی گئی
 شب قدر کہ جس کے دامن میں تھا غار کا ہر گوشہ روشن
 سورج کی شعاعوں کی صورت تھا خاک کا ہر ذرہ روشن
 عابد کی نگاہوں کے آگے معبود بصد جلوہ روشن
 اور نورِ مشکل ہوتے ہی اعصاب سبھی مہبوت ہوئے
 مرعوب حواس و ہوش ہوئے آواز فرشتے کی آئی
 لفظوں کی تجلی سامنے تھی بجلی سی فضا میں لہرائی
 دیکھو، یہ پڑھو، اک بھاری صدا کانوں میں محمد کے آئی
 کی آپ نے ہمت اور پوچھا، میں کیسے پڑھوں اور کیا میں پڑھوں
 یہ پوچھ کے پھر خاموشی سے اظہارِ کرامت پڑھنے لگے

رسول اکرم ﷺ کو نبوت کے اکرام سے نوازے جانے سے قبل جو شاعر نے حمد یہ مصاریع
 تخلیق کئے ہیں ان میں حمد کے رس کو اس طرح گھولا گیا ہے کہ وجدان کی لے پر بتوں سے گزرتے
 ہوئے جھرنوں سے کہیں زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے۔
 چندر بھان خیال نے ”لولاک“ کو تخلیق کرتے ہوئے جو شعری جدتیں اور ندرتیں اپنائی

ہیں وہ اس عہد میں ڈھونڈے سے بھی ہاتھ نہیں آئیں گی، رسول اکرم کی سیرت کے اظہار میں مذکورہ نظم ایک ایسا فن پارہ ہے جو ایمان والوں کے دلوں کو رہتی دنیا تک گدگداتا رہے گا۔ اور ہجرت کے باب میں تو ایسے واقعات درج ہیں جو محسنِ انسانیت رسول اکرم ﷺ کی انسانوں پر کرم فرمائیوں کو بے کنار کر دیتے ہیں، نظم کے مذکورہ باب میں شاعر نے رسول اکرم کے نور پیکر سراپا کو ایسے صادق شعری احساس کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس کی قربت میں انسان کا چہرہ آنسوؤں سے وضو کرنے لگتا ہے۔

پُرکشش، پُر امن، پُر آداب، دلکش، پُر وقار
دو جہاں کی تابناکی عارض و رخسار پر
زندگی کی پُرسرت آہٹیں جن میں نہاں
اُمّ معبد نے نبی کا یوں کیا حلیہ بیاں
چہرہ پُر نور جس پر فکر کی شادایاں
ہر تھکے ہارے ہوئے راہی کو تازہ تر کریں
اور پیشانی پہ محسوسات کی اونچائیاں
فرض اور انسان کی دنیا کا اونچا سر کریں
سرگیں آنکھوں میں مستقبل کی روشن جھلکیاں
کالی پلکوں پہ تھرکتا اک تمدن شاندار
ابروئے باریک میں پوشیدہ سب کون و مکاں
اُمّ معبد نے نبی کا یوں کیا حلیہ بیاں
چہرہ پُر نور جس کو جھانکتی زلفیں سیاہ
ابرو جیسے عرش خوش پیغام سے لپٹے ہوئے
نرم اور شیریں لبوں پر گفتگو کی سادگی
جیسے الفاظِ دعا احرام سے لپٹے ہوئے
شفقت و اخلاق سے آراستہ حسنِ سلوک
پیشوائی کا طلسم ایسا کہ سمیتیں تابناک
ہر عمل، ہر قول، سے نبوت کے نشان
اُمّ معبد نے نبی کا یوں کیا حلیہ بیاں

نظم کے تحریر کردہ تمام مصاریع رسول اکرم کے بہترین نعت خواں کا مرتبہ رکھتے ہیں اور شاعر کے دل میں رسول اکرم ﷺ کی جو عظمت و مرتبہ ہے اس کا اندازہ لگانا ممکنات میں سے نہیں ہے۔ اور جب نظم اس منزل سے آگے کے سفر پر رواں ہوتی ہے تو رسول اکرم کے انسانیت پر بے شمار احسانات کا گن گان کرتی ہے۔ مثلاً۔

زندگی پرہیز اور صبر و ادب کا نام ہے
آدمی انسان بن جائے یہی اسلام ہے

واقعی رسول اکرم نے آدمی کو انسان بنانے کے لئے جو مصائب برداشت کیے انہیں سن کر ہی انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔ اور نہ ہی پوری انسان برادری قیامت تک رسول اکرم کے احسانات چکا سکتی ہے۔ صبر محض ایک لفظ نہیں رسول اکرم کی زندگی کا ایک وصف ہے۔ جس میں دنیا کو فردوس نذیر بنانے کی مکمل تعلیم پہنا ہے۔ آپ نے خواتین و مساکین، یتیم و اسیر اور پڑوسی و احباب کے حقوق کی ادائیگی کا جو درس دیا ہے اگر دنیا آج بھی اس پر عمل پیرا ہو جائے تو ہر فساد کا ہر تضاد کا وجود چند دنوں میں ہی دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ اس کے بعد جہاد کی گلی کوچوں میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور جبر و ظلم کی داستان مختصر ہونے لگتی ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے امن و انصاف و انسانیت کا پرچم زمین پر اس ادا سے بلند ہوتا ہے کہ چہار جانب کلمہ حق صداؤں کے رتھ پر محو سفر ہو جاتی ہے۔ اور شاعر اس مقام پر اپنے جذبات کے بہاؤ کو کس طرح شعری لبادے عطا کرتا ہے یہ تو وہ خود ہی بتا سکتا ہے خاکسار تو صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ شاعری کے لیے یہ بہت ہی مشکل مقام ہے۔ چونکہ نظم کا یہ حصہ علم و فن کے خوشنما نمونوں سے آباد ہے۔ جنگ بدر کے حوالے سے چند مصاریع ملاحظہ فرمائیں۔

پرہول نظارہ مقتل کا بھگدڑ کے مناظر چاروں طرف
تاجہ نظر سر کٹتے ہوئے سہمے ہوئے شاطر چاروں طرف
دھول اور دھوئیں کے سائے میں یہ جنگ کا عبرتناک سماں
منکر کی قطاروں پر غالب انصار و مہاجر چاروں طرف
برق اور شراروں کی بارش ظلمت پہ اجالوں کی یورش
کفر اور بدی کے پرچم سب لاشوں سے لپٹ کر نوحہ کناں

باطل کا بھیانک چہرہ بھی مردوں کی طرح مرجھانے لگا
 اور بدر کی ساکت وادی پر اک شور قیامت چھانے لگا
 کہرام تمام گنواروں میں دہشت کے علمبرداروں میں
 قدرت کی طرف سے حکمت نے اس جنگ کی وہ صورت بدلی
 ہر ایک پہلوؤں اور جواں میداں میں یہاں غش کھانے لگے
 اور بدر کی ساکت وادی پر اک شور قیامت چھانے لگا
 جنگ بدر کے بعد شاعر جنگ اُحد کے خونریز راستے سے بھی دل چھونے والی شعری ترنگوں
 کے ساتھ گزرتا ہے اور یہ ثابت کر دیتا ہے کہ کوئی بھی منظر اس کی شعری قوتوں کی گرفت سے باہر
 نہیں ہے۔ اس کے ثبوت میں چند مصاربع اور مطالعہ فرمائیں۔

وہ شور اٹھا سمتوں سمتوں سیلاب عداوت کی صورت
 معدوم منافق ہونے لگے مفرور روایت کی صورت
 طوفان و تلاطم صدیوں کا اک تیغ کی دھار پہ یوں سمٹا
 بڑھ چڑھ کے محاذ آرائی کو ہر ایک سپاہی دوڑ پڑا
 جاں اپنی ہتھیلی پہ رکھ کر حق و راست کا راہی دوڑ پڑا
 اعجاز رسالت کے حق میں دینے کو گواہی دوڑ پڑا
 خوں خوار سفیران شر پر مضبوط ارادوں کے حملے
 ہاں، صوف کی صیف زنی نے بھی معبود کے جھنڈے گاڑ دیئے
 وہ تیر چلے وہ تیغ چلی سب آہنی سینے پھاڑ دیئے
 میدان اُحد سے دشمن کی قوت کے نشان سب جھاڑ دیئے
 مقہور مسلمان قہر بنے قاہر کی کمر مضروب ہوئی
 لیکن بہ رضائے رب زماں کفار کے چہرے شاد ہوئے

یہی وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں کو اپنی غلطی کا خمیازہ اٹھانا پڑا تھا۔ چونکہ جنگ میں معمولی
 سی چوک بھی بڑے نقصان کا پیغام لے کر آتی ہے۔ اور یوں بھی رب دوعالم مسلمانوں کو خبردار
 کر رہا تھا کہ کسی بھی صورت میں رسول اکرم کی بات پر قائم رہیں اسی میں برکت اور فلاح ہے۔
 اور آپ کی صلح جو طبیعت کو آئینہ کرنے کے لیے ”لولاک“ کے شاعر نے جو شعری کرشمہ کیا ہے اس

کے مطالعے کے بعد جی چاہتا ہے کہ چندر بھان خیال کا منہ موتیوں سے بھر دیا جائے۔

کفار کی شرطوں پر ہی سہی اسلام کے ہاتھ بڑھنے لگے
ہوش اور حواس کے ایوان میں تدبیر کی شمعیں جلنے لگیں
محبوس اندھیرے گوشوں تک وحدت کی رسائی ہو ہی گئی
سرکارِ زماں کی حکمت سے پھر صلح و صفائی ہو ہی گئی

تحریر کردہ بند کے حرف حرف سے جو اخلاص و کردار کی خوشبوئیں پھوٹی ہیں ان میں بھی
آپ کی نرم فطرت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ چونکہ زمین پر کتنا ہی گھور اندھیرا کیوں نہ جمع ہو جائے لیکن
اجالے کی امید کبھی دم نہیں توڑتی ہے۔ اور نظم یہیں سے موڑ کاٹتی ہوئی اپنی منزل کی طرف تیزی
سے بڑھنے لگتی ہے جسے شاعر رسول اکرم کی نصرت سے تعبیر کرتا ہے۔ نظم کے اس باب میں بھی
انسانی زندگی کے لئے نفع بخش اسباق موجود ہیں۔ دیکھیں۔

امانت میں تمہاری ایک نصب العین ہے عورت
خدا اور آدمی کی سوچ کے مابین ہے عورت
اسے مجبور مت کرنا، اسے محبوب رکھنا تم
تمہاری خواب گاہوں اور گھر کا چین ہے عورت
ہمیشہ پیش آنا خوش دلی اور خوش کلامی سے
حقوق اللہ نے اس کے بھی تم پر کر دیئے واجب
تم اس کی غیر پروائی پہ سختی سے نظر رکھنا
مری ہر بات کو تم لوگ دل سے باندھ کر رکھنا

نظم کا اختتامی باب تمام دنیا کے انسانوں کی بھلائی اور خدائے واحد کی توحید و عبادت سے
معمور ہے۔ اگر دنیا پورے طور پر آپ کی تعلیمات کی راہوں میں سفر آ مادہ ہو جائے تو زمین کے
کسی کونے میں بھی شر کو پاؤں رکھنے کے لئے جگہ نصیب نہیں ہوگی۔ آج عورت کی جو حالت ہے
وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ مرد طبقہ اگر اپنی ذمہ داریوں پر غور کرے تو ضرور محسوس کرے گا
جہاں عورت سے خوش دلی اور خوش کلامی سے پیش آنے کے لیے کہا گیا ہے۔ وہیں اس کی
لا پرواہیوں پر سختی سے نظر رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جو گھروں کو اور خاندانوں کو جوڑے رکھنے کے
لیے بے حد ضروری ہے۔

لیکن اب اس قبیل کی تعلیمات کو سماج و معاشرے میں فرسودہ خیالات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کا بدترین انجام ہمارے سامنے ہے۔ چندر بھان خیال کی نظم ”لولاک“ رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے ایک ایسی نظم ہے جس کا تفصیلی تجزیہ مختلف فکر و خیال کی روشنیوں میں ہونا چاہئے۔ چونکہ ”لولاک“ کے حوالے سے جو بھی مضامین میری نظر سے گزرے ہیں ان میں سب سے عمدہ مضمون مخمور سعیدی کا ہے جو نظم کی معنوی دشاؤں سے گزرتے ہوئے فکر آ میز گفتگو کرتا ہے۔ بقیہ زیادہ تر مضامین نظم کی معنوی رفتار کے مقابل سست نظر آتے ہیں۔ چونکہ نظم پوری طرح نعت کی معنویت کے حصار میں نہیں رہتی ہے یہ حمد کے احساس کو بھی زندگی عطا کرتی ہے۔ اور رسول اکرم کی آمد سے قبل کے ماحول کو بھی بیان کرتی ہے۔ اور بعض ارباب فکر و نظر کو نظم کا مطالعہ کرتے ہوئے حفیظ جالندھری کا شاہ نامہ اسلام یاد آ نے لگتا ہے۔ جب کہ چندر بھان خیال کی نظم ”لولاک“ کو شاہ نامہ اسلام سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ دونوں فن پارے اپنے اپنے عہد کے بہترین شاہکار ہیں اس لیے مذکورہ نظم پر ابھی مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔

خورشید ملک (کلکتہ)

نعت گوئی اور ہندو شعراء

لفظ نعت (نعت) عربی زبان کا مصدر ہے۔ اس کے معنی کسی شخص میں قابلِ تعریف صفات کا پایا جانا ہے۔ لیکن اب اس لفظ کو حضور سرور کائنات ﷺ کی تعریف و توصیف کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اردو شاعری کی شاید ہی کوئی ایسی صنف ہو جس میں نعت نہ کہی گئی ہو۔ اسی لئے اس کے اسالیب طے شدہ نہیں ہیں۔ یوں تو زمانہ قدیم سے ہی نعت کہنے کی روایات ہمارے سامنے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ہی عربی زبان کے شعرا نے نعت کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان شعرا میں سب سے نمایاں نام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے جن کی نعت گوئی حضور خود سنتے اور داد سے بھی نوازتے تھے۔ مسجد نبوی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ایک جگہ بھی مخصوص کی گئی تھی جہاں حضور کے سامنے بیٹھ کر وہ نعت سناتے تھے۔ قرآن میں جا بجا اللہ خود اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کیا)

جس کی تخلیق پر اللہ خود نازاں ہوا اور مدح سرائی فرمائی ہو اس کی تعریف ہم سے کہاں ہو سکتی ہے تاہم اردو زبان کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے حضور ﷺ کی شان میں نعت نہ کہی ہو۔ نعت گوئی آسان نہیں۔ یہ دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔ ایک اچھا نعت گو وہی ہو سکتا ہے جو حضور کی ذات سے لگاؤ اور عشق رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ہو۔ حضور کی ساری زندگی کا مطالعہ، دین کی باریکیاں اور قرآن کی سمجھ اور حدیث سے واقفیت ہو۔ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ نعت گوئی کا محرک قرآن ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان میں جن الفاظ کا استعمال کیا ہے اس کا ثانی تو ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت احمد رضا خان بریلوی جن کا نام لئے بغیر کوئی بھی نعتیہ مضمون مکمل نہیں ہو سکتا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ:

”قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی۔“

مولانا رؤف امر وہوی کہتے ہیں۔

لکھوں کیا وصف شاہ انس و جاں سے زباں اللہ کی لاؤں کہاں سے
اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ یعنی ”نعت گوئی اور ہندو شعراء“ یہ کہنا مشکل ہے
کہ ہندوستان میں نعت گوئی کا سلسلہ کب سے شروع ہوا لیکن جو تحریریں سامنے آئی ہیں اس سے
یہ پتہ چلتا ہے کہ کبیر کے زمانے میں بھلے ہی دوہے کی شکل میں مگر نعت کہی جاتی تھی۔ کبیر نے
ایک جگہ اپنے دوہے میں لکھا ہے۔

عدد نکالو ہر چیز سے چوتن کر لو دوائے دو ملا کے چکن کر لو بیس کا بھاگ لگائے

باقی بچے کے نو تن کر لو دو اس میں دو اور ملائے

کہت کبیر سنو بھائی سادھو نام محمد آئے

اس طرح گرو گرتھ میں آتا ہے۔

میم محمد من تو من کتابہ چار

من خدائے رسول نوں سچا یہ دربار

ویسے تو غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہو چکا تھا۔ ان شعراء نے عقیدت و
محبت کے اظہار کے لئے حضور اکرم ﷺ کی سیرت و نعت کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ لیکن
حقیقی دور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سے شروع ہوا۔

عصر جدید میں ہمیں متعدد ایسے غیر مسلم شعراء ملتے ہیں جنہوں نے اس میدان میں نمایاں
مقام حاصل کیا۔ اس کے مختلف اسباب رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی پُرکشش ذاتِ مبارک اور
آپ کا دنیا پر بلا تفریق قوم و ملت کے احسانات سے متاثر ہو کر ان شعراء نے آپ کو نذرانہ عقیدت
پیش کیا۔ دوسری بڑی وجہ رواداری کی وہ فضا ہے جو جنگ آزادی کے بعد ہندو مسلم قوموں میں
پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ نمایاں ہو گئی تھی۔ انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کی خواہش نے بھی
اس میں اہم کردار نبھایا۔ مخلوط معاشرے میں اگرچہ ہندو مسلم تعلقات میں ایک کشیدگی ہمیشہ رہی
اور دونوں قوموں کے تہذیب و تمدن میں واضح اختلاف رہا، اس کے باوجود اہل فکر و قلم کے حلقوں
میں رواداری کی ایک انوکھی فضا ملتی ہے۔

غیر مسلم شعراء کی نعتوں کو جمع کرنے کی سب سے پہلی کوشش مشہور شاعر مرحوم والی آسی نے
کی تھی اور اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یوں تو اردو میں غیر مسلم نعت گو شعراء کی تعداد کئی سو

تک پہنچتی ہے۔ لیکن نور میرٹھی نے جو کتاب ”بہ ہر زماں بہ ہر زماں“ مرتب کی وہ بہت اہمیت کی حامل ہے اس میں انہوں نے تین سو چھتیس (۳۳۶) ہندو شعرا کی نعتوں کو یک جا کیا ہے۔ چند مشہور ہندو نعت گو شعرا درج ذیل ہیں۔

☆ عصر جدید میں پہلے غیر مسلم اہم نعت گو شاعر منشی شکر لال ساسی ۱۸۹۰ء ہیں۔ انہوں نے اردو و فارسی دونوں زبان میں اشعار کہے۔

جیتے جی روضہ اقدس کو نہ آنکھوں نے دیکھا روح جنت میں بھی ہوگی تو ترستی ہوگی
نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے کیا مری ان کے مدح خوانوں میں ہستی ہوگی
(محمد دین فوق، اذان بت کدہ ص ۳۵-۳۳)

☆ مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد (م ۱۳۵۹ھ) پہلے معروف ہندو نعت نگار تھے جنہوں نے کثیر تعداد میں نعت رسول ﷺ کہی۔ آپ کے اشعار جذب و شوق اور حب رسول سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ کسی غیر مسلم کا کلام ہے۔ آپ نے نبی کریم ﷺ کے ظاہری جمال کے بارے میں متعدد اشعار لکھے ہیں جن میں آپ کے زلف و عارض، خد و خال اور ابرو و قامت کے حسن کو تشبیہ اور استعارہ کی شکل میں پیش کیا ہے اور ان میں عربی الفاظ و تراکیب بھی ملتی ہیں۔ آپ کا مجموعہ دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں
پر بندہ ہوں اس کا جو ہے سلطان مدینہ
مدینہ کو چلوں دربار دیکھوں
رسول اللہ کی سرکار دیکھوں

(کشن پرشاد شاد، ہدیہ شاد ص ۹۲)

☆ دلورام کوثری (۱۳۶۵ھ) بھی نعت گوئی میں بہت مشہور ہوئے۔ برصغیر کے مشہور صوفی پیر جماعت علی شاہ نے آپ کی شاعری سے متاثر ہو کر آپ کو ”حسان الہند“ کا لقب دیا تھا۔ آپ نبی کریم ﷺ کی محبت و شفقت اور حلم و درگزر سے بہت متاثر تھے اس لئے آپ نے انہیں ہی اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ جیسے۔

کچھ عشق محمد میں نہیں شرط مسلمان ہے کوثری ہندو بھی طلب گار محمد

(محمد دین فوق، اذان بت کدہ ص ۲۴)

☆ عرشِ ملیسانی بھی صاحبِ دیوانِ نعت گو شعرا میں سے ہیں۔ آپ کے مجموعہ کا نام ”آہنگِ حجاز“ ہے۔ آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ مسلم ہندو کے مخلوط معاشرے میں مذہبی تعصب سے اوپر اٹھ کر باہمی محبت و یگانگت کو فروغ دیا۔ آپ کی شاعری میں نبی کی ذات سے عقیدت و محبت دلی تڑپ اور خلوص کی چاہت پائی جاتی ہے۔ جیسے۔۔۔

تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خون ہر بشر حسن نمود زندگی، رنگ رخِ حیاتِ نو

(عرشِ ملیسانی، آہنگِ حجاز ص ۷)

دیگر ہندو نعت گو شعرا کرام میں منشی بالاسہائے متصدی (پرچہ در شان محمد مصطفیٰ ۱۹۰۵ء، جلسہ مولود شریف مع غزلیات و نعت محمد مصطفیٰ ۱۹۰۷ء)، پنڈت شیو ناتھ چک کیف ۱۹۱۴ء مناجاتِ کیف ۱۸۹۸ء، دیوانِ کیف ۱۹۰۷ء، منشی لتا پرشاد شاد ۱۹۵۹ء۔ ۱۸۸۶ء (مخزن اسرار معرفت، نالہ دل خراش ۱۹۴۹ء، پنجہ پنچن، پر بھو دیال رقم (پ ۱۸۹۱ء) تحفہ عید میلاد النبی ۱۹۵۸ء)، پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی ۱۸۱۱ء۔ ۱۸۴۴ء۔ (مثنوی گلزار نسیم)، شیو پرشاد وہی لکھنوی (مرقع از ژنگ ۱۸۸۰ء) منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی ۱۸۷۳ء۔ ۱۹۱۰ء (جام سرور، خم خانہ سرور)، مہر لال سونی ضیا (پ ۱۹۱۳ء) (طلوع ۱۹۳۳ء، نئی صبح ۱۹۵۱ء، گردِ راہ ۱۹۶۲ء چاند بہاری لال ماتھر صبا (پ ۱۸۸۵ء) جگن ناتھ آزاد (۱۹۱۸ء) کنور مہندر سنگھ بیدی (پ ۱۹۱۰ء) منشی روپ چند، پیارے لال روتق، چند پرشاد شیدا، مہاراج بہادر برق، منشی کچھی نرائن سٹا، تر بھون شنکر عارف، پنڈت ہری چند اختر، پنڈت لہو رام جوش ملیسانی، علامہ تر بھون ناتھ زار تلتی دہلوی، تلک چند محروم، گوپی ناتھ امن، پنڈت نوبت رائے نظر، پنڈت امر ناتھ آشفیت دہلوی، بھگوت رائے راحت کا کوری، مہاراجہ کشن پرشاد شاد، پنڈت برج نراین دتا تریا کیتی، رگھوپتی سہائے فراق گورکھ پوری، کرشن موہن، چندر پرکاش جوہر بجنوری، آنند موہن تلتی، گلزار دہلوی، پنڈت دیا پرشاد گوری، اوما شنکر شاداں، اشونی کمار اشرف، ہری مہتا ہری اور چندر بھان خیال جیسے شعرا کے نام قابل ذکر ہیں۔

ہندستان میں آج بھی کئی ہندو شعرا ہیں جو باضابطہ نعت کہتے ہیں۔ ان میں ایک نام جو سب سے نمایاں ہے وہ تلک راج پارس کا ہے۔ ان کا تعلق ہندوستان کے مدھ پردیش کے جبل پور سے ہے۔ کئی برسوں سے صرف نعت کہتے آ رہے ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں انہوں نے غزلیں بھی لکھیں لیکن اب اپنے آپ کو صرف نعت کے لئے ہی مخصوص کر رکھا ہے۔ روزانہ ایک نئی نعت

لکھنا کسی بھی شاعر کے لئے مشکل ہے لیکن تلک راج پارس یہ کام بخوبی کرتے ہیں۔ ان کی نعت سے چند اشعار رقم کرتا ہوں۔

رسول پاک کا عاشق ہوں یہ تمثیل ہو جاؤں
خدا ایسا کرے باطن سے میں تبدیل ہو جاؤں
مری خواہش ہے جب میں خاک میں تبدیل ہو جاؤں
ہوا کے دوش پر طیبہ نگر ترسیل ہو جاؤں
مقدر میں لکھا ہوگا مدینہ جاؤنگا پارس
وہاں جا کر وہاں کی خاک میں تحلیل ہو جاؤں

آخر میں میں یہ کہتا چلوں کہ ہندوستان میں نعت پہ اتنا کام نہیں ہوا جتنا پاکستان میں ہوا ہے۔ کراچی میں باضابطہ ایک نعت ریسرچ سینٹر ہے جہاں ریسرچ کے علاوہ بہت سے دوسرے ایسے کام کئے جاتے ہیں جس سے نعت کہنے والے مستفیض ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایسے ایک سنٹر کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے آنے والے دنوں میں کوئی نعت سے محبت رکھنے والا اس طرف توجہ دے۔

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی (علی گڑھ)

کلام حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی منظوم اردو ترجمانی

یہ حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیوان مطبوعہ 1966ء-1385ھ کے قافیۃ الدال کا ساتواں قصیدہ ہے۔ اس قصیدے میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا ہے، دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت بھی بیان کی ہے۔ آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ کچھ یادوں کو تازہ کیا ہے اور کاغذ کے دامن میں محفوظ کر دیا ہے۔ لیکن کوئی ایسی خلاف عقل و شریعت بات نہیں کہی ہے، جیسی باتوں سے ہمارے اردو، فارسی کے تمام اصطلاحی مرثیے لبریز ہیں، اور ہمارے مرثیہ نگار کبھی یہ نہیں سوچتے کہ کسی قابلِ تعظیم شخصیت کی تعریف میں وہ کتنے مشرکانہ و متبدعانہ خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

بَطِيْبَةٌ رَسْمُ الرِّسْوَلِ وَمَعْهَدُ
مُنِيرٌ وَقَدْ تَغْفُو الرِّسْوَمُ وَتَهْمَدُ

نشانیاں ہیں مدینے میں آج بھی روشن رسولِ ربِّ دو عالم، جہاں کے رہبر ﷺ کی اگرچہ ہوتا ہے ایسا کہ سطح گیتی پر کہیں کسی کی نشانی سدا نہیں رہتی

وَلَا تَمْحِى الْآيَاتُ مِنْ دَارِ حُرْمَةٍ
بِهَا مِنْبَرُ الْهَادِي الَّذِي كَانَ يَصْعَدُ

نہ مٹ سکیں گی یہ روشن نشانیاں ہرگز مکانِ محترم سرورِ دو عالم ﷺ کی یہاں وہ منبرِ اطہر بھی ہے نگاہ نواز تھی جس کی ہادی عالم ﷺ سے رونق افزائی

وَ وَاَضِحُ آيَاتٍ وَ بَاقِي مَعَالِمٍ
وَ رُبْعٌ لَّهُ فِيهِ مُصَلَّى وَ مَسْجِدُ

کئی نشانیاں آقا ﷺ کی ہیں یہاں موجود کئی نشان ہیں اس خطہ مبارک پر
یہیں پر آپ ﷺ کا مسکن ہے رحمتوں کا امین ہے جس میں جائے نماز اور مسجد سرور ﷺ

بِهَا حُجَرَاتٌ كَانَ يَنْزِلُ وَ سَطْحًا
مِنَ اللّٰهِ نُورٌ يُسْتَضَاءُ وَ يُوقَدُ

یہیں ہیں آپ ﷺ کے حجرہ ہائے پاکیزہ کہ جن میں نور اترتا تھا رب کی جانب سے
وہ نور جس سے کیا جاتا تھا، حصولِ ضیا وہ نور، جس سے دل و جان جگمگاتے تھے

مَعَالِمٌ لَّمْ تُطْمَسْ عَلَى الْعَهْدِ آيَهَا
أَتَاهَا الْبَلَى مَا لَأَى مِنْهَا تَجَدُّدُ

یہ وہ نشان ہیں، جن کی نشانیاں ہیں سدا تغیراتِ زمانہ سے سر بسر محفوظ
قریب آتی ہے بوسیدگی اگر ان کے یہ پھر سے ہوتے ہیں، ہو ہو کے تازہ تر محفوظ

عَرَفْتُ بِهَا رَسْمَ الرَّسُولِ وَ عَهْدَهُ
وَقَرًا بِهِ وَارَاهُ فِي التَّرَابِ مُلْحِدُ

نشانوں سے میں آقا ﷺ کی خوب واقف ہوں زمانہ آپ ﷺ کا پھرتا ہے میری آنکھوں میں
وہ قبر پاک بھی پہچانتا ہوں میں کہ یہیں چھپا ہوا، ترن اقدس ہے جس کے پردوں میں

ظَلِلْتُ بِهَا أَبْكِي الرَّسُولَ فَاسْعَدْتُ
عُيُونٌ وَ مِثْلَاهَا مِنْ الْجَفْنِ تُسْعَدُ

نبی ﷺ کی یاد میں جب میں ہوا ہوں گریہ کنوں تو میرا ساتھ نبھایا ہے میری آنکھوں نے
بقدرِ حوصلہ تاکہ ادا ہو حق بکاء اعانت آنکھوں کی، کی خود بخود پوٹوں نے

تَذَكَّرُ آلَاءَ الرَّسُولِ وَ مَا أَرَى
لَهَا مُحْصِيًا نَفْسِي فَنَفْسِي تَبَلَّدُ

رسول پاک نے مجھ پر کیے جو احسانات نوازشیں تھیں مرے حال پر جو آقا ﷺ کی
گنوں انہیں، تو ہیں حدِ شمار سے باہر کہ ان کی یاد سے ہوتی ہے مجھ کو حیرانی

مُفَجَّعَةٌ قَدْ شَفَّهَا فَقْدُ أَحْمَدٍ
فَظَلَّتْ لِآلَاءِ الرَّسُولِ تُعَدُّ

میں غمزدہ ہوں وفاتِ رسولِ اکرم ﷺ سے غم نہاں نے مجھے کر دیا ہے سخت ٹڈھال
نوازشات کو آقا ﷺ کی کر رہا ہوں شمار کہ کچھ تو راہ پر آ جائے قلبِ زار کا حال

وَمَا بَلَغْتُ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ عَشِيرَةً
وَلَكِنْ نَفْسِي بَعْضُ مَا فِيهِ تَحْمَدُ

ہوا نہ مجھ سے بیاں ایک کا بھی عشرِ شیرے نبی ﷺ کے جس قدر احسان میری ذات پہ ہیں
میں دل کو تھام کے بس کر رہا ہوں یہ کوشش کہ کچھ تو معرضِ صوت و سخن میں آجائیں

أَطَالَتْ وَقُوفاً تَذْرِفُ الْعَيْنُ جُهِدَهَا
عَلَى طَلَلِ الْقَبْرِ الَّذِي فِيهِ أَحْمَدُ

کھڑا ہوں دیر سے اس قبرِ باوقار کے پاس کہ ہے جو آخری آرام گاہِ خیر بشر
نثار کرتی ہیں پیہم نبی ﷺ کے روضے پر مری الم زدہ آنکھیں بھی آنسوؤں کے گہر

فَبُورِكَتْ يَا قَبْرَ الرَّسُولِ وَبُورِكَتْ
بِلَادُ ثَوَى فِيهَا الرَّشِيدُ الْمُسَدَّدُ

عطا ہوئی ہے سعادت تجھے اے قبرِ رسولِ اکرم ﷺ سعادتوں کا ہے مسکن یہ شہرِ طیبہ بھی
جہاں قیام کیا تھا رسولِ اکرم ﷺ نے جنہیں خدا نے بنایا تھا ہادی و مہدیؑ

وَبُورِكَتْ لَحْدُ مِنْكَ ضَمِنَ طَيْباً
عَلَيْهِ بَنَاءٌ مِنْ صَفِيحٍ مُنْضَدٍّ

ہے تیری لحد بھی مبروک جس میں رکھا گیا جہاں کی سب سے مقدس ترین ہستی کو
ہے لحدِ پاک کا سرپوش ایک پختہ بناۓ چنی گئی ہے حسینِ تختہ ہائے سنگ سے جو

تَهَيْلُ عَلَيْهِ التُّرَابُ أَيْدٍ وَأَعْيُنُ
عَلَيْهِ وَقَدْ غَارَتْ بِذَلِكَ أَسْعَدُ

نبی ﷺ کی قبر پہ جب ڈالتے تھے مٹی ہاتھ رول تھیں ساتھ ہی آنکھوں سے اشک کی جھڑپیں

تو ایسا لگتا تھا، آقا ﷺ کے ساتھ ہی جیسے جہل کی برکتیں سب خاک میں ہوئیں پہلے

لَقَدْ غَيَّبُوا جِلْمًا وَعِلْمًا وَرَحْمَةً

عَشِيَّةَ عِلْوِهِ الثَّرَى، لَا يُوسِّدُ

وہ شام، لحد کو سونپا گیا جب آقا ﷺ کو کہ جس کی مٹی تھی نم اور کوئی تکیہ نہ تھا نہیں ہے شک کوئی اس میں کہ لوگوں سے اس شام خزانہ ہو گیا گم: حلم و علم رحمت کا

وَرَاخُوا بِخُزْنٍ لَيْسَ فِيهِمْ نَبِيُّهُمْ

وَقَدْ وَهَنَتْ مِنْهُمْ ظُهُورٌ وَأَعْضُدُ

ہٹے وہ قبر مبارک کے پاس سے غمگین کہ غم تھا ان کو، نبی ﷺ ان کے درمیان نہ رہے یہ ایسا صدمہ تھا، جس سے ہوا یہ حال ان کا ہو پشت ۱۵ بازو میں ان کے نہ کچھ سکت جیسے

يُبْكُونَ مَنْ تَبَكَّى السَّمَوَاتُ يَوْمَهُ

وَمَنْ قَدْ بَكَتْهُ الْأَرْضُ نَالِنَا أَعْمَدُ

وہ، اُن کی یاد میں گریہ کناں رہے اس دن کہ جن کی یاد میں گریاں تھے آسمان وزمین یہ غم ہی ایسا تھا، سب بیقرار تھے جس سے تمام لوگ تھے اک، اک سے بڑھ کے زار و حزیں

وَهَلْ عَدَلَتْ يَوْمًا رَزِيَّةً هَالِكِ

رَزِيَّةً يَوْمَ كَاكَ فِيهِ مُحَمَّمُ

کسی بھی دن، کسی انسان کی وفات سے کیا پڑی ہے ایسی مصیبت جہان والوں پر؟ کہ جیسی سخت مصیبت میں وہ پڑے اس دن وفات پا گئے جس دن وہ فخرِ نوح ﷺ

تَقَطَّعَ فِيهِ مَنَزِلُ الْوَحْيِ عَنْهُمْ

وَقَدْ كَانَ ذَانُورٌ، يَغُورُ وَيُنْجِدُ

یہ دن تھا وہ کہ ہوا منطق سدا کیلئے نزول، وحی الہی کا، اہل گیتی (۱۷) پر بلا شک آپ ﷺ کی ہستی وہ مہرِ انور (۱۸) تھی جو چپے چپے پہ دنیا کے ہو (۱۹) ضیا گستر

يَذُلُّ عَلَى الرَّحْمَنِ مَنْ يَقْتَدِي بِهِ

وَيُنْقِذُ مِنْ هَوْلِ الْخَزَايَا وَيُرْشِدُ

خلوص دل سے جو کرتا تھا اتباعِ نبی ﷺ خدا کا راستا، سرکارِ ﷺ اسے بتاتے تھے بچاتے تھے اسے رسوائیوں کی دہشت سے درست راہِ ہدایت اسے دکھاتے تھے

إِمَامٌ لَهُمْ يَهْدِيهِمُ الْحَقَّ جَاهِدًا

مُكَلِّمٌ صِدْقٍ إِنْ يَطِيعُوهُ يَسْعَدُوا

وہ پیشوائے بشر، دہر کے معلم تھے دکھاتے تھے حق، سچ کی کرتے تھے تلقین (۲۰)

وہ کامیاب ہوئے اور بامراد ہوئے تھے جن کی زیست کا معمول آپ ﷺ کے مین (۲۱)

عَفُوٌّ عَنِ الرِّذَالِ يَقْبَلُ عُذْرَهُمْ

وَإِنْ يُحْسِنُوا فَالِلَّهِ بِالْخَيْرِ أَجُودُ

خطا سے کرتے تھے لوگوں کی درگزر آقا ﷺ جو عذر کرتے تھے، کرتے تھے ان کا عذر قبول

جوان میں کرتے تھے خود التزام (۲۲) حسن عمل تو اجرِ خیر، خدا کا ہے مستقل معمول (۲۳)

وَإِنْ نَابَ أَمْرٌ لَمْ يَقُومُوا بِحَمْدِهِ

فَمِنْ عِنْدِهِ تَبَسُّرٌ مَا يَتَشَدَّدُ

جو پیش آتی تھی ان کو، کوئی بڑی مشکل کہ جس کے حل کی نہ ہوتی تھی ان میں تاب و تواں

خدائے قادر و قیوم کی اعانت سے رسول پاک کی کوشش سے ہوتی تھی آساں

فَبَيَّنَّا لَهُمْ فِي نِعْمَةِ اللَّهِ بَيْنَهُمْ

دَلِيلٌ بِهِ نَهَجُ الطَّرِيقَةِ يُفَصِّدُ

خدا کی نعمتِ عظمیٰ تھی آپ ﷺ کی ہستی کہ مستفید تھے جس سے تمام اہل جہاں

تھا ایسا شمعِ ہدایت، وجود آقا ﷺ کا کہ جس کے نور سے ملتا تھا منزلوں کا نشان

عَزِيزٌ عَلَيْهِ أَنْ يَحِيدَ عَنِ الْهُدَىٰ

حَرِيصٌ عَلَى أَنْ يَسْتَقِيمُوا وَيَهْتَدُوا

بہت گراں تھی رسول ﷺ خدا کے دل پر یہ بات کہ لوگ راہِ ہدایت سے دور ہو جائیں

ہمیشہ رہتے تھے آقا ﷺ اسی کے خواہش مند وہ سیدھی راہ چلیں، منزلِ ہدیٰ پائیں

عَطُوفٌ عَلَيْهِمْ لَا يُثْنِي جَنَاحَهُ

إِلَى كَنْفٍ يَحْنُوا عَلَيْهِمْ وَيَمْهَدُ

تمام لوگوں کے تھے آپ ﷺ مشفق و محسن تھے ہر کسی کے مددگار سرورِ معصوم ﷺ

توجہاتِ نبی ﷺ کے سبھی تھے مَنّت کش (۲۴) نہ تھا کوئی بھی عنایت سے آپ کی محروم

فَبَيَّنَّا لَهُمْ فِي ذَلِكَ النُّورِ إِذْ غَدَا

إِلَى نُورِهِمْ سَهْمٌ مِنَ الْمَوْتِ مُقْصَدُ

نبی ﷺ کے نور سے روشن تھی محفل شب و روز تھے جس کے فیض سے مسرور سب صغیر و کبیر کہ ناگہاں، بڑھا اس روشنی کی جانب کو (۲۵) جل کے ترکش غم زا (۲۶) کا ایک مہلک تیر

فَأَصْبَحَ مَحْمُوداً إِلَى اللَّهِ رَاجِعاً
يُبَكِّئِهِ جَفْنُ الْمُرْسَلَاتِ وَيَحْمَدُ

تو لوٹ کر گئے اس حال میں خدا کی طرف کہ ہر طرح سے سزاوار (۲۷) مدح تھے آقا ﷺ فرشتوں پر یہ اثر تھا نبی کی رحلت کا زباں پر آپ کی تعریف، آنکھ اشک سے تر

وَأَمْسَتْ بِلَادُ الْحَرَمِ وَخَشَاءُ بِقَاعِهَا
لِغَيْبَةِ مَا كَانَتْ مِنَ الْوَحْيِ تَعْهَدُ

برس رہی ہے بلادِ حرم (۲۸) پدِ وحشت (۲۹) سی درود یار پہ سایے ہیں رنج و حسرت کے کہ آنا وحی الہی کا ہو گیا موقوف (۳۰) نبی ﷺ کے پاس فرشتے جو لے کر آتے تھے

قِفَاراً سِوَى مَعْمُورَةِ اللَّحْدِ ضَافَهَا
فَقَيْنْدُ يُبَكِّئِهِ بِلَاطٌ وَغَرَقْدُ

سوائے آپ ﷺ کی آرام گاہ آخر کے یہاں کے سارے مقام و دیار ویراں ہیں بلاط (۳۱) وہو کہ فضا ہو بقیع (۳۲) غرقد کی یہ سب وفاتِ شہرہ انبیاء ﷺ پہ گریاں ہیں

وَمَسْجِدُ فَالْمُوحِشَاتِ لَفَقْدِهِ
خَلَاءٌ لَهُ فِيهِ مَقَامٌ وَمَقْعَدُ

رہین (۳۳) گریہ بلاط و بقیع کی مانند پچشم حال ہے ختم الرسل ﷺ کی مسجد بھی وہ سب مقام ہیں ویران اور وحشت ناک جہاں تھی جائے (۳۴) قیام و قعود آقا ﷺ کی

وَبِالْجَمْرَةِ الْكُبْرَى لَهُ ثُمَّ أَوْحَشَتْ
دِيَارُ وَعَرْصَاتُ وَرَبْعٌ وَمَوْلِدُ

نواح (۳۵) حجرہ کبریٰ کا بھی ہے حال یہی رسول پاک ﷺ کے پیش نظر نہ ہونے سے تمام بام (۳۶) و در و دار و مسکن و منزل حد نگاہ تلک ہیں اداس، ویرانے

فَبَكِّى رَسُولَ اللَّهِ يَا عَيْنُ عَبْرَةٍ
وَلَا أَعْرِفَنَّكَ الدَّهْرُ دُمْعَكَ يَجْمَدُ

سو، اب رسول خدا ﷺ کی جہاں سے رحلت پر ہو اشک بار مری چشم غم زدہ تو بھی

یہ ایسا غم ہے جسے بھولنا نہیں آساں نہ ہوں گے غالباً اب تیرے اشک خشک کبھی

وَمَالِكَ لَا تَبْكِينَ ذَا النِّعْمَةِ اللَّتَى

عَلَى النَّاسِ مِنْهَا سَابِغٌ يَتَغَمَّدُ

یہ کیا ہوا تجھے، تو کیوں نہیں ہے گریہ کنائیں نبی ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کے غم میں کہ تھی جو باعثِ اتمامِ نعمتِ باری کہ جس کے فیض کے مرہون سارے انسان ہیں

فَجُودِي عَلَيْهِ بِالْذُّمِّوعِ وَأَعُولِي

لِفَقْدِ الَّذِي لَا مِثْلَهُ الدَّهْرُ يُوجِدُ

تو خوب اشک بہا، میرے دیدہ بیتاب وفاتِ سرورِ عالم ﷺ یہ چیخ چیخ کے رو کہ جن کا مثل نہیں تھا کبھی زمانے میں ملے گا مثل نہ جن کا کبھی زمانے کو

وَمَا فَقَدَ الْمَاضُونَ مِثْلَ مُحَمَّدٍ

وَلَا مِثْلَهُ حَتَّى الْقِيَامَةِ يُفْقَدُ

نہ کھویا لوگوں نے گزرے ہوئے زمانوں میں رسولِ پاک ﷺ سا کوئی عظیم فردِ بشر نہ اب کبھی کوئی ایسی عظیم تر ہستی اٹھے گی منظرہ (۳۷) زندگی سے تا محشر

أَعَفَّ وَأَوْفَى ذِمَّةً بَعْدَ ذِمَّةٍ

وَأَقْرَبَ مِنْهُ نَائِلًا لَا يُنْكَدُ

تھے سب سے بڑھ کے زمانے میں پاک دامن آپ وفائے عہد میں بھی افضل الخائق تھے تمام عمر وہ دنیا سے بے نیاز رہا جو فیض یاب ہوا آپ ﷺ کی عنایت سے

وَأُبْذَلَ مِنْهُ لِلطَّرِيفِ وَتَالِدٍ

إِذَا ضَرَّ مَعْطَاءُ بِمَا كَانَ يُتْلَدُ

ملے تھے جن کو وراثت میں مال اور ثروت (۳۸) وتیرہ جن کا سخاوت رہا تھا برسوں سے جب ان کے ہاتھ بھی رکنے لگے، تو فرمائی سخاوت ان سے زیادہ رسولِ اکرم ﷺ نے

وَأَكْرَمَ حَيًّا فِي الْبُيُوتِ إِذَا نَتَمَى

وَأَكْرَمَ جَدًّا أَبْطَحِيًّا يُسَوَّدُ

تھی جس گھرانے سے نسبت رسولِ اکرم ﷺ کو عرب کے سارے قبیلوں میں تھا معزز تر اور اس زمانے میں بطحا (۴۰) کے جتنے تھے سردار نبی ﷺ کے دادا کا ان میں نہ تھا کوئی ہم سر

وَأَمْنَعَ ذُرُوَاتٍ وَأَثْبَتَ فِي الْعُلَى
 دَعَائِمَ عِزِّ شَاهِقَاتٍ تُشَيِّدُ
 بلندیوں کی بلندی پر آپ ﷺ تھے فائزِ بلند آپ ﷺ کا رتبہ تھا کل خلایق سے
 بلند عزت و تکریم کے ستونوں پر رسولِ پاک ﷺ بلا شک عروج یافتہ تھے
 وَأَثْبَتَ فَرْعاً فِي الْفُرُوعِ وَمَنْبِتاً
 وَعُوداً غَدَلَةً الْمُزْنِ فَالْعُودُ أَغْيَدُ
 مثال ایسی ہے آقا ﷺ کی ذاتِ اقدس کی حصارِ (۴۱) گلشنِ عالم، جہانِ امکاں میں
 کہ اصل (۴۲) فرع میں اپنی ہوسب سے افزوں تر جوشاخِ حکام (۴۳) و شاداب، فصلِ باراں میں
 رَبَاهُ وَلَيْدًا فَاسْتَتَمَّ تَمَامَةً
 عَلَى أَكْرَمِ الْخِرَاتِ رَبِّ مُمَجِّدُ
 براہِ راست، خدا سے بزرگ و برتر سے رسولِ پاک ﷺ نے بچپن سے تربیت پائی
 تمام خوبیاں محبوبِ ﷺ کو عطا کر کے خدا نے آپ ﷺ کی تکمیل ذات فرمائی
 تَنَاهَتْ وَصَلَةُ الْمُسْلِمِينَ بِكَفِّهِ
 فَلَا الْعِلْمُ مَحْبُوسٌ وَلَا الرَّأْيُ يُنْفَذُ
 ہوئی نبی ﷺ کے ذریعے سے اس طرح تکمیل ہر اہل دین کے لئے حکمت و نصیحت کی
 کہ علم ہو گیا آزاد حد و سرحد سے خطا سے ہو گئی محفوظ، عقل امت کی
 أَقْوَلُ وَلَا يُلْفَى لِقَوْلِي عَائِبُ
 مَنِ النَّاسِ إِلَّا عَازِبُ الْعَقْلِ مُبْعَدُ
 جو کہہ رہا ہوں میں، حق ہے، نہیں ہے شک اس میں کرے گا اس پہ نہ انسان اعتراض کوئی
 سوائے اس کے کہ جس دماغ میں ہو غلل سوائے اس کے کہ ماری گئی ہو مت جس کی
 وَلَيْسَ هَوَائِي نَازِعاً عَنْ ثَنَائِهِ
 لَعَلِّي بِهِ فِي الْجَنَّةِ الْخُلْدِ أَخْلَدُ
 مجھے پسند نہیں ہے کسی طرح بھی یہ بات کہ بند کردوں میں مدح و ثناء و وصفِ حبیب ﷺ
 کہ اس کے فیض سے امید ہے، بفضلِ خدا مجھے بھی خلد میں ہو دائمی قیام نصیب

مَعَ الْمُصْطَفَىٰ اَرْجُوْ بِذَاكَ جَوَارَهٗ
وَفَى نَيْلِ ذَاكَ الْيَوْمِ اَسْعَىٰ وَاَجْهَدُ

ثنا و مدحت خیرالوئی کی برکت سے جوار (۴۴) سرور عالم ﷺ ملے گا جنت میں
بر (۴۵) آئے گی مری امید ایک دن آخر تمام سعی (۴۶) و عمل میرے اس امید پہ ہیں

حواشی :

- 1- سطح گیتی: روئے زمین۔
- 2- سر بسر: پورا، پوری طرح
- 3- تازہ تر: زیادہ تازہ، زیادہ نیا
- 4- گریہ کنناں ہوا: رویا
- 5- حق بکاء: رونے کا حق
- 6- غم نہاں: پوشیدہ غم، دلی غم
- 7- عشر عشر: دسواں حصہ (ایک فیصد)
- 8- معرض صوت و سخن میں آجائیں: بیان ہو جائیں، ذکر ہو جائیں
- 9- الم زدہ: رنجیدہ، تکلیف میں مبتلا
- 10- ہادی: ہدایت دینے والا، مہدی: ہدایت یافتہ
- 11- لحد: قبر، بھٹی قبر، مبروک: بابرکت
- 12- بناء: بنیاد، عمارت، بناوٹ
- 13- تختہ ہائے سنگ: پتھر کی پٹیاں، پتھر کی سلیں
- 14- پنہاں: پوشیدہ، چھپا ہوا۔
- 15- پشت و بازو: کمر اور ہاتھیں
- 16- زار و جزیر: رنجیدہ، غمگین، بہت رنجیدہ
- 17- اہل گیتی: دنیا والے، زمین پر بسنے والے
- 18- مہر: سورج۔
- 19- ضیا گستر: روشنی پھیلانے والا
- 20- تلقین کرنا: تعلیم دینا، سکھانا، ذہن نشین کرنا، نصیحت کرنا
- 21- آئین: قاعدہ، دستور
- 22- التزام حسن عمل: نیک کاموں کو ضروری سمجھ کر انجام دینا
- 23- معمول: طریقہ، قاعدہ، اصول
- 24- منت کش: بمنوں، احسان مند
- 25- اجل: وقت مقرر، وقت موعود، موت
- 26- غمزدہ: دکھ دینے والا، غمگین کرنے والا
- 27- سزاوار: مستحق، شائستہ، لائق
- 28- بلا حرم: قابل احترام شہر، مکہ اور اس کے پاس کے شہر اور مقامات
- 29- وحشت: گھبراہٹ، اداسی، ویرانی، بییت
- 30- موقوف ہو گیا: رک گیا، ٹھہر گیا، بند ہو گیا
- 31- بلاط: مسجد اور بازار کے بیچ مدینے کا ایک مشہور موضع (البرقونی: 94)
- 32- غرق قیدیہ: غرق: اہل مدینہ کے قبرستان کا نام، اسی کو حشرہ البرقع بھی کہتے ہیں (البرقونی: 94)
- 33- رہین گریہ: رونے میں مشغول
- 34- جائے قعود و قیام: کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی جگہ
- 35- نواح: ارد گرد، آس پاس؟
- 36- بام: چھت، در: دروازہ، دار: گھر، مسکن و منزل: ٹھہرنے کی جگہ، اترنے کی جگہ ہیں: پورا ماحول اور علاقہ اداس اور سوگوار ہے۔
- 37- منظرہ زندگی: زندگی کا اسٹیج
- 38- ثروت: دولت
- 39- وتیرہ: شبیوہ: معمول، طریقہ
- 40- بطحی: مکہ معظمہ
- 41- حصا گلشن عالم: دنیا کے چمن کا احاطہ
- 42- اصل و فروع: جز اور شاخ، آغاز و ارتقاء تمام احوال
- 43- محکمہ: مضبوط، شاداب: تروتازہ
- 44- جوار: ہم سائیگی، پڑوس، نزدیکی، قربت
- 45- ہر آئے گی: پوری ہوگی
- 46- سعی: کوشش، جدوجہد

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

بہشتِ تضامین پر ایک طائرانہ نظر

تضمین کے لغوی معنی ہیں شامل کرنا، ملانا، جگہ دینا۔ اصطلاح شعراء میں کسی مشہور مضمون یا شعر کو اپنے شعر میں داخل کرنا، چسپاں کرنا، شعر پر مصرع لگانا۔ شاعر جب کسی دوسرے شاعر کے کلام، شعر یا کسی مصرعے سے متاثر ہوتا ہے تو اس پر کچھ اضافہ کر کے اپنالیتا ہے۔ شعری تخلیق کا یہ عمل تضمین کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً:

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناتج:

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

اس شعر میں غالب نے میر تقی میر کے کلام کی تحسین کے لیے ناتج کے ایک مصرعے پر گرہ لگائی ہے۔ تضامین میں عموماً تضمین نگار شعراء کسی شاعر کے کلام سے اپنی تاثر پذیریری کا اظہار کرتے ہوئے کسی مصرعے، شعر یا پورے کلام کے گرد ایک تشریحاتی و توضیحاتی حصار قائم کر دیتے ہیں۔ یوں تضمین کے عمل سے کسی شاعر کو جو انبساط ہوتا ہے اس کا اظہار بھی ہو جاتا ہے اور تضمین نگار کی تخلیق میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ تضمین کرتے ہوئے کسی شاعر کا شعری اسلوب اور فکری زاویہ بھی تضمین نگار کی تخلیقی بصیرت اور فنی مہارت سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

مصرعے پر مصرع لگانے کا عمل طرجی مشاعروں کی روایت سے جڑا ہوا ہے۔ اس طرح کے مشاعرے مصرع ہائے طرح پر طبع آزمائی سے مشروط ہوتے تھے، اب بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اب طرجی مشاعروں کا چلن بہت کم ہو گیا ہے۔ طرجی مشاعروں میں طرح پر مصرع لگانے کے لیے شعراء بڑی محنت کرتے ہیں کیونکہ گرہ لگانے کا یہ عمل مسابقت کے جذبے سے بھی مربوط ہوتا ہے۔ حکیم نجم الغنی رام پوری نے ”بحر الفصاحت“ میں تضمین کی ایجاد کا سہرا کمالِ خجند کے سر باندھا ہے۔ ”تذکرہ شمعِ انجمن“ کے مولف صدیق حسن خان نے ”سر و آزاد“ کے حوالے سے

تضمین کے ضمن میں پہل کرنے والے شاعر کا نام مرزا محمد علی طرشی متخلص بہ سلیم بتایا تھا۔ تاہم صاحب بحر الفصاحت نے ہلالی (م ۹۳۶ ہجری) اور کمال خجند کو (جو ہلالی سے بھی قبل گزرا ہے) رائیدین میں شمار کیا ہے اور تینوں شعراء کے تضمینی نمونے پیش کیے ہیں:

سلیم امشب بہ یادِ تربتِ حافظِ قدحِ نوشم
”الا یا ایہا الساقی ادر کا ساو ناولہا“ (سلیم)

ہلالی چوں حریفِ بزمِ رنداں شد، بخواں مطرب
”الا یا ایہا الساقی ادر کا ساو ناولہا“ (ہلالی)

بردی دلِ عشاق، کمال از سخنِ خوب
”خوباں، عملِ فتنہ ز دیوانِ تو یابند“ (کمال خجند)
ان تینوں اشعار میں پہلے دو شعراء نے حافظ شیرازی کے مصرعے پر گرہ لگائی ہے اور کمال خجند نے خسرو دہلوی کے مصرعے پر طبع آزمائی کی ہے۔

شعراء میں تضمین کا جذبہ عمومی طور پر تخلیقی لحاظ میں ایسے مرحلے پر جاگ جاتا ہے جب ان کا کوئی مضمون توضیح و تشریح معانی کے حوالے سے انھیں کسی دوسرے شاعر کا کلام یاد دلادیتا ہے۔ مثلاً:

بملکِ جمِ ندہمِ مصرعہٗ نظیری را
”کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلہٗ ما نیست“ (اقبال)

غالب کی غزلوں کی تضمین ”روحِ کلامِ غالب“ میں مرزا عزیز بیک مرزا سہارنپوری نے غالب کے کلام کی شرح کرنے کی غرض ہی سے کی تھی۔ اہل علم کی رائے ہے کہ مرزا عزیز بیک مرزا سہارنپوری غالب کے کلام کی منظوم شرح کرنے میں حد درجہ کامیاب ٹھہرے تھے۔

مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق درج ذیل بند ملاحظہ ہو:

ہیں موحّد بخدا شرک ہے دل سے مفقود
ہم معبد ہیں نہ کعبے کے نہ کعبہ معبود
رو بہ قبلہ ہیں تو صرف ایک جہت ہے مقصود
”ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں“

غالب کی خوش بختی دیکھیے کہ اس کی غزلوں پر متعدد شعراء نے نعتیں کہہ کر انھیں کتابی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ ایسی نعتیہ کتب میں غالب کے مصرعوں کی تضامین بھی ملتی ہے۔ بعض شعراء نے تو غالب کے مصرعے اس طرح استعمال کیے ہیں کہ غزل کے مصرعوں کا مزاج ہی نعتیہ بن گیا ہے۔

آقا نے مجھ کو دامنِ رحمت میں لے لیا
”میں ورنہ ہر لباس میں تنگ وجود تھا“ (ایاز صدیقی)

سبز گنبد کی زیارت کو ترستا ہوں ایاز
”واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے“ (ایاز صدیقی)
مدحت خیر البشر ﷺ میں راغب مراد آبادی نے غالب کے ایک مصرعے کو اس خوبی سے برتا ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی مرحوم نے اس کی تحسین ان الفاظ میں کی:
”غالب کا یہ شعر بہت خوبصورت ہے لیکن راغب صاحب کی تضمین پڑھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غالب کا دوسرا مصرعہ سو سال سے زیادہ عرصہ سے اس مصرعے کا منتظر تھا۔ غالب نے وحدت الوجود کی بات کی تھی۔ ذاتِ رب میں فنا ہو کر مقام بقا پر پہنچنا ہی مقصودِ حیات ہو سکتا ہے، لیکن جہاں تک ہماری پہچان اور تشخیص کا سوال ہے، اس کا رشتہ حضور ﷺ سے ہے۔“

اب وہ شعر ملاحظہ فرمائیے جس کی تحسین اتنے خوبصورت پیرائے میں کشفی مرحوم نے کی تھی:

جو سب سے محترم بعدِ خدا ہے

”ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا“ (راغب مراد آبادی)

تضامین کی روایتِ اردو شاعری میں بڑی محکم ہے۔ نور اللغات کے مؤلف نور الحسن نیر نے تضمین کے معانی بتاتے ہوئے یہ بھی اطلاع بہم پہنچائی ہے کہ حضرت محسن کا کوروی کے لامیہ قصیدے پر بہت سی تضمینیں ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر ہلال جعفری نے ”کشکولِ ہلال“ میں ایک سو ایک شعراء کی مکمل نعتوں پر تضمینیں لکھی اور میرے خیال میں نعتیہ شعری سرمائے میں تضامین کی پہلی مکمل کتاب شائع کروائی۔ اس کتاب کا سن اشاعت ۲۰۰۰ء ہے۔ اب یہ سعادت جناب حافظ عبدالغفار حافظ کو حاصل ہو رہی ہے جن کی تضامین پر مبنی کتاب ”بہشتِ تضامین“ ان شاء اللہ جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر

آجائے گی۔ فی الحال اس کتاب کا مسودہ میرے پیش نظر ہے۔

”بہشتِ تضامین“ میں کل چوالیس شعراء کا کلام حافظ عبدالغفار کی تضمین کا حصہ بنا ہے۔ تاہم اس کتاب میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور سلام ”مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام“ کی مکمل تضمین کی شمولیت کے باعث کتاب کی ضخامت دو صفحات سے متجاوز ہو گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے اس شاہکار ”سلام“ کی تضمین بذاتِ خود ایک کارنامہ ہے۔

تضمین نگار کا کام رفو گر کا سا ہوتا ہے۔ پیوند کار کا سا نہیں ہوتا۔ پیوند کار ہزار محنت کر لے لیکن کسی پیوند کو اصل کیڑے کا اس طرح جزو نہیں بنا سکتا کہ ”من تو شدم تو من شدی“ والا معاملہ ہو جائے۔ اس کے برعکس رفو گر اپنے دھاگوں کو کسی کیڑے کے تانے بانے میں اس طرح پیوست کر دیتا ہے کہ رفوگری کے عمل کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ تضمین کا عمل دو شعراء کی کاوش فکر اور اظہارِ فن کا نمونہ ہوتا ہے۔ ایک اصل شاعر کا کلام، دوسرا تضمین نگار کا عملِ تضمین۔ اس لیے تضمین نگار کی کوشش ہوتی ہے (یا ہونی چاہیے) کہ تضمین کے مصرعے اس طرح موزوں کرے کہ اصل شعر کے مافیہ (Content) اور زبان و بیان کی سطح سے وہ مصرعے ہم آہنگ ہو جائیں۔ کسی قسم کی دورنگی کا شائبہ باقی نہ رہے۔

الحمد للہ! حافظ عبدالغفار حافظ کے تضمینی عمل میں ایسے بہت سے مقامات آتے ہیں جہاں قاری کا وجدان درود پڑھنے لگتا ہے اور دل حافظ صاحب کی فنی مہارت، اسلوب اور فکر کی گہرائی کی گواہی دینے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل چند بند:

درود اُس پر کہ نفرت کے عوض جس نے محبت دی
دلوں کو درد بخشا اور زبانوں کو حلاوت دی
درود اُس پر کہ جس نے دشمنوں کو خوئے اُلفت دی
”درود اس پر کہ جس نے وحشیوں کو آدمیت دی
سلام اُس پر کہ جو انسان کی عظمت بن کے آیا تھا“

(تضمین بر کلام رعنا اکبر آبادی)

جن کی عظمت کا عرفان کاِ دقیق
خُلق جن پر ہو قربان ایسی خلیق

مذہبِ حق میں حجت ہے جن کا طریق
 ”اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق
 ”بانوانِ طہارت پہ لاکھو سلام“
 (تضمین برسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی)

جس کی ہر اک ادا عکسِ شانِ نبی
 وہ عقیقہ جو ہے ترجمانِ نبی
 یعنی منجملہ بانوانِ نبی
 ”بختِ صدیق، آرامِ جانِ نبی
 اُس حریمِ برأت پہ لاکھوں سلام“
 (ایضاً)

وہ ابوبکر، عثمان، عمر، مرتضیٰ
 اور چھ دوسرے اہلِ صدق و صفا
 اہلِ حق، اہلِ ایمان و اہلِ وفا
 ”وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا
 اُس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام“
 (ایضاً)

درود اس پر جو لایا بزمِ اہلِ حق میں خوشحالی
 درود اس پر ہوئی باطل کی جس کے دم سے پامالی
 درود اس پر بتوں سے جس نے کعبے کو کیا خالی
 ”درود اس پر کہ جس نے کفر کی دنیا بدل ڈالی
 سلام اس پر کہ جو ایمان کی صورت بن کے آیا تھا“
 (تضمین برکلامِ رعنا اکبر آبادی)

میں جب مرزا غالب کے شعری شعور کے فیضان کا توسیعی منظر نامہ دیکھتا ہوں تو مجھے اکثر
 ٹی۔ ایس۔ ایلٹ کا یہ قول یاد آتا ہے:

”عظیم ترین شعراء کے ہاں ایسے پہلو ہوتے ہیں جو فوراً سامنے نہیں آتے بلکہ

صدیوں بعد بھی دوسرے شعراء کو متاثر کر کے زندہ زبان پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔“
 ٹی۔ ایس۔ ایلپیٹ کے اس بصیرت افروز بیان کی روشنی میں ملاحظہ ہو وہ شعری فیضان جو
 غالب سے ایاز صدیقی کی تخلیقی دانش کا حصہ بنا اور پھر شعری متن و شعور فن کا سیل معنوی حافظ
 عبدالغفار حافظ تک پہنچا، یہ اس طرح کہ ایاز صدیقی نے غالب کی زمین میں نعتیہ شعروں کے گلاب
 کھلائے اور حافظ صاحب نے تضمین کر کے اُن گلابوں کی مہک کو عام کیا۔

آپ کی آمد کا یہ رازِ نہاں سب پر کھلا
 بند تھا جو فکر کا چشمہ وہ اب جا کر کھلا
 حکمت و ادراک کا، عرفان کا دفتر کھلا
 ”آپ آئے، ذہن و دل میں آگہی کا در کھلا
 جہل نے بازو سیٹے، علم کا شہپر کھلا“

بیدم وارثی کا نام نامی فلک شاعری پر طلوع ہونے والا وہ ستارہ ہے جس کی چمک سے نعتیہ
 افق جگمگا رہا ہے۔ اُن کی وہ نعت جس کا مطلع ہے:

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول
 کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول

اس قدر مقبول ہوئی کہ اب تک سینکڑوں شعراء نے اس نعت پر اپنے نعتیہ اشعار کی بنیاد
 رکھی۔ حافظ عبدالغفار حافظ نے بھی اس نعت کو تضمین کے لیے منتخب کیا اور سچ ہے کہ تضمین نگاری کا
 حق ادا کر دیا:

عجیب فیض یہ تیرے وجود نے بخشا
 کہ ہو گیا ہوں حبیبِ خدا کا مدح سرا
 ترے طفیل ملی ہے یہ نعتِ عظمیٰ
 ”بلائیں لوں تری اے جذبِ شوق صلیٰ علیٰ

کہ آج دامنِ دل کھینچ رہا ہے سوئے رسول
 خوشی سے حافظِ عاصی کی آنکھ ہو پُر نم
 مزاجِ فردِ گنہ کا ہو دیکھ کر برہم

تکلیں نگاہِ تحیر سے ساکنانِ ارم
”عجب تماشا ہو میدانِ حشر میں بیدم“

کہ سب ہوں پیشِ خدا اور میں رو بروئے رسول
مجھے یہ دیکھ کر حیرت آمیز مسرت ہوئی کہ حافظ عبدالغفار حافظ نے چوالیس شعراء کے کلام کا
نہ صرف بنظرِ غائر مطالعہ کیا بلکہ کلام کی اندرونی ساخت میں پوشیدہ معانی کو تخلیقی عمل سے گزار کے
اسی اسلوب میں تجدیدِ متن اور توسیعِ معنی کا کامیاب مظاہرہ کیا۔
ادبی فن پاروں کے متون (Texts) کو وحدانی معنیاتی سطح سے زیادہ بلند اور کثیر المعنویت
کے تناظر میں دیکھنے والی نظر جن نقادوں کو میسر ہے وہ ساختیاتی مفکرین کے ہاں مروج طریق کار
کو تضمین نگاری کی روایت کی روشنی میں زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ قدیم شعری متون کا
معنیاتی سیل کس طرح جدید شعریات کو عصری حیثیت اور مردِ وجہ لسانی نظام سے مربوط کرتا ہے اس
بات کی تفہیم تضمین کی قرأت سے ہو سکتی ہے۔ ساختیات بھی شعری ساخت کو بے نقاب کرتی ہے
اور عملِ تضمین بھی کسی حد تک قدیم متون یا پہلے موجود متون کی ساخت میں پوشیدہ معانی کے نئے
افتقار تلاش کرنے کا عمل ہے۔ اس زاویے سے دیکھیں تو حافظ عبدالغفار حافظ نے ”بہشت
تضامین“ میں پرانے شعری متون کو نئے معنیاتی افق سے ہمکنار کر کے ماضی کو حال سے مربوط
کر دیا ہے اور مستقبل کے امکانات کے دریچے بھی وا کر دیے ہیں۔
نعتیہ شعری سرمائے میں تضمین نگاری کا یہ عمل بڑا خوش آئند ہے جس کے لیے حافظ
صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور)

راشد طراز کی ایک مشک بار غزل کا تجزیاتی مطالعہ

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ راشد طراز کا نام اور کلام اردو رسائل میں دیکھتا تو تھا، مگر اک طائرانہ نظر ڈال کر آگے بڑھ جاتا تھا۔ کبھی ان کو سنجیدگی سے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر ابھی حال ہی میں انہوں نے اپنی غزلوں کا تازہ ترین مجموعہ ”جہاں تک روشنی ہوگی“ بھجوایا تو میں نے اپنا اخلاقی و ادبی فریضہ سمجھا کہ اسے جی لگا کر پڑھا جائے اور واقعی پڑھ ڈالا اور اب پورے وثوق کے ساتھ اپنے اس خیال کا برملا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ راشد طراز یقینی طور پر جدید اردو غزل کا ایک اہم نام ہے۔ انہوں نے فکر و اسلوب دونوں سطحوں پر جو تجربے کئے ہیں ان میں احساس کی ندرت کے ساتھ نئی فضا بندی بھی ہے۔ نئی لفظیات کا بھی التزام ہے اور اس کا استعاراتی نظام بھی جدید و لذیذ ہے۔ اپنے ان اوصاف کی بدولت وہ اپنے ہم عصروں اور ہم سفرؤں میں دور سے ہی پہچان لئے جاتے ہیں اور یہ امتیاز و شرف ان کے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ہے۔ جناب شمس الرحمن فاروقی جیسے بالغ نظر نقاد اور بلند پایہ دانشور نے بجاطور پر ان کو ”تازہ گو، مضمون ساز“ اور بلند جست لگانے والا“ شاعر قرار دیا ہے۔ ایک بڑی شخصیت کی طرف سے اپنے لئے ان توصیفی کلمات پر راشد طراز جس قدر بھی ناز و افتخار کریں کم ہے۔ خوش ہوں، مگر اتنا ہی مطمئن نہ ہو جائیں سفر جاری رہے۔

پیش نظر مجموعہ میں فکر و فن کی شادابی نے بار بار مجھے قرأت پر مجبور کیا اور ہر بار اس میں ایک خاص لذت اور کیفیت محسوس کی۔ مگر ترتیب کے اعتبار سے اس مجموعہ کی دوسری غزل نے نسبتاً زیادہ ہی اہتراز بخشا۔ گلشنِ مدینہ کے مشکبار جھونکے بار بار میری بلائیں لیتے رہے اور میں اپنی خوبی قسمت پر مچلتا رہا۔ ایک عاشق رسول کا یہ خیال قابل رشک ہے کہ۔

یاد آتی ہے جب مدینے کی
میں زمانہ کو بھول جاتا ہوں

چنانچہ راشد طراز کی یہ پُر نور غزل پڑھتے وقت کچھ اس طرح کیف و سرور سے ہمکنار ہوا کہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے گرد و پیش سے بیگانہ ہو گیا۔ میرے نزدیک اس غزل کا ہر شعر اک مقام سے ہے۔ اس میں کل سات اشعار ہیں اور ہر شعر کو پر معنی، تہہ دار اور طرحدار بنانے میں شاعر نے اپنے فکری بلوغ اور فنی شعور کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو۔

رہے گا کیوں نہیں جذباتِ دائمی کا امام

بنادیا ہے، اسے حق نے روشنی کا امام

یہ امر محتاج وضاحت نہیں کہ غزل رمز و ایما کا فن ہے۔ یہاں اشاروں اشاروں میں گفتگو ہوتی ہے۔ برہنہ گفتاری اس کی شریعت میں ممنوع ہے۔ راشد طراز غزل کے ان فنی تقاضوں سے باخبر ہیں۔ اس لئے نعت گوئی کی عام روش سے ہٹ کر انہوں نے یہ غزل کہی ہے۔ جس میں یہ ظاہر کوئی نعتیہ رنگ و آہنگ نہیں۔ مگر فکر بلند اور فن لطیف سے آراستہ یہ بہترین نعت ہے جس میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو روشنی کا امام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ خود ربِّ کریم نے اپنے کلام بلاغت نظام میں اپنے رسول کو ”سراج منیر“ کا لقب عطا فرمایا ہے۔ ”وداعیبا الی اللہ باذنه و سراجاً منیراً۔“ (پ: 22، احزاب، آیت: 46) یعنی آپ وہ آفتابِ نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں۔ تمام روشنیاں اسی نورِ اعظم میں محو و غم ہو گئیں۔ اسی لئے ساری دائمی ہدایت و رہنمائی انہیں کے اتباع میں ہے۔“

دوسرا شعر:

میں کیوں نہ چوموں گا آنکھوں سے اس کا نام وجود

وہی ازل سے ہے آدابِ بندگی کا امام

بلاشبہ ان کا نام پاک الٰہنامقدس، مطہر، منور اور متبرک ہے کہ اس کو بہ نظر عقیدت دیکھنا اور چومنا ہمارے لئے باعثِ نجات و مغفرت ہے۔ اس سلسلہ میں ایک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو۔

”بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی دو سو سال نافرمانی

کی۔ پھر وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے پاؤں سے پکڑا اور کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا۔

پس وحی فرمائی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہ اسے باہر نکالیں اور اس پر نماز

پڑھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے رب تعالیٰ! بنی اسرائیل کے

لوگ اس پر گواہ ہیں کہ اس بندے نے دو سو برس تک تیری نافرمانی کی ہے۔ اللہ کریم

جل شائے نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ایسا ہی تھا مگر جب جب یہ (شخص) تورات کھولتا تھا اور اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرتا تو اس کو چوم لیتا اور اپنی آنکھوں سے لگا لیتا اور ان پر درود بھیجتا۔ بس اسی بات پر میں نے اس کے گناہ معاف فرمادیئے۔ اور ستر حوروں سے اس کی شادی کر دی۔“ (ص: 42، ح حلیۃ الاولیاء، للحافظ ابی نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی المتوفی، 430 ہجری، طبع اول 1354 ہجری 1935ء، مطبعة السعادة مصر) بحوالہ نعت اور آداب نعت از مولانا کوکب نورانی (پاکستان)

بلاشبہ ان کا نام و مقام اتنا محترم اور متبرک ہے کہ اس کو بہ نظر عقیدت دیکھنا اور چومنا ہمارے مقدر کی معراج ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے غیر معمولی تعظیم و تکریم کا اہتمام خود رب کریم نے کیا ہے۔ اور اس کا نورانی سلسلہ روز ازل ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی اعزاز و اکرام کا عہد لیا جیسا کہ آیت میثاق سے ظاہر ہے۔ واقعہ کی پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ سورہ آل عمران: پارہ-3، آیت-81) تیسرا شعر ہے:۔

ظہور اس کے لئے ہی ہوا نظام خدا

وہی جو دہر میں ثابت ہوا خودی کا امام

یہ تو امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نظام خدا کا ظہور نہیں ہوتا، یعنی بزم کائنات وجود میں نہیں آتی اگر رب تعالیٰ کو اپنے محبوب رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق مقصود نہیں ہوتی۔ معروف و متوارث الفاظ میں۔۔

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

اس سلسلہ میں کتب سیرت سے استناد کا یہ موقع نہیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے ایک مصری عالم علامہ بصری اپنے شہرہ آفاق ”قصیدہ بردہ“ میں فرماتے ہیں۔۔

وَكَيْفَ تَدْعُوا إِلَى الدُّنْيَا ضُرُورَةً مِّنْ

لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

وہ دنیا کی طرف کیسے مائل ہوتے ہیں جن کی شان یہ ہے کہ اگر ان کی پیدائش نہیں ہوتی تو دنیا وجود میں نہیں آتی۔

ہندوستانی عالم مولانا قاسم نانوتوی اپنے ”قصیدہ بہاریہ“ میں بڑے تین کے ساتھ کہتے ہیں۔۔

جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زینہار
سوادِ اعظم اہلسنت کے دینی پیشوا اور معروف محب رسول مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی
فرماتے ہیں۔

ہے انہیں کے دم قدم سے باغِ عالم کی بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا اگر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو
علامہ اقبالؒ اپنے اس عقیدہٴ راسخ کا یوں برملا اظہار کرتے ہیں۔
ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں، کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
ہو نہ یہ ساقی، تو پھر مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہٴ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپشِ آمادہ اسی نام سے ہے
علامہ اقبالؒ ایک اور شعر میں یوں زمرہ سرائیں۔

چشمِ ہستی صفتِ دیدہ اعلیٰ ہوتی
دیدہٴ کن میں اگر نور نہ ہوتا تیرا
اس لئے راشد طراز نے اپنے اسلاف و اکابر کے اتباع میں بہت صحیح کہا ہے کہ۔
ظہور اس کے لئے ہی ہوا نظامِ خدا
اور جب اسی کے لئے ہوا تو اس ذات والا صفات کو تو خودی کا امام دوسرے لفظوں میں
خود شناسی، عزتِ نفس، وقارِ حیات اور انسانی شرافت کا پیامبر ہونا ہی چاہئے۔
چوتھا شعر ہے۔

زمین و عرش ہے اس کے طفیل میں قائم
کہ وہ ظہور سے پہلے بھی تھا صدی کا امام
اس شعر کا پہلا مصرع تو ماقبل کے شعر سے فکری طور پر پوری طرح مربوط ہے۔ دوسرے
مصرع میں شاعر نے اس تاریخی صداقت کا اظہار کیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ظہور کے

اعتبار سے یقیناً نبی آخر الزماں ہیں مگر وجود کے اعتبار سے پہلے نبی آپ ہی ہیں۔ آپ کو اس وقت منصب نبوت پر سرفراز کر دیا گیا تھا جب حضرت سیدنا آدم علیہ السلام آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ خود ارشاد نبوت ہے۔ کنت نبیاً والادم بین الروح والجسد۔ یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم جسم و روح کے درمیان تھے۔

”جب جامع ترمذی کی حدیث۔ ”کنت نبیاً والادم بین الروح والجسد“ کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔“
(بحوالہ ترجمہ قرآن از مولانا محمود الحسن و تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم، پرنٹنگ کمپلیکس سعودی عربیہ، ص: 200)

زیر تجزیہ غزل کا پانچواں شعر۔

دکھائی اس سے یہاں دے رہا ہے شرع حیات

وہی ہے بندہ مؤمن کی آگہی کا امام

یعنی اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو شریفانہ زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا اور ایسی کامل و اکمل شریعت عطا فرمائی جس میں پیدائش سے لے کر موت تک کی زندگی بسر کرنے کے بہترین آداب و اصول مقرر ہیں۔ اس لئے بجا طور پر وہی بندہ مولا صفات مؤمنین کی آگہی کا امام ہے۔ اس کی لائی ہوئی شریعت سے سرمو انحراف اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

خلاف پیہر کسے رہ گزید

کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

سعدی

چھٹا شعر ہے۔

یہ اور بات کہ آنکھوں سے اس کو دیکھا نہیں

مگر وہی ہے ہماری بھی زندگی کا امام

یعنی یہ ہماری کم نصیبی ہے کہ ہم نے اس رسول معظم ﷺ کا زمانہ پاک نہیں پایا اور ان کے جمال زیبا کی زیارت سے محروم رہے۔ مگر اس کے باوجود ہم ان کو اپنا آئیڈل تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمیں انہیں کے بے مثل اسوۂ حسنہ کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کرنا ہے اور سچی عقیدت بھی رکھنی ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
آخری شعر ہے۔

غلام کیوں نہ رہے گا طراز اس کا تمام
جہاں میں سید لولاک ہے نبی کا امام
وہ محبوب مکرم جس کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ہے۔ اس کی غلامی پر ہمیں فخر کرنا
چاہئے۔ شاعر سراپا بحر و نیاز بن کر کہتا ہے کہ میں کیا اور میری غلامی کیا۔ ان کی شان عظیم تو یہ ہے
کہ وہ نبی الانبیاء ہیں۔ سارے نبیوں نے ان کی عظمت و امامت تسلیم کی جس کا روح پرور عملی
مظاہرہ سفر معراج کے دوران بیت المقدس میں ہوا۔

اس شعر کے دوسرے مصرع میں ”سید لولاک“ کی ترکیب استعمال کر کے راشد طراز نے ایک
بار پھر اپنے اس عقیدہ محکم کا برملا اظہار کیا ہے کہ ساری خلقت حضور سید الکونین کے طفیل ہی وجود میں
آئی۔ علامہ اقبال نے بھی اپنے ایک شعر میں اس ترکیب کو یوں نظم کیا ہے۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

اقبال یہ یہ محض شاعرانہ تخیل نہیں ہے۔ بلکہ اس کی اساس اس حدیث قدسی پر ہے۔
”لولاک لما خلقت الافلاک“ اے محبوب اگر آپ کو پیدا کرنا مقصد نہیں ہوتا تو میں آسمانوں کو
(مراد کائنات) کو وجود میں نہیں لاتا۔ ہر قرن و صدی میں تمام اہل ایمان کا یہی عقیدہ و مسلک رہا
ہے۔ اس لئے راشد طراز نے اپنی خوش عقیدگی کے اظہار میں اپنے بزرگوں کی متابعت کی ہے۔
یہ تو مسلم ہے کہ نعت گوئی بڑے شرف و سعادت کی بات ہے۔ اس سعادت عظمیٰ کو راشد طراز
نے بھی حسبِ توفیق حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس طرح عصر حاضر میں وہ بھی شاعر بارگاہ
رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کے ایک ممتاز فرد بن گئے ہیں۔ مبارکباد۔

ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی (الہ آباد)

صنائع و بدائع کا تقاضہ ترویج اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شعری عظمت

شعر و شاعری دنیا کا محبوب ترین اور پسندیدہ مشغلہ رہا ہے، دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے چراغ روشن ہیں۔ یہ قلب و نظر کی ترجمان اور سماج و معاشرہ کی آواز ہے، جذبات و احساسات کی خوشبوؤں میں ڈوبا ہوا ایک شعر اگر دل کی دھڑکن تیز کر سکتا ہے تو پرانے زخموں کو کرید بھی سکتا ہے، پرانی یادوں کو تازہ کر سکتا ہے تو آنکھوں سے آنسو بھی ٹپکا سکتا ہے، شاعری کے لطیف و دلکش سحر آگے لہجے نے کس کو بیتاب نہیں کیا۔ یہ باد صبا کی پر کیف اداؤں پر مرنا جانتی ہے تو خار مغیلاں کی نوک کو بوسہ دینا بھی جانتی ہے، یہ زلف پیچاں اور پائے ناز پر وفور شوق کی دنیا لٹا دینا جانتی ہے تو ریگزاروں کے تپتے ہوئے سنائوں میں گریباں بھی چاک کرنا جانتی ہے۔ راز و نیاز کے شعبوں کو ٹٹول بھی سکتی ہے تو حقائق و معارف کی میٹھی میٹھی چھاؤں میں پناہ لینا بھی جانتی ہے۔ یہ شعر و شاعری بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوتی ہے تو مدح و ثنا اور حسن و جمال کا سمندر بہا دیتی ہے، میدان کربلا میں داخل ہوتی ہے تو کلیجہ چھلنی کر کے خون کے آنسو رلا دیتی ہے، محفل سماع میں قدم رکھ دیتی ہے تو وجد و کیف اور سرور و بے خودی کی آغوش میں جکڑ لیتی ہے۔ شاعری، اتحاد و یکجہتی اور انقلاب و حب الوطنی کے آداب سکھاتی ہے، میدان کارزار میں جاں بازی و فداکاری کے حوصلے عطا کرتی ہے، بیواؤں، یتیموں اور مظلوموں کی فریاد پر تعاون و سرپرستی کا جذبہ اجاگر کرتی ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ شعری جذبات و احوال سے خالی نہیں، اس کے نرم و لطیف لہجے اور شیریں اسلوب نے بڑے بڑے بادشاہوں اور کج کلاہوں کا سر جھکانے پر مجبور کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بیشتر اوصاف و محاسن کے آئینے میں شاعری کی تصوراتی و تخیلاتی تجلی اور فکری و فنی بالیدگی اس کا سب سے قیمتی اثاثہ ہوتا ہے، اس اثاثے کے تحفظ و سلامتی میں صنائع و بدائع کی وسعتوں کا خصوصی تعاون رہتا

ہے، لازم و ملزوم کی مانند کوئی بھی شاعری صنعتی تقاضوں سے الگ نہیں رہ سکتی۔ صنعتیں کبھی دانستہ طور پر وابستہ کی جاتی ہیں کبھی غیر دانستہ طور پر خود بخود وابستہ ہو جاتی ہیں تاہم ایسی بیشمار صنعتیں ہیں جو غیر دانستہ طور پر کبھی ظاہر نہیں ہو سکتیں، شرائط و اصول نبھانے کے لئے توجہ درکار ہوتی ہے مثلاً مندرجہ ذیل صنعتیں اب اردو شاعری میں نایاب ہو کر رہ گئیں۔

صنعتِ منقوص!

ہم کیا کریں گے جی کر۔۔۔۔۔ جی کر
گوہر

اس صنعت کی خوبی یہ ہے کہ دوسرے ”جی کر“ کو مصرع میں شامل رکھا جائے یا نہ رکھا جائے دونوں صورتوں میں وزن برقرار رہتا ہے اس کے علاوہ دوسرے ”جی“ کو صنعتِ مستزاد کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

تو عمر بھر خوشی کر

ہم کیا کریں گے جی کر۔۔۔۔۔ جی کر

صنعتِ معرب!

یہ وہ دشوار و پیچیدہ صنعت ہے جس کے دونوں مصرعوں کے ہر حرف پر فتح ہو تو ضمہ و کسر نہ ہو یا ضمہ ہو تو فتح و کسر نہ ہو یا کسر ہو تو فتح و ضمہ نہ ہو۔

ایسا ہم پر غضب صنم مت کر
جان کر غیر پر کرم مت کر
گوہر

ہے کرم آپ کا سدا ہم پر
آستان پر ہے خم ہمارا سر
گوہر

ان دونوں اشعار کا کوئی بھی حرف ضمہ یا کسرہ کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔

تم سب ہو سرور تم ہو ختم
تم کو ڈھونڈھوں تو ہوش ہو گم سم

تم تو خوشبو ہو تم گل و سنبل
گوہر

مذکورہ مطلع و مصرع کے کسی بھی حرف پر فتح و کسرہ نہیں ہے۔
پھر مرے دل پہ گری بجلی سی
پھر ترے ہجر میں یہ چیز ملی
گوہر
اس مطلع کا کوئی بھی حرف فتح و کسرہ سے وابستہ نہیں ہے۔

صنعتِ غیر منقوطہ!

سارے درد و الم سے دور رہا
مدح سرور سے ہر سرور ملا
گوہر

اس مطلع کے کسی بھی حرف پر کوئی نقطہ نہیں۔ صنعتِ غیر منقوطہ ہونے کے باوجود یہ مطلع ”تجنیسِ مرکب متشابہ“ سے بھی وابستہ ہو گیا کہ ”سُرور“ کا املا ایک جیسا ہے مگر بہ لحاظ وزن اور باعتبار حرکت معانی الگ الگ۔ اسی صنعت کا دوسرا شعر ملاحظہ کریں۔
مدح مولا سے دل مرا مہکے
ہر گھڑی دل الم سے دور رہے
دردِ دل کو سکوں ملے مالک
دردِ دل کی دوا کہاں گم ہے
گوہر

صنعتِ منقوطہ!

جشنِ تشبیبِ حُتنِ پیشِ شبِ بَٹ چُپ چُپ
جب شبِ جشنِ جچی پیشِ فتنِ جنت
جشنِ تشبیبِ شبِ بہ پیشِ حُتن
گوہر

ان تینوں مصرعوں کا ہر حرف منقوطہ ہے۔

صنعتِ محرف!

بعد مدت کے یہ صیاد نے ہم سے پوچھا
اب وہاں کون رہا کون رہا ہو بیٹھا
گوہر

”رہا اور رہا“ کا املا اور وزن مساوی ہونے کے سبب محض حرکتِ ’ر‘ کی بنیاد پر یہ صنعت واضح ہوئی۔

صنعتِ منقوطہ!

کا ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ جس کے ہر لفظ میں نقطہ ہو۔
پہونچائے مجھ کو منزل مقصود تک خدا
یا رب نہ بچھنے پائے کبھی شمع عشق شاہ
گوہر

صنعتِ نقاطِ ثلاثہ!

جس کے ہر لفظ میں تین نقطے پائے جائیں۔
نقشِ پا مثلِ شمعِ رخشنده
آپ مشکل کشائے پاکیزہ
گوہر

صنعتِ نقطہ واحدہ!

جس کے ہر لفظ میں صرف ایک نقطہ آیا ہو۔
نہ ہے کوئی محبوب سرور سے بڑھ کر
خدا کی رضا ہے رضائے محمد
گوہر

صنعتِ خفیہ!

جس کا ایک حرف منقوطہ ہو دوسرا حرف غیر منقوطہ۔

غلبہ شان اب کجا باقی
عظمت آن اب کجا باقی
گوہر

صنعتِ حیفاء!

کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ جس کا ایک لفظ منقوطہ ہو دوسرا غیر منقوطہ۔
آپ کی خاطر درِ انوار ہر جانب گھلا
ساری دنیا ہے تجلی سے تجلی ہر طرف
گوہر

صنعتِ فوق النقط!

جس میں ہر لفظ اوپر ہو نیچے ایک نہ ہو۔
الہی کر دے عطا نعمتِ خضوع و خشوع
ہمارے ساتھ رہے لذتِ خضوع و خشوع
گوہر

صنعتِ تحت النقط!

جس کے ہر لفظ کے نیچے نقطہ ہو اوپر ایک نہ ہو۔
چوٹ گہری لگی مرے دل کو
یاد کیوں بار بار آئے یار
گوہر

صنعتِ الفیہ!

جس کے ہر لفظ میں الف استعمال کیا گیا ہو۔
بتلائے ثنا آرائی زبان عالم
آمد شاہ کا چرچا یہاں چاروں جانب
گوہر

صنعت اتصال حروف!

جس کے کسی بھی لفظ میں تنہا کوئی حرف نہ آیا ہو بلکہ لفظ کے حروف ایک دوسرے سے متصل ہوں خواہ ان کی تعداد کچھ بھی ہو۔

محبت بہت مجھ سے کرتے ہو لیکن
کبھی تم کو ملنے کی فرصت ملی ہے
گوہر

ان چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہوئے عرض یہ ہے کہ اس نوعیت کی صنعتوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں سے ایک بھی متروک قرار نہ دئے جانے کے باوجود اپنی تبلیغ و تکرار سے محروم ہے۔ غیر دانستہ طور پر بعض صنعتیں اشعار سے منسلک تو ہوتی رہتی ہیں مگر مندرجہ بالا صنعتیں غیر دانستہ طور پر بار بار قطعی نہیں جاری ہو سکتیں۔

شعراے متقدمین ہوں یا متاخرین، اس نوعیت کی بیشتر صنعتوں سے ہمیشہ گریز کیا۔ بندش خیالی کو فوقیت دیتے ہوئے نزاکت صنائع کا صرف اس لئے اہتمام کرنے کا مزاج نہیں رہا کہ یہ عمل متعلقہ فکری ڈھانچوں کو متاثر نہ کر سکے ہر تخیل کو مشکل صنعتوں سے بے نیاز رکھنا اچھی علامت نہیں، صنعتیں، خیال و فکر کا راستہ نہیں روکتیں بلکہ اظہار و استعمال پر عظمت شعری کا ثبوت چاہتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر شعر ایسی مشکل صنعتوں سے وابستہ رہے، ضروری یہ ہے کہ دو چار کلام کے درمیان بھی کسی ایک کا استعمال جاری رہے تو ماتم کرنے کا سلسلہ منقطع ہو جائے، فکر و خیال اور صنائع و بدائع کی روشنی میں امام احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری دنیائے شعر و ادب میں آبرو بن کر چمک رہی ہے۔ دو مخصوص صنعتوں کی ایجاد نے مزید تقویت پہنچائی ہے۔ اس ہیئتِ تجربے کو ”قصیدہ درودیہ“ میں ظاہر کرتے ہوئے ہر مصرع اولیٰ کے آخری حرف کو حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ پیش کیا جسے ”صنعت تہجی“ ہونے کا نمایاں فخر حاصل ہے نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کریں۔

کعبے کے بدر الدجی تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود
ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لا جواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود
تم ہو حفیظ و مغیث کیا وہ دشمن خبیث
تم ہو تو پھر خوف کیا تم پہ کروڑوں درود
وہ شب معراج راج وہ وصف محشر کا تاج
کوئی بھی ایسا ہوا تم پہ کروڑوں درود

اسی ترتیب سے ”ے“ تک مصرعے کہے گئے، چار مطلعوں کے بعد ”ب“ سے وابستہ
۲ مصرعے، ”ت“ سے ۲ ”ث“ سے ۲ ”ج“ سے ۱ ”ح“ سے ۲ ”خ“ سے ۱ ”ذ“ سے ۱ ”ڈ“
سے ۱ ”ز“ سے ۳ ”ز“ سے ۱ ”س“ سے ۱ ”ش“ سے ۱ ”ص“ سے ۱ ”ض“ سے ۱ ”ط“ سے ۱
”ظ“ سے ۱ ”ع“ سے ۱ ”غ“ سے ۱ ”ف“ سے ۱ ”ق“ سے ۱ ”ک“ سے ۱ ”ل“ سے ۱
”م“ سے ۱ ”ن“ سے ۱ ”و“ سے ۳ ”ہ“ سے ۲ ”یائے معروفہ“ سے ۱ اور ”یائے مجهولہ“ سے
۳ مصرعے وابستہ ہیں۔ حضرت رضا بریلوی کی اسی ہیئت تقلید میں اس خاکسار نے بھی کلام کہنے
کی سعادت حاصل کی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

ہے وقف عشق قلب و جگر اے شہرہ جہاں اک بار ہم بھی دیکھ لیں در رائے شہرہ جہاں
مغموم زندگی کو عطا کر رہ ضیا (الف) دل میں ہے آرزوئے سفر اے شہرہ جہاں
بے کس کے حق میں کھول دے رحم و کرم کے باب (ب) پھر کون لے ہماری خبر اے شہرہ جہاں
کب تک ستائے گی یہ شب و شبِ حیات (ت) حسنِ نجات کی ہو سحر اے شہرہ جہاں
ہم عاشقِ کتاب ہیں دیوانہ حدیث (ث) روشن رہے یہ قلب و جگر اے شہرہ جہاں
ہے سر بلند تیرے ہی صدقے میں اپنی لاج (ج) قسمت ہو جیسے شمس و قمر اے شہرہ جہاں
اتنی کہاں مجال کریں کچھ بھی شرحِ مدح (ح) مل جائے حوصلہ جو اگر اے شہرہ جہاں
دل میں درختِ جرم کی بڑھنے لگی ہے شاخ (خ) لہوِ رحم کی ہو نظر اے شہرہ جہاں
جذباتِ خیر کی نہ حرارت کبھی ہو سرد (د) کرتے ہیں مدحِ شام و سحر اے شہرہ جہاں
حق کی مخالفت میں بناتا ہے وہ محاذ (ذ) سب خاک میں ملا دے یہ شر اے شہرہ جہاں
کرتا ہے التجا یہ ادب سے گناہ گار (ر) مقبول ہو دعائے سحر اے شہرہ جہاں
دریادلی میں ہم بھی رہیں خوب سرفراز (ز) دامن میں بھر دے لعل و گہراے شہرہ جہاں

آقا خطا نواز سے کردے وفا شناس (س) اب ہو عطا دعا کو اثر اے شہہ جہاں
 ہر دم گناہ و جرم کے سینے میں ہے خراش (ش) دل میں جلا دے شمع حزر اے شہہ جہاں
 اللہ چشم بد سے بچائے، ہے عرض خاص (ص) روشن رہے ہمارا یہ گھر اے شہہ جہاں
 کرتے ہیں بارگاہ رسالت میں ہم یہ عرض (ض) محشر کو کردے یوم ظفر اے شہہ جہاں
 لکھا ہے ہم کو یار نے پھر آب زر سے خط (ط) کیسے کٹے گی شام و سحر اے شہہ جہاں
 وابستگی عشق کا رہتا ہے ہر لحاظ (ظ) محتاج رحم ہے یہ بشر اے شہہ جہاں
 توفیق دے کہ عمر رہے زیر اتباع (ع) محتاج رحم ہے یہ بشر اے شہہ جہاں
 دل میں ہمارے عشق کا روشن وہ کر چراغ (غ) ہو رشک مہر رشک قمر اے شہہ جہاں
 انبوہ عاشقان رسالت ہر اک طرف (ف) ہر سو اسیر لطف نظر اے شہہ جہاں
 ہے زیر پائے سرور عالم ہر اک فلک (ک) رخ پر فدا ہیں شمس و قمر اے شہہ جہاں
 مدح و ثنائے شاہ سے روشن ورق و رق (ق) تحریر غرق تاب دُر اے شہہ جہاں
 حورانِ خلد بھیک میں مانگیں ترا جمال (ل) ہیں وصف خواں لیل و گہر اے شہہ جہاں
 کر دے معاف جرم کو اے رحمت تمام (م) آنکھیں ہماری اشک سے تر اے شہہ جہاں
 عزت کی بھیک مانگتے رہتے ہیں رات دن (ن) رسوا نہ ہونے پائیں مگر اے شہہ جہاں
 محشر میں عشق شاہ مدینہ کا ساتھ ہو (و) ہے بس دعایہ شام و سحر اے شہہ جہاں
 عرش بریں کہ تحتِ ثریٰ کا تو بادشاہ (ہ) تو ہی تو تاج دار بشر اے شہہ جہاں
 ہے دل کی آخری یہ تمنا ہمارے شاہ (ہ) چوکھٹ پہ رگڑیں اپنا یہ سراے شہہ جہاں
 کس عاشق رسول کی حسرت نہیں ہے یہ (ہ) طیبہ میں زندگی ہو بسر اے شہہ جہاں
 کر دے نصیب کو تو عطا جوشِ بندگی (ی) ہر دم ہمارے دل میں ہو ڈراے شہہ جہاں
 جس کو بھی چاہے ایک نظر میں نواز دے (ے) ہم بھی ہیں ملتجی نظر اے شہہ جہاں

جو بھی ہمارا حال ہے سب سامنے تیرے

گوہر پہ رحم کی ہو نظر اے شہہ جہاں (ے)

صنعتِ تہجی کی دوسری مثال!

مندرجہ ذیل کلام میں اگرچہ تمام حروف کا استعمال نہیں ہوا مگر ترتیب حروف کے قانون کے تحت چند ہی اشعار کی روشنی میں صنعتِ تہجی کی معرفت واضح ہو جاتی ہے لہذا اس صنعت کی تبلیغ میں

دونوں صورتوں میں اپنے فکر و فن کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

ہنس کر وہ روز ملتا ہے لیکن دعا نہ دے

میں اس سے روٹھ جاؤں یہ جذبہ خدا نہ دے

کتنا کشادہ گھر ترا کتنا سجا ہوا (ا) در پر مگر فقیر کوئی بھی صدا نہ دے
یاری تری ہمارے لئے بن گئی عذاب (ب) ہر دم یہی ہے خدشہ کہیں تو بھلا نہ دے
اخلاق میرے بکھرے ہیں چاروں طرف بہت (ت) یہ اور بات ہے کوئی مجھ کو صلہ نہ دے
سلطان کبھی تھے تیرے پدر ذکر ہے عبث (ث) اب کر دعا کہ نام نشان رب مٹانہ دے
یکبارگی سبھی کا بدلنے لگا مزاج (ج) ڈرتا ہوں کل کا واقعہ کوئی بتانہ دے
مکر و فریب سے کبھی ملتی نہیں فلاح (ح) ایسا نہ ہو کہ تجھ کو کوئی راستہ نہ دے
گستاخ زندگی تری زیرِ مزاج تلخ (خ) ہر عزم نو میں آگ یہ شہرت لگانہ دے
چھٹرا ضرور ہم سے نہ کرتا وہ ترکِ یاد (د) دشمن کو بھی خدا کبھی ایسی سزا نہ دے
آوارہ ہر سو پھرتا ہے قانون کا نفاذ (ذ) گردن مری وفا کی وہ ظالم دبانہ دے

اسی طرح امام رضا بریلوی نے ”صنعتِ محبوب“ میں چہار لسانی کلام کا ایک نادر نمونہ پیش کر کے دنیائے صنائع کو حیرت میں ڈال دیا، اس صنعت کے حق میں آج تک تقلیدی عمل اجاگر نہ ہو سکا۔ حضرت رضا سے پہلے اگر اس صنعت کا کوئی استعمال نہ کر سکا تو اس خاکسار سے پہلے ”صنعتِ تنجی“ اور ”صنعتِ محبوب“ کا کوئی تعارف بھی نہ کر سکا۔ ”تلمیج“ اس صنعت کو کہتے ہیں جس میں باقاعدہ فقروں کے تحت ایک شعر میں دو زبانوں کا استعمال ہوا ہو، اس کی دو قسمیں ہیں ”مکشوف اور محبوب“ مکشوف کا قاعدہ بھی تلمیج ہی جیسا ہے مگر محبوب کے ہر شعر میں دو سے زیادہ زبانوں کی شرط ہے، علم بدیع میں اسے صنعتِ ترصیع کہتے ہیں جو ”جمع متوازی“ کی ایک قسم ہے جس کی مثالیں بعض دیگر بحروں میں تو عام ہیں مگر چار رکنوں یا چار مختلف لسانی فقروں کے پیش نظر اس بحر کی کہیں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ عربی و فارسی اور اردو و ہندی زبانوں کے اشتراک سے حضرت رضا نے خاصہ محبوب ثابت کرتے ہوئے ہر مصرع اولیٰ کے عربی و فارسی فقروں کو دو ہم وزن بحروں میں منقسم کر کے نہ صرف دو قوافی کا اہتمام کیا بلکہ اردو و ہندی فقروں کے تحت بھی مصرع ثانی کے دونوں رکنوں کے اختتام پر قوافی کا بندوبست کیا گویا بنیادی بحر کی قید کے باوجود ہر شعر میں چار زبانوں کا متوازن قرینہ پیش کرتے ہوئے صنعتِ محبوب کی اصل تشکیل و ایجاد کی تکمیل فرمادی کلام

مندرجہ ذیل ہے۔

لم یسات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
 جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
 البحر علا والموج طغیٰ من یکس و طوفاں ہوش ربا
 منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری تیا پار لگا جانا
 یا شمس نظرت الی لیلیٰ چو بطیبہ رسی عر ضے بکئی
 توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
 لك بدر فی الوجه الاجمل خط ہالہ مہ زلف ابراجل
 تورے چندن چندر پر کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
 انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
 برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
 یا قافلتی زیدی اچک رحمة بر حسرت تشنہ لبک
 مورا جیرا لرے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا
 واہ السویعات ذہبت آں عہد حضور بارگہت
 جب یاد آوت موہے کر نہ پرت در داد ہ مدینہ کا جانا
 القلب شج و الہم شبحون دل زار چناں جاں زیر چنوں
 پت اپنی بپت میں کا سے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا
 الروح فداک فزد حرقا اک شعلہ دگر برزن عشقا
 مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
 بس خامہ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
 ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

کوئی بھی شے ہمیشہ ایک مقام پر کبھی نہیں ٹھہری رہتی یا تو وہ اپنے مقام سے ہٹ کر بکھرنے لگتی ہے یا پھر ارتقائی مراحل سے گزرنے لگتی ہے۔ صنعت محبوب کی بابت بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ حضرت امام رضا کی تقلید و تائید میں جب اس ناچیز خاکسار نے طبع آزمائی کا ارادہ کیا تو متعدد مسائل و معاملات بھی سامنے آتے گئے، یہ مسائل بعض اضافی رابطہ و قانون کا تقاضہ کرتے ہوئے

کچھ جدید ساخت و تشکیل کے طلبگار ہونے لگے تاکہ ارتقائی کاوشوں کے تسلسل سے تمام بند دروازوں کو کھولنے میں آسانی ہو۔ جب سے یہ چہار لسانی کلام وجود میں آیا ہے آج تک کوئی بھی شاعر اس کی تقلید و طبع آزمائی کی راہ پر گامزن نہ ہو سکا، اگر طبع آزمائی کا سلسلہ جاری رہا ہوتا تو نہ صرف اس نایاب صنعت کا تبلیغی سفر آگے بڑھتا رہتا بلکہ متوقع ضابطہ و قانون کی مخفی صورت حال بھی واضح ہوتی جاتی۔ ضرورت شعری کے تحت امام رضا کے محض چند اشعار مختلف اضافی قرائن و ضوابط کا خود مطالبہ کرتے ہیں۔ سب سے اہم مسئلہ فقرہ عربی و فارسی کے آخری لفظ و حرف کا ہے کہ عربی لفظ و حرف کے مقابلہ لفظ و حرف کا متبادل کیا ہونا چاہئے پھر اسی مناسبت سے ہندی، اردو الفاظ و حروف اور صوتی ہم آہنگی کے تعین کا کیا طریقہ ہوگا اسی توضیحی پیش رفت کے آئینے میں تجزیہ و تحلیل کی ضرورت پیش آئی، امام رضا فرماتے ہیں۔

یا شمس نظرت الی لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
بحر و وزن کے پیش نظر عربی فقرہ کے آخری لفظ کو کسی بھی وقف و ساکن کی ضرورت نہ پیش آئی اسی مناسبت سے قافیہ ”بکنی“ کو ترتیب دیا گیا۔

الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
مگر عربی لفظ ”حرقا“ کو ساکن کرتے ہوئے اسی سطح پر ”عشقا“ منتخب کیا گیا۔ اگر حرقا کی قیاسی تنوین بالفتح کو وقف و ساکن نہ بھی کیا تو بھی وزن پر کوئی فرق نہ پڑتا حرقا کو بحال رکھنے پر فارسی لفظ کیا ہوتا ایسے متبادل کی تلاش یا ایسے توضیحی عمل سے صنعت محبوب کی وابستگی ضروری ہے۔

لک بدر فی الوجه الاجمل خط ہالہ مه زلف ابر اجل
اس عربی فقرے میں ”اجمل“ کے لام مکسور کو ساکن کیا گیا اسی مطابقت سے فقرہ فارسی کے آخر میں قافیہ ”اجل“ استعمال ہے، اگر اجمل کے لام مکسور یا کسی اور حرف مکسور کو واضح کر دیا جائے تو فارسی حرف و لفظ کے بدل کا سکھ سامنے آ جاتا ہے۔ امام رضا بریلوی کے پورے مجموعی کلام میں کسی بھی عربی جملہ و فقرہ کے آخری حرف و لفظ میں فتح، ضمہ، کسرہ اور تنوین استعمال نہیں ہوئیں، ان سب کے متبادل قاعدے اپنے اضافی وضع کے متقاضی ہیں تاکہ اس کے فروع و ارتقاء میں مزید آسانی ہو۔ مطلع کے مصرع اولیٰ میں اگرچہ ”فی نظر“ کی ترتیب آئی ہے مگر فقرہ فارسی کو چونکہ قافیہ سے ہم آہنگ ہونا تھا اس لئے ”ر“ کی تنوین بالکسر کا بدل سامنے نہ آ سکا۔ یہ مسلم ہے کہ امام رضا بریلوی نے مفعول فاعلین، مفعول فاعلین، کی بحر میں

چار فقروں کو وزن کے ساتھ برت کر صنعتِ محبوب کی تلاش کی ہے جو دنیائے شاعری میں حیرت انگیز کارنامے کی حامل ہے تاہم اس کی ترویج و ارتقاء ہمیشہ اسی بحر میں ہو ضروری نہیں۔ چار زبانوں کا استعمال اپنے اپنے طور سے کسی بھی بحر میں کیا جاسکتا ہے اسی جذبہ تقلید میں خاکسار نے محجوبی رنگ میں فی الحال تین کلام کہنے کی سعادت حاصل کی ہے تاکہ عربی و فارسی اور ہندی وارد کے آخری لفظ و حرف کے تعارف و شناخت اور صوتی قرینے کے نئے سفر کو مزید آگے بڑھایا جاسکے۔

فِی حُبِّ رَسُوْلِكَ اِبْعَثْنَا تَعْظِیْمَ تَرَا اَعْلٰی جَانَا
 اک تو ہی جگت راجا مولیٰ غیروں کو نہ کچھ سمجھا جانا
 مِّن رَّحْمَتِكَ الْبَرَكَاتُ لَنَا ہر باب کرم راوا جانا
 تورے درشن کو تڑپت ہے جیا بس ایک جھلک ہی دکھا جانا
 حَاسِبِنِیْ حِسَابًا مِّنْ یُّسْرِ تُوْرَم و کرم کن بر باطن
 موری پپتا کون سنے تجھ بن مجھ پر بھی کرم فرما جانا
 یَا اَحْمَدُ اَحْسِنْ عَاقِبَتِیْ فَرِیَادِ کُنْدَا یں تشنہ لبی
 تورے رحم کی جے جے کار مچی ترے عشق میں کھو جانا جانا
 یَا صَاحِبَ نُورٍ خُذْ یَدِیْ تُوْفَضِل بفرما برے کسی
 مورا پاپ بھسم سب کر دے نبی شبِ تار میں شمع جلا جانا
 مِّنْ نُورِ حَبِیْبِكَ فِیْ بَصْرِیْ دَرِیْنَمِنْ اَنوَارِ نبی
 موری قبر کو جھل جھل کر دے سخی رحمت کی گھٹا برسا جانا
 قَدْ جَاءَ رَسُوْلٌ مِّنْ عَرْشِ قَرْبَانَ کُنم جاں ہر ممکن
 اب رات بھی چمکت جیسے دن ہر شے نے تجھے آقا جانا
 فِی الْقَبْرِیْ عَلٰی عَبْدٍ اُنْظُرْ ظِلْمَتِ نَرَسِدَتَا بدمہ و خور
 پاپی کو نہ آیا پریت کا گر مشکل کی گھڑی میں آ جانا
 الْحَسْرَةُ فِیْ قَلْبِیْ خَلَجَتْ یَکْ بَار کُنم دیدار درت
 مورا جیرا دھڑ کے رہت رہت گوہر پہ کرم فرما جانا
 اَنَا خَزُولٌ عَلٰی الْخَطَا یَا فَلَکِنْ نَگاہِ کرم کریمَا

جھکاؤں دوارے پہ شیش اپنا یہ سانس اُکھڑے تو زیرِ سایہ
 أَنَا خَزُولٌ عَلَى الْخَطَايَا
 وَمَنْ هَدَيْتَهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ كَرَمُ بَكْنٍ بَرَكْسُ بَيْمِ
 کریں نہ کیوں گرو دھرم پر ہم تجھی نے رستہ ہمیں دکھایا
 أَنَا خَزُولٌ عَلَى الْخَطَايَا
 أَتُوبُ رَبِّي مِنَ الْمَعَاصِي بِهِ هِرْكَنْ عَطَا خِلَاصِي
 بنی رہے مجھ پہ کرپا تیری کرم کا سر پر ہو میرے سایہ
 أَنَا خَزُولٌ عَلَى الْخَطَايَا
 حَبِيبُ رَبِّي لِيْلَى النَّجَلَةِ بَرِي عَنَايَتْ نَدْلُ بَقَابُو
 میں ایسی بھلچھا پہ واری جاؤں نبی کے احساں پہ سر جھکایا
 أَنَا خَزُولٌ عَلَى الْخَطَايَا
 تَوَفَّنَا فِي شُعَاعِ صَدَقِ تَوَدَانِي رَاظِظْهُرُ وَبَاطِنِ
 دیا کی برکھا مزار پر ہو صلہ محبت کا تجھ سے پایا
 أَنَا خَزُولٌ عَلَى الْخَطَايَا
 وَسَيْلَةُ الرَّحْمَةِ النَّبِيِّ اِزَارُضْ تَالَامَكَ اِيں خُوشْبُو
 پڑوں میں پیٹیاں میں گوڑ لاگوں نبی کا صدقہ ہی کام آیا
 أَنَا خَزُولٌ عَلَى الْخَطَايَا
 اَعْنِي يَا اَفْضَلَ الْعِبَادِ مِنْمِ طَلْبِ گَارِ دِلِ نَوَازِي
 ترے ہی اُپکار پر ہے دھیرج تجھی نے اپنا مجھے بنایا
 أَنَا خَزُولٌ عَلَى الْخَطَايَا
 عَلَيَّ يَا مُصْطَفَى تَرَحَّمْ تَوَحَّرْ رَحْمَتِ نَبِيِّ اَكْرَمِ
 تو اپنے گوہر کی لاج رکھ لے گنویا سب کچھ، نہ کچھ کمایا
 أَنَا خَزُولٌ عَلَى الْخَطَايَا
 فَلَکِنْ نَکَاهِ کَرَمِ کَرِيمَا
 اِغْفِرْ ذُنُوبَ عَبْدِكَ جَذْبِ حَقِّ بَكْنِ عَطَا

مانگوں میں ہر سے چھما بندہ ترا ہے حمد خواں
 اِرْحَم لَنَا نَبِيَّنَا فَرِيَا دِپِش خَاکِ پَا
 کرپا نبی رہے سدا ترے کرم سے ہر اماں
 اَنْزِلْ عَلَيْنَا رَحْمَتَه یارب طفیلِ بختن
 ہر دل میں ڈال دے کرن بگڑی بنا دے مہرباں
 اَصْلَحْ لِي يَا مُحَمَّد دیدہ تربہ پیش تو
 تو ہی تو ہے جگت گرو بندہ ہے طالبِ اماں
 فَضْلِ مُحَمَّد مَعِي دارم بہ قلب روشنی
 سندر ہو میری ہر چھوی سُن لے دعا شہہ شہاں
 اَعْتَنِي نُورَ فَضْلِكَ باشد حیاتِ پُر ضیَا
 پاپی کو چاہئے دیا مجھ کو بچا لے پاسباں
 صَلِّ عَلَي مُحَمَّد ورد کم بہ ختم سن
 آساں ہو ہر ڈگر کٹھن چشمِ کرم ہو جانِ جاں
 اَحْسِنْ حَيَاتِنَا النَّبِي دولت دیں بدہنجی
 گوہر کو رکھ سدا سکھی بس اک نظر شہہ جہاں
 نوٹ۔ النبی کے یائے ضمہ کا اظہار رعایت قافیہ کے سبب نہیں کیا گیا۔

منیر احمد (پاکستان)

حرفِ نیاز

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں

نواذِ نکہت گل کا پیام پیش کروں
 گلوں کا حُسن صبا کا خرام پیش کروں
 حضور ﷺ نذر گزاروں میں آگینہِ دل
 کہ ارمغانِ درود و سلام پیش کروں
 (عندالکریم شمر)

ان کی گلی کی آرزو میرا تمام جذبِ شوق
 ذکرِ انہی کا ہے علیم میری تمام گفتگو
 اُن ﷺ کے نام۔۔۔ جن سے والہانہ محبت حاصلِ ایماں قرار پاتی ہے۔ جس سے
 دست بردار ہونا کسی بھی صاحبِ ایماں کے لیے ممکن نہیں۔

میرے لیے خدا کے بعد سب کچھ انہی ﷺ کی ذات ہے
 عشق کی ابتدا حضور ﷺ عشق کی انتہا حضور ﷺ
 میرے لیے چراغِ راہ میرے لیے راہِ عمل
 آپ ﷺ نے جو کہا حضور ﷺ آپ نے جو کیا حضور ﷺ
 حضور کی بارگاہِ ناز میں اس امید کے ساتھ کہ نجانے قلم کی کون سی کاوش، زبان کی کون سی
 لکنت، انکسار کا کون سا بول، دل کی کون سی آہ، آنکھ کا کون سا آنسو، عقیدت کے چہرے کا وضو اور
 ارادت کے پھول کی شبنم ثابت ہو جو آپ ﷺ کی بارگاہِ ناز میں بارِ پاجائے۔

میرے تاجور تیری نذر ہیں میرے جذبِ دل کی یہ شدتیں
میرے خواب، میری بصارتیں، میری دھڑکنیں، میری چاہتیں
میرے روز و شب کے نصیب میں میرے پاس اپنا تو کچھ نہیں
تیرا قرض ہے میری زندگی میرے سانس تیری امانتیں
عِزِّ گریبِ افتد۔۔۔۔۔

بارگاہِ محبوب ﷺ میں پیش کرنے کے لیے میرے پاس اشکِ ندامت کے سوا کچھ اور
نہیں۔ نہ تو حُسنِ عمل کا زادِ راہ ہے اور نہ ہی شایانِ شان گہرے عقیدت یہ گدائے بے نوا شہنشاہِ
کونین ﷺ کے دربار میں پیش بھی کیا کر سکتا ہے۔

شاید کوئی آنکھ خوشبو کی تمنائیں صحراے محبت میں کچھ پھول کھلا جاؤں
اے رسولِ عربی ﷺ! اے میرے محبوبِ نبی ﷺ!

لبوں پہ اک تبسمِ جواب ہو جس کا میری زبان کو اللہ عطا ہو ایسا سوال
بارگاہِ بیکس پناہ میں یہ حقیقت عرض کرنے کا اذن عطا ہو جس سے آپ بخوبی آشنا ہیں کہ
آنسو بیانِ غم دل اور متاعِ تسکین جاں ہوا کرتے ہیں۔ آنسو محبت کے سفیر ہوتے ہیں اور محبت ہی
وہ امرت ہے جو جذبے کو اظہار کا خوبصورت پیرہن عطا کرتی ہے۔ آنسو محبوب کی یاد کے کس قدر
قریب ہوتے ہیں یہ کوئی دلِ عشاق سے پوچھے۔ عقیدت کی شبنم آپ ﷺ کے حضور کیوں گوہر
نواز ہونے لگتی ہے۔ یہ کوئی روح میں اترے ہوئے ہجر کے تیکھے کانٹے کی چھن سے ادراک
کرے آپ کے حُسنِ تصور کے آئینوں سے با وضو ہو کر پلکیں کیوں پائے اقدس کے بوسے لینے
لگتی ہیں۔ آپ کی یاد کے آنے سے آنکھوں کے جھرنے کیوں بہ نکلتے ہیں۔ آپ کے ذکرِ جمیل کی
خوشبو سے آنکھیں کیوں بے اختیار چھلک اٹھتی ہیں؟ آپ کا اسمِ گرامی لب پہ آتے ہی تمام جسم کا
پانی تھر کر دید کی پیاسی آنکھ سے کیوں رم، جھم برسنے لگتا ہے۔ میرے فکر کی نارسائی یہاں تک ہے
کہ آپ کی محبت کے اس منہ زور سوتے کی محمل صرف اور صرف مشتاق دید آنکھ ہی ہو سکتی ہے۔
آنسو جس کی صدف کے موتی ہوتے ہیں۔ ان آنسوؤں میں وہ انبساط اور جلن میں وہ ٹھنڈک
ہوتی ہے کہ اک کیفِ سرمدی سانس ہوتا ہے۔ جسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہ آنسو
تشکر و امتنان کا اظہار بھی ہوتے ہیں اور تحریثِ نعمت کا اقرار بھی۔

غمِ فراقِ نبی میں جو اشک بہتے ہیں اُن آنسوؤں کو متاعِ حیات کہتے ہیں
نہ پوچھ ٹوٹے ہوئے دل کی آبرو کیا ہے سُنایہ ہے کہ وہ عظیم ٹوٹے دلوں میں رہتے ہیں

پس محبت کے ان آنسوؤں کے ساتھ۔۔۔۔۔ اُن قدموں میں جن کا نام نامی آتے ہی آنکھیں عقیدت و ارادت کے آنسوؤں سے وضو کرنے لگتی ہیں اور دیر تک عشق و محبت کے ستارے پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر دامن میں نور بھرتے رہتے ہیں۔

یہ قلب و جگر یہ فکر و نظر کیا میں ان کی نذر کروں
پاس میرے اشکوں کے علاوہ اور کوئی سوغات نہیں

اگرچہ میرے دامن میں عقیدت کے وہ پھول اور آنکھوں میں ارادت کے وہ ستارے نہیں جو سید الکونین ﷺ کی شان کے شایاں ہوں۔ پھر بھی۔۔

تیری رحمت سے الہی پاس یہ رنگ قبول پھول کچھ میں نے چنے ہیں اُن کے دامن کیلئے
باعثِ صدر رشک ہے وہ دل۔۔۔۔۔ جو حبیبِ کبریا ﷺ کی یاد میں دھڑکتا ہو۔۔۔۔۔
باعثِ صد آفریں ہے وہ زباں۔۔۔۔۔ جس کے لیے حضور ﷺ کا اسمِ گرامی درود کی حیثیت رکھتا ہو۔۔۔۔۔ وجہِ صد افتخار ہے وہ دماغ۔۔۔۔۔ جس میں خوشبوئے فکر محمد بسی ہوئی ہو اور عرشِ مقام ہے وہ قلم۔۔۔۔۔ جو سینہِ قرطاس پہ مدحتِ رسول ﷺ کے موتی بکھیرتا ہو۔۔

میرے لفظوں میں خوشبو بسی آپ کی ﷺ آپ ﷺ سے میرے شعروں کی وابستگی
آپ ﷺ ہیں میرے احساس کی تازگی میرے افکار کی روشنی آپ ہیں
آپ ﷺ کی یاد سے دل کو راحت ملے آپ ﷺ کے ذکر سے دل کا غنجہ کھلے
آپ کا نام ہے جن کے وردِ زباں اُن کا سرمایہ زندگی آپ ﷺ ہیں
دلِ عالم کے دل نواز ﷺ!

آپ ﷺ کا اسمِ گرامی لب پہ آتے ہی آپ ﷺ کی نظرِ کرم کے طفیل ہے۔ آپ ﷺ کا ذکر اور دامنِ رحمت کی طرف کھچاؤ جہاں آپ ﷺ کی ذرہ نوازی ہے وہاں اک ایسا احساں بھی ہے جس کے مقابلے میں دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔۔۔۔۔

جب کوئی کسی کو یاد کرتا ہے، یاد رکھتا ہے، دل میں سجاتا ہے، نگاہوں میں بساتا ہے، روح میں سموتا ہے۔ جان میں گھلاتا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ کوئی سبب ہوتا ہے۔ کوئی نسبت ہوتی ہے۔ کوئی تعلق ہوتا ہے۔ بات تعلق کی ہے۔ لطف و عطا کی بارش اس کے بغیر نہیں ہوتی۔

ذکرانِ ﷺ کا ادا ہو بھی نہ پایا ہے زباں سے دل میں یہ اُجالے اتر آتے ہیں کہاں سے
کرنیں سی چٹک جائیں اسی حجرہ دل میں تم اُن کو پکارو تو حضورِ دل و جاں سے

میرے دیدہ دل کے ملیں!

کیوں کہتی ہے دنیا کہ مدینے کے ملیں آپ ﷺ
جھانکا ہے جودل میں تو ہیں موجود یہیں آپ ﷺ
توصیف ہو مقصود تو الفاظ نہیں ہیں
کونین کی ہر شے سے جمیل آپ ﷺ حسین آپ ﷺ
ہر علم ہو آپ ﷺ کے پر تو سے منور
اُمی کہوں کیسے کہ ہیں قرآن میں آپ ﷺ

اگرچہ آپ ﷺ میرے دل میں بستے ہیں۔ پھر بھی یہ آرزو ہے کہ اس کی دھڑکنوں میں
امنڈتے ہوئے جذب و شوق کے طوفانوں کا رخ آپ ﷺ کے مہر و وفا کے ساحل کی طرف موڑ
دوں، اپنے قلب کی پہنائیوں میں تڑپتی ہوئی اُمنگوں کو عقیدت کی راہ دکھا دوں، پیاسی نظروں
میں آپ ﷺ کی دید کے سلگتے ہوئے ارمانوں کو محبت کی زباں دے دوں۔ تمنا ہے کہ اپنے
جذب دروں کے سارے درد کو آپ کی مئے الفت کی ایان میں اُنڈیل دوں۔
گرے تھے ہجر میں موتی جو میری آنکھوں سے وہی تو تحفتاً دینے میں آج لایا ہوں
میرے سرور دنیا و دیں ﷺ!

دور رہ کر بھی ہے ہر سانس میں خوشبو تیری ﷺ میں مہک جاؤں جو تو پاس بلا لے مجھ کو
آپ ﷺ کے آستانِ کرم سے دور بہت دور آپ ﷺ کا اک عصیاں شعار عجمی اپنے
جذبوں کی ترجمانی کے شعور کا تمنا ہے۔ آپ ﷺ کی الفت کے عطر میں بسی جذبِ دل کی یہ
آرزو عرض پر واز ہے کہ اپنی توصیف و ثناء میں میرے راہوار قلم کو الفاظ اس سلیقے سے پرونے کا ہنر
عطا کیجئے کہ جیسے وفا کی نذر لیے اشکبار آنکھوں میں آپ کے دیوانے آپ کے در پہ بے قرار
کھڑے ہوں اظہار محبت ہو تو اس طرح کہ چاہت کی روح کچھ کر الفاظ کے سینے میں سما جائے،
ان میں اثر ہو تو ایسا کہ پئے نذر عقیدت ارادت کے یہ موتی آپ کی بارگاہ میں بارپا جائیں۔
وہ لکھیں حرف کہ روحوں میں اتر آئے گداز سطریں خود بول اٹھیں ایسی کتابت کی جائے
اُن گلیاں لمس پڑھیں حرف تراشیں سانسیں اس طرح درسِ تمنا کی ریاضت کی جائے
بارِ الہا!

روح سورج کی طرح جسم اجالے کی مثال کیسے الفاظ میں ڈھالوں وہ تصویرِ جمال
ذکر اس نور مجسم ﷺ کا ہے کرنا مقصود مالکِ لوح و قلم تو میرے لفظوں کو اُجال

بارگاہِ محبوب ﷺ میں عقیدت کا خراج پیش کرنا سہل نہیں۔ یہ وہ بارگاہِ جلالت مآب ہے جہاں جنید رحمۃ اللہ علیہ و بایزید رحمۃ اللہ علیہ بھی دست بستہ دم سادھے نظر آتے ہیں۔

بابِ جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا
فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا
اپنی پلکوں سے دریا ﷺ پہ دستک دینا اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا
میرے نبی محترم ﷺ!

آپ کے بارے میں ایک لفظ بھی لکھنا تو کجا، سوچنا بھی میرے فہم و ادراک سے بالا ہے۔ قلم ہے کہ سطوتِ رسالت ﷺ سے کانپ کانپ جاتا ہے۔ دامنِ قرطاس ہے کہ ندامت کے آنسوؤں سے بھیگ بھیگ جاتا ہے۔ مشک و عنبر میں بسی اور عطر و گلاب سے دھلی زبان ہے کہ آدابِ شہنشاہی کے سبب لڑکھڑا کھڑا جاتی ہے۔ سوچیں ہیں کہ وفورِ شوق میں سوسو بار طہارت کا وضو کرتی نظر آتی ہیں۔ لفظ ہیں کہ بار بار بارگاہِ اقدس کے طواف کے لیے پاکیزگی کا احرام باندھتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر پھر بھی بارگاہِ جمال میں اظہارِ ارادت کے لیے قرطاس و قلم کا رشتہ ہے کہ پاسِ ادب کے سبب بار ہاٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔۔۔

پس میں اپنے جھلملاتے ہوئے آنسوؤں کا خراج، اپنے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کا سکوت، اپنی لڑکھڑاتی ہوئی زبان کا عجز اور اپنے لرزتے ہوئے قلم کا نیاز آپ ﷺ کی بارگاہِ ناز میں اس آرزو کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

وشاہا ﷺ نیاز و عجز گدایاں قبول ہو آقا ﷺ سلامِ حلقہٗ بگوشاں قبول ہو
الفاظ ساتھ چھوڑ گئے گنگ ہو گئے بے ربطی نوائے پریشاں قبول ہو
ساری دعائیں سیلِ تجلی میں بہ گئیں لرزاں اک اشک ہے سرِ مرثگاں قبول ہو
میرے امام المرسلین ﷺ!

آپ ﷺ ایسے محبوب سے اظہارِ محبت کی تمنا کو چند حرفوں کا ادھورا سا پیرا بہن پہنا کر چاہنے کے باوجود شاخِ نطق پہ آپ کی عقیدت کا ایک پھول بھی نہ کھلا سکا۔

مرا عقیدہ ہے توفیقِ ایزدی کے بغیر رواں ثنائے نبی میں قلم نہیں ہوتا
پھر کم و بیش دس سال بعد۔۔۔ اپنی لودیتی ہوئی عطر بیز یادوں کی چاندنی میں میری ارادت کے گنگ جذبوں، بے بصر لفظوں اور بانجھ سوچوں کے اظہار کی نارسائی کو محبت کی زباں عطا کرنا

آپ ﷺ کی نظرِ کرم اور بخشش و عطا کا ایک زندہ اعجاز ہے۔ دراصل جب تک لفظ احرام باندھ کر نہ نکلے اور خیال با وضو نہ ہو تو ذہن حضور ﷺ، آپ ﷺ کے بارے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔ قلم حسنِ نگارش اور زباں متاعِ سخن سے محروم رہتی ہے مگر جب بارگاہِ محبوب ﷺ سے مسافتوں کی دوریاں سمٹتی ہیں۔ لطف و احسان کے موتی لٹتے ہیں، علم و عرفاں کے پھولوں کے دامن بھرتا ہے تو جذبے ریشم ریشم ہو جاتے ہیں، لفظوں میں چاند اتر آتے ہیں۔ قلمِ محبت کا صحیفہ لکھتا ہے۔ زبانِ حُسن ادا کا خواب بنتی ہے۔ تب سیدہ قرطاس پہ بکھرے ہوئے حروفِ نظر کا جمال بننے ہیں۔ سانسوں میں عقیدت کے آگینے پھولے ہیں اور دل کی ہر دھڑکن حرفِ سپاس بن جاتی ہے۔ وہ نظر کیا تھی کہ مٹی بھی گہر ہوتی گئی راکھ جیسی شام مانند سحر ہوتی گئی میرے لفظوں کے دیئے اسم محمد ﷺ سے جلے میری سوچوں پہ عنایت کی نظر ہوتی گئی میرے قلبہ جاں ﷺ!

آپ ﷺ کی عطا کے انداز نرالے ہیں۔ آپ ﷺ اپنی رحمت بیکراں سے سب کو نوازتے رہتے ہیں۔ کسی پہ چشمِ عنایت قرطاس و قلم کے حوالے سے، کسی پہ فیضانِ نظرِ قلب پہ القا کی صورت، کسی پہ لطف و عطا سوچ سے ماورا جمالِ فکر کے انمول موتی کے ذریعے نکھت گل سے مہکتی ہوئی رات کے ریشمی دھند لکوں میں کہیں خوابوں میں آکر، کہیں روح میں سما کر لذتِ آشنائی کے سبب دل کو دو عالم سے یوں بیگانہ کرتے ہیں کہ انسان خود ہی اپنے آپ سے ہم کلام رہنے لگتا ہے۔ وہ خود سے گویا ہوتا ہے۔ کوئی اس سے گویا ہوتا ہے۔ یہ سب وقت و زمانہ کی ضروریات کے تحت ہوتا ہے۔ بارگاہِ قدس ﷺ سے صحیح بخاری لکھنے کے لیے کسی پہ نظرِ انتخاب پڑتی ہے تو وہ بھی عالمِ خواب میں، کسی سیرتِ نگار کی سوچ کے ماتھے کا جھومر بننے ہیں تو وہ بھی اس کی عالمِ پیری میں جس پر سیرتِ النبی (شبلی نعمانی) کے گلہائے رنگارنگ کا ایک خوبصورت گل دستہ عالم وجود میں آتا ہے۔ جس کی مہک شام دو عالم کو رہتی دنیا تک معطر کرتی رہے گی۔

ہر چہرہ چاند سا لگتا ہے ہر آنکھ کنول ہو جاتی ہے

جب سوچ پہ وہ آجاتے ہیں ہر بات غزل ہو جاتی ہے

محبوب ﷺ کی سراپا نگاری ہو، یا سیرتِ نگاری، اصل بات تو عشقِ رسول ﷺ کے منزہ جذبوں کا اظہار ہے۔ یہ الفاظ و اشعار مقصودِ کائنات ﷺ کے چاہنے والوں میں اپنا نام لکھانے کی قلبی تمنا کا وسیلہ اظہار ہوتے ہیں۔ عشقِ رسول ﷺ سرمایہ ہستی ہے اور آخرت کا زادِ راہ بھی۔

پس جس لفظ، لمحے یا انسان نے اس مئےِ نایاب کا گھونٹ پی لیا، وہ امر ہو گیا۔ حضور ﷺ کی مدح و ثناء متاعِ نگارش اور معراجِ ہنر ہے۔ اس کے سبب سب سے بڑی شادمانی اور کامرانی جو نصیب ہوتی ہے۔ وہ محبوب کے دامنِ پاک ﷺ سے نسبتِ عقیدت ہے۔ جسے یہ دولت مل گئی اُسے اور کیا چاہئے۔

جو سرور و کیف ملتا ہے تیرے ﷺ افکار سے وہ کسی مئے میں نہ ساغر میں نہ میخانوں میں ہے
کون چھینے گا تجھے ﷺ میرے بدن کی روح سے تو تو میرے گوشہ دل کے نہاں خانوں میں ہے
میری رگ رگ میں سما یا تیری ﷺ شفقت کا سرور تو میرے شعروں میں پنہاں میرے افسانوں میں ہے
میرے حضور ﷺ!

طشتِ دل پہ سبے عقیدت کے ان پھولوں کے ساتھ کانپتے ہونٹوں دم بخود سانسوں اور ماتحتی نظروں کے ساتھ آپ ﷺ کی بارگاہِ یکس پناہ میں باریابی کا متمنی ہوں۔ میری نگاہِ شرمسار میں ندامت کے آنسو بھی ہیں اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے وابستگی کا بے پایاں جذبہ بھی۔
صاحبِ لوح و قلم!

آپ ﷺ کی دیدہ وری پہ عیاں ہے کہ محبت کے راہی کا زاوراہ فقط آنسو ہی ہوتے ہیں۔ محبت حق طلب ہو یا مجاز آشنا بہر صورت آنسوؤں ہی سے عبارت ہوتی ہے۔ آنسو محبت کے سفیر ہوتے ہیں۔ ہجر کی راتوں کے امین ہوتے ہیں۔ جو برسوں کی جدائی کو پل بھر میں پلکوں کی زباں سے بیاں کر دیتے ہیں۔ اشکبار آنکھوں سے ٹوٹنے والے ان گرم گرم آنسوؤں کا گداز آپ پہ عیاں ہے۔ اپنے گنبدِ آگینہ رنگ پہ نچھاور ہونے والے ارادت کے آنسوؤں کی زبان آپ بخوبی سمجھتے ہیں۔ اپنے ہجر میں سلگتے ہوئے دلوں کے رباب سے نکلے ہوئے مدھر نغموں کی حلاوت سے آپ بخوبی آشنا ہیں۔ اپنے فراق کے مضراب سے مرتعش دل کے تاروں کے گیت آپ کے لیے نیابتِ وانگیں کی سی مٹھاس رکھتا ہے۔

فخرِ عرب و عجم ﷺ!

مجھ سا عصیاں شعار بھی ٹوٹے ہوئے دل اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے سوا آپ ﷺ کے حضور اور کیا پیش کر سکتا ہے۔ ندامت کے یہ آنسو آپ ﷺ ہی کا تو عطیہ ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی محبت کا اعجاز ہیں اور یہ صرف اور صرف ان خطا کاروں کا ہی نصیب ہیں۔ آپ ﷺ کی آغوشِ رحمت نے جن کی زینت بننا ہے۔ آپ کے لب گوہر بار کے سحر آفریں الفاظ (الطالع لی

الصالح اللہ۔ گنہگار میرے لیے اور نیکو کار اللہ کے لیے ہے) کا آسرا نہ ہوتا تو کبھی بھی آپ ﷺ کی بارگاہ ناز میں باریابی کی جرأت بھی نہ کر پاتا۔ جہاں پہ جنید رحمۃ اللہ علیہ و بایں رحمۃ اللہ علیہ کا زہد و اتقی گوہر شہنم کی طرح آب دیدہ اور شوکتِ سنجر و سلیم قبائے گل کی طرح دریدہ نظر آتی ہے۔ شرم سے جو نہیں اٹھتی وہ نظر لایا ہوں اپنی بہکی ہوئی شاموں کی سحر لایا ہوں اپنی آنکھوں کے تیرے ﷺ در پہ گہر رکھتا ہوں صرف اک نظر عنایت تیرے ﷺ پاؤں پہ سر رکھتا ہوں دلبر دل براں ﷺ!

اگر اذن عطا ہو تو آنسوؤں کے حوالے سے آپ ﷺ کے صحیفہ عشق کے اک حسیں باب کا ورق الٹ دوں، اجازت ہو تو آپ کی شاخ عقیدت پہ مدحت کا اک اور پھول کھلا دوں۔ اگر طبع نازک پہ گراں نہ گزرے تو محبت آشنا پلکوں پہ سوز و گداز کا اک اور چراغ جلا دوں۔

نہ بار گروش مقدس پہ ہو یہ قصہ غم تو آپ کا اک نام لیوا عطا الحق قاسمی آپ کی بارگاہ میں باریابی کے حسن کو عقیدت کے دھنک رنگوں میں الفاظ کا پیرا بن پہناتا ہے کہ میں ۱۹۸۷ میں ایک روز نماز عصر کے بعد حضور ﷺ کے روضے کے سامنے کھڑا تھا اور میرے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ مجھے بچوں کی طرح ہلکتے دیکھ کر ایک عرب نے پوچھا، تم یہاں آ کر اتنا روتے کیوں ہو؟ اس پر مجھے اپنے ایک دوست کی بات یاد آ گئی جو اس نے اس قسم کے سوال کے جواب میں کہی تھی۔ اس نے سوال کرنے والے سے کہا تھا۔۔۔ ”کہ میں گزشتہ چودہ سو برس پہ محیط اس طویل عرصے میں اپنے خاندان کا واحد فرد ہوں جو یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اب میں اپنے آنسوؤں کو کیسے کہوں کہ تم تھم جاؤ۔“

”اوج کا نعت نمبر مجھے پھر حضور ﷺ کے پاس لے گیا۔ اس دفعہ میرے ساتھ حضور ﷺ کے روضے کی جالی کے ساتھ لگ کر رونے والوں میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عنہ حضور کے دل کا چین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آنکھوں کا نور سیدنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضور کے وہ ﷺ تمام ثنا خواں جمع ہیں جو اس نعت نمبر میں موجود ہیں۔ جگر گوشہ رسول ﷺ سیدنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی پلکوں پہ سب آنسوؤں کے جھر کے سے کہ رہی ہیں۔۔۔ ”جس نے صرف ایک بار خاک پائے مصطفیٰ ﷺ سے اپنے مشام جاں کو معطر کر لیا تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کسی اور خوشبو کا محتاج نہ رہے۔۔۔ شیر خدا اپنے لب گوہر

بار سے فرماتے ہیں۔ آقا ﷺ کو کفن دینے اور محبوب ﷺ کو لحد میں اتارنے کے بعد آنکھ سے اوجھل ہونے لیکن دل میں بسنے والے کے غم میں غمگین ہوں جو پھولوں کے سے گداز کی حامل آغوشِ لحد میں جا بسا۔۔۔۔۔ ہر نماز کے وقت عشاق کے دلوں میں سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقت کا طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ جب وہ اپنے محبوب ﷺ کا نام لے کر پکارتے ہیں تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز آتی ہے۔۔۔۔۔

”تو اے میری آنکھ آنسو بہا اور نہ تھک اپنے آقائے دو جہاں ﷺ کی یاد میں آنسو بہانا تو لازم ہو چکا۔۔۔“

میرا جی چاہتا ہے کہ جس عرب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ۔۔۔ حضور ﷺ کے روضے پہ تمہارے آنسو کیوں نہیں تھمتے؟ ”میں اس سے پوچھوں کہ حضور ﷺ کے وصال سے آج تک آنسوؤں کا یہ قافلہ کبھی رکا ہے جو آج رک جائیگا۔۔۔ یہ آنسو تو ہم سیاہ کاروں کی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ اگر ہم رونے کی دولت سے محروم ہو گئے تو ہمارے افلاس پہ آنے والے زمانے روئیں گے۔“

ہے عشقِ شدید ﷺ تو سنور جائیں گے ہم لوگ یہ غم نہ ہوسینوں میں تو مرجائیں گے ہم لوگ
چلتے رہیں نقشِ قدمِ سرورِ دیں ﷺ پر ذروں کی طرح ورنہ بکھر جائیں گے ہم لوگ
سرکارِ ﷺ دو عالم کی محبت ہے جو دل میں اس زینے سے ہر دل میں اتر جائیں گے ہم لوگ
شاہِ خوبانِ جہاں ﷺ!

اپنے محبوب کی مدح و ثنا کس محب کے دل کی دھڑکن اور آنکھ کی جھٹ نہیں اور پھر ایسی محبت جس کا تعلق ایسے آپ ایسے ذیشانِ محبوب ﷺ کے جمالِ جہاں آرا سے ہو وہ راحتِ جاں بھی ہے اور تخلیق کا ساماں بھی۔۔

اے عشرتِ فرما نہ میرا انتظار کر میں اب ہوں بارگاہِ رسالتِ ﷺ میں باریاب
تاباں ہو کیوں نہ میرے خیالوں کی انجمن عشقِ نبی ﷺ کا دل میں درخشاں ہے آفتاب
آئی ہوا جو زلفِ نبی ﷺ چومتی ہوئی خوشبو بکھیر دی ہے زمانے میں بے حساب
حضور ﷺ کے حسن سراپا میں گم قدسی مقالِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی محبت بھری زباں
یوں لب کشا ہوتی ہے۔۔

”جو دنیا بھر کے خوش جمالوں سے خوشتر و زیبا تر و محبوب تر ہے۔۔۔۔۔“

دل جس کے عشق سے توانا اور خاک ہم دوشِ ثریا ہو جاتی ہے۔۔۔۔
 وہ دلوں کا مکین اور ہماری آبرو جس کی نسبتِ گرامی سے۔۔۔۔
 جلوہ طور جس کے در کا موجِ غبار۔۔۔۔
 وہ شبستانِ حرا کا تنہا مسافر!۔۔۔۔
 قوم و آئینِ حکومت کی طرح ڈالنے والا۔۔۔۔
 جس کی تلوار جنگ میں لوہا پگھلاتی اور آنکھ نماز میں نم ہو جاتی تھی۔۔۔۔
 جو نسخہ کو نین کا دیباچہ۔۔۔۔
 ایسا آقا تمام عالم غلام جس کا۔۔۔۔
 وہ نگاہِ عشق و مستی میں اول بھی آخر بھی۔۔۔۔
 جو قرآن بھی فرقان بھی۔۔۔۔
 اور یسین و طہ کے سچیلے نام جس کے۔۔۔۔
 جو الکتاب بھی اور آیہ کائنات کا معنی دیرِ یاب بھی۔۔۔۔

ایسے میں محبت میں ڈوبی ہوئی نگاہ بے ساختہ پکار اٹھتی ہے
 سرکارِ عالم کی ہو شان بیاں کیسے دنیا کی لغت میں ہیں الفاظ کہاں ایسے
 محبوبِ خدا جب سے محبوبِ نظر ٹھہرے نعمات درودا بھریں دن رات رگ و پے سے
 امی و ابی قرباں قرباں دل و جاں بھی محبوبِ خدا ﷺ مجھ کو محبوب ہیں ہر شے سے
 سرورِ سرور! ﷺ

کسی بھی صاحبِ ایمان کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کوئی نہیں کہ اسے غلامانِ مصطفیٰ
 ﷺ اور شاخوانِ محمد ﷺ میں شامل کر لیا جائے۔۔۔
 ان ﷺ کے در سے مجھ مل جائے غلامی کی سند میرے معبود کوئی لفظ میں ایسا لکھوں
 سایہ گستر نہ ہو گر صورتِ والیل وہ زلف ساری دنیا کو میں تپتا ہوا صحرا لکھوں
 ہر نفس تازہ تغیر کا ہدف ہے دنیا جز تیرے دہر میں آقا ﷺ کسے اپنا لکھوں
 یہ آرزو میرے دل کی معراج بنی کہ کارونِ عشق و سرمستی کے سالار سیدنا حسان بن ثابت
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر آپ ﷺ کے مدحت نگاروں میں کفش بردار اور بازارِ مصر میں یوسف کے
 خریداروں میں بنتِ نبیل کی حیثیت سے شامل کر لیں تو یہ احساں میرے جرم و خطا کے لیے بخشش و

عطا اور مجھ بے کس و بے نوا کے لیے وجہ صد افتخار و ناز ہوگا۔
میں کہاں اپنے محبوب ﷺ کی توصیف کہاں عرض کچھ کرتا ہوں رحمت کے بہانے کے لیے
تاجدارِ شہاں ﷺ!

دعائے خلیل و نوید مسیحا علیہما السلام سے لیکر اس آخری حرف تک جو آپ ﷺ کی مدح و ثنا
میں کہا گیا سرمایہ۔۔۔ اظہارِ عجز کی وہ دولت اور محبت و عقیدت کا وہ خراج ہے جو آپ کے نام
لیواؤں کی طرف سے بارگاہِ جمال میں پیش کیا گیا ”لَوْلَاكَ لَمَّا“ کا تاج وہ تاج ہے جو احسن
الخالقین کی طرف سے آپ کے سر اقدس کی زینت بنا۔۔۔ ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“۔۔۔ وہ
سہرا ہے جو شبِ اسری کے دولہا ﷺ۔۔۔ آپ کے زیب و گلو ہوا

تو وہ گل دستہ قدرت ہے رسولِ عربی ﷺ کم ہے تجھ پر سے اگر جان چمن کو واروں
فرقِ عالی پہ میں صدقے کروں سر کو اپنے پائے اقدس پہ ترے ﷺ اپنے میں تن کو واروں
تیری ﷺ توصیف کی راہ میں اے جانِ جہاں ﷺ ہے سزاوار جو میں روحِ سخن کو واروں
حامیِ بیکساں ﷺ

ریاضِ رسول ﷺ میں کتنے بلبل چبک رہے ہیں، ان کا شمار حدِ ادراک میں نہیں
آتا۔۔۔ آپ کی عقیدت کی انگلی میں سیدنا حسان بن ثابت، کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ
عنہم، رومی و جامی، عربی و خاقانی، سعدی و سنائی، قدسی و بوسیری، حالی و مینائی، امامِ اعظم و
فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہم، بیدم وارثی و ظفر علی خاں، نعیم صدیقی و حفیظ تائب، محسن کا کوروی و
عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمتین و مظفر وارثی، اقبال، آفتاب نقوی، حافظ لدھیانوی و ریاض
مجید، اعظم چشتی و محمد علی ظہوری، انور جمال و عاصی کرنالی، حافظ مظہر الدین و لالہ صحرائی ایسے
ان گنت نگینے ہیں جن کی جگہ گاہٹ سے ایوانِ نعت میں فکر و نظر کی روشنی ہے۔ ہجرِ محبوب ﷺ
میں بے چین دلوں کا چین ہے۔ سوزِ فراق میں سلگتی ہوئی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ کئی رت
جگوں کا سرور اور بے خواب راتوں کا نور ہے۔ آرزوئے وصال میں جلتے ہوئے لمحوں کا سوز
اور تڑپتی ہوئی تمناؤں کا گداز ہے۔۔۔ عجزِ اظہار کا یہ سرمایہ کہکشاں رنگ رہے گا جب تک
کہ سورجِ دامنِ شب سے طلوع ہوتا رہے گا۔ جب تک کہ چمن میں بہاریں آتی رہیں گی جب
تک کہ شبنم پھولوں کا منہ دھلاتی رہے گی۔

میرے محبوب ﷺ میں سیکڑوں سال تک اپنی گفتار سے اپنے افعال تک

حرفِ نیاز: بارگاہِ رسالت مآب میں
نثر لکھتا رہوں شعر بنتا رہوں تمہارے ﷺ لیے پھول چنتا رہوں

ہم حسن و جمال بے نہایت داری ہم جود و کرم بحد غایت داری
ہم حسن تیرا ﷺ مسلم و ہم احساں محبوب ﷺ توئی کہ ہر دو آیت داری
میرے شہرِ یارِ محبت ﷺ! آپ ﷺ حسن و زیبائی اور نکہت و رعنائی میں اپنا ثانی نہیں
رکھتے۔۔۔۔۔

☆ بخشش و عطا اور لطف و عنایت میں بھی بزمِ کونین میں کوئی آپ ﷺ کا ہم پایہ نہیں۔

☆ حسن و احساں دونوں اندازِ محبوب آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ﷺ کا زیور ہیں۔

میرے محبوب کائنات ﷺ!

☆ اسی لیے تو آپ ﷺ ہی میرے محبوب ﷺ ہیں کیوں کہ حسن و جمال اور لطف و عطا کی
دونوں صفات سے آپ ﷺ متصف ہیں۔۔۔

یزداں نے مسکرا کے بڑی دیر میں لکھا اک لفظ آرزو میرے دل کی کتاب میں
محبوب ﷺ تیرے حسن سے غنچوں کی آبرو خوشبو ترے ﷺ بدن کی بسی ہے گلاب میں

کوئی محبوبِ نظر ہے نہ محبت کی مراد بستیاں پیار کی تمہارے ہی سے بسی ہیں سرکارِ ﷺ
میرے محبوب ﷺ انس و جاں!۔۔۔۔۔

انسان جس ہستی سے محبت کرتا ہے اس کی ذات کے چمن سے وہ نہ صرف فکر و نظر کے پھول
چنتا ہے۔ بلکہ اس کے وجود سے سوز و گداز کی کلیاں بھی جن سے وہ اپنے دل کا چراغ روشن
رکھتا ہے۔ جن سے وہ تنہائیوں میں بھی انجمن آرا رہتا ہے۔
میرے حضور ﷺ!۔۔۔۔۔

میں بھی تو محتاجِ کرم آپ ﷺ ہی کا اک گنہگار امتی ہوں۔ مجھے بھی تو آپ ﷺ کی ذاتِ
قدسی سے نسبت و عقیدت ہے۔ میرے نامہ اعمال کی سیاہیوں سے قطع نظر حسینِ کریمین علیہ التحیۃ و
السلام کے صدقے مجھے اپنی کملی کے سایے میں لے لیجیے۔ اللہ مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دیجئے۔
میرے آقائے دو جہاں ﷺ!

آپ کی الفت کے اسیر۔۔۔۔۔ خوجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

”میں نے اپنے گھر میں بھی ایک پل بھی قرار نہیں پایا۔ آپ کے ہجر و الم میں میری ساری عمر گزر گئی۔ آپ کا فراق واضطراب مجھے دردِ دل لیے پھرتا ہے۔۔۔۔۔“

اے خالقِ ہجر و وصال!

”تجھے زلفِ ﷺ واللہ کی قسم! کوئی ایسا وسیلہ بنا کہ میری باقی عمر تیرے محبوب ﷺ کے در اقدس پہانِ ﷺ قدموں میں گزر جائے۔“۔

میرے آقا ﷺ اپنے دل کا حال میں کس سے کہوں
چپ رہوں لیکن کہاں تک اور کیسے چپ رہوں
رات کی نیدیں میسر ہیں نہ اب دل کو سکوں
اور ہوتا جا رہا ہے دردِ مجھوری فزوں
صبر کا دامن چھٹا جاتا ہے ہاتھوں سے میرے
آپ ﷺ خود فرمائیں آخر میں کروں تو کیا کروں
صرف اتنا عرض کرنے کی اجازت ہو عطا
دور رہ کر آپ ﷺ کے قدموں سے میں کیوں کر جیوں
دانائے سبلِ ﷺ!

تمنائے دید کے اس دشت کی پہنائی میں میری عمر بیت گئی۔ میری زیست کے کم و بیش اٹھارہ سال گزر گئے! اس عرصہ ہجراں میں میں نے راہ کے ہر سنگ ریزے کو پھول کی طرح چوم کر اپنی آنکھوں سے لگایا ہے۔ اپنے دل میں جگہ دی ہے مگر اب تابِ انتظار نہیں۔

اے نبی ﷺ! اے میرے مولیٰ ﷺ اے رسولِ ہاشمی
میری شہِ رگ کا لہو اور میری آنکھوں کی نمی
میری دولتِ میری عزتِ میری اولادِ عزیز
میرے ماں باپ اور میری جاں بے قیمت سی چیز
تیرے ﷺ قدموں پہ تیرے نقشِ اقدس پہ نثار
عرض یہ کرتا ہوں اور آنکھیں ہیں میری اشک بار
جاگتے میں اپنے قدموں میں بلا لیں ایک بار

ختم الرسل ﷺ!

آج تک کوئی ایسی ساعت کائنات کا مقدر نہیں نبی جو خوشبوئے اسم محمد ﷺ سے نہ مہک رہی ہو۔ آپ ﷺ کے دیدار کی آرزو کہکشاں رنگ لفظوں میں ایک مانوس خوشبو بن کر ابھرتی ہے اور مشام روح و بدن کو معطر کرتی چلی جاتی ہے۔ حضور ﷺ آپ کے بلاوئے کے باوجود آپ کی بارگاہ ناز میں مدتوں باریاب نہ ہو سکنے کے اس سبب۔

گل نبی ﷺ سے زباں عرض حال کی خاطر نسیم صبح کا لہجہ تلاش کرتی ہے ملے جو لہجہ کروں کیسے سامنا اُنکا کہ رو سیاہی میری سامنے سے ڈرتی ہے آپ ﷺ کے دیار صبح بہار کے مطلع انوار میں باریابی کے حوالے سے میں انتہائی کم نصیب گردانا گیا ہوں۔ خویش و اغیار کے طفر کے تیروں کے سایے میں دل کی چھن کے باوجود اپنی حیات مستعار کی وفا کے سلسلے میں اس گماں سے پہلے ہی ہوش و خرد سے آری ہو جاؤں کہ آپ ﷺ کی شان کریبی پہ کوئی حرف آسکتا ہے کیونکہ یہ کول سوچ میرے ایمان و ایقان کے فصل گل کی بہار ہے۔ نبی کی شان کریبی پہ حرف آتا ہے انہیں پسند نہیں انتظار میں رکھنا لگاتے رہنا مدینے کے قافلوں کا سراغ اور آنسوؤں کے دیئے راہ گزر میں رکھنا مولائے کل ﷺ!

کسی آنکھ نے آج تک کوئی ایسا میزبان نہیں دیکھا جس نے اپنے در پہ بلائے ہوئے مہمان کو خالی ہاتھ لوٹایا ہو اور میں تو آپ ﷺ کے در کا گدا ہواں جہاں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں۔ میں تو آپ کی گلی کا فقیر ہوں جہاں مجھ جیسے انگنت سیاہ کار آپ ﷺ کے جود و سخا پر پل رہے ہیں۔ میرے حضور ﷺ! میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ نارسائی میرا نوشتہ تقدیر نہیں بلکہ آپ کی زیارت بفضل یزدی میرا مقدر ہے۔

اس سے پہلے کہ تجھیں میری بصارت کے چراغ ان میں تصویر مدینے کی سجالی جائے یہ تو ممکن ہی نہیں رحمتوں والے آقا ہاتھوں تیری چوکھٹ سے سوالی جائے یا رحمۃ اللعالمین ﷺ!

مہر و مہ سے تابندہ تر آپ ﷺ کے رخ انور پہ بکھری ہوئی زلف و اللیل کی قسم! آپ ﷺ کے در بار گہر بار سے آیا ہوا بلا و امیری زندگی کے تپتے ہوئے صحرا میں ہولے سے چلتی ہوئی بانسیم اور زیست کے اجرے ہوئے دیار میں چپکے سے آتی ہوئی بہار سے زیادہ جاں فزا ہے۔ یہ نہ صرف

بعد از وصال آپ ﷺ کی ابدی سیرت کا تحیر خیز معجزہ ہے بلکہ اللہ کا کرم بھی۔
کیسے ادا زباں سے ہو شکر کردگار جالی حرم کی اور یہ چشمِ گناہگار
آتا نہیں یقین کہ میں اور درِ نبی ﷺ میں اور قدم حضور ﷺ کے سوچا نہ تھا کبھی
کٹ جائے میری عمر تیرے ذکرِ پاک میں مل جائے میری خاک مدینے کی خاک میں
یا سید المرسلین ﷺ!

تحدیثِ نعمت کے طور پر بصدِ عجز و نیاز عرض گداز ہوں کہ یہ امر میرے لیے باعثِ صدا و نبساط
ہے کہ کروڑوں کی آبادی کے حامل پنجاب میں جوارضِ پاک کا دل ہے لاکھوں نفوس میں سے میرے
حضور ﷺ کی چشمِ التفات مجھ سیاہ کار پہ ہی پڑی ہے اور مجھ گناہگار کے عرقِ انفعال کے قطروں کو نہ
صرف افتخار سے نوازا ہے بلکہ آپ ﷺ کی شانِ کریمی نے انہیں موتی سمجھ کے چن لیا ہے۔
یہ پوچھنا ہے مجھے اپنی فردِ عصیاں سے مجھے یہ اذنِ حضور عطا ہوا کیسے؟
مجھ پہ یہ عنایت ہوئی کیوں کر؟۔۔۔۔۔ وادی حیرت میں گم میرے عقل و شعور اس کا جواب
دینے سے قاصر ہیں۔۔۔۔۔ کیا میں استحقاق رکھتا تھا کہ میں اس سعادت سے نوازا جاؤں؟۔۔۔۔۔
نہیں، بخدا نہیں۔۔۔۔۔ میں تو اس قابل بھی نہ تھا کہ درِ سرکار ﷺ پہ یاد کیا جاؤں۔۔۔۔۔ نہ جانے
میرے حضور ﷺ کو کیسے خیال آگیا کہ اپنے عصیاں شعار کو اپنے آستانِ کرم پہ بلا لیا۔ میرے
پاس کہنے کو ان لفظوں کے سوا کچھ اور نہیں۔۔۔

دید کے قابل یہ کہاں میری نظر ہے یہاں ﷺ کا کرم ہے کہ نظر ان ﷺ کی ادھر ہے
آپ ﷺ کی طرف سے آیا ہوا بلا و امیرے لیے شہیدی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح باعثِ صد
فخر و انبساط ہے۔ حضور ﷺ! آپ ﷺ کی خاک پاکی قسم صرف اسی خوشی میں گزارنے کے لیے
میری ساری عمر بھی کم ہے۔۔۔

ان کا پیغام طلب ہاں اُن کا پیغام طلب اللہ ان کا پیغام طلب پہنچا مجھے
کیوں نہ عاصی آج میں خود کو مبارک باد دوں رحمت اللعالمین ﷺ نے یاد فرمایا مجھے
شرم سے چہرہ مرا گل رنگ ہو کر رہ گیا شہرِ طیبہ کی ہوا نے اس قدر چوما مجھے
میں خش و خاشاکِ مشیتِ خاک مجھ پر یہ کرم یوں پذیرائی! یہ کب تھا اندازہ مجھے!
میرے شفیع المذنبین ﷺ

یہ تمنا میری سوچ کا جھومر ہے کہ میرا انجام کرامت علی شہیدی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی

گہرائیوں سے نکلے ہوئے اس شعر کی زندہ تفسیر ہو۔
 تمنا ہے درختوں پہ ترے روضے کے جا بیٹھے نفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روح مقید کا
 میری حسرت و آرزو ہے کہ مجھ سیاہ کار کا جسم اپنی سیاہ کاریوں اور عصیاں شعاریوں سمیت
 اپنی نگاہوں سے گنبدِ خضریٰ کی زیارت کر لے تاکہ یہ کہنے کا اعزاز حاصل کر سکے۔
 حضورِ اقدس ﷺ پہ کھڑا ہوں تمنا ہے نہ اب کوئی طلب ہے
 اور پھر بس اس قابل نہ رہے کہ انہی آلودگیوں سمیت بارگاہِ محبوب ﷺ میں باریاب
 ہو سکے صرف آپ ﷺ کی چشمِ کرم میں آجائے کہ اک گنہگار جو آپ کا امتی تھا اپنی گناہوں پہ
 منفعل تھا اسی لیے وہ اپنی گنہگار آنکھوں کو ہی گنبدِ خضریٰ پہ نچھاور کر سکا اپنے آلودہ معصیتِ جسم کو
 حد کوئے محبوب ﷺ میں نہیں لایا کیوں کہ اسے اس بارگاہ کی عظمت و جلالت کا حد درجہ احساس تھا
 جو بوسہ گاہ ملائک ہے جس کا درباں جبریل امین علیہ السلام ہے جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتوں کی
 نورانی جماعت حاضر ہو کر درود و سلام کے بے پایاں پھول میرے آقائے کریم ﷺ آپ پہ
 نچھاور کرتی ہے اور اپنے عنبریں پروں سے روضہٴ اقدس پہ غبارِ گل کی افشاں کو اپنے چہرے کا غازہ
 اور آنکھوں کا سرمہ بناتی ہے جہاں روز و شب انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے، جہاں جنید و بایزید
 رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ باندھے گم کردہ نفس نظر آتے ہیں جس کی رفعت کے سبب عرشِ اعظم بھی جھکا
 رہتا ہے۔

میرے آقائے بے کس نواز ﷺ!

کا سے میں اس بھیک کے ساتھ سائل کی اس صدا کے ساتھ اور عجزِ بیاں کی اس التجا کے
 ساتھ ریاضِ حسین چودھری کے مشکِ بولچے میں آپ ﷺ کی بارگاہِ اقدس سے نگاہِ لطف و کرم
 اور بخشش و عطا کا طالب ہوں۔

حضور ﷺ حاضر ہے ایک مجرمِ مظلوم اس کو معاف کر دیں اور اس کے شکوے آرزو کو کرم کے سکون سے آج بھر دیں
 یہ ہجرتوں کے اُگا کے موسمِ حضور ﷺ لایا ہے کشتِ غم یہ ہجرتوں کے اُگا کے موسمِ حضور ﷺ لایا ہے کشتِ غم

پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر (گلبرگہ)

اُردو نعتیہ شاعری میں حضرت شائق حیدر آبادی کا مقام

”نعت“ بلاشبہ مشکل صنفِ سخن ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر، عرتی نے خوب ہی لکھا ہے:۔
 عُرتی مِثْناب ایں راہ نعت است نہ صحر است : آہستہ کہ راہ بردم تیغ است قدم را
 ”نعت“ دراصل ارشادِ ربانی وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا حاصل ہے۔ علامہ اختر کچھوچھوی نے سچ کہا ہے
 صرف اُسی کو ہے ثنائے مصطفیٰ لکھنے کا حق : جس قلم کی روشنائی میں ہو شامل احتیاط
 ایک مومن کی شایانِ شان شاعری صداقت و راستی سے مزین ہوتی ہے، فکر و فن کی طہارت
 سے آراستہ اور عشق و ایمان جیسی دولتِ لازوال سے مالا مال ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی شاعری روح
 مذہب سے آشنا، اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ اور بارگاہِ الہی میں مقبول و محبوب ہوتی ہے۔ یہی وہ
 شاعری ہے جس کے ذریعے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سرکارِ ابد قرآن ﷺ کی حضوری
 میں منبر پر کھڑے ہو کر اشعار سنانے کی عزت و سعادت حاصل ہوئی۔ اور حضور ختمی مرتبت ﷺ
 کی زبان فیضِ ترجمان سے ”اللہم ایدہ بدروح القدس“ جیسی پاکیزہ اور حیات آفریں دُعا
 ملی۔ اس نعتیہ اور تقدیسی شاعری کی ایک طویل تاریخ ہے، جو اپنے اوراق میں، مولانا جلال
 الدین رومی، امام شرف الدین بوسیری، شیخ مصلح الدین، سعدی شیرازی، حافظ شمس الدین حافظ
 شیرازی، ملا عبدالرحمن جامی وغیرہم عربی و فارسی میں، اور اُردو میں امیر خسرو دہلوی، حضرت خواجہ
 بندہ نواز، نیاز احمد نیاز بریلوی، مولانا کفایت علی کانی، محسن کاکوروی، امیر بینائی، مولانا عبدالقادر
 بدایونی، مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی، مولانا انوار اللہ انور، فاضل حیدر آبادی، مولانا حسن
 رضا بریلوی، حضرت آسی غازی پوری، میر اعظم علی شائق حیدر آبادی اور حضرت امجد حیدر آبادی
 وغیرہ جیسے نہ معلوم کتنے بیش قیمت لعل و گہر سموئے ہوئے ہیں۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے
 اپنی تقدیسی شاعری کے ذریعے عقائد و ایمان کے مرجھائے ہوئے گلشن کو عطرِ بیزی و شادابی عطا

کی۔ ذہن و فکر کو چلا بخشی اور زبان و ادب کو گویا تقدیس کا مہکتا پیرا ہن عطا کیا۔

ادھر چودھویں صدی کے رُبعِ اول میں اُردو نعتیہ شاعری کے ذریعے جن شعراء نے زبان و ادب سے لے کر عقائد و ایمان اور فکر و نظر سے قلب و جگر تک وغیرہ کو جو سوز و گداز اور کیف و سرور عطا کیا ہے۔ ان میں حضرت مفتی میرا عظم علی شائق بھی بلاشبہ صفِ اولین میں شامل ہیں۔

حضرت شائق کی ولادت باسعادت ۱۷ ربیع المنور شریف ۱۲۹۴ء کو نضیال کے یہاں حیدرآباد ہی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کے لئے اپنے والدِ بر گوار حضرت حافظ سید احمد علی شاہ علیہ الرحمہ کے علاوہ اپنے چچا حضرت سید عمر حسینی علیہ الرحمہ کے یہاں زانوئے ادب تہ کیا۔ حضرت شائق روحانی طور پر اپنے تایا حضرت سید خواجہ محبوب اللہ قدس سرہ العزیز کے زیر تربیت رہے۔ اس طرح شریعت و طریقت کا یہ حسین امتزاج بہت جلد ہی مفتی اولِ بلدہ حیدرآباد کے عہدے پر فائز کئے گئے۔ شعر و ادب سے دلچسپی آپ کے گھرانے کا مزاج بھی رہی ہے۔ اسی لئے آپ کے خاندان میں پیشتر افراد صاحبِ دیوان شاعر گزرے ہیں۔ حضرت شائق کے لئے گھر کا یہ شعری ماحول انہیں بھی شعر کہنے کے لئے ہمیز کا کام کیا اور حضرت شائق نے کم عمری ہی سے شعر کہنا شروع کیا۔ ابتداء میں آپ نے اپنا کلام اپنے تایا زاد برادر حضرت سید عثمان حسینی فائق کو دکھایا اور بعد میں ڈاکٹر احمد حسین مانٹل سے آپ نے مشورہ پُچھ لیا۔ چونکہ آپ پُرگو شاعر تھے اس سلسلے بہت جلد ہی کلیات شائق کے نام سے آپ کے نعتیہ دیوان ۱۳۲۰ھ میں شائع ہو کر منظر عام پر آ گیا۔ عطا محمد حسین کے مقالے کے بموجب حضرت شائق کی دوسری شعری تصانیف میں (۱) رسالہ نمونہ قیامت معروف بہ دریائے غم (۲) دُعائے سحر (مناجات شائق) (۳) یادِ محمدی (نجات شائق) (۴) ارمان شائق (۵) سفر نامہ حج وغیرہ شامل ہیں۔ سید بادشاہ حسینی بشیر پاشاہ (نبیرہ حضرت شائق) کے مضمون کے مطابق کلیات شائق کے سوا دوسری مذکورہ تمام تصانیف نایاب ہیں۔

میلا د شریف کی کتابیں تصنیف کرنے کی حد تک بھی نعت گوئی کا مذاق رکھنے والوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ نعت خوانی پھر نعت گوئی کا ذوق میلا د غلام امام شہید، میلا د عطار، میلا د گوہر، میلا د اکبر، میلا د طیش، مولود سعدی، مولود سعیدی اور کلیات شائق ہی کا مرہونِ منت ہے جو سا لہا سال سے گھر گھر میں پڑھی جا رہی ہیں اور پڑھی جاتی رہیں گی۔

بلاشبہ دیوانِ نیاز (شاہ نیاز احمد) محامد خاتم النبیین (امیر مینائی)، مدحِ خیر المرسلین (محسن کا کوروی)، حدائقِ بخشش (حضرت رضا بریلوی)، دیوانِ بیدم (بیدم وارثی)، نعتیہ مسدس انور

احمدی (حضرت انوار اللہ انور حیدر آبادی)، کلیاتِ شائق (حضرت مفتی میر اعظم علی شائق حیدر آبادی) نعتیہ رباعیات امجد حیدر آبادی اور شاہنامہ، اسلام (حفیظ جالندھری) وغیرہ۔ کے منظر عام پر آنے کے بعد نعت گوئی نے مستقل صنفِ سخن کی جو حیثیت حاصل کی ہے وہ بہت مبارک ثابت ہوئی اور اب اس کی عملی و ادبی عظمت و اہمیت بھی مسلم ہو گئی ہے۔ اس کے موضوعات اور فنی تجربات میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ تشبیہ، استعارے، صنائعِ بدائع، نکتہ سنجی اور معنی آفرینی کے کامیاب تجربے کئے جا چکے ہیں اور کئے بھی جا رہے ہیں۔ متاخرین نعت گو شعراء کے یہاں کچھ خصوصیات مشترک ہیں۔ رسولِ پاک ﷺ کی شانِ اقدس میں عاشقانہ الفاظ مثلاً وصل، ہجر، شوق، بے تابی وغیرہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدو خال، زلف و گیسو، لب و دہن اور چہرہ و رخسار وغیرہ کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ فنی تجربات میں، رعایتِ لفظی، صنعتِ تضاد، لف و نشر مرتب وغیرہ مرتب سے بھی کام لیا گیا ہے۔ تیرہویں صدی ہجری کے ربیعِ آخر میں امیر مینائی کا نعتیہ دیوان ”محامد خاتم التیسین کی اشاعت ۱۲۷۱ھ میں عمل میں آئی تو پہلی بار نعت گوئی کو ہی شاہ راہ پر گامزن ہوتے دیکھا گیا۔ اس سلسلہ میں مولانا احمد رضا فاضل بریلوی نے عالمانہ شان و شکوہ، مجددانہ فہم و فراست اور شاعرانہ حین بیان سے خوب سے خوب تر انداز میں آگے بڑھایا اور نعت کو زریعہٴ اظہار بنا کر ایمان و عقائد کی اصلاح و درستی کا کام لیا۔ حضرت رضا بریلوی کا نعتیہ مجموعہ ”کلام حدائق بخشش“ کے نام سے ۱۳۲۵ھ میں چھپ کر منظر عام پر آیا، جب کہ حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی انور حیدر آبادی کا نعتیہ مسدس جس کے چند بندوں کی تشریح ”انوار احمدی“ کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئی، سنہ طباعت ۱۳۲۳ھ ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی کی ”حدائق بخشش“ اور مولانا انوار اللہ انور حیدر آبادی بانی جامعہ نظامیہ کی نعتیہ مسدس مشمولہ ”انوار احمدی“ کی اشاعت سے بتدریج پانچ سال اور تین سال پہلے ”کلیاتِ شائق“ کی اشاعت عمل میں آئی یعنی اس کا سنہ طباعت ۱۳۲۰ھ ہے۔

ادب گاہِ پست زیرِ آسمان از عرشِ نازک تر : نفسِ گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
اس مقام پر حسانِ دکن، عارف باللہ حضرت شائق نے عشق و محبت، عقیدت و احترام کے جو گلبائے سرسبز و شاداب پیش کئے ہیں ان کی خوشبو نے مشامِ جان و ایمان کو معطر و منور کر دیا۔ الغرض ان کا علمی، تجربی، زور بیان کے ساتھ ساتھ وابستگی اور عقیدت کے عناصر ان کی نعتوں میں یوں گھل مل اور رچ

بس گئے ہیں کہ اُردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج خال خال نظر آتا ہے۔

عشق رسول ایک نعمت غیر مترقبہ اور وہ سعادت ہے جو نعتیہ شاعری کی روح رواں کہلاتی ہے۔ عشق رسول کے بغیر اس کا رنگ پھیکا، ہر پہلو بے کیف اور ہر جلوہ بے مزہ سا ہو جاتا ہے۔ حضرت جامی دکن کا دل عشق رسول کی جلوہ گاہ تھا وہ سچے عاشق رسول تھے، ان کی شاعری کا مرکز و محور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات تھی اور جب محبوبِ کائنات کا جذبہ عشق و محبت دل کے سوز و گداز کے ساتھ، لفظوں کے پیکر میں ڈھلتا ہے تو نعت کے پُر کیف اشعار، پڑھنے اور سننے والوں پر وجد کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔ حضور کی بارگاہِ کریم میں ان کا یہ والہانہ اور عاشقانہ انداز دیکھئے۔ حضرت شائق فرماتے ہیں۔

محبت بڑھتے بڑھتے عشق ہو جائے : یہی دانہ بنے خرمن خدا کا
جلوہ فرما جب ہمارے دل میں ہوں گے مصطفیٰ : خانہ ویراں ہمارا گلستاں ہو جائے گا
دم میرا نکلتے ہی کہا عشق نبی نے : چل پاس محمد ﷺ کے تو جاتا ہے کدھر آج
ہر دم نئی نئی ہے تجلی کی روشنی : دل عاشقوں کا طور ہے طیبہ کے چاند کا
ہے الفتِ مژگانِ محمد کا تصدق : عشاق کے دل کو ہے سردار سے مطلب
اے یادِ نبی سَلَّمَ اللہ تعالیٰ : فرقت میں نہیں ہے کسی غم خوار سے مطلب
جب مزہ ہر دم دیتا ہے حضرت کا فراق : کیوں نہ سمجھوں وصل سے ہے بے شبہا چھ فراق
جان جائے گی یہی نا اور کیا ہو گا مرا : عاشقِ خیر الوری ہوں کیا ڈراتا جا فراق
بادِ صبا کو مخاطب کر کے بارگاہِ رسالت میں اپنا پیامِ دل پہنچانے کی التجا اور سوزِ دُروں کا اظہار شعراءِ کرام کا دِویرہ رہا ہے۔ حضرت شائق بھی اس روایت پر کس مہارت کے ساتھ عمل پیرا ہیں ملاحظہ فرمائے۔

اے صبا کہنا گذر ہو جو ترا طیبہ میں : حیدر آباد میں شائق ہے پریشان تیرا
اے صبا جا کر مدینہ میں یہ کہ سرکار سے : ہے بُرا حال اب دکن میں عاشقِ رنجور کا
محبوب کے ساتھ دیا محبوب سے اُنس و رغبت، اس کے دیدار کی تڑپ اور مدینہ پہنچنے کی تمنا
ایک عاشق صادق کا فطری طریقہ ہے۔ ”کلیاتِ شائق“ کے صفحات پر بھی دیا حبیب کے اور اس کی یادوں کے تاج محل جا بجا اپنی شوکتوں کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں: اشعار دیکھئے۔

جلد بلا لو مدینہ میں حضور : ظلم ڈھاتی ہے جدائی آپ کی
دعاء یہی ہے کہ پہنچا دے تو مدینہ میں : الہی ایک زمانے سے ہے اثر کی طبع

چل مدینہ کی طرف چھوڑ دکن اے شائق : دل میں بیٹھے ہوئے کرتا ہے تقاضا کوئی
 دیار حبیب کے تذکرے کا یہ انداز بھی کتنا کیف آور، رقت انگیز اور لطیف ہے کہ روح جھوم جھوم
 سی جاتی ہے اور دل مچلنے لگتا ہے۔ حسرت و تمنّا کے ساتھ والہانہ شیفنگی کا یہ انداز ملاحظہ ہو۔
 زارو! جا کے مدینہ میں یہ تم عرض کرو : مجھ گنہ گار کو کیا شاہ اُمم بھول گئے
 جالی سے لپٹ کے رو کے بولوں : مر جاؤں یہیں عرب کے جانی
 سفر ملک طیبہ کا یا مصطفیٰ : نہ شائق کو اب تک میسر ہوا
 سوئے طیبہ مرا گزر نہ ہوا : وائے قسمت کہ یہ سفر نہ ہوا
 کس طرح رہتا ہے شائق مضطر مدینہ میں : تقدیر میں دکن کے جب آب و دانہ تھا
 سرور و انبساط کی یہ نادر کیفیت ملاحظہ ہو۔

نعت کا صدقہ ہے شائق جو تیرے اشعار پر : مرجا کا شوق ہے غل ہے جزاک اللہ کا
 شعرا چھپے ہو تو اچھے ہیں بُرے ہو تو بُرے : نعت ہی لکھیں یہ شائق شعراء سے نہ ہوا
 نعت احمد نے کیا ہے سُرخ رُو : شائق اپن بول بالا ہو گیا
 گرمی نعت نبی سے ہوئی گرمی دل کی : ہم کو شائق تیرے اشعار نے سونے نہ دیا
 صد شکر دل کو ہو گیا اب نعت سے لگاؤ : شائق کلام سے مرے رنگِ غزل گیا
 لکھی میں جوں بے محمد کی ثنا شائق : میرا ہر شعر دفتر بن گیا شیریں مقالوں کا
 نعت گو شعراء حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں مثلاً: زلف، رخسار وغیرہ کا ذکر
 نہایت شیفنگی سے کرتے ہیں۔ ان روایتی مضامین سے حضرت شائق نے زلف کی تعریف و توصیف
 اس قدر بیان کی ہے گویا ان کی ساری توجہ حُسن کے اسی پہلو پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے۔ اشعار دیکھئے۔
 جب عشق، زلف احمد مختار ہو گیا : دن بھی ہمارے حق میں شب تار ہو گیا
 زلف روئے مصطفیٰ کا آگیا جس دم خیال : سورہ واللیل و نور والضحیٰ یاد آگیا
 عشق کیسوئے نبی میں مر کے اے شائق کہو : اے فرشتے جاؤ مرقد سے مجھے آتی ہے نیند
 رخسار محمد سے ہوئی بات یہ پیدا : ساکن ملک حُسن پہ ہیں شمس و قمر بھی
 حضرت شائق کے نعتیہ دیوان میں رندی و عرفانی رنگ کی جلوہ افروزی بھی نمایاں طور پر
 دکھائی دیتی ہے، مثلاً: یہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ہر کسی کی آنکھ میں ہو ہر کسی کے دل میں تم : کیا نرالے چاند ہو رہتے ہو دو منزل میں تم

واحدیت ہو کہ وحدت ہو کہ ارواحِ مثال : میں تمہیں پہچانتا ہوں ہو ہر اک محفل میں تم
 کھوئے جو خودی اپنی تو بندہ بھی خُدا ہو : منصور کے لب ہو تو انا الحق کی صدا ہو
 کیوں عکسِ رُخِ پاک کو ہم صاف نہ دیکھیں : چھوٹا سا جب اک آئینہ پہلو میں لگا ہو
 اس طرح مری آنکھ میں بینائی ہو پیدا : پتلی کے عوض یار کا نقشِ کفِ پا ہو
 پردے میں میم ہی کے دیکھوں خُدا کی صورت : گھونگھٹ ذرا اٹھادے مسندِ نشینِ طیبہ
 اے بانگِ محمدِ صلِ علیٰ رتبہ ترا ہم نے کیا جانا : اللہ کی قسم کیا منہ سے کہوں جس نے تجھ کو جانا جانا
 وہ آنکھ وہ ابرو، وہ سیرت شاہی میں فقیری کی صورت : جس نے نہ تجھے مولا جانا اللہ کو اُس نے کیا جانا
 حضرت میرا عظم علی شائقِ زود گو اور پر گو شاعر تھے، انہوں نے داغِ دہلوی کا اثر قبول ضرور کیا
 تھا، اس کے باوصف، زبان کے معاملے میں وہ شمالی ہند کے روزمرہ اور محاورے کی اتباع کو ضروری
 نہیں سمجھتے تھے۔ وہ دکنی الفاظ کے علاوہ محاورہ بھی بہت بے تکلفی کے ساتھ استعمال کر جاتے ہیں۔
 ہاتھ آیا بوسہ کفِ پائے محمدی : اپنے کو ہم نے خاک میں جس دم ملا دیا
 اس ایک ہی شعر میں دو (۲) محاورے یعنی ”ہاتھ آنا“ اور ”خاک میں ملانا“ کو استعمال کر
 کے اپنی مہارت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس طرح کا وصف دیگر شعراء میں کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔
 حضرت شائق کے کلام میں تشبیہ، استعارہ، رعایت لفظی، لف و نشر مرتب وغیرہ مرتب کے
 علاوہ سہل متع وغیرہ کے اشعار مل جاتے ہیں۔ اس ضمن میں سلسلہ وار شعر ملاحظہ ہوں:

تشبیہ : آنکھیں آہو کمان ابرو : بانکا سردار کملی والا
 شائق وہ آنکھ میں ہے نہاں مثلِ نور چشم : ظاہر میں ملکِ دُور ہے طیبہ کے چاند کا
 استعارہ : جلوہ فرما جب ہمارے دل میں ہوں گے مصطفیٰ : خانہ ویراں ہمارا گلستاں ہو جائے گا
 کیوں عکسِ رُخِ پاک کو ہم صاف نہ دیکھیں : چھوٹا سا جب اک آئینہ پہلو میں لگا ہو
 رعایت لفظی : مژگانِ مصطفیٰ کا ہے ہر دم مجھے خیال : تیروں کا میں نے دل کو نشانہ بنا دیا
 آبِ دریائے گنہ میں یاد آئے مصطفیٰ : کشتی تن ڈوبتے ہی ناخدا یاد آ گیا
 چاک کر ڈالا وہیں اپنا گریباں، بجر میں : اپنے پیارے کا جو دامنِ عبا یاد آ گیا
 تلخ : رازداری چاہئے تھی ان کو شائقِ یاری : بھید جس دم گھل گیا سرکٹ گیا منصور کا
 حکم حق ”لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ“ : آپ کا اعزاز مانا چاہئے

لَف وُشمرتب : ہے زلفِ روئے پیمبر کے عشق میں گردش : فدا ہوں ان کے یہ ہے شام کی سحر کا طمع
 لَف وُشغیر : پُر نور شب ہے روئے مبارک کی یاد میں : روشن ہے شامِ ہجر یہ کیوں نے سبب چراغِ مرتب
 سہلِ ممتنع : میٹھی باتیں کرے گا سب سے : شیریں گفتارِ کملی والا
 ڈھانچے گا وہ گناہ سب کے : نُورِ ستارِ کملی والا
 ہر جگہ اُس کا بول بالا ہے : دل سے جو ہو گیا محمد ﷺ کا
 شائقِ اتنا ہی کہ کے تو چپ رہ : ہوں بُرا یا بھلا محمد ﷺ کا
 حضرت شائق کے کلام کے مطالعے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے یہاں عشقِ رسول
 کا یہ والہانہ پن ہی ہے کہ وہ جس طرح بھی بن پڑے، مدینہ پہنچ جانا چاہتے ہیں۔ ان کی کوئی نعتیہ
 غزل ایسی نہیں ہوتی کہ جس میں وہ مدینہ پہنچنے کی آرزو نہیں کرتے۔ لیکن جامی دکن حضرت شائق
 جب حج کے لئے مکہ مکرمہ گئے سارے مناسک حج مکمل کر لئے لیکن اپنے ہی اس شعر کے مصداق
 مدینہ منورہ بظاہر نہیں پہنچ سکے۔

سوئے طیبہ مرا گزر نہ ہوا : وائے قسمت کہ یہ سفر نہ ہوا
 جہاں پہنچنے کی آرزو انہیں زندگی بھر ٹپاتی رہی اور سخت علالت کی باعث وطنِ مالوف حیدر
 آباد واپسی پر واڑی ضلع گلبرگہ کے مقام پر ۱۵ / محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو ۳۳ سال ۱۰ ماہ کی عمر میں
 حضرت شائق کا وصال باکمال ہوا۔ اس سانحہ کی پیش گوئی شائق نے اپنے نعتیہ مثلث کے آخری
 بند میں کر دی ہے۔

میں یوں ہی مر جاؤں گا بجرِ نبی میں دوستو
 راہ میں روتے ہوئے خلقت یہ بولے گی سنو
 لاش پر شائق کے یہ کیسی اُداسی چھائی ہے
 نعت گو شاعر کی حیثیت سے ان کی شہرت و مقبولیت کا راز ان کی یہی ولہانہ وابستگیِ رسول
 تھی۔ مثلاً: شائق کہتے ہیں۔

مغفرت کا یہی ہو جائے وسیلِ شائق : پیرے احمد کو اگر ہوں ترے اشعار پسند
 دیکھ کر شانِ نبی لے کر بلائیں یہ کہوں : حشر والو مجھے دامن سے لپٹ جانے دو
 جُدائی نبی کی گوارہ نہیں : مگر کیا کریں کوئی چارہ نہیں

مرے خانہ دل کے مالک ہیں آپ : کسی کا کچھ اس پر اجارہ نہیں
حضرت شائق نے شاعری کو برائے شاعری نہیں اپنایا بلکہ اس کو اپنے مسلک عشق و عرفان
کے اظہار کا ذریعہ بنایا، اس طرح اپنے کلامِ بلاغت نظام سے اُردو شاعری کے دامن میں وہ موتی
بکھیرے ہیں جس کی چمک اُردو نعتیہ شاعری کے دبستان میں توانائی کے ساتھ محسوس کی جا رہی
ہے۔ نصیر الدین ہاشمی کے بقول:

”حضرت شائق نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے آپ کا پورا دیوان
نعت سے معمور اور عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔“

صرف اپنی ۲۶ سال کی عمر میں حضرت شائق نے اپنا یہ نعتیہ دیوان ”کلیاتِ شائق“ کے نام
سے شائع کر کے دادِ تحسین حاصل کیا ہے۔ الغرض، حضرت شائق کا یہ نعتیہ کلام، غزلِ قصیدہ،
مثنوی، مستزاد، مثلث، خمیس، مسدس، ٹھمری، قطعات، رباعیات اور سلام جیسی مختلف اصنافِ سخن کا
ایسا لہلہا تا گلشن ہے جس میں تشبیہ، استعارہ، رعایتِ لفظی اور دیگر صناعات کے ہمہ رنگ گل
بوٹے عاشقانِ رسول کے مشامِ ایمان کو معطر و معنبر کرنے میں اپنی زندگی سمجھتے ہیں۔ حضرت
شائق کی نعتیں ہندوپاک کے ہر گوشے میں زبان زد عام ہیں۔ لیکن افسوس کہ جس ہستی نے اُردو
ادب کو ذوقِ نعت عطا کیا اور جس کا کلام بلاغتِ نظامِ اُردو ادب میں ایک عظیم سرمایہ کے
ساتھ اضافہ کا باعث بنا، اس کا تذکرہ اُردو ادب کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اگر ملتا بھی ہے تو وہ بھی
نہایت مختصر۔ مگر یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ ”مشکِ آنست کہ خود بیوید“ نہ کہ عطار بگوئید کے مصداق۔
حضرت شائق کا ذوقِ محبت اور شوقِ مدحتِ سرائی، عشقِ رسول کا پیغامِ سعادت و مسرت
دیتے ہوئے جیسے جیسے افراد تک پھیلتا گیا، بحیثیت شاعر دربارِ رسالت، اُردو ادب میں بلند سے
بلند تر مقام پر فائز ہوتا گیا۔

بہر کیف بزمِ شائق کے اربابِ حل و عقد کی خدمت میں میرا یہ مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ
حضرت شائق جیسی باکمال ادبی و علمی شخصیت کے غیر مطبوعہ کلام، کو کسی سنجیدہ عالم یا دانشور کے
مبسوط مقدمے / پیش لفظ یا تبصرے کے ساتھ شائع فرمادیں گے تو میں یہ سمجھوں گا کہ حضرت
شائق کی اس دیرینہ خدمات کا صحیح معنی میں اعتراف کیا گیا۔
شائق خستہ جگر، عشقِ پیمبر کے طفیل : ذکر تیرا ہر گلی میں ہے اک محفل میں ہے

ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی (شیوگہ)

”شمعِ ہدیٰ“ پر ایک نظر

حافظ کرناٹکی کی ساٹھ کتابوں میں ”شمعِ ہدیٰ“ آٹھویں کتاب ہے لیکن یہ کتاب اپنے موضوع کے اختصاص کی وجہ سے جداگانہ اہمیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب بچوں کے لیے لکھی گئی نعتیہ شاعری کا خوبصورت مجموعہ ہے۔ یاد رہے کہ حافظ کرناٹکی کی اب تک پانچ نعتیہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں بشمول شمعِ ہدیٰ، شانِ مدینہ، اللہم صلی، اللہم بارک، اور یادِ نبی ﷺ شامل ہیں۔ جب کہ ان کی نعتیں کہنے کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔

اردو زبان و ادب میں نعتیں لکھنے کی روایت بہت قدیم ہے۔ نعت، قصیدہ اور مناجات و حمد، وہ اصنافِ شاعری ہیں جسے عموماً شعراء کرام اپنی عاقبت سنوارنے اور اپنے خدا اور رسول سے محبت کے اظہار کے لئے تبرکاً اپنایا کرتے ہیں۔ دعا بھی اسی کی ایک شکل ہے جس میں بندہ اپنے معبود کے حضور اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کے حصول کی فریاد کرتا ہے۔ یہ تمام اصنافِ سخن مذہب و ملت اور تہذیبی روایات کی تکمیل کا حصہ ہیں۔ ان اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کر کے بچوں کے لئے نظمیں لکھنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ بچے اپنے رب اور اپنے نبی ﷺ سے محبت و قربت کا رشتہ استوار کرنے کا سلیقہ سیکھیں نیز خدا کی صفات سے آگاہی حاصل کریں۔ ان کی لامحدود نعمتوں اور ان کی قدرت و عظمت کو محسوس کریں۔ نعتیں بھی اسی مقصد سے لکھی جاتی ہیں تاکہ بچے نبی اکرم ﷺ سے محبت کا اقرار کریں۔ اور ان کے اسوۂ حسنہ کو اپنائیں۔

حافظ کرناٹکی کے تمام مجموعہ ہائے کلام میں حمد و نعت کا خاص التزام رکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے الگ سے ایک نعتیہ مجموعہ کلام پیش کر کے بچوں کے ذہن میں یکسوئی کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ حافظ کرناٹکی صاحب ان خوش نصیب انسانوں میں سے ایک ہیں جنہیں بار بار روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوتی

رہتی ہے۔ یہ مکہ و مدینہ کی زیارت اور روضہ اقدس ﷺ پر حاضری ہی کی برکت ہے کہ ان کے یہاں نعتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ وہ عموماً روضہ اقدس ﷺ کے سامنے بیٹھ کر نعتیں لکھتے ہیں وہ بھی بچوں والی معصومیت کے ساتھ۔ ان کی نعتوں میں جہاں روحانی تاب پائی جاتی ہے وہیں ان کی نعتوں میں بچوں کا اشتیاق آمیز جوش اور محبت بھی موجیں مارتا نظر آتا ہے۔

صنفی اعتبار سے نعت زیادہ مشکل فن نہیں ہے مگر ایمان و اعتقاد کی صالحت کے اعتبار سے فنِ نعت گوئی ایک مشکل ترین صنفِ سخن ہے۔ نعت گوئی کا فن تنے ہوئے رستے پر چلنے کا فن ہے۔ اس فن میں ذرا بھی توازن بگڑتا ہے تو شاعر شرک کے قریب پہنچ جاتا ہے اور ایمان کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح شاعر جب تمام تر احتیاط کو نظر میں رکھ کر پھونک پھونک کر نعتیں لکھتا ہے تو اس کی اثر آفرینی مجروح ہو جاتی ہے۔

نعت عموماً عشقِ نبی ﷺ کے جذبات سے سرشار ہو کر لکھی جاتی ہے۔ عشق ایسا جذبہ ہوتا ہے جو بے خودی کی حدوں کو چھو لیتا ہے ایسے میں اگر نعت کہنے والے شاعر کی بہترین فکری تربیت نہیں ہوئی ہو تو وہ بے خودی میں اتنا آگے نکل جاتا ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کے درمیان کا فاصلہ مٹ جاتا ہے۔ اس طرح عبدیت اور معبودیت خلط ملط ہو کر فسادِ ایمان و اعتقاد کا سبب بن جاتا ہے جس سے فائدہ ہونے کے بجائے نقصان ہو جاتا ہے اور جب بہت احتیاط سے نعتیں لکھی جاتی ہیں تو جذبہٴ محبت کی بے ساختگی مجروح ہو جاتی ہے۔ اس میں وہ روانی، شدت اور اثر آفرینی نہیں پیدا ہو پاتی ہے جو بے ساختگی اور وارفتگی عشق کا خاصہ ہے۔ اس لیے نعت لکھنے میں وہی لوگ کامیاب ہو پاتے ہیں جن کا ایمان و اعتقاد پختہ ہوتا ہے۔ جس کی ظاہری و باطنی تربیت اسلامی اصول و عقائد کے مطابق ہوتی ہے۔

حافظ کرناٹکی کی نعتوں کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ان کا باطن بھی تربیت یافتہ ہے اور ان کا ایمان و اعتقاد بھی پختہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ افراط و تفریط کا شکار ہونے سے بچ گئے ہیں۔

چوں کہ انہوں نے نعتوں کا یہ مجموعہ بچوں کے لئے ترتیب دیا ہے اس لیے نعتوں میں بھی بڑے ملکہ اور سبک الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ تمام نعتیں اپنی سادگی اور جذبات کی صداقت کی وجہ سے پراثر ہو گئی ہیں۔ نعتوں کی زبان اتنی آسان ہے کہ یہ نعتیں بڑی آسانی سے بچوں کی زبان پر چڑھ جاتی ہیں اور بچے ہنسی خوشی اسے لحن میں گانے لگتے ہیں۔ ان نعتوں میں مدحِ رسول ﷺ کے علاوہ حضور ﷺ

کی زندگی سے تعلق رکھنے والے بعض اہم واقعات کا عکس بھی جا بجا بکھرا پڑا ہے۔ جس سے بچوں کو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ سے متعلق واقعات کا علم بھی بخوبی ہو جاتا ہے۔ حافظ کرناٹکی کی نعتوں کے بارے میں زیادہ کچھ کہنے سے بہتر یہ ہوگا کہ ان کی نعتوں کے بعض اشعار اور بعض حصوں کے مطالعہ ہی سے حظ اٹھایا جائے اور اپنے دل کو مدحِ رسولِ پاک کی خوشبو سے معطر کر لیا جائے پہلے حمد اور مناجات کے کچھ حصے ملاحظہ فرمائیں۔

تجھ سے گلشن میں ہے مہک اللہ
چاند تاروں کی تو چمک اللہ
تیرا پیغام ہے بہاروں میں
اور جلوہ ترا نظاروں میں
تو ہے شبنم میں اور شرارے میں

(حمد)

ان کے ہیں اندازِ نرالے
حق کے داعی کملی والے

کہتے ہیں نظر کی جنت ہے اے یارِ مدینے کی گلیاں
حسرت ہے یہی کہ میں دیکھوں ہر بارِ مدینے کی گلیاں
آتے ہیں فلک سے روزِ ملکِ نذرانہ لیے کچھ نعتوں کا
آتی ہیں نظر اس واسطے اب بیدارِ مدینے کی گلیاں
ہے گنبدِ خضریٰ پر دیکھو اک عالم نور و نکہت کا
کرتی ہیں شانِ رحمت کا دیدارِ مدینے کی گلیاں

نبی ﷺ کی زیارت کا ارمان ہے
تمناؤں کا دل میں طوفان ہے
ہیں نبیوں میں اعلیٰ و ارفع وہی
محمد ﷺ کی سب سے الگ شان ہے

نبی ﷺ کی فضیلت کا ہے ترجمان
جو اترا ہے ان پر وہ قرآن ہے
ہے چہرے کی چھب چاندنی کی طرح
کہ پھولوں کی مانند مسکان ہے

ہو دل میں لگن تو ملے گا نہ کیوں
محمد ﷺ کے ذریعے خدا کا پتا
گلابوں کی خوشبو پسینے میں تھی
بہار آفریں تھی نبی ﷺ کی قبا

تھے شاہ و فقیر ان کی آنکھوں میں یکساں
وہ ہوں بوہریرہ یا دولت میں عثمان
نبی ﷺ جی تھے یارو صداقت کے بانی
کتاب ایسی لائے نہیں جس کا ثانی

نبی ﷺ آپ کے عاشقوں پر کریں گی
ہمیشہ حکومت مدینے کی گلیاں
یہاں برکتوں کے کئی سائباں ہیں
زمین کی ہے زینت مدینے کی گلیاں
محمد ﷺ کے روضے سے زینت ہے ان کو
خدا کی ہیں رحمت مدینے کی گلیاں
آپ ﷺ نے ہر تفریق مٹا دی
بغض و حسد کی آگ بجھا دی
آپ ﷺ نے درس و حدت دے کر
فکر و عمل کی راہ دکھا دی

حسن خلق نبی ﷺ کا دیکھو
آپ ﷺ نے دشمن کو بھی دعا دی
دینِ میں کا لے کے سہارا
نور کی منزل سب کو دکھا دی

حیاتِ محمد ﷺ بھی اک ارمغان ہے
یہ انسانوں کی رہبری کا نشان ہے
رسالت ہے یا کوئی شفاف درپن
صداقت کا مظہر نبی کا بیاں ہے

حافظ کرناٹکی کی نعتوں کے مطالعہ سے واضح ہے کہ انہوں نے یہاں بھی بچوں کی ذہنیت، ان کی فہم و فراست اور ان کی معصومیت کا خاص خیال رکھا ہے۔ انہوں نے جو زبان استعمال کی ہے وہ بچوں کے مزاج سے ہم آہنگ ہے۔ ان کے یہاں الفاظ و تراکیب کی پیچیدگی معنی کی راہ میں روڑے نہیں اٹکاتی ہے۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں صاف ستھرے لفظوں میں کہتے ہیں۔ وہ خواہ مخواہ الفاظ میں دباوت پیدا کر کے ذہنی جمناسٹک کا ماحول نہیں پیدا کرتے ہیں۔ وہ نعت ہو، حمد ہو یا کسی بھی قسم کی مقصدی اور موضوعاتی نظمیں وہ براہ راست موضوع کو الفاظ کے فوکس میں لاتے ہیں اور اپنا مدعا اتنی سادگی اور صفائی سے بیان کر دیتے ہیں کہ پڑھنے والے تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جو حافظ کرناٹکی کو ادبِ اطفال میں ایک اہم مقام عطا کرتی ہے۔

یہ درست ہے کہ اردو زبان سخت مراحل یا دور سے گزر رہی ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس زبان میں کتابیں شائع نہیں ہو رہی ہیں۔ خوب کتابیں شائع ہو رہی ہیں لیکن کتابوں کی اس بھیڑ میں ادبِ اطفال سے متعلق کتابوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اس پر بھی ستم یہ ہے کہ بیشتر کتابیں تفریح اور تفتنِ طبع کی نذر ہو جاتی ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ کہ ادبِ اطفال سے متعلق زیادہ تر کتابیں کوئی واضح مقصد نہیں رکھتی ہیں۔

ان دنوں ویسے بھی ادبِ اطفال کا سرمایہ کچھ ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ کتابیں شائع بھی ہو رہی تھیں تو ان میں سے بیشتر اکڑ بکڑ کی نذر ہوتی جا رہی تھیں۔ ادبِ اطفال کی گل پوش وادی اپنی تازگی، شگفتگی اور اپنی عطربیزی سے کچھ محروم سی ہوتی جا رہی تھی لیکن جب سے امجد حسین حافظ

کرنا ٹکی اس وادی گل پوش میں وارد ہوئے ہیں گلوں میں رنگ بھر گیا ہے۔ اس میں تازگی آگئی ہے اور اس کی مخصوص خوشبو سے وادی گل پوش معطر ہوگئی ہے۔

امجد حسین حافظ کرناٹکی کو ادبِ اطفال میں اس لیے انفرادیت اور ممتاز مقام حاصل ہے کہ ان کی پوری تخلیقی زندگی ایک واضح اور صالح مقصد سے عبارت ہے۔ ان کے دل میں اپنی ملی شناخت کا جذبہ اس طرح موجزن ہے کہ ان کی ہر تحریر و تقریر اور ان کا ہر عمل ملی تشخص کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب کی پاکیزہ روایات اور تعلیم و تربیت کے جہان کا مشعل صفت پاسبان بن جاتا ہے۔ ان کے اندر قوم کے بچوں کی آئندہ زندگی کی تعمیر و تعبیر کا ایسا زندہ جذبہ ہے کہ وہ ہر حال میں متحرک و فعال نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں ایک خاص طرح کی فعالیت اور خود اعتمادی پائی جاتی ہے جو انہیں مشکل سے مشکل حالات میں بھی فعالیت یا احساس کم مائیگی کا شکار نہیں ہونے دیتی ہے۔ نہیں تو ادبِ اطفال سے تعلق رکھنے والے بیشتر شاعر و فن کار زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ہچکچاہٹ اور احساس کمتری کے شکار ضرور ہو جاتے ہیں کیوں کہ عموماً شاعر و فن کار ادبِ اطفال کو ادب لکھنے بلکہ لکھنا سیکھنے کی مکتبی تختی سمجھتے ہیں حافظ کرناٹکی نے ادبِ اطفال کو مکتبی تختی نہیں سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان سے لگ کر بیٹھنے میں تکلف نہیں وقار محسوس کرتے ہیں۔

دنیا کا ہر انسانی کام کسی نہ کسی عیب کا حامل ضرور ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ہر کام اپنے مقصد، اپنے منہاج اور اپنے دور رس نتائج کی وجہ سے بڑا، انوکھا اور ادنیٰ و اوسط کے ساتھ ساتھ عظیم بھی ہوتا ہے۔ جس کام میں مقصد کی صالحیت کا جتنا زیادہ احساس ہوتا ہے وہ کام اتنا ہی عظیم شمار کیا جاتا ہے۔ سب سے بڑی چیز کام انجام دینے والے کی نیت اور اس کا اخلاص ہوتا ہے۔ کوئی بھی کام اس لیے عظیم کام شمار نہیں ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ کام بڑا ہوتا ہے۔ کسی کام کو عظمت اس لیے ملتی ہے کہ کام کرنے والا عظیم ہوتا ہے، مخلص ہوتا ہے، اور اپنا کام پوری ایمان داری لگن اور بے لوثی سے انجام دیتا ہے۔

حافظ کرناٹکی کی کتابوں میں بھی عیوب کا پایا جانا ناممکن نہیں ہے کہ یہ انسانی کام ہے۔ اس کے باوجود ان کے کاموں کو اس لیے سراہا جانا ضروری ہے کہ یہ کام قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت، دین کی تفہیم و توقیر بڑھانے اور آئندہ زندگی کو بہتر بنانے کے عظیم اور پاکیزہ ارادے سے انجام دیا جا رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ کرناٹکی کی کتاب میں اتنی جاذبیت اور نورانیت پائی جاتی ہے کہ وہ ادب

اطفال کی پگڈنڈی کو اجالنے میں پوری طرح کامیاب نظر آتی ہے۔ وہ بھی اتنی خوبصورتی، معصومیت اور فنکاری کے ساتھ کہ شاعر اور شاعری دونوں کا ارتقاع ہو جاتا ہے۔

یہ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ ادبِ اطفال میں اپنی ساری زندگی گنوا دینے کے بعد بھی شاعروں کو نہیں ملتی ہے۔ حافظ کرناٹکی ادبِ اطفال کے وہ مینارۂ نور بن کر ابھر رہے ہیں جس کی روشنی آنے والی نسلوں کو منزل کا پتہ دے گی۔ حافظ کرناٹکی جس خلوص، محنت اور لگن کے ساتھ ادبِ اطفال کو مالا مال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ایک دن یہ شاعر لازوال بن کر ادبِ اطفال کے جہان کا نشان بن جائے گا اور اس کے تخلیقی قدموں کی آہٹ سے ادبِ اطفال پر چھائی خاموشی ٹوٹ کر نکھر جائے گی اور پھر ادبِ اطفال لوگوں کی نگاہوں کا اس طرح مرکز بن جائے گا کہ اس کا دامن تمام تر لعل و گہر سے بھر جائے گا اور یہ سب کچھ ہوگا حافظ کرناٹکی جیسے فن کار کے مخلصانہ ایثار سے۔

وہ دن دور نہیں ہے جب حافظ کرناٹکی ادبِ اطفال کے لچنڈ Legend کہلائیں گے اور لوگ ان کی محنت اور کارنامے سے روشنی حاصل کر کے ادبِ اطفال کو اگلے پڑاؤ تک لے جانے کے لئے حافظ کرناٹکی کو خراجِ عقیدت پیش کریں گے۔

ڈاکٹر بی محمد داؤد محسن (کرنالک)

نعتیہ شاعری: افادیت و مقصدیت

کلام الہی اور احادیث نبوی ﷺ دو اہم ذرائع ہیں جن پر عمل پیرائی نہایت ضروری ہے اور یہی حاصل زندگی اور باعث نجات بھی ہے۔ قرآن مجید کو اللہ رب العزت نے انسان کی ہدایت کے لئے حضور اکرم ﷺ کے توسط سے نازل فرمایا اور صاف الفاظ میں بتایا کہ۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ**۔ (اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو اپنے ان رسول ﷺ پر اتاری) دراصل قرآن کریم احکام خداوندی اور فرامین رب العزت کی عبارتوں کا ایک ذخیرہ اور سیرت رسول ﷺ واسوۂ حسنہ اور واقعات و حوادث کا ایک حسین اور دلکش گلدستہ ہے جس کے مضامین وعظ و نصیحت پر مبنی ہیں جو ہدایات انسانی کے لئے ایک نہایت موثر اور دلپذیر ذریعہ ہیں۔ دین اسلام کا صحیح تصور اور مفہوم اگر سمجھا جاسکتا ہے تو وہ قرآن مجید کو حضرت محمد ﷺ سے اور حضرت محمد ﷺ کو قرآن مجید سے ہی ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا**۔ (اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ)۔ اس آیت کریمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو رسول ﷺ بنا کر بھیجنے کی گواہی دے رہا ہے۔ جس سے آپ ﷺ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں جگہ جگہ پر اوصاف محمد ﷺ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یسین، طہ، فرقان، مدثر، مزمل جیسے معزز القاب و خطابات سے یاد فرمایا ہے۔ آپ کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے کہیں **وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ** کہا تو کہیں **وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ** اور کہیں محمد بشر لا کالبشر یا قوت حجر لا کالحجر (محمد ﷺ بشر ہیں عام بشر نہیں یا قوت پتھر ہے عام پتھر نہیں) کہا گیا۔ اور کہیں **وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ** (اور بے شک آپ ﷺ کے اخلاق نہایت عالی

ہیں) کہا گیا۔ اسی طرح وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو) کہا گیا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سید عالم حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کے متعلق حضرت جبرئیل سے دریافت فرمایا۔ جواب میں جبرئیل امین نے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔“ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”اذان میں، تکبیر میں، تشہد میں، منبروں پر، خطبوں میں اگر کوئی اللہ رب العزت کی عبادت کرے ہر بات میں اس کی تصدیق کرے اور حضرت رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بے کار ہے۔“

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ تمام ذکر و اذکار میں کلمہ طیبہ کے بعد افضل الذکر درود پاک ہے جسے جزو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ کلام پاک میں لفظ ’عشق‘ کا استعمال نہیں ہوا البتہ ’محبت‘ کا استعمال ضرور ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت افضل ترین شے کا نام ہے۔ دراصل یہی صفت کمال انسانی بھی ہے اور وصف خداوندی بھی۔ یہ وہ پاک وصف خاص ہے جو خود خدائے بزرگ و برتر کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکت سے ہے۔ چنانچہ دیکھا جائے تو محبت کی ابتدا خود اللہ و رسول ﷺ سے ہوتی ہے۔ اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ کا اسم پاک جب بھی آئے تو دل و زبان سے بے اختیار درود کے الفاظ خود بخود جاری ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر رحمت اللعالمین کے لقب سے نوازا اور آپ ﷺ پر درود بھی بھیجا اور آپ کی نعت و ثنا اور تعریف و توصیف بھی بیان کی۔ حضرت موسیٰ کو کلیم کہا اور حضور اکرم ﷺ کو حبیب کہا۔ کلیم یعنی جو اللہ تعالیٰ سے کلام یا محبت کرے حبیب یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرے۔ قرآن کریم کی کئی آیات سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نعت اور مدحت و ثنا بیان کرنے والا خود خدائے بزرگ و برتر ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تعریف و توصیف ہی نہیں بیان کی بلکہ ہمارے لئے واعطی اللہ و اعطی الرسول کی شرط بھی رکھی۔ توریت و انجیل میں بھی آپ ﷺ کا ذکر کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ تک کے بیشتر انبیاء و مرسلین نے آپ ﷺ کے تقدس اور عظمت کا اعتراف کیا، بشارت دی اور آپ کی امت میں ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ طلوع اسلام کے فوری بعد آپ کی تعریف اور توصیف کے وصف کو صحابہ کرام نے اپنایا اور اس کو مقصدِ حیات سمجھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دید رسول ﷺ کو عبادت تصور کیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جان و مال کو آپ

کی راہ میں لٹانے کو ایمان سمجھا، محبت رسول ﷺ ہی کے نتیجے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران پر فتح حاصل کی اور عدل و انصاف قائم کیا، محبت رسول ﷺ ہی کے نتیجے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخیر اکھاڑا، بدر و حنین کے غزوات بھی محبت رسول ﷺ ہی کا نتیجہ ہیں حضرت اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دندانِ مبارک بیک وقت نکال کر محب رسول ﷺ ہونے کا ثبوت دیا اور کئی عاشقانِ نبی ﷺ نے ان گنت درود شریف لکھ کر اپنی محبت کا ثبوت پیش کیا۔ لیکن قربان جائیے اس درود پر جسے ہم درود تاج کے نام سے جانتے ہیں اور پوری عقیدت اور محبت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جس میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور عظمت کا اتنا دلکش بیان ہوا ہے جسے بار بار پڑھنے میں لطف اور مزہ آتا ہے۔ ہر ایک مومن اسے ثواب کی نیت سے پڑھتا ہے اور کافی دریت قلبی سکون اور اطمینان پاتا ہے اور اپنے آپ خوشی محسوس کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو لکھنے کی سعادت بخشی انہوں نے سیرت کے خوشگوار پہلوؤں، کمالات و معجزات اور دیگر واقعات رسول ﷺ کو اپنی تحریروں کا جزو بنایا اور اسے معراجِ فن تصور کیا۔ حضرت سیدنا حسن ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور اکرم ﷺ کے دربار کا نعت گو شاعر ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے بحیثیت شاعر جو بلند مرتبہ حسن ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوا وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ خود حسن ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر بٹھا کر نعت سناتے کی فرمائش کرتے اور صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر حضرت سیدنا حسن کی زبانی نعتوں کا لطف اٹھاتے حضرت سیدنا حسن کا انداز بیان دیکھئے۔

واحسن منك لم تروقط عینی و اجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرا من كل عيب كانك قد خلقت كما تشاء

”میری آنکھوں نے کبھی آپ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا، عورتوں نے آپ ﷺ سے زیادہ کوئی صاحبِ جمال نہیں جنا۔ آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا۔ جیسے آپ اپنی مرضی سے پیدا کئے گئے ہوں۔“

یہ بات مشہور ہے کہ سب سے پہلے نعتیہ اشعار حضرت ابوطالب نے کہے جو مشرف بہ اسلام نہ ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ کی ذات سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی عظمت کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ پہلی وحی کے نزول کی خبر سننے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب سے پہلے نثر میں نعتیہ الفاظ بیان کئے۔ آپ کے حسنِ اخلاق سے

کفار و مشرکین بھی متاثر تھے اور بعض کفار عقیدت کی ڈور میں کھینچے چلے آتے تھے۔ اُغشی ایک کافر شاعر تھا مگر آپ ﷺ سے بے حد متاثر تھا اس نے ایک مرتبہ نعت لکھ کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش کرنے کی کوشش کی، مگر کفارِ مکہ نے اسے روک لیا۔

ہجرت کے موقع پر غارِ ثور سے نکلنے کے بعد پہلے دن حضور اکرم ﷺ اپنے غارِ یارِ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ امّ معبد کے یہاں پہنچتے ہیں۔ جو ایک معمر اور مہمان نواز خاتون تھی۔ نبی کریم ﷺ نے کھانے کے لئے کچھ پوچھا۔ اس وقت اس کے یہاں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک گوشہ میں کمزور اور لاغر بکری دیکھی جس کے تھن سوکھ چکے تھے آپ ﷺ نے اس سے دودھ دوہنے کی اجازت طلب کی۔ امّ معبد نے کہا یہ تو ایک لاغر بکری ہے اور اس سے دودھ آنا محال ہے۔ آپ ﷺ نے ایک برتن طلب کیا اور دودھ دوہنا شروع کیا اتنا دودھ آیا کہ اس سے سب سیراب ہوئے اس کے بعد آپ ﷺ کا قافلہ وہاں سے رخصت ہوا۔ نبی کریم ﷺ کی رخصتی کے بعد جب امّ معبد کا شوہر آیا تو اسے ایک عجب خوشبو نے استعجاب میں ڈال دیا کہ یہاں ضرور کوئی آیا تھا اس نے اپنی بیوی سے دریافت کیا امّ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سارا ماجرا اپنے شوہر کو سنایا۔ جس میں حضور اکرم کی شبیہ، شکل و شمائل، قد و قامت کردار و گفتار اور سیرت و صورت کی تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اتنی اچھی تصویر ہمیں سیرت کی بڑی بڑی کتابوں میں بھی ملنا دشوار ہے جو ایک کم علم اور ان پڑھ عورت نے پیش کی ہے۔ امّ معبد کا انداز بیان ملاحظہ فرمائیے۔ جسے نثری نعت کا بہترین اور اعلیٰ ترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو آپ ﷺ کی تعریف و توصیف اور ثنا خوانی کی بہترین مثال ہے۔

ترجمہ: ”..... میں نے ایک انسان دیکھا، پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، ہموار شکم، سر میں بھرے ہوئے بال، زریبا، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں مردانگی و شیرینی، گردن موزوں، روشن اور چمکتے ہوئے دیدہ، سرگلیں آنکھیں، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگریا لے کیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پر وقار معلوم ہوتا، جب گفتگو فرماتے تو دل ان کی جانب کھینچتا، دور سے دیکھو تو نور کا ٹکڑا، قریب سے دیکھو تو حسن و جمال کا آئینہ، بات میٹھی کہ جیسے موتیوں کی لڑی، قد نہ ایسا پست کہ کم تر نظر آئے، نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو، بلکہ ایک شاخ گل ہے، جو شاخوں کے درمیان ہو، زہندہ نظر، والا قدر، ان کے ساتھی ایسے جو ہمہ وقت ان کے گرد و پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو یہ خاموش سنتے ہیں، جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے

جھپٹتے ہیں۔ مخدوم و مطاع، نہ کوتاہِ سخن اور نہ فضول گو.....“

اس زمانے سے لے کر آج تک باقاعدہ طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد حضور ﷺ کی شان و شوکت اور عظمت بیان کرنا امت مسلمہ کا اولین فریضہ ہے اور اسے زمزمہ روح تصور کیا جاتا ہے۔ اردو کے کم و بیش تمام شعراء دیگر اصنافِ سخن پر نعت کو فوقیت دیتے ہیں کیونکہ سیرت النبی ﷺ رکھنے اور نعت کہنے سے قلب کو ایمان اور روح کو راحت نصیب ہوتی ہے۔

در حقیقت شاعر وہی ہے جس کا تصور و تجلِ بلند اور عظیم ہو اور عظیم شاعری وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت سے متعلق ہو۔ خالص اس نوعیت کی شاعری کا شرف انہیں اصحابِ فن کو نصیب ہوتا ہے جن کا دل عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے لئے دھڑکتا ہے اور جن کا قلم عظمتِ نبی ﷺ رقم کرنے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ تب کہیں جا کر نعت کا حق ادا ہو سکتا ہے۔

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنّت جمیع خصالہ صل علیہ و آلہ

نعت کہنے کے لئے ایمان شرط ہے اور عشقِ نبی ﷺ نہایت ضروری ہے۔ ساتھ ہی خلوص و جذبہ عقیدت بھی درکار ہے۔ اس کے علاوہ پاک ذہن اور پاک طبیعت ضروری ہے نعت کہنے کے لئے اپنے قلب کو متور اور روشن کرنا ہی نہیں بلکہ عشقِ رسول ﷺ میں تپا کر کندن اور اپنے دل کو مدینہ بنانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر نعت ہو سکتی ہے اور حضور ﷺ کا فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً ان کی محبت میں مجھ کو گالی ملے تب نعت ہو فاقوں کے مدے پیٹ پر پتھر بندھیں تب نعت ہو ہاں سر چھٹے، سینہ چھٹے، گردن کٹے، تب نعت ہو آرام کرسی پر پڑا نعتیں اگر فرماؤں گا اس بارگاہِ خاص سے کیا فیض آخر پاؤں گا

نعت میں حضور اکرم ﷺ کی شان اور مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کے تقدس کو برقرار رکھنا ہے۔ نعت کا فن آسان نہیں ہے یہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز پل صراط سے گذرنے کی مانند ہے۔ جہاں ایک چھوٹی سی لغزش، خطا اور ایک ہلکا سا لفظ جو مقامِ نبوت اور شانِ رسالت کے خلاف یا منافی ہو یا کم ہو نعت گو کو گستاخانِ رسول ﷺ اور منافقت کی صف میں کھڑا کر دے گا۔ علاوہ ازیں ذرا سی مبالغہ آرائی بھی نعت گو کو کفر و شرک کا مرتکب بنا دے گی۔ جبکہ حمد یہ شاعری میں ہزار مبالغہ آرائی کی گنجائش ممکن ہے کیونکہ حمد یہ شاعری میں مبالغہ بھی عین حقیقت بن جاتا ہے۔ مگر نعت میں تعریف و توصیف محمد ﷺ کے لئے مراتب اور حدود

مقرر ہیں۔ ان حدود اور مراتب سے تجاوز کرنا گویا ایمان سے خارج ہونا اور شرک و کفر کا مرتکب ہونا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

با خدا دیوانہ باشدو با محمد ہوشیار
اور حضور ﷺ کے مرتبہ کے لحاظ سے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ
گر فرق مراتب نہ کنی زندیق

نعتیہ شاعری کا شمار عقائد پر مبنی شاعری میں ہوتا ہے۔ جس طرح حمد اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف سے عبارت ہے، اسی طرح منقبت بزرگانِ دین سے اظہارِ عقیدت کا نام ہے اور نعت مخصوص ہے حضور ﷺ کی ذات سے۔ جہاں تک عقیدہ کا سوال ہے اس میں جذبہ لگاؤ بھی ہوتا ہے اور ایک قسم کا ڈر اور خوف کا خدشہ بھی رہتا ہے اور اس میں اپنی فلاح اور نجات کا پہلو بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ مذہبِ اسلام میں نجات کا تصور آتے ہی شافعِ محشر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف ہمارے قلب و ذہن خود بہ خود مائل ہو جاتے ہیں اور لب پر درود کا نذرانہ ہوتا ہے، ذہن گنبدِ خضریٰ کی جانب اور دل میں ایک امنگ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جسے جذبہ عقیدت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اسی عقیدت کا نتیجہ ہے کہ ہماری نعتیہ شاعری میں مبالغہ عام ہو گیا ہے۔ جہاں عشق کم اور عقیدہ کی بنیاد پر محبت کا پہلو زیادہ موجود ہے۔ نعت گوئی میں محبوب کے سامنے محبت کی التجاس کے دل کی آئینہ دار ہوتی ہے اور ہر ایک مسلمان نبی کریم ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ ایمان کی شرط بھی عشقِ رسول ﷺ کی بنیاد پر ہی ہے۔ اور ایمان کا تقاضا بھی اللہ پر، رسولوں پر، فرشتوں پر، کتابوں پر آخرت پر مکمل یقین رکھنا ہی ہے۔ یہی یقین و ایمان اور عقائد کا نتیجہ ہے کہ نعتیہ شاعری کا پہلہ حمدیہ شاعری سے بھاری ہے کیونکہ.....

بعد از خدائے بزرگ تو ی قصہ مختصر

در اصل نعت بھی درود ہی کی ایک شکل ہے جس میں عشق و عقیدت اور اطاعت و تسلیم کا رجحان شعری روپ اختیار کر لیتا ہے۔ نعتیہ شاعری رسمی شاعری نہیں ہے۔ یہاں ذاتی جذبات و تخیلات کا ہرگز عمل دخل نہیں ہوتا۔ نعت کے لئے فنی مہارت و لیاقت اور قدرتِ کلام سے کہیں زیادہ مقامِ نبوت کا صحیح عرفان، عظمتِ نبوت کا سچا وجدان، حضور اکرم ﷺ کی شان و شوکت اور عظمت، سیرت کا بھرپور علم، توحید اور رسالت کے حدود کا لحاظ اور آپ ﷺ سے سچا عشق اور سچی عقیدت نہایت ضروری ہے۔ مگر یہاں بھی مقام اور مراتب الوہیت اور نبوت کا لحاظ رکھنا

از حد ضروری ہے۔ عظمتِ ربوبیت اور عظمتِ نبوت سے واقفیت لازمی ہے۔ نعت کے لئے خلوص و عقیدت کے ساتھ ساتھ عشق و اطاعت کا ہونا شرط ہے۔ عشق اور عقیدت کے حدود بھی مقرر اور متعین ہیں۔ لیکن عشق کی انتہا اور عشق کا حاصل بھی آپ ﷺ ہی کی ذاتِ بابرکت ہے۔ عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ

حلقہٗ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

غیر مسلم شعراء کے یہاں بھی نعت میں عشق پایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں سوال ایمان کا اٹھتا ہے۔ ہمارے ادب میں غیر مسلم شعراء نے بھی نعتِ رسول لکھ کر عشق و عقیدت کا ثبوت دیا ہے ایک غیر مسلم شاعر کا لکا پرشاد کی نعت میں پایا جانے والا عشق اور عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا انداز دیکھئے۔

مشرق تا مغرب تھا درہم و دینار لے کر زمین تا بہ فلک مال کا انبار

دریا سبھی بنے موتی، پارس بنے کوہسار ایک سمت کھڑے ہوں جو مرے سید ابرار

پوچھے کوئی کا لکا پرشاد سے کہ کیا لے نعلین کفِ پائے نبی سر پہ اٹھالے

یہ عشق، یہ جذبہ، یہ خلوص اور یہ محبت ایک غیر مسلم شاعر کے یہاں ملتا ہے جو ایمان کی دلالت کرتا ہے جو ایک مومن کے لئے ضروری ہے۔ یہ جذبہ نعت کے لئے شرط اول ہے جس سے نعت کی عظمت دو بالا ہو جائے گی ورنہ زبانی خرچ اور زبانی ہمدردی اور دکھاوے کی عقیدت ہوگی۔

ڈاکٹر تسلیم (جے پور)

مولانا یوسف علی خاں عزیز بحیثیت نعت گو

بیسویں صدی کے وسطی زمانہ تک راجستھان کے جن شاعروں کو ادبی دنیا میں شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی ان میں ایک اہم نام مولانا یوسف علی عزیز کا بھی ہے۔ اس کا اعتراف بابائے اردو مولوی عبدالحق کو بھی تھا اور بعض دوسروں کے علاوہ جے پور کے مولانا عبدالحق فائز کو بھی۔ بابائے اردو نے جس انداز میں مولانا یوسف علی خاں عزیز کی شخصیت اور ان کے ادبی آثار کو خراج تحسین پیش کیا ہے، اس کا اندازہ ان کے درج ذیل بیان سے ہوگا:

”مولانا عزیز سلیمانی قدیم درس گاہوں کے تعلیم یافتہ اور اپنے عہد کے علما کے تربیت یافتہ ہیں۔ علاوہ علمی درس گاہ کے بڑے قادر الکلام شاعر ہیں۔ ہر صنف سخن پر قدرت رکھتے ہیں۔ ادبی نکات و رموز سے خوب واقف ہیں۔ ان کا کلام اردو کے نامور شعرا کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے خطیب اور اثر انگیز مقرر بھی ہیں اور درس و تدریس کا بھی کافی تجربہ رکھتے ہیں۔ دینی معلومات کافی وسیع ہیں، ان کے خیالات میں وسعت اور رواداری پائی جاتی ہے۔ اس جامعیت کے اشخاص ہماری قوم میں خال خال نظر آتے ہیں اور آئندہ پیدا ہونے کے آثار نہیں ہیں۔“

یہ ایک فرد ہے انجمن کے برابر

گل تازہ ہے کل چمن کے برابر“

تقریباً اسی انداز میں مولانا عبدالحق فائز بھی رقم طراز ہیں:

”شیخ الوقت، شگفتہ مزاج، مرنج و مرنجاں کا شمار دراصل ان شاذ و ممتا

دماغوں میں ہے جن کی ذہنیت و حداست مروجہ تعلیم کی قید و بند سے آزاد ہے۔

آپ نسخہ کائنات اور صحیفہ فطرت کا نہایت بالغ نظری سے مطالعہ کر کے اپنے دلی

گہرے اثرات کے جذبات عالیہ کو صاف زبان اور موثر بیان میں ادا کرنے کی

قابلیت و مقبولیت خدا داد حاصل کر چکے ہیں۔ سید القوم کے ساعی جلیلہ، کافہ

الناس کے بہبود و اتحاد پر مبنی و مشتمل ہیں۔ مذہب، ادب اور تاریخ کے عنوانات زیرِ مشق ہیں۔ جرأت خاصہ طبیعت ہے۔ خود داری کے ساتھ نہایت متواضع، بغایت مخیر، بے حد عالی حوصلہ، نمونہ سلف صالحین یہ بزرگ، بابائے اردو کے دست راست، بڑے محسن ادب ہیں۔‘

ان بیانات سے اندازہ ہوگا کہ یوسف علی خاں عزیز اپنے دور کی ایک مقبول شخصیت تھے۔ مگر اب نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجستھان کے اس جید عالم اور قادر الکلام شاعر کو زمانہ بھولتا جا رہا ہے۔ حال ہی میں راقمۃ الحروف نے مولانا یوسف علی خاں عزیز: فکر و فن کے موضوع پر راجستھان یونیورسٹی کے شعبہ اردو و فارسی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے۔ اس سرچ کے دوران اندازہ ہوا تھا کہ مولانا یوسف علی خاں عزیز غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل شاعر اور ادیب تھے۔ دیگر اصناف کے ساتھ نعت گوئی ان کی اولیات میں شامل تھی۔ انھوں نے جتنے نعتیہ قصائد اور غزلیں لکھی ہیں وہ سب کی سب عشق نبی سے سرشار ہیں۔ یہی نعتیہ قصائد اور غزلیں فی الوقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ چنانچہ ان کے مطالعے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے لیے یوسف علی خاں عزیز کے سوانحی کوائف مختصراً بیان کر دیے جائیں۔

مولانا یوسف علی خاں عزیز کا تعلق راجستھان کی سابق ریاست ٹونک سے تھا جہاں وہ ماہ رجب ۱۳۰۶ ہجری مطابق ۱۴ مارچ ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا موجودہ نام ان کے بڑے نانا حضرت کبیر الاولیا کا عطا کردہ ہے۔ جب کہ ان کا تاریخی نام منظور علی (۱۳۰۶ ہجری) تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت اور ملازمت کا آغاز ریاست جے پور میں ہوا تھا۔ یہیں تقریباً بیس سال کی عمر میں وہ بخشی خانہ فوج میں ملازم ہوئے اور رفتہ رفتہ ترقی پا کر کمانڈر ان چیف کے منصرم ہو گئے۔ جے پور میں مختلف عہدوں پر فائز رہنے اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کے بعد یوسف علی خاں ۱۹۴۸ء میں سبکدوش ہوئے۔ اس کے بعد بابائے اردو کے اصرار پر وہ پاکستان ہجرت کر گئے۔ پاکستان میں ہی ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء کو ان کا انتقال ہوا۔

یوسف علی خاں کو ٹونک اور اس کے بعد جے پور میں بچپن سے ہی ادبی ماحول میسر آیا چنانچہ دس سال کی عمر سے ہی وہ شعر و سخن کی جانب مائل ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً دس ہزار اشعار کہہ لینے کے بعد وہ جے پور میں قیام پذیر مرزا آگاہ دہلوی شاگرد مرزا غالب کے حلقہ تلمذ میں داخل

ہو گئے تھے۔ وہ اکثر خود کو ”عزیز الملک آگاہی و نور دیدہ غالب“ اور ”عزیز اسد اللہی“ کہا کرتے تھے۔ چونکہ آگاہ کو غالب سے تلمذ حاصل تھا اور یوسف علی خاں مرزا آگاہ کے شاگرد تھے، اس نسبت سے مرزا غالب ان کے دادا استاد ہوئے۔ یوسف علی خاں عزیز کا مندرجہ ذیل قطعہ اسی نسبت کا مظہر ہے:

شاگرد کو سنتے ہیں تو یاد آتے ہیں استاد
استاد جو ہوتے ہیں بنا جاتے ہیں استاد
استاد کے شاگرد ہی کہلاتے ہیں استاد
اس رمز کو پاتے ہیں تو بس پاتے ہیں استاد
چھپتی ہے کہیں شان سخن اہل سخن سے
آگاہ کا شاگرد ہوں، آگاہ ہوں فن سے

مولانا یوسف علی خاں عزیز جیسا کہ ذکر کیا گیا، مختلف اصناف شاعری پر قادر تھے۔ اسلامی تاریخ و ادب سے واقفیت کی بنا پر انھوں نے وقتاً فوقتاً جو کچھ لکھا وہ مبشرات حق آیات، معجز نما سیرت، ہادی برحق، فقہ کے امام اعظم، میلاد عزیز، ایمان عزیز، زندہ معجزہ، حدیث حسن، ذوالنورین، وحدت الوجود، تاریخ اتحاد اسلام اور تاریخ افتراق اسلام جیسی کتابوں کی صورت میں موجود ہے۔ یہ تمام کتابیں اردو نشر میں ہیں۔ ان کے علاوہ شاعری اور اس کی جملہ اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، مثنوی، قطعہ، مسدس، مخمس وغیرہ کی ہیئتوں میں جو سرمایہ ادب ان سے یادگار ہے، وہ بھی بہت قابل لحاظ ہے۔ ان شعری اصناف کے علاوہ انھیں نعت، سلام اور منقبت گوئی میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ ان کا نعتیہ کلام فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ اگر ہم فی الوقت فارسی زبان میں لکھے گئے اس کلام سے صرف نظر کر لیں تو اردو میں کہے گئے نعتیہ قصائد اور غزلوں کے علاوہ سلام اور منقبتوں کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ یہ سارا کلام یوسف علی خاں عزیز کی کتاب ”نغمہ عند لیب“ مطبوعہ کراچی (۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء) اور ”قرآن ناطق“ مطبوعہ کراچی (۱۹۶۷ء) میں موجود ہے۔ ان ہی کتابوں سے انتخاب کر کے ایک دوسرا مجموعہ ”نعت یوسف علی خاں عزیز کے بڑے بیٹے سید صداقت علی نے ”ارمغان عزیز“ (مطبوعہ کراچی ۲۰۱۰ء) کے نام سے شائع کیا ہے۔ ان کتابوں پر جن حضرات کے تبصرے شائع ہوئے ہیں ان میں پروفیسر

سید کرار حسین، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، خالد محمود نقشبندی، پروفیسر ظفر اقبال، ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور ڈاکٹر ناصر الدین وغیرہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

یوسف علی خاں حافظ قرآن بھی تھے اور اسلامی ادب و تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ اس کا احساس ان کے نعتیہ کلام کے علاوہ ان قصائد، مثنویوں اور مرثیوں سے بھی ہوتا ہے جو ادبِ عزیز (حصہ اول و دوم) مطبوعہ ۶۶-۱۹۶۷ء کراچی میں شامل ہے۔ مثنویاں تو تمام تر مذہبی نوعیت کی ہی حامل ہیں۔ اس سلسلے میں یوسف علی خاں عزیز کی کتابیں مثلاً معین الادب (مطبوعہ ۱۹۲۹ء)، صداقتِ عزیز (مطبوعہ ۱۹۳۳ء)، دہلی) اور قرآن ناطق مع لواء الحمد (مطبوعہ ۱۹۶۸ء) کو موضوع گفتگو بنایا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ان کا بیشتر سرمایہ ادبِ مذہبی نوعیت کا حامل رہا۔ فی الوقت اس کی تفصیل سے قطع نظر، پیش نظر مضمون کا مقصد یوسف علی خاں عزیز کے نعتیہ کلام کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرانا ہے جو اپنی غایت کے لحاظ سے نعتیہ ادب کا بیش بہا سرمایہ ہے۔

یوسف علی خاں عزیز کا نعتیہ کلام عموماً دو شعری اصناف پر مشتمل ہے۔ اول قصیدہ اور دوم غزل۔ یعنی نعتیہ قصائد اور نعتیہ غزلیں لیکن ان کے علاوہ متعدد قطعات بھی ایسے ہیں جنہیں نعتیہ قطعات کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ان مختلف شعری اصناف کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یوسف علی خاں عزیز عشقِ نبی میں سرشار تھے۔ ان کا مشہور نعتیہ شعر ہے۔

پڑھنی ہے نعت پاک شہہ انبیا مجھے

اپنی زبان دیدے ذرا اے خدا مجھے

اس شعر میں شاعر نے جس زبان کی تمنا کی ہے، اس کا انداز اور بیان بھی ممدوح کے حسب

منشا ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ یوسف علی خاں لکھتے ہیں۔

کوثر سے دھلی ہوئی زباں ہو

قراں سے ملا ہوا بیاں ہو

تائیدِ خدائے انس و جاں ہو

حبِ نعت رسول دو جہاں ہو

یوسف علی خاں نے اسی جذبے سے سرشار ہو کر متعدد نعتیہ قصیدے اور ۱۰۵ سے زائد نعتیہ

غزلیں کہی ہیں۔ پہلے چند نعتیہ قصائد کے مطالعے ملاحظہ کیجیے:

-۱-

نہ زانو تھا نہ آئینہ نہ حیرت تھی نہ سکتہ تھا
وہ زلفیں جب بھی تھیں ، وہ نور رخ جب بھی چمکتا تھا
(تعداد اشعار ۸۱)

-۲-

خالق اپنے نور سے جب نور پھیلانے لگا
حسن روئے حق نما ، ظاہر نظر آنے لگا
(تعداد اشعار ۹۳)

-۳-

عالم میں کہیں نام نہ تھا مہر و وفا کا
عالم تھا جہاں بھر میں جفا کا ہی جفا کا
(تعداد اشعار ۹۵)

-۴-

نشہ عشق حقیقی سے جو سرشار نہ تھا
ایسا بیہوش کسی دور میں ہشیار نہ تھا
(تعداد اشعار ۲۲)

-۵-

مہر و عزت ، ذرہ خاکِ زمینِ مصطفیٰ
بہرِ رحمت ، قطرہ آب و جبینِ مصطفیٰ
(تعداد اشعار ۱۹)

-۶-

کھٹکا لگا ہوا ہے اس دور میں فنا کا
ساقی مجھے پلا دے ساغرِ مئے بقا کا
(تعداد اشعار ۳۱)

-۷-

الہی کس بلا کا منقلب دور قمر آیا
کہ ثابت کا اثر بھی لے کے لاکھوں شور و شر آیا
(تعداد اشعار ۵۷/)

-۸-

ڈڑے ہیں آئینہ دار آفتاب
ہیں زمیں یا جلوہ زار آفتاب
(تعداد اشعار ۳۶/)

-۹-

اٹھا اوج فاراں سے رحمت سحاب
دعا میکشوں کی ہوئی مستجاب
(تعداد اشعار ۵۳/)

-۱۰-

ملفوظ خدا ہے ادب شان محمد
ہشیار ذرا نعت سر آیان محمد
(تعداد اشعار ۶۱/)

-۱۱-

پھر وہی چشم تمنا ہے وہی سرمہ نور
پھر وہی منظر سینا ہے وہی جلوہ طور
(تعداد اشعار ۴۸/)

-۱۲-

بادِ رحمت چل رہی ہے آئے بادل دل کے دل
لو گھٹا گھنگور چھائی ہے ترشح بر محل
(تعداد اشعار ۶۱/)

-۱۳-

کہہ گئے کعبے میں دل پر ہاتھ رکھ رکھ کر خلیل
کہ ہو گیا سینہ متور جلوہ نور جمیل

(تعداد اشعار ۷۵)

-۱۴-

غنچہ و گل سے ہوا آج معطر ہے نسیم
کس کی زلفوں کی یہ پھیلی ہے گلستاں میں شمیم

(تعداد اشعار ۵۹)

۱۵

آتا ہے کون گل بدن ایسا صبا کے ساتھ
خوشبو جو عطر بن کے اڑی ہے ہوا کے ساتھ

(تعداد اشعار ۵۳)

-۱۶-

اللہ کی حمد ورد زباں ، یہ طور ہے فرض عبادت کا
ہے نعت محمد زبیاں ، یہ رنگ ہے اصل محبت کا

(تعداد اشعار ۵۵)

مزید مطلعوں کی تفصیلات سے قطع نظر، عرض یہ کرنا ہے کہ یوسف علی خاں عزیز کے تمام تر نعتیہ قصائد نہ صرف حمد باری تعالیٰ بلکہ نعت رسول عربی کی شان والا صفات کے علم بردار ہیں۔ یہ اللہ کی وحدانیت اور رسول کی مدحت سے لبریز ایسے قصائد ہیں جن میں اسلامی تاریخ کا گہرا رنگ قارئین کو متوجہ کرتا ہے اور وہ اپنے اندر غیر معمولی روحانی کشش بھی محسوس کرتا ہے۔ مثلاً مثنوی کی ہیئت میں لکھے گئے ایک قصیدے کے بعض اشعار دیکھیے، ان کے مطالعے سے موضوع پر شاعر کی فنکارانہ دسترس کا خود بخود اندازہ ہو جائے گا۔

رات تھی یا استنار آفتاب صبح لایا انتظار آفتاب
آئے دنیا میں وہ نور حق، جو ہیں رب مہ پروردگار آفتاب

آگئے عزت فزائے ماہتاب آگئے حاجت بر آر آفتاب
ان سے چمکی قسمت ماہ ربیع ان سے دمکا بخت یار آفتاب
نازش عرش و عزیز کائنات فخر ماہ و افتخار آفتاب
زمین لعل و ضیا بخش نہار مرکز ماہ و مدار آفتاب
رحمت عالم، شفیع انبیاء ماہ تسکین و قرار آفتاب
صدقے خورشید رسالت پر ہوئے کل کبار و کل صغار آفتاب
روز افزوں چہرے کی تشبیہ سے عزت ماہ و وقار آفتاب
ظل زلف و تابش رخسار پاک محسن لیل و نہار آفتاب
حسن کے بانی، حبیب کردگار دلبر ماہ و نگار آفتاب
آسمان لینے جھکا خیرات حسن لے کے طشت زرنگار آفتاب
اقتدارِ سرِ قدرت پر ثارِ ق رجعت بے اختیار آفتاب
پھیرنے والے کی روشن برتری کہہ رہا ہے اضطرار آفتاب
جو عطا ہوتی نہ نورانی حیات بن گیا ہوتا مزار آفتاب

ایک اور نعتیہ قصیدہ مقتضب کے یہ ابتدائی اشعار بھی ملاحظہ کیجیے۔ رسول اللہ کے حسن و جمال کی کیسی دلکش تصویر پیش کی ہے۔

تیری تصویر کس نے کن حسیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
حسیں ہاتھوں سے کیا، حسن آفریں ہاتھوں سے کھینچی ہے
تری تحریر سے روشن ہے، تو نے صورتِ قدرت
حسیں آنکھوں سے دیکھی ہے، حسیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
سوادِ خط کو تیرے دیکھنے والوں پہ روشن ہے
ضیائے چشمہٴ مہرِ مبین ہاتھوں سے کھینچی ہے
حصارِ شرع و نقشِ معرفت، پانوں سے کھینچا ہے
بنائے عافیت، دیوار دیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
جو دیکھا نامہٴ اقدس، کہا قیصر نے استغف سے
یہ کس نے صورتِ صدق و یقیں ہاتھوں سے کھینچی ہے

قمرِ شق ہو، برابر ہو یہ کس کو دسترس حاصل
لیکر اعجاز کی اے مہ جہیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
شب معراج اگر ہوتے تو ہم بھی پوچھتے حق سے
یہ کس نے صورت حسن آفریں ہاتھوں سے کھینچی ہے

جیسا کہ ذکر کیا گیا، یوسف علی خاں عزیز نے نعتیہ قصائد کے علاوہ نعتیہ غزلیں بھی کہی ہیں۔ یہ غزلیں بظاہر سہل ممتنع کا انداز رکھتی ہیں مگر ان میں اکثر قرآن و احادیث کے تراجم بھی موجود ہیں۔ ان کے متعلق نغمہ عنندلیب کے ایک مبصر جناب خالد محمود کا بیان ہے کہ ”حضرت (یعنی یوسف علی خاں عزیز) کے نعتیہ مجموعے کو پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کی ذات ایک مسیحا تھی جو گونگے الفاظ کو استعمال کے بعد قوت گویائی بخش دے اور الفاظ بول اٹھیں۔ یہ ایک انمٹ حقیقت بھی ہے اور مشاہدہ بھی مگر ہر ایک شعر کو محبت کی نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔“ (بحوالہ نغمہ عنندلیب ص ۳۴۰) ذیل میں چند منتخب نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ یوسف علی خاں عزیز نہ صرف موضوع بلکہ اس کے فنکارانہ بیان پر بھی قدرت رکھتے تھے:

رسول اسم صفت ہے ظہور معنی ہے
سمجھنے والوں نے ظاہر خدا کو دیکھ لیا
زبان دل سے پڑھا کلمہ شہادت جب
خدا کو دیکھ لیا مصطفیٰ کو دیکھ لیا

اعجاز سراپا پے یا جلوہ گہہ قدرت
اے قامت بے سایہ اے سایہ بے ظلمت

آئینہ آیت میں گنجینہ رافت میں
ہے صاف تری صورت، ہے پاک تری سیرت
تہذیب نکھرتی ہے اخلاق سنورتے ہیں
ہر قال میں سو حکمت، ہر حال میں سو رحمت

شان خدا بھی آپ، نشان خدا بھی آپ
حق کا بیاں بھی آپ ہیں حق کی ادا بھی آپ
احمد ہیں حامدوں میں محمد ہیں خلق میں
یوں مجتبیٰ بھی آپ ہیں یوں مصطفیٰ بھی آپ

خدا کا حسن ہے روئے محمد خدا کا خلق ہے خوئے محمد
ہوا آزاد فکر دو جہاں سے اسیر بند گیسوئے محمد
محبت میں عجب کچھ دلکشی ہے کھچا جاتا ہے دل سوئے محمد

کیا شان ہے اے صل علی شان محمد ہے رحمت اللہ بھی قربان محمد
اسرارِ مشیت، خمِ ابروئے معنیر! اظہارِ حقیقت، رخ تابان محمد
طہ کی دیک، جسم منور کی لطافت یسین کی چمک، تابشِ دندان محمد
میرا یہ عقیدہ ہے یہی ہے مرا ایماں ممکن ہی نہیں خلق میں ہم شان محمد

خوشا قسمت ہوا ہے ہند سے آنا مدینے میں
الہی حشر تک ہو جائے رہ جانا مدینے میں
حضور؟ اللہ کا دیدار بندوں کو کہاں ہوگا
مرا یہ پوچھنا اور ان کا فرمانا مدینے میں

حیراں ہیں سب رتبہ شناسان محمد
کس طرح لکھیں مدحت شایان محمد

آخری الذکر شعر دراصل ایک قصیدے کا مطلع ہے۔ مشہور پاکستانی نقاد پروفیسر فرمان فتحپوری نے اپنے تبصرے میں اس کا خصوصی ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”اس قصیدے میں کم و بیش سوا شعرا ہیں کہ سرور آگیں وجدانی کیفیتوں کے جام چھلکاتے ہیں۔ زبان و بیان کے رنگ جماتے ہیں اور حضور اکرم کی سیرت طیبہ و اسوۂ حسنہ کے جلال و جمال کے ایسے مناظر دکھاتے ہیں

کہ ان اشعار کو سننے اور پڑھنے والے خود بھی ثنا خوانِ محمد کی صف میں شعوری یا لاشعوری طور پر آکھڑے ہوتے ہیں۔ یہ کسی شاعر کی نعت گوئی کا ایسا وصف ہے جو توفیقِ الہی کے بغیر میسر نہیں آتا۔ بحمدِ اللہ یہ توفیق ’نغمہ‘ عندلیب کے شاعر کو حاصل ہے۔“

(بحوالہ نغمہ عندلیب ص ۳۳۷)

یوسف علی خاں عزیز بلاشبہ ایک بلند پایہ نعت گو شاعر تھے۔ ان کا نعتیہ کلام حد ادب سے کبھی تجاوز نہیں کرتا:

ملفوظِ نعت میں رہے حد ادب عزیز
کہہ دیں نہ اہل ذوق کہ حد سے نکل گیا



ڈاکٹر علی باز ہرہما (حیدر آباد)

طوطی دکن: تہنیت النساء بیگم تہنیت کی ادبی خدمات و نعت گوئی

محترمہ تہنیت النساء بیگم تہنیت مشہور محقق اور ماہر لسانیات و دکنیات ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی شریک حیات تھیں ان کی ادبی خدمات ناقابل فراموش ہیں وہ ایک باکمال نعت گو شاعرہ تھیں۔ انہوں نے حیدر آباد کے ذی ثروت اور اعلیٰ علمی و مذہبی گھرانے میں 20 مئی 1910ء کو آنکھیں کھولیں۔ ان کے والد نواب رفعت یار جنگ ثانی جو کہ مملکت آصفیہ میں بیدر اور اورنگ آباد میں صوبیداری کے عہدے پر فائز تھے۔ رفعت یار جنگ کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ محترمہ اسماء بیگم صاحبہ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ جب وہ نو سال کی ہوئیں تب وہ اپنے والدین اور بھائی کے ساتھ ہندوستان تشریف لے آئیں اور تقریباً ربع صدی تک یہاں پر قیام پذیر رہ کر 1947ء میں مدینہ منورہ ہجرت کر گئیں۔ 1952ء میں مدینہ منورہ ہی میں انتقال فرمایا اور مدینہ منورہ میں ہی مدفون ہوئیں۔ آپ کا سلسلہ ایک جانب حضرت شہاب الدین سہروردی سے ملتا ہے تو دوسری جانب علماء فرنگی محل سے بھی نہایت قرابت داری تھی تہنیت النساء بیگم کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی انہیں والدہ ماجدہ پڑھایا کرتی تھیں۔ بعد میں محبوبیہ گرلز ہائی اسکول میں داخلہ دلوا دیا گیا جہاں انہوں نے سینئر کیمرج تک تعلیم حاصل کی۔

محترمہ تہنیت کو شاعری کا ذوق ورثے میں ملا تھا۔ ان کے چچا سر نظامت جنگ بہادر ایک ممتاز ماہر سیاسیات ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ انہوں نے میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع کی غزلوں کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ ان کے علاوہ محترمہ

تہنیت کی دو پھوپھیاں خیر النساء بیگم خیر اور تہنیت النساء ساجدہ بھی شاعری کیا کرتی تھیں۔ یہی وجہ رہی ہے کہ انہیں بچپن سے ہی ادبی ذوق کا چسکہ لگا تھا اور جب وہ 10 نومبر 1932ء میں ڈاکٹر سید محمد الدین قادری زور سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں جو ایک محقق و نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ اردو کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ تو اس طرح تہنیت صاحبہ کے ادبی ذوق کو مزید جلا ملی اور ان کی شاعری نکھر نے اور سنورنے لگی۔ سچ کہیں تو وہ زور صاحب کی شریک حیات ہی نہیں بلکہ شریک کار بھی رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر زور کے علمی و ادبی کارناموں میں بیگم زور کا بھی گراں قدر حصہ رہا۔ اس تعلق سے ڈاکٹر زور خود فرماتے ہیں کہ:

”میں اپنی بیوی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے سارے گھریلو کاروبار سے مجھے

آج تک بے نیاز رکھا۔ نہ صرف یہی بلکہ میرے علمی و ادبی کاموں میں بھی انہوں

نے دور دور تک ہاتھ بٹایا۔“ (یادگار زور۔ ص: 92)

بیگم زور ایک وفا شعار اور سلیقہ مند بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صابر و شاکر خاتون تھیں۔ دولت مند گھرانے سے تعلق ہونے کے باوجود بے جا خرچ اور غیر ضروری دکھاوے کی شان و شوکت کی قائل نہ تھیں۔ ایک طرح سے کہا جائے تو وہ نام و نمود سے پرہیز کرتی تھیں۔ انہیں ہمیشہ اپنے خاندان کی عزت و حشمت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ وہ ہر کام کو سلیقہ و شائستگی کے ساتھ کرنا پسند کرتی تھیں۔ بلکہ زور صاحب کے کہے گئے شعر کے قائل تھیں۔

ذوق پاکیزہ سے ہر چیز ہے لطف و حسین

یہ نہ حاصل ہو تو بیکار ہے دنیا ہو کہ دین

وہ ایک شریف النفس، نیک سیرت اور کم سخن خاتون تھیں انکے مزاج میں حجاب بھی شامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نماز و روزے کی پابندی کے ساتھ ساتھ پردے کا خاص لحاظ رکھتی تھیں۔ انہوں نے پردے میں رہ کر ہی کئی ایک سماجی، فلاحی، علمی و ادبی خدمات انجام دیں۔ اس تعلق سے یحییٰ فاروقی لکھتی ہیں کہ:

”پردے میں رہ کر آپ نے ادارہ ادبیات اردو کی ہر طرح خدمت انجام

دی۔ تمام سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ ادارہ ادبیات اردو کے شعبہ

خواتین کی سرگرم رکن رہیں۔“ (ماہنامہ ”نعت“، لاہور، اکتوبر 1992ء، ص: 82)

ایوان اردو کے لئے انہوں نے ہی اپنے مکان سے متصل 600 گز پر مشتمل پلاٹ کو ادارہ

کی تعمیر کے لئے تحفہ میں دیا تھا۔ اس عمارت کا نقشہ فیاض الدین نظامی نے تیار کیا تھا اور خولجہ حسن نظامی نے اس عمارت کا نام ”ایوان اردو“ تجویز کیا تھا۔

محترمہ تہنیت نہایت ہی لطیف احساسات کی مالک تھیں۔ والدہ کا تعلق دینی خانوادے فرنگی محل سے ہونے کی وجہ سے عشق رسول ﷺ انہیں ورثے میں ملا تھا۔ ان کی طبیعت و فطرت نے بھی انہیں نعت گوئی کی جانب راغب کیا اور وہ نعت گوئی میں اتنی ڈوب گئیں اور جب رسول ﷺ اس قدر سرشار ہوئیں کہ ایک کے بعد دیگرے تین مجموعہ نعت پاک شائع ہو گئے۔ وہ بڑے ذوق و شوق سے نعتیں کہتیں اور نہایت ہی جذباتی کیفیت کے ساتھ نعتوں کو پڑھتی تھیں۔ محترمہ تہنیت کو 1951ء میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا تب سے وہ مسلسل نعت گوئی کرتی رہیں۔ ان کا سب سے پہلا مجموعہ نعت پاک ”ذکر و فکر“ 1955ء میں شائع ہوا جس میں 75 نعتیں شامل ہیں۔ جن میں بلا کی وارتگی حضور ﷺ جھلکتی ہے جو اس بات کی غماز ہے کہ عشق رسول ﷺ ان کے خمیر میں شامل ہے۔ اور ساری عمر نعتیں لکھتی رہیں اور عشق رسول ﷺ پر آپ کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

نعت گوئی کی تاریخ بھی کافی قدیم ہے۔ عہد عتیق ظہور اسلام کے ساتھ ہی عربی و فارسی کے کئی ایک شعراء نے نعت گوئی میں مقام پیدا کیا۔ یہاں تک کہ ”قصیدہ بردہ شریف“ عربی میں اتنا مقبول ہوا کہ تب سے آج تک اسے مقدس حیثیت حاصل ہے۔ اور ”عربی“۔ ”ابوالب“ کے علاوہ ”کلیم“ کی نعتیں فارسی میں بے حد مشہور و مقبول ہیں۔ مولانا حالی کی کہی گئی نعت ”وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا“ اپنی لطافت و تاثیر کی وجہ سے ان کے سارے دیوان پر بھاری ہے۔ حالی کے علاوہ کئی ایک اردو کے کلاسیکل اور جدید شعراء نے بھی نعت گوئی کو باعث برکت سمجھا ہے۔ یہاں تک کہ اقبال نے کہہ دیا کہ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

فیض احمد فیض جیسے نامور شاعر جنہیں اپنی غزلوں اور نظموں کی وجہ سے شہرت حاصل ہے اور ترقی پسند رجحانات کی وجہ سے بھی کافی مقبول ہیں انہوں نے بھی اپنی کلیات میں فارسی نعت کو پیش کیا ہے۔ اردو شعراء نے سراپا نگاری میں عموماً ہندی تخلیقات کے اثرات کو اپنایا ہے۔ جب کہ محترمہ تہنیت نے نعت گوئی میں سراپا نگاری کے لئے فارسی شعراء کی تقلید کی ہے اور انہوں نے

جذبہ عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر قلبی واردات اور ذہنی کشمکش کی کیفیت کو پراثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس طرح ان کی شاعری ہو کہ نعت گوئی دل و دماغ کی کیفیتوں کا ایک خوشگوار امتزاج ہے۔ ان کے پہلے نعتیہ دیوان کے پیش لفظ کو مشہور رباعی گو شاعر امجد حیدر آبادی نے تحریر کیا تھا جس میں وہ رقمطراز ہیں کہ۔

”جہاں تک سمجھا مجھے محسوس ہوا کہ بیگم زور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اکثر اشعار سے ایک خاص قسم کی ربودگی اور فریفتگی محسوس ہوتی ہے اور شعر متاثر ہو کر کہے گئے ہیں جن کا اثر پڑھنے والوں پر بھی پڑتا ہے۔ بعض اشعار سے بھی متاثر ہوا ہوں! مثلاً:

وقت رخصت ہم پہ جو گزری وہ اب تک یاد ہے
چھوڑتے ہی ان کا در تنہا نظر آنے لگے

(ذکر و فکر۔ پیش لفظ 1955)

بیگم زور کی نعتوں سے متاثر ہو کر ”انشاپرواز“ مصور فطرت خواجہ حسن نظامی نے انہیں طوی دکن کے لقب سے نوازا۔ اور ایک جگہ وہ خود رقمطراز ہیں کہ:

”بہ حیثیت مجموعی سارا کلام کیف اور سوز میں ڈوبا ہوا ہے۔ عاشق رسول ﷺ کی اس مجموعے کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔“

(ماہنامہ ”منادی“، نئی دہلی۔ جولائی، 1955)

اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سارا کلام پر کیف اور پر سوز ہے اور ہر لفظ سے عاشقانہ اور والہانہ حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کے کلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ انہوں نے ساری نعتوں کو غزل کی ہیئت میں بہت ہی دلکش انداز میں کہی ہیں۔ اس طرح ان کے کلام میں غزل کی غنایت اور نعتوں کا وجد شامل ہے۔ جس سے قاری غزل اور نعت دونوں کا لطف ایک ساتھ اٹھا سکتا ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔ جس میں انہوں نے مسلک والہانہ کو غزل نمائندگی میں کس وارفتگی کے انداز میں پیش کیا ہے جس میں غنایت بھی شامل ہے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی یاد ہی ہے جو ان سے اس طرح کا کلام لکھا رہی ہے۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ:

نبی ﷺ کی یاد دکھاتی ہے تہنیت ہم سے غزل کبھی یوں ہی لکھی نہیں جاتی
پھر نہ آئیں ہم آگہی کے قریب محو حیرت ہیں کسی کے قریب

رہے نظروں میں گنبدِ حضریٰ ان کا جلوہ ہو زندگی کے قریب
 سر بہ سجدہ رہیں انھیں نہ کبھی پھر جو پہنچیں در نبی ﷺ کے قریب
 عمر گزرے ان ہی کے روضے پر جان دے دیں گے ہم ان ہی کے قریب
 تہنیت ہجر میں ملول نہ ہو دن ہیں اب تیری حاضری کے قریب
 ان کے کلام سے یہ اندازہ بھی بخوبی ہوتا ہے کہ عشقِ نبی ﷺ ہی ان کا سرمایہ حیات ہے
 اور ساتھ ہی ساتھ اہل بیت سے بھی انہیں بے حد انس و عقیدت ہے۔
 سرمایہ گیتی ہے مجھے ان کی محبت بیکار ہے میرے لئے جو اس کے سوا ہے
 اضطرابِ دل سے محرومی ہے مرجانے کا نام زندگانی ہے تمہارے لطف فرمانے کا نام
 اہل بیت سے عقیدت کو وہ اپنے اشعار میں کہتی ہیں۔ کہ آلِ نبی کی نعت ہی شفاعت کا
 باعث ہے۔

حبیبِ حق ضامنِ شفاعت ہے دل میں آلِ نبی ﷺ کی الفت
 یہ زاد رہ مل گیا ہے ہم کو رہ عدم کے سفر سے پہلے
 الہی ایمان کے اٹھائے دنیائے فانی سے
 ہو سایہ حشر میں خاتونِ جنت کا یہ ارماں ہے
 عدوے حسین ابن علی کے متعلق فرماتی ہیں کہ۔
 کاش یہ جانتے اعدائے حسین ابن علی کس قدر چاہتے تھے سرورِ دیں پیاروں کو
 لیکن محترمہ تہنیت مطمئن ہیں کہ انہوں نے اپنا رشتہ پیاروں سے جوڑ لیا ہے۔
 قرب حضور تا کہ میسر ہو بعد مرگ جاتے ہیں ہم مدینے کو اپنے کفن کے ساتھ
 محشر میں ہم بھی ساتھ انہیں کے اٹھیں کہ جو ہیں فاطمہ کے ساتھ حسین و حسن کے ساتھ
 ”صبر و شکر“ نعمتوں کا دوسرا مجموعہ ہے جس میں 91 نعتیں اور ایک سلام شامل ہے۔ جس کا
 ہر لفظ حضور کی محبت سے لبریز ہے۔ یہ مجموعہ نعت 1956ء میں شائع ہوا تھا۔ اشعار میں پاکیزہ
 جذبات کے علاوہ ترنم بھی شامل ہے اور یہ بھی عشقِ رسول ﷺ کے جذبات کا آئینہ دار ہے
 اور اضطراب و بے چین دلوں کے لئے باعثِ تسکین ہے۔ دراصل کلام میں محترمہ تہنیت کی دلی
 تمنا شامل ہے جو ہر عاشقِ رسول ﷺ کے دل کی آواز ہے۔
 نبی ﷺ کی مدح سرائی میں تہنیت کتنے غلام داخلِ خلد بریں ہوئے ہوں گے

گزرے اسی طرح سے یہ زندگی ہماری آئین مدینے سے ہم اور پھر مدینہ جائیں
اس ضمن میں حضرت امیر مینائی کا ایک شعر دیکھئے:
مدینے جاؤں پھر آؤں مدینے پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے
”تسلیم و رضا“ تہنیت کا تیسرا نعتیہ دیوان ہے جو 40 نعتوں اور 9 منقبتوں پر مشتمل ہے
اور اس مجموعے میں ایک طرح کا سوز و گداز شامل ہے۔

دل درد آشنا نہیں ملتا یوں تو دنیا میں کیا نہیں ملتا
شعر میں جب تڑپ نہ ہو دل کی لطف ہم کو ذرا نہیں ملتا
تہنیت الفت نبی ﷺ کے بغیر زندگی کا مزہ نہیں ملتا
سوز و گداز کے ساتھ ساتھ کلام میں موسیقیت، غنایت و ترنم کی آمیزش سے نعت میں
وجدانی کیفیت بھی شامل ہو جاتی ہے۔

کبھی ہو عطا ہمیں بھی وہی چشمِ عارفانہ ہمیں کچھ خبر نہیں ہے جو لگا ہے تازیانہ
ہمیں غم نہیں ہے اس کا کہ ہوئے ہیں خوار و رسوا جو خلق ہے بس تو یہ ہے نہ ہو دین بھی روانہ
وہ اضطراب و حب رسول ﷺ میں ڈوب کر ایک دم سہم جاتی ہیں کہ کہیں بے ادبی نہ سرزد
ہو جائے۔ تب ہی تو وہ کہتی ہیں۔

تیرا اضطراب اے دل مجھے بے ادب نہ کر دے
ہے یہ بارگاہِ اقدس ذرا یاں سنبھل سنبھل کے
اس طرح نعتوں کے ذریعے بارگاہِ رسول میں گل ہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے حیدر آباد
دکن کی مایہ ناز ہستی، تہذیب و ثقافت کا مجسمہ، اعلیٰ اقدار و روایات، بلند کردار و معیار اور پاسبان
ادب کی شمع فروزاں محترمہ تہنیت بروز جمعہ 8 نومبر 1996ء کو گل ہو گئیں لیکن عاشقانِ رسول ﷺ
کے دلوں کو اپنی روشنی سے آج بھی سرفراز کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، آمین۔

ڈاکٹر جعفر جری (کریم نگر)

علیم صبانویدی کی نعتیہ شاعری

”نعت“ اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کی جاتی ہے۔ بندے کی کیا مجال کہ وہ اُس ذاتِ گرامی قدر کی مدح و توصیف کرے جو اس کائنات کے وجود کا باعث ہے۔ خطوطِ غالب کے مجموعہ ”عودِ ہندی“ پر تعارف لکھتے ہوئے محمد ممتاز علی خان نے کیا خوب کہا ہے:

”بندہ سے خدا کی تعریف ہو کیا مجال ہے۔ زبانِ مخلوق حمدِ خالق کر سکے وہم و خیال ہے۔ نعت کا رتبہ حمد سے کم نہیں، جس ممدوح کا پروردگار مداح ہو، اُس کی مدح کے لائق ہم نہیں۔“

چوں کہ انسان خدا کا خلیفہ ہے اس لیے ممدوح کا بہر حال دم بھرتا ہے اور اپنی سعی کرتا ہے۔ اُردو زبان میں بہت اچھے نعت گو شعرا گزرے ہیں جن کی نعت گوئی کا شہرہ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ یوں تو اُردو شاعری کی ابتدا سے ہی نعت شریف کہنے کا رواج رہا ہے لیکن بعض شعرا نے صرف نعت ہی کو اپنے شعر و سخن کا محور قرار دیا۔ قدیم زمانے میں نعت گو شعرا خال خال نظر آتے ہیں۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد حالی، محمد حسین آزاد، اسماعیل میرٹھی، منیر شکوہ آبادی، شاد عظیم آبادی، اکبر الہ آبادی، امیر مینائی، داغ دہلوی، جلیل مانک پوری اور محسن کا کوروی وغیرہ نے اچھی نعتیں لکھی ہیں۔ خصوصاً حالی، جلیل اور محسن نے اہتمام کے ساتھ نعت گوئی کو فروغ دیا۔

موجودہ عہد میں چاہے وہ ترقی پسند شعرا ہوں کہ جدید، ہر شاعر نے نعت شریف کہہ کر اپنے گناہوں کی بخشش کا سامان مہیا کیا ہے۔ مجروح سلطان پوری، احسان دانش، جذبی، جوش، مجاز، فیض، احمد فراز، ناصر کاظمی، ساغر اعظمی، شاد تمکنت، اوج یعقوبی، رحمن جامی وغیرہ نے اچھی نعتیں لکھی ہیں جن کی ایک طویل فہرست ہے۔

علیم صبا نویدی نے ہر صنفِ سخن میں نعت کہی ہے چوں کہ علیم صبا نویدی صوفی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے دل میں گداز کا ہونا ضروری ہے۔ ان کا دل نہ صرف سوز و گداز سے معمور ہے بلکہ ان کے کلام سے جو عشق رسول ﷺ عیاں ہوتا ہے وہ غالباً اسی خاندانی پس منظر کی دین ہے۔ نعت کہنے کے لیے عشق رسول ﷺ بہت ضروری ہے۔ ورنہ نعت کے شعر میں گداز پیدا نہیں ہوتا اور عشق رسول ﷺ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب خودی کی تعمیر ہو چکی ہو۔ رضائے الہی کے حصول کو مطمح نظر بنانے کے بعد ہی نعت کہی جاسکتی ہے۔ علیم صبا نویدی کا خاندانی سلسلہ صوفیاء سے ملتا ہے اس لیے ان کے یہاں نور اور سبز (ہرا) کا تذکرہ جا بجا آیا ہے۔ نور اور سبز کا یہ تذکرہ یوں ہی غیر شعوری طور پر علیم صبا نویدی کے فن میں پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ ان کی شعوری کوشش کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر نجم الہدی لکھتے ہیں کہ علیم صبا نویدی نے زندگی کرنے کا سلیقہ سرور الانبیاء ﷺ سے اپنایا ہے ملاحظہ ہو:

”علیم صبا نویدی صرف شاعری نہیں، زندگی کرنے کا سلیقہ بھی سرور الانبیاء، افضل البشر، محبوب الہی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھتے ہیں کہ انھیں کی ذاتِ اقدس ہر طرح کے اکساب کا واحد، روشن ترین اور آخری منارہ نور ہے۔

آپ ﷺ کی یادِ مبارک سے ہے سینا بھر پور

آپ ﷺ کی ذات نے سکھلایا ہے جینا بھر پور“ ۲

جو شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے زندگی کرنے کا سلیقہ اپنائے اُس کے لیے دین و دنیا میں سرخروئی ہی سرخروئی ہے۔ اسی سرخروئی کو سرفرازی میں بدلنے کی ایک کوشش علیم صبا نویدی کی نعت گوئی ہے۔ علیم صبا نویدی نے ہر صنفِ سخن میں نعت کہی ہے۔ غزل، آزاد غزل، ہائیکو، ٹیپ بند نظموں اور سانیٹ میں نعت کے مضامین بیان کیے ہیں۔

علیم صبا نویدی نے یوں تو اپنے ہر شعری مجموعہ کی ابتدا میں نعت شریف شامل کی ہے لیکن اس کے ساتھ انھوں نے نعت شریف کے تین مجموعے بھی شائع کیے ہیں۔

پہلے مجموعہ ”مراۃ النور“ میں انھوں نے غزل کی ہیئت میں نعت شریف کے مضامین ادا کیے ہیں۔ ”مراۃ النور“ کی پہلی نعت کا مطلع کتنے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

”ناگہ مصطفیٰ ﷺ سے روشن ہم

عاشق کبریا ﷺ سے روشن ہم“ ۳

بندہ ءمومن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ ہر شے میں موجود ہے۔ اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ملتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے آخری پیغمبر ہیں اور آپ ﷺ نے اللہ کی وحدانیت کا سبق ساری دنیا کو پڑھایا۔ دیکھیے علیم صبانویدی اسی عقیدہ کو اپنی نعت کے ایک شعر میں کیسی خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں۔

”وہ تو موجود تھا ہر شے میں ہر اک ذرے میں

آپ کی ذات سے اللہ کا عرفان ہوا“

علیم صبانویدی نے یوں تو نعت شریف کے مروجہ تمام مدحیہ مضامین بیان کیے ہیں۔ لیکن ایک مضمون جو خصوصی مطالعے کی حیثیت رکھتا ہے وہ ہے فیضانِ رسول ﷺ کا بیان۔ علیم صبانویدی نے اپنی بیش تر نعتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کا مضمون باندھا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

”دن منور ہے رات نورانی

شاہِ عالم ﷺ کی ذات نورانی

آپ ﷺ کا نور ظاہر و باطن

آپ ﷺ کی کل صفات نورانی

محو ذکر محمدی ﷺ دنیا

نگہ شش جہات نورانی!

وقت بھی آپ ﷺ کی غلامی میں

ہو گیا ساتھ ساتھ نورانی

لو فقیر غزل نویدی بھی

کہہ گئے ہیں یہ نعت نورانی“

”نصیب صبح بہاراں کا رنگ و بو تم ﷺ ہو

صبائے گلشنِ ہستی کی جستجو تم ﷺ ہو

تمہاری ذات نے بخشا ہے زندگی کا شعور

کہ ذرے ذرے میں اب قوتِ نموتِ تم ﷺ ہو

نہ ہوتے تم ﷺ تو بدن خشک اپنا ہو جاتا

لہو کے پھول میں صد رنگ آرزو تم ﷺ ہو

کچھ اِس طرح ہوئی یہ کائناتِ دل روشن
نگاہ دیکھ رہی ہے کہ روبرو تم ﷺ ہو
صبا نویدی کی تخلیق کے سفر کا نور
نگاہ و فکر میں بہتا ہوا لہو تم ﷺ ہو،

”اسرارِ دو جہاں کا مقدر رسول ﷺ پاک
رعنائی حیات کا مظہر رسول ﷺ پاک
سجدہ کناں ہے اپنی ہر اک آرزو جہاں
اِس معبدِ حیات کا منبر رسول ﷺ پاک
آیاتِ روشنی کے مبارک قدم کا فیض
ہم آپ ﷺ کے ہیں آپ ﷺ کا گھر، گھر رسول ﷺ پاک
میں ہوں صبا سفیرِ سخن اور ہیں مری
سیرِ جہاتِ نو کا سمندر رسول ﷺ پاک“

”مراۃ النور“ میں علیم صبا نویدی نے فیضانِ رسول ﷺ کا بیان اپنی نظموں میں کیا ہے۔ اسی
فیضانِ رسول ﷺ کا بیان انھوں نے دوسری نہج سے اپنی دیگر نظموں میں بھی کیا ہے۔
”نور السموات“ میں انھوں نے نعتیہ مضامین کا بیان سانیٹ کی ہیئت میں کیا ہے۔ ان
نظموں میں فیضانِ رسول ﷺ کا بیان اِس اہتمام سے کیا ہے کہ گویا قصیدہ کہہ رہے ہیں۔ بیش تر
سانیٹ نظموں میں انھوں نے ابتدا میں عہدِ جاہلیت کا بیان کیا ہے، جو بہ طور تشبیہ بیان ہوا ہے
اور قصیدے کی ہیئت ہی کی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے مضمون سے گریز کرتے
ہوئے شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداح بیان کی ہے۔ ایک نعتیہ سانیٹ ملاحظہ ہو:

”رنج و غم کی حکومتوں کا نزول
چارسو، سر بلند نفرت تھی
بدنما زندگی کی صورت تھی
آدمی آدمی کا دشمن تھا

جسم ٹوٹا ہوا سا درپن تھا
 نیکیاں دفن ہو گئی تھیں کہیں
 زخم خوردہ سسک رہی تھی زمین
 آسمان، چاند، آفتاب ملول
 نوری پیکر وجود میں آیا
 رنج و غم کا سفر تمام ہوا
 زندگانی کا نیک نام ہوا
 دین احمد ﷺ شہود میں آیا
 رنگ انسانیت کا پھیل گیا
 نور، رحمانیت کا پھیل گیا“ ۸

اس نعتیہ سانیٹ میں علیم صبانویدی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش بابرکت سے قبل کے عرب معاشرے کی عکاسی کی ہے۔ چنانچہ اس نعت شریف میں اس معاشرے کی خرابیوں کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چار سو رنج و غم کی حکومت تھی، نفرت سر بلند، زندگی بدنما، آدمی آدمی کا دشمن، نیکیاں دفن تھیں جس کی بنا پر:

”زخم خوردہ سسک رہی تھی زمین
 آسمان، چاند، آفتاب ملول“ ۹

اور جب آپ ﷺ کا ظہور ہوا تو اقطاعِ عالم سے رنج و غم کا تسلط ختم ہوا۔ یہی تکنیک انھوں نے اپنی بیشتر نعتوں میں اپنائی ہے۔ مثال کے طور پر یہاں ایک اور نعت شریف درج کی جاتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

”دل، گل مقصود کا محتاج تھا
 زخم کا سینے پہ ہر دم راج تھا
 آدمیت دور تک ناپید تھی
 ظلمتوں کی ہر طرف تشدید تھی

رو نما اک آخرش جلوا ہوا
گوہرِ نایاب اک پیدا ہوا
اپنی اُمت کی حفاظت کے لیے
دین کے جلوؤں کی وسعت کے لیے
ہر طرف رحمت کی برساتیں ہوئی
کفر کے موسم کا چہرہ جل گیا
رنجش و کلفت کا نقشہ جل گیا
دُفن ، قتل و ظلم کی گھاتیں ہوئیں
نور میں ڈوبے زمین و آسمان
جلوہ فرما جب ہوئے شاہِ علیؑ زماں“ ۱۰

علیم صبا نویدی نے اپنی بعض نعتوں میں جہاں قصیدہ کی تکنیک اپنائی ہے وہیں تشبیہ کے طور پر عہدِ جاہلیت کے معاشرے کو بیان کیا ہے وہیں پر اسی قسم کی تمہید میں تلازمہء خیال کو بھی برتا ہے اور بہت ہی خوب برتا ہے۔ ”باغ“ کے تلازمہء خیال واستعارہ میں انھوں نے نعت کہی ہے۔ ملاحظہ کیجیے کہ کہیں تلازمہء خیال کا تسلسل ٹوٹے نہیں پاتا:

”ساون رُت کی شہنائی
پتا پتا آسودہ
بوٹا بوٹا سنجیدہ
پھولوں نے لی انگڑائی
باغوں کا دامن بھر پور
شاخوں پہ گیتوں کا تاج
گلشن میں بلبل کا راج
خوشیوں سے ہر شے معمور
شاہِ علیؑ مدینہ کی آمد
گلشن گلشن آئینہ

صاف ہر اک شے کا سینہ
دور تک، نورِ احمد ﷺ
کفر سے رشتہ ٹوٹ گیا
بھاگ خزاں کا پھوٹ گیا“ ۱۱

حضور پر نور ﷺ کی آمد صرف انسانیت کے لیے خوش آئند نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ کی آمد پر ساری کائنات سجدہ ریز ہو گئی۔ زمین و آسمان کی ہر شے نے خوشیوں کے شادیانے بجائے تھے۔ اسی امر کو بنیاد بنا کر علیم صبا نویدی نے باغ کے تلازمے کے ساتھ مندرجہ بالا نعت شریف کہی ہے۔ جو ان کی ایک جدت ہے۔

علیم صبا نویدی نے زندگی کے تلازمے میں بھی ایک نعت کہی ہے جس میں زندگی، نقش، درد، آنکھ، آنسو، نصیب وغیرہ کو بہ طور تلازمہ برتا ہے۔ نعت شریف ملاحظہ ہو:

”زندگی دھوپ کے صحرا کا سفر کرتی رہی
ہر نفس درد کا زہریلا سماں دور تک
جلتی تہذیب کا خاموش دھواں دور تک
رہزنی، قتل، تباہی نے سکوں چھین لیا
وقت کی ڈستی سیاہی نے سکوں چھین لیا
آنکھ روتی رہی، روتی رہی آنسو کے بغیر
پھول کھلتے رہے، کھلتے رہے خوش بو کے بغیر
زیست بے نور فضاؤں میں بسر ہوتی رہی
کس نے بدلا ہے نصیبوں کا لکھا یاد کرو!
زیست کو زیست کا رنگ کس نے دیا، کون تھا وہ
وہ ﷺ شہنشاہِ زمن، نورِ خدا، کون تھا وہ
رحمت ﷺ ارض و سما کون بنا یاد کرو
جس کے آتے ہی تباہی کا سفر ختم ہوا
کفر و باطل کا خطرناک اثر ختم ہوا“ ۱۲

علیم صبا نویدی نے اپنی نعتوں میں فیضانِ رسول ﷺ کے علاوہ صفاتِ رسول ﷺ کا بیان بھی کیا ہے۔ جس ذاتِ پاک ﷺ کے صفاتِ پاکیزہ کی مدحِ خدائے پاک خود کرتا ہے، انسان کی کیا مجال ہے کہ اُس ذاتِ معتبر ﷺ کی مداحی کا حق ادا کرے۔ لیکن اپنی عقل و بساط کے مطابق انسان کوشش کرتا ہے۔ علیم صبا نویدی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتِ پاک کا بیان نعتِ شریف کے اس مضمون میں باندھنے کی سعی مشکور کی ہے:

”ظاہر باطن نورانی
دامن میں خوشبو، اَن مول

اَن مٹ جوہر، بیٹھے بول
سائیں، دھڑکن، قرآنی
صورت، سیرت، پاکیزہ
ہونٹوں پر اللہ کا نام
رحمت برے صبح و شام
دل میں نیت پاکیزہ
مثلِ آئینہ ہے دل
محو عبادت روز و شب
سینہ میں پنہاں ہے رب
نورانی ہے ہر محفل
حبیبی ربی جل اللہ
نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

علیم صبا نویدی کی نعتوں میں فیضانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون ”مرآۃ النور“ سے ”ن“ تک برابر جاری و ساری نظر آتا ہے۔ مندرجہ بالا صفحات میں ”مرآۃ النور“ اور ”نور السموات“ میں درج نعتوں سے مثالیں دی گئی ہیں۔

ذیل کی نعت شریف ملاحظہ ہو جو علیم صبا نویدی کی نعتوں کے تیسرے مجموعہ ”ن“ سے ماخوذ ہے:

”محمد مصطفیٰ آئے ، نویدِ زندگی آئی
 لہو میں تازگی آئی ، بدن میں روشنی آئی
 سمندر غیر سنجیدہ تھا ، موجیں جاہلانہ تھیں
 ہر اک شے کی طبیعت میں سکون و دلکشی آئی
 ہر اک چہرے میں پوشیدہ گناہوں کا مقدر تھا
 سیاہی جسم کی ڈوبی تو ہر سو چاندنی آئی
 شگوفوں کے لبوں پر اک سکوت بیکرانی تھا
 تجلی نور کی لے کر شگوفوں میں ہنسی آئی
 لہو احساس کا سویا ہوا تھا جسم کے اندر
 نویدی نعت احمد ﷺ کا وسیلہ ، تازگی آئی“ ۱۴

ایک ”ہائیکو“ ملاحظہ ہو۔ اس نعت شریف میں بھی فیضانِ رسول ﷺ کا مضمون بیان ہوا ہے:

”وہ انسانیت کا چمکتا نصیب
 بدی کا تصور مٹاتا ہوا
 خلوص و وفا ، نیکیوں کا نقیب“ ۱۵

مندرجہ بالا ہائیکو اُن کے مجموعہ ”شعاعِ شرق“ سے لیا گیا ہے۔ کچھ اور ہائیکو ملاحظہ کیجیے،
 جس میں نعت شریف کا مضمون بیان ہوا ہے یہ ہائیکو اُن کے شعری مجموعہ ”تشدید“ میں شامل ہیں:

”وقت کی چوکھٹ پر
 زمیں آسمان سجدہ کنناں
 نورانی منظر“ ۱۶

اس ہائیکو میں علیم صبا نویدی نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر کائنات کے سجدہ
 ریز ہونے کا مضمون بیان کیا ہے۔ مزید ایک ہائیکو ملاحظہ ہو:

”شاہِ مدینہ ﷺ
 دین و دنیا کے راہِ بر
 نوری نگینہ“ ۱۷

ایک اور ہائیکو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ کون و مکاں ہیں اس مضمون کو ہائیکو کی

ہیئت میں علیم صبا نویدی نے اپنے مجموعہ ”سمت ساز“ میں اس طرح بیان کیا ہے:

”ذات معتبر
نام مقدس، پاک صفات
مظہر کون و مکان“ ۱۸

علیم صبا نویدی نے بے شمار نعتیں کہیں ہیں اور مختلف شعری ہیئتوں میں کہی ہیں۔ غزل، قصیدہ، مثنوی وغیرہ میں نعت گوئی کی مثالیں اردو کے شعری سرمائے میں موجود ہیں۔ لیکن سانیٹ (Sonnet) کی ہیئت میں نعت شریف کا مکمل مجموعہ مرتب کرنا علیم صبا نویدی ہی کا کارنامہ ہے۔

پروفیسر گیان چند جین ”نور السموات“ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
”اس مجموعہ کی ہر نظم ایسی پختہ کار اور شعری خوبیوں سے مالا مال ہے کہ باجِ اعتراف طلب کرتی ہے۔ جیسا ارفع موضوع ہے شاعر نے اُسے اُسی شایانِ شان طریقے سے بنایا ہے۔ ان نظموں کو پڑھ کر ہر مشکلک کے آئینہ قلب سے زنگ دور ہونے لگے گا۔
معلوم نہیں اس سے پہلے کسی نے نعت کو سانیٹ کا موضوع بنایا کہ نہیں! بہ ہر حال علیم صبا نویدی صاحب کی بدولت اس صنف کے بھاگ جاگ اٹھے کہ اسے اس منزہ موضوع کا ظرف بنایا گیا۔“ ۱۹

اردو میں ہائیکو کہے گئے ہیں اور یہ تجربے کی حد تک ہی محدود تھے۔ علیم صبا نویدی نے اپنے تجربہ کو ایک روایت میں ڈھال دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ہائیکو کے چار مجموعے شائع کیے۔ ہائیکو نظموں میں بھی علیم صبا نویدی نے نعتیہ مضامین ادا کیے ہیں۔ چونکہ اس صنف کو مستقل طور پر انھوں نے اپنا لیا ہے اور مسلسل برت رہے ہیں۔ اس لیے ہائیکو میں نعت کہنے کا منفرد اعزاز انھیں کو ملنا چاہیے۔

”نور السموات“ میں شامل نعت شریف کے بعض اشعار میں موضوعی تضاد پیدا ہو گیا ہے جو اس ممتزک موضوع کے لیے مناسب نہیں۔ علیم صبا نویدی نے باغ کے تلازمہ میں ایک نعت کہی ہے۔ اس نعت شریف کا آخری شعریوں درج ہے:

”کفر سے رشتہ ٹوٹ گیا
بھاگ خزاں کا پھوٹ گیا“ ۲۰

”بھاگ پھوٹنا“ محاورہ ہے جو بد قسمتی کے لیے کہا جاتا ہے۔ یہ محاورہ علیم صبانویدی نے یہاں غلط باندھا ہے۔ ایمان اگر بہا رہے تو کفر خزاں ہوا۔ ایمان کی آمد سے کفر کی بھی قسمت کھل گئی۔ محاورہ باندھنے کی دھن میں مفہوم میں تضاد پیدا ہو گیا۔

بہ حیثیت مجموعی علیم صبانویدی کی نعت گوئی جو مختلف شعری ہیئتوں میں موجود ہے، کے بارے میں پروفیسر سلیمان اطہر جاوید نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے صد فی صد اتفاق کیا جاسکتا ہے:

”علیم صبانویدی۔ یوں ہی پر شکوہ الفاظ بھاری بھر کم تشبیہات اور استعارات وغیرہ سے اپنے پڑھنے والوں کو مرعوب نہیں کرتے وہ سیدھی سادی زبان سیدھے سادے اشارات اور سیدھا سادا اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ ہاں تاثرات کی شدت، جذبات کی گہرائی اور احساسات کی ندرت سے ان کی شاعری خواہ غزلیں ہو کہ نظمیں، سانیٹ ہو کہ ہائیکو نظمیں، مزین ہوتی ہیں۔ نعتوں میں تو پاکیزہ جذبات و احساسات اور بھرپور ہیں۔“

بہ حیثیت مجموعی علیم صبانویدی کی نعتوں میں نئے انداز نئے اسلوب اور نئے احساسات کی بھرپور جلوہ سامانیاں موجود ہیں۔“ ۲۱

نعتیہ شاعری موضوعی حیثیت رکھتی ہے اسی لیے نعت کہنے کے لیے کسی مخصوص ہیئت پر انحصار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اردو شاعری کی تاریخ شاہد ہے کہ اردو شاعری کی مروجہ تمام اصناف میں نعت شریف کے مضامین ادا کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو شاعری میں نعت شریف زیادہ تر غزل کے فارم (Form) ہیئت میں کہی گئی ہیں۔

حوالے :

- ۱- ”عمود ہندی“ از مرزا اسد اللہ خاں غالب مرتبہ ڈاکٹر سید محمد حسین طبع دوم سنہ اشاعت ۱۹۷۲ء (ص: ۱۳)
- ۲- ڈاکٹر نجم الہدیٰ ”عکسِ اول“ مضمون مشمولہ ”مراۃ النور“ از علیم صبانویدی (ص: ۷۳)
- ۳- ”مراۃ النور“ از علیم صبانویدی (ص: ۵)
- ۴، ۵، ۶، ۷- ایضاً (ص: ۶)، (ص: ۱۰)، (ص: ۲۳)، (ص: ۶۸)
- ۸- ”نور السموات“ از علیم صبانویدی (ص: ۸، ۹)

- ۱۱، ۱۰، ۹ - ایضاً (ص: ۸)، (ص: ۲۳، ۲۲)، (ص: ۵۳، ۵۲)،
 ۱۳-۱۲ - ایضاً (ص: ۵۹، ۵۸)، (ص: ۶۱، ۶۰)
 ۱۴ - ”ن“ از علیم صبا نویدی مرتبہ پروفیسر محبوب پاشا (ص: ۱۳)
 ۱۵ - ”شعاع شرق“ از علیم صبا نویدی (ص: ۲۴)
 ۱۶-۱۷ - ”تشدید“ از علیم صبا نویدی (ص: ۱۱)، (ص: ۹)
 ۱۸ - ”سمت ساز“ از علیم صبا نویدی (ص: ۹)
 ۱۹ - ڈاکٹر گیان چند جین رائے مشمولہ ”نور السموات“ از علیم صبا نویدی (ص: گرد پوش)
 ۲۰ - ”نور السموات“ از علیم صبا نویدی (ص: ۵۳)
 ۲۱ - ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید رائے مشمولہ ”ن“ مرتبہ پروفیسر محبوب پاشا (ص: ۸۸)

ڈاکٹر رؤف خیر (حیدر آباد)

نعت گوئی کے بنیادی تقاضے

اللہ رب العزت فرماتا ہے ”کہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ خود اللہ تم سے محبت کرے گا۔ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“ (آیت ۳۱۔ آل عمران)

بندے کی عزت اسی میں ہے کہ وہ اپنے آقا کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ اطاعت کا حکم ایسی ہستی کے لیے دیا جا رہا ہے جسے چن لیا گیا ہے ایک اور جگہ ارشاد باری ہے۔
”وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے“ (سورہ جمعہ آیت ۲)

ایسی شخصیت جو انسانوں کو اللہ کا حکم اس کی نشانیاں دکھا کر اس سے جوڑتی ہو، انسانوں کو پاکیزگی کی تعلیم دے کر انہیں پاک کرتی ہو (جسمانی اعتبار سے بھی اور روحانی اعتبار سے بھی) اور جو تمام انسانیت کو حکمت کے ساتھ زندگی گزارنا سکھاتی ہو ایسی شخصیت بجائے خود نمونہ حیات بھی ہوتی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ایسی ہستی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اسی تعریف و توصیف کو ادبی اصطلاح میں ”نعت“ کہتے ہیں۔ علیہ السلام کی اصطلاح صرف اور صرف رسولوں اور پیغمبروں کے لیے مخصوص ہے۔ اسی طرح رسول اللہ کے صحبت یافتہ صحابیوں کے لیے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا ”رضی اللہ عنہم“ کہا جاتا ہے۔ غیر نبی کو علیہ السلام نہیں کہا جاسکتا اسی طرح غیر صحابی کو ”رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ نہیں کہا جائیگا یہ مخصوص اسناد وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔

جس طرح حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اسی طرح نعت صرف رسول اللہ کے

لیے مختص ہے۔ نعت کہنے کے لیے میرے خیال میں ایمان شرط ہے۔ بادشاہوں کے مبالغہ آمیز قصائد کی طرح نعت نہیں کہی جاسکتی۔ قصائد کا بنیادی مقصد جلبِ منفعت ہے اور نعت میں مادی غرض و غایت ایمان کے مغائر ہے۔ زبان پر کچھ دل میں کچھ ہو تو ایسی منافقت کا یہاں گزر نہیں۔ یہی سبب ہے اللہ رب العزت نے زبانی جمع خرچ والی محبت کی نفی کر کے شرط عائد کر دی ”کہ دیجیے اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو ہمارے رسول ﷺ کی تابعداری کرو“۔ گویا نعت کہنے کے لیے ایمان کا عملاً ثبوت دینا بھی ضروری ہے ورنہ یَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ کی زد میں آجانے کا ڈر ہے۔ نعت میں گہرائی و گیرائی اور اثر اسی وقت پیدا ہوگا جب نعت دل سے کہی جائیگی ایمان کے تقاضے کے طور پر جو تو صوفی کلمات زبان پر آئیں گے وہ سچے جذبات کے آئینہ دار ہوں گے۔

اوزان کا شعور نہ درک بخور ہے

شاعر تو بس تمہاری عقیدت میں چور ہے

ایسے بے شعور جذبہ اظہار کی پذیرائی بھی نہیں کی جاسکتی۔ عشق تو ہو لیکن اظہار عشق کا سلیقہ نہ ہو تو یہ غیر مستحسن ہی ٹھہرے گا۔ رسول اکرم ﷺ کی جناب میں تو آواز بلند کرنا بھی نہ صرف سوادب ہے بلکہ اہم ترین گناہ ہے۔

اعمال ہوئے جب جو اونچی ہوئی آواز

ایمان ہوا ضبط اگر اور مگر کی

یہاں ifs and buts کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تعمیل حکم ہی ایمان کی پہچان ہے۔ گویا اس ہستی کے حضور منہ کھولنے کے لیے الفاظ نرم اور لہجہ باوقار ہونا ضروری ہے ورنہ اعمال کے جبط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ خوش گوار الفاظ کا خوش کن معنوی اظہار جو بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ہو شریعت کا شناس نامہ ہے۔

اردو شاعری میں محبوب کا سراپا بیان کرنا ایک عام سی بات ہے اور اس سراپا نگاری میں شعراً نے اپنا اپنا کمال بھی دکھایا ہے۔

ناز کی اس کے لب کی کیا کہیے

پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

زلف و لب، ورخسار کی تعریف کا یہ روایتی شعری اظہار نعت میں بھونڈے پن کا مظہر ہوا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زلفوں کی تعریف، لب و رخسار کا ذکر اسی روایتی محبوب سے روایتی

عشق کا روایتی اظہار ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان کے منافی ہے۔

نعت میں رسول اکرم کی شخصیت کے پیغمبرانہ کردار کی عکاسی میں شریعت کے جوہر دکھائے جائیں تو وہ شعر و ادب کا شاہکار ہو سکتے ہیں۔ ایرانی اثرات کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کو بھی اردو شاعری کا معشوق بنا کر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ وہ مردِ کامل ہیں جو شجاعت و فراست کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اخلاق و کردار کی قابلِ تقلید مثال ہیں۔ اطاعت و بندگی کا کمال ہیں۔ نعت میں انہی خصوصیات کا اظہار تمام ترقی یافتہ رچاؤ کے ساتھ ہو تو نعت بھی اپنے مددِ روح کے شایانِ شان ہو سکتی ہے۔ ماہر القادری نے ایسی ہی نعت کا حق ادا کیا ہے۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقری کی
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بویا جس کا بچھونا تھا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب رسول اکرم ﷺ کے اخلاق و کردار سے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے سوال کیا تھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ گویا قرآن جو دستورِ حیات کے طور پر اتارا گیا ہے اس کا عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس رہی ہے۔ ایسی باعمل ہستی سے سچے عشق کا مطلب ہے اس کے نقشِ قدم پر چلنا اور نعت کا حق وہی ادا کر سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے عشق کا عملی ثبوت دیتا ہے ورنہ صرف لفاظی کو نعت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

میں بار بار یہ بات اس لیے دہرا رہا ہوں کہ جو لوگ غیر اللہ کو دیوتا، داتا فریادرس، مشکل کشا، حاجت روا سمجھتے ہوں یا جن کے پاس دولت کا خدا، علم کا خدا (لکشمی، سرسوتی وغیرہ) الگ الگ ہوں یا جو امام الانبیاء کو اپنا امام بنانے کے بجائے اپنے اپنے الگ الگ امام بنا لیے ہوں، ان کی نعت میں وہ خلوص دل آ نہیں سکتا جو خالص محمدی کی عقیدت میں ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کو حاجت روا مشکل کشا سمجھنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے مخلص بندوں کو بھی مشکل کشا سمجھتا ہو وہ اللہ کی حمد کس منہ سے کر سکے گا اسی طرح جو صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کو اپنا امام و مقتدا سمجھنے کے بجائے غیر نبی کا نقشِ قدم اختیار کرتا ہو اس کے منہ سے نعت اچھی نہیں لگتی۔

غیر نبی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا
دعویٰ ہی عشق کا ہے اگر مصطفیٰ کے ساتھ
اچھی نہیں یہ چار طرف جھانکنے کی خو
دیکھو کبھی رسولِ خدا کا نبھا کے ساتھ

مجھے معاف فرمائیں میں غیر مسلموں کی نعت سے خوش نہیں ہوتا یہ منہ دیکھے کی تعریف صرف
قافیہ وردیف کے حوالے سے توصیفی جذبات کا تہذیبی اظہار ہے۔ یہ کام علامہ اقبال نے بھی رام
کو امام ہند اور گروناک کو پنجاب کا موحد قرار دے کر کیا ہے۔ اقبال تو بڑے سیکولر آدمی تھے وہ ہر
مکتب فکر کے آدمی کو خوش رکھنے کا ہنر جانتے تھے۔ ان سے ہندو خوش، سکھ خوش، صوفی و کوئی
خوش، شیعہ و سنی خوش، حتیٰ کہ قادیانی بھی خوش۔

بدعتی اور خبیث بھی خوش تھے
ان سے اہل حدیث بھی خوش تھے

علامہ اقبال نے نعت پاک میں یقیناً اپنی پہچان بنائی ہے۔ شریعت کے معیار پر اقبال کا
کلام جس قدر پورا اترتا ہے اتنا ہی عقیدت کی مثال بھی ہے۔ اقبال نے اپنا مرد کامل رسول اللہ کی
ذات ہی کو قرار دیا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اقبال کی فکر خالص نعتیہ فکر ہے۔ انہوں نے اردو اور
فارسی میں اپنی عقیدت کی بے شمار مثالیں پیش کی ہیں۔ لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب، کہنے
والا قول فیصل کی طرح یہ کہتا ہے۔

بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

گر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

یہ حدیث اقبالی بھی حدیث قدسی کا درجہ رکھتی ہے کہ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

شریعت کے نام پر ہمارے بزرگ شعرا نے ہندوستانی تہذیبی اثرات کو نعت میں برتا ہے۔

مثلاً محسن کا کوروی کہتے ہیں۔

سمت کاشی سے چلا جانپ متھرا بادل

برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشران کریں سرو قدان گوکل
جا کے جہنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ عمل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
مگر جب نعت آگے بڑھتی ہے تو اک حسنِ تقلیب پیدا ہوتا ہے۔
جس طرف ہاتھ بڑھے کفر کے ہٹ جائیں قدم
جس جگہ پاؤں رکھیں سجدہ کریں لات و ہبل

اسی طرح دیو مالائی تصورات کے زیر اثر بھی نعت کہی گئی ہے۔ لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتَ
الْاَفْلَاكَ جیسی موضوع روایت آج ہر کس و ناکس کے دل دماغ پر مسلط ہے حالانکہ یہ روایت
صحاح ستہ تو کجا احادیث کے کسی بھی متداول ذخیرے میں موجود نہیں۔ قرآن و سنت سے نابلد علماء
و شعراء موضوعات کبیر کی اس من گھڑت روایت کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اقبال
سہیل جیسا سنجیدہ شاعر بھی کہتا ہے۔

آپ اگر مقصود نہ ہوتے کون و مکاں موجود نہ ہوتے اور مسجود نہ ہوتے آدم صلی اللہ علیہ وسلم
یہی حال قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی والی آیت کا ہے۔ سورہ نجم کا مطالعہ کریں اور کسی مستند
مفسر قرآن کی تفسیر پڑھیں تو پتہ چلے کہ دو کمائوں یا اس سے بھی کم فاصلے کا معاملہ اللہ اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین نہیں بلکہ جبرئیل اور رسول اللہ کے درمیان تھا۔ قرآن کے بجائے قوالی سے رغبت
رکھنے والے ذہن و دل اس میں بھی عجیب عجیب جلوئے دیکھتے ہیں۔ شریعت کا کمال بعض اشعار
میں ایسا بھرپور ہوا ہے کہ وہ اشعار یا مصرعے ضربِ اثل ہو گئے ہیں۔ جیسے۔

بلغ العلیٰ بکمالہ
حسنٰت جمیع خصالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
صلوا علیہ و آلہ
یا پھر وہ مشہور و ممتاز مصرع
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بزم آفندی کا یہ شعر ایرانی وارد و شعری روایت اور شریعت کی خوب مثال ہے۔

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
 ہجر و غم کہ خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا
 اس شعر پر بڑا سر دھنا جاتا ہے لیکن ذرا سا غور کریں تو اس میں اللہ میاں کی توہین کا پہلو بھی
 نمایاں ہوگا۔ اس میں شک نہیں شریعت میں حسن غلو سے پیدا ہوتا ہے لیکن مبالغہ مضحکہ خیز بھی لگتا ہے۔
 تاریخ و سیرت سے نابلد شعرا نے جھوٹی روایتوں پر اپنے شعر کی بنیاد رکھ کر ایسی ایسی کھوکھلی
 عمارتیں کھڑی کر دیں کہ ہنسی آتی ہے۔ اللہ کے رسول کی ذات کو غیر مرئی ثابت کرنے کے لیے
 پٹکے کے نکل آنے کا بیان، آدم علیہ السلام کا آسمان پر لالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مغفرت
 طلب کرنا، اللہ کے رسول کو اللہ سے جدا نہ سمجھنا یعنی انہیں احمد بے میم سمجھنا اور یہ کہنا۔ ے
 وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
 اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
 کچھ لوگ تو یہاں تک جرأت و جسارت کرتے ہیں کہ حج تو بہانہ ہے، دراصل جانا تو
 مدینہ ہے۔ ے

میں جھوٹ نہ بولوں گا ملا کے ڈرانے سے
 جاتا ہوں مدینے کو میں حج کے بہانے سے
 اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
 جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمد سے
 ایسے عقائد پر یہ خوش گمانی بھی ہے کہ۔ ے
 دوزخ میں میں تو کیا میرا سایہ نہ جائے گا
 کیوں کہ رسول پاک سے دیکھا نہ جائے گا
 ڈاکٹر ریاض مجید نے ایسی ہی اندھی عقیدت کو ہندوستانی اثرات کی مرہون منت ثابت کیا
 ہے جو وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے نام سے ویدانت کے فلسفے ہی کا ایک روپ ہے۔
 غیر مسلموں کے عقائد و رسوم و رواج سے مسابقت ہی کی وجہ سے اسلام ہندوپاک میں
 تباہ ہو رہا ہے۔ تصوف برائے شعر گفتن خوب است۔ اسی تصوف کی وجہ سے شعریت پیدا
 پہوتی ہے سیدھے سادے انداز میں سیرت نبوی بیان کر دی جائے تو چٹھارے کے عادی
 ذہن و دل کو سرور حاصل نہیں ہوتا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہمارے مشائخین بہر حال شاعر

بھی ہوتے ہیں۔ امداد اللہ مہاجر کی، قاسم نانوتوی، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا آبادی سب شاعر بھی گزرے ہیں۔

ہو آستانہ آپ کا امداد کی جنیں
اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسول
(مہاجر کی)

ولے یہ رتبہ کہاں مشیت خاک قاسم کا
کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بن کے غبار
(قاسم نانوتوی)

لے جائے گا منزل سے بہت دور بشر کو
جو جادہ سفر کا ترے جادے کے سوا ہے
(سلیمان ندوی)

مولانا محمد علی جوہر کی نعت کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے
کچھ شاعر ایسے گزرے ہیں جنہوں نے نعت گوئی میں عمر عزیز صرف کی۔ امیر مینائی،
بہزاد لکھنوی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، محسن کاکوروی وغیرہ۔ ان دنوں شعری مجموعوں میں
تبر کا ایک دو نعتیں رکھنے کا رواج عام ہے مگر سوال وہی سچی عقیدت کا ہے۔ جدید شاعر آنجہانی
پر کاش فکری کہتے ہیں۔

سہل ہے راستہ محمد کا
جل رہا ہے دیا محمد کا

یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **ہذا صراطی**
یہی وہ دیا ہے جس کی روشنی قیامت تک ختم نہ ہوگی۔ شعریت کوئی جامد چیز نہیں ہے۔ یہ خوش
مذاقی کا ایک اسلوب ہے اور خوش مذاقی کے معیارات بھی جدا جدا ہوتے ہیں۔ جدید شعرا آج
روایتی شعرا کی بہ نسبت زیادہ بہتر نعت کہنے لگے ہیں۔ اس کا سبب علم کی فراوانی ہے۔ پڑھا
لکھا طبقہ خدا اور رسول خدا میں تمیز کرتا ہے اور صدق دل سے رسول اللہ کے راستے کا طالب

ہے۔ وہ اپنی ذات کو رسول اکرم ﷺ پر قربان کر دینے کا جذبہ رکھتا ہے۔ ساتھ ہی جدید طرز اظہار سے آشنا ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں۔

دیکھو گے؟ آؤ تم کو دکھاؤں خدا کا رنگ
کردارِ مصطفیٰ میں ہے ربِ علا کا رنگ
دنیا کے رنگ پھیکے پڑے جس کے سامنے
وہ رنگ ہے تو صاحبِ غارِ حرا کا رنگ

(ندیم صدیقی)

ایک اُمی طبیب حاذق سے عصرِ بیمار نے شفا پائی

(تالش دہلوی)

منظف و ارثی کی مشہور و مقبول نظم ”مرا پیبرِ عظیم تر ہے“ کا یہ ایک بند ملاحظہ فرمائے۔

وہ خلوتوں میں بھی صف بہ صف بھی
وہ اس طرف بھی وہ اُس طرف بھی
محاذ و منبر ٹھکانے اُس کے
وہ سر بہ سجدہ بھی سر بہ کف بھی
کہیں وہ موتی کہیں ستارہ
وہ جامعیت کا استعارہ
وہ صبح تہذیب کا گجر ہے
مرا پیبرِ عظیم تر ہے

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (علی گڑھ)

افسر امروہوی اور ان کی نعت گوئی

افسر الشعراء مرزا افسر حسن بیگ افسر امروہوی، امروہہ کے ان چند خوش نصیب شعراء میں سے ایک ہیں جن کی شہرت و مقبولیت اور نعت گوئی کی خوشبو بیرون امروہہ بھی دور دور تک پھیل چکی ہے۔ نعت و مناقب کے مشاعروں میں وہ دور دراز کے شہروں تک اس ”ایوان شاعری“ کی نمائندگی کرنے جاتے رہے ہیں اور داد و تحسین و سرخروئی لاتے رہے ہیں۔

میں نے امروہہ کے ”ایوان شاعری“ کہا ہے تو یہ محض وطن دوستی اور حسن ظن نہیں بلکہ اس کی سند میں دبستان لکھنؤ کے نمائندے، محشر لکھنوی کا یہ شعر پیش کیا جاسکتا ہے۔

امروہہ در حقیقت ایوان شاعری ہے
مولد ہے مصحفی کا محشر ذرا سنبھل کر

در حقیقت کہہ کر محشر نے ہر قسم کے قیل و قال اور شک و شبہ کو ختم کر دیا ہے۔

افسر اپنی شاعرانہ عظمت کے علاوہ شخصی اور ذاتی حیثیت سے بھی بہت مقبول و محبوب ہیں۔ وہ باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ غم و آلام سے بھرپور اس دنیا میں وہ خوش رہتے اور خوش کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ ان کی پُر مزاح اور دلچسپ باتیں ان کی ملاقاتیوں کو ذہنی سکون و مسرت کا احساس کراتی ہیں۔ وہ درس و تدریس سے وابستہ رہے ہیں اور جون 2000ء میں گورنمنٹ انٹر کالج امروہہ سے انگریزی ادب کے لکچرر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ ان کی تاریخ پیدائش سرکاری ریکارڈ میں مئی 1942ء درج ہے، ممکن ہے وہ اس سے ایک دو سال قبل ہی خاموشی سے آگئے ہوں۔ بہر حال وہ خود عمر کے لحاظ سے بھلے ہی سٹھیا نے کی منزل میں پہنچ چکے ہوں لیکن ان کے فکر و فن عالم شباب سے گزر رہے ہیں۔ ان کی شاعری پر جو بن اور نکھار آ رہا ہے۔ ان کی دردناک اور عقیدت و محبت سے سرشار نعت و مناقب اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

دعوت چاہے وہ دعوتِ طعام ہو یا دعوتِ مشاعرہ افسر اسے ضرور قبول کرتے اور بہر صورت اس میں شرکت کرتے ہیں۔ موسم کی سختیوں اور طبیعت کی خرابیوں کے باوجود وہ نعت و مناقب کی محفلوں میں شرکت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ایسی مجالس میں اگر سخت گرمی، سردی یا آندھی بارش کی وجہ سے گنتی کے چند شاعر ہی شریک ہوں تو ان میں سے ایک افسر ضرور ہوں گے۔ طوفانی بارش کے دوران وہ پائپے چڑھائے، ایک ہاتھ سے چھتری لگائے اور دوسرے ہاتھ میں ٹارچ دبائے آتے ہوئے نظر آجائیں گے۔ اس حالت میں اور اس طرح سے شرکتِ نعت و مناقب سے ان کے غیر معمولی شغف کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس وقت وہ اگر یہ کہتے ہیں تو بجا کہتے ہیں۔

گوشِ برآواز ہوں جملہ غلامانِ رسول
نعتِ آقا کی سناتا ہے ثنا خوانِ رسول
ہُن برستا ہے سرِ محفل بہ فیضانِ رسول
جھولیاں پھیلائے بیٹھے ہیں گدایانِ رسول

نعتِ رسول سننے کو تم بھی ہو بے قرار

اور منتظر ہے رحمتِ پروردگار بھی

افسر، سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا اور ان کے مناقب بیان کرنے کو فرض تصور کرتے ہیں۔ وہ مناقبِ اصحاب کے بیان کو بھی نعت کا ہی ایک جزو مانتے ہیں اس لیے ہر نعت میں خلفائے اربعہ کی مدح بھی شامل کرتے ہیں۔ انہوں نے خلفائے راشدین کے مستقل مناقب بھی کثرت سے بیان کیے ہیں۔

افسر دبے پتلے اور چھریرے جسم کے ساتھ دراز قد ہیں۔ چہرے مہرے کی ساخت میں غیر ملکی نہیں ہندوستانی اثرات غالب ہیں۔ قدرے سانولا رنگ، ناک نقشہ ابھرا ہوا اور متناسب، چہرے پر داڑھی لیکن اس پر چند روز کے بڑھے ہوئے خط کا گمان ہوتا ہے۔ اب تو اکثر سادہ لباس اور کرتے پاجامے میں نظر آتے ہیں لیکن کالج کی آمدورفت کے زمانے میں پینٹ شرٹ، سوٹ ٹائی سبھی کچھ استعمال کر چکے ہیں۔ ایامِ جوانی میں مختلف کھیلوں خصوصاً والی بال کے بڑے شائق اور اس کے بڑے پُر جوش کھلاڑی تھے۔ غالباً انہوں نے پلانڈ فیملی کے اصول پر عمل کیا ہے۔ وہ صرف ایک نفر بیوی کے شوہر، ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کے والد ہیں۔ ان کے بیٹے دانش مرزا ڈاکٹر ہیں

اور اپنا کلینک چلا رہے ہیں۔

افسر کا تعلق مغلوں کے ایک معزز خاندان سے ہے۔ اس میں شبہ یوں نہیں کیا جاسکتا کہ محلہ چاہ غوری کی اس بڑی حویلی میں رہتے ہیں جس میں سبھی مکان مغلوں کے ہیں اور جس کے کیمینوں نے حویلی کے پھانک پر ”مغل گیٹ“ لکھوا کر اسے نشق کا لکچر بنا دیا ہے۔ ان کی تعلیمی استعداد بھی غیر معمولی ہے وہ انگریزی اور اردو ادب کے علاوہ سیاسیات میں بھی ایم۔ اے۔ ہیں اور بی۔ ایڈ بھی۔ انہوں نے درس و تدریس کے فرائض یو۔ پی کے مختلف شہروں کے گورنمنٹ انٹر کالجوں میں ادا کیے ہیں۔

افسر نعت گوئی میں مفتی نسیم احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ اکثر مقطعوں میں انہوں نے فریدی صاحب سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔ عقیدے اور مسلک کے اعتبار سے ان کا رجحان ”صلح کل“ کی طرف ہے، وہ عقیدے اور مسلک سے وابستگی کے نہیں، حب رسول ﷺ کے قائل ہیں۔ انہیں جہاں بھی اور جس میں بھی حب رسول نظر آتا ہے وہ وہاں جاتے ہیں اور اسی کو قدر مشترک مان کر تعلق قائم کرتے ہیں اسی لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

معتقد اشرف ہو، چاہے رضا کا ہو مرید

وہ کھرا ہے جس کے دل میں ہے محبت آپ کی ﷺ

محبت اصل ایمان ہے، حب رسول ﷺ ہی کھرے کھوٹے کی کسوٹی ہے اسی لیے وہ کسی شخص کے عقیدے و مسلک کو نہیں اس میں حب رسول ﷺ کی کیفیت و کمیت کو دیکھتے ہیں اور یہ گنج گراں مایہ کم ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ افسر کے خیال میں یہ محض خدا کی دین ہے۔

قید مسلک کی نہیں، شرط عقیدے کی نہیں

جانے کس وقت وہ کس دل میں محبت رکھ دے

کوئی بھی مسلک ہو، گمراہی کا امکان ہی نہیں

آدمی کو صدق دل سے ان کا ہونا چاہئے

وہ علم و فضل، عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کو حب رسول ﷺ کے بغیر بے معنی و بے کار

سمجھتے ہیں، وجہ نجات تو بس حب رسول ﷺ ہے۔

عشق شرط ہے، ورنہ کچھ نہ کام آئے گا

زہد کیا، ریاضت کیا، علم کیا، عبادت کیا

علم بے نور ہے سجدے بھی ہیں بیکار اگر
 آپ ﷺ کی خاک کفِ پا نہیں سر پر آقا ﷺ
 جن کے سینوں کو میسر ہے محبت ان کی
 زہد ان کا ہے، عمل ان کے، عبادت ان کی
 اپنے مسلک کو صحیح اور دوسرے مسالک کو غلط سمجھنا فطری بات ہے لیکن اس کے لیے پُر تشدد
 حرکات پر آمادہ ہونا اور تعصب و تنگ نظری کا مظاہرہ کرنا معیوب و مذموم ہے اسی لیے افسر اللہ و
 رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

جس کو دیکھو اپنے مسلک کو بتاتا ہے کھرا
 فیصلہ تو حشر میں ہوگا تمہارے سامنے
 افسر اسلام کو ہمہ گیر اور آفاقی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تمام
 نوع انسانی کا مقتدا و پیشوا مانتے ہیں۔ اس لیے اسلام اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو
 بریلی اور دیوبند جیسے چھوٹے چھوٹے خانوں میں منقسم اور مقید کرنے کے لئے تیار نہیں۔

دیوبند اور بریلی میں مقید ہو جائے
 اتنا چھوٹا نہیں اسلام رسول ﷺ عربی
 دیوبند اس کو بتاؤ یا بریلی تم کہو
 ہم کو ساقی سے غرض ہے کچھ ہوئے خانے کا نام
 آج انسان مختلف مذاہب اور مسالک میں منقسم ہیں، ان کی تنگ نظری خود کو ان گھروندوں میں
 مقید رکھ کر خوش ہے حالانکہ سب سے بڑا شرف تو انسانیت و شرافت ہے اور جو صحیح معنوں میں
 انسانیت و شرافت سے مشرف ہوگا، حب رسول سے بھی سرشار ہوگا۔ اسی لیے افسر یہ التجا کرتے ہیں۔
 وہابی کوئی، کوئی بدعتی ہے

مرے آقا، مجھے انسان رکھنا

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں حرف آخر تو یہ ہے۔ ”بعد از خدا بزرگ
 توئی قصہ مختصر“ مگر منطق و فلسفہ زدہ علماء نے آپ کی حیثیت و مقام، آپ کے علم، آپ کی نظیر، آپ
 کے اختیارات وغیرہ پر طرح طرح کے سوال اٹھائے ہیں، صد ہاتسم کی قیل وقال کر کے کتنے ہی فتنوں
 اور جھگڑوں کو جنم دیا ہے۔ یہی لوگ امت کی تقسیم و حرب عقائد کا ذریعہ بنے ہیں لیکن ایک محب صادق

ان جھگڑوں اور مباحث سے دور و نفور رہتا ہے بقول اقبال۔
 قدر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
 بقیہ شہرِ قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا
 ایک محبِ صادق کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے بعد آپ افضل ترین، بزرگ
 ترین، علم ترین، بے مثل و بے نظیر اور صاحب اختیار ہیں۔ افسرِ لایعنی بحثوں سے بچتے ہیں لیکن
 ان کا حبِ رسول حق گوئی و بے باکی کے ساتھ ان حقائق کو نظم کراتا ہے۔
 خالق کونین نے کتنا دیا ہے، دیکھئے
 جتنا سب کا بھی نہیں اتنا مرے سرکار کا

رب ہے رب العالمین، وہ رحمۃ للعالمین
 اس کا ثانی بھی نہیں اور ان کا ثانی بھی نہیں
 پہلے تو بے کنار کہو پھر کہو یہ بات
 ہیں علم و آگہی کا سمندر مرے رسول ﷺ

کوئی ثانی ہی نہیں جب خالق اکبر ترا
 کیوں نہ ہو محبوب تیرا بے نظیر و بے عدیل

اس امتیاز کے شایاں ہیں صرف دو ذاتیں
 خدا سا کوئی، نہ ہے کوئی مصطفیٰ جیسا

خالق کی بے مثالی کا سب سے بڑا ثبوت
 محبوب ہے کہ اپنی جگہ بے نظیر ہے
 افسر ”بعد از خدا بزرگ“ پر یقین کامل رکھتے ہیں اور کسی مباحثہ میں پڑے بغیر کہتے ہیں۔
 لمبی بحثوں میں نہ پڑنا بات بالکل صاف ہے
 ہیں خدا کے بعد قصہ مختصر آقا مرے

تخلیق کائنات، مخلوق کی حیات و ممات، نفع و نقصان فعل خداوندی ہے جس میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں۔ اطاعت و عبادت مخلوق کا فعل ہے اور خالق اس سے بری ہے لیکن اللہ کے محبوب سے محبت، ان پر صلوٰۃ و سلام اور ان کی مدح و ثنا وہ قدر مشترک ہے جو خالق و مخلوق میں یکساں پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف خود آپ کی مدح و ثنا کی اور صلوٰۃ و سلام کے نذرانے ارسال کئے بلکہ مخلوق کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اہل ایمان اور اہل محبت آپ کے حضور بے شمار صلوٰۃ و سلام کے نذرانے پیش کرنے اور طرح طرح سے مدح و ثنا کرنے، سیرت طیبہ بیان کرنے اور نعت گوئی کا فرض ادا کرنے کے باوجود مکما حقہ اس فرض کو ادا کرنے سے قاصر ہیں اور اس لیے قاصر ہیں کہ آپ کی ذات والا صفات کو مکما حقہ سمجھنے سے قاصر ہیں اور یہ مجبوریاں اس لیے ہیں کہ خود آپ کے فرمان والا شان کے مطابق ذات رحمت للعالمین کو رب العالمین کے سوا کوئی سمجھ ہی نہیں سکا۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

”یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقتی غیر ربی“

(اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا اور کسی نے نہ پہچانا) اسی لیے میرا فقی کاظمی

کہتے ہیں۔

بیاں ثنائے محمد ہو کیا ثنا کی طرح

کہ جانتا نہیں کوئی انہیں خدا کی طرح

حضرت رؤف اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

میری نہ یہ مجال ہے میرا نہ یہ مقام ہے

نعت حبیب کبریا صرف خدا کا کام ہے

افسر اسی حقیقت کے پیش نظر کہتے ہیں۔

کام بس اللہ کا ہے مدحت ذات رسول ﷺ

اور کوئی جانتا کب ہے مقامات رسول ﷺ

کوئی مداح کب سمجھا حقیقت میرے آقا کی

خدا واحد ہے جس نے کی ہے مدحت میرے آقا کی

کوئی بندہ سمجھ سکتا نہیں عظمت محمد کی

لہذا بس خدا کا کام ہے مدحت محمد کی

اللہ جانے عظمت کردارِ مصطفیٰ
ہم کیا کریں گے مدحت سرکارِ مصطفیٰ
اس میں کوئی شک نہیں کہ نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی مشکل کام ہے بلکہ بقولِ عرتی
تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحر است
آہستہ کہ رہ بر سر تیغ است قدم را
وجہ یہ ہے کہ نعت گوئی جہاں سعادت و رحمت کا باعث ہے وہیں ذرا سی لغزش سے قعصر
مذلت میں گرنے کا بھی امکان ہے بقولِ افسر۔

مخاطب نہ رہیے تو جہنم ہی ملے گا
مدحت مرے سرکار کی آسان نہیں ہے
لیکن بہر حال حب رسول ﷺ کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی جسارت ضرور کی جائے اور اس
خطرے کو بخوشی اٹھایا جائے بقولِ افسر۔

کام جو سب سے کٹھن ہے، ان کی مدحت ہی تو ہے
پھر بھی میں مدحت سرا ہوں، یہ جسارت ہی تو ہے
آپ کے دورِ مسعود سے اب تک بے شمار شعراء نے نعت گوئی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی
ہے لیکن کون ایسا سنخوڑ ہوا ہے کہ جو یہ دعویٰ کر سکے کہ واقعی اس نے نعت گوئی کا حق ادا کر دیا۔ اسی
لیے افسر کہتے ہیں۔

حق ادا مدحت سرکار دو عالم کا کرے
ہم نے دیکھا نہ سنا ایسا سنخوڑ کوئی
نعت گوئی ہو یا سیرت نگاری، ان کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ جس میں شامل ہونا قابلِ فخر،
وجہ ناز اور سعادت دارین کا باعث ہے۔ بھلا جس سلسلہ میں سرفہرست خود ذاتِ رب العالمین ہو
اس میں شامل ہونا کیوں کر باعثِ فخر نہ ہوگا بلکہ اس افتخار پر افسر تو غرور جیسی مذموم حرکت کو بھی
جائز و روا رکھتے ہیں۔

ممدوح رب کا میں بھی ہوں مداح دوستو!
اس افتخار پر تو ہے جائز غرور تک

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حمد و ثنا اور عبادت و ریاضت سے بے نیاز ہے۔ حسن نیت کے ساتھ چھوٹا سا عمل اور تھوڑی سی بھی عبادت باعثِ خیر و برکت اور مسعود ہے لیکن نامِ نمود کے لیے کیا گیا بڑا کام اور ایسی عبادت و ریاضت جس سے غرور زہد پیدا ہو جائے مذموم و مردود ہے۔ ایسی عبادت و ریاضت صدیوں پر بھی محیط ہو تو بے ثمر ہے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق قیامت میں غرور زہد کی بنا پر بہت سے عابد و زاہد و اصل جہنم ہوں گے اور عقیدت و محبت اور صدق دل سے پڑھا ہوا ایک بار کا کلمہ یا درود شریف میزانِ کو اجر و ثواب کی طرف جھکا دے گا اور وجہِ نجات بن جائے گا۔ افسرِ پسند خاطر ہونے والے ایک شعر کو بھی نجاتِ اخروی کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

ڈھیر ساری نیکیاں زاہد پہ تھیں اور میرے پاس

نعت کا ایک شعر تھا جو پیشِ داور رکھ دیا

افسر جانتے ہیں کہ ان کی مدح و ثنا کا حق تو بھلا کس سے ادا ہو سکتا ہے البتہ نعت گوئی ذریعہ نجات ہو سکتی ہے اس لئے وہ نعت گوئی میں مشغول ہیں۔

وہ تو یہ ہے حشر میں اک آسرا ہو جائے گا

مجھ سے کیا ان کی ثنا کا حق ادا ہو جائے گا

وہ نعت گوئی کو اس لیے بھی اختیار کیے ہوئے ہیں کہ ان میں نور ہی نور ہے جو ہر قسم کی ظلمت کا فور کر سکتا ہے اسی لیے کہتے ہیں۔

دور کر دیتی ہے ساری تیرگی نعت نبی

ذہن کی، دل کی، لحد کی روشنی نعت نبی

شہرِ محبوب کی حاضری، کوچہِ محبوب میں چہل قدمی اور روضہِ محبوب کی زیارت کی آرزو اور تمنا کس محبت کے دل میں نہ ہوگی؟ کون سا عاشق ان کے ہجر میں تڑپتا نہ ہوگا لیکن یہ مواقع اور وصال کچھ ہی خوش نصیبوں کا مقدر ہوتے ہیں۔ ہجر و وصال، قربت و فرقت اور محبت و نفرت مقدر سے ہے۔ بلال و صہیب و سلمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) دور دراز کے ملکوں سے آ کر شراب و صل کی لذتوں سے شاد کام ہوئے لیکن اولیس تھوڑے سے فاصلے کے باوجود محروم و مجبور ہی رہے۔ ابو جہل و ابولہب جیسے کفار ان مکہ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود نفرتوں میں غرق رہے لیکن اولیس قرئی بغیر زیارت اور سنے سنائے پر ہی ایسے عاشق ہوئے کہ سید العشاق قرار پائے۔ دراصل محبت کے لئے قرب مکانی و زمانی نہیں تعلق قلبی ضروری ہے۔ افسر نے بہت ہی صحیح کہا ہے۔

ہند میں رہ کے کوئی ان کے قریں ہوتا ہے
دور ہوتا ہے سر گنبد خضرا کوئی
دیکھنے والوں میں بوجہل و عمر دونوں ہی تھے
صدق دل سے جس نے دیکھا ان کا شیدا ہو گیا

زیارت حرمین شریفین کے لیے دولت و ثروت بھی درکار ہے اور توفیق الہی بھی بلکہ توفیق الہی ہو تو اسباب و وسال خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔ دولت و ثروت کی عدم موجودگی اور مواقع سے محرومی کی صورت میں محبت صادق ان مقامات کی زیارت کی کوشش عالم تصور میں ہی کرتا ہے۔ قوت متصورہ جس قدر قوی ہوگی، زیارت اسی قدر واضح ہوگی اور پھر ایک ایسا وقت بھی آ جاتا ہے جب اسباب ظاہری کے بغیر وہ جب چاہے زیارت سے مشرف ہو سکتا ہے اور جتنی بار چاہے بلا روک ٹوک حاضر ہو سکتا ہے۔ افسر نے غالباً اپنی قوت متصورہ کو اسی قدر قوی کر لیا ہے اسی لیے وہ یہ دعوے کر سکتے ہیں۔

طیبہ کو ایک دن میں کئی بار جاؤں میں
مجبوریوں کے ساتھ ہے یہ اختیار بھی
ہزار بار گیا ہوں نبی کے روضے پر
کئی ہے عمر تصور میں یہ سفر کرتے
یہ تو میں جانوں، مرے سرکار جانیں اور بس
ہو کے آیا ہوں میں کتنی بار ان کے شہر میں
امروہہ میں گھر ہے یہ حقیقت ہے مگر ہم
رہتے ہیں شب و روز مدینے میں تمہارے
کبھی تصور سے تسلی نہیں ہوتی اور درد ہجر ستاتا ہے تو اس طرح التجا کرتے ہیں۔
یا مجھے بلوایئے یا ان میں شامل کیجئے
دور رہ کر بھی جنہیں حاصل ہے قربت آپ کی

عقیدت و محبت کی نگاہیں محبوب کی ایک ایک چیز کی محبت سے دیکھتے ہیں۔ محبت اس کے نقش پاکو، اس کے آستانے کو چومنے پر آمادہ کرتی ہے، وہاں کی خاک کو بھی سرمہ چشم بناتی ہے یہاں تک کہ سگ کو چہ محبوب بھی عزیز اور پیارا لگتا ہے۔ اہل ظاہر اور جذبہ محبت

سے یگانہ افراد اس کو حماقت اور جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔ نام و نہاد اہل شریعت عقیدت و محبت کے ہر فعل پر شرک و بدعت کے فتوے لگا دیتے ہیں، یہ لوگ عقیدت اور عقیدے کے فرق یا عقیدت اور عبادت میں فرق نہیں سمجھتے۔ عبادت تو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے لیکن عقیدت کے مراکز بہت سے ہو سکتے ہیں ہاں یہ مراکز اللہ اور اللہ والوں سے منسلک ہونے چاہئیں۔ افسر ایسے لوگوں سے بباغ دہل کہتے ہیں۔

شرک کیا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں، مگر اس در کے پاس
سر تو خود جھکتا ہے پیارے، سر جھکا تا کون ہے
اور کیا ہوتی گدائے مصطفیٰ کی آرزو
آرزو میں آرزو بس خاک پا کی آرزو
ہر تعلق ٹوٹ سکتا ہے مگر وہ ربط خاص
جو جبین شوق کو اس نقش پا کے ساتھ ہے

شریعت اور طریقت میں کیا تعلق ہے۔ دونوں کے مقاصد اور حدود کیا ہیں، دونوں میں کیا فرق ہے؟ یہ سب بڑے طویل اور پیچیدہ مباحث ہیں۔ کثرتِ تعبیر نے انہیں اور بھی الجھا دیا ہے۔ مختلف قسم کی تعریف اور تعبیر نے انہیں عوام تو کیا خواص کی دسترس سے بھی دور کر دیا ہے حالانکہ مختصراً کہا جائے تو دونوں کا حاصل ہے اتباعِ رسول ﷺ یعنی آپ کے نقش قدم پر چلنا۔ آپ کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا اور اپنے کردار و گفتار کو آپ کے بنائے ہوئے سانچوں میں ڈھالنا۔ افسر کے ایسے ہی مختصر الفاظ و انداز میں شریعت و طریقت کی تعریف پیش کی ہے۔

ان کے نقش پا ڈھونڈو ان کے نقش پا چومو
اور ہے شریعت کیا، اور ہے طریقت کیا
کوئی رستہ ہو وہ دامنِ رحمت تھامنا ہوگا
شریعت میرے آقا کی، طریقت میرے آقا کی

جب حب رسول ہوگا اور جذبہ صادق کے ساتھ ہوگا تو پھر ہر وقت آپ کا تصور اور آپ کی یاد محبت صادق کا احاطہ کئے رہے گی اور جب یہ در مقصود حاصل ہو جاتا ہے جو حاصل حیات ہے تو پھر اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے، اس کے بعد تو محبت صادق پر عالم سکوت اور عالم سکون طاری ہو جاتا ہے، لب بند ہو جاتے ہیں اور چشم وا۔ پھر تو کھلی آنکھوں سے محبوب کا دیدار ہوتا رہتا

ہے۔ افسر نے اس نفسیاتی کیفیت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے۔

جب در مقصود مل جائے تو سل جاتے ہیں لب

یہ بتائے کون کیا دیتی ہے پیغمبر کی یاد

دھڑکنے کا سلیقہ بھی، حرارت بھی، عقیدت بھی

دلوں کو دل بناتی ہے محبت میرے آقا کی

انتہائے محبت میں محبتِ تنہائی پسند ہو جاتا ہے، اسے خلوت میں سکون ملتا ہے کیونکہ جلوت اور محفل اس کے تصور محبوب میں خلل انداز ہوتی ہے۔ یوں تو یہ تصور ہمہ وقت محیط رہتا ہے لیکن جذبہ عشق میں مدوجز بھی ہوا کرتے ہیں۔ جب جذبہ شدت وحدت سے ابھرتا ہے اور اس پر ایسی تنہائی و بے خودی طاری ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی محسوس کر لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھلے ہی یہ کیفیت خلل دماغ یا جنون کی کیفیت ہو لیکن عاشق صادق کو اسی میں سکون ملتا ہے۔ اس نفسیاتی کیفیت کو افسر نے اس طرح پیش کیا ہے۔

پھر خیال سرور کو نین آیا ذہن میں

پھر بھری محفل میں دیوانے کو تنہا کر دیا

سیرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثالی اور معیاری سیرت اور نمونہ عمل ہے۔ دشمنان دین اور شاتمِ رسول نے اس پر بہت کچھ خاک اڑانے اور اسے دھندلانے کی کوشش کی ہے اور کر رہے ہیں مگر بھلا چاند پر کوئی خاک ڈال سکا ہے بلکہ کہتے ہیں کہ چاند پر تھوکا تو اپنے ہی منہ پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت طیبہ کے جواہر نے دشمنانِ اسلام سے بھی خراج تحسین وصول کیا ہے۔ ولیم میور اور پروفیسر مارگولیتھ جیسے متعصب مؤرخین سے بھی سیرت پاک کے روشن و تابناک پہلو نظر انداز نہ ہو سکے، وہ بھی گلہائے عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوئے۔ اسی کے پیش نظر افسر کہتے ہیں۔

دھوڈ اُڑتی تھی، اُڑتی ہے، اُڑتی رہے

آئینہ آپ تھے، آئینہ آپ ہیں

آئینہ ہے آئینہ سیرت مرے سرکار کی

آئینہ جو دیکھ لے گا آئینہ ہو جائے گا

فی الحقیقت جو لوگ خود کو سیرتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں وہ

بھی آئینے کی طرح محلی و مصفی ہو جاتے ہیں۔

خلقِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال اولادِ آدم میں سے کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکا اور یہ کیوں نہ بے مثال ہوتا کہ آپ تکمیلِ اخلاق کے لئے ہی تشریف لائے تھے۔ آپ کے لب و لہجے، رفتار و گفتار اور کردارِ عمل سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ آپ کی شیریں مقالی ضرب المثل تھی اسی لیے افسر نے کہا ہے۔

لہجہ وہ ہے کہ مل نہیں سکتی کہیں مثال

خود قد خود ہی قد مکرر مرے حضور

مقالہ طویل ہوتا جا رہا ہے لیکن گلشنِ افسر کی رنگارنگی اس کی متقاضی ہے، اس کا ہر گوشہ یہی کہتا ہے۔

”کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جا است“

بہر حال اس گفتگو کو مختصر اور آئندہ کے لیے موخر کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ افسر نعت گوئی میں اپنا ایک اہم اور منفرد مقام بنا چکے ہیں اور اب ”سرمایہ“ شائع کر کے اپنے سرمایہ دار ہونے کا اعلان و اعتراف بھی کر رہے ہیں، اس میں شک نہیں کہ افسر ظاہری اور روایتی سرمایہ دار نہ ہونے کے باوجود ایسے لازوال سرمایہ کے سرمایہ دار ہیں جسے نہ کوئی چھین سکتا ہے اور نہ چُر اسکتا ہے۔ خدا کرے کہ وہ اپنے سرمایہ میں تادیر اضافہ کرتے رہیں۔ اس سدا بہار چمن میں دلفریب و لآویز اور خوبصورت تختہ ہائے گل تیار کرتے اور مجبانِ رسول کے لیے حسنِ نظر اور فردوسِ گوش کا سامان مہیا کرتے رہیں۔ آمین ثم آمین بجاہِ رحمت للعالمین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ اجمعین۔

31 مارچ 2016ء 21 جمادی الآخر 1437ء بروز جمعرات بمر 74 سال داعی اجل کو

لبیک کہا اور حمد و نعت کا صلہ لینے پہنچ گئے، وہاں، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا لیکن فضلِ ربی شامل حال ہو تو وہاں عیش ہی عیش ہوتا ہے۔

الحاج سید محمد مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور)

خانوادہ قادری کے اکابرین کی نعتیہ شاعری

نعت بڑی ہی نازک صنف ہے اور نعت گوئی کا شرف اللہ تعالیٰ سب کو عطا نہیں کرتا بلکہ جس پر اللہ رب العزت کا خاص کرم ہوتا ہے وہی نعتیہ شاعری کر سکتا ہے۔ عربی میں ”نعت“ کے معنی توصیف و تجید اور تعریف و بزرگی کے ہیں۔ عام طور پر لفظ نعت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف و توصیف کے لئے بولا جاتا ہے۔ حضرت حسان، حضرت کعب، حضرت ابن رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نعتیہ اشعار بہت مشہور ہیں۔ صحابہ سے لیکر تائیں دم تمام اہل ایمان حسب توفیق جناب رسول اکرم ﷺ کی شان بیان کرتے آئے ہیں جس کا اظہار کبھی نعت کے اشعار کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی نثر کی عبارت کی صورت میں اور کیوں نہ ہو جبکہ آں حضور ﷺ سے عقیدت و محبت جزو ایمان ہے۔ اہل ایمان کا نبی مکرم ﷺ کے ساتھ تعلق روحانی ہے لہذا آپ کی مدح و توصیف ایمان و ایقان اور محبت قلبی کا تقاضہ ہے اور یہی ایمان کی افزودگی اور معراج کمالِ مومن ہے۔ آں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ وَالِدِهِ وَ وَلَدِهِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ یعنی تم میں سے اُس وقت تک کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ محبت کا تقاضہ تھا کہ تمام اہل ایمان آں حضور ﷺ کی مدح و توصیف میں رطب اللسان رہے۔ حضرت حسان بن ثابت جو شاعر رسول کے معززِ لقب سے ملقب ہیں فرماتے ہیں۔

و اجمل منك لم ترقط عینی
و اکمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرا من كل عیب
کانک قد خلقت کما تشأ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس میں آپ نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

وما مدحت محمداً بمقالی

وکن مدحت مقالی محمد

نعت گوئی رسول کریم ﷺ سے انتہائی قلبی تعلق اور بے پناہ محبت کی طالب و متقاضی ہے اس میں سرشاری و سرمستی کے ساتھ شعور و ادراک کی ہم سفری بھی نہایت ضروری ہے۔ نعت کہنے والے جس شاعر کو یہ سب چیزیں ودیعت ہوئی ہوں وہی کامیاب نعت گو ہو سکتا ہے۔ المختصر ذیل کے مضمون میں ہم خانوادہ قادری کے اکابرین کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیں گے۔

تعارف خانوادہ قادری:

خانوادہ قادری نے گزشتہ کئی صدیوں سے دینِ متین اور ملک و ملت کی بے لوث خدمات انجام دی ہیں۔ اس خانوادہ کے افراد نے ہندوستان کی آزادی میں بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس خانوادہ سے علم و عمل کی جو کرنیں پھوٹیں انہوں نے ہندوستان کے علاوہ دنیا کے بہت سے دوسرے ممالک کو بھی روشن کیا۔ تصنیف و تالیف شعر و سخن درس و تدریس واعظ و نصیحت اصلاح و ارشادات اور رشد و ہدایت کے ذریعے عوام کی خدمت ہر دور میں اس خانوادہ کا نمایاں کارنامہ رہا ہے۔

خانوادہ قادری کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید محمد شیر الدین رحمۃ اللہ علیہ ملکِ عرب سے ۳۸۱ھ مطابق ۹۹۲ء میں ملتان اور جالندھر ہوتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے پہلے ہدایوں میں قیام کیا اور بعد میں موضع مالوں ضلع شاہ جہاں پور میں مستقل رہائش اختیار کی۔ آپ کا سلسلہ نسب نبی کریم ﷺ کی نوکریں پشت میں بنی لوئی سے ملتا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”خطبات احمدیہ“ مولف سر سید احمد خاں مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔

گزشتہ کئی صدیوں میں اس خانوادہ کی نمایاں شخصیات میں جو شہرتِ فخر ملک و ملت صدر جمہوریہ اعزاز یافتہ حضرت الحاج قاری سیدنا، مولانا پنڈٹ بشیر الدین قادری شاہ جہاں پوری قدس سرہ کو نصیب ہوئی وہ دوسرے کسی فرد کے حصے میں نہیں آئی۔ آپ بیک وقت کئی خوبیوں کے مالک تھے، اسلامیہ انٹر کالج، شاہ جہاں پور میں درس و تدریس سے منسلک رہے۔ مختلف زبانوں پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ آپ کی اعلیٰ علمی اور ملی خدمات کے صلے میں حکومتِ ہند کی جانب سے بدستِ صدر جمہوریہ جناب سروپلی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے قومی اعزاز National Award

مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو عطا کیا تھا۔ وزیر اعظم جناب پنڈت جواہر لال نہرو نے آپ کی سنسکرت زبانوں پر عبور اور بیدوں پر تحقیقی کارناموں کو دیکھ کر ”پنڈت“ کے خطاب سے نوازا تھا۔ آپ تصانیف کثیرہ کے مالک تھے۔ آپ کی مایہ ناز تصنیف ”تاریخ ہندی قرون وسطیٰ“ ہندوپاک کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی مشہور ہے۔ آپ ایک فقیر منش اور درویش صفت انسان تھے۔ ساری زندگی شریعت و طریقت کی تصویر بن کر رہے۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بشارت کے مطابق ۱۲ رثوال المکرم ۱۳۸۸ھ کو حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری بدایونی دام القباکم سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ، مجیدیہ، بدایوں شریف نے درگاہ عالیہ، قادریہ میں عرس قادری، قدیری میں قل شریف سے قبل خلافت و اجازت سے نوازا تھا۔ اس کے بعد آپ نے شاہ جہاں پور میں خانقاہ عالیہ، قادریہ، بشیریہ، قائم کی یہ خانقاہ آج بھی رشد و ہدایت کی مرکز ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے نجانہ مجاہد۔ مولف نواب قادری۔ حیدر آباد)

ذیل کے مضمون میں ہم آپ کے ہی صاحبزادگان کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کریں گے۔

۱۔ سید محمد استخار الدین قادری یعقوب:

آپ الحاج قاری سیدنا، مولانا پنڈت بشیر الدین قادری شاہ جہاں پوری قدس سرہ کے خلف اکبر ہیں جو اس وقت آپ کی یادگار ہیں۔ بجنور انٹر کالج میں بحیثیت انگلش لکچرار درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد اس وقت ادبی اور علمی کارناموں میں مصروف ہیں۔ آپ کو اپنے والد ماجد سے خلافت و اجازت بھی حاصل ہے۔ حضرت یعقوب صاحب کے شعری دیوان ”قصر جاں“ میں پروفیسر خالد حسن خاں رقم طراز ہیں:-

”یعقوب صاحب کی وسعتِ نظر، ذوقِ مطالعہ، شوقِ مشاہدہ، تنقید و ترجمہ اور بحور و اوزان کی دقیقہ رسی ایسی خداداد صلاحیتیں ہیں جن کے طفیل ان کی علیست، ادبیت، شعریت اور صلاحیت کی گونج نہ صرف شاہ جہاں پور، بدایوں، بجنور، میرٹھ، دہلی بلکہ اردو کے دور دراز علاقوں میں محسوس کی گئی۔ ان کی طبعیت میں متانت و قناعت، سنجیدگی و بردباری، مشق و محنت، ریاضت و عبادت حکم و علم کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ جس کے سبب ان کے خامہ گوہر فشانہ پر کبھی جھنجھلاہٹ اور غصہ کے تیور ظاہر نہیں ہوتے ہیں مزاج میں استقلال طبعیت میں صلح جوئی فکر پر سفلیت کے بجائے عقلیت بلکہ شعریت غالب ہے کسی بھی شخص و شاعر کے لئے یہ خوبیاں اس کی

سحریت اور شعریت کے لئے کافی ہیں۔ اپنی انہیں خوبیوں محبوبوں اور کمالات کے باعث یعقوب صاحب جس محفل میں ہوتے ہیں وہاں اپنی خوش کلامی اور شعر خوانی کا نہ صرف علم بلند کرتے ہیں بلکہ باذوق سامعین اور اپنے ہم عصر شاعروں کو بھی متاثر کر دیتے ہیں۔“

حضرت یعقوب کے چار دیوان اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں (۱) دھڑکنیں مطبوعہ ۱۹۶۵ء (۲) سازِ دل (مجموعہ قطعات و رباعیات) مطبوعہ ۱۹۷۲ء (۳) لمحہ آگہی (اردو اکیڈمی۔ لکھنؤ سے انعام یافتہ) مطبوعہ ۲۰۱۰ء (۴) قصرِ جاں مطبوعہ ۲۰۱۵ء جہاں آپ نے دیگر اصناف میں طبع آزمائی کی ہے وہیں آپ بہترین نعت گو شاعر بھی ہیں۔ علم الحساب میں ۹۲ کا عدد کائنات عالم کی ہر شے میں دیکھ کر آپ نے فرمایا۔

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا،
 نہ سورج چمکتا نہ تارے دکتے
 نہ کلیاں چمکتیں نہ غنچے مہکتے
 فضا مسکراتی نہ طائر چہکتے
 نہ پانی برستا نہ چشمے چھلکتے
 ”محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا،“
 مناظر نہ ہوتے ہوائیں نہ ہوتیں
 زمانے میں رنگیں فضائیں نہ ہوتیں
 لبِ آرزو پر دعائیں نہ ہوتیں
 اذراں کی یہ دل کش صدائیں نہ ہوتیں
 ”محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا،“
 ابوبکر کی یہ سخاوت نہ ہوتی
 جہاں میں علی کی شجاعت نہ ہوتی
 نبی کی اگر یہ عنایت نہ ہوتی
 عطا آدمی کو بصیرت نہ ہوتی
 ”محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا،“

خدا کا نہ ہم پر یہ احسان ہوتا
 نہ اشرف جہاں میں یہ انسان ہوتا
 نہ اسلام ہوتا نہ ایمان ہوتا
 کسی کو خدا کا نہ عرفان ہوتا
 ”محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا“
 سکون دل و جاں اطاعت نبی کی
 خدا کی عبادت ہے الفت نبی کی
 قرآن سے بھی ثابت ہے عظمت نبی کی
 زمانے کو لازم ہے طاعت نبی کی تا“
 ”محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا“

آپ کی یہ مشہور نعت آج بھی خاص و عام کی زبان پر ہے۔ cce Pattern کی منظور شدہ کتاب ماہ اردو (مصنف راقم الحروف) درجہ چہارم میں یہ نعت داخل نصاب ہے۔ المختصر آج دنیا میں جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ آپ ﷺ ہی کا صدقہ ہے۔ حدیث قدسی ہے۔
 ”اگر آپ کی ذات نہ ہوتی تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا“ پوری نعت اسی مضمون کی عکاسی کرتی ہے۔ دنیا میں جہاں جائیں ہر طرف ہر چیز میں آپ کی رحمت کی نشانیاں ملیں گی۔
 حضور ﷺ کی محبت انسان، حیوان، چرند، پرند، شجر و حجر اور کائنات کے ہر ذرے میں موجود ہے۔ ذرے ذرے نے جناب رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے کی شہادت دی۔ آپ چونکہ رحمت بن کر تشریف لائے ہیں لہذا آپ نے رحمت و شفقت کا جو نمونہ پیش کیا وہ نہ آج تک مل سکا اور نہ قیامت تک مل سکتا ہے۔ جناب یعقوب صاحب کے یہ اشعار اس کے ضامن ہیں۔

سراپا محبت سراپا حقیقت
 کرم بن کے آئے عطا بن کے آئے
 کرے کس طرح ان کی تعریف یعقوب
 جو عالم میں شمس الضحیٰ بن کے آئے

جناب محمد رسول اللہ ﷺ سراپا رحمت کا خزانہ ہیں اور یہ خزانہ کسی ایک فرقہ کے لئے نہیں، کسی ایک قوم کے لئے نہیں، کسی خاص نسل کے لئے نہیں، کسی خاص گروہ کے لئے نہیں اور کسی

خاص ملک کے لئے نہیں بلکہ عالمِ کل کے لئے ہیں۔ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت کا سرچشمہ ہیں اس سلسلے میں جناب یعقوب کے کچھ اشعار پڑھیے۔

انہیں کا نام نامی ہے محمد
جو ہیں رحمت کفیل بے کساں ہیں
جو آیا ہے وہ شاہد ہے انہیں کا
رسولوں کے امیر کاروں ہیں
شبِ معراج میں بھی یاد رکھا
وہ امت پر بہت ہی مہرباں ہیں
محمد آپ، احمد ذات والا
جمالِ حق دلیلِ کُن فکاں ہیں

ہمہ رحمتِ نجیر لا مکاں ہیں
وہ ختم المرسلین جانِ جہاں ہیں
شعورِ زندگی کے پاسباں ہیں
خدا کا نور جانِ عاشقاں ہیں
وہ اوجِ منزلت آپ کی ذات
نصابِ حق شفیعِ عاصیاں ہیں

۲۔ سید محمد ظہیر الدین قادری کوثر:

آپ ۱۹۶۱ء میں ہندوستان سے پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ کراچی میں عائشہ باوانی ڈگری کالج میں صدر شعبہ اردو کے عہدے پر فائز تھے۔ اردو، ہندی، سنسکرت، انگلش وغیرہ زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ آپ کو اپنے بھائی سید محمد معز الدین قادری شاہ جہاں پوری سے سلسلہ عالیہ، قادریہ، بشیریہ میں خلافت و اجازت حاصل تھی۔ پروفیسر سید محمد ظہیر الدین قادری کوثر شاہ جہاں پوری کے مجموعہ کلام ”ارمغانِ سخن“ میں پروفیسر یلین خان بہار استاذ شعبہ اردو لندن کالج آف آرٹس مینجمنٹ، کرچی پاکستان لکھتے ہیں:-

”کوثر صاحب نے آفتابِ علم و دانش اور مہرِ ہدایت و تقویٰ کی روشنی میں آنکھ کھولی

ہے۔ ان ضیاء شبنموں کے بہت کچھ اثرات ان کی ذات، ان کی فکری دھارے اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر حاوی نظر آتے ہیں۔ معلیٰ کا شعبہ ان کی میراث ہے اور شاعری ان کا تقاضا ہے فطرت، شاعری اور ادب کی دنیا میں وہ ایک وسیع المطالعہ شخص ہیں مختلف زبانوں کے شعروادب کو انہوں نے تعمق نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس لئے ان کی فکر میں گہرائی اور لہجے میں ایک دلکش توازن و متانت کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کے شعری خیالات تصوف کے پروردہ معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ عشق الہی اور تصوف ان کے خانوادہ کی میراث و متاع حیات بھی ہے۔ کوثر صاحب کی جڑیں اپنے ماضی میں بہت گہری ہیں۔ وہ اپنے آبا و اجداد کے طریق زندگی، ان کے علمی شغف اور ان کی راستبازی کے مقلد و موید ہیں بلکہ ان پر اپنے بزرگوں کی رسم عبودیت کے اثرات بھی پوری طرح چھائے ہوئے ہیں۔“

۱۴ فروری ۲۰۰۸ء کو مختصر علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ نثر و نظم پر آپ کو یکساں عبور حاصل تھا۔ نثر میں اسلام اور گہورہ مسعودی، سرمایہ حیات، علم عروض پر ایک سرسری نظر، شاہ راہ علم و عمل وغیرہ کتب راقم کے مطالعہ میں ہیں۔

اس وقت آپ کے پانچ دیوان ہمارے پیش نظر ہیں۔ (۱) گل دستہ کوثر مطبوعہ ۱۹۷۷ء (۲) عکس کوثر ۱۹۸۷ء (۳) ارمغان سخن ۲۰۰۲ء (۴) آبشار نور۔ مجموعہ نعت و مناقب مطبوعہ ۲۰۰۵ء (۵) فراغ کوثر مطبوعہ ۲۰۰۷ء یہ تمام کتب ”کتب خانہ قادریہ، بشیریہ“ میں محفوظ ہیں۔ کوثر صاحب کا دل عشق رسول ﷺ سے سرشار ہے۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس میں والہانہ سوز و گداز اور عجیب سی کیفیت پائی جاتی ہے۔

آنکھوں میں وہی جلوہ دل میں وہی الفت
اے کاش مدینے کو لے جاؤں یہی حسرت ہے
دامن میں مرے کیا ہے، ہیں اشک عقیدت کے
کیا پیش کروں آقا جو کچھ ہے محبت ہے

جناب کوثر شاہ جہاں پوری نے بڑے آسان اور سادہ الفاظ میں رسول اکرم ﷺ کی ذات و صفات اور شان کو بیان کیا ہے۔ اس سادگی میں جو عقیدت نظر آتی ہے وہ دقیق الفاظ میں ممکن نہیں۔ کوثر صاحب نے عشق رسول سے متعلق کتنی سچی بات کہی ہے۔

ذات نبی حسین ہے بڑی خوش خصال ہے
نور خدا ہے پیکرِ حسن و جمال ہے
اک شانِ کبریائی ہے تخلیقِ مصطفیٰ
ذاتِ رسول پاک خدا کا جمال ہے

حضور پُر نور ﷺ کی ذات اخلاق و سیرت کے اعتبار سے وہ متور آفتاب ہے جس میں ہر
خوبی کی جھلک اور ہر حسن کا رنگ ہے۔ اس مضمون کو کوثر صاحب نے کس انداز میں بیان کیا ہے
پڑھیے اور طلطف لیجئے۔

مساوات اور اتحاد و اخوت
ہر اک کے لئے ہیں پیامِ محمد

جتنی بھی جہاں میں روشنی ہے
صدقے میں نبی ﷺ کے ہو رہی ہے

تفسیرِ حیاتِ مصطفیٰ ﷺ تو
قرآن کی شکل میں ڈھلی ہے

جہالت کے اندھیرے میں جلائی علم کی شمع
عرب کیا عالم انسانیت کے آپ رہبر ہیں
اس میں کوئی شک نہی کہ حضرت کوثر شاہ جہاں پوری کا دل عشقِ رسول ﷺ سے سرشار
ہے۔ ان اشعار میں عشقِ رسول کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ چند اشعار آپ بھی پڑھیے۔

کیوں نہ کوثر جان دے دوں مصطفیٰ کے عشق میں
جب نہیں کونین میں کوئی مثالِ مصطفیٰ ﷺ
ان کا جلوہ دیکھنے والی نگاہیں ہوں تو پھر
ہر طرف، ہر سمت، ہر سو ہے جمالِ مصطفیٰ ﷺ

۳۔ سید محمد معز الدین قادری:

آپ اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی جاں نشیں اور خانقاہِ عالیہ، قادریہ، بشیریہ، شاہ جہاں پور شریف کے پہلے سجادہ نشین تھے۔ ایف۔ آر انٹر کالج، چندوسی میں درس و تدریس کی خدمات بحیثیت لیکچرار انجام دینے کے بعد ۳۰ جون ۲۰۰۸ء کو سبک دوش ہوئے۔ آپ نے راقم الحروف کے والد ماجد مربی اُستاد اور پیرومرشد ہیں۔ بے شمار لوگ آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہو کر فیض یاب ہوئے۔

حضرت والد ماجد کے مجموعہ مضامین قادری میں مولانا حضور احمد قادری پرنسپل دارالعلوم غوث الوری، شاہ جہاں پور رقم طراز ہیں:-

”آپ سراپا ایک علمی شخصیت ہیں منکسر المزاج آپ کا طرہ امتیاز ہے۔ حد درجہ متواضع کم گو وضعدار اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک ہیں۔ آپ ایسے با اخلاق اور با وقار ہیں کہ ایک بار ملنے کے بعد آپ سے بار بار ملنے کا جی ہوتا ہے۔ آپ پر آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت کے گہرے اثرات موجود ہیں۔ آپ کو اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے جو علمی و روحانی وراثت ملی تھی اس کو بہت ہی سنبھال کر رکھا ہے۔“

ماخوذ مضامین قادری اور اس کے مصنف میری نظر میں مطبوعہ ماہ نامہ اعلیٰ

حضرت مارچ ۲۰۱۲ء۔

۲۵ جمادی الاول ۱۴۳۶ھ / ۱۷ مارچ ۲۰۱۵ء صبح ۹ بجے بعد نماز چاشت داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ خانوادہ قادری کے اکابرین کی آخری آرام گاہ درگاہ عالیہ، قادریہ واقع مولانا پنڈت بشیر الدین روڈ، شاہ جہاں پور میں مجو خواب ہیں۔

حضرت والد ماجد نے ایک درجن سے زیادہ کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ جس میں امن و شانتی مطبوعہ ۲۰۰۹ء اور مضامین قادری مطبوعہ ۲۰۱۰ء طباعت کی منزل سے گزر کر ارباب علم سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ بقیہ غیر مطبوعہ تصانیف ”کتب خانہ قادریہ، بشیریہ“ میں محفوظ ہیں۔ مختلف رسائل و جرائد میں نعتیہ کلام بھی شائع ہوئے جو آج بھی عام و خاص کی زبان پر ہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام شاعرانہ استعداد، تخیل کی بلند پروازی بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے والہانہ عشق اور رموز شاعری سے بھرپور آگہی کی عکاسی کرتا ہے، فرماتے ہیں:-

دیر و حرم میں ہے نہ کسی آشرم میں ہے
دل کو سکوں تو آپ کی چشمِ کرم میں ہے
آنحضرت ﷺ کی مکمل زندگی ایک لفظِ رحمت کی تفسیر ہے۔ اور رحمت کا حقیقی مفہوم اگر
کہیں بتمام و کمال ادا ہوا ہے تو وہ آپ حضرت ﷺ ہی کی پاک زندگی ہے جو پوری انسانیت کے
لئے نمونہ ہدایت ہے۔ حضرت والد ماجد کا یہ شعر اس کا ضامن ہے۔
اے امتی تو اُسوہ خیر البشر پہ چل
تیری نجات آپ کے نقشِ قدم میں ہے
شہرِ مدینہ کی کیا بات کی جائے جو مکمل جنت ہے۔ خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ
جنت کے خطوں میں سے ایک خطہ ہے۔ اسی سلسلے میں حضرت والد ماجد فرماتے ہیں۔
فردوس میں ہے اور نہ باغِ ارم میں ہے
جینے کا لطف روضہ شاہِ امم میں ہے
تخیل کی بلند پروازی کا نمونہ پیش ہے فرماتے ہیں۔
ارضِ حرم بھی روکشِ فردوس ہے مگر
جینے کا لطف روضہ شاہِ امم میں ہے
عشقِ رسول عقیدہ ایمان ہے۔ بغیر عشقِ رسول کے ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ فرماتے ہیں۔
یادِ حبیب مجھ کو ستاتی ہے بے طرح
حالِ دل تباہ مری چشمِ نم میں ہے
خوشبو جو ان کے گیسوئے پرچہِ و خم میں ہے
عنبر میں ہے نہ کیسر و مشکِ نختن میں ہے
عشقِ رسول ایسا فزوں تر ہوا ہے اب
سرخِ بڑھا رہا ہوں میں کچھ غم کے باب میں
حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکت عالی صفات تمام اخلاق و خصائل صفاتِ جمال میں
اعلیٰ و ارفع ہے۔ ان تمام کمالات و محاسن کا احاطہ انسانی قدرت و طاقت سے باہر ہے کیوں کہ
وہ تمام کمالات جن کا عالم امکان میں تصور ممکن ہے سب کے سب نبی کریم ﷺ کو حاصل
ہیں۔ تمام انبیاء و مرسلین آپ کے آفتابِ کمال کے چاند اور انوارِ جمال کے مظہر ہیں۔ حضرت کا

یہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

تھے بے شمار وصف رسولوں میں اے معز
ہر ایک وصف ان کا شفیق الامم میں ہے
کچھ اشعار اور پڑھئے۔
کیا اور بھی کوئی ہے جو ان کا جواب ہو
نور خدا ہے روئے رسالت مآب میں

سُن لیجئے اے شاہ امم دل کی دھڑکنیں
اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہوں تمہیں اضطراب میں

۴۔ سید محمد ظفر الدین قادری:

آپ کئی خوبیوں کے مالک تھے نعت گوئی میں ملکہ حاصل تھا۔ نعت گوئی میں آپ کو حاجی
عبدالباری یادگار نعتیہ ایوارڈ، ۲۷ ستمبر ۱۹۷۰ء کو عطا کیا گیا تھا۔ شیریں گفتگو، لبوں پر مسکراہٹ
مزاج میں عاجزی خدمتِ خلق وغیرہ اوصاف آپ میں وراثت میں موجود تھے۔
کچھ عرصے تک مدرسہ رحمانیہ شاہ جہاں پور میں اور عرصہ دراز تک مدرسہ بحر العلوم میں
تدریسی خدمات انجام دیں۔ خانقاہ عالیہ، قادریہ، بشیریہ میں قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے۔
بے شمار مخلوق خدا آپ کے اس علمی فیضان سے مستفیض ہوئی۔ آپ نے شرف بیعت اپنے والد
ماجد سے حاصل کی۔

راقم الحروف کے مطالعہ میں آپ کی غیر مطبوعہ تین تصانیف ہیں۔ جو خانوادہ قادری کے
اکابرین کے آبائی کتب خانہ قادریہ، بشیریہ میں محفوظ ہیں۔ (۱) تاریخ اردو ادب (۲) تنقید و تبصرہ
(۳) اردو کے مشہور شعرائف شاعری میں آپ کو مہارت حاصل تھی زیادہ تر کلام ضائع ہو گیا کچھ نعت
اور منقبت راقم کے پاس محفوظ ہیں۔ آپ مخصوص ترنم میں نعت شریف پڑھتے تھے۔ راقم الحروف نے
بارہا آپ کا کلام سنا ہے۔ کلام ضائع ہونے کا آپ کی مسلسل علالت تھی۔ اس سبب آپ کا کلام محفوظ نہ رہ
سکا اور نہ اشاعت کی منزل کی سے گزرا۔ ۱۴/۱۲/۱۴۳۰ھ مطابق ۳ نومبر ۲۰۰۹ء کو بعد نماز تہجد
داعی اجل کو لیک کہا۔ درگاہ عالیہ، قادریہ میں اپنے والد کے پائیں آرام فرما ہیں۔

ظفر شاہ جہاں پوری کے کلام میں والہانہ عشق کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ کے اشعار پڑھنے کے

بعد ایمان کو چلا حاصل ہوتی ہے اور آپ کا تمام کلام عشق رسول ﷺ کا ترجمان ہے۔

شفاعت کا مشکل ہر کسی سے ہو نہیں سکتا

بجز اس ذات اقدس اور کسی سے ہو نہیں سکتا

سکوں بخشا جہاں کو آپ کی ذات مقدس نے

کہ جو اس دور کی شائستگی سے ہو نہیں سکتا

حضرت ظفر شاہ جہاں پوری کے کلام میں اکثر و بیشتر جو ایک خوبی نظر آتی ہے وہ ان کے

وارداتِ قلبی کی عکاسی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

زندہ ہیں اگر آجائے گا وہ دن بھی ظفر انشا اللہ

دیکھیں گی نگاہیں مری اللہ کا گھر انشا اللہ

ہم اہل محبت دیکھیں گے آہوں کا اثر انشا اللہ

پیغامِ حضوری دے گا ہمیں طیبہ کا سفر انشا اللہ

معذور سہی، مجبور سہی، نادار سہی، ناچار سہی

روضے پہ لٹائیں گے جا کر اشکوں کے گہر انشا اللہ

دیوانہ جائے گا جھوم کے جب سرکار کے روضے کی جانب

حیرت سے فرشتے دیکھیں گے انداز سفر انشا اللہ

جس طرح دیار اقدس تک اربابِ محبت پہنچے ہیں

اک روز ظفر ہوگا یوں ہی اپنا بھی سفر انشا اللہ

جناب ظفر شاہ جہاں پوری کے نعتیہ اشعار پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سہل اور انتہائی آ

سان زبان میں کہے گئے ہیں۔ جو ذہن میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ ان اشعار میں ان تمام

خوبیوں کی جھلک نظر آتی ہے۔

غلام قادری نے جب پُکارا یا رسول اللہ

دیا ہے آپ نے بڑھکر سہارا یا رسول اللہ

بلا کر اپنے روضے پر مٹا دو بے کلی دل کی

یہ دوری اب نہیں مجھ گوارا یا رسول اللہ

ظفر صاحب کے یہ اشعار ان کے پختہ عزم و حوصلہ کی سچی اور صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ جو عشق رسول ﷺ کی دلیل ہیں۔ فرماتے ہیں۔

پکڑ کر روضہٴ انور کی جالی دم نکل جاتا
کچھ ایسا اوج ہوتا ستارہ یا رسول اللہ
مدد فرمائیے میری ، مدد کو آئیے میری
بڑی مشکل سے ہوتا ہے گزارا یا رسول اللہ
یہی ہے آرزو میری یہی ہے آرزو باقی
ترے روضے کا میں کر لوں نظارہ یا رسول اللہ
کیا ہے چاند دو ٹکڑے فقط اک اشارے میں
کرم کا کیجئے مجھ پر اشارہ یا رسول اللہ
عجب عالم ہے اس دل کا نہ پوچھو کیفیت اس کی
دکھا دو اب ظفر کو بھی نظارہ یا رسول اللہ

عبدالمتین جاتی (کٹک - اڑیسہ)

اڑیسہ میں نعتیہ شاعری حال و ماضی کے تناظر میں

اڑیسہ میں اردو زبان کی تاریخ گزشتہ تین سو سالوں کو محیط ہے۔ شیخ امین اللہ چرخی (متوفی ۱۸۸۷ء) کو اڑیسہ کا اولین صاحب دیوان شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ”دیوان چرخی“ پہلی بار ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا تھا جس کا دوسرا ایڈیشن ان کے پرپوتے ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ) نے ۲۰۱۷ء میں شائع کیا ہے۔ اس دیوان کی شروعات حمدیہ اور نعتیہ کلام سے ہوتی ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اڑیسہ میں تقدیمی شاعری کا آغاز اٹھارویں صدی سے ہو چکا تھا۔ چرخی کے متنبی فرزند عبد المجید صاحب بھی شاعر تھے۔ انہی عبد المجید صاحب کے ایک شعر سے چرخی کے سال وفات کا پتہ چلتا ہے۔ وہ غالب کے ہم عصر تھے۔

تاریخ کے اوراق سے اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ اڑیسہ میں تقدیمی شاعری عموماً حمد و نعت ہی تک محدود ہے۔ زمانہ قدیم میں تقریباً سبھی شعراء نے حمد و نعت جیسی صنفوں پر طبع آزمائی کی تھی اور یہ سلسلہ تاحال جاری و ساری ہے۔ اردو زبان کی طرح یہاں کی حمدیہ و نعتیہ شاعری جیسی پاکیزہ صنف سخن کو ارتقائی منزلیں طے کرنے کے لئے کئی صدیاں گزر گئی ہیں۔ ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری اپنی تحقیقی تصنیف ”اڑیسہ میں اردو“ میں رقمطراز ہیں۔

”عبد المجید بھونیاں کے دیوان مجید مطبوعہ ۱۸۵۷ء منشی نول کشور پریس میں نعتیہ کلام دیکھنے کو ملتا ہے۔ انھوں نے خاتم پہراج پوری کے کلام کی تضمین کرتے ہوئے نعتیہ کلام کہا تھا“۔ ان بزرگوں کے علاوہ عبد الرحیم احسن سنگووی، مولوی سلطان راجی، ظہور الحق ظہوری، شمس الحق شمس، معلم سمبلپوری، محمد محسن، عرفان علی فدائی، سید عبدالستار عبد جان محمد حازم، سید نور علی انور، عبدالعزیز عاشق، رفیع الدین خان رفیع، مولانا بخش شاہ، مولانا رسول بخش کاشف، وغیرہم نے بھی نعتیہ کلام کہا ہے۔ ان تمام شعراء نے آزادی وطن سے قبل نعتیہ کلام کہا تھا۔ ہمارے لئے یہ امر اطمینان بخش ہے کہ

مندرجہ بالا شعراء نے جس چراغ کو روشن کیا تھا بعد میں آنے والی نسلوں نے اس سے کافی استفادہ کیا۔ بعض شعراء نے فنِ نعت گوئی میں منفرد مقام بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

گذشتہ ستر سالوں کے درمیان حمد و نعت اور منقبت کے علاوہ دیگر اقسام کی مذہبی شاعری کرنے والے شعراء کی بھی ایک طویل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ بھی دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہر شاعر نے اپنے طور پر کم از کم ایک نعت ضرور کہی ہے۔ لیکن بطور خاص نعت گوئی کی جانب پیش قدمی کرنے والے شعراء کی تعداد انگلیوں میں گنی جاسکتی ہے۔ آج تک جن حضرات نے خالص نعت گو شاعر کی حیثیت سے اپنی پہچان بنائی ان میں اجمل نقشبندی، اولادِ رسولِ قدسی، اثر نظامی، محبوب محشر، سعید رحمانی، سید نفیس، سنوی اور اسحاق انور وغیرہ ہم کے نعتوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں سعید اختر، راشد شبنم، عبد المجید فیضی، شہید اکرامی، مولانا سراج الساجدین قاسمی، ایوب صابر قاسمی، امجد نجمی، مبارک حسین سلامت، حافظ رفیق درو، خادم رسول عینی وغیرہم نے کثیر تعداد میں نعتیں کہی ہیں۔

آزادی کے بعد نعتوں کے چند مجموعے بھی سامنے آچکے ہیں۔ ان مجموعوں میں صہبائے قدسی، انوارِ قدسی، کوکابی مقبولیت ملی۔ ان کے علاوہ اولادِ رسولِ قدسی کی تقدیری شاعری کا ایک اور مجموعہ ”رفتہ رفتہ“ بھی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اولادِ رسولِ قدسی کی نعتوں کے مجموعوں پر کرامت علی کرامت، حفیظ اللہ نیو لپوری، یوسف جمال، سید شاہ آل رسول، حسین میاں، مولانا حسین اختر مصباحی صاحبان نے اپنے اپنے تاثرات بڑے ہی پرکشش انداز میں پیش کئے جو موصوف کا ایک اور مجموعہ ”کلام گل لالہ“ میں شامل ہیں۔ اجمل نقشبندی کی نعتوں کے مجموعے لفظ لفظ نور، صہبائے مدینہ، حرفِ حرفِ روشنی، حضوری کے پہلے اور حضوری کے بعد وغیرہ شائع ہو کر قارئین سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

ان کتابوں پر کرامت علی کرامت، شہپر رسول اور عتیق احمد صدیقی جیسے مقتدر ادباء نے اپنی قیمتی آراء پیش کی ہیں۔ جنہیں ان کتابوں میں شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ اولادِ رسولِ قدسی اور اجمل نقشبندی کے علاوہ سید نفیس، سنوی کی نعتوں کا مجموعہ ”نورِ چرا“ شائع ہو کر کافی داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ کرامت علی کرامت جیسے مقتدر نقاد نے اس کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے۔ سعید رحمانی کے دو نعتیہ مجموعے ”رحمتوں کا سائبان“ اور ”دربارِ مصطفیٰ میں“ شائع ہو کر خراج حاصل کر چکے ہیں۔ اثر نظامی کی نعتوں کے مجموعہ ”نور کی لکیر“ بھی کافی مقبول ہوا ہے۔

اڑیسہ میں مذہبی شاعری کے تخلیق کاروں کے اس قافلے میں محبوب محشر کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔ جنہوں نے نہ صرف یہ کہ نعتیہ و حمدیہ شاعری ہی کی بلکہ دیگر موضوعات پر بھی نظمیں لکھیں۔ موصوف کی نعتیہ شاعری میں ایک الگ قسم کے اسلوب کا سراغ ملتا ہے۔ کرامت علی کرامت نے ”موجِ الہاب“ پر لکھے اپنے پیش لفظ میں عرض کیا ہے کہ ”گذشتہ چند سالوں کے اندر کئی نعتیہ مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔ ان میں نعتوں اور منقبتوں کی تعداد زیادہ ہے جبکہ حمد کی تعداد کم ہے۔ زیادہ تر نعتیں غزل کے فارم میں ہوتی ہیں جب کہ درمیان میں منقبت کے اشعار آجاتے ہیں۔ لیکن محشر کے یہاں ایسی بات نہیں ہے۔ انھوں نے نعت کے علاوہ قابلِ لحاظ حد تک حمد بھی کہی ہے۔ انھوں نے نعت کے لئے مختلف پیرائے اظہار کو اپنایا ہے۔ مثلاً۔

دیکھ کر کہتا تھا میں ہر طائرِ پرواز کو

کاش پہنچا تا مدینے تک میری آواز کو

تقدیری شاعری پر مبنی محبوب محشر کے جو مجموعے اب تک منظر عام پر آئے ہیں ان کے نام ہیں: تریاق، الشہاب، دیوان محشر اور آخری سوغات۔ ان کی شاعری کا خاص موضوع ہے قومِ مسلم کی اصلاح۔ ان کی نعتیں کلیدی حیثیت کی حامل ہیں۔ بہر کیف کرامت علی کرامت کو محبوب محشر کی شاعری میں اقبال کے رنگ و آہنگ نیز اسلوب کا سراغ ملتا ہے۔ اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر محفوظ الحق اور عبدالمبین جامی نے بھی ان کی شاعری میں پیش کردہ اسلوبیات میں اقبال کے رنگ و آہنگ کی نشاندہی کی ہے۔

اجمل نقشِ بندی کے فنِ نعت گوئی پر روشنی ڈالتے ہوئے شہپر رسول رقم کرتے ہیں ”وہ جس خلوص سے شعر کہتے ہیں اور بحر جذبات کو کوزے میں بھر دیتے ہیں اس کے مطالعے سے رسول مقبول ﷺ سے ان کی گہری عقیدت اور بے نیاز محبت اور فنِ نعت گوئی سے ان کی واقفیت کا ثبوت ملتا ہے۔“ سید کفیل احمد قاسمی نے لکھا ہے ”اجمل کی ذات سے نعت کی دنیا میں ایک نئی دنیا تعمیر ہوئی ہے اور وہ نعتیہ شاعری کے فروغ کے لئے اس دور میں ہمارے لئے عطیہٴ ربانی ہیں جنہوں نے اپنی صلاحیتوں سے اس فن کو نیا رنگ و آہنگ بخشا ہے۔“

راقم الحروف کا جہاں تک علم ہے اجمل نے ہائیکوز اور نظموں کے علاوہ مزید کئی پیرائے میں نعت گوئی کی ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ فوری طور پر ان کے چار مجموعوں میں شامل غزل کی ہیئت میں کہی گئی نعتوں کے علاوہ دیگر ہیئتوں میں ان کی نعتیں دستیاب نہیں ہو سکیں۔ نمونہ کے طور

پران کے دو نعتیہ اشعار پیش کر رہا ہوں۔

مثل پروانہ اس پر فدا ہیں سبھی، اور شمع محبت مدینے میں ہے
دور طیبہ سے اجمل رہا ہند میں، ایسا جینا بھلا کوئی جینے میں ہے
مندرجہ بالا نعتیہ اشعار میں شاعر نے اپنے محسوسات کو بڑے سلیقے سے سمونے کی کوشش کی
ہے۔ وہ شاعر ہند ہیں لیکن اپنے مادرِ وطن سے سے پوری وابستگی کے باوجود اپنے اندر ہر وقت
سرزمینِ طیبہ کی جدائی کا کرب محسوس کرتے ہیں۔ یہ آواز ایک سچے عاشقِ رسول کی ہی ہو سکتی ہے۔
نجم الشعراء حضرت امجد گنجی نے یہاں کے ادبی حلقے میں معتبر ترین کہلانے والے بیشتر شعراء
کی ذہنی پرداخت میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ اور اپنی براہِ راست تربیت و اصلاحات سے ان شعرا
کو رمزِ فن سے آشنا کیا ہے۔ نعتیہ شاعری کے فروغ میں ان کی کاوشیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں
گی۔ ”شرح لولاک“ کے عنوان سے ان کی ایک طویل نعتیہ نظم رسولِ اقدس ﷺ کے تئیں عقیدت
و محبت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ ان کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

کرم کی مجھ پہ نظر یا محمد ﷺ عربی
مرے گناہ وہ ہیں جن کی کوئی حد نہ حساب
ترا غلام ہوں کیا میں کروں ثنا تیری
تو سیلِ چشمہ رحمت مرا وجود سراب

امجد گنجی صاحب نے نعتیہ شاعری کے علاوہ منقبت اور مرثیے وغیرہ بھی بڑی تعداد میں کہے ہیں۔
کرامت علی کرامت نے آزاد نظم کے پیرائے میں نعتیہ کلام لکھ کر ایک نئی شروعات کی ہے۔
علاوہ ازیں انھوں نے غیر منقوط نعت بھی لکھی ہے۔ یوں تو نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کے مصداق
ہے مگر اس کے برعکس غیر منقوط الفاظ میں شعر کہہ کر نعتیہ شاعری کو معنویت عطا کرنا مشکل ترین فن
ہے۔ کرامت علی کرامت کی غیر منقوط نعت کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

مسموم گو ہے دہر کے ماحول کی ہوا
ہے مانلِ کرم وہی اللہ کا رسول
اسلام کا ہے مہر و کرم اور عملِ اصول
راس آئی ہم کو احمدِ مرسل کے دل کی دھول

کرامت علی کرامت کی نظم کا ایک حصہ ”خدا کا قول ہے یہ“ دراصل قرآن کریم کی چند آیات کا

ترجمہ ہے جسے موصوف نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

خدا کا قول ہے یہ

کہ اس کی ذات اقدس نور ہے ایسا

جو چھن چھن کسی قندیل پاکیزہ سے

کرتا ہے احاطہ سارے عالم کا

اس فانوس میں مثل کو کب شمع روشن ہے

جو خود بخود جلتا ہی رہتا ہے

موصوف نے اس نظم کی شروعات تو اس طرح کی ہے جیسے حمد کہہ رہے ہوں۔ لیکن اس نظم کو اچانک

ایسی دعا میں تبدیل کر دیتے ہیں جس میں رسول مقبول ﷺ کے تئیں ان کے دل کی تڑپ کی عکاسی بھی

ہے اور روضہ اقدس میں دم توڑنے کی خواہش کا اظہار بھی۔ چنانچہ موصوف کہتے ہیں۔

مرا جی چاہتا ہے

زندگی کے آخری لمحوں میں اس کی مؤنی صورت

تصور میں ابھر آئے

دروہد پر ہو خاتمہ تارِ نفس

مجھے جب قبر میں وہ لے کر نوری دکھایا جائے

میں پہچان لوں فوراً

میں رب سے اتنا کہہ پاؤں

کہ ہوں اک بندہ عاصی

میں ادنیٰ اور کم تر ہی سہی لیکن

ترے محبوب کی امت میں ہوں شامل

ترا جی چاہے مجھ کو بخش دے یا سزا دے

سید نفیس دسنوی نے بھی کثرت سے نعتیہ کلام لکھ کر خود کو نعت گو شعرا کے اس عظیم قافلے میں

شامل کر لیا ہے۔ ان کی نعتوں کا ایک مجموعہ ”غارِ حرا“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ موصوف کی

نعتوں کے اس مجموعہ کا پیش لفظ پروفیسر کرامت علی کرامت نے لکھا ہے۔ رائے دہندگان میں

روؤف خیر، سید شکیل دسنوی، بابا سائیں شکیل الرحمن وغیرہم کے علاوہ شارق عدیل اور سعید رحمانی

صاحبان بھی شامل ہیں۔

سید نفیس دسنوی کی نعتوں سے ایک بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اپنی نعتوں میں وہ خود کو مسلکی تضادات سے بالا رکھتے ہیں۔ اس لئے موصوف کی نعت گوئی خالص عشق رسول کی چھاپ لئے ہوتی ہے۔ مذہب اسلام کے داعی ﷺ کے حکم کے مطابق خود کو فتنے میں نہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں کرامت علی کرامت صاحب رقم کرتے ہیں کہ ”اردو کے بہت سے نعت گو شعرا کے کلام میں جا بجا ان کے مسلک کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن نفیس دسنوی کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ ان کا تعلق کس مسلک سے ہے۔ ان کا کلام ہر مسلک کے قارئین کو متاثر کرتا ہے۔“ ان کے نعتیہ کلام کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

سنجھل اب اے دل مضطر مدینہ آنے والا ہے

جہاں محبوب کا ہے در مدینہ آنے والا ہے

بصیرت کی کرن وہی محور مدینہ آنے والا ہے

اجالوں کا وہی محور مدینہ آنے والا ہے

اسی بات کو سعید رحمانی صاحب یوں رقم کرتے ہیں کہ ”نہ تو کہیں غلو سے کام لیا ہے اور نہ ہی الوہیت و رسالت کی حد پھلانگنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔“

ہر آن یہ خطرہ ہے راہوں میں پھسلنے کا

چلتا ہوں سنجھل کر میں یہ نعت کا میداں ہے

بقول ردوف خیر امام الانبیاء کے بعد کوئی امام نہیں اللہ کے کلام کے بعد کوئی کلام نہیں۔ نفیس صاحب نے کیا خوب کہا ہے۔

نبیوں کا لاکھ ذکر ہے اُم الکتاب میں

ہے آپ کا ہی نام مگر انتساب میں

سعید رحمانی صاحب نے سیکڑوں نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ موصوف نے اپنے پہلے مجموعہ کلام ”روشن عبارت“ میں چند نعتوں کو شامل کیا تھا۔ اب حال میں میں خالص نعتوں پر مشتمل ان کا نعتیہ مجموعہ ”دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں“ منظرِ عام پر آ کر اہل ادب سے خراج حاصل کر چکا ہے۔ ان کی نعتوں کے تعلق سے کرشن موہن رقم فرماتے ہیں کہ ”ان کی نعت گوئی کا کمال ان کے جذب

عقیدت کا ثمرہ ہے۔ ان نعتوں کی لطافتِ احساس، طہارتِ فکر اور ادبی شان، اکثر اشعار سے مترشح ہے۔

حفیظ اللہ نیو پوری فرماتے ہیں ”ان کے کلام میں عقیدت مندی کا تقدس، تصدیق و تعذیب کے تصور میں گھل کر تطہیر کی فضا بندی کرتا ہے“۔ علامہ شارق جمال نے سعید رحمانی کی نعتوں کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ ”سعید رحمانی نے نعت کے روایتی اسلوب سے خود کو کافی دور رکھ کر نعتیہ اشعار کی تخلیق کی ہے۔ نعت کے مضامین کوئی نئے بھی نہیں پھر بھی اشعار کو تازہ کاری کے ہنر نے آج کا نیا اسلوب دیا ہے جو روح میں براہِ راست اترنے والا ہے۔

مندرجہ بالا اکابرین شعر و ادب کی آراء کی روشنی میں یقیناً سعید رحمانی کا نعتیہ اسلوب انفرادیت کا حامل نظر آتا ہے۔ ان کا ایک نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

بتا دیتا ہے رازِ دل مرے لفظوں کا آئینہ

مرے اشعار شوقِ دید کی تفسیر رکھتے ہیں

اسحاق انور عمر رسیدہ مگر تازہ کار شاعر ہیں نعتیہ شاعری ہی ان کی فکر کا محور ہے۔ غزل بھی کہتے ہیں مگر نعتیہ شاعری سے ان کی انسیت کا ثبوت یہ ہے کہ اب تک تین نعتیہ مجموعے شائع کر چکے ہیں جن کے نام ہیں: عکسِ روشن، آفتابِ رسالت اور بابِ رحمت۔ آخر الذکر مجموعے کا پیش لفظ راقم الحروف نے لکھا ہے۔ ان کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ادب سے چوم لے تو با وضو ہو کر اسے انور

اگر مل جائے نقشِ پا تمہارا یا رسول اللہ

دیکھتا ہے وہ جلوہ آپ کا ہر اک شے میں

بن گیا ہے دل جس کا آئینہ محمد ﷺ کا

نوٹ: - ناچیز نے مندرجہ بالا سطور میں جن شعراء کے حوالے سے کچھ رقم کرنے کی سعی کی ہے۔ ان تمام شعراء نے مختلف اسلوبِ شاعری میں بھی شعر کہنے کی کوشش کی ہے۔ نعت گوئی کے لئے غزل کا پیرایہ یقیناً بہت ہی دلکش ہوتا ہے لیکن غزل کی ہیئت کے علاوہ رباعی، دوہے، ہائکو، آزاد نظم وغیرہ کئی ہیئتوں میں نعتیہ شاعری کی گئی ہے۔

اثر نظامی نے بھی اپنی نعتوں کا مجموعہ ”نور کی لکیر“ شائع کیا ہے۔ ان کے اس کتابچے میں چند حمدیہ اور نعتیہ غزلیں شامل ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں قلبی واردات اور عقیدت مندانہ جذبات

کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ ان کی نعت کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

میں ستم زدہ ہوں مرے نبی مراد دل بہت ہی ملول ہے
تری رہبری مجھے چاہئے کہ قدم قدم پہ ببول ہے
کرے رشک جس پہ مری گھٹا وہ نبی کی زلف دراز ہے
جسے چومتے ہیں ملائکہ وہ نبی کے پاؤں کی دھول ہے

ناچیز نے مندرجہ بالا سطور میں جن نعت گو شعرا کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض نے غزل کے پیرائے کے علاوہ شاعری کی دیگر ہیئتوں میں بھی نعت کہنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اجمل نقش بندی نے ہائیکو اور نظموں کے علاوہ کئی دیگر ہیئتوں میں بھی نعت کہی ہے۔ اولاد رسول قدسی نے بھی نعتیہ نظموں، آزاد نظموں، ہائیکو اور اردو ہوں کے پیرائے میں نعتیہ کلام لکھے ہیں۔ عاجز سوگڑوی کی نعتوں میں پیکر تراشی کے علاوہ شاعرانہ حسن بیان کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کے اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

پھر معطر ہو گئی ہے پھر ہے فصل بہار مدینہ
پھر رواں آہو ان حرم ہیں سبزہ زار مدینہ
ایک حسرت مچلتی ہے دل میں سامنے جالیوں کے ہوں حاضر
کاش اٹھ جائے پردہ نظر کا جلوہ گری ہوں نگار مدینہ
یوسف جمال نے بھی اپنی نعتوں میں نعت گوئی کے فن کی پاکیزگی کو برقرار رکھتے ہوئے غزل کی تمام روایات کو بھی بروئے کار لانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی نعتیہ غزل کا شعر ملاحظہ فرمائیے۔

تمہارے حسن کی ضوپا شیوں سے ہیں رخشندہ
ستارے ملگجے تھے ان کے رخ پر روشنی کب تھی

یوں تو نعتیہ کلام رسول مقبول ﷺ کے تئیں اظہار عقیدت کا بہترین وسیلہ ہے لیکن اس کے اسلوب پر بھی تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں نمونہ کے طور پر چند ہیئتیں تجزیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً نعتیہ گیت، سائٹ، رباعی، ہائیکو، آزاد نظم، غیر منقوطہ نعت وغیرہ کی ہیئتوں میں اڑیسہ کے شعرا طبع آزمائی کرتے آ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اولاد رسول قدسی، اجمل نقش بندی، کرامت علی کرامت کی کاوشیں لائق تحسین ہیں۔ مولانا مبارک حسین سلامت نے بھی نعتیہ

گیت کہے ہیں اور ان کے بیشتر گیتوں میں ہندی زبان پائی جاتی ہے۔ اجمالِ نقشِ بندی نے نعتیہ سانیٹ بھی کہا ہے جبکہ راقم الحروف نے حمدیہ تراویح کے علاوہ کثرت سے نعتیہ رباعیاں بھی کہی ہیں، مثال کے طور پر دو نعتیہ رباعیاں پیش ہیں۔

تعریف محمد ﷺ کے لئے لفظ ہیں کم
بس اتنا ہی ہے وہ ہیں نئی خاتم
اب کوئی نہ آئے گا ہدایت کے لئے
اس کام کو کرتے ہیں چلو ہم پیہم

دنیا میں نہیں ایسا کوئی خوش لقی
ان کا سا نہیں کوئی بھی اعلیٰ نسب
اُمی بھی وہی علم کا مخزن بھی وہی
سب سے ہیں الگ اپنے رسولِ عربی
قدسی اور مولانا مبارک حسین سلامت نے اپنی اپنی نعتوں کی ردیف کے انتخاب میں عام روش سے ہٹنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر دونوں کی نعتوں کے دو اشعار پیش خدمت کر رہا ہوں۔

محمد جانِ عالم روحِ عالم پیکرِ عالم
محمد حسنِ عالم فخرِ عالم سرورِ عالم (سلامت)
ان کی ایمائے اطاعت سے ملی فتحِ مبین
کفر کرتا رہا مبہوت سا خنجر کا طواف (قدسی)

خدا کا شکر ہے کہ نعت گوئی کے سلسلے میں اڑیسہ کے شعرا عالمی سطح پر اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں ہم دعوے کے ساتھ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ فنِ نعت گوئی میں شعرا نے اڑیسہ عالم اسلام کے شعراء سے کسی بھی طرح سے کم نہیں ہیں وہ بھی اس صورت میں کہ ہمارے یہاں ذرائع ابلاغ کی کمی بھی اس کی راہ پر رکاوٹ نہیں بن پائی ہے۔

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی (یو پی)

مضطر اعظمی کی نعتیہ شاعری

اردو کی نعتیہ شاعری کے فروغ میں گاؤں، دیہات اور قصبے کے رہنے والے ان شعرا کا بھی گراں قدر حصہ رہا ہے جو اعلیٰ ڈگریاں نہیں رکھتے تھے معمولی نہیں تو متوسطات تک تعلیم ہوتی تھی مگر عشق رسول ﷺ کی دولت لازوال سے جن کا سینہ لبریز ہوتا تھا اور وہ اسی عشق کے اجالے میں اپنے شاعرانہ سفر کو طے کرتے تھے۔ نت نئے اوزان پر شعر موزوں کرتے تھے اور براہ راست عوام الناس تک پہنچاتے تھے۔ ان کے کلام اور آواز کی ہم آہنگی سے سامعین لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔ نعتیہ محفلیں اور میلاد کی بزمیں ان کی غذا ہوتی تھیں جہاں سے وہ اپنے کلام کو نشر کرتے تھے۔ گاہے گاہے مذہبی رسائل میں بھی ان کی نعتیں پڑھنے کو مل جاتی تھیں۔ اجمل سلطانپوری، بیکل اتساہی، راز الہ آبادی، شمس الہ آبادی، قمر سلیمانی، ثمر مانجوی، ثار کریمی کے ساتھ ان گنت نام اس حوالے سے لئے جاسکتے ہیں۔ بیکل اتساہی کی غزل گوئی، گیت نگاری اور سیاسی دلچسپی کی وجہ سے ادبی دنیا نے قبولیت کا مقام دیا اور ان کی شہرت ہندوستان کی سرحدوں کو پار کر گئی اور باقی شعرا صرف عوامی ربط میں رہے اور جیسے جیسے انکے چراغ گل ہوتے رہے فراموش کئے جاتے رہے۔ مضطر اعظمی کا نام بھی انہیں مظلوم شعرا میں لیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی نعتیہ ادب کی آبیاری میں صرف کردی اور بڑے اعتماد سے انہوں نے کہا تھا۔

مضطر تجھے نہ بھولے گا اسلامی مورخ

لکھے گا جب اسمائے ثنا خونِ محمد ﷺ

مضطر اعظمی کا نام ابوالحسن تھا آپ محمد ضمیر پردھان کے لائق وفاق فرزند تھے۔ ۱۹۴۳ء میں محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مونا) میں آپ کی ولادت ہوئی۔ جامعہ شمس العلوم، گھوسی میں شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، قاضی شریعت حضرت

علامہ محمد شفیع مبارکپوری، حضرت مولانا محمد رمضان گھوسوی علیہم الرحمہ۔ ڈاکٹر محی الدین انصاری اور منشی نظام الدین وغیرہ سے گلستاں، بوستاں، انوارِ سہیلی، مالابہ منہ، میزان و منشعب، دروس الادب اور باغ و بہار وغیرہ پڑھیں، پھر سرودے انٹر کالج، گھوسی سے درجہ سات پاس کیا اور درجہ آٹھ میں تین ماہ حصول علم کے بعد گھریلو مجبوری کی وجہ سے تعلیم کو ترک کر دینا پڑا۔

آغازِ شاعری:

مضطر اعظمی بارہ سال ہی کی عمر سے شعر شاعری کرتے رہے اُس سے قبل اپنی خوش گلوئی کی بنا پر اسکول و مدارس کی تقاریر میں نعتیں اور نظمیں پڑھتے تھے۔ آپ نے صنفِ نظم میں نعت کے مقدس فن سے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ آپ کے پہلے نعتیہ کلام کا مطالعہ اور ایک شعر نذرِ قارئین ہے۔

سرایا نور حق ہیں وہ جدھر بھی اک نظر کر دیں
ملے ذروں کو وہ تابندگی رشکِ قمر کر دیں
وہ محبوبِ خدا ہیں حکمرانِ ہر دو عالم ہیں
وہ اس دنیا کو پل بھر میں جدھر چاہیں اُدھر کر دیں
ان کے شاعرانہ سفر کی تیسری نظم جو ان کی آپ بیتی ہے اپنی خستہ حالی پر رشکِ ریزی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

رسول اللہ کا صدقہ مرے مالکِ وطن دے دے
بہت گھبرا چکا ہوں دشت سے اب تو چمن دے دے

ادبی خدمات و شعری مجموعے:

شمعِ تمنا (نعتیہ مجموعہ) ادارہ روحِ ادب سے شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا مجموعہ نعت جس پر علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، بحر العلوم علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی، مفکر اسلام علامہ بدر القادری، ہالینڈ، ادیبِ شہیر علامہ مفتی محمد اسلم بستوی اور مشہور نقاد پروفیسر عنوان چشتی نے اپنے تاثرات قلم بند کئے ہیں۔ جناب شکیل کریمی نے مجھ سے بتایا کہ حج کی روانگی کے وقت مضطر صاحب نے یہ مسودہ طباعت کے لئے مولانا نظام الدین سمنی کو سپرد کر دیا تھا خدا کرے جلد یہ مجموعہ منظرِ عام پر آجائے۔

مضطر اعظمی شعر و شاعری میں ڈاکٹر شکیل اعظمی، نشور واحدی، بلیا، ماسٹر سجاد گھوسوی اور علم انصاری گورکھ پوری سے مختلف اوقات میں اصلاح اور مشورہ سُن لیتے رہے۔

مضطر اعظمی ایون ادب کے ایک روشن چراغ تھے، ہندوستان کے آل انڈیا مشاعروں میں

مدعو کئے جاتے تھے۔ انہوں نے نشورِ واحدی، کیفی اعظمی، ملک زادہ منظور احمد، عمر قریشی، سونڈ فیض آبادی، شمسِ مینائی، کامل شفیقی، وامق جون پوری، بشیر بدر، نذیر بناری، عارف عباسی، اجمل سلطان پوری، بیکل اتساہی، راز الہ آبادی، قمر سلیمانی اور حق کان پوری جیسے شعرا کے ساتھ سیکڑوں مشاعروں میں شرکت کی ہے۔

بی۔ بی۔ سی لندن کے شعری مقابلے میں جس کا مصرع طرح تھا۔

میں کاغذ کے سپاہی کاٹ کر شکر بناتا ہوں

جس میں ہندوپاک کے ستائیس ہزار شاعروں نے حصہ لیا تھا۔ لیکن بی۔ بی۔ سی نے ان میں سے جن دس شعرا کا انتخاب کیا تھا ان میں مضطرّ اعظمی کا نام بھی شامل تھا۔ مضطرّ اعظمی نے حمد، نعت، غزل، نظم، منقبت، مرثیہ، قومی گیت، سہرا ان سبھی اصنافِ سخن پر زور و راجح آزمائی کی تھی مگر نعت ان کا مخصوص میدان رہا ہے اور نعت گو کی حیثیت سے انہیں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ مجموعی طور سے ان کی شاعری حزنِ نیا اور المیہ شاعری کے ضمن میں آتی ہے۔ ان کی کلفت بھری زندگی اور اس کے تلخ تجربات کو ان کی شاعری کے آئینے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مضطرّ اعظمی کی آواز کے اندر بھی غضب کا سوز بلا کا درد اور عجب کشش تھی جب وہ اپنے مخصوص انداز میں نعت گنگناتے تھے تو سامعین پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ مضطرّ اعظمی کی نعتوں میں بڑی تاثیر اور کسک ہوتی تھی۔ اس میں عشق و عرفان کے وافر جلوے اور تلمیحی رمز و اشارے بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ وہ مدینہ منورہ کا ذکر جمیل بڑے اچھوتے انداز میں کرتے تھے۔

عشق رسول ﷺ:

عشق رسول ﷺ ایمان کی جان اور حاصلِ زندگی ہے۔ اور نعتیہ شاعری کا محرکِ اول عشق رسول کی گہرائی و گیرائی ہے۔ جب عشق رسول قلب و فکر میں موجزن ہوگا تو شاعر کے نوکِ قلم سے تو صیفِ رسالت کے زمزمے پھوٹیں گے اور عشق جتنا عمیق ہوگا اشعار اتنے ہی پراثر ہوں گے۔ بلاشبہ مضطرّ اعظمی کے دل کا گوشہ گوشہ عشق رسول کے پاکیزہ جذبات سے مملو تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں عشق رسول کی وارفتگی خوب پائی جاتی ہے، ان کا عشق اتنا گہرا تھا ملاحظہ فرمائیں۔

مسکراتا ہے تصور لے کے جّت ہاتھ میں
بند کیں آنکھیں مدینے کی زیارت ہو گئی

حشر کے دن گر لب کوثر ابھرنا ہے تجھے
خود کو بحرِ عشق سرور میں ڈبو لے زندگی

فرشتے آبِ پاشی کے لئے آتے ہیں جّت سے
نبی کا عشق جب بوتے ہیں ہم دل کی زمینوں میں
ملک بجرِ نبی میں بھیگی آنکھیں دیکھ کر بولے
بھرا ہے آبِ کوثر ان بہشتی آبِ گینوں میں
مضطرّ اعظمی کے پاس ہجر رسول کا بے انتہا درد تھا اور وہ اس درد کے اس قدر عادی ہو گئے
تھے کہ وہ ان کے لئے عضو سہارا بن گیا تھا۔

سہارا دیتا نہ مجھ کو جو دردِ ہجر رسول
مری حیات کا اک لمحہ مسکراتا نہیں
ضیائے عشق حبیب پر مضطرّ کو کس قدر اعتماد اور اعتقاد تھا ملاحظہ فرمائیں۔
ممکن نہیں چھو دے مری چوکھٹ کو اندھیرا
خورشید رسالت کی مرے دل میں ضیا ہے
سوزش ہجر کے حوالے سے ایک جگہ اور لکھتے ہیں۔
ہجر محبوب خدا میں رشکِ ریزی کی قسم
رحمت حق کو مری تر دامنی اچھی لگی

ذکرِ مدینہ:

مدینہ منورہ کو بڑی عظمت اور بے پناہ فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ یہ مقدس سرزمین پیغمبر
آخراۃ الزماں ﷺ کی آرام گاہ ہے۔ مضطرّ اعظمی نے اس شہرِ آرزو کو اپنے کلام میں خوب یاد کیا ہے،
ان کی ہر سانس سے مدینہ مدینہ کی صدا آرہی ہے۔

رسول معظم کا روشن ہے سینہ

پکارے نہ کیوں دل مدینہ مدینہ

ہندوستان سے جب حجاج کرام کا قافلہ رواں ہوتا تھا تو مضطرّ اعظمی بے چین ہو جاتے تھے
ان کی روح تڑپ اٹھتی تھی اور ایک مضطرب عاشق کی طرح سکنے لگتے تھے۔

اہل قافلہ چلے گئے سسکتا چھوڑ کر
 آرزو کی مئے سے پڑ تھا دل کا جام توڑ کر
 تھا یقین کریں گے اب کی سال یا رسول
 ہے گناہ گار مرا بال بال یا رسول

مضطر اعظمی کی نگاہ ان اربابِ ثروت پر پڑی جو ہر سال ہی دیارِ حبیب میں پہنچتے ہیں ان کو
 احساس ہوا کہ شائد ان کا افلاس در حبیب تک پہنچے میں مانع ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں مرے آقا
 آپ اجازت دے دیں تو میں بغیر سرمایہ سفر کے بھی پہنچ سکتا ہوں، بس آپ کا بلاوا آجائے بغیر
 آپ کے اذن کے حاضری ناممکن اور محال ہے۔

آرزوئے دید پانی کی لکیر تو نہیں
 میر طیبہ صرف حصہ امیر تو نہیں
 ہے بغیر اذن حاضری محال یا رسول
 ہے گناہ گار مرا بال بال یا رسول

اپنے مقبول ترین سلام ”السلام اے حبیبِ خدا السلام“ میں یہ استغاثہ پیش کر رہے ہیں۔

میری آنکھوں کا دامن خدا کے لئے
 سبز گنبد کے جلوؤں سے بھر دیجئے
 حاضری کا مرے کیجئے انتظام
 السلام اے حبیبِ خدا السلام

مضطر اعظمی کتنی حسرت سے کاروانِ مدینہ کو دیکھ رہے ہیں۔ کتنے درد بھرے انداز میں اپنی
 مفلسی کا گلہ کر رہے ہیں۔

کیوں نہ روئے مرے حال پر بے بسی
 حسرت دید اب تک نہ پوری ہوئی
 قافلے والے امسال بھی یا نبی
 جا رہے ہیں مجھے چھوڑ کر دیکھئے
 تو مجھے لے چل کسی صورت نبی کے شہر میں
 اس کی اجرت حسبِ منشأ چاہے جو لے زندگی

مدینہ منورہ، کی یادیں مضطر اعظمی کو کس قدر ستاتی تھیں۔ وہ کتنے پُر سوز اور درد انگیز انداز میں کہتے ہیں۔

پھوٹ کے روتا ہوں میں، روتی ہے میری مفلسی
طیبہ طیبہ جب سکوتِ شب میں بولے زندگی

تلمیحی رنگ:

مضطر اعظمی عالمِ دین تو نہیں تھے مگر قرآن و حدیث پر ان کی نظر تھی۔ سیرتِ طیبہ اور تاریخِ اسلام کا گہرا مطالعہ تھا ان کے کلام میں جا بجا تلمیحی اشارے ملتے ہیں۔

صدا بلال کی سننے کو مضطرب زمیں
کھلے ہیں گوشِ فلک بھی اذال کے لئے

اگر رسول نہ آتے تو باغِ ہستی میں
کلی چٹکتی نہیں بھونکا گنگناتا نہیں
حجر یہ کہتا ہے نعتِ رسول پڑھ پڑھ کے
وہ کون ہے جو محمد کے گیت گاتا نہیں

شجر اپنی جگہ سے چل پڑا صلِ علی کہ کر
یہ سنتے ہی کہ سرکارِ دو عالم نے بلایا ہے
دریا لے ہوس منہ سے اُگلنے لگا پانی
کیا حضرت فاروق کا خط اُس کو ملا ہے
والشمس ہو واللیل ہو یلین ہو کہ طہ
ہر ایک میں نورِ رخِ احمد کی ضیا ہے

وظیفہٴ نعت:

نعت گوئی ایک عبادت اور عاشقِ رسول ﷺ کے لئے طمانیتِ قلب کا سبب ہے۔ وہ بڑا خوش نصیب شاعر ہوتا ہے جو بارگاہِ سرورِ کونین میں مدح و ثنا کے خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ نعت نگاری یہ عطیہٴ ربانی ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ مشہور صحابی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

نعتوں کو سرکارِ سن کر تبسم فرماتے اور انھیں دعاؤں سے نوازتے تھے۔
 مضطرّ اعظمی نعتیں عبادت، ذریعہ نجات، توشیحہ آخرت اور وظیفہ عقیدت سمجھ کر لکھا کرتے
 تھے۔ نعتیہ شاعری ان کی روحانی غذا تھی ان کو اپنی نعت نویسی پر بڑا اعتماد تھا۔ انہوں نے اپنے کلام
 میں جگہ جگہ نعت خوانی اور نعت نگاری کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔
 جو میں نے چھیڑ دیا آمنہ کے پھول کا ذکر
 بہارِ خلد نے بو سے مری زباں کے لئے

سناتا رہتا ہوں نعت رسول بچوں کو
 میں اپنے گھر کو جہنم کبھی بناتا نہیں
 نعت رسول پاک کا مضطرّ ہے یہ صلہ
 عزت جو مل رہی ہے تجھے اپنے گاؤں میں

زندگی کو میں لگا اچھا کہ لکھتا ہوں میں نعت
 اور مجھ کو نعت پڑھتی زندگی اچھی لگی
 عقیدت سے جب نعت میں نے رقم کی
 جبین چوم لی قدسیوں نے قلم کی

خلوصِ دل سے میں نے جب پڑھی ہے نعتِ مصطفیٰ
 سنی گئی زہے نصیبِ بزمِ ذی وقار میں
 نعت نگاری کا صلہ مضطرّ کس شکل میں ڈھونڈ رہے تھے جو ارضِ حرم میں انہیں حاصل ہو ہی
 گیا ملا حظہ کیجئے۔

عالمِ جاں کنی میں بھی ہے شادماں
 لب پہ جگنو تبسم کے ہیں ضوِ فشاں
 بھر گئی قبرِ مضطرّ کی انوار سے
 نعتِ پاکِ نبی کا اثر دیکھئے

وہ نعت پاک حفظ و امان کا سپر سمجھ کر لکھتے تھے۔
 کاٹ لی جائے زباں کو کیوں نہ مگر اے مضطر
 نغمہ نعت نبی لب پر ہمیشہ رکھیں

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کی خمیر تھی:

ذی الحجہ کا جب مبارک مہینہ آتا ہے تو عالم اسلام سے حجاج کرام کا نورانی کاروں پوری
 وارفتگی کے ساتھ سرزمین طیبہ کی طرف رواں دواں نظر آتا ہے۔ ۲۰۰۷ء کی بات ہے علم و دانش کی
 مردم خیز سرزمین گھوسی ضلع مو سے ارض بطحا کے لئے ایک قافلہ جبین شوق کی لمعانیوں سے تابناک
 نکلت و نور کی عطر بیزیاں کرتے نکلا۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کے سرمدی نعمات سے پوری فضا گونج رہی تھی اسی جہوم میں ایک متوسط قد، سر پر عمامہ
 سجائے ہوئے اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے ہوئے دھیرے دھیرے مستانہ وار چل رہا تھا
 لوگ جوق در جوق مصافحہ و معانقہ کر رہے تھے اور مبارک بادیاں پیش کر رہے تھے۔ یہ دیوانہ
 رسول تھا یہ ایک عاشق صادق تھا جس کے قلب و جگر کا چپہ چپہ اور ذہن و فکر کا گوشہ گوشہ حب رسول
 کے پاکیزہ جذبات سے معمور تھا اور لوگ کہہ رہے تھے دیکھو دیکھو یہ مضطر اعظمی ہیں یہ بھی زیارت
 حرمین طیبین کے مقدس سفر کے مسافر ہیں۔

۳۱ دسمبر ۲۰۰۷ء کو یہ قافلہ گھوسی سے نکلا ۳۱ دسمبر ہی کو بنارس سے پرواز ہوئی جب جہاز جدہ
 ایر پورٹ پر اترا تو ۲۴ دسمبر کی تاریخ لگ چکی تھی اسی دن پہلا عمرہ کیا تھا۔ ۸ دسمبر ۲۰۰۷ء کو مضطر
 اعظمی محلہ عزیز یہ میں اپنی قیام گاہ پر پہونچے احرام لپیٹے ہوئے ہیں۔ آج بھی انہوں نے عمرہ کا
 طواف کیا۔ مچل مچل کے سعی کی مدینہ آمنہ کے بہت قریب پہنچ چکے تھے۔ در حبیب کی کشش کھینچے
 جا رہی تھی۔ سینے میں درد اٹھا ڈاکٹر نے انجکشن دیا اور ہاسپٹل لے جانے کو کہا وقت معوق قریب آچکا
 تھا چند لمحوں کے بعد مضطر اعظمی کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور وہ حج بیت اللہ کی دائمی
 سعادت سے ہم کنار ہو گئے۔

بیمار محمد سے کہا ہنس کے اجل نے
 جینے سے بھی بہتر ترے مرنے کی ادا ہے

مکہ معظمہ میں مضطرّ اعظمی کی موت بڑے نصیبے اور انتہائی فخر کی بات ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشنده

کلام مضطرّ اور اراضِ حرم میں مرنے کی تمنا:

لگتا ہے اس موت کا انہیں پہلے سے احساس تھا۔ ۶ شوال المکرم ۱۴۲۸ھ کو جامعہ شمس العلوم، گھوسی پرمیری ان سے ملاقات ہوئی میں نے روانگی حج پر انکو مبارک باد دی اور فرمائش کی کہ مدینہ منورہ میں کوئی نعت ضرور لکھئے گا پھر واپسی پر ہم لوگ سنیں گے یہی ہم لوگوں کا تحفہ ہوگا تو مضطرّ صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ گزشتہ سال بھی حج کا فارم بھرا تھا مگر کینسل ہو گیا تھا میں نے زندگی بھر وہاں مرنے کی بھیک مانگی ہے ممکن ہے ایک سال زندگی باقی رہی ہو اس لیے اس سال کا فارم قبول نہ ہوا۔

ایک بار بستی کے ایک سفر میں مضطرّ صاحب کے ساتھ تھا وہ بہت خوش تھے انہوں نے مجھ سے کاغذ طلب کیا اور مندرجہ ذیل شعر لکھ کر دیا اور کہا رکھ لو ہو سکتا ہے اس کی ضرورت پڑے۔

آ رہی ہے صدا ہر طرف سے ہو نہ ہو مضطرّ خوش نوا ہو

حاجیو دیکھو کوئے نبی میں اک مسافر کی میت پڑی ہے

میں نے سنا ہے کہ روانگی حج کے وقت یہی شعر لوگوں کو سنارہے تھے۔ مضطرّ اعظمی جنہوں نے زندگی بھر روضہ رسول پر مرنے کی آرزو کی شہر رسول کو اپنا مدفن بنانے کا خواب دیکھتے رہے تو سرکار علیہ السلام کی ہجرت گاہ تو میسر نہ ہو سکی ہاں آپ کے مقدس مولد و منشا میں ایک گرز زمین پا کر آسودہ خاک ضرور ہو گئے۔ آئیے مضطرّ اعظمی کی دلی آرزو اور قلبی تمناؤں کو ان کے اشعار کے جہر کوں سے دیکھیں کتنی سچی طلب اور کتنی اچھی تڑپ تھی۔

آرزو ہے موت آئے آپ کے دیار میں

اس مقام پہ حیات پہنچی انتظار میں

اب سفید ہو رہے ہیں سر کے بال یا رسول

ہے گناہ گار مرا بال بال یا رسول

زندگی پھر زندگی ہے زندگی کی بات کر
کوئے طیبہ میں ہمیں تو موت بھی اچھی لگی
مدینے میں موت آئے مضطرّ کو یارب
بنے خاک یہ مصطفیٰ کے قدم کی

کرتا ہے کوئی چاند پہ جینے کی تمنا
ہم کوئے محمد میں قضا مانگ رہے ہیں
دیوانے کی مٹی نہ اکارت ہو الہی
ہو لاش مری اور بیابان محمد

مضطرّ اعظمی جیسا قادر الکلام شاعر اپنے ہزاروں معتقدین کو چھوڑ کر دیار حبیب کے قریب
دائمی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ زندگی بھر جو تمنا ان کے سینے میں انگڑائی لے رہی تھی وہ پایہ تکمیل کو
پہنچ گئی۔ مضطرّ اعظمی تو داغِ مفارقت دے گئے مگر عشقِ رسول کو بیدار کرنے والا ان کا سرمایہ نعت
ہمیشہ ان کی یاد تازہ کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کی مدح و ثنا کے صدقے میں
جنت الفردوس میں انہیں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)

گوشہ

حسان الہند علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

فَكُنْ أَنْتَفِي يَوْمَ يُلُوذُكَ الْوَرَى
يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ جَزَائِي

ترجمہ: اس دن جب ایک خلقت آپ کی پناہ ڈھونڈے گی آپ
رحمت اللعالمین میری جزا بن جائیے۔

علامہ سید آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

نعت رسول مقبول ﷺ

رُوحِي الْفِدَاءُ لِرَوْضَةِ قُدْسِيَّةٍ
 مَمْلُوءَةٍ بِلِطَافَةٍ وَصَفَاءٍ
 نَظَرُ الْحَبِيبِ إِلَى الْغَرِيبِ عِنَايَةٌ
 نَظَرُ الْعِنَايَةِ شَيْمَةَ الْكُبَرَاءِ
 مَا أَحْسَنَ الْقَبْرَ الَّذِي فِي حَجَرِهِ
 خَيْرُ الْبَرِيَّةِ سَيِّدُ الْبَطْحَاءِ
 فَكُنْ أَنْتَفِي يَوْمَ يَلُودُكَ الْوَرَى
 يَا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ جَزَائِي
 مَاذَا يُقَرِّبُ فِي ثَنَائِكَ وَاصِفِ
 أَثْنِي عَلَيْكَ اللَّهُ حَقَّ ثَنَاءٍ
 أَحْسِنِ إِلَيَّ ضَيْفِ بَيْابِكَ وَأَقِفِ
 شَأْنُ الْكِرَامِ ضِيَا فَةُ الْغُرَبَاءِ
 صَلَّى عَلَيْهِ وَآلِهِ رَبُّ الْوَرَى
 وَعَلَى مَعَاشِرٍ، صَحْبِهِ الرَّحْمَاءِ
 ۱۔ میری جان اس روضہ اقدس پر قربان جو لطافت و پاکیزگی سے مالا مال ہے۔
 ۲۔ مسافر غریب الدیار کی طرف حبیب کا دیکھنا عنایت ہے اور نظر کرم تو بڑوں کا ہی شیوہ ہے۔
 ۳۔ کیا اچھی آرام گاہ ہے جس کی آغوش میں بہترین خلائق و سرور بطحا آرام فرما ہیں۔
 ۴۔ اس دن جب ایک خلقت آپ کی پناہ ڈھونڈے گی آپ کی رحمتہ للعالمین میری جزا

بن جائیے۔

۵۔ آپ کی تعریف و ثنائیں کوئی شخص کیا پیش کر سکتا ہے آپ کی تعریف و ثناء تو اللہ نے بھرپور کی ہے۔

۶۔ احسان فرمائیے اس مہمان پر جو آپ کے در و دولت پر حاضر ہے کریموں کی شان غریبوں اور مسافروں کو نوازنا ہے۔

۷۔ مخلوق کے پالنہ ہارنے آپ پر اور آپ کی آل پر در و دو سلام بھیجا ہے اور آپ کے ان تمام صحابہ پر بھی جو باہم رحیم و شفیع ہیں۔



نعتیہ قصیدہ

- ۱ زاد الالہُ سنا بقیع الغرقد
۲ ورعی المہینُ بقعة رضاضہا
۳ لاغروا ن اربی العقیق علی الثری
۴ ماء العقیق کرامة صمدیة
۵ و علی تذکرہ ماء ہ و ہوائہ
۶ أشجارُها قامت علی ساق الہدی
۷ أملاک أطباق السماء طیورُها
۸ جبریل ثم مهلل و مسبح
۹ قلبی حمام بالمدينة، طائر
۱۰ قالت لطرفاء الفلاة حمامة
۱۱ قالت لها: أو ما ترین مکانتی
۱۲ غوث الوری، غیث الندی، غرض المنی
۱۳ کحل العیون غبار نعل المصطفی
۱۴ ان الذین عیونہم مجلوۃ
۱۵ عطف النبئی علی المفاة کرامة
۱۶ أسنی رسول اللہ مرتبة الہدی
۱۷ شہب السماء بأسرها مصنوعة
۱۸ آزاڈ یرجو من جنابک نظرة
۱۹ أوصافک الغراء هُنَّ کواکب
۲۰ یا رب! ھد له سلاماً ناضراً
-۱ جت البقیع کی چک اور روشنی کو اللہ نے بہت بڑھا دیا ہے، وہاں کے کنکر، پتھر ایسے چمکتے
- حسیاتہ یلمعن مثل الفرقد
تحکی جواهر فی نحور الخرد
فانّ الجلاید و هو بعض الجلمد
ألفی به المرضی شفاه الأکبد
هجمت مدامع مقلتی و تنهّدی
و ظلالُها ما الرجال السجد
و صفیروها ذکر الالہ السرمد
لله صوت حمامها المتغرد
لکن جسمی موثق فی مصید
لم تمحین و تفخرین؟ فأرشدی
قد کان منا منبر لمحمد
کھف الأرامل، ملجأ المسترفد
و شراکھا متمسک المستنجد
تمسکون بحبلہ المستخصد
نجنی الجنان غصنہ المتخود
راقت جلالته مقام السؤدد
من نور هذا الکوکب المتوقد
انجح مرام السائل المترصد
إحساؤہنا أعی لسان المنشد
مانضر الأمطار نبت الأنجد

ہیں جیسے قطب شمالی کی جانب کا روشن تارہ۔ ”بقیع الغرقد“ مدینہ منورہ کے اس قبرستان کا نام ہے، جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اہل بیت، اور ازواج مطہرات، ہزاروں شہداء، علماء، حجاج اور اہل مدینہ دفن ہیں، اور آج تک وہی قبرستان عام ہے، اردو میں لوگ اس کو ”جنت البقیع“ کے نام سے یاد کرتے ہیں، فرقہ، قطب شمالی کے اس تارے کو کہتے ہیں جس سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

۲۔ نگہبانی کرنے والا مالک (اللہ) اس گوشہ زمین کی اپنی رحمت کے ساتھ نگرانی فرمائے جس کی کنکریاں ان جواہرات کی مانند ہیں جو کسی خوب رو کے گلے کی زینت ہوں۔
۳۔ اس میں تجب کی کیا بات ہے کہ عقیق مٹی سے بڑھ گیا، پتھروں پر فائق ہو گیا اور وہ خود بھی پتھر ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔

عقیق وادی کو بھی کہتے ہیں اور لعل و جواہر کی قسم کا ایک پتھر بھی عقیق کہلاتا ہے، مدینہ منورہ کی ایک وادی کا نام ”العقیق“ ہے، اس شعر میں ”وادی العقیق“ کی رعایت بھی ہے۔

۴۔ وادی عقیق کا چشمہ خدائے بے نیاز کا ایک کرشمہ ہے، بتلائے الممریضوں کے لئے شفا ہے۔
۵۔ اس وادی کی ہوا اور پانی کی یاد سے میرے چشم و دل سے آنسوؤں کے سوتے اہل پڑے۔
۶۔ اس وادی کے درخت ہدایت کے تنوں پر کھڑے ہیں اور ان درختوں کے سائے تلے سجدہ ریز بندوں کا ٹھکانہ ہے۔

۷۔ ان درختوں کی شاخوں پر (چھپھانے والے) پرندے طبقات آسمانی کے فرشتے ہیں جن کا نغمہ ہمیشہ رہنے والے خدا کا ذکر ہے۔

نوٹ: ”الماک“ ملائکہ کی طرح ملک (فرشتہ) کی جمع ہے، اس کا مصدر الوکہ ہے، پیغام رسانی کے معنی ہیں، لغت میں دیکھنا ہو تو اس کو لاک کے مادہ میں تلاش کیجیے۔

۸۔ وہیں پر (یعنی اسی وادی میں) حضرت جبرئیل بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، اور کیا کہنا ہے ان درختوں پر چھپھانے والے بلبلوں کا۔
جس طرح فارسی اور اردو میں ”بلبل“ اور ہندی میں ”کوکل“ ایک علامتی پرندہ ہے، عربی میں ”حمامہ“ کبوتری، (جمع حمام) ہے۔

۹۔ میرادل مدینہ (کی فضا) میں اڑنے والا پرندہ (کبوتر) ہے لیکن میرا جسم شکار گاہ میں قید ہے۔
۱۰۔ ایک بلبل نے ایک صحرائی درخت سے پوچھا: تم کس بات پر اکڑتے ہو، تمہیں کس بات پر غرور ہے؟

- ۱۱۔ اس درخت نے جواب دیا۔ تمہیں میری حیثیت نظر نہیں آتی؟ میرے ہی تنے سے محمد (ﷺ) کا منبر بنا تھا۔
- ۱۲۔ (اور کون محمد (ﷺ) وہ جو کائنات کے لیے ایک رحمت، خشک زمین کے لیے آسمانی بارش، تمناؤں کے کعبہ مقصود، بیواؤں کے سر پناہ، اور بے سہاروں کے بٹاؤ ماویٰ ہیں۔
- ۱۳۔ مصطفیٰ (ﷺ) کی جوتیوں کی خاک آنکھوں کا سرمہ ہے، اور ان جوتیوں کا تسمہ نجات کے طالبوں کے لیے سہارا لینے کی رسی ہے۔ متمسک اس رسی کو کہتے ہیں جس کو پکڑ کر دریا میں ڈوبتا ہوا آدمی سہارا لیتا اور کنارے آجاتا ہے، مستنجد کے معنی ہیں نجات کا طالب۔
- ۱۴۔ وہ لوگ جنکی آنکھیں، اس سرمہ سے روشن ہو چکی ہیں وہ آپ کی نہ ٹوٹنے والی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔
- ۱۵۔ رسول اللہ (ﷺ) کا لطف و کرم نوازشوں کا سرچشمہ ہے، ہم آپ (ﷺ) کے میوں سے لدی ہوئی شاخوں سے پھل توڑتے رہتے ہیں۔ متحر د۔ اس شاخ کو کہتے ہیں جو میوں کے بار سے جھک جاتی ہے، کرامتہ یہاں اردو کی کرامت کے معنوں میں نہیں، بلکہ احسان و انعام کے معنوں میں ہے، مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے ”نوازشات کا سرچشمہ“ ترجمہ کر دیا گیا ہے۔
- ۱۶۔ رسول اللہ (ﷺ) نے ہدایت کا رتبہ روشن کر دیا اور آپ (ﷺ) کی عظمت نے سیادت کے مقام کو بڑھا دیا۔
- ۱۷۔ آسمان کے سب تارے اسی روشن ستارہ کے نور سے بنے ہوئے ہیں۔
- ۱۸۔ آزاد آپ کے در دولت پر کھڑا نگاہ کرم کا منتظر ہے، اس سائل کے مقاصد کو بر لائے جو آپ (ﷺ) کی عنایت کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہے۔
- ۱۹۔ آپ کی خوبیاں تاروں کی مانند ہیں، جن کا شمار کرنا مدح خواں کے بس سے باہر ہے۔
- ۲۰۔ اے اللہ! میرا شاداب سلام ان (ﷺ) کی خدمت میں پہنچا دے اور اس وقت تک سلام رسانی کا سلسلہ جاری رہے جب تک بارش نشیبی زمینوں کے پودوں کو تازہ کرتی رہے، (یعنی ہمیشہ ہمیشہ)۔

اردو ترجمہ: ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

فارسی نعتِ نبوی ﷺ

معذرت: (اللہ معاف کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں (تو۔ تیرے) سے خطاب گستاخی ہے مگر علامہ آزاد بلگرامی کی مذکورہ نعتِ نبوی کا منظوم ترجمہ کرتے ہوئے مجبوراً یہ اسلوب اختیار کرنا پڑا۔ ڈاکٹر رؤف خیر)

فارسی: علامہ آزاد بلگرامی منظوم ترجمہ: ڈاکٹر رؤف خیر

اے روئے تو آئینہ دیدارِ خدائی چہرہ ترا آئینہ دیدارِ خدائی
بینائی ترا نیست زِ اللہ جدائی دیدار نہیں ہے ترا خالق سے جدائی

تا سرو تو در گلشنِ ایجاد خرا مید تو سرو رواں گلشنِ ایجاد میں جب تھا
بو سند زمین تو تدروانِ سمائی دھرتی پہ اترتے تھے چکورانِ سمائی

دادی بہ ہما روزِ ازل سایہ خود را خوش بخت کیا اپنے ہی سائے سے ہما کو
شک نیست کہ فیض تو بود فیضِ ہمائی بے شک ہے ترا فیض ہی خود فیضِ ہمائی

عبر نشود سبز گلِ تازہ تر آید وہ پھول ہے کب پھول کہ خوش بو کی سند بھی
آں جا کہ کند خلقِ خوشتِ عالیہ سائی جس نے بھی ترے خلقِ عظیمی سے نہ پائی

گر خاکِ درت حسن تو جہ تمناید گر خاک ترے در کی نہ دے حسن تو جہ
آئینہ دل را کہ کند زنگِ زدائی آئینہ دل سے نہ چھٹے زنگ کی کائی

آں غصہ خاکی کہ نمودی شبِ معراج پہنچا جو ترا غصہ خاکی کی شبِ معراج
ہر ہفت فلک جلوہ زہی جلوہ نمائی تھے ساتوں فلک جلوہ گہ جلوہ نمائی

پروردہ خوانِ کرم تہر کہ و ہر مہ پروردہ ترے خوانِ کرم کا کس و ناکس
عیسیٰ کنداز ماندہ ات زلہ ربائی نعت ترے ماندے سے عیسیٰ نے بھی پائی

باجبہء واپس کہ دھی دادِ سخاوت تو نے تو کھلے دل سے جودی دادِ سخاوت
جُملت نکشد غیرتِ سائل زگدائی سائل کو گدائی سے کبھی شرم نہ آئی

بشناخت کہ بستن چہ بود دستِ مبارک تو ہاتھ اٹھالینے سے وقت ہی نہیں ہے
بوسد کفِ فیاضِ ثرا۔ حاتمِ طائی چومے ترے ہاتھوں کو سدا حاتمِ طائی

نشیدہ سخنِ فیض بہ سایلِ برسانی سائل کو بنا مانگے ہی سیراب کیا ہے
حاشا کہ بود دستِ تو رہنِ شنوائی واللہ طلب کی کبھی نوبت نہیں آئی

انکشتِ تو آلودہ بہ خوں درِ ایزد خوں رنگ ترے ہاتھ رہے راہِ خدا میں
زبند بہ انکشتِ تو ایں رنگِ حنائی زیبا انھیں دیتا ہے یہی رنگِ حنائی

قرآن تو تا روزِ جزا سا معہ افروز قرآن سماعت کا اثاثہ ہے ابد تک
نمود کسی غیر تو اعجازِ کدائی یہ دولتِ اعجاز کہاں اورنے پائی
اقلندہ دعاے تو زپا بدگہراں را دشمن کو کیا زیرِ فقط تیری دعا نے
درِ سینہء دشمن رَوَد ایں تیرِ ہوائی سینے کے ہوا پار یہی تیرِ ہوائی

بدعت نتواند کہ بر آرد نفسی راست بدعت کو کہاں سانس بھی لینے کی سکت ہے

نئے می شکند شرع تو در سینہ نائی دیتی ہے یہ نئے تیری شریعت کی دہائی

بستند کمر پیش غلام تو امیراں ہیں تیرے غلاموں کی تو پیشی میں بھی امراء
زیبہ بہ غلام تو امیر الامرائی زیبا ہے انھی کو تو امیر الامرائی

شہا گرہ کارِ من غم زدہ واگن ہے عقدہ کشائی جو ترے دستِ کرم میں
در ناخنِ لطف تو بود عقدہ کشائی سرکار ہو مجھ غم زدہ کی عقدہ کشائی

ہر لحظہ زجا خیزم و برگرد تو گرم ہر لحظہ تری خاک کے اطراف میں گھوموں
لازم کہ گنی پر سش احوالِ فدائی لازم ہے کہ کر پر سش احوالِ فدائی

خواہم کہ کنم طوف تو بارِ دگر امان خواہش ہے کہ میں پھر ترے دربار میں آؤں
در ماندہ کارِ خودم از بے سروپائی حارج ہے تھکی ماندی مری بے سروپائی

شبنم نتواند کہ پردِ جانبِ بالا شبنم کی یہ جرأت نہیں اڑ جائے وہ اوپر
خورشیدِ جہاں تاب دہد بالِ رسائی تا وقتیکہ خورشید نہ دے اذنِ رسائی

ایں کام کہ خواہم ز جناب تو روا ساز درپیش تو مشکل نبود کامِ روائی
درپیش تو مشکل نبود کامِ روائی آتی تھی کہاں عقل میں آزادیِ سلماں
سلماں کہ رہا گشتنِ او عقل نمی خواست زنجیر سے دی تیرے کرم ہی نے رہائی
لطف تو بہ او داد ز زنجیر رہائی

با من عملے نیست کہ فردا برہانید کل کے لیے میں نے تو عمل کچھ نہیں بھیجا
جو ایں کہ بہ پائے تو کنم ناصیہ سائی سوبس ترے قدموں پہ کروں ناصیہ سائی

گر خاک شوم از سرِ کوئے تو خیرم جاؤں گا کہاں گر ترے کوچے سے اٹھوں گا
آسودہ کوئے تو نباشد ہمہ جائی آسودہ بناتی ہے ترے در کی گدائی

توصیفِ تو از حوصلہء ناطقہ بیروں ہے کس کو بھلا کب تری توصیف کا یارا
کلک کہ تواند کہ کند عہدہ بر آئی ممکن نہیں خامے سے مرے عہدہ بر آئی

آزاد رساندی بہ کجا سحر بیانی آزاد کہاں پہنچی تری جادو بیانی
بستند زباں پیش تو عرقی و شانی ہیں گنگ ترے آگے تو عرقی و شانی

لیکن تو و اظہارِ کمال ایں چہ مناسب ! تو اور یہ اظہارِ ہنر کب ہے مناسب
عیب است نہ نزدِ عقلا خویش ستائی کھلتی ہے خرد مندوں کو آپ اپنی بڑائی

صیتِ نبوی در دو جہاں شورِ فگن باد یوں دونوں جہانوں میں بھی شہرہ ہونی کا
تا فاختہ برسرو کند نغمہ سرائی پُر امن پرندوں کی رہے نغمہ سرائی

منقبت در شانِ حسانِ الہند

نظرِ کرم اٹھا دو آزادِ بگرامی
بگڑی مری بنا دو آزادِ بگرامی

یادِ شہِ دو عالم ہر پل ہو میرے دل میں
دنیا کے غم بھلا دو آزادِ بگرامی

صغریٰ ولی کے در پر ہر دم پڑا رہوں میں
ایسی مجھے دعا دو آزادِ بگرامی

میں بھی تمہارے در پر آیا ہوں بھیک لینے
مجھ کو بھی کچھ دلا دو آزادِ بگرامی

عارفِ میاں کے صدقے اپنے شہیر کو بھی
آفات سے چھڑا دو آزادِ بگرامی

شہیرِ رضوی (یوپی)

ڈاکٹر غلام زرقانی (ہیوسٹن)

حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی اور عربی خدمات

علمی دنیا میں حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، خصوصیت کے ساتھ برصغیر ہندوپاک میں عربی زبان و ادب کی تاریخ ان کے تذکرے کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔ شعر و ادب، تذکرہ اعلام، تاریخ وطن، حدیث و قرآنیات اور نقد و نظر سے متعلق علوم و فنون کے بہتیرے گوشوں پر خدمات جلیلہ نے انہیں معاصرین پر امتیازی شان عطا کر دی ہے۔

ولادت اور حصول علوم و معارف:

سید غلام علی آزاد بلگرامی ۲۵ صفر ۱۱۱۶ ہجری میں ہوئے۔ آپ کے جد امجد میر عبد الجلیل بلگرامی اپنے وقت کے جلیل القدر علمائے کرام میں شمار کیے جاتے تھے۔ اس لیے یہ کہنا حقیقت کی ترجمانی ہے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی کو صغریٰ سے ہی علمی ماحول میسر آیا، جس نے شخصیت سازی میں متحرک و فعال کردار ادا کیا۔

حسان الہند نے حصول تعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے سید طفیل محمد الحسینی بلگرامی سے ابتداء سے انتہاء تک کی درسی کتابیں پڑھیں۔

”قرأت الکتب الدارسیہ بدایۃ ونہایۃ علی صاحب الرتب السوامی مولای السید طفیل محمد الحسینی الاترولوی البلگرامی روح اللہ روحہ۔“

اسی درمیان جب میر عبد الجلیل بلگرامی اپنے مقام ملازمت سے واپس تشریف لائے، تو حسان الہند نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان کی علمی برکتوں سے فیض یاب ہونے لگے۔ تاہم یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور سید میر عبد الجلیل بلگرامی بادشاہ وقت کے حکم پر دہلی چلے گئے۔ حسان الہند کسب فیض کرتے ہوئے ان کے استحضار علمی اور وسعت نظر کے معترف ہو چکے تھے، اس لیے اپنی پیاس بجھانے کے لیے دہلی جانے کی ٹھان لی۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ

سید میر محمد یوسف اور سید میر عظمت اللہ بھی تھے۔ میر عبد الجلیل بلگرامی سے استفادہ کرنے کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”واخذت اللغة ، والسيرة النبوية ، وسند الحديث المسلسل بالاولية وحديث الاسودین ، واجازة اکثر کتب الاحادیث ، والشعر العربی والفراسی عن جدی القریب من جهة الام استاذی السید عبد الجلیل البلگرامی۔“ ۳

یعنی زبان وادب، سیرت نبوی، سند حدیث مسلسل، حدیث الاسودین اور اکثر احادیث کی اجازت، نیر عربی اور فارسی شاعری کی تعلیم میں نے اپنے نانا حضرت سید عبد الجلیل بلگرامی سے حاصل کی۔

جیسے جیسے علوم و معارف کی گہرائی میں اترتے جا رہے تھے، سید غلام علی آزاد بلگرامی کا جذبہ شوق مزید بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اتفاق کہیے کہ سید عبد الجلیل بلگرامی کے صاحبزادے سید محمد بلگرامی بھی اپنے والد بلگرامی کے پوتے تھے۔ انہیں بھی علوم و فنون میں کمال حاصل تھا۔ حسان الہند نے موقع غنیمت سمجھا اور ان سے عروض، قوافی اور شعر وادب پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ ۴

سیر و سیاحت

مزے کی بات یہ ہے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے جملہ اسفار کی تعداد تین تک محدود بتائی ہے، تاہم سوانح نگاروں نے ان سے کئی دوسرے اسفار بھی منسوب کر دیے ہیں اور وہ واقعی درست ہیں، جس سے مجال انکار نہیں۔ تو کیا سید غلام علی آزاد بلگرامی جیسی علمی اور دینی شخصیت نے صراحت کے ساتھ کذب بیانی کی ہے؟ ظاہر ہے کہ تعین اسفار کے دونوں پہلو ایسے نہیں ہیں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دے کر بات آگے بڑھائی جاسکے، نہ تو تذکرہ نگاروں کی تکذیب کی جاسکتی ہے اور نہ ہی حسان الہند کی۔

اچھا پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ حسان الہند نے متذکرہ تعداد کی تحدید کرنے کے بعد دوسرے اسفار کیے ہوں، تاکہ بات بن جائے، بلکہ تحدید سفر کی بات خزانہ عامرہ میں کی ہے، جو ۱۱۷۱ھ ہجری میں لکھی ہے۔ ۵۔ جب کہ ان کے اکثر اسفار ۱۱۵۴ھ ہجری اور ۱۱۶۵ھ ہجری کے درمیان ہوئے ہیں۔ ۶۔ غالباً اسی الجھن سے بچنے کے لیے بعض محققین نے دبی زبان میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ غلام علی آزاد بلگرامی کے تحدید اسفار کی صراحت محل نظر ہے۔ ۷

میرے خیال میں اتنی سطحی بات میں کذب بیانی اور وہ بھی حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی جیسی شخصیت سے، نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ تاہم جب میں نے مزید غور و خوض کیا تو تطبیق کی ایک نئی صورت سامنے آگئی، جو معقول بھی ہے اور قابل تسلیم بھی۔ وہ یہ کہ غلام علی آزاد بلگرامی نے پوری حیات میں تین مرتبہ اپنے شہر سے رخت سفر باندھا ہے۔

پہلا: زمانہ طالب علمی میں شاہجہاں آباد کا سفر ۱۱۳۴ھ ہجری

دوسرا: سیوستان کا سفر ۱۱۴۳ھ ہجری

تیسرا: حرین شریفین کا سفر ۱۱۵۰ھ ہجری

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ غلام علی آزاد بلگرامی تین بار بلگرام سے عازم سفر ہوئے ہیں اور ہر بار کے درمیان جو جزوی اسفار ہوئے، انہیں وہ علیحدہ شمار نہیں کرتے۔ اور اس پس منظر میں دیکھیے تو غلام علی آزاد بلگرامی کی تحدید اسفار میں نہ کسی طرح کا کوئی اشکال ہے اور نہ ہی کوئی کذب و تضاد۔

سفر حرین شریفین

حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی نے بچپن میں دوران خواب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ خواب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں حاضر ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محراب میں کھڑے ہیں۔ وہ آگے بڑھتے ہیں اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مسکراتے ہوئے ملاقات کرتے ہیں، بلکہ کچھ دیر گفتگو کی سعادت سے بھی نوازتے ہیں۔ ۸

ویسے تو مرکز عقیدت کی چوکھٹ پر سجود نیاز لٹانے کی آرزو سارے مسلمانوں کے دلوں میں مچلتی رہتی ہے، لیکن جس وقت غلام علی آزاد بلگرامی خواب میں آقاؐ نے نعمت کے دیدار سے مشرف ہوئے، اسی لمحے سے حرین شریفین کی حاضری کے لیے تڑپ اور بڑھ گئی۔ بہت کوشش کی کہ کوئی راہ نکل آئے اور دست غیب سے سفر کے انتظامات ہو جائیں، تاہم جب بظاہر کوئی تدبیر ثمر آور نہ ہوئی تو ایک دن چپکے سے پایادہ تکمیل آرزو کے لیے نکل پڑے۔ دو دنوں کے بعد اہل خانہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنی بساط بھر تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ۹

ادھر سید غلام علی آزاد بلگرامی پیدل چلتے رہے۔ کہیں تکلیف دہ راستے ملتے، کہیں خاردار جھاڑیاں اور کہیں جنگلات، لیکن عزم مصمم میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور آگے بڑھتے رہے، یہاں تک

کہ مالوہ پہنچ گئے۔ قسمت دیکھیے کہ یہاں نظام الملک نواب آصف جاہ کے ایک وفد سے ملاقات ہو گئی۔ قافلہ والے ہمدردی سے پیش آئے اور اپنے ساتھ لیے ہوئے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے موقع غنیمت سمجھا اور قصیدہ سنانے کی اجازت چاہی۔ جوں ہی اجازت ملی، انہوں نے بادشاہ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے حرین شریفین کی حاضری میں مدد کی درخواست کر دی۔ اس پس منظر میں یہ شعر سماعت کیجیے۔

ای حامی دیں محیط جود و احساں حق داد ترا خطاب آصف شایاں

او تخت بدرگاہ سلیمان آورد تو آل نبی را بہ در کعبہ رساں ۱۰

نظام الملک نواب آصف جاہ نے مبارک سفر کے جملہ اہتمامات کر دیے اور سید غلام علی آزاد بلگرامی ۱۹ محرم الحرام ۱۱۵۱ھ ہجری میں جدہ پہنچ گئے۔ ۱۱
جدہ میں غلام علی آزاد بلگرامی کے ایک تخلص دوست شیخ محمد فاخر استقبال کے لیے موجود تھے۔ ان کی معیت میں مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور عمرہ کرنے کے بعد ۲۶ محرم الحرام کے دن مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر قدم رکھنے کی سعادت حاصل کی۔ یہاں پر غلام علی آزاد بلگرامی نے شیخ حیات سندی سے ملاقات کی، جن کی علمی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، خاص طور پر علم حدیث کے حوالے سے وہ مرجع العلماء سمجھے جاتے تھے۔ آزاد بلگرامی نے موقع مناسب سمجھا اور عرض کیا کہ مجھے بخاری پڑھنی ہے۔ شیخ حیات سندی نے کہا کہ کیا تم بخاری شریف اپنے ساتھ لائے ہو، اس لیے کہ میرے پاس بھی کوئی نسخہ فی الحال موجود نہیں ہے؟ آزاد بلگرامی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں اپنے ساتھ کتاب تو نہ لاسکا ہوں، تاہم مجھ سے سن لیجیے۔ اور یہ کہتے ہی ابتداء سے پڑھنا شروع کر دیا۔ شیخ حیات سندی حیرت و استعجاب سے دیکھتے ہوئے کہنے لگے کہ تم نے تو بخاری شریف مکمل حفظ کر لی ہے، اب اور کیا چاہیے؟ آزاد بلگرامی نے عرض کیا کہ مجھے صرف روایت کی اجازت چاہیے۔ ۱۲

آزاد بلگرامی نے تفصیلات بتاتے ہوئے لکھا ہے؛

”وقرات ایام اقامتها صحیح البخاری علی شیخی ومولائی صاحب

الجاه السنی الشیخ محمد حیات السندی المدنی قدس سرہ واخذت عنہ

اجازة الصحاح الستة وسائر مقروآته واقتطفت ثمارا“ ۱۳

یعنی میں نے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کے دوران اپنے شیخ اور کرم فرما حضرت شیخ محمد حیات

سندی مدنی سے بخاری شریف، نیز صحاح ستہ اور دوسری تمام روایتوں کی سند حاصل کی اور ان سے فیضیاب ہونے کی سعادت حاصل کی۔ شوال کے اخیر میں ادائے ارکان حج کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے، تو یہاں شیخ عبدالوہاب طحاوی سے کسب فیض کا موقع میسر آ گیا۔ آزاد لکھتے ہیں؛

”...اقتبست جذوات النیران العلویۃ واخذت عنہ فوائد جمۃ من

الاحادیث“ ۱۴

یعنی میں نے شیخ عبدالوہاب طحاوی سے احادیث کے حوالے سے اہم معلومات حاصل کیں۔

دکن والپسی:

۳ رجمادی الاولیٰ کو آزاد بلگرامی والپسی کے لیے نکل پڑے۔ یمن، سورت ہوتے ہوئے اورنگ آباد پہنچے۔ یہاں عارف ربانی شاہ مسافر غجدوانی کے آستانے پر حاضری ہوئی اور سات سالوں تک یہیں مقیم رہے۔ اسی دوران نواب نظام الدولۃ جنگ ابن نواب نظام الملک آصف جاہ سے ملاقاتیں رہیں۔ ۱۵

یہ عجیب اتفاق ہے کہ نواب نظام الدولۃ جنگ کو ادبی ذوق سے وافر حصہ ملا تھا۔ دوسری جانب حسان الہند آزاد بلگرامی بھی شعر و شاعری سے خوب محفوظ ہوتے تھے۔ اس طرح ہم ذوقی کی وجہ سے آزاد بلگرامی قریب سے قریب ہوتے گئے۔ عینی شاہدین کہتے ہیں کہ نواب ناصر جنگ اکثر غلام علی آزاد بلگرامی سے کلام سننے کی فرمائش کرتے، بلکہ ان کے ملکہ شعری سے مستفیض ہونے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ نواب ناصر جنگ نے اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت دیتے ہوئے آزاد بلگرامی کے علوم مرتبت، ملکہ شعری اور علوم وفنون میں دسترس کا برملا اعتراف کیا، نیز انہیں اپنے تخت خاص میں بیٹھنے کا موقع بھی عنایت کیا۔ ۱۶

اسے نیرنگی ایام کہیے کہ نواب نظام الملک آصف جاہ دہلی گئے ہوئے تھے کہ اسی درمیان ان کے صاحبزادے نواب ناصر جنگ نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور تخت سلطنت پر براجمان ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ اقدام نہایت ہی افسوسناک اور تکلیف دہ تھا، اس لیے باپ اور بیٹے کے درمیان خلیج وسیع ہوتی گئی، یہاں تک کہ طرفین کے مابین ۱۱۵۴ھ ہجری میں جنگ چھڑ گئی، جس میں والد بلگرامی فتح یاب ہوئے۔ ایسے پرخطر موقع پر غلام علی آزاد بلگرامی نے فریقین کے درمیان صلح کرانے میں نہایت ہی مدبرانہ کردار ادا کیا۔ ۱۷

بہر کیف، ۱۱۶۱ھ ہجری میں نظام الملک آصف جاہ انتقال کر گئے اور صاحبزادے نواب ناصر

جنگ مسند نشیں ہوئے۔ انہوں نے اپنے پرانے احباب، رفقاء اور ہم نشینوں کو خصوصیت کے ساتھ دربار میں طلب کیا۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی کی خدمت میں سرکاری ذمہ داری قبول کرنے کی پیشکش کر دی، تاہم انہوں نے شکریہ کے ساتھ معذرت کر لی کہ یہ دنیا طالوت کے نہر کی طرح ہے، جس میں سے ایک گھونٹ تو حلال ہے، لیکن اس سے زیادہ حرام ہے۔ ۱۸۔

دریں دربار کہ شاہی بہر گدا بخشند

غنیمت ایں کہ مارا ہمیں بما بخشند

نہر طالوت سے قرآن کریم کی آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے، طالوت کے ساتھ جانے والوں کو ایک گھونٹ پانی پینے کی اجازت تھی۔ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرَبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ (سورت: ۲، ص: ۲۴۹) جب طالوت اپنے لشکر کے ہمراہ کوچ کرنے لگے تو انہیں ہدایت دیتے ہوئے بولے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے حوالے سے آزمائش میں ڈالنے والا ہے، تو جس کسی نے بھی نہر کا پانی پیادہ میری جماعت سے نہیں سمجھا جائے گا اور جس نے نہ پیا، وہی میرا ساتھی کہلائے گا، سوائے ایک آدھ گھونٹ کے۔

سرکاری عہدہ نہ لینے کے باوجود حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی ارباب اقتدار کے درمیان بڑے عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ شیخ محمد صلابت جنگ اعتراف حقیقت کرتے ہوئے، انہیں ’رئیس الکلی‘، ’سراج المحدثین‘، اور ’رئیس العلماء‘ جیسے خطابات سے نوازا۔ اسی طرح نواب میر محمد شریف خان بسالت جنگ نے خلعہ فاخرہ، قیمتی گھوڑا اور پاکی تحفے میں دی، نیز ایک لقمہ ووق زمین بھی عنایت کی، جس کی سالانہ آمدنی اس وقت بارہ روپے سے زیادہ تھی، تاہم انہوں نے شکریہ کے ساتھ اسے واپس کر دی۔ ۱۹۔

سید غلام علی آزاد بلگرامی دکن میں علمی حلقہ بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ شعر و شاعری، تصنیف و تالیف اور دعوت و اصلاح کے حوالے سے منعقد ہونے والی بزموں میں مصروف رہتے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ حریم شریفین سے واپسی کے بعد انہوں نے اپنی علمی اور ادبی خدمات کا مرکز دکن ہی کو بنائے رکھا۔ ارباب سیاست سے کسی قدر قربت کی وجہ سے حلقہ احباب میں تیزی سے وسعت ضرور ہوئی، لیکن طبیعت میں بے نیازی اور خودداری کی وجہ سے

غلام علی آزاد نے نہ کوئی ذاتی فائدہ اٹھایا اور نہ ہی اپنے تعلقات کو علمی تحریک کی تقویت کے لیے استعمال کیا۔ اس لیے یہ کہنا ترجمانی حقیقت ہے کہ دکن میں بڑے بڑے علمائے کرام، فقہائے عظام، ادبائے عصر، اصحاب تصنیف و تالیف اور شعراء کے درمیان جو عزت و توقیر بھی انہیں ملی، وہ سر تا سران کے اپنے استعداد، علمی رعب و دبہ اور عبقریت کی بنیاد پر تھی۔

وفات

شیخ برہان الدین رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی نے ۱۱۹۵ھ ہجری میں زمین خریدی اور اپنے لیے قبر کی تعمیر کروائی۔ کہتے ہیں کہ جب قبر تیار ہو گئی تو انہوں نے ایک عظیم الشان مجلس سبائی، جس میں چیدہ چیدہ علمائے کرام، سلسلہ تصوف کے مشہور شیوخ، ارباب سیاست اور دوسرے احباب مدعو کیے گئے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آزاد بلگرامی نے انواع و اقسام کے طعام، لذیذ حلوے اور عمدہ مشروبات کے ساتھ مہمانوں کی خاطر تواضع بھی کی۔ اخیر میں مہمانوں کو رخصت کرتے ہوئے قرآنی اسلوب بیان میں کہتے ہیں:

”هذا فراق بيني وبينك“ ۲۰

یعنی یہ میرے اور تمہارے درمیان وقت فراق ہے۔

متذکرہ پروگرام کے بعد حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی نے یہیں گوشہ نشینی اختیار کر لی یہاں تک کہ ۲۴ رذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ ہجری میں مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس طرح انہوں نے اپنی عمر فانی کے ۴۸ سال دکن میں گزار دیے۔ ان کے تہا صاحبزادے موسوم بہ نور الحسن بلگرامی عین عالم شباب میں بلگرام کے ایک تالاب میں ڈوب کر ۱۱۶ھ ہجری کو انتقال کر گئے تھے۔ ۲۱

تصانیف و تالیفات

برصغیر پاک و ہند میں دین اسلام کے حوالے سے اصحاب قسطاس و قلم کی تاریخ حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی کے بغیر ہرگز مکمل نہیں اور ہو بھی نہیں سکتی کہ انہوں نے علوم و فنون کے کئی جہتوں پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ نقد و نظر، شعر و سخن سے لے کر تاریخ، حدیث اور سوانح حیات تک سارے میدانوں میں آپ سے قابل قدر خدمات منسوب ہیں۔ بات بغیر دلیل کے نہ رہ جائے، اس لیے آئیے ان کی تصانیف و تالیفات پر ایک سرسری نگاہ ڈال لیتے ہیں۔

سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان: مؤرخین کہتے ہیں کہ علمائے ہند کے احوال و کوائف کے بارے میں یہ پہلی کتاب ہے۔ اسی کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند میں شخصیات شناسی کا مزاج

پروان چڑھا اور یکے بعد دیگرے علمائے کرام، فقہائے اور محدثین کی خدمات پر مقالات لکھنے کی روایت پڑی، جواب تک جاری ہے۔ ۲۲

متذکرہ کتاب چار فصول پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل۔ تفاسیر و احادیث میں ہندوستان کے تذکرہ کے بارے میں ۲۳

سید غلام علی آزاد بلگرامی نے ابتداء میں اسے علیحدہ کتاب کی صورت میں تصنیف کیا تھا، تاہم جب 'سبۃ المرجان فی آثار ہندوستان' تصنیف کی، تو موضوع سے متعلق ہونے کی وجہ سے کتاب کی پہلی فصل بنادی۔ یہ حقیقت خود انہیں کی زبانی سنئے۔

ولقد الفت من قبل رسالة في هذا الباب فاجعلها جزءا من هذا الكتاب ۲۴

کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بالکل نئی تھی، اس سے پہلے نہ کسی نے متذکرہ عنوان پر لکھنے کی کوشش کی اور نہ ہی اس جانب کسی نے اشارہ ہی کیا۔ اس حقیقت کے بعد یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی اپنے عہد میں نہ صرف صاحب تصانیف کثیرہ ہونے کا شرف رکھتے تھے، بلکہ قادر الکلام شاعر بھی تھے اور علمی و تحقیقی میدان میں نئی نئی جہتیں تلاش کرنے میں بھی ممتاز تھے۔ اور مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس موضوع پر یہ کتاب اول بھی تھی اور آخر بھی، کہ اب تک اس سے ملتے جلتے موضوع پر میری نگاہ سے کوئی کتاب نہیں گزری ہے۔ گفتگو کی اس منزل پر یہاں پہنچ کر کہنے دیا جائے کہ ارباب قرطاس و قلم کی لمبی چوڑی فہرست میں حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی شاید یکتائے روزگار مصنف ہیں، جنہوں نے ایک ایسے موضوع پر طبع آزمائی کی جو انہیں سے شروع ہوئی اور انہیں پر ختم بھی ہوگئی۔

موضوع کی دلچسپی کے پیش نظر متذکرہ فصل کی ایک دو مثالیں سماعت کر لیں۔

”قال الشيخ جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالى في الدر المنثور في تفسير سورة احقاف: اخرج ابن ابي حاتم عن علي رضي الله عنه قال: خير واد في الناس وادي مكة وواد نزل به آدم بارض الهند“ ۲۵

یعنی شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'الدر المنثور' میں سورۃ احقاف کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان سب سے بہتر علاقہ مکہ ہے اور ہندوستان کا وہ علاقہ ہے، جہاں حضرت آدم علیہ السلام نازل ہوئے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں؛

”ومنها وقع لغة الهند في القرآن : قال السيوطي في تفسير قوله تعالى 'طوبى' لهم وحسن مأب' ، اخرج ابن جرير وابو الشيخ ... قال: طوبى اسم الجنة بالهندية ونقل السيوطي في قوله تعالى: 'سندس خضر' ... ان السندس رقيق الديباج بالهندية ۲۶۴

یعنی اسی سلسلے کی ایک یہ ہے کہ ہندوستان میں مروجہ لفظ قرآن مقدس میں بھی موجود ہے؛ جیسے شیخ جلال الدین سیوطی آیت قرآن 'طوبی'..... کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابن جریر اور ابوالشیخ نے لکھا ہے کہ 'طوبی' ہندوستانی زبان میں باغ کا نام ہے..... اسی طرح آیت قرآن..... میں مذکور السندس ہندوسان میں باریک دیباج کو کہتے ہیں۔

دوسری فصل۔ ہندوستان کے مشہور و معروف علمائے کرام کے بارے میں

دوسری فصل کے حوالے سے صاحب نزہۃ الخواطر عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے کہ علامہ محمد بن عبدالرحمن سخاوی نے عالم اسلام کے مشہور علمائے کرام کے حالات پر 'الضوء اللامع فی اعیان القدر التاسع' لکھی۔ اس میں انہوں نے ہندوستان کے بھی بعض علمائے کرام کا تذکرہ کیا ہے، تاہم انہوں نے سارے نہیں تو اکثر و بیشتر ہی سہی، صرف ایسے علمائے ہند کے حالات ہی لکھے ہیں، جو عالم عرب ہجرت کر گئے تھے یا تحصیل علوم کے لیے گئے۔ ظاہر ہے کہ جب طریقہ انتخاب کا معیار یہی ٹھہرے، تو یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کتاب ایسے علماء، شعراء اور مصنفین کے حالات و کوائف پر مشتمل ہوگی، جنہوں نے علمی، دینی اور فکری پیمانے پر گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا اعتراف حقیقت ہے کہ 'سبتہ المرجان فی آثار ہندوستان' کا یہ باب ہندوستانی علمائے کرام کے تذکرہ پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ ۲۷

متذکرہ فصل میں سید غلام علی آزاد بلگرامی نے صرف ۴۵ علمی شخصیات کے حوالے سے ہی گفتگو کی ہے، جب کہ شک نہیں کہ اس سے کہیں زیادہ بڑی تعداد میں علمائے ہند نے علمی، ادبی اور دینی میدانوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اسی طرح سرزمین ہندوستان میں اسلام کی نشر و اشاعت اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے اولیائے کرام کی شانہ روز جدوجہد سے کسی طور مجال انکار نہیں، تاہم متذکرہ فصل ان کے تذکرے سے خالی ہے۔ ٹھیک ہے سید آزاد نے اس نقص کی توجیہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ صوفیائے کرام کی سوانح حیات لکھنے سے لوگ عام طور پر

دلچسپی لیتے ہیں اور اپنے ممدوحین کے بارے میں لکھتے رہے ہیں، اس لیے میں نے انہیں کتاب میں شامل نہیں کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ وضاحت کسی حد تک قابل قبول بھی ہو جائے، جب بھی یہ بات مناسب نہیں کہ شیخ معین الدین چشتی اجیری اور محبوب الہی شیخ نظام الدین اولیاء جیسی عظیم شخصیات شامل نہ کی جائیں کہ انہیں جہاں ایک طرف دینی علوم و فنون پر دسترس حاصل تھی، وہیں روحانی بالیدگی، فکری نشوونما اور ذہنی تسکین کے وہی کمالات بھی حاصل تھے۔ پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ متذکرہ کتاب عربی زبان میں لکھی جا رہی ہے، جس سے یہ امر بہت نمایاں ہے کہ اسے عالم عرب کے اصحاب قرطاس و قلم کے نزدیک ہندوستانی علمائے کرام کا ترجمان ہونا ہے۔ اس حیثیت سے بھی دیکھیے، تو یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کبار صوفیائے کرام کی عدم شمولیت متذکرہ فصل کا وہ عیب ہے، جو چھپائے نہیں چھپ سکتا۔

تیسری فصل۔ سرزمین ہندوستان میں پروان چڑھنے والے تعبیر و بیان کے بارے میں سید غلام علی آزاد بلگرامی نے ”تسلية الفؤاد“ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی، جسے انہوں نے متذکرہ کتاب کی تیسری فصل میں شامل کر دیا ہے۔ خود کہتے ہیں۔

”وقد حررت فصلا في كتابي تسلية الفؤاد، فاجعله جزءا من

هذا السواد“ ۲۸۔

یعنی میں نے اپنی کتاب ’تسلية الفؤاد‘ میں ایک فصل لکھی تھی، جسے اس کتاب میں شامل کرتا ہوں۔

متذکرہ فصل کے مشمولات پراچتی ہوئی نگاہ ڈالنے والے پر مخفی نہیں کہ یہ بھی اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے، جس میں سید غلام علی آزاد بلگرامی نے ہندوستان کے مروجہ ادبی مصطلحات کو عربی زبان میں نہ صرف منتقل کیا ہے، بلکہ اپنی فہم و فراست، وسعت اطلاع اور زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت کے سہارے ایسے نام بھی تجویز کیے ہیں، جو اہل عرب کے لیے قابل قبول ہوں۔ ظاہر ہے کہ پرانی زمین پر دوبارہ گل بوٹے سجانا کسی قدر مشکل ضرور ہے، تاہم اس سے کہیں زیادہ مشکل ترین یہ ہے کہ نئی زمین بھی تیار کی جائے اور نئے پودے بھی لگائے جائیں۔ کہنے دیا جائے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے یہاں شعر و ادب کی ایک نئی زمین بھی ڈھونڈ نکالی ہے اور اسے نت نئے ادبی محاسن کے پرکشش گل بوٹے سے آراستہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

”.... عمدت علی استخراج الامثلة عن المجاميع والدواوين،

سنحت لی نبذہ من الانواع وظفرت باقراط ثمینة للاسماع فاخترت من
الانواع الهندية ثلاثا وعشرين وسميتها فی العربية باسماء مناسبة
مسمياتها“ ۲۹

یعنی میں نے لغات اور شعری دیوان کے سہارے مثالیں ڈھونڈنے کی کوشش کی، تو مجھے
چند پرکشش قسمیں مل گئیں۔ میں نے ہندوستانی نوعیت کی ۲۳ قسمیں منتخب کر لیں اور انہیں
مناسب عربی نام بھی عطا کر دیئے۔
بطور تمثیل ’تزیہ‘ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”هذا النوع استخراجہ بعض الاهداف فی مقابلة التشبيه وهو ان يبرى
المتكلم شيئاً عن اين يماثله شىء آخر كقوله تعالى [ليس كمثله شىء]۔ ۳۰
وقوله تعالى [ارم ذات العماد ، التى لم يخلق مثلها فى البلاد]۔ ۳۱ وقول حسان
رضى الله عنه فى مدح النبى صلى الله عليه وسلم۔

واحسن منك لم ترقط عيني واحسن منك لم تلد النساء

خلقت مبرا من كل عيب كانك قد خلقت كما تشاء“ ۳۲

یعنی یہ قسم وہ ہے، جسے بعض ہندوستانیوں نے ’تشبیہ‘ کے مقابل میں درج کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ
متکلم ایک چیز کو دوسری مد مقابل چیز سے دور کرے۔ جیسے کہ اللہ رب العزت قرآن مقدس میں
فرماتا ہے، ’اس کی مثل کچھ بھی نہیں‘، یا وہ فرماتا ہے، ’وہ عا دارم‘، جو ستونوں کی طرح بلند قامت تھے،
جن کی طرح بلند قامت دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ نیز حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالم صلی
اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ سے زیادہ حسین و جمیل کسی آنکھ نے آج تک
نہیں دیکھا آپ سے زیادہ خوبصورت عورتوں نے جنم ہی نہیں دیا۔

آپ ہر عیب و نقص سے اس طرح پاک پیدا ہوئے ہیں کہ جیسے آپ جس طرح چاہتے تھے،
اسی طرح پیدا کیے گئے۔

چوتھی فصل۔ عاشق و معشوق کے بارے میں

بلاشبہ سابقہ تین فصلوں کی طرح یہ فصل بھی اپنے اندر جدت لیے ہوئے ہے۔ دوسرے
لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ ابتدائی تمہید کے بعد حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی نے اسے بھی
ہندوستانی رنگ میں رنگنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور عشق و عاشقی کے بارے میں اظہار خیال

کرتے ہوئے ہندوستانی تہذیب و تمدن کے مروجہ مصطلحات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

”...والآن ابین نبذہ من اقسام النسوان واسمی کل قسم باسم رائع واعرفه بتعريف جامع ومانع واثبت امثلة تقر بها عیون الادباء والامثلة التي نسبتها الى نفسی فی هذه المقالة اکثر معانيها من مخترعاتی وقليل منها من اشعار الاهداند.....“ ۳۳

یعنی اب میں عورتوں کے اقسام کے حوالے سے بات کروں گا..... اور ہر قسم کو پرکشش نام دیتے ہوئے اس کی تشریح بھی کروں گا اور اس کی جامع و مانع تعریف بھی پیش کروں گا، نیز ایسی مثالیں بھی دوں گا، جن سے ادباء کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں.... اور ایسی مثالیں بھی، جو مجھ سے منسوب ہیں، ان کے اکثر مفاہیم میرے اپنے ہیں اور بعض اہل ہند کے اشعار سے بھی ہیں۔

مزید دلچسپی کے لیے بطور مثال ایک عورتوں کی ایک قسم کی جھلک دیکھتے چلیے۔

سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ نیک اور بد کے پس منظر میں عورتوں کی قسمیں ۳۴

نیک بد

گھریلو بازاری

پوشیدہ رہنے والی پردہ کرنے والی برسر عام رہنے والی

ضوء الدراری شرح صحیح البخاری:

یہ صحیح البخاری کی شرح ہے، جو کتاب الزکاة تک ہی لکھی جاسکتی ہے۔ میرے علم کے مطابق یہ کتاب اب تک مخطوطہ کی صورت میں ہے۔ اپنی پی ایچ ڈی کے لیے مصادر و مراجع کی تلاش کے سلسلے میں ہونے والے ایک سفر کے دوران میں نے اسے ندوة العلماء لکھنؤ کے کتب خانے میں دیکھا ہے۔ یہ بڑے سائز کے ۴۷ صفحات پر مشتمل ہے، خط نستعلیق ہے۔ مخطوطہ کی حالت بہت اچھی نہیں ہے، اسی لیے آخری صفحات کا پڑھنا نہایت ہی دشوار ہے۔ کئی مقامات پر کیڑے لگنے کی وجہ سے سوراخ بھی ہو گئے ہیں۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے حرمین شریفین میں شیخ حیات سندی سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ اس دوران بخاری شریف کی مشہور و معروف شرح ’ارشاد الساری‘ مطالعہ میں رہی۔ فطری ذہانت و فطانت کی وجہ سے سید غلام آزاد بلگرامی بعض تشریحات و توضیحات لکھتے رہے۔ اس طرح یہ شرح وجود میں آ گئی۔ خود قطرا از ہیں:

”....اتفق بعونه تعالیٰ قراءتی صحیح البخاری ومطالعة شرحه المسمى بارشاد الساری التحریر المؤید بالتأیید الربانی احمد بن محمد بن الخطیب القسطلانی، هممت ان التقط منه مايتعلق بمتن الحديث من جل المبانی وتحقیق المعانی“ ۳۵

یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے صحیح البخاری اور اس کی عظیم الشان شرح، ارشاد الساری، تصنیف لطیف شیخ احمد بن محمد الخطیب القسطلانی پڑھنے کی سعادت میسر آئی، تو متن حدیث کی تحقیق و تشریح کے حوالے سے بعض اہم باتیں منتخب کر لیا کرتا تھا۔

بطور مثال ایک جھلک دیکھ لیجیے۔

”باب قول الله تعالى: لا يسألون الناس الحافا، ای الحاحا وهو ان يلزم المسؤول حتى يعطيه من قولهم لحفني من فضل لحافه ای اعطاني من فضل ما عنده، ومعناه انهم لا يسألون عن ضرورة لم يلحوا وقيل هو نفى للسؤال والالاح كقوله: على لاحب لايهتدى مناره، فمراده لا منار ولا اهتداء به ولا ريب ان نفى السؤال والالاح.....“ ۳۶

اب یہ دیکھیے کہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے نہایت ہی ایجاز کے ساتھ اہم نکات سمیٹ لیے ہیں۔

”باب قول الله تعالى: لا يسألون الناس الحافا.... وهو اين يلزم المسؤول حتى يعطيه الولمعني انهم لا يسألون الناس عن ضرورة لم يلحوا وقيل هو نفى للسؤال والالاح.....“ ۳۶

شفاء العلیل

یہ کتاب سید غلام علی آزاد بلگرامی کے ملکہ نقد و نظر پرنا قابل انکار دلائل و شواہد پیش کرتی ہے، جس میں انہوں نے برصغیر ہندوپاک میں پھیلے ہوئے لاکھوں مدارس اسلامیہ کے درسی نصاب میں شامل دیوانِ متنہی پر نہ صرف تنقید کی ہے، بلکہ اپنی فہم و فراست کے مطابق عیوب و نقائص بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ خود انہیں کے الفاظ میں سماعت کیجیے۔

”.....ثم الناقدون لكلامه والناثرون لنظامه اقتنعوا

بتحرير مارأوا فيه من الخطل واقتصروا على تفسير ما وجدوا

فیه من الخلل ولم یلتفتوا الی اصلاح ما فسد....^{۳۸}
یعنی شعر و شاعری کے ناقدین اور نثر نگاری پر عقابى نگاہ ڈالنے والے عام طور پر عیوب و نقائص کی طرف اشارے اور قدرے وضاحت کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور اصلاح کلام و نثر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

اسی کے ساتھ یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ بعض ناقدین نے دیوانِ منتہی پر گرفت کرتے ہوئے اصلاح کرنے کی کوشش بھی کی ہے تو وہ بہت ہی مختصر اور بعض مقامات تک ہی محدود ہے، اسی لیے انہیں یہ ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھانی پڑی ہے۔ آگے لکھتے ہیں:

”... فوق فی خاطری ان اصلح مافی کلامہ من الفساد واشفی مافی
فلذہ کبدہ من الکباد واستهل مافیہ من التعقیدات وابدل قدر الوسع
سیئاتہ بالحسنات فبذلت مابی من الجهد البالغ والسعی الجمیل.....“^{۳۹}
یعنی میں نے سوچا کہ کلام کی اصلاح کروں اور داخلی خرابی دور کروں، نیز گنجگم مفاہیم کو درست کر دوں اور جہاں تک ممکن ہو عیوب و نقائص کو خوبیوں سے تبدیل کر دوں، لہذا میں نے انتہائی جدوجہد کی۔

خیال رہے کہ یہ کتاب میں نے سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں مخطوطہ کی صورت میں دیکھی ہے۔ اس کے دو نسخے موجود ہیں۔ دونوں کی حالت بہت اچھی ہے اور پڑھے جانے لائق ہے۔ خط نستعلیق ہے۔ مخطوطہ میں لگی مہر کے مطابق ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۰۶ھ ہجری میں لکھی گئی ہے۔ اب آئیے ایک دو مثالیں اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔

”فأسقینہا فدی لعینک نفسی من غزال وطار فی وتلیدی من غزال
بیان لکاف الخطاب مثل افدیک من رجل وقوع الخبر الذی تمت به الجملة
وهو نفسی فاصلا بین کاف الخطاب و بین بیانہا وهو من غزال وقوع من
غزال فاصلا بین المعطوف علیہ و بین المعطوف تعقید ایما تعقید ویمکن
ان یصلح ویقال :

فأسقینہا فدی لعینک من ظبی فؤادی وطار فی وتلیدی“^{۴۰}
یعنی شعر میں ’لعینک‘ کے کاف خطاب کی توجیہ ’غزال‘ سے کی گئی ہے۔ اور دونوں کے درمیان ’نفسی‘ سے فاصلہ ہو گیا ہے، جس سے شعر میں غیر ضروری سقم پیدا ہو گیا ہے۔

حسان الہند غلام علی آزاد نے کہیں کہیں مثنوی کے شعر پر واحدی کے ذریعہ کیے گئے نقد و نظر کی اصلاح کرنے کی بھی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس حوالے سے یہ شعر دیکھیے۔

”وقال يمدح ابا القاسم عبید اللہ :

تمثلوا حاتما ولو عقلوا لکنتم فی الجود غایة المثل

قال الواحدی : اراد تمثلوا بحاتم فی الجود ، فحذف الباء ضرورة۔

اقول يمكن ان يصلح ويقال : تخيروا حاتما أی اختاروه غایة المثل فی الجود“ ۴۱

یعنی واحدی نے مثنوی کے متذکرہ شعر پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں ”بحاتم“ ہونا چاہیے، تاہم ”ب“ ضرورت شعری کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ حسان الہند اصلاح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں ”تخیروا حاتما“ ہونا چاہیے، تاکہ مفہوم بھی واضح ہو جائے اور کوئی سقم بھی نہ رہے۔

کہیں کہیں حسان الہند واحدی کے ذریعہ کی گئی بے جا تنقید پر گرفت کرتے ہوئے، مثنوی کا دفاع بھی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے یہ شعر دیکھیے۔

”وكلما نطحت تحت العجاج به اسد الكتائب رامته ولم يرم

قال الواحدی رامته زالت عنه ولم يزل هو اراد رامت عنه فحذف حرف

الجر واوصل الفعل والاصل استعماله بحرف الجر كما قال الأعشى :

أبانا فلا رمت من عندنا فأنا بخير اذا لم ترم

..... اقول : قال الجوهری رامه یریمه ریماً .. ثم ذکر بیت الأعشى

المذكور ثم قال : رمت فلانا ورمتم من عند فلان بمعنی وعلم بهذا أن الریم

یتعدى بنفسه وبمن۔ فعلى هذا صحيح كلام المتنبي .“ ۴۲

یعنی واحدی نے کلام مثنوی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ لفظ ”رام یریم“ بغیر حرف جر کے متعدی نہیں ہوتا، پھر اس پر آشی کے شعر سے استشہاد بھی کیا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ حسان الہند نے آشی کے اسی شعر سے استدلال کیا اور جوہری کی لغت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ متذکرہ لفظ خود بخود بھی متعدی ہو جاتا ہے۔

شعری خدمات:

یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ حسان الہند غلام علی آزاد نے علوم و فنون کے مختلف جہتوں میں اپنے گرانقدر نقوش ضرور چھوڑے ہیں، تاہم وہ فطری طور پر شاعر تھے اور شعری ذوق کسی نہیں، بلکہ خاندانی وراثت سے ان کے رگ و پے میں منتقل ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے منسوب شعری سرمایہ میں کئی ایک ضخیم دیوان شامل ہیں۔

شیخ غلام علی آزاد بلگرامی سے عربی کے دس دیوان منسوب ہیں۔ پہلے سات دیوان کی طباعت کے موقع پر اسے انہوں نے ”سبع سیارہ“ سے موسوم کیا ہے۔ ۴۳

”.... اما بعد فيقول العبد المستضيء بالنور التهامي آزاد الحسيني الواسطي البلگرامي اني صرفت العمر في مذاكرة العلوم العربية وشممت الذيل في مزاولة الفنون الادبية ونظمت من الخرائد مايجلو نواظر البصراء وجمعت من الفرائد ما تفر عيون الادباء الى ان رتبت بعونه تعالى سبعة دواوين وزنت الجواهر الزواهر بسبعة موازين وسميت الدواوين السبعة بالسبعة السيارة۔“ ۴۴

یعنی حمد و ثناء کے بعد، آزاد حسینی بلگرامی عرض کرتا ہے کہ میں نے اپنی عمر علوم عربیہ اور فنون ادبیہ سمجھنے سمجھانے میں گزاری، نیز اللہ کے بفضل و کرم سے ایسے اشعار کہے ہیں، جن سے اہل بصیرت کی نگاہیں تیز ہو جائیں اور ارباب علم و ادب حیرت و استعجاب میں ڈوب جائیں۔ یہ اشعار سات دیوانوں کی صورت میں ترتیب دئے گئے اور انہیں ”سبع سیارہ“ سے معنون کیا ہے۔ اس کے بعد مزید تین دیوان شائع ہوئے۔ اس طرح عربی زبان میں دس دیوان سید غلام علی آزاد بلگرامی سے منسوب ہیں۔ ۴۵

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پی ایچ ڈی کے رسالہ کی تیاری کے سلسلے میں ہونے والے اسفار کے دوران میں نے یہ سارے دیوان ہندوستان کی قدیم لائبریریوں میں خود دیکھے ہیں، جن میں سے کچھ مطبوعہ ہیں اور بعض ہنوز مخطوط کی صورت میں ہیں۔

ہم اجمالی طور پر، یہاں ان سے منسوب سارے دیوان پر نگاہ ڈالتے ہوئے، مختلف جہتوں اور متنوع خصوصیات کے پس منظر میں بعض اشعار قارئین کے ذوق مطالعہ کے لیے پیش کرنے کی سعادتیں حاصل کریں گے۔

ویسے تو سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے سارے دیوان کی ابتدا مدائح نبویہ سے کی ہے، تاہم پہلے دیوان کا بیشتر حصہ اپنے مرکز عقیدت کی تعریف و توصیف پر مشتمل ہے۔ عام طور پر اشعار شروع کرنے سے پہلے، اپنا نام ضرور لکھتے ہیں، جس سے آنے والے دور میں اشعار کے خلط ملط ہونے کے امکانات بہت حد تک معدوم ہو گئے ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کا یہ انداز ملاحظہ کیجیے۔

برهان رب العالمین ، حبیبہ فی الامۃ الامیۃ العربیۃ

ہو نیر اسنی الکواکب ساطع ملاء الہلۃ کلہا بسناء

من معشر الانسان الا انه انسان عین المجد والعلیاء۔ ۴۶

جہانوں کے رب کی دلیل اور اس کے حبیب امی لقب ملت عرب کے درمیان وہ تو روشن کرنے والے، ستاروں سے بلند چمک رہے ہیں بلندی سے سارے دور کے ماہتاب پر چھائے ہوئے۔

وہ ہیں تو گروہ انسان سے، تاہم وہ ایسے انسان ہیں، جو سراپا عظمت و بلندی ہیں سفرِ حرمین شریفین کے تذکرہ کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ وفور شوق میں حسان الہند کسی کو بتائے بغیر ایک صبح پایادہ نکل پڑے۔ چند اشعار اسی حوالے سے کہے ہیں:

لو كنت اخبر جیرتی وعشیرتی لتزاحموا بینی و بین رجائی

فخرجت عنهم خائفاً متربحاً شوقی امامی والانس ورائی

.....

ومشیت من غیر المطیۃ برہۃ مع ان جسمی ضامر الاعضاء۔ ۴۷

اگر میں اپنے پڑوسی اور اہل خانہ سے بتادوں تو وہ میرے اور میری خواہش کے درمیان آڑے آجائیں

لہذا میں چپکے سے ڈرتے ہوئے نکل پڑا میرا شوق جنوں میرے سامنے ہے اور لوگ میرے پیچھے ہیں

میں بغیر کسی سواری کے تھوڑی دیر تک پیدل چلا گو کہ میرا جسم نحیف و ناتواں اعضاء والا ہے

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یوں تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دین اسلام کی اساس ہے اور اس کے بغیر نہ

دین مکمل ہے اور نہ ہی معمولات دین، تاہم اسے جذبہ عشق، حسن طلب اور قرب بے پایاں کہیے کہ حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ نے اپنے پوشیدہ احساسات کے اظہار میں کبھی بخالت نہیں کی ہے، بلکہ جا بجا صاف لفظوں میں اعلان کر دیا ہے۔
مرکز عقیدت سے استمداد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یاسیدی یا عروقی و وسیلتی یا عدتی یا مقصدی مولائی
قد جئت بابك خاشعا متضرعا مالی وراءك كاشف الضراء
ولك الوسيلة والفضيلة فی غد ولأنت اقدم معشر القضاء
ارجو وآمل من جنابك سیدی شیئا تناول جملة النعماء۔ ۴۸

اے میرے آقا، اے میرے اصل وجود، اے میرے وسیلہ اے میرے ہدف، اے میرے مقصد، اے میرے کرم فرما

میں آپ کی چوکھٹ پر لرزتے کانپتے حاضر ہوں آپ کے علاوہ میرے مصائب و آلام دور کرنے والا کوئی نہیں

اور روز محشر آپ ہی کے حصہ میں شرف وسیلہ و فضیلہ ہے اور آپ ہی سب سے پہلے لوگوں کے مسائل حل فرمائیں گے

میرے آقا! میں آپ کی بارگاہ سے امید رکھتا ہوں کہ سرور نعمت کے کچھ چھینٹے مجھ پر بھی برسیں گے نہایت ہی صاف و صریح الفاظ میں عقیدہ استمداد پر مشتمل یہ شعر پڑھیے۔

اغث آزاد یا مولی الموالی وکن عوناً له یوم القفول۔ ۴۹
اے آقاؤں کے آقا! آزاد کو تھام لیجیے اور حشر کے دن اس کے لیے مددگار رہیے
اسی حوالے سے یہ شعر بھی دیکھیے۔

احسن الی آزاد یا اسخی الوری ہو فی الارامل افقر الفقراء۔ ۵۰
لوگوں میں سب سے زیادہ نخی! آزاد پر کرم فرمائیے کہ یہ ایسا ہے، جیسے بیواؤں کے درمیان
سب سے زیادہ محتاج

و فور شوق و محبت میں حسان الہند نے اپنے آپ کو ”عبد مصطفیٰ“ کہہ دیا ہے۔

یا ملجأ الخلق اوصلنی الی املی کریمۃ یدک العلیا، فخذ بیدی
آزاد عبدک یرجو منک مرحمة و لیس غیرک یا مولائی ملتحدی ۵۱

اے مخلوقات کے لیے پناہ گاہ! میری آرزو پوری فرمائیے آپ کے تو بابرکت بلند ہاتھ ہیں،
میرے ہاتھ تھام لیجیے
آزاد آپ کا غلام، آپ سے رحمت کا متمنی ہے اور اس کے لیے آپ کے علاوہ اے آقا ئے
نعمت کوئی اور جائے پناہ نہیں
اسی حوالے سے یہ اشعر دیکھیے۔

آزاد عبداللہ نبی وآلہ من ثم مفتخر علی الاحرار۔ ۵۲

آزاد تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کا بندہ ہے اس طرح اسے دوسروں پر فخر ہے
حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی عجم سے تعلق رکھتے تھے، تاہم اہل زبان کی طرف عربی پر
قدرت حاصل تھی۔ وہ زبان و بیان کی نزاکت، الفاظ و تراکیب کی ندرت اور اشارات و کنایات
کے مروجہ اسلوب سے خوب واقف تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں
ان کے مشہور و معروف قصیدہ کے چند اشعار دیکھیے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ آپ بھی ان کے
علو فضل و شرف کے گرویدہ ہو جائیں گے۔

شمس علی اوج الجلال محمد بدر علی افق الکمال محمد
اسری الی الفلک المحدد وانثنی واتی بامکان المحال محمد
منظور رب العالمین حبیبہ قد فاق یوسف فی الجمال محمد
غصن رطیب مثمر یوم الندی ومہند یوم القتال محمد
غیم ملث لا یتیم صبیبہ اربی علی السحب الثقال محمد
لم یبق فی العهد المقدس سائل اغنی الارامل بالنوال محمد ۵۳
محمد صلی اللہ علیہ وسلم عظمت وافتخار کی بلندی پر آفتاب ہیں شرف و کمال کے افق پر روشن
ماہتاب ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
رات میں محدود آسمانوں سے گزرے اور پیچھے چھوڑتے گئے اور امکان کے اعتبار سے مقام
محال پر پہنچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
رب کائنات کے منظور نظر اور محبوب حسن و جمال میں یوسف علیہ السلام پر سبقت لے گئے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آسانی کے دنوں میں پھلوں سے لدی تر و تازہ ٹہنی ہیں اور ایام جنگ میں ہندوستان سے

بنی ہوئی تلوار ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 سرسبز و شاداب کرنے والی بارش ہیں، جو کبھی نہیں رکتی بوجھل بادل سے کہیں زیادہ سودمند
 ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 ان کے مقدس عہد میں کوئی سائل نہیں بچا بیواؤں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے داد و دہش نے
 بے نیاز کر دیا

قصائد:

حسان الہند آزاد بلگرامی نے جہاں اپنے حقیقی مرکز عقیدت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی
 تعریف و توصیف میں نہایت ہی فصیح و بلیغ، حسین و جمیل اور پرکشش نعتیہ اشعار کہے ہیں، وہیں
 فرضی محبوب کے سراپائے حسن و جمال کا بھی نقشہ کھینچا ہے۔ بطور مثال ہم یہاں، ”مرآة الجمال“
 کے نام سے مشہور و معروف قصیدہ کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ حسان الہند بلگرامی نے متذکرہ قصیدہ کو بھی ایک نئی جہت سے
 روشناس کیا ہے۔ کسی دن خیال آیا کہ کسی فرضی محبوبہ کے سارے اعضائے حسن کی تعریف
 و توصیف کی جائے۔ ظاہر ہے کہ کسی ایک پہلو سے مفروضہ محبوبہ کے حسن و جمال کے تذکرے تو
 عام طور پر قصائد میں ہوتے ہی رہے ہیں، لیکن ایک ہی قصیدے میں سارے اعضائے و جوارح
 کے اوصاف بیان کرنے کی روایت آپ سے پہلے کسی سے منسوب نہیں ہے۔ اور یہ اعتراف بھی
 وہ خود ہی کرتے ہیں۔ ۵۴

یہ قصیدہ ایک سو پانچ اشعار پر مشتمل ہے، جس میں ہر عضو کے حوالے سے دو اشعار موجود ہیں؛
 محبوبہ کی چوٹیوں کے حسن و جمال کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں:

اضفیرتان علی بیاض خدودھا اوفی کتاب الحسن سلسلتان

اولیتا العیدین اقبلتا معا او من قصائد ہم معلقتان۔ ۵۵

کیا اس کے روشن و تابناک رخسار پر دو چوٹیاں ہیں یا کتاب حسن کے دو سلسلے ہیں
 کیا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی دونوں راتیں بیک وقت آگئیں یا پھر ان کے قصائد کی لڑیاں ہیں
 اسی طرح ہونٹ کی خوبصورتی بیان کرتے ہوئے کہتے:

شفة الفتاة عقیقة یمنیة تشفی مویہتها صدی الظمان

رطب ان کل منہما ذو حمرة متفاخر باللوان والحلوان۔ ۵۶

دوشیزہ کے ہونٹ یمنی عقیق جیسے ہیں جس کی تری پیاسے کی روح کو سیراب کر دیتی ہے
دونوں رسیلے اور سرخ ہیں جن کی سرخی اور شیرینی پر فخر ہے
اسی طرح پیشانی کے حوالے سے کہتے ہیں:

جبهتها المضيئة في الدجى وهب الاله علو مكان

ہی نصف بدر کامل لكنها تربو على القمرين في اللمعان ۷۵

اس کی روشن پیشانی تاریک رات میں جسے اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا
ویسے تو یہ بدر کامل کا نصف دکھائی دیتا ہے، لیکن چاند کے دونوں حصوں سے زیادہ تابناک ہے
حسان الہند بلگرامی نے یوں ہی فرضی محبوبہ کے اعضاء و جوارح کے حسن و جمال کی تصویر
کھینچتے ہوئے ۱۱۰۵ اشعار میں یہ قصیدہ مکمل کیا ہے۔

حکایات:

اسے حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی کا ملکہ شعری کہیے کہ انہوں نے بڑی بڑی حکایات کو
شعری قالب میں سمیٹنے کی کامیاب نہ صرف کوشش کی ہے، بلکہ اس حوالے سے ایک مستقل کتاب
چھوڑی ہے، جسے ”مظہر البرکات“ سے موسوم کیا ہے۔ میں نے یہ کتاب مخطوطہ کی صورت میں
سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں دیکھی ہے، جو ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر
مہر النساء شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی نگرانی میں، جناب محمد فضل الدین نے اس پر پی ایچ ڈی
کی ہے، تاہم میرے علم کے مطابق یہ اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ میں نے یہ تحقیقی مقالہ جامعہ عثمانیہ
کی مرکزی لائبریری میں دیکھا اور کچھ حصہ پڑھا بھی ہے۔

خیال رہے کہ ”مظہر البرکات“ نہ صرف حسان الہند آزاد بلگرامی کی قادر الکلامی پر دلالت کرتی
ہے، بلکہ ان کی زودنوئیسی پر بھی سب سے بڑھ کر شہادت دیتی ہے۔ یہ حقیقت خود انہیں کی زبانی
سماعت کیجیے۔

”..... فنظمت هذه المزدوجة احد وخمسائة بيت في عشرين يوما

في رجب سنة ثلاث وتسعين ومائة والف وسميتها ’مظہر البرکات‘۔“ ۷۸
..... لہذا میں نے یہ مزدوجہ بیس دنوں میں مکمل کیا، جو ۱۵۰ اشعار پر مشتمل ہے، اور اسے مظہر
البرکات سے موسوم کیا۔

اندازہ لگائیے کہ صرف بیس دنوں میں پانچ سو ایک اشعار کہہ ڈالے، یعنی یومیہ پچیس

اشعار۔ کوئی شک نہیں کہ یومیہ پچیس اشعار کہہ لینا کوئی معمولی امر نہیں ہے، بلکہ کوئی دن بغیر ایک شعر کہے بھی گزرنے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حسان الہند آزاد بلگرامی ایک دن میں پچاسوں اشعار کہنے کی قدرت تامہ رکھتے تھے۔

ہم یہاں ’مظہر البرکات‘ سے صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

حکایۃ الامیر خسرو الدہلوی

خسرو الہند صاحب العرفان والعدیم النظیر فی الاقران

جوہر قابل من الاتراک بشر کامل من الاملاک

شیخہ المقتدی نظام الدین نورہ فی الدجی نظام الدین

مصرہ زینۃ الثری دہلی نزہۃ العین للوری دہلی

صام للہ اربعین سنۃ فماذاقت العیون سنۃ

ہو فی الفرس شاعر مشہور فی فنون کثیرۃ دستور

قد اتانا باعذب الکلمات ہی ماء الحیاۃ فی الظلمات

کل الفاظہ جمانات ودواوینہ خزانات

ہو فی ما قالہ عدیم المثل عام ترحالہ عدیم المثل

ذکرہ فی تراجم النفحات داخل فی مجالس الحضرات

کان فی عصرہ جلال الدین ملک الہند قابل التحسین۔ ۵۹ھ

ہندوستان کے خسرو، جو صاحب عرفان ہیں اور اپنے ہم عصروں میں بے مثال ہیں

ترکی النسل شاہی خاندان سے مکمل انسان

ان کے شیخ حضرت نظام الدین اولیاء تاریک رات میں ان کے لیے راہنما حضرت نظام

الدین اولیاء

ان کا شہر، دولت و ثروت کی آماجگاہ دہلی لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک دہلی

چالیس سالوں تک روزہ دار رہے آنکھوں نے ایک لمحہ کے لیے آرام نہیں کیا

وہ فارسی کے بڑے مشہور شاعر اور کئی فنون و علوم کے مرجع

انہوں نے نہایت ہی شریں کلام ہمیں عطا کیا جو ظلمت و تاریکی میں مائے حیات ہے

ان کے الفاظ موتیوں کی طرح ہیں اور ان کے دیوان خزانے ہیں

وہ اپنے کلام میں عدیم المثال ان کے وصال کی تاریخ 'عدیم المثال' ان کا تذکرہ اصحاب شہرت کے درمیان لوگوں کی مجالس میں شامل ان کے عصر میں جلال الدین جو قابل تعریف بادشاہ ہندوستان یہ قصیدہ تیس اشعار پر مشتمل ہے، جس میں حسان الہند بلگرامی نے حضرت شیخ امیر خسرو رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ان کے حالات و کوائف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

کلمہ اختتام:

حسان الہند حضرت غلام علی آزاد بلگرامی نہ صرف اپنے ہم عصروں میں ممتاز رہے، بلکہ ان سے پہلے اور ان کے بعد بھی ہندوستان کی سرزمین پر ایسی بہت کم شخصیات نے جنم لیا ہے، جنہیں بیک وقت مختلف علوم و فنون اور متنوع زبانوں پر کامل عبور حاصل ہو۔ عقل حیران ہے کہ موصوف نظم پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اچھا پھر صرف تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری تک ہی خدمات محدود ہوتے تو کسی امتیازی خصوصیت سے متصف کرنے میں بحث و مباحثہ کی گنجائش باقی رہتی، تاہم حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی کی حیات و خدمات پر نگاہ ڈالنے سے یہ امر کسی طور مخفی نہیں رہ سکتا ہے کہ جناب نے ہر میدان میں نت نئے افکار و خیالات کے گل بوٹے سجانے کی کامیاب کوشش کی ہے، بطور مثال، نثری تالیف میں "شمامہ العنبر فی ما ورد فی الہند من سید البشر" پیش کی جاسکتی ہے، نیز سبجۃ المرجان میں ہندوستانی تہذیب کی روشنی میں خواتین کے اقسام سے استفادہ کرتے ہوئے عربی مصطلحات کی ایجاد کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

اور شعر و شاعری کے پس منظر میں درجنوں ایسی جہتیں دکھائی جاسکتی ہیں، جو آپ کے اختراعات میں شامل ہیں۔ بات بغیر دلیل کے نہ رہ جائے، اس لیے پانچویں دیوان میں بحر المتقارب اور رکض الخیل میں مستزاد، چھٹے دیوان میں عربی زبان میں ترجیع، بحر خفیف میں عربی مزدوجہ وغیرہ کی مثالیں دیکھیے، جن میں تحدیث نعمت کے طور پر خود حسان الہند آزاد بلگرامی نے ذاتی اختراعات کی صراحت کی ہے، نیز مرآۃ الجمال میں سارے اعضائے محبوبہ کی تعریف و توصیف بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

انہی میں یہ اعتراف ضروری ہے کہ میں نے موصوف کی شخصیت پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرتے ہوئے عربی زبان میں مقالہ پیش کیا تھا، تاہم یہ خواہش ہمیشہ رہی کہ اہل اردو کے لیے اختصار کے ساتھ آپ کی حیات و خدمات پر کچھ گفتگو کروں، لیکن امروز و فردا میں بات ٹلتی رہی۔ اور جو یہ چند

سطریں آپ کے سامنے ہیں، تو یہ سب مولانا ڈاکٹر سراج احمد قادری اور جناب فیروز احمد سیفی کے پیہم اصرار کا نتیجہ ہے۔ مولائے قدیر دبستان نعت کو سلامت رکھے۔

حواشی

- ۱۔ دیکھئے، مآثر الکرام، ص: ۱۶۱
- ۲۔ سبحة المرجان، ج: ۱، ص: ۲۹۹
- ۳۔ سبحة المرجان، ج: ۱، ص: ۲۹۹
- ۴۔ دیکھئے۔ سبحة المرجان، ج: ۱، ص: ۲۹۹
- ۵۔ دیکھئے، خزائن عامرہ، ص: ۱۶۴
- ۶۔ دیکھئے، سہ ماہی اردو، شمارہ: ۱۹۸۳ء، ص: ۳۷
- ۷۔ نفس مصدر
- ۸۔ دیکھئے، مآثر الکرام، ص: ۳۰۳
- ۹۔ دیکھئے، سبحة المرجان، ج: ۱، ص: ۳۰۰
- ۱۰۔ مآثر الکرام، ص: ۳۰۷
- ۱۱۔ دیکھئے، سبحة المرجان، ج: ۱، ص: ۳۰۰
- ۱۲۔ دیکھئے، تذکرہ جلوہ خضر، ج: ۱، ص: ۱۰۳
- ۱۳۔ سبحة المرجان، ج: ۱، ص: ۳۰۲
- ۱۴۔ نفس مصدر، ج: ۱، ص: ۳۰۳
- ۱۵۔ دیکھئے، نفس مصدر، ج: ۱، ص: ۳۰۷
- ۱۶۔ دیکھئے، سہ ماہی اردو، شمارہ: ۱۹۸۳ء، ص: ۲۷
- ۱۷۔ دیکھئے، اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج: ۱، ص: ۱۰۵
- ۱۸۔ مآثر الکرام، ص: ۱۶۳
- ۱۹۔ دیکھئے، اردو دائرۃ المعارف، ج: ۱، ص: ۱۰۵، نیز سہ ماہی اردو، شمارہ: ۱۹۸۳ء، ص: ۳۰
- ۲۰۔ قرآن کریم، سورت: ۱۸، آیت: ۷۸
- ۲۱۔ دیکھئے، سہ ماہی اردو، شمارہ: ۱۹۸۳ء، ص: ۳۷
- ۲۲۔ مقدمہ: ڈاکٹر محمد فضل الرحمن، سبحة المرجان، ج: ۱، ص: الف

۲۳۔ حال ہی میں یہ کتاب ڈاکٹر علیم اشرف جانیسی، مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کے اردو ترجمہ کے ساتھ ’’تفسیر وحدیث میں ہندوستان کا تذکرہ‘‘ کے نام سے ہندوپاک کے اشاعتی اداروں سے شائع ہوئی ہے۔

۲۴۔ سبحة المرجان، ج: ۱، ص: ۷

۲۵۔ سبحة المرجان، ج: ۱، ص: ۸

۲۶۔ نفس مصدر، ص: ۴۸

۲۷۔ دیکھیے، نزہۃ الخواطر، ج: ۱، ص: ۱۸

۲۸۔ سبحة المرجان، ج: ۲، ص: ۱

۲۹۔ نفس مصدر، ج: ۲، ص: ۳۹

۳۰۔ قرآن کریم، سورت: ۴۲، آیت: ۱۱

۳۱۔ قرآن کریم، سورت: ۸۹، آیت: ۷

۳۲۔ سبحة المرجان، ج: ۲، ص: ۴۲

۳۳۔ نفس مصدر، ج: ۲، ص: ۳۳۸

۳۴۔ نفس مصدر، ج: ۲، ص: ۳۴۱-۳۴۵

۳۵۔ ضوء الدراری، ص: ۱

۳۶۔ ارشاد الساری، ج: ۳، ص: ۶۳

۳۷۔ ضوء الدراری، ص: ۷۰

۳۸۔ شفاء العلل، ص: ۱

۳۹۔ نفس مصدر

۴۰۔ شفاء العلل، ص: ۳

۴۱۔ شفاء العلل، ص: ۳

۴۲۔ نفس مصدر، ص: ۵

۴۳۔ تقی رضا بلگرامی نے ’’سبع سیارہ‘‘ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ فارسی زبان کے اشعار پر مشتمل

ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ رائے سرتاسر بے بنیاد اور غلط ہے۔ دیکھیے، سہ ماہی اردو، شمارہ: ۱،

شمارہ: ۱۹۸۳ء، ص: ۴۱

۴۴۔ مقدمۃ دیوان السبع، ص: ۳۱۰

۴۵۔ دیکھیے، آزاد بلگرامی واثراء فی اللغة العربیة وادابها: ڈاکٹر غلام زرقانی قادری، ص: ۱۳۳

- ۴۶۔ دیوان الاول، ص: ۳
 ۴۷۔ نفس مصدر، ص: ۴
 ۴۸۔ دیوان الاول، ص: ۵
 ۴۹۔ نفس مصدر، ص: ۳۳
 ۵۰۔ دیوان الثانی، ص: ۳
 ۵۱۔ دیوان الاول، ص: ۱۵
 ۵۲۔ دیوان السادس، ص: ۲۶۳
 ۵۳۔ دیوان الثامن، ص: ۹
 ۵۴۔ دیکھیے، دیوان آزاد، مخطوطہ خدا بخش خاں لاہوری، پٹنہ، ص: ۱۹۷
 ۵۵۔ نفس مصدر، ص: ۱۹۷
 ۵۶۔ نفس مصدر، ص: ۱۹۱
 ۵۷۔ نفس مصدر، ص: ۱۹۲
 ۵۸۔ مقدمہ مظہر البرکات، ص: ۴
 ۵۹۔ مظہر البرکات، دفتر اول، ص: ۳۵-۳۷

ڈاکٹر اشفاق انجم (مالیگاؤں)

حسان الہند میر سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

شخصیت اور فن

میر سید غلام علی آزاد بلگرامی بارہویں صدی کی وہ نابغہ روزگار ہستی ہیں جن پر اہل ہند کو بجا طور پر ناز ہے کہ وہ ایرانی اہل زبان شعر و ادب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایرانیوں نے حضرت امیر خسرو، غالب اور اقبال جیسے چند ہی ہندوستانی فارسی گوئیوں کو تسلیم کیا ہے بقیہ تمام اہل عجم کے آگے ”عجمی“ ٹھہرائے گئے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ اہل ہند نے بھی آزاد بلگرامی کی وہ قدر افزائی نہ کی جس کے وہ مستحق تھے یہاں تک کہ ان کی سوانح حیات اور علمی کارناموں پر بھی خاطر خواہ کام نہیں ہوا۔ چند ایک محققین نے آپ کی غزلیہ شاعری اور نثری تخلیقات پر پی ایچ ڈی کے مقالے ضرور تحریر کئے ہیں لیکن وہ صرف حصول سند تک ہی محدود رہ گئے جو آج بھی اشاعت سے محروم ہیں۔

سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے تعلق سے اپنی تصنیف ”روضۃ الاولیاء“ میں جو کچھ لکھا اسی کو ان کے تذکرہ نگاروں نے کچھ حک و اضافے کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ کسی نے مزید تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

”روضۃ الاقطاب“ کے مطابق میر غلام علی آزاد بلگرامی حضرت سید زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا تعلق سادات واسطی سے ہے۔ کتب سوانح میں آپ کا شجرہ کچھ یوں درج ہے۔

”میر غلام علی آزاد بن محمد نوح بن محمد فیروز بن میر محمد اللہ داد (الہ داد)۔۔۔“ ان کے بعد یہ سلسلہ سید محمد صغریٰ سے آگے بڑھتا ہے (اس کی وضاحت نہیں ملتی کہ سید محمد صغریٰ، سید الہ داد کے والد ہیں یا یہاں درمیان میں خلا واقع ہے) بہر حال سید محمد صغریٰ سے سلسلہ نسب یوں آگے بڑھتا ہے۔

”سید محمد صغریٰ بن علی بن حسین بن ابوالفتح ثانی بن ابوالفراس بن ابوالفرح
واسطی بن داؤد بن حسین بن یحییٰ بن زید بن علی بن حسن بن علی العراقی بن حسین بن
علی بن محمد بن عیسیٰ موتمن الاشبال ابن زید شہید ابن امام زین العابدین بن امام حسین
بن امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔۔۔“ (روضۃ الاقطاب: مولانا روف علی، صفحہ ۲۲۵)

میر سید غلام علی آزاد ۲۵ صفر بروز یکشنبہ ۱۱۱۶ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشوونما
پائی۔ آپ علماء و صوفیاء کے خانوادے کے چراغ چشم تھے۔ سارا خاندان علم اور تصوف کی روشنی سے
منور تھا۔ آپ کے جد مادری میر سید عبدالجلیل بلگرامی اپنے عہد کے ممتاز و جلیل القدر علماء و صوفیاء
میں شمار ہوتے تھے۔ آزاد نے سب سے پہلے اپنے نانا جان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا جو عربی
، فارسی، ترکی، ہندی زبانوں پر کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی جانب سے سندھ
میں وقائع نگار اور میر بخشی کے عہدے پر فائز تھے۔ علوم دینیہ میں حدیث، فقہ، تفسیر، علم لغت، سیر
نبوی، موسیقی اور شعر گوئی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آزاد بلگرامی نے ان سے کتب لغت،
حدیث، سیر نبوی اور فنون ادب کی تحصیل کی۔

آزاد کے دیگر اساتذہ میں میر سید طفیل محمد بلگرامی (م ۱۱۵۱ھ)، شیخ عبدالوہاب طبطبائی
(م ۱۱۵۷ھ)، شیخ محمد حیات سندھی مدنی (م ۱۱۶۳ھ)، میر سید محمد شاعر بلگرامی (م ۱۱۸۵ھ) جیسی
ممتاز ہستیاں شامل ہیں۔ جن سے آزاد نے فقہ و تفسیر، قرآن و حدیث، سیر نبوی کے علاوہ علم لغت،
قواعد صرف و نحو اور علم عروض کی تحصیل کی۔

آزاد صحیح النسب سادات سے تھے۔ سارا گھرانہ علم دین و تصوف کی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔
ظاہر ہے کہ اس کا پر تو اطفال خاندان پر بھی پڑنا لازمی تھا۔ آزاد نے اسی پاکیزہ فضا میں پرورش
پائی تھی۔ آپ کا سینہ ہر کثافت سے پاک تھا۔

بچپن میں آپ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے
ان کا استقبال کیا اور اپنی مجلس مبارکہ میں باریابی کا شرف بخشا۔“
اس خواب کا اظہار انہوں نے درج ذیل اشعار میں بھی کیا ہے۔

بہ الطاف رسول ہاشمی آزاد می نازد
 شمی در خواب این بیدار را بخشید دستاری
 رسول ہاشمی کے الطاف و کرم پر آزاد ناز کرتا ہے
 ایک شب آپ نے اس غلام کو عزت و شرف سے نوازا
 صفا پروردہ جای دید شب آزاد در رویا
 نباشد جز طواف آستان دوست تعبیری

آزاد نے رات خواب میں ایک نہایت ہی مصطفیٰ مقام دیکھا
 اس کی تعبیر سوائے طواف آستان دوست اور کچھ نہیں ہو سکتی

آزاد نے جب سے یہ خواب دیکھا جلوۂ جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دل میں جاگزیں ہو گیا۔ جب بھی اس خواب کی یاد آتی دل جوشِ محبت و عقیدت سے بے چین ہو جاتا۔ اس خواب میں آزاد کو نہ صرف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنا کیا بلکہ انہیں متذکرہ بالا سعادت و شرف کے حصول کی جانب شدت سے مائل کر دیا۔ اس سعادت کے حصول کا ان کے نزدیک ایک ہی بہترین ذریعہ تھا اور وہ تھا تصوف سے وابستگی۔ جس کے اثرات سے وہ بخوبی واقف تھے۔ کیونکہ ان کا خاندان پورے اودھ میں تصوف اور روحانیت میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ کے خاندان کا ہر بزرگ روحانیت کے ایسے مقام پر فائز تھا جس کی تمنا ہر اہل تصوف کو ہوتی ہے۔

یہ خواب آزاد کو ان کے عہد کے نامور بزرگ سید العارفین میر سید لطف اللہ بلگرامی عرف شاہ لدہا چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گیا اور آپ ۱۱۳۷ھ میں شاہ صاحب سے بیعت ہو گئے۔ آزاد حنفی المسلمک تھے۔ کلیات آزاد بلگرامی میں پروفیسر سید حسن عباس رقم طراز ہیں:

”باوجودی کہ آزاد حنفی المذہب بودہ، امّا با رسول اکرم ﷺ، اہل بیت اطہار،

باویژہ امیر المؤمنین مولای متقیان حضرت علی بن ابی طالب بسیار عقیدت و ارادت

داشت، در کلام وی اشعار عقیدتی زیاد دیدہ می شود کہ از آن روشن می گردد کہ آزاد بہ

پیامبر اکرم ﷺ و آل رسول چہ قدر عقیدت داشت، وی را بہ خاطر مداحی آل حضرت

ﷺ لقب ”حسان الہند“ دادہ بود۔“ (ص ۹۷)

”آزاد حنفی المذہب تھے“ یہ کہنے کے بعد پروفیسر حسن عباس صاحب کو یہ کہنے کی ضرورت

ہی نہیں تھی کہ ”باوجود حنفی المذہب ہونے آزاد کو حضرت علی اور ان کی اولادوں سے بے پناہ

عقیدت و محبت تھی۔“ پروفیسر صاحب کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حنفی المذہب لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت سے عقیدت و محبت نہیں رکھتے۔ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ شیعہ عالم ہوں یا پروفیسر ”تقیہ“ سے کہیں بھی باز نہیں آتے۔ پروفیسر صاحب یہ بھول گئے کہ جتنی سچی عقیدت احناف اور اہل سنت کو اہل بیت سے ہے وہ کسی اور مذہب کے ماننے والوں میں نہیں ہے اور پھر آزاد تو صحیح النسب سید تھے انہیں اپنے اجداد سے بے انتہا محبت و عقیدت تو فطری طور پر ہونی ہی چاہئے تھی۔

آزاد کو سیاست کا بے حد شوق تھا جس کے پس پردہ علم کا حصول بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا تھا۔ روضۃ الاقطاب میں مولانا رونق علی لکھنوی رقم طراز ہیں کہ:

”مدت العمر میں تین سفر پیش آئے، پہلے بغرض ملازمت دہلی گئے اور دو سال بعد واپس آئے۔ دوسری بار سیستان پہنچے ۱۱۴۷ھ میں لاہور ہوتے ہوئے احمد آباد اور الہ آباد سے بلگرام آئے۔ تیسری مرتبہ حرمین محترمین کا ارادہ کیا اور تیسری رجب ۱۱۵۰ھ کو گھر سے نکلے اور خشکی و تری کی مسافت طے کر کے مکہ معظمہ پہنچے۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد ۱۱۵۲ھ میں بندر سورت سے دیار دکن میں آئے اور آخر تک اورنگ آباد ہی میں رہے۔“ ص ۲۵۵

پروفیسر سید حسن عباس ”کلیات آزاد بلگرامی“ میں لکھتے ہیں:

”آزاد نے اپنی زندگی میں تین طولانی سفر کئے جن کی تفصیلات خود انہوں نے اپنے تذکروں میں کی ہے۔ پہلے سفر میں وہ میر عظمیٰ اللہ بے خبر بلگرامی (م ۱۱۴۲ھ) کی رفاقت میں شاہجہاں آباد اپنے نانا میر عبد الجلیل بلگرامی (م ۱۱۳۸ھ) کی خدمت میں پہنچے۔ دو سال تک وہاں مقیم رہے اور ان سے کسب فیض کیا اور ۱۱۳۷ھ میں بلگرام واپس لوٹے۔“ (ص ۴۷)

مولانا رونق علی کے بیان کے مطابق سید آزاد بلگرامی ”بسلسلہ ملازمت“ شاہجہاں آباد (دہلی) گئے تھے اور پروفیسر سید حسن عباس صاحب اس کی وجہ ”کسب فیض“ بتاتے ہیں۔ کسب فیض کی اصطلاح اہل تصوف میں رائج ہے۔ میر آزاد بلگرامی حضرت شاہ لطف اللہ سے بیعت تھے ممکن ہے کہ وہ دہلی بسلسلہ ملازمت گئے ہوں اور اپنے نانا حضرت عبد الجلیل بلگرامی سے روحانی فیوض و برکات کے ساتھ ہی علوم دینیہ کی تحصیل بھی کی ہو۔

آزاد نے دوسرا سفر سیوستان (سیتان) کا کیا جو علاقہ سندھ کا ایک موضع تھا۔ ۱۱۴۳ھ میں وہاں پہنچے، چار سال تک مقیم رہے اور ۱۱۴۷ھ میں واپس بلگرام آئے۔

۳۱ رجب المرجب ۱۱۵۰ھ کو حج بیت اللہ کے ارادے سے پایادہ بلگرام سے روانہ ہوئے۔ یہ ان کا تیسرا سفر تھا۔ اثنائے راہ مالوہ میں نواب آصف جاہ اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ ایک امیر نے آزاد کو دیکھا، معلوم ہونے پر کہ یہ راہی جاز ہیں ان کی سواری کیلئے ایک رتھ اور بہت سارے لوازمات و ملبوسات وغیرہ مہیا کر دیئے۔ ۲۳ شعبان ۱۱۵۰ھ ہجری کو نواب آصف جاہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ میر صاحب نے نواب کی خدمت میں درج ذیل رباعی پیش کی۔

ای حامی دیں محیط جود و احسان حق داد ترا خطاب آصف شایاں
او تخت بدر گاہ سلیمان آورد تو آل نبی را بدر کعبہ رساں
”اے دین کے حامی جود و سخا کے مرکز تجھے تیری شان کے مطابق حق نے
آصف کا خطاب دیا“

”(آصف حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر) نے تخت بلقیس حضرت سلیمان

علیہ السلام کی درگاہ میں حاضر کر دیا تھا تو آل نبی کو در کعبہ تک پہنچا“

نواب نے خوش ہو کر آزاد کو زاد راہ مہیا کر دیا اور وہ بھوپال، برہانپور ہوتے ہوئے سورت بندر پہنچے اور وہاں سے بذریعہ کشتی جاز مقدس کیلئے روانہ ہو گئے۔

آزاد نے قیام حجاز کے دوران مختلف علماء سے حدیث کا درس اور سند لی۔ ۱۱۵۲ھ میں آزاد حج سے واپس ہوئے سورت بندر پہنچے اور نواب آصف جاہ کی دعوت پر اورنگ آباد آئے۔ نواب نے آپ کیلئے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا جو انہیں تاحیات ملتا رہا۔

ان طولانی اسفار کے علاوہ انہوں نے اطراف و اکناف سے بیشتر علاقوں کے بہت سارے اسفار بھی کئے جن میں حیدر آباد، بیدر، سری رنگا پٹن، گلبرگہ، ارکات، برہانپور وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن ہر سفر میں مذکورہ مقامات پر کچھ مدت گزارنے کے بعد وہ لوٹے تو اورنگ آباد ہی پہنچے۔

بلگرام آزاد کا وطن تھا، سارے عزیز و اقارب وہیں آباد تھے، عہد بہ عہد آنے والے حکمرانوں نے اس خاندان کو جاگیریں عطا کی تھیں جس کی بنا پر سارا خاندان آسودگی سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ جب کہ آصف جاہی حکومت کے وظیفے سے آزاد کی زندگی تنگی و ترشی میں گزرتی تھی۔

آزاد شادی شدہ تھے آپ نے عبدالواحد بن سید سعد اللہ بن سید مرتضیٰ بن سید فیروز بن

سید عبدالواحد کی دختر خرد سے نکاح کیا۔ یہ عقیقہ کون تھیں! کیا نام تھا!! بلگرام سے تھیں یا علاقہ دکن سے؟! اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۴۰ھ کے آس پاس کا ہے۔ کیونکہ ان خاتون سے ۱۱۴۳ھ میں ایک بیٹا نورالحسین پیدا ہوا اور مشیت الہی سے عالم جوانی ہی میں پانی میں ڈوبنے سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ موت سے چند برس قبل ہی نورالحسین کی شادی ہوئی تھی جس کا ایک بیٹا سید امیر حیدر ۱۱۶۵ھ میں تولد ہوا۔

نورالحسین کی موت کے بعد آزاد نے اپنے پوتے کی جی جان سے پرورش و پرداخت کی۔ بہترین تعلیم سے آراستہ کیا، اسی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ امیر حیدر کا بھی اپنی عہد کے ممتاز علماء میں شمار ہوتا تھا۔ وہ صاحب تصنیف بھی تھے۔ تذکروں میں ان کی درج ذیل تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔
(۱) سوانح اکبری (۲) منتخب النجوم (۳) تحقیق الاصطلاحات (۴) منتخب الصرف (۵) کلمات النبیل شرح انشائے میر عبد الجلیل۔ (۶) بصائر المتعلمین (۷) دیوان شعر (فارسی)۔
امیر حیدر کا انتقال ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء میں ہوا۔

جوان بیٹے کے انتقال کے بعد آزاد کی زندگی مزید دشوار و پریشان کن ہو گئی ہوگی، لیکن وہ اورنگ آباد کی رہائش ترک کر کے بلگرام واپس نہیں گئے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے اس کی وجہ ان کی حضرت بابا شاہ مسافر غجدانی ثم اورنگ آبادی سے عقیدت و محبت بتائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ زیادہ تر بابا شاہ مسافر کی درگاہ میں رہائش رکھتے تھے۔ اولیائے کرام میں جہاں غوث، قطب، ابدال، اوتاد جیسے درجات ہیں وہیں ایک درجہ ”اہل خدمت“ کا بھی ہے جو اغواث، ابدال، اقطاب وغیرہم کے آستانوں کی نگہداشت پر مامور ہوتا ہے۔ بعض صوفیاء کے نزدیک اہل خدمت مجاذیب میں سے ہوتے ہیں لیکن راقم کے پیرو مرشد چراغ معرفت صوفی نور الہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ کلیہ نہیں ہے۔ حسب حیثیت و ضرورت اہل سلوک بھی اس منصب پر فائز کئے جاتے ہیں۔ ان میں بعض سالک مجذوب بھی ہوتے ہیں۔

راقم کے خیال میں غلام علی آزاد بلگرامی بھی اہل خدمت میں سے تھے۔ ”روضہ“ یعنی غلد آباد اور اطراف کے علاقے دولت آباد، اورنگ آباد کے بزرگوں کے آستانوں کی نگہداشت آپ کے ذمہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جوان بیٹے کی موت کا صدمہ، پریشان کن حالات زندگی اور فقر و فاقہ کے باوجود اورنگ آباد سے اٹھ کر کہیں اور نہیں گئے جبکہ بلگرام میں ان کی آبائی جاگیر بہت

بڑی تھی جہاں وہ پرسکون زندگی گزار سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہ کرتے ہوئے اپنے حیات امیر حسن سنجر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے قریب ایک قطعہ اراضی خرید کر وہاں پہلے سے اپنی قبر تیار کر رکھی تھی اور انتقال (۱۲۰۰ھ) کے بعد اسی میں مدفون ہوئے۔

آزاد طبعاً قناعت پسند، بذلہ سنج، شگفتہ طبع، خوش اخلاق، منکسر المزاج اور شعائر اسلامی کے سختی سے پابند تھے۔ بزرگانِ چشت کی طرح آپ بھی دنیاوی دولت اور جاہ و مرتبے سے بے نیاز تھے۔ اگرچہ اس عہد کے اکثر امراء و رؤسا سے آپ کے بے حد قریبی تعلقات تھے لیکن کبھی ان سے کوئی توقع نہیں رکھی اور نہ ہی ان کے انعامات اور بخششیں قبول کیں۔

”آزاد نے عربی و فارسی میں ہزاروں اشعار کہے ہیں جن میں غزلیات، مثنویات، قصائد اور رباعیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے عربی نعتوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے جس کی مخطوطات عرب، ترکی، ایران اور ہندوپاک کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

تصانیف آزاد:

عربی: ☆ سبحة المرجان ☆ ضوء الدراری شرح صحیح البخاری ☆ شفاء العلیل فی اصلاح کلام ابو طیب المتننی ☆ شامة العنبر فی ماورد فی الہند من سید البشر ☆ مظهر البرکات ☆ دواوین ☆ السبعة السیارة ☆ تسلیة الفواد فی قصائد الازاد ☆ مرآة الجمال ☆ کشکول ☆ الامثلة المتر شحة من القرینة ☆ قصیدہ ہمزائیہ ☆ ارج الصباقی مدح المصطفی ☆ نصاب القصیدہ فی التغزل ☆ مکتوبات حضرت مجدد

فارسی: ☆ ید بیضا ☆ سرو آزاد ☆ خزائن عامرہ ☆ ماثر الکرام تاریخ بلگرام ☆ شجرہ طیبہ ☆ روضۃ الاولیاء ☆ سند السعادت فی حسن خاتمة السادات ☆ غزلان الہند ☆ بیاض آزاد ☆ مثنویات ☆ قصیدہ در تعریف میر عبد الجلیل بلگرامی و میر سید محمد شاعر بلگرامی ☆ دیوان اشعار فارسی ☆ شرح قطعہ نعمت خاں عالی شیرازی ☆ جواب الامیرات مرتبات ☆ ماثر الامراء ☆ انیس المحققین۔

مداحی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صلے میں آپ کو ”حسان الہند“ کے خطاب سے نوازا گیا۔ دنیا کی تین مملکتوں اور تین زبانوں میں تین شعرا ایسے ہوئے جنہیں یہ امتیاز و اعزاز حاصل ہے کہ وہ حسان العرب (حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، حسان العجم (خاقانی) اور حسان الہند (میر آزاد بلگرامی) کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اتنا ہی نہیں سید محمد خاں صلابت جنگ نے

آپ کو ”سراج المحدثین“ اور ”رئیس العلماء“ کے القاب سے سرفراز کیا تھا۔
 دنیا کی کسی بھی زبان و ادب کی تاریخ اٹھالی جائے ہر جگہ آپ کو ”ناقدری“ کی شکایتوں کا
 انبار نظر آئے گا۔ وہ شعرا و ادباء جنہیں شاہی سرپرستی حاصل رہی وہ بھی اپنے اعزاز و نوازشات
 شاہی کے باوجود نامطمئن نظر آتے ہیں۔
 آزاد، آزاد منش ہونے کے باوجود ساری عمر اپنی ناقدری پر رنجیدہ رہے اور یہ کہہ کر خود کو
 تسلی دیتے رہے:

گوہر خود را مبر آزاد پیش جاہلاں عرض کن بر صاحبِ فطرت کلام خویش را
 (آزاد تو اپنے ہنر کا اظہار جاہلوں کے (اگر داد و تحسین کی خواہش ہے تو اصحابِ
 سامنے نہ کر) ذوق کو اپنا کلام سنا)

اس ناقدری کے باوجود انہوں نے اپنے قلم کو کبھی کسی بھی طرح کی ہجو و گوئی اور کثافت سے
 آلودہ نہیں کیا اور یہ ناقدری ان کے حق میں بہتر ہی ثابت ہوئی کیونکہ وہ انسانوں کی چوکھٹ سے
 اٹھ کر اس در پر جا پڑے جہاں سے کوئی محروم نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نواب شاہنواز خان کی
 ”سلام گاہ“ سے بغیر سلام و کونش بجالائے واپس آ گئے۔ کسی بشر کی محفل میں ایک سلام کیجئے
 گھنٹوں کھڑے رہنے سے بہتر ہے کہ شہنشاہوں کے شہنشاہ کی ملازمت میں حاضر رہا جائے۔ اس
 تعلق سے وہ خود کہتے ہیں۔

بہ نانِ خشک خدا داد خود بساز آزاد غلامِ منتِ نواب نامدار مشو
 (آزاد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خشک روٹی پر گذرا کر لے کہ اس سے عزتِ نفس پر
 ضرب نہیں پڑتی، ایک معمولی سی حاجت کیلئے نواب کا احسان اٹھانے کی کیا ضرورت ہے)
 اس جذبہ نے آزاد کے دل میں استغنا اور بے نیازی کی ایسی صفات پیدا کر دیں کہ پھر وہ
 کسی امیر کے دروازے پر نہیں گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے کلام میں ہر وہ خوبی موجود ہے
 جسے اعلیٰ اقدار اور اخلاقیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

افسوس ناک امر یہ ہے کہ فی زمانہ ہند میں عربی و فارسی کا چلن نہیں رہا، یہاں چلن سے مراد
 عربی ادب کی تخلیق اور عوامی ذوق و شوق سے ہے ورنہ مدارس میں عربی تو پڑھائی جاتی ہے لیکن
 عوام ہی نہیں اکثر خواص میں بھی اس کا رواج نہیں ہے۔ بیشتر علماء تک ادبی ذوق سے محروم ہیں۔
 ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے کم و بیش ۵۷ فیصد ”سند فراغت و دستار فضیلت“ کے حامل علماء ایک

پیرا عربی زبان کا از خود لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ اگر منبر سے کتاب ہٹالی جائے تو بیشتر ائمہ مساجد نماز جمعہ کا خطبہ نہیں دے سکیں گے۔

فارسی کا حال تو اس سے بھی برا ہے۔ اسکولوں سے اسے نکال دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں ”غیر فصیح اردو“ کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ علماء و مدرسین تک انکار کی جگہ ”منع“ اور ”دوبارہ“ کی بجائے ”دوبارہ سے“ ”اچھی طرح“ کی بجائے ”اچھی سے“ بولنے لگے ہیں، علی ہذا القیاس ایسے ماحول میں سید غلام علی آزاد بلگرامی کا نام حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ، امیر حسن علاء سجزی، نعمت خاں عالی کے ساتھ لیا تو جاتا ہے لیکن ان کے عربی و فارسی کلام کو پڑھنے سمجھنے والے ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ!!

سید غلام علی آزاد بلگرامی کی تقریباً تمام تصانیف کے قلمی نسخے ملک و بیرون ملک کے کتب خانوں میں موجود ہیں لیکن ان کی اشاعت کی نوبت نہیں آرہی ہے اس پرستم یہ کہ، مولوی صدیق حسن مرحوم نے آزاد کے تذکروں ”سرو آزاد“ اور ”خزانہ عامرہ“ کو قدرے کمی بیشی کے ساتھ لفظاً و معناً ”شمع الجمن“ کے عنوان سے اپنے نام سے شائع کر دیا۔

آزاد نے ہر دو زبانوں یعنی عربی و فارسی میں نعتیں تخلیق کیں ہیں ان کی عربی نعتیں تو دستیاب ہیں لیکن افسوس کہ اس مضمون کے لکھنے تک ہزار کوششوں کے باوجود ان کی ایک نعت جو کلیات آزاد میں موجود ہے کے سوا اور کچھ دستیاب نہ ہو سکا اس لئے وہی ایک نعت مع ترجمہ پیش خدمت ہے۔

۱	ای روی تو آئینہ دیدار خدای	بینائی ترا نیست ز اللہ جدایی
۲	تا سرو تو در گلشن ایجاد خر امید	بو سند زمیں تو تذروان سمایی
۳	دادی بہ ہما روز ازل سایہ خود را	شک نیست کہ فیض تو بُوَد فیض ہمایی
۴	عزیز نشود سبز گل تازہ تر آید	آنجا کہ کند خلق خوشست عالیہ سایی
۵	گر خاک درت حسن توجہ نماید	آئینہ دل را کہ کند زنگ زدایی
۶	آن عنصر خاکی کہ نمودی شب معراج	برہفت فلک جلوہ زہی جلوہ نمایی
۷	پرودہ خوان کرمت ہر کہ و ہر مہ	عیسیٰ کند از مایہ ات زلہ ربایی
۸	با جہمہ و ابس کہ دہی داد سخاوت	خجالت نکشد غیرت سایل ز گدایی
۹	شناخت کہ بستن چہ بود دست مبارک	بو سد کف فیاض ترا حاتم طایی
۱۰	نشدیدہ سخن فیض بہ سایل برسانی	حاشا کہ بود دست تو رهن شنوایی

- ۱۱ اعلشت تو آلودہ بہ خون در رہ ایزد
زیبندہ بہ اعلشت تو این رنگِ حنائی
- ۱۲ قرآن تو تا روز جزا سامعہ افروز
تمود کسی غیر تو اعجاز کذابی
- ۱۳ اقلندہ دعای تو ز پا بد گھران را
در سینہ دشمن رود این تیرِ ہوائی
- ۱۴ بدعت نتواند کہ بر آرد نفسی راست
نی می شکند شرع تو در سینہ نابی
- ۱۵ بستند کمر پیش غلام تو امیران
ربید بہ غلام تو امیر الامرائی
- ۱۶ شاہا گرہ کار من غمزہ واکن
در ناخن لطف تو بود عقدہ کشائی
- ۱۷ ہر لحظہ ز جا خیزم و برگرد تو گردم
لازم کہ کنی پرش احوال فدائی
- ۱۸ خواہم کہ کنم طوف تو بار دگر امانا
در ماندہ کار خودم از بی سرو پائی
- ۱۹ شبنم نتواند کہ پرد جانب بالا
خورشید جہانتاب دھد بال رسائی
- ۲۰ این کام کہ خواہم ز جناب تو روا ساز
در پیش تو مشکل بود کام روایی
- ۲۱ سلمان کہ رہا گشتن او عقل نمی خواست
لطف تو بہ او داد زنجیر رہائی
- ۲۲ با من عملی نیست کہ فردا برھاند
جز این کہ بہ پای تو کنم ناصیہ سائی
- ۲۳ گر خاک شوم از سر کوی تو تخیرم
آسودہ کوی تو نباشد ہمہ جایی
- ۲۴ توصیف تو از حوصلہ ناطقہ بیرون
کلک کہ تواند کہ کند عھدہ بر آئی
- ۲۵ آزاد رساندی بہ کجا سحر بیانی
بستند زبان پیش تو عرفی و ثنائی
- ۲۶ لیکن تو و اظہار کمال این چہ مناسب
عیب است بہ نزد عقل خویش ستائی
- ۲۷ صیت نبوی در دو جہاں شور فگن باد
تا فاختہ بر سرو کند نغمہ سرائی

اردو ترجمہ :

- ۱- آپ کا چہرہ مبارک ساری کائنات کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی بینائی، بصارت الہی سے جدا نہیں ہے۔
- ۲- جب تک آپ اس گشتِ ایجاد (دنیا) میں حیات رہے فرشتے آپ کی قدم بوسی کرتے رہے۔
- ۳- آپ ﷺ نے روز ازل میں اپنا سایہ ہما کو دیدیا تھا اسلئے جس شخص پر ہما کا سایہ پڑ جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہما کا فیض دراصل آپ ہی کا فیض ہے۔
- ۴- پھولوں میں اس وقت تک خوشبو پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ وہ آپ ﷺ کے مشک بیز آستانے پر حاضری نہ دے لے جہاں ایک عالم جبہ سائی کرتا ہے۔
- ۵- آپ ﷺ کے آستانے کی خاک کے سوا کون سی ایسی شے ہے جس کے ملنے سے آئینہ

دل صاف ہو سکے۔

- ۶- آپ ﷺ کے غصہ خاکی نے معراج کی شب وہ جلوہ دکھایا کہ ہفت افلاک روشن ہو گئے۔
- ۷- وہ شاہ ہوں یا گدا سب آپ کے خوانِ کرم کے پروردہ ہیں یہاں تک کہ عیسیٰ بھی آپ کے ماندہ کرم کے ریزہ چیں ہیں۔
- ۸- آپ ﷺ نے اس خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے دادِ سخاوت دی کہ کوئی سائل اپنی گداگری پر نجل و شرمندہ نہیں ہوا نہ ہی اس کی غیرت پر کوئی ضرب پڑی۔
- ۹- آپ ﷺ کا دست کرم رکنا اور بس کرنا جانتا ہی نہیں، حاتم طائی بھی آپ کے دستِ سخا کو بوسے دیتا ہے۔
- ۱۰- سائل کے سوال کرنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کا فیض اُسے پہنچ جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا دست کرم کبھی سائل کی صدا کا منتظر نہیں رہا۔
- ۱۱- آپ کی مقدس انگلیاں اللہ کی راہ میں اہولہاں ہو گئیں، یہ رنگ حنائی آپ ہی کی انگلیوں پر چلتا ہے۔
- ۱۲- آپ ﷺ کا قرآن تا قیامت کانوں میں رس گھولتا رہے گا، ایسا معجزہ آپ کے سوا کسی نے نہیں دکھایا۔
- ۱۳- آپ ﷺ کی دعا نے بدطینتوں کو ڈھیر کر دیا، یہ ہوائی تیر دشمنوں کے سینوں میں پیوست ہو گئے۔
- ۱۴- بدعت میں اتنی سکت نہیں کہ سکون کی ایک سانس بھی لے سکے، کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت بانسری کی لے کو اس کے سینے ہی میں دفن کر دیتی ہے۔
- ۱۵- امراء آپ ﷺ کے غلاموں کے آگے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں، امیر الامرائی (بادشاہت) آپ ﷺ کے غلاموں ہی کو زیب دیتی ہے۔
- ۱۶- اے شہنشاہ! مجھ غمزدہ کے رکے ہوئے کاموں کی گرہ کھول دیجئے کہ آپ ﷺ کے ناحن لطف و کرم ہی کا رکشائی کا اعجاز رکھتے ہیں۔
- ۱۷- میں جب جب اپنی جگہ سے اٹھوں اور آپ ﷺ کا طواف کروں تو اس جاں نثار سے احوال ضرور دریافت فرمالیا کریں۔
- ۱۸- میری خواہش ہے کہ دوبارہ آپ ﷺ کا طواف (زیارت) کروں لیکن بے سروسامانی نے مجھے عاجز و در ماندہ کر رکھا ہے۔
- ۱۹- شبنم میں از خود اتنی سکت نہیں کہ آسمان کی جانب پرواز کر سکے الا یہ کہ آپ کا حسن جہاں

- تاب اسے اس کی اجازت دے۔ (یہاں شبنم خود آزاد کا استعارہ ہے۔)
- ۲۰۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی سرکار سے دوبارہ حاضری کا پروانہ جاری ہو جائے اور یہ کام آپ کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے۔
- ۲۱۔ سلمان جس کا آزاد ہونا بعید از عقل تھا آپ ﷺ کے لطف و کرم نے اسے زنجیر سے رہائی دلائی۔
- ۲۲۔ میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو حشر میں میرے کام آسکے، میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ ﷺ کے قدموں میں سر رکھ دوں۔
- ۲۳۔ اگر آپ ﷺ کے کوچے کی خاک ہو جاؤں تو پھر وہاں سے نہ اٹھوں، اور پھر جسے آپ کے کوچے میں جگہ مل گئی تو اسے کہیں اور جانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔
- ۲۴۔ آپ ﷺ کی تعریف و مدح دائرۂ بیان سے باہر ہے، کسی کے قلم میں یہ سکت و صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کی توصیف کما حقہ بیان کر سکے۔
- ۲۵۔ آزاد! تو نے سحر بیانی کو اس معیار تک پہنچا دیا ہے جہاں عرفی و ثنائی بھی عاجز نظر آتے ہیں۔
- ۲۶۔ لیکن خود اپنی زبان سے اپنے کمال کا اظہار بڑی نامناسب بات ہے، عقلمندوں کے نزدیک اپنی تعریف آپ کرنا جہالت ہے۔
- ۲۷۔ نبی کریم ﷺ کی شہرت کا آوازہ سارے جہان میں گونجتا رہے جب تک کہ سرو پر عمریاں گیت گاتی رہیں گنگنائی رہیں۔

منابع:

- (۱) کلیات آزاد بلگرامی۔ پروفیسر سید حسن عباس
- (۲) روضۃ الاولیاء۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی
- (۳) روضۃ الاقطاب۔ مولوی رونق علی لکھنوی
- (۴) بحر الفصاحت۔ نجم الغنی

ان: بحر الفصاحت۔ نجم الغنی، راجہ رام بکڈ پو، لکھنؤ (۱۹۲۶ء)

ڈاکٹر سید علیم اشرف جانی (حیدر آباد)

حسان الہند غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

حیات، خدمات اور شاعری

بلگرام!

اتر پردیش گورنمنٹ گزٹیٹر میں ہے کہ:

"Bilgram, the headquarter town of the Tahseel of the same name, lies in lat: 27.110N, and long: 80.20E , on the old high bank of the Ganga, about 26 Km south-west of Hardoi"

(بلگرام، اسی نام کی تحصیل کا صدر مقام ہے، ۲۷.۱۱ درجہ عرض البلد شمالی اور ۸۰.۲ درجہ طول البلد شرقی پر، گنگا کے قدیم بلند کنارے پر، ہردوئی سے تقریباً ۲۶ کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔) یہ قدیم قصبہ عہد شجاعت کی دو عظیم سلطنتوں، اجدوہیا اور ہستنا پور، کی درمیانی شاہراہ پر واقع ہونے کے سبب ہمیشہ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے نام کے سلسلے میں کئی روایتیں ملتی ہیں، جن میں دو زیادہ مشہور ہیں: ۱۔ بل نام کے عفریت (راکشس) کے نام پر اس کا نام پڑا، ۲۔ شری کرشن کے بھائی بلرام جنھوں نے اسے فتح کیا تھا، ان کے نام پر اس کا نام بلگرام رکھا گیا۔ محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کے دوران ۴۰۹ھ/۱۰۱۸ء میں قاضی محمد یوسف عثمانی گزرونی نے اس قصبہ کو فتح کیا تھا، لیکن اندرون ہند عام غزنوی فتوحات کی طرح یہ فتح بھی عارضی رہی۔ عہد التمش میں سید محمد (صاحب دعوت) صغریٰ نے ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء میں بلگرام کو دوبارہ فتح کیا۔ سید محمد صغریٰ مشہور بزرگ حضرت ابوالفتح واسطی کی نسل سے تھے۔ اس عسکری فتح نے بلگرام کو ہمیشہ کے

لئے واسطی سادات کی علمی اور روحانی فتوحات کا مرکز بنادیا۔ بلگرام ہندوستانی تاریخ کے کئی اہم احداث و واقعات کا شاہد ہے۔

جغرافیائی محل وقوع، تاریخی اہمیت اور تہذیبی وراثت کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم عنصر ہے جس نے بلگرام کو علم و ادب کا مرکز بنانے میں خاصہ کردار ادا کیا ہے اور وہ عنصر ہے ماحولیات کا، بلگرام زمانہ قدیم سے ہی اپنی زرخیز مٹی، صحت بخش آب و ہوا اور خوبصورت باغات و مناظر کے لئے مشہور رہا ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں یہاں کے آب و ہوا کی تعریف کی ہے۔ مغربی سیاح ٹفن تھیلر (D.J. Tiffenthaler) جو ۱۷۶۹ء میں بلگرام آیا تھا، اس نے بھی اپنے سفر نامے میں یہاں کے چمنستانوں اور مرغزاروں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس خوشگوار طبعی ماحول کا علمی ماحول پر خوشگوار اثر پڑنا ایک مسلم اجتماعی قانون ہے، بقول علامہ ابن خلدون: خوش نموز مین اور خوش نما آب و ہوا والے مقامات ہی فکر و دانش کے مراکز بنتے ہیں۔

بلگرام عہد سلطنت سے ہی اسلامی و عربی علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا، اور اکبری دور کے آتے آتے اس نے برصغیر میں نمایاں ترین علمی حیثیت حاصل کر لی تھی، اس کا یہ مقام انگریزوں کے عہد تک برقرار رہا۔ اس زمین سے بہت سی علمی و روحانی شخصیات ابھریں جن میں سرفہرست فاتح بلگرام اور سادات بلگرام کے مورث اعلیٰ سید محمد صغریٰ چشتی متوفی ۶۳۵ھ، شیخ اڈھن بلگرامی (گیارہویں صدی ہجری)، شیخ الہ داد بلگرامی (۹۹۹ھ میں بقیہ حیات)، سید عبدالواحد چشتی بلگرامی صاحب سبع سنابل متوفی ۱۰۱۷ھ، سید قادری بلگرامی متوفی ۱۱۳۵ھ، سید طفیل محمد بلگرامی متوفی ۱۱۵۱ھ، میر سید مبارک بلگرامی متوفی ۱۱۱۵ھ، میر عبدالجلیل بلگرامی متوفی ۱۱۳۸ھ، اور خاتم المحدثین واللغوین سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی صاحب تاج العروس، و اتحاف السادة المقین فی شرح احیاء علوم الدین متوفی ۱۲۰۵ھ وغیرہ شامل ہیں۔

مسلمانوں کی مرکزی حکومت کے زوال کے ساتھ دوسرے علمی مراکز کی طرح بلگرام کی علمی زبوں حالی کا بھی آغاز ہو گیا۔ ایک وقت میں بلگرام کے گھر گھر میں کتب خانہ تھا، جن میں بیشتر ضائع ہو گیا، کچھ لکھنؤ اور حیدرآباد میں فروخت ہو گیا، اور ان کا ایک معتد بہ حصہ انگریزوں کے ذریعے غصب کر کے، تحفے میں وصول کر کے یا پھر حاکمانہ اثر و رسوخ کے ساتھ اونے پونے خرید کر یورپ منتقل کر دیا گیا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں انگریز سیاست دان جیسے ٹینٹ (Rev M.R. Tenant) وغیرہ، اور عیسائی مشنریوں جیسے بشپ ہمبر (Bishop Heber)

وغیرہ کی مسلسل بلگرام آمد کا بنیادی مقصد انھیں علمی خزانوں کا حصول تھا۔

نسب و خاندان!

”نسباً حسینی، اصلاً واسطی، مولداً ومنشأً بلگرامی، مذہباً حنفی، طریقۂ چشتی۔“

سبحۃ المرجان، مآثر الکرام اور خزانہ عامرہ وغیرہ اپنی کتابوں میں آزاد نے اپنا یہی تعارف کرایا ہے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت عیسیٰ موتمن الاشبالی بن امام زید شہید بن امام علی زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین علی جدہم علیہم الصلاۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔ ان کا خاندان واسط (عراق) سے ہندوستان آیا، اور ہندوستان میں ان کے جد اعلیٰ سید محمد (صاحب دعوت) صغریٰ تھے، جو سلطان التمش کے دربار سے واسطہ تھے اور قطب الاقطاب خواجہ مختیار کا کی چشتی کے مرید تھے۔

ولادت و تعلیم!

آزاد کی ولادت یکشنبہ ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ کو بلگرام میں ہوئی، اور وہیں انھوں نے اپنے بچپن اور غفوان شباب کی منزلیں طے کیں۔ آزاد نے علم و تدین کے ماحول میں آنکھیں کھولیں، اور روحانیت و مشیخت کی فضاؤں میں پروان چڑھے، ان کی دادھیال اور نانہال بلکہ پورے خاندان میں علم و فضل کے چشمے بہہ رہے تھے، اور انھیں سیراب ہونے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ انھوں نے تمام مروجہ تعلیم بلگرام میں اپنے خاندان کے بزرگوں ہی سے حاصل کی۔ آزاد نے اپنی کتابوں میں نہ صرف اپنے اساتذہ کا ذکر کیا ہے بلکہ کس سے کیا اکتساب کیا ہے اس کو بھی تحریر کیا ہے۔ ان تحریروں کے بموجب انھوں نے بیشتر درسی کتابیں سید طفیل محمد اتر ولوی متوفی ۱۱۵۱ھ سے پڑھیں، اپنے نانا سید عبدالجلیل بلگرامی سے حدیث، لغت اور سیرت وغیرہ فنون کا اکتساب کیا، اور اپنے ماموں سید محمد بلگرامی متوفی ۱۱۸۵ھ سے ادب عروض اور قافیہ کا علم حاصل کیا۔ حرمین شریفین میں شیخ حیات محمد سندھی مدنی متوفی ۱۱۶۳ھ سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کا درس لیا اور ان کی اجازت پائی۔ اور شیخ عبدالوہاب طنطاوی شافعی مصری متوفی ۱۱۵۷ھ نزیل مکہ مکرمہ سے بھی حدیث شریف میں اکتساب فیض کیا۔

بیعت و اجازت!

تصوف و روحانیت کے پروردہ آزاد سن شعور کے آغاز سے ہی ذکر و فکر اور تزکیہ و مجاہدہ کی طرف مائل تھے، چنانچہ اپنی خاندانی روایت کے مطابق ۱۱۳۷ھ میں میر سید لطف اللہ چشتی

بلگرامی رحمہ اللہ کے ہاتھوں پر سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بیعت ہو گئے، اور شیخ کی جانب سے سلسلہ کی اجازت و خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے۔

سفر و سیاحت!

آزاد کے بعض سوانح نگاروں کے مطابق انھوں نے بلگرام میں اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد مزید تعلیم کے لئے دہلی کا سفر کیا تھا، لیکن وہاں انھوں نے کیا پڑھا اور کس سے پڑھا اس ضمن میں کچھ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ تعلیم سے مکمل فراغت کے بعد اپنے ماموں سید محمد کے بلانے پر انھوں نے سندھ کا سفر کیا جہاں ان کے ماموں ایک سرکاری منصب (محصل و پرنسپل) پر فائز تھے، آزاد کے وہاں پہنچنے پر ان کے ماموں انھیں اپنا قائم مقام بنا کر بلگرام واپس آگئے جہاں وہ چار سال تک مقیم رہے۔ اس درمیان آزاد نے ان کی ذمہ داریوں کو بخیر خوبی نبھایا۔ سندھ سے واپسی کے دوران انھیں دہلی میں یہ اطلاع ملی کہ ان کا خاندان عارضی طور پر الہ آباد میں مقیم ہے، لہذا انھوں نے دہلی سے الہ آباد کا سفر کیا اور وہاں کچھ عرصہ قیام بھی کیا۔

سفر حج و زیارت!

بچپن میں آزاد کو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کا شرف ملا تھا، اور وہ اسی وقت سے بارگاہ نبوی میں حاضری اور کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے بے چین و مضطرب رہتے تھے۔ ان کے روح کی تڑپ اور شوق کی سوزش بڑھتی رہی یہاں تک کہ انھیں یارائے صبر و شکیب نہ رہا، اور ۱۱۵۰ھ میں وہ گھر سے دیار حبیب کی طرف نکل پڑے، نہ کچھ زاد سفر، نہ کسی کو اطلاع و خبر اور نہ کوئی رفیق و راہبر، لیکن اس دیوانگی میں بھی ہشیاری کا یہ مظاہرہ کیا کہ سفر کے معروف راستے کو چھوڑ کر صحراؤں اور بیابانوں کا راستہ اختیار کیا تا کہ کوئی ان کی راہ محبت میں رکاوٹ نہ بن سکے، اور کوئی ان کے سفر شوق میں حائل نہ ہونے پائے۔ اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی، جب ان کے گھر والوں کو ان کے اس سفر بے سروسامانی کا پتہ چلا تو ان کے بھائی میر سید غلام حسین نے حج کے معروف راستے پر تین منزل تک ان کی تلاش کی، لیکن جب ان کا کوئی سراغ نہیں ملا تو واپس آگئے۔

آزاد نے اپنے اس سفر اور اس کی حکایات کو عربی و فارسی اور نظم و نثر میں بے حد دل آویز اور رقت انگیز اسلوب میں بیان کیا ہے، اور ”ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے“ کے تحت بار بار اور مختلف انداز میں کیا ہے، حتیٰ کہ سب سے غیرہ میں ان کی خود نوشت سوانح حیات کا بیشتر حصہ سفر حرمین

شریفین کے ذکر ہی پر مشتمل ہے۔ فارسی میں ”طسم اعظم“ کے نام سے ان کی ایک مثنوی ہے جو خاص اس مبارک و مسعود سفر کے احوال پر مشتمل ہے، اور یہی عنوان اس سفر کا مادہ تاریخ بھی ہے۔ عربی کے بھی متعدد قصائد میں انھوں نے اپنے جذب و شوق کو نظم کیا ہے۔

ہاج البکاء إلی منازل رحمة مسقية بالديمة الهطلاء
ملاح من نحو الأبارق بارق إلا و أزکی النار فی أحشائی
وجلست فی کمد علی بعد المدی شتان بین الهند و الزوراء
لوکنٹ أخبر جیرتی و عشیرتی لتزاحموا بینی و بین رجائی
لولا إعانة جذبة نبویة أصبحت فی یدهم من الأسراء

جذبہ شوق و محبت کی یہ دلنشین تعبیر اور ایمان افروز تصویر کشی آزاد ہی کا حصہ ہے، فللہ درہ، علماء نے اس کی دو توجیہات بیان کی ہیں: ایک تو ہندوستانی ثقافت، اور دوسرے اس ملک کی دیار مقدسہ سے دوری، لیکن اس کا ایک اور بھی سبب ہے جس کی طرف ان کے کسی سوانح نگار کی نظر نہیں گئی اور وہ ہے ان کی چشتی نسبت کیونکہ اس کا محرک سلسلہ ہی عشق ہے۔

طویل صحرا نوردی اور دشت پیائی، اور بے شمار تکلیفوں اور مصیبتوں کے بعد وہ مالوہ پہنچے جہاں نواب آصف جاہ ایک مہم کے سلسلے میں اپنے لشکر و سپاہ کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اب آزاد اپنے گھر اور اہل خانہ سے اتنی دور پہنچ چکے تھے کہ ان کے لئے سفر کو پوشیدہ رکھنا کوئی مسئلہ نہیں تھا، علاوہ ازیں ان پر ”تزو دو“ کی حقیقت بھی پوری طرح آشکارہ ہو چکی تھی، چنانچہ انھوں نے اپنی غنی طبیعت کے باوجود محض سفر میں تعاون حاصل کرنے کے لئے نواب کی شان میں ایک رباعی کہی:

اے حامی دیں مہبط جود و احسان حق داد ترا خطاب آصف شاہاں
از تخت بہ درگاہ سلیمان آورد تو آل نبی را بہ در کعبہ رساں
مآثر الکرام میں خود فرماتے ہیں کہ:

”فقیر نے قدرت کلام اور موزونی طبع کے باوجود تمام عمر امراء و رؤساء کی مدح سرائی کے لئے کبھی زبان نہیں کھولی لیکن یہ رباعی محض اس سفر میں استعانت کے خیال سے نوک زبان پر آگئی“

نواب نے رخت سفر اور سواری کا انتظام کر دیا۔ محرم ۱۱۵۱ھ میں آزاد جدہ پہنچے جہاں ان کی ملاقات حضرت سید محمد فاخر زائر الہ آبادی متوفی ۱۱۶۲ھ سے ہوئی، دونوں ہم مشرب بھی تھے اور

غائبانہ متعارف بھی۔ آزاد عمرہ کرتے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچے اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کی منزل، اور بارگاہ رسول میں عرض گزار ہوئے:

قد جئتُ بابك خاشعاً متضرعاً مالى وراءك كاشف الضراء
أحسن إلى ضيفٍ ببابك واقفٍ شأنُ الكرام ضيافة الغرباء

اور وہاں ان کا قیام آٹھ ماہ کے قریب رہا، جس میں انھوں نے شیخ محمد حیات سندھی سے درس حدیث لیا، اور تمام اماکن مقدسہ کی زیارت کی، مدینہ میں اپنے اس طویل قیام سے بھی انھیں سیرابی نہیں حاصل ہوئی، اور حج کا موسم آیا تو بارگاہ رسول ﷺ میں اذن سفر طلب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

عليك سلامُ الله يا أشرفَ الورى لقد سألَ دمعى في فراقك فانيا
وما أنا كالذي جاء منهلاً فذاق و لكن عادَ ظمآنً باکیا

آزاد شوال میں مکہ مکرمہ حاضر ہوئے، اور حج کے بعد بھی وہاں کئی ماہ مقیم رہے، اس درمیان انھوں نے وہاں کے تاریخی مقامات کی زیارت اور وہاں کے علماء و مشائخ کی صحبت سے فیض حاصل کیا، بالخصوص شیخ طحطاوی کے علم و فضل اور ان کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ ایک بار جب آزاد نے شیخ کو اپنے تخلص (آزاد) اور اس کے معنی سے مطلع کیا تو شیخ نے برجستہ فرمایا کہ: ”یاسیدی أنت من عتقاء الله“ یعنی: جناب آپ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ میں سے ہیں۔ شیخ کی زبان سے نکلے اس جملے کو آزاد نے اپنے لئے بشارت خیر سمجھا، اور اپنے تخلص سے ان کا انس مزید بڑھ گیا۔

۳ جمادی اولیٰ کو آزاد جدہ سے روانہ ہوئے، راستے میں مخا کی بندرگاہ پر ان کا جہاز لنگر انداز ہوا، وہاں آزاد نے سلسلہ شاذلیہ کے مؤسس حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی متوفی ۶۵۶ھ کے مزار پر حاضری دی۔ ۲۹ جمادی اولیٰ ۱۱۵۲ھ کو ان کا جہاز سورت پہنچا، اور اس طرح ان کا سفر حج و زیارت اختتام کو پہنچا، انھوں نے اس کے خاتمے کی تاریخ ”سفر بخیر“ سے نکالی ہے۔

قیامِ دکن!

سورت سے آزاد اورنگ آباد پہنچے اور بابا شاہ مسافر متوفی ۱۱۲۶ھ کی خانقاہ میں اقامت گزریں ہوئے۔ ۱۱۵۹ھ میں ان کی ملاقات نظام آصف جاہ کے صاحبزادے نواب ناصر جنگ سے ہوئی، اور

دونوں میں گہرے مراسم پیدا ہو گئے۔ فقر و شہی کے درمیان یہ ربط و تعلق بڑا پائدار اور دیرپا رہا، جس میں ناصر جنگ کی علم دوستی اور نیاز کے ساتھ ساتھ آزاد کے استغناء و بے نیازی کا برابر کا حصہ تھا۔ آزاد نے ان کی رفقت و معیت میں دکن کے کئی شہروں کی سیاحت کی۔ ۱۱۶۵ھ سے ۱۱۶۸ھ تک آزاد نے حیدرآباد میں قیام کیا اور پھر اورنگ آباد واپس لوٹ آئے، اور باقی عمر وہیں گزار دی، ان کی بیشتر تصنیفات اسی عہد کی یادگار ہیں۔ اس عرصے میں تصنیف و تالیف کے علاوہ تدریس و افادہ اور خدمت خلق ان کی مشغولیت کا حصہ تھے۔

۱۱۹۵ھ میں وہ باقی ماندہ دنیوی علاقے سے بھی کنارہ کش ہو گئے، اور اپنے آخری سفر کی تیاری شروع کر دی۔ انھوں نے خلد آباد میں محبوب الہی کے خلیفہ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد کے قریب اپنی آخری آرام گاہ کے لئے ایک قطعہ زمین خریدا اور اس کا نام عاقبت خانہ رکھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک تقریب برپا کی جس میں علماء و مشائخ اور دوست و احباب کو مدعو کیا اور فردا فردا تمام حاضرین سے معافی مانگی، ان کے اس طرز عمل سے ساری محفل سو گوار ہو گئی، مگر وہ خود پوری طرح ہشاش و بشاش اور ”یار خندار و دب جانب یار“ کا مصداق بنے رہے۔ اس کے بعد آزاد پانچ سال مزید بقید حیات رہے اور ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ / ۱۵ ستمبر ۱۷۸۵ء کو اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ ان کے لوح مزار پر مرقوم ہے:

هو الحی القيوم

حسان الہند غلام علی آزاد حسینی واسطی بلگرامی

”آہ غلام علی آزاد“

وفات: ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ

اخلاق و عادات!

آزاد کو فقر و تصوف کی روایت گہر سے ملی تھی، وہ اس روایت کے امین بھی تھے اور علمبردار بھی۔ وہ صرف چشتی نسبت ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے عادات و اطوار اور اخلاق و کردار میں سرتاپا حقیقی چشتی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ صوفیائے کرام کی شان استغناء کے مجسم نمونہ تھے۔ دنیا اپنی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ ان کے چاروں طرف بکھری ہوئی تھی لیکن انھوں نے کبھی بھی اسے درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ اور ان کا یہ استغناء اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھا۔ انھیں حصول دنیا کے بے شمار مواقع حاصل تھے لیکن وہ ہمیشہ اس سے کنارہ کش

رہے۔ نواب ناصر جنگ سے اپنے گہرے مراسم و تعلقات کو بھی انھوں نے کبھی دنیا طلبی کے لئے استعمال نہیں کیا۔ اس سلسلے میں احباب و اقرباء کا شدید ترین اصرار بھی ان کے استقامت کو متزلزل نہیں کر سکا۔ سب سے زیادہ فرماتے ہیں کہ:

”بہتوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں کوئی شاہی منصب اختیار کروں، اور دنیا کے لبریز جاموں کو نوش کروں، لیکن میں نے اپنے دامن کو دنیوی گرد و غبار سے کبھی آلودہ ہونے نہیں دیا، اور کبھی جادہ استقامت کو چھوڑ کر اس دنیا پر فریب کے جال میں نہیں پھنسا۔ اپنے احباب سے میں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ اس دنیا کی مثال دریائے طالوت کی طرح ہے جس کا ایک چلو تو حلال ہے لیکن اس سے زیادہ حرام ہے۔“

آزاد ساری زندگی خدمت خلق میں مصروف رہے، اصحاب اختیار اور اہل ثروت سے اپنے روابط کو خلق خدا کی ننگساری اور چارہ جوئی میں استعمال کرتے رہے۔ ان کا یہ طرز عمل ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے عہد زریں کے بزرگوں کی یاد دلاتا ہے۔

تلامذہ!

بے شمار لوگوں نے آزاد کے علم و فضل سے استفادہ کیا۔ اہم شاگردوں میں میر عبد القادر مہربان اور نگ آبادی، کچھی نرائن شفیق صاحب گل رعنا، عبد الوہاب افتخار دولت آبادی مصنف تذکرہ بنظیر، اور ضیاء الدین پروانہ وغیرہ شامل ہیں۔

تصنیفات!

آزاد نے عربی و فارسی میں بہت سی نثری اور شعری کتابیں تصنیف کیں، اردو کے بعض اعمال بھی ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لیکن ان کی صحت مشکوک ہے، البتہ یہ ہرگز بعید از قیاس نہیں ہے کہ انھوں نے اردو ہندوی میں کچھ لکھا یا کہا ہو کیونکہ یہ ان کی خاندانی روایت اور طبیعت دونوں سے ہم آہنگ ہے۔

فارسی!

آزاد کی فارسی کی نثری تصنیفات میں: آثار الکرام (ڈیڑھ سو سے زائد علماء و مشائخ بلگرام کا تذکرہ، چند غیر بلگرامی حضرات کا بھی ذکر ہے)، خزائنہ عامرہ (تقریباً ۱۳۵ شعرائے فارسی کا تذکرہ)، سرو آزاد (تذکرہ شعرائے فارسی و ہندوی)، روضۃ الاولیاء (خلد آباد میں مدفون دس

اولیاء اللہ کا تذکرہ) وغیرہ (مطبوعات)، اور سند السعادات فی حسن خاتمة السادات (رضا لاہوری، رامپور، سیرت و مناقب ۱۱) غزلان الہند (سبحۃ المرجان کے آخری دو بابوں کا فارسی ترجمہ)، ید بیضاء (فارسی شعراء کی سوانح عمریاں)، شجرہ طیبہ (سادات و شیوخ بلگرام کا شجرہ)، انیس الحقیقین (آزاد کے شیخ اور دوسرے تین صوفیاء کی سیرت)، اور تذکرہ صوبہ داران اودھ، وغیرہ (مخطوطات) ہیں۔

فارسی شاعری میں دیوان آزاد، بیاض آزاد (ترتیب)، قصائد آزاد، مثنوی تہ امواج خیال، مثنوی سراپائے معشوق وغیرہ ہیں۔

عربی!

۱- سبحة المرجان في آثار هندوستان ، آزاد کی سب سے مشہور تصنیف ہے، اور آزاد کی زندگی میں ہی اسے شہرت مل گئی تھی۔ یہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے، فصل اول: تفسیر و حدیث میں وارد ہندوستان کے تذکرے سے عبارت ہے۔ آزاد نے اس موضوع پر پہلے ایک مستقل رسالہ لکھا تھا جسے بعد میں کچھ اضافات کے ساتھ اس کتاب میں ضم کر دیا۔ دوسری فصل: ہندوستان کے چند علماء کا تذکرہ ہے۔ تیسری فصل: محسنات کلام کے موضوع پر ہے۔ اور چوتھی فصل: عشاق و معشوقات اور ان کے انواع و اقسام پر مشتمل ہے، یہ اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا موضوع ہے۔ کتاب کی پہلی طباعت ممبئی سے ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں ہوئی، دوسری طباعت ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر فضل الرحمان سیوانی ندوی کی تحقیق کے ساتھ ہوئی۔

۲- ضوء الدراري شرح صحيح البخاري ، بخاری شریف کی کتاب الزکاة تک کی شرح ہے، جسے امام قسطلانی کی ارشاد الساری سے ملخص کیا ہے، اور بہت سے علمی نکات و فوائد کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ ندوہ لاہوری (مجموعہ نور الحسن، نمبر: ۳۶۴) میں موجود ہے۔

۳- تسلیة فواد في قصائد آزاد ، بعض قصائد و مرثیٰ کا مجموعہ ہے اور جن شخصیات کے لئے یہ کہے گئے ہیں ان کے سوانحی خاکے بھی کتاب میں شامل ہیں، اس کا قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی میں آزاد لاہوری کے شعبہ مخطوطات (جواہر میوزیم ۷۰۷ اوراق)، اور مکتبہ عارف بک مدینہ منورہ میں موجود ہے۔

۴۔ شفاء العلیل، اس کتاب میں مشہور عربی شاعر متنبی متوفی ۳۵۴ھ کی شاعری پر آزاد کی تنقیدات و اصلاحات ہیں۔ آزاد نے اس کتاب میں ناقد اور مصلح دونوں کا کردار ادا کیا ہے اور اس لحاظ سے متنبی پر اپنے نوعیت کی یہ واحد کتاب ہے۔ آزاد نے اس میں واحدی کی شرح پر اعتماد کیا ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب نے اس کا ایک معتد بہ حصہ اپنی عالمانہ تحقیقات کے ساتھ مرکزی حکومت کے عربی رسالے 'ثقافتہ الہند' میں شائع کیا ہے۔ قلمی نسخہ آصفیہ، حیدرآباد (رقم: ۱۱۱۳) میں موجود ہے۔

۵۔ کشکول، آصفیہ، حیدرآباد (رقم: ۲۴۲)۔

اسماعیل پاشا بغدادی، کمالہ، اور ڈاکٹر جمیل احمد نے ان کی کچھ اور نثری تصنیفات کے نام دئے ہیں، جیسے الأمثلة المترشحة من القریحة، نصاب القصيدة في التغزل، اور تعليق على مرآة الجمال لنفسه۔ لیکن اول الذکر غالباً کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ سب سے موجود ان کی خودنوشت سوانح کی ایک عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی تصنیف کا نام ہے۔ عربی شاعری!

عربی شاعری آزاد کا اصلی میدان ہے، عربی میں ان کے ایک دو نہیں بلکہ دس دو اوین ہیں، جن میں سے صرف چار مطبوعہ ہیں، پہلا اور تیسرا مطبع کنز العلوم، حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، اور دوسرا حیدرآباد ہی کے ایک مطبع لوح محفوظ سے شائع ہوا ہے، ان میں سے کسی پر تاریخ طباعت مذکور نہیں ہے۔ چوتھا دیوان فارسی کے طرز پر مردف اور پانچواں مستزاد ہے، چھٹا دیوان ۹۳-۱۱۹۲ھ میں کہے جانے والے قصائد پر مشتمل ہے جبکہ ساتویں میں ۹۴-۱۱۹۳ھ کے قصائد ہیں۔ ان ساتویں دو اوین کو خود آزاد نے ایک جلد میں جمع کر کے اسے 'السبعة السیارة' کا نام دیا تھا جو قلمی نسخے کی شکل میں ندوہ کی لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں (زیر رقم: ۱۴۴۴) موجود ہے۔ آٹھواں دیوان کا قلمی نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ کے سبحان اللہ کلکشن میں موجود ہے، نواں دیوان مطبوعہ ہے اور شاعر کے تجویز کردہ 'تحفة الثقلین' کے نام سے ۱۲۹۴ھ میں مطبع نور الانوار آ رہ سے شائع ہوا ہے۔ دسواں دیوان بھی علی گڑھ میں ہے۔ بعض مصادر کے مطابق انھوں نے اپنے نعتیہ قصائد کو 'ارج الصبانی مدح المصطفیٰ' کے نام سے ایک جلد میں جمع بھی کیا تھا۔ ڈاکٹر عبد العظیم نظامی حیدرآبادی نے راقم کے اشراف میں اس کتاب کی تحقیق و تدوین کا کام ۲۰۱۶ء میں مکمل کیا ہے، اور ان کا مقالہ پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے جمع کیا جا چکا ہے۔

ان دو اویں کے علاوہ 'مرآة الجمال' کے نام سے ۱۱۰۵ اشعار کا ایک نونیہ قصیدہ ہے جس میں سر سے پیر تک محبوب کا وصف بیان کیا ہے اور ہر عضو کا چار مصرعوں میں ذکر کیا ہے، یہ قصیدہ شاعر کی ندرت بیانی کا ایک شاہکار ہے، جس میں کوئی شاعر ان کا شریک نہیں۔ مثلاً محبوب کے ابرو، آنکھیں اور اس کی گندھی زلفوں کے بارے میں علی الترتیب فرماتے ہیں کہ:

أبصر حواجبها وأدرك كنهها غصنان منحنیان وسط البان
أو كافران يشاوران ليقوعا آمالنا فی موقع الحرمان
طرفا الحبیبة ما کران تعارضا و تغافلا عن رؤية الجیران
أو نرجسان علی غصین واحد و هما بماء مسکر نضران
آصفیرتان علی بیاض خدودها أو فی کتاب الحسن سلسلتان
أو لیلة العیدین أقبلتا معا أو من قصائدھم معلقتان
آزاد کو خود بھی اپنی اس اختراع کے انوکھے پن کا خوب ادراک و احساس تھا، فرماتے ہیں:

ما إن سمعنا مثلها عن شاعر آزاد للطرز المنشط بان
اس قصیدے کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری بائیں پور (پٹنہ) میں ہے (نمبر: ۲۶۴۱)۔

ان کی ایک طویل عربی نظم مظہر البرکات کے نام سے بھی ہے جو ۱۳۵۰۰ اشعار پر مشتمل ہے، یہ نظم مثنوی کے وزن پر ہے، اور نازک خیالی، شیریں مقالی اور سادہ بیانی کا ایک خوبصورت نمونہ ہے، اس مثنوی میں سات دفتر ہیں ہر ایک کا آغاز حمد سے ہوتا ہے، اور اس کا موضوع صوفیانہ حکایتیں اور اخلاقی کہانیاں ہیں۔ یہ مثنوی مطبعہ عزیز، حیدرآباد سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر شلقامی کے مطابق ان کے تمام عربی اشعار کی تعداد تقریباً ۷۰۰۰ ہے۔

حسان الہند!

فارسی شاعر خاقانی متوفی ۵۹۵ھ/۱۱۹۸ء کو اہل ایران نے اس کی نعتیہ شاعری کے سبب حسان العجم کا لقب دیا ہے، اور آزاد کو اہل ہند نے حسان الہند سے ملقب کیا، اور بلاشبہ خاقانی کے مقابلے میں وہ اس لقب کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ خاقانی کے برخلاف انھوں نے حضرت حسان کی زبان بھی استعمال کی ہے۔

آزاد ایک عبقری فنکار اور فطری شاعر تھے۔ نازک خیالی، احساس جمال کی قوت، عشق کا جوش و خروش، بلیغ استعارات اور خوبصورت تشبیہات کے استعمال پر قدرت، ادبی شعری اور بلاغی

علوم و فنون میں مہارت ان کے وہ اوصاف ہیں جس میں ہندوستان کا کوئی عربی شاعر اور یہاں کی کسی زبان کا کوئی بھی نعت گو شاعر ان کا شریک و سہیم نہیں ہے۔

وہ پہلے شاعر ہیں جس نے اپنی شاعری میں ہندوستان کی عظمتوں کے نغمے گائے ہیں، انھوں نے عربی شاعری میں ہیئت، صنف، اور وزن کے نئے نئے تجربے کئے، اور متعدد جمعی موضوعات و صنائع کو عربی زبان کا لباس دیا۔ اس تجدیدی و اختراعی رجحان کے باوجود انھوں نے اپنے موضوعات، اسلوب بیان، وصف اور تشبیہ سبھی میں عام طور پر قدامت ہی کی تقلید کی ہے اور ان کے شعری مناجح ہی کی اتباع کی ہے۔ عرب شعراء کی طرح وہ بھی منزل محبوب اور اس کے آثار و کھنڈرات (اطلال) کے ذکر کے ساتھ اپنے قصائد کا آغاز کرتے نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان شعراء سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اس موضوع کو مستقل صنف بنا دیتے ہیں، چنانچہ 'القصيدة الطلییة' کے نام سے ان کا ایک قصیدہ ہے جو ابتداء تا انتہاء منزل محبوب کے آثار کے ذکر پر مشتمل ہے۔

آزاد نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی لیکن نعت اور غزل ان کا بنیادی میدان ہے، بلکہ حقیقت تو یہ کہ ان کی غزلیں بھی ان کی نعتیہ شاعری ہی کا تسلسل ہیں، جنہیں رمزی نعتیہ شاعری کا نام دیا جاسکتا ہے، اور اس طرح ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی شاعری صرف نعتیہ شاعری سے عبارت ہے۔ اور یہ ان کا ایسا وصف ہے جس کی رو سے بھی وہ خاقانی کے مقابلے میں ”لقب حسان“ کے زیادہ مستحق قرار دئے جاسکتے ہیں۔ مداحی رسول کی غیرت نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ وہ اہل دول کی مدح سرائی کریں۔ ان کے مطابق نعت گوئی ہی شاعر کا اصلی وظیفہ ہے اور مدح رسول کے بعد کسی کی مدح ایسا عیب ہے جو میری شاعری کو بھی عیب دار بنا دیتا ہے:

حَصِّلْتُ بِالْمَدْحِ الْكَرِيمِ سَعَادَةً هَذَا أَخْصُ عِبَادَةَ الشُّعْرَاءِ

توصیف غیرک بعد مدحک مشبہ بیتا تضمن وصمة الإقواء

ناصر جنگ کی مدح میں کہے گئے ان کے چار مصرعے ان کے ہزاروں ہزار عربی اشعار میں ناقابل شمار ہیں، اور وہ بھی مدح کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف اور صرف اظہارِ تفضن کے طور پر ہو گئے تھے، ہوا یوں تھا کہ ایک دن آزاد نواب ناصر جنگ کے ساتھ سفر میں تھے، اور مختلف النوع علمی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، اثنائے کلام احد پہاڑ کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان مبارک ”هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنَحْبُهُ“ (یہ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں) کی بات آگئی تو آزاد نے برجستہ یہ دو شعر کہے۔

هو ناصر الإسلام سلطان الوری أبقاه في العيش المخلد ربہ
 حاز المناقب و المآثر کلها جبل الوقار - یحبنا و نحبہ
 سبھ میں فرماتے ہیں کہ: ”و ما نظمْتُ في مدح غني إلا هذين البيتين“
 آزاد نے اپنی نعتیہ شاعری میں حضرت کعب بن زہیر صاحب قصیدہ بردہ رضی اللہ عنہ کے
 طریقے کو اختیار کرنے کا دعویٰ کیا ہے، بلکہ انھیں اپنا معنوی استاذ قرار دیا ہے:

نَسَجْتُ كَابِن زهیر برد مدحتہ لقد غدا قلم الأستاذ منوالی
 آزاد کو اپنی شاعرانہ عظمت اور ہندوستان میں اپنی انفرادیت کا پورا ادراک و شعور تھا، مثنوی
 مظہر البرکات کے دفتر اول میں فرماتے ہیں کہ:

بارك الله فيك يا آزاد قد أرحت السماع بالإنشاد
 قد تجلى سناك بالهند أين شمع سواك بالهند
 أنت سيف مهند و الله للمعاني مجدد و الله
 بلکہ کبھی کبھی تو وہ خود کو عظمائے مداحین رسول ﷺ کی صف میں شمار کرتے ہیں، بے حد
 شاعرانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ:

أثنى عليك فحول فاق ألسنهم
 كلامهم في مقام المدح ياصول
 لا ضير إن كنت في الإخوان منتقصا
 يرمى الوغى أحسن الأرماح مهزول
 و رب ذي كبر يعلوه ذي صغر
 لا يبلغ الخال في الإعجاب ثللول

اور آزاد کا یہ دعویٰ محض شاعرانہ تعلیٰ نہیں ہے بلکہ بسا اوقات اور بعض جہتوں سے وہ
 اکابرین پر فوقیت لے جاتے ہیں، مثلاً روضہ شریفہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکر دنیا کی تمام
 زبانوں میں کی جانے والی نعتیہ شاعری کا مشترکہ وصف ہے، بالخصوص عربی، فارسی اور اردو کا شاید
 ہی ایسا کوئی نعت گو شاعر ہو جس نے سبز گنبد اور سنہری جالیوں کو اپنا موضوع نہ بنایا ہو۔ اور آزاد
 روضہ انور کے وصف میں اگلوں سے بھی آگے نظر آتے ہیں:

روحي الفداء لروضه قدسية مملوءة بلطافة و صفاء

بلغ المغارب و المشارق ضوئها ترنو إليها الشمس كالهرباء
ما أحسن القبر الذي في حجره خير البرية سيد البطحاء
طوبى لطيبة حيث ضم ضريحها جسما تنسم فوق سبع سماء
ولها شبابيك بأحسن صنعة صادت قلوبا من أهيل ولاء
مدینہ طیبہ کا یہ محبت آمیز اور یقین افروز وصف بھی ملاحظہ فرمائیے:

سوح المدينة ما أجل ترابها تجد البصائر فيه فعل الأثمد
و غبارها المحسوس فوق هوائها كحل اليقين لمقلة المتردد
نصب لمن ضل الطريق بسوحها علم الهدى من إصبع المتشهد
أشجارها قامت على ساق الهدى و طلالها مأوى الرجال السجد
أملك أطباق السماء طيورها و صفيرها ذكر الإله السرمد
بارگاہ رسول ﷺ کی عظمت کی یوں تصویر کشی کرتے ہیں:

سكن الملائك في حوائط بيته مثل الحمام في كوى الجدران
وقفوا كما تقف الشموع بسوحه ودموعهم في غاية الهملان
جلسوا على بسط الوقار تأدبا نسي الجناح طريقة الطيران
ان اشعار میں شاعر نے ملائکہ کی تین خیالی تصویریں بنائی ہیں: پہلی کبوتروں کی تصویر ہے جو نہایت سکون کی حالت میں دیوار کے روشن دانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، دوسری شمعوں کی تصویر ہے، جن سے حرارت کے سبب شفاف سائل موتیوں کی شکل میں لگا تار گر رہا ہے۔ اور تیسری تصویر میں فرشتوں کی جماعت ہے جو حالت خشوع و خضوع میں ایسی خموشی اور خود فراموشی کے ساتھ بیٹھی ہے، گویا ان کے پر طریقہ پرواز بھول گئے ہوں۔
ڈاکٹر شلقامی عربی رسالے 'الأزہر' میں لکھتے ہیں کہ:

”اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے بھی بوسیری وغیرہ کے روضہ انور کے وصف کو پڑھ رکھا ہے وہ پائیگا کہ آزاد کا ”روضہ“ زیادہ متحرک، زندگی سے زیادہ بھرپور، زیادہ معنویت کا حامل اور اپنے روحانی پس منظر کے اعتبار سے زیادہ غنی ہے۔“

آزاد نے اپنے نعتیہ قصائد میں سیرت نبوی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا ہے رسول کریم ﷺ کی ولادت سے وصال تک کے احوال و احداث کو نظم کیا ہے۔ نعت کے فنی تقاضوں کی رعایت

میں معجزات کے ذکر و بیان کا خاص اہتمام کیا ہے، اور انھیں مختلف پیرایوں میں نظم کیا ہے۔ اور اس ضمن میں ان کا شاعرانہ تخیل اور فکری پرواز اس بلندی تک پہنچ جاتی ہے جہاں کسی ناظم یا ناثر کے طائر فکر و سخن کا گز نہیں۔ معجزہ شق القمر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں ایک کے بجائے دو خرق عادت کا مظاہرہ ہوا ہے، کیونکہ جس طرح چاند کا دو ٹکڑے ہونا معجزہ ہے اسی طرح اس کا دوبارہ مل جانا بھی معجزہ ہے:

أشار فانشق صدر البدر مؤتمرا و الالتيام لعمرى خارق شان

غزوہ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنکھوں کی شفا یابی کا یوں ذکر کرتے ہیں:

طابت شقائق صارت نرجسا نضرا لما شفيت مريض الطرف من رمد

اسی موضوع کو امام بوصیری رحمہ اللہ نے اس طرح نظم کیا ہے:

و عيون مررت بها وهي رمد فأرتها ما لا ترى الزرقاء

آزاد نے بیمار آنکھوں کو سوزش و ورم کے پیش نظر 'شقائق نعمان' پھول (Windflower) قرار دیا ہے، جب کہ بوصیری نے مرض کا صریح ذکر کیا ہے جو بلاشبہ آزاد کے وصف سے فروتر ہے۔ پھر صحت یاب آنکھوں کے بیان میں دونوں نے الگ الگ پہلو کو اختیار کیا ہے آزاد نے اگر جمالیاتی پہلو کو چنا ہے اور اسے نرگس سے تشبیہ دی ہے تو بوصیری نے قوتِ بصارت کو ترجیح دی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، آزاد کی غزلوں کو بھی ان کی نعتیہ شاعری میں شمار کیا جانا چاہئے۔ ایسی بے شمار داخلی و خارجی شہادتیں موجود ہیں جن کی بنیاد پر ان کی غزلیہ شاعری کو کسی بھی صورت غزل واقعی نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، ان کی غزلیں اپنے قالب میں نعت کی روح کو سموئے ہوئے ہیں، اور حقیقت کو مجاز کے پیرائے میں بیان کرنا صوفیائے کرام بالخصوص چشتی بزرگوں کا متوارث طریقہ رہا ہے۔ ان کی غزلوں میں جس طرح کثرت سے صوفیانہ رموز و اشارات ملتے ہیں وہ بھی ان کے غزل واقعی ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ اور اگر ان کی غزلوں کے خاتمہ کا مطالعہ کیا جائے تو وہی اس بات کے ثبوت کو کافی ہیں مثلاً اپنی ایک غزل کے اختتام میں کہتے ہیں کہ:

إذا أخذ الله الخلائق في غد فمن لي سوى العشق المقدس شافع

وہ اپنی غزلوں میں محبوب کی جو تصویر کشی کرتے ہیں اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ان کا محبوب اس عالم خاک و باد کا نہیں بلکہ کسی اور عالم کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: ”میرا مقام تو محبوب کی

پاپوش کی جگہ ہے اور اس کی بساط تو وہ صرف بڑوں کے لئے مخصوص ہے۔“

ما موضعی إلا محل نعالها أما البساط فموضع العظماء
اور ان سب سے بڑھ کر خود آزاد کی اپنی تصریحات ہیں جن میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں
ہے، اپنے ایک غزلیہ قصیدے میں کہتے ہیں کہ: ”(یا رسول اللہ) میں نے اخلاص کے ساتھ آپ کی
مدح سرائی کی ہے، اور صرف آپ کی رضا کا طالب ہوں، اگرچہ بظاہر حسن تغزل میں مشغول ہوں۔“

مدحتك إخلاصاً و وجهك مقصدی

و إن كنت مشغولاً بحسن التغزل

آزاد دوسروں کو بھی مجاز کے سہارے حقیقت تک پہنچنے کی تلقین کرتے ہیں:

عش یا أخاناً بالحقیقة شاغلاً إن لم يكن فاشغل بحسن مجاز

لا تنتهج إلا طریق صباة إن كنت تطلب أقوم المعجاز

تو اردیا سر قہ!

آزاد کی عربی شاعری کا نہ کوئی قدردان تھانہ نگہبان، چنانچہ وہ لفظی اور معنوی ہر دوسرقات کا
شکار ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں کی کتاب اتحاف النبلاء میں ایسے بہت سے اشعار صاحب
کتاب کی طرف منسوب ملتے ہیں جو آزاد کے اشعار سے اس قدر مشابہ ہیں کہ انھیں جھگٹ بھی
تو ارد خاطر نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً مندرجہ ذیل مطلع و شعر:

یا غادة فتنتنی أين مرعاک و حیثما أنت عین الله ترعاک

إنی عشقت و ما عشقی بمبتدع الإنس و الجن و الأملاك تهواک

جبکہ آزاد کا قول یوں ہے:

یا ظبية فتنتنی أين مرعاک و حیث أصبحت عین الله ترعاک

إنی هممت و ما أمری بمبتدع الآس و البان و الغزلان تهواک

اور اسی طرح پورے قصیدے کا حال ہے، جو ظاہر ہے کہ تو ارد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس طرح کا
عمل ہمیشہ کے لئے چھپایا نہیں جاسکتا، بقول آزاد کہ اندھیرے میں چراغ چرانے والا خود کو بھلا
کیسے پوشیدہ رکھ سکتا ہے:

حاز الجواهر من کنزی و یکتما

هل یختفی سارق المصباح فی الظلم

تنقید آزاد!

کسی بھی شاعر کی طرح آزاد کی شاعری بھی تنقید سے بالاتر نہیں ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کا کلام ہر عیب سے پاک اور ان کا ہر شعر معیاری ہو۔ اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ وہ ایک پرگو اور کثیر الکلام شاعر ہیں اور ان کی شاعری عربی کے اصحاب منتخبات و حولیات کی شاعری بھی نہیں ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ہندوستانی ناقدین (إن سلمنا وجودہم جدلاً) نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، اور ان کی ایسی تصویر پیش کی ہے گویا ان کے یہاں کچھ بھی قابل اعتناء نہیں ہے اور ان کا کوئی شعر عیب بلکہ عیوب سے خالی نہیں ہے۔ آزاد پر اس غیر متوازن تنقید کا آغاز میری معلومات کے مطابق علامہ شبلی نعمانی صاحب سے ہوا، اور بعد میں آنے والے بغیر کسی غور و فکر کے شبلی کے اقوال ہی کو دہراتے رہے ہیں۔ لطف تو یہ ہے کہ شبلی کی تنقید کی بازگشت ان حضرات کی تحریروں میں بھی سنائی پڑتی ہے جو شاید آزاد کے اشعار کو اچھی طرح سمجھ بھی نہ سکتے ہوں۔ شبلی وغیرہ کی آزاد پر تنقید کا خلاصہ یہ ہے: کہ ان کی شاعری پر عجمیت غالب ہے، وہ عربی اسالیب بیان کا التزام نہیں کرتے ہیں، اور ان کی شاعری صنائع و بدائع کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور بقول شبلی آزاد اپنی شاعری کی ان صفات پر بڑے نازاں تھے ”لیکن نکتہ سنج جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے“ اور ان کا کلام ”اگرچہ کثرت سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے چہرہ کمال کا داغ ہے“ اور ان کی شاعری میں عجمی اثرات اس قدر ہیں کہ ”اس کو عربی کہنا مشکل ہے۔“

بلاشبہ شبلی بہت بڑے ادیب و ناقد تھے، اور عربی زبان و ادب میں بڑی مہارت رکھتے تھے لیکن بایں ہمہ ان کی آراء و افکار سے اختلاف کیا جاسکتا ہے بلکہ وہ خود اس خوش رسی کی بناء ڈالنے والوں میں سے ایک ہیں۔ آزاد پر ان کی اور دوسروں کی یہ تنقید دو جہتوں سے قابل تنقید ہے: پہلی یہ کہ ان کے ناقدین کی تعمیم مبالغہ آمیز ہے اور ان کا اطلاق مطلقاً خلاف واقعہ ہے۔

آزاد ایک عجمی شاعر تھے اور ان کی شاعری میں عجمیت کا اثر بالکل فطری بات ہے، لیکن ان کے ایسے اشعار کی تعداد بہت مختصر ہے جن میں انھوں نے کبھی بطور تفنن، کبھی عصری تقاضوں کے زیر اثر، اور کبھی عربی شاعری میں اضافے کی غرض سے عجمی اثرات کو قصداً عربی شاعری میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ اُشی اور ابو نواس وغیرہ نے کیا ہے، ورنہ ان کے کلام کا غالب حصہ لفظاً و معناً اور قلباً و قالباً عرب شعراء کے طرز پر ہے۔ انھوں نے عربی تراکیب،

تشبیہات اور استعارات کو استعمال کیا ہے، عربی کے اسالیب کو برتا ہے، عربی کی بحروں، ہیئتوں، وزنوں اور صنفوں میں شاعری کی ہے، موضوعات میں بھی عموماً قدامت ہی کی تقلید کی ہے۔ اس کے بعد ان کی تمام شاعری کو عجمیت کے زیر اثر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ آج کے عرب ادباء و ناقدین کو بھی اس بات کا اعتراف ہے ان کا بیشتر کلام ’عربی السلیقہ‘ ہے۔

آزاد پر دوسرا الزام خالص عربی اسالیب بیان کا التزام نہ کرنے کا ہے، اس سلسلے میں صرف یہی کہنا چاہوونگا کہ یہ وہ الزام ہے جس میں متنبی اور ابوالعلا معری بھی آزاد کے شریک ہیں، بقول ابن خلدون:

”إن نظم المتنبي و المعري ليس هو من الشعر في شيء لأنهما لم يجريا على أساليب العرب من الأم“۔

ظاہر ہے کہ جس عیب سے متنبی اور معری جیسے بڑے شعراء خود کو نہیں بچا سکے اس کی بنیاد پر آزاد جیسے متاخرین اور محجی شعراء کو ہدف تنقید بنانا کیونکر معروضی تنقید ہو سکتی ہے۔ تیسرا الزام ان کی شاعری میں لفظی اور معنوی صنعتوں کی کثرت کا ہے، گزشتہ دونوں الزامات کی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے لیکن اسی درجے کی حقیقت یہ بھی ہے کہ ان کی جملہ شاعری کو اسیر صنعت گری قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اطلاق و تعیم کے علاوہ اس تنقید کا دوسرا قابل گرفت پہلو یہ کہ اس میں شاعر کے عہد اور ماحول کی قطعی رعایت نہیں کی گئی ہے۔ آزاد کا عہد فکری تفسن کا عہد تھا، اور ان پر کی جانے والی تنقید میں عہد اور اس کے رجحانات کی رعایت ہونی چاہئے۔ لیکن شبلی کی مشکل یہ تھی کہ ان کے سامنے عربی شاعری کا جو نمونہ تھا وہ صرف اصحاب معلقات اور صدر اسلامی کی شاعری تھی اور انھوں نے اسی معیار پر آزاد کو پرکھنے کی کوشش کی، اگر وہ آزاد کا مقارنہ ان کے معاصر مملوک و عثمانی شعراء سے کرتے تو کبھی اس نتیجے پر نہیں پہنچتے۔ پھر ان کی طبیعت میں ”عظمت پسندی“ کا عنصر جس طرح غالب تھا کہ اگر وہ آزاد کے ہم عصر شعراء سے واقف بھی ہوتے تو بھی وہ عصور اولی کے معیار سے کم پر راضی ہونے والے نہیں تھے۔

متاخرین نے بھی آزاد کی شاعری کے مثبت و معروضی مطالعے کے بجائے صرف شبلی کی تنقیدات پر ہی بھروسہ کیا۔ اور اگر شبلی نے انھیں اصحاب معلقات کے معیار پر تولنے کی کوشش کی تھی تو ان حضرات نے جدید شعراء جیسے بارودی، شوقی اور حافظ وغیرہ سے ان کا مقابلہ و موازنہ

کیا۔ اور یہ معیار بھی اتنا ہی غیر مناسب تھا جتنا شبلی کا معیار۔ کسی شاعر اور اس کے فن کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ تو اس کے معاصرین ہی سے اس کا موازنہ کر کے لگایا جاسکتا ہے۔ اور اگر ہم عصر مملوکی و عثمانی کے شعراء سے آزاد کا موازنہ کریں تو پائینگیے کہ ان کی حالت بہتوں سے اچھی ہے، اور اگرچہ لفظی صناعتی اور تکلف و آورد کا ان کی شاعری پر کہیں کہیں گہرا اثر ہے لیکن بایں ہمہ وہ عموماً قوی معنویت اور گہرائی و گیرائی کی حامل ہے۔

آزاد کے ساتھ اس نا انصافی کا ایک سبب ان کا ایک ایسے عہد میں ہونا ہے جسے ”دانشورانِ مغرب“ نے اتفاق رائے سے عہدِ زوال و انحطاط قرار دے دیا ہے، حتیٰ کہ عربی ادب کی کتابوں میں بھی عہدِ جاہلی، اسلامی، اموی، عباسی اور عہدِ زوال کے نام ہی ادبی عصور کی تقسیم ملتی ہے۔ حالانکہ قاعدے کی رو سے پہلے چار عہدوں کی مانند آخری عہد کو عہدِ زوال کے بجائے عہدِ ترکی یا عہدِ مملوکی و عثمانی ہونا چاہئے، اور یہی بات زیادہ ترین انصاف ہے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہم اپنے حزم و احتیاط اور استثنائے اق شناسی کے دعووں کے باوجود استثنائے اق و مغربی پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا ہی کچھ یہاں بھی ہوا ہے۔ اور جب آزاد کا پورا عہد ہی عہدِ زوال ٹھہرا تو اس میں کسی صاحبِ کمال کی توقع اور کسی موازنے کی حاجت ہی نہ رہی، اور بے چوں و چرا شبلی کی رائے کو حرفِ آخر مان لیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ عربی ادب کے اس دور میں اپنے ماضی کے مقابلے میں کسی قدر کمزوری در آئی تھی لیکن یہ ضعف و کمزوری اس کو دورِ زوال سے موسوم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے ورنہ دورِ جاہلی یا زیادہ سے زیادہ جاہلی اور اسلامی دور کے علاوہ عربی ادب کے تمام ادوار کو اسی نام سے موسوم کیا جانا چاہئے۔

آخر اس تسمیہ کی وجہ کیا ہے؟ ڈاکٹر بکری شیخ امین اپنی کتاب ”مطالعات فی الشعر المملوکی و العثماني“ میں اس کی بنیادی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

”و لسننا ندری لذلك سببا، اللهم إلا أن يكون هذا العصر هو الذي قاوم جحافل الغرب التي استحكمت حيناً من الدهر في هذه البلاد، و دفع الوثنيه التي جاءت على سيوف التتار و رماحهم، و ملأ المكتبة العربية التي خوت بمصيبة بغداد و سواها بالتراث العربي و الإسلامي المشرقين، و أعاد إلى النفس العربية عزتها و ثقنتها“۔

(ہم اس (تسمیہ) کی کوئی وجہ نہیں جانتے ہیں، سوائے اس کے کہ یہی وہ دور ہے جس نے مغرب کے ان عظیم لشکروں کا مقابلہ کیا جو ایک عرصے تک سرزمین عرب میں مضبوطی سے جھے ہوئے تھے، اور (عرب سے) اُس وثنیت اور بت پرستی کو دور کیا جو تار یوں کے شمشیر و نیزوں کے سہارے داخل ہوئی تھی، اور یہی وہ دور ہے جس نے عربی کتب خانوں کو، جو کہ بغداد وغیرہ کے سانحوں میں خالی ہو گئے تھے، عربی و اسلامی کتابوں سے بھر دیا، اور عربوں کی ضمیر کے عزت و اعتماد کو بحال کیا)

اس نام کی شہرت و قبولیت میں عربی ادب کے دور جدید میں الحاد و دہریت کی کثرت اور ترکی دور سے سیاسی و فکری اختلافات کا بھی نمایاں کردار رہا ہے۔

یہ دور ابن خلدون، ابن عربی، ابن فارض، سیوطی، سرخسی، ابن منظور، قلعشندی اور نویری وغیرہ کا دور ہے، اور جس دور میں ایسے افاضل ہوں اسے دور زوال کہنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ شیخ ابن تیمیہ، ابن جوزی اور ابن قیم بھی اسی دور کے ہیں۔

مغرب کا دوہرا معیار کوئی نئی چیز نہیں ہے پورے دور ترکی کو دور زوال کہنے والوں کے نزدیک عظمت و عبقریت کا معیار کیا ہے اس کے لئے ڈاکٹر بکری کی مذکورہ کتاب سے صرف مندرجہ ذیل مثال کافی ہے:

مشہور اسپینی نژاد فرانسیسی مصور و نقاش پابلو پیکاسو (۱۸۸۱-۱۹۷۳ء) نے ازراہ مزاح ایک دن خچر کی دم کورنگ میں ڈبو کر اسے کینوس کے سامنے کر دیا خچر کی دم ہلنے سے کینوس پر آڑی ترچھی لکیریں ابھرنے لگیں، رنگ بدلتے رہے، دم ہلتی رہی اور لکیریں بنتی رہیں تھوڑی دیر میں مختلف رنگوں اور لکیروں سے کینوس کی سطح بھر گئی۔ اب ”فنکاری“ کے اس نمونے کے لئے ایک عنوان کی ضرورت تھی، پیکاسو نے کئی نام سوچے جیسے: شکست خوردہ سپاہی، فکر کی مکڑی، اشک مجبوبہ اور تلی کا نغمہ وغیرہ لیکن وہ خود ان ناموں سے راضی نہیں ہوا اور اس کے لئے ایک بے معنی عنوان ”بچپوں کی کائی“ تجویز کیا۔

اگلے دن یہ تصویر نمائش کے لئے پیش کی گئی اور ناقدین فن اس کے مطالعے، تحلیل و تجزیہ اور اس سے معانی کے استخراج و استنباط میں لگ گئے، کسی نے اسے بیسویں صدی کا معجزہ قرار دیا تو کسی نے اسے عصر حاضر کا بے مثال نمونہ بتایا، بعض کو اس کی تعریف و توصیف کے لئے مناسب الفاظ نہیں ملے تو اس نے حیرت و سکوت کے ذریعے اس ’نادرہ‘ روزگار کو خراج تحسین پیش

کیا۔ اخبار و رسائل نے ناقدین کے ان تبصروں کو شہ سرخیوں میں شائع کیا اور دنیا کی ایک زبان سے دوسری زبان میں یہ تبصرے منتقل ہوئے، یہاں تک کہ کوئی بھی ’محب فن‘ ایسا نہیں بچا جس نے ”بچیوں کی کائی“ کے بارے میں کچھ پڑھایا سنا نہ ہو، اور ایک عاشق فن نے اس تصویر کو ساڑھے تین لاکھ اسٹرلنگ پاؤنڈ میں خرید لیا۔

یہ مغربی ”عبقریت“ کا معیار ہے، دوسری طرف پورا عہد مملوکی و عثمانی عہد زوال ہے۔ یہ عہد، جیسا کہ عرض کیا گیا، ادبی تفنن اور لفظی صنایع کا دور تھا، اور اس وقت عرب و عجم یا مشرق و مغرب کوئی بھی ان سے مستثنا نہیں تھا، مثلاً ایک مملوکی شاعر کہتا ہے:

لقلبی حبیب، ملیح، طریف بدیع، جمیل، رشیق، لطیف
اس شعر کے مفردات کے باہمی تبادل سے چالیس ہزار تین سو بیس شعر بنتے ہیں، عثمانی دور کے ایک شاعر نے کسی شادی کا مادہ تاریخ اس طرح نکالا ہے کہ آخری شعر کے تمام حروف مہمل اور تمام حروف معجم سے الگ الگ وہی تاریخ نکلتی ہے، علاوہ ازیں اسی شعر میں اس تاریخ کا صراحۃً بھی ذکر موجود ہے۔

أَيُّهَا الْكَامِلُ يَا مَنْ أَخْبَرْتَ عَنْ عِلَالَةِ فَنَاءٍ بَعْدَ فَنَاءٍ
خُذْ تَوَارِيخًا ثَلَاثًا جُمِعَتْ لَكَ فِي مَفْرَدٍ بَيْتٍ مُنْبِئَةٍ
بَصْرِيحٍ، وَ حُرُوفٍ أَعْجَمَتْ وَ حُرُوفٍ أَهْمَلَتْ مُخْتَبِئَةٍ
عَمَّ حَوْلَ وَسُرُورِ الْعَرَسِ وَهُوَ وَ، ثَلَاثُونَ وَ أَلْفٌ وَ مِئَةٌ
اس دور میں صنعت مہملہ اور معجمہ میں کتابیں تصنیف ہوئیں اور قصائد نظم کئے گئے، فیضی کی ضخیم بے نقط تفسیر قرآن ”سواطع الإلهام“ بھی اسی عہد کا ایک نمونہ ہے اس کی افادیت سے قطع نظر یہ زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت کا ایک شاہکار ہے، اس میں ایسی تحریریں اور نظمیں لکھی گئیں جنہیں افقی طور پر پڑھئے تو مدح ہے اور عمودی طور پر پڑھئے تو جھوٹ ہے، یا انھیں عکس و طردا پڑھنے پر الگ الگ معنی نکلتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان نمونوں کی تعریف مقصود نہیں ہے لیکن یہ انسانی عقل کی پیداوار اور غور فکر کا نتیجہ ہیں۔ انھیں ادبی و معنوی اعتبار سے کم قیمت ضرور کہا جاسکتا ہے لیکن ان میں پیکاسو کے ”شاہکار“ جیسا کوئی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اسی دور نے ہمیں مقدمہ ابن خلدون، لسان العرب، صبح الأعشى اور نہایۃ الأرب جیسی ادبی کتابیں بھی دی ہیں جن کے بغیر کوئی عربی کتب خانہ مکمل نہیں ہو سکتا ہے۔

آزاد کو بھی اسی دور کے تناظر میں دیکھنا چاہئے اور اسی کے معیار پر پرکھنا چاہئے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہندوستانی ناقدین کے برخلاف عرب ادباء و ناقدین میں سے جس نے بھی آزاد کا مطالعہ کیا اس نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔

استاد شلقامی نے تو انھیں اپنے معاصرین میں سب سے بہتر و بلند تر قرار دیا ”إذا قارنا شعر آزاد بغيره من معاصريه. العصر التركي. وجدنا أنه القمه لا يكاد شاعر من معاصريه أن يسمو إليه“ انھیں عظیم و پیشرو قرار دیتے ہوئے بارودی سے تشبیہ دی ہے ”لقد كان شاعرنا آزاد فحلاً رائداً من طراز البارودي“ اور آزاد کی گمنامی یا کمنامی کی بے حد واقعیت پر مبنی توجیہ کی ہے کہ وہ ایک ایسے ماحول میں ہوئے جو (علمی و فکری) طور پر ان کے استقبال کے لئے تیار نہیں تھا ”ولكن لم تسلط عليه الأضواء حيث وجد في بيئة غير مستعدة لاستقباله“۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی (پاکستان)

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نعتیہ شاعری کے گل سرسبد

بلگرام ایک مردم خیز خطہ ہے جہاں کئی عالم، صوفی اور شاعر پیدا ہوئے،، معاشرت تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات محفوظ کئے ہیں۔ آزاد بلگرامی کی تالیف ”ماثر الکرام“ ان بزرگوں کے علمی و ادبی کارناموں کی حسین دستاویز ہے۔ ان علماء و ادباء میں سب سے زیادہ شہرت سید غلام علی آزاد بلگرامی کو نصیب ہوئی۔ کہ وہ عالم، مؤرخ، ادیب اور شاعر تھے اور ہر صنف ادب میں انہوں نے قابل قدر تالیفات چھوڑی ہیں۔ بہتر ہوگا کہ سید آزاد بلگرامی کا تفصیلی تذکرہ پیش کیا جائے۔

غلام علی آزاد بلگرامی کا تعلق بلگرام کے مشہور واسطی سادات سے تھا۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید محمد صغریٰ (م ۶۴۵ھ) سلطان اتمش کے عہد حکومت میں یعنی ۶۱۴ھ میں بلگرام تشریف لائے اور آباد ہو گئے۔ سید عبدالجلیل بلگرامی انہیں فاتح بلگرام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ۱۔ سید محمد صغریٰ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے مرید ہوئے۔ ۲۔ اس طرح اس خاندان کا سلسلہ چشتیہ ہند سے تعلق پیدا ہوا۔

سید غلام علی آزاد ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ میں بلگرام کے ایک محلے میدان پورہ میں پیدا ہوئے۔ ۳۔ یعنی اورنگ زیب کی وفات سے دو سال قبل۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی آزاد کے ہم عصر تھے اور دونوں بزرگوں نے مغلیہ اقتدار کو بندرت کج ڈوبتے دیکھا ہے۔

آزاد نے درسیات کی تعلیم سید طفیل محمد الاتر ولوی (م ۱۱۵۱ھ) سے حاصل کی۔ حدیث و سیر اور علوم ادبیہ اپنے جدّ مادری سید عبدالجلیل بلگرامی سے۔ عروض و قوافی یعنی فن شعر کی تعلیم و مشق میں اپنے ماموں سید محمد بن عبدالجلیل بلگرامی سے استفادہ کیا۔ آزاد نے ۱۱۳۷ھ میں شیخ لطف اللہ الحسینی (م ۱۱۴۳ھ) جو شاہ لدّھا بلگرامی کے نام سے معروف تھے سے سلسلہ چشتیہ میں نسبت

سلوک قائم کی۔ سید عبدالجلیل اس دور کے ماہر درسیات اور فاضل استاد تھے۔ طبیعت سیلانی تھی مدت کی جہاں گردی کے بعد بلگرام آئے تو آزادان سے استفادہ کرنے لگے۔ مگر وہ جلد ہی دہلی روانہ ہو گئے۔ آزاد نے تکمیل علم کے لیے ساتھ جانے کا ارادہ کیا چنانچہ (۱۱۳۴ھ) میں اپنے نانا کے ہمراہ دہلی آئے دہلی میں دو سال قیام رہا۔ اختتام تعلیم پر بلگرام چلے گئے۔ آزاد کے ماموں سید محمد بلگرامی سیرستان (سندھ) میں میر بخشی اور وقائع نگار تھے۔ ان کی دعوت پر آزاد ۱۱۴۳ھ میں وہاں پہنچے سید محمد انہیں وہاں چھوڑ کر بلگرام چلے گئے اس طرح آزاد نے ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۷ھ اپنے ماموں کی نیابت کی ”ید بیضا“ کے نام سے فارسی شعر کا تذکرہ انہیں ایام میں لکھنا شروع کیا۔ ۵

سید آزاد کی افتاد طبع محبت و عقیدت سے استوار تھی، عشق مصطفیٰ ﷺ ان کی زندگی کا نمایاں عنصر ہے۔ یہ محبت دل میں گداز پیدا کرتی رہی۔ شوق فروزاں ہونے لگا تو آزاد نے حرمین کا قصد کر لیا۔ ۱۱۵۰ھ میں آزاد بلگرام سے روانہ ہوئے۔ راستے میں نواب نظام الملک آصف جاہ (م ۱۱۶۱ھ) سے ملاقات ہوئی جو مرہٹوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ آزاد بھی شریک جہاد ہوئے۔ اختتام جنگ پر نواب نے زاد سفر کا انتظام کر دیا تو آزاد سورت سے جہاز پر سوار ہوئے ۱۸ محرم ۱۱۵۱ھ میں جدہ پہنچے جہاں شیخ محمد فاخر الہ آبادی نے استقبال کیا ۲۳ محرم کو ارضِ پاک پر قدم رکھا۔ ۶ حج کے دن گزر چکے تھے۔ اس لیے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) مستقل طور پر آباد تھے۔ ان سے صحیح بخاری کی سند لی اور صحاح ستہ اور بعض فوائد علم حدیث کی اجازت حاصل کی۔ ۷

مکہ مکرمہ میں شیخ عبد الوہاب طنطاوی (م ۱۱۵۷ھ) سے مصاحبت رہی۔ شیخ طنطاوی کو آزاد نے اپنے عربی اشعار سنائے جن میں آزاد کا تخلص استعمال ہوا تھا۔ شیخ نے حیرت سے مفہوم دریافت کیا، آزاد نے وضاحت کی تو علامہ طنطاوی نے کہا، سیدی انت من عتقا اللہ۔

سید آزاد نے طائف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور وطن کے ارادے سے واپس لوٹے۔ راستے میں بندرگاہ مخا میں قیام کے دوران شیخ علی الشاذلی (م ۶۵۶ھ) کے مزار کی زیارت کی۔ ۹۔ ۲۹ جمادی الاول ۱۱۵۲ھ کو ان کا جہاز بندرگاہ سورت پر پہنچا۔ کچھ عرصہ اورنگ آباد میں بابا شاہ مسافر نقش بندی کی خانقاہ میں قیام رہا اور بلاد کن کی سیاحت میں مشغول رہے۔

آخر ۱۱۶۱ھ میں مستقل اورنگ آباد میں قیام پذیر ہو گئے اور تادم وفات قیام پذیر رہے۔ ۱۲/۱۲ ذی القعدہ ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۷۸۲ء میں وفات پائی، وصیت کے مطابق خلد آباد دکن میں احاطہ درگاہ میر حسن سنجر دہلوی میں اس مقبرے میں جو آپ نے ”خواب گاہ روشن“ کے نام سے ۱۱۹۱ھ میں تعمیر کرایا تھا دفن کیا گیا۔ ۱۱

دکن کے قیام کے ۲۸ سال فارغ البالی کے دن تھے۔ دکن کے امرا آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ سراج المحدثین اور رئیس العلماء کے خطاب دئے گئے، صمصام الدولہ شاہنواز خان سے قریبی تعلق رہا، بلکہ ان کی شہادت پر مآثر الامرا کی تکمیل کا بیڑا بھی اٹھایا۔ ۱۲ اس تعلق باہمی کے باوجود آزاد نے کبھی امرا کی مدح سرائی نہیں کی، نواب آصف جاہ کی مدح میں ایک رباعی کہی جس کی توجیہ کرتے ہیں۔

”فقیر با وصف موزونی طبع مدت العمر زبان بہ مدح اغنیانہ کشودہ ام الا ایں رباعی کہ در

استعانت سفر بیت اللہ سرزد“ ۱۳

سید آزاد کی بے نیازی طبع کا یہ عالم تھا کہ جب وہ اورنگ آباد میں شیخ غجدوانی کے زاویے میں اقامت پذیر تھے اور نواب آصف جاہ کے فرزند نواب ناصر جنگ سے تعلق خاطر قائم تھا اس نے منصب امارت کی پیش کش کی تو انکار کر دیا اور کہا۔ ”ہذہ الدنیا شاربا کمثل نہر طالوت غرقہ منہ حلال و الزیادۃ علیہا حرام۔“ ۱۴ سید آزاد بلگرامی کشمیر نویس بزرگ تھے، متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا اور ہر فن میں قابلِ قدر نگارشات ترتیب دیں عربی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ الضوء الدراری فی شرح البخاری ”بخاری کی شرح قسطلانی کا کتاب اول سے کتاب الزکاة تک کا تلخیص ہے“

۲۔ سبحة المرجان فی آثار ہندوستان۔

۳۔ تسلیۃ الفواد فی قصائد آزاد۔

۴۔ شفا العلیل فی مواخذات علی المتنبی فی دیوانہ۔

۵۔ الشجرة الطیبة فی النسب السادة من اهل بلگرام۔

۶۔ مظهر البرکات۔ مولانا روم کی مثنوی کے وزن یعنی بحر خفیف میں سترہ منظوم حکایات کا مجموعہ۔

۷۔ مرآة الجمال۔ محبوبہ کے سراپا پر ایک نادر نونیہ قصیدہ جو ۱۰۵۵ ابیات پر مشتمل ہے۔

- ۸۔ السبعة السيارة۔ سات دواوین کا مجموعہ پہلے تین دیوان ۱۱۸۹ھ تک کہے گئے قصائد کا مجموعہ ہے، چوتھا دیوان جس کے اکثر قصائد میں ردیف کا استعمال کیا گیا ہے ۱۱۹۰ھ میں اپنے پوتے امیر حیدر بن نور الحسن کے لیے تحریر کیا گیا۔ ردیف خالص عجمی طرز انشاء ہے۔ پانچواں دیوان مستزاد ہے ۱۱۹۱ھ میں مرتب ہوا یہ بھی عجمی اثر ہے۔ چھٹا دیوان ۱۳۴۰ء ایات ہیں۔
- ساتواں دیوان ۱۱۹۳ھ-۱۱۹۴ھ کے دوران کہے گئے قصائد پر مشتمل ہے۔ ان سب دواوین میں بقول آزاد دس ہزار اشعار ہیں ۱۵۔
- ۹۔ شامة العنبر فيما ورد في الهند من سيد البشر۔ اسے سیمۃ المرجان کی فصل کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا ہے۔
- ۱۰۔ أرج الصبا في مدح المصطفى 'صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم' قصائد نبویہ کا مجموعہ۔
- ۱۱۔ دواوین السبعة السيارة کے بعد بھی آزاد نے عربی شاعری جاری رکھی اس طرح ۱۱۹۸ھ میں آٹھواں، اوائیل ۱۱۹۹ھ میں نواں اور اواخر ۱۱۹۹ھ میں دسواں دیوان مکمل ہوا، کل دس دیوان ہیں ۱۶۔
- ۱۲۔ مکاتیب مجدد۔ سید مقبول احمد صمدانی کا بیان ہے کہ آزاد نے حضرت شیخ مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض مکاتیب کا عربی ترجمہ کیا تھا۔ ۱۷۔
- فارسی تصانیف:
- ۱۔ مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام ”بلگرام کے علما و صوفیاء کا تذکرہ“
- ۲۔ خزانہ عامرہ، فارسی گوہندی شعرا کا تذکرہ۔
- ۳۔ یدِ یضاً، فارسی گویاں شعرا کا تذکرہ۔
- ۴۔ سرو آزاد۔ ہندی ایرانی شعرا کا تذکرہ۔
- ۵۔ روضۃ الاولیاء۔ اورنگ آباد کے قریب ”الروضہ“ کے مقام پر مدفون بعض چشتی مشائخ کا تذکرہ ۱۸۔
- ۶۔ غزالان ہند۔
- ۷۔ سند السادات فی حُسن خاتمة السادات ۱۹۔
- ۸۔ دیوان شعر فارسی ”نوزار اشعار کا مجموعہ“ ۲۰۔

- ۹۔ کثکول ”کتب خانہ آصفیہ اور ندوہ میں نسخے موجود ہیں۔“ ۲۱
- ۱۰۔ شرح قطعہ نعت خاں ”پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔“ ۲۲
- ۱۱۔ مائثر الاسراء۔ صمصام الدولہ۔ شاہنواز خان کی کتاب کی تکمیل و ترتیب۔ ۲۳
- ۱۲۔ انیس محققین ۲۴

دیوان اردو:

آزاد کے تذکرہ نگار دیوان اردو کے بارے میں مختلف رائے ہیں، مقبول احمد مدنی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ آزاد اردو میں شعر کہنا اپنے مرتبہ عالی سے پست و دُلوں سمجھتے تھے، لیکن اسد علی خاں تمنا اور نگ آبادی نے اردو دیوان کا تذکرہ کیا ہے اور اردو شعر بھی نمونے کے طور پر نقل کئے ہیں ۲۵

گل اشعار:

عبد الحمید الشلغامی نے تمام دواوین، مثنوی، مرآۃ الجمال اور نثری کتب سے تمام اشعار کا مجموعہ ستر ہزار تین سواشعار بتایا ہے۔ ۲۶ یہ تعداد ایک عجمی کی شعری صلاحیت کا برملا اظہار ہے اور اس پر آزاد کو بجا طور پر ناز ہے۔

مولانا آزاد بلگرامی بحیثیت ایک مدح نگار:

آزاد بلگرامی کو عربی شاعری میں بلند مقام حاصل ہے، انہوں نے عربی شاعری میں نئے تجربات سے قارئین کی وجہ کو جذب کیا ہے، ”مرآۃ الجمال“ جو سراپائے محبوب پران کی مشہور نظم ہے میں انہوں نے ہر ہر عضو پر دو دو اشعار لکھے ہیں اس طرح ۱۱۰۵ اشعار کی نظم تیار ہوئی۔ یہ انداز شعر آزاد کی مخترعات میں شمار ہوتا ہے، آزاد کی عظمت اور سیرت کی اصل بنیاد ان کے وہ قصائد ہیں جو آں حضرت ﷺ کی مدح میں عربی زبان میں رقم ہوئے ہیں، آزاد کو نو خیزی عمر سے ہی ذات رسالت مآب ﷺ سے گرویدگی تھی، عمر کے ساتھ ساتھ یہ وارفتگی محبت تیز تر ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے اپنے فن شاعری کو مدحت سرکار دو عالم ﷺ کے لیے وقف کر لیا۔

آزاد ایک شاعر تھے اور شاعری قصیدہ گوئی کی مترادف گردانی جاتی ہے، ہر شاعر کسی ممدوح کی تلاش میں رہتا ہے، آزاد کو بھی ممدوح کی تلاش تھی، مگر انہوں نے ابتدائی ایام میں ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کی ممدوح وہ ذات گرامی ہے جو ممدوح کائنات ہے، اس لیے آزاد پریشاں خیالی سے محفوظ رہے

اور در در کی ٹھوکروں اور گھر گھر کی گدائی سے بچے رہے، یہ اسی ”یک جا گیر و محکم گیر“ کی کیفیت کا اثر تھا کہ آزاد نے کسی اور آستان کی جبہ سائی نہیں کی، کہتے ہیں۔

”ہر چند بامرا ارتباط دارم و باروساً اختلاط، لقا سر رشته استغنائیستخیم ام و آبروئے فقر بردر تمنا زینتہ ام“ مزید کہتے ہیں۔

اس در یوزہ گرفتار فیض الہی در تمام عمر خود لب بدمح امیرے نکلشودہ و نامہ خود بستائش دولت

مندی سیاہ نہ نمودہ۔ ۷۲

توصیف پیغمبر ﷺ کے بعد کسی اور کی مدح نہ مناسب تھی نہ انہیں یہ پسند تھی، خود کہتے ہیں۔

”توصیف غیرک بعد مدحک مشبہ، بیتنا تضمن وصفه الا قواً ۲۸

آزاد کی شاعری کا یہ درخشندہ پہلو ہے، عربی، فارسی، اردو ہر سہ زبانوں کا شاعر ہو کر کاسہ لیس سے محفوظ رہنا آزاد کا وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل ہے، آزاد کے دس دیوانوں کا بیشتر حصہ مدح نبوی ﷺ پر مشتمل ہے، متعدد و مجور، متنوع توانی میں مدحت رسول ﷺ کا ایک جہان آباد ہے، آزاد نے نعتیہ شاعری کا ہیولہ سقوط بغداد کے بعد کی شاعری سے مرتب کیا ہے، مضامین کی ترتیب و تنوع اس دور کے مماثل ہے، علوم دینہ کی تعلیم اور تعلیمات اسلامیہ کے مطالعہ نے ان کو سیرت اور حواشی سیرت کے لاتعداد موضوع عطا کر رکھے تھے، یہ موضوعات کی کثرت اور خیالات کی بہتات ہی تو ہے کہ انکے ہاں واقعاتی انداز پیدا نہیں ہوا، واقعہ نگاری سے اجتناب اور اشاراتی طرز ان کا منفرد وصف ہے، سیرت پاک کا کوئی واقعہ ہو یا کوئی مہتمم بالشان پہلو آزاد صرف اشارہ کر کے گزر جاتے ہیں کہ انہیں چند شعروں میں بہت کچھ کہنا ہوتا ہے، غزوات کا بیان محاکاتی شاعری کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس لیے آزاد کے یہاں غزوات کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے، اس کا سبب ان کا موضوعی انداز شعر ہے، سیرت نگاری یا فضائل شماری ان کا مطلوب نہیں بلکہ واقعات سیرت کے قلبی تاثر اور فضائل و خصائص کے داخلی وجدان کا اظہار مقصود ہے، واقعات ہوں یا فضائل خارج کی چیز نہیں ہیں، بلکہ ان کی لوح قلب پر منعکس ضیاء پاشیاں ہیں کہ ان کی پرچھائیاں اشعار کے آئینوں میں جگ مگا رہی ہیں، آزاد کے ہاں موضوعات مدح محرکات نفس میں ڈھل گئے ہیں اس لیے ان کی مدحیہ شاعری میں جذبات کی فراوانی اور خیالات کی سرشاری عطر بیز ہے۔ آزاد کے مدحیہ قصائد کے اجزائے ترکیبی کا مختصر جائزہ ان کے شعری اسلوب کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔

عنصرِ قصائد کا مجمل تعارف:

تشبیب۔ مدحیہ قصائد کے مشتملات کی ترتیب و ترکیب میں آزاد نے قدیم اسلوب اپنایا ہے، یعنی تشبیب، گریز، مدح جو مرکزی تھے اور استغاثہ جو مقصودِ قصیدہ ہے۔ تشبیب کا رنگ جاہلی قصائد سے مستعار ہے۔ آزاد نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہے، تشبیب کی حیثیت، جواز یا عدم جواز، حدود و قیود پر تفصیلی بحث پہلے باب میں پیش کی جا چکی ہے، اعادے کی ضرورت نہیں، آزاد کی شاعری میں تشبیب کی چند مثالیں تشبیب کے بارے میں ان کی شعری روش سمجھنے کے لیے ضروری ہیں فرماتے ہیں۔

لحت الیّ یعینہا الکحلّ فمرضت طولاً لعمر بالسوداً۔
اسرت قلوب العاشقین فطوفت اجیادھا، بویونہا النجلاً۔ ۲۹
ضأت غدائرہا بنور مبینہا فیہن حسن اللیلۃ القمرأ۔
میسأ خلقت النطبأ وکیف لا ان السابق سنة الاکفأ۔ ۳۰
یا قوم فی ارض الغدیر جاذر اصدا غهم سلاسل آلاسا۔ ۳۱
ہی ظبیۃ سلیت عقول اولی النہی مشہورۃ بعیلۃ الدھنأ۔ ۳۲

آزاد بلگرامی کی تشبیب میں فراقِ محبوب کی شدّت، قطعِ تعلقی کی بے بسی اور قتلِ عشاق کی واردات کا تذکرہ نمایاں ہے، وہ اپنی عادت کے مطابق فراقِ حبیب کا کوئی قصہ نہیں سناتے اور نہ جدائی کی المناک کہانیاں دہراتے ہیں، بلکہ وہ حکایتِ عشق کو مختصر انداز میں بیان کرتے ہیں، محبوب کو عموماً ہرن سے تشبیہ دیتے ہیں جو گریز پا بھی ہے اور تیز رفتار بھی، صحرا میں ہرن کا سامنے آجانا، نظریں ملانا چوکڑیاں بھرتے ہوئے غائب ہو جانا لحاقی عمل ہوتا ہے ہرن تو پھر ہاتھ نہیں صرف اس کی دل شکار کرنے والی نظر یا درہ جاتی ہے یہی حال آزاد کا ہے وہ غمِ فراق میں نڈھال اور تیرِ نظر کے گھائل ہیں اور مسلسل ایک کسک محسوس کرتے ہیں، تشبیب میں ان کے قلبی تاثرات کی حکایت ہی کو اولیت حاصل ہے اور یہی ان کا غیر معروضی انداز شعر ہے۔

گریز۔ آزاد تشبیب کی جان سوز کیفیات سے بمقتضاً طبیعت جلد چھٹکارا پانے کے خواہش مند ہیں، اس لیے ان کی شاعری میں گریز اور مرکزی خیال باہم پیوست ہو گئے ہیں، گریز میں وہ عموماً لفظی یا معنوی مناسبت ڈھونڈتے ہیں جس سے موضوع کی طرف جانا آسان بھی اور ڈرامائی بھی، گریز کی حد تک آزاد نے بڑی جدّت پسندی اور فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے، گریز کا

موڑ اس خوبصورتی سے کاٹتے ہیں کہ قاری بے ساختہ مرجبا کہ اٹھتا ہے، مختلف قصائد میں گریز کی صورت ملاحظہ ہو۔

بات الفواد بضد عها متبحر عا من سم تلك الحية السوداً ۳۳
فاتیت بالقلب السليم مناديا غوث الوری فی شدّة ورخاً ۳۴
تبسمت نحسب اوجھها قمرا مشفقاً معجزاً من سيد العرب ۳۵
احن شوقاً الى الندامی حنین جزع الى الحبيب ۳۶
وذكر نى حمام فوق غصن انا شیه اطعی بيد الرسول ۳۷
انى لملت الى صفائرتی امت تشابهه ليلة الاسرأ
وعشقت حبك الرفع لشبهة بهلال روضة سيد الزورأ ۳۸
كانما ناظر الحسنأ مُكتحل يثرب نعل رسول مكحول ۳۹

مدح۔ قصائد کا مرکزی موضوع مدح ہے، مدح میں آزاد کا طرق واقعات مدح یا فضائل مدح کی وارداتی تعبیر ہے، مدح کے مشتملات میں درج ذیل اہم پہلو نمایاں ہیں۔

۱۔ حسن صورت۔ مداحین ظاہری اوصاف کا تذکرہ کرتے ہیں یہ روایت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد سے چلی کہ چہرہ انور کو سورج کی تابناکی یا چاند کی نورانیت سے تشبیہ دیتے ہیں، آزاد ضیائے حسن کے گیت گاتے ہیں اور اپنے قلب تاریک کے لئے نورانیت کی بھیک مانگتے ہیں۔

برهان رب العالمین جبینہ فی الامۃ الامیۃ العربأ
محمد نور الاکوان قاطبة فیما لنور بدا فی هیکل البشر
ما ان رأیت شریکا فی الملاحة ولد سمعت به والسمع والبصر
تبارک الله بعد لا محاق له وخاتم وصه نور بلا حول
عديم المثل فی حسن التغنی وقاها الله من ریب المنون ۴۰
یا ایها البدر الاویل کماله ضاعت ینورك مقلة العلیأ
داعی الراعی سراجا فی زجاج اذا ما شرف المختار غار ۴۱

۲۔ حسن سیرت۔ عادت و شمائل ہر تمام مداحین کی وجہ رہی ہے کیوں کہ انہیں سے شاعر کو اپنی عرضداشت پیش کرنے کا حوصلہ ملتا ہے اور غفو و کرم کی امید پیدا ہوتی ہے۔ اخلاق عالیہ کے

ذکر میں غفو و کرم، شفقت و محبت، مرشدہ ہدایت کے تذکرے زیادہ نہیں آزاد کا انداز ہی subjective ہے اس لیے انہوں نے وہی اوصاف چنے ہیں جن کے اثرات ان تک ممتد ہوں، خلقِ عظیم، کرم بے پایاں اور رحمتِ عالم مثلاً۔

محمد عطر الاخلاق قاطبة فیا لطیب خزالی خلقة الحسن
ثمال الوری قطمیرھا و نقیرھا اجار الذی ینمو بارض المشاعر ۴۲
یا ایہا البارق الفیاض مبتسما ندی بدیدک علی الافاق مبذول ۴۳
لا محزون خمدت نار علی یدہ الیس فی یدہ ذخیر من الدیم ۴۴
دنیا سے بے رغبتی اور بخشش و کرم کی عادت کے ذکر میں آزاد کے قلم کا زور دیدنی ہے۔
ما استعمل المصطفی ما قل من ذهب فکیف یحتمل الاطوار عقیاناً ۴۵
آری الیہ الفقر فقرأ ساذجاً وری النعال علی جبال المسجد ۴۶
اور خود اسی فیاضی کے طلبگار ہیں۔

جنانک غیث یستغیث بہ الوری دانی لعور یصطلا فی المجامر
محررنا بتخلیص الغزاة انه لنا مثل ام و اب متفضل ۴۷
۳۔ خصائص و امتیازات

خصائص و امتیازات مدح نگاری کا سب سے وقیع حصہ ہے۔ خصائص میں آنحضرت ﷺ کے اولین تخلیق ہونے، اولین نبی ہونے کا ذکر ہوتا ہے، ولادت با سعادت کی امتیازی خصوصیات اور خاندانی شرف کے تذکرے ہوتے ہیں۔ انسانِ کامل۔ رحمتِ عالم، ہادیِ اعظم، نبی بے مثال، قائدِ بے عدیل، باعثِ خلقِ انسانی۔ اشرفِ انبیاء اور خاتم المرسلین کا بیان ہر مدح نگار کے یہاں مقبول ہے۔ آزاد نے بھی ان خصائص کا تذکرہ کیا ہے مگر اسی ذات کے حوالے سے ان خصائص کو اپنی داخلی زندگی کا جزو بنایا ہے۔
خلق اول:-

خلق الاله ضیاً احمد اولاً وساه یتج سائر الاکوان
الی النبی المصطفی اباً فجنا بہ العالی ابو الابا ۴۸
عربی نحو سے استفادہ کی مثال:-
لا تجرون اخرج الخلائق بغتہ هو المقدم فی المعنی علی الرسل

نمدل منه في الانشأ توطية و انما نظر المنتى الى السبدل ۲۹
۲۔ مبدل منہ کی تقدیم تو صرف عمارت کا اقتضاء ہے مراد تو بدل ہی ہے۔
شرف خاندان :-

شجر ترعرع فی حدیقة ہاشم اکرم بدرح فی العلا متاصل ۵۰
قد طهر الله يوم النشق جوهره هذا حسام من الاصدأ معقول ۵۱
انسان کامل، ہادی اعظم، رحمت عالم۔
من معشر الانسان الا انه من معشر الانسان الا انه
فوق العباد و بعد السدب مرقبة و جوهر نزه عن و صمة المثل
محمد الهادی الى الحق دینه سراج الیصبح القيامة لامع ۵۲
یا رحمة للعالمین جمیعہنم اصبحت خیر مظاهر السدطن ۵۳
باعث تخلیق عالم۔ اشرف الانبیاء والرسل، ناسخ ادیان و ملل اور خاتم رسالت۔

هو ركن بيت الله جل جلاله دعمادهدى الخية الزرتأ
شهب السماء ياسرها منسومة من نور هذا الكواكب المتوقد ۵۴
جأت فعطلت الاديان ملة طلدة البهر تمحورونق الوشل ۵۵
قد عطل المللا لسوابق دینه فالنجم عند طلوع الشمس معزول ۵۶
تا الله ما خلفوا الانجامتہم هذا المقدم موقوف على التالی ۵۷
لا ينتهى فیض النبی الى المدى ما الفرات الى القيامة جاری ۵۸
۲۔ معجزات

معجزات مدح حضور ﷺ کا سب سے معروف عنصر ہے، قصیدہ گوئی کا ایک بنیادی تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ سامع پر مدوح کی عظمت کا نقش ثبت ہو جائے اور یہ نقش جس قدر عجالت اور بھرپور طریق سے ثبت ہو اسی قدر شعر مدح کی کامیابی سمجھی جاتی ہے۔ معجزات خوارق عادت ہونے کے ناطے سے محیر العقول بھی ہوتے ہیں اور ماورائی کیفیات کے حامل بھی اس لئے مدحین ان کا زیادہ تذکرہ کرتے ہیں، معجزات ہر دور کی شاعری کا لازمی جزو رہے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد مبارک سے عصر حاضر تک معجزات کے بیان کو اولیت حاصل رہی ہے۔ ان کے بیان کے لئے قصائد کا بیشتر حصہ یا کبھی پورا قصیدہ مختص کیا جاتا ہے۔ آزاد نے معجزات کے ذکر میں طوالت

سے کام لیا ہے اور متعدد معجزات کو شعری سانچوں میں ڈھالا ہے مگر ان کے بیان معجزات میں ایک نمایاں خصوصیت ان کی ذاتی محویت ہے، ان کی خواہش ہے کہ ان کی ذات معجزات کا حصہ بنے، اس پر بھی معجزانہ نظر پڑے اور وہ دربار رسالت پناہ ﷺ میں اُستینِ حنانہ کی طرح مجبورانہ پکارئیں یا ہرنی کی طرح اپنی داستان سنائیں، ان پر بھی ابر کا سایہ ہو، وہ انگلیوں سے پھوٹنے والے چشموں سے سیراب ہوں، وہ بھی سنگ ریزوں کی طرح صداقت نبوت کی شہادت دیں، معراج ان کی توجہ کا محور ہے کہ یہ ارتقائے انسانیت کا اشاریہ ہے، شق قمر اور ردّ شمس تسخیر کائنات کے حوالے ہیں، الغرض آزاد نے ہر معجزے کو اپنا حصہ بنانے کی خواہش کی ہے، وہ خود معجزہ کا مرکز بن کر برہان بنا چاہتے ہیں، آزاد نے معجزات کے بیان کو معروضی سطح یا حکایاتی طرز ادا سے اٹھایا اور وارداتِ قلب کا حصہ بنا دیا، یہ آزاد کا عظیم کارنامہ ہے اور آج کا جدید انسان اسی حوالے کو معتبر اور لائق اعتنا سمجھ رہا ہے یہ آزاد کی شاعری کی جدّت پسندی کا مظہر ہے۔

معراج و اسراء

آزاد نے مختلف اشاروں سے سفرِ معراج کی جزئیات بیان کی ہیں، مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے ملا اعلیٰ کا عروجِ خطیرہ قدس اور عطاء ربانی کے اشارے کئے ہیں مگر اصل موضوع رفعت انسانی اور سفرِ معراج پر مادہ پرستی کے اعتراضات اور انکے جوابات ہیں مثلاً۔

قدار تقی فی السماء حقاً وحل بالمنزل الرحیب
جاز السماء و عاد فی لمح فیما مکرمۃ من کوکب سیار
ولا غروان جاز السماء لجمیہ هل الجوهر الشفاف للنور مانع ۵۹

شق قمر

شق قمر سے جلالت شان کے اظہار کے ساتھ آزاد کی حسّ تفاخر کی بھی تسکین ہوتی ہے، انہوں نے شق قمر کے بیان میں عمدہ تشبیہات استعمال کی ہیں۔

ادمی الی فلك الدنيا باصبحة فالبدر خرّ له فتر علی الذقن
كانه نصف التفاح فی طبق أودرهما زالغامن خازن الزمن
و شق بد الدجی ایماً اصبعه نعم و اصبعه مفتاح افعال
لا غیران شق صدر البدر معجزة کفا محیاه فینا کاشف الظلم ۶۰

حنین الجذع

فراق میں بے چارگی کی پکار کا اشاریہ ہے آزاد نے اپنے قلبی تاثرات کو استن حنانہ کی زبان عطا کی ہے۔

احنّ شوقاً الى الندامى حنین جذع الى الحبيب
حنّ الجذیع من الفراق كانه عود یحن بلا یر العواد ۱۱
انگلیوں سے چشموں کا پھوٹنا۔ یہ دستِ کرم کا حوالہ ہے آزاد بھی فیض بخشی کے امیدوار ہیں۔
اردت عطا شو بر الطامنین یمینه ماکان هذا فی الید البیضا ۱۲
تبارک الله ردّت معشراً ظمئوا انهارا الخمسة اللعیاً بسلسال ۱۳
قرآن

قرآن مجید ایک دائمی معجزہ کی حیثیت سے آزاد کی توجہ کا مرکز ہے۔

لقد آتانا بشمس غیر افلة یوم افاض علینا رابع الزبر۔
وان لم تقبل الا حجار نسبتاً فلیس النقص من قبل الهتون ۱۴
۵۔ توسّل واستغاثہ

آزاد کے قصائد کا عجز توسّل واستغاثہ پر مشتمل ہے، استغاثے میں زندگی کی بے چینیوں سے سکون کی تلاش اور یوم آخرت میں توسّل و شفاعت کی تمنا شامل ہے دنیا کے مصائب سے پناہ کی خواہش کے ضمن میں مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً و تعظیماً کی حاضری دربار اقدس میں حضوری اور فراق کی بے قراری کے مضامین بیان کئے جاتے ہیں، استغاثے اور توسّل کے مضامین میں آزاد کا قلبی اضطراب موجزن ہے، وہ وارفتگی کے عالم میں جان جہاں علیہ السلام کے حضور دستِ سوال دراز کئے حاضر ہیں، ان کا ناز اور ان کی امیدوں کا مرجع و ماویٰ ذات ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، یہ حصہ ان کے وجدان کا مظہر ہے وہ بھری دنیا سے منھ پھیرے ایک دربار کے ژلہ رُبا ہیں، سرور عالم ﷺ کے سوا ان کا کوئی ممدوح نہیں اس لئے ان کی عقیدت و محبت تو حیدست یکے، دوئی اور شراکت کا کوئی شائبہ اس میں نہیں ہے، وہ بے خودی میں پُکار رہے ہیں۔

خاتیت بالقلب السلیم منادیا غوث الوری فی شدّة ورخا
نظر الحبيب الى الغریب غایة نظر المنائة شیمة الکبرأ

یا سیدی یا عروتی و وسیلتی یا عدتی یا مقصدی مولائی
 قد جئت بابک خاشعاً متضرعاً مالی ورائت کاشف الفراء
 احسن الی ضیف ببابک واقف شان الکرام ضیافۃ الغرباء ۶۵
 لا فرون ذابت جہنم حسرة هو بالشفاعة لا یغادر مذنباً ۶۶
 مدینہ منورہ میں حاضری کی تمناؤں کا سرمایہ اور خواہشات کا مرکزی نقطہ ہے، ان کی تمنا ہے کہ
 مدینہ منورہ کی گلیوں میں گویں، روضہ اقدس پر قربان ہو جائیں خاک مدینہ کو سُر مہ بنائیں۔
 روح الفداء لروضة قدسیة مملوءة بلطف و صفاء
 بلغ المشارق و المغارب ضوؤها تزنوا ایہا الشمس كالطرباء
 طوبیٰ بطیبة حیث ضم ضریہا جسماتسنم فوق سبع سما ۶۷
 ورعی المہین بقعہ و ضرا فہا علی جواہر فی نحور اطزد
 مرج المدينة ما اجل تراہا یجد البصائر فیہ فعل الاثم
 و غبارہا المحسوس فوق ہواہا کمل الیقین لمقلۃ المتردد ۶۸
 اُن کی تمنا ہے کہ!

واجعل منحصر ضور اسی و ارقدھننا فوق البلاطی
 و یدفن بالبقیع غسیل جسمی و لیستروجه بالوعاطہ ۶۹
 غبار مدینہ نعلین مبارکہ اور غبار نعلین شریف کے تذکرے سے آزاد طمانیت محسوس کرتے ہیں۔
 غبار نعلیہ کحل بصائرنا جنابہ مستطاب منتہی المطلب ۷۰
 کحل العیون غبار نعل المصطفی و شراکھا مسمک المستنجد
 کانما ناظر الطنأ مکتملاً بزب نعل رسول اللہ مکحول ۷۱
 آزاد بلگرامی کے موضوعات مدح اور محرمات نعت کا جائزہ واضح کرتا ہے کہ ایک مدح نگار
 کے تمام خصائص ان کے کلام میں موجود ہیں، ان کا دل عواطف سے مملو ہے حب رسول ﷺ ہر
 جملے سے عیاں ہے، کلام و سرشاری و سرخوشی کا عالم ہے، وابستگی کی شدت سے کبھی حدود سے تجاوز
 بھی کر جاتے ہیں۔ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر اور تقابلی جائزہ میں ایسا کئی بار ہوا ہے، مثلاً
 و لیئن رد عیسیٰ عازرا فرسولنا یرد الذی اعجازہ رد عازر ۷۲
 رای ہو فی جبین العرش نورا و موسیٰ فی جبین الطور ناراً ۷۳

فنی جائزہ

آزاد کو مدح نگاری کے تمام لوازمات پر عبور ہے مناسب الفاظ، ضروری اور نادر تشبیہات، وضاحتی استعارے اور اثر آفریں کنایے ان کی شاعری میں موتیوں کی طرح جھلملا رہے ہیں۔

تشبیہ

آزاد کو مرکب تشبیہات میں کمال حاصل ہے۔

تبدون من القلم الہندی مدحتہ بمثل سکرۃ تبدون من القلب
بمثل سکرۃ تبدون من القلب عود یحن بلا ید العواد
عود یحن بلا ید العواد و اصحابہ عقد النجوم الزواہر ۴۷
استعارہ

یا ایہا البارق الفیاض مبتسما ندی یدیک علی الافاق مبذول ۷۵
للہ شمس علی رأس الوری طلعت وقد أدابت فواد الکفر کالبود ۶۷
صنائع بدائع

آزاد کی قادر الکلامی کے بسا اوقات ان کی شاعری میں آورد کی بو آتی ہے۔ جب وہ صنائع بدائع کی بھول بھلیوں میں مبالغے کی حد تک مشغول ہو جاتے ہیں تو عام قاری کے لئے ان کے کلام کو سمجھنا اور حظ اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

شاعر کے کلام کی عظمت اس کے درجہ انفعال کے حوالے سے متعین ہوتی ہے، اگر الفاظ کی درو بست مغلق ہو جائے اور ایصال معنی کا مرحلہ دور معلوم ہونے لگے تو شعرا اپنی خصوصیت کھودیتا ہے، شعر عوام کی ملکیت ہوتا ہے اسے عوام سے دور رکھنا مستحسن نہیں ورنہ شاعری شغل لاطائل قرار پائے گی۔

آزاد کہتے ہیں کہ کچھ صنائع عرب و ہند میں مشترک ہیں مگر بعض ہندی زبان کے ساتھ خاص ہیں جو عربی فارسی میں موجود نہیں ہیں، ایسی صنعتیں ۲۳ ہیں مگر ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے خود ۱۳ اقسام دریافت کی ہیں، ان ہندی صنائع کو آزاد نے عربی قالب عطا کرنے کی کوشش کی ہے، وہ کہتے ہیں۔

انا قصدت ان انقل القسم الاخیر الی العربیۃ فرأیت بعضها لا یقبل

النقل الخصوصية بلسان الهند و بعضها يقبل النقل فنقلت منها نبدة وجد
تھا فالقة و الحقت بفن الادب جملة راقية و ارجو من العرب العرباً ان
يستحسنو مخترعات الالهانند كما استحسنوا الاسياف الهندية ۷۷
کیا آزاد کی یہ خواہش پوری ہوئی؟ تاریخ ادب ان کے بارے میں فیصلہ دے چکی ہے،
نئی روایات کسی شعوری کوشش سے ایک دو دن میں نہیں قائم ہوتیں اس کے لئے صدیوں کا ریاض
درکار ہے۔ آزاد کی یہ خواہش ایک حسرت نام تمام ہی رہی۔

عمومی جائزہ

آزاد کی مدحیہ شاعری کے اس اجمالی تذکرے کے بعد یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے کہ
آزاد کو شعر گوئی کی صلاحیت فیاض ازل کی طرف سے تفویض ہے، آزاد مطبوع شاعر تھے وہ
صاحب علم انشاء پرداز تھے، معلومات کی وسعت نے ان کی شاعری میں خیالات کا تنوع اور
مضامین کی کثرت پیدا کر دی ہے۔ مگر ہندی زبان و ادب کے مطالعے نے ان کی عربی شاعری پر
ایسے اثرات بھی ڈالے ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات پیوند کاری کا احساس ابھرتا ہے، ان کی
شاعری کا احصاء کیا جائے تو چند بنیادی خصائص کی نشان دہی ہوتی ہے۔

مفہیم کے اعتبار سے آزاد کی شاعری کا دامن بہت وسیع ہے، ان کے خیالات میں اس
قدر تنوع ہے کہ برصغیر کا کوئی اور شاعر اس پہلو میں ان کا مثل نہیں ہے۔ مدح کی قدیم
روایت سے انہوں نے ہر موتی کھنگال نکالا ہے مگر اس پر اپنے ذوق علمی و ادبی سے بیش قیمت
اضافے بھی کئے ہیں مدح نگاری میں آزاد نے جدلیت کا انوکھا رنگ پیدا کیا ہے دراصل وہ جس
ماحول میں رہ رہے تھے اس میں بلا دلیل کوئی دعویٰ مناسب نہ تھا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تو دینی
موضوعات کو بھی عقلی استدلال عطا کر رہے تھے۔

آزاد نے مضامین مدح کو مستند حقائق کے طور پر قبول کیا تھا مگر قاری کی ذہنی تشفی کی خیال
سے انہوں نے معجزات تک کو عقلی و عملی اسناد عطا کی ہیں۔

نور تجاوز سبعا و ہی ما احترقت کنا ظر العین فاسبقط ولا تنم ۸۷
آزاد کی شاعری میں صنائع بدائع کا استعمال کثیر ہے روایتی صنائع کے ساتھ انہوں نے
بعض مخترعات بھی کی ہیں، یہ رجحان حضرت امیر خسرو سے شروع ہو گیا تھا، صنائع کا استعمال ایک
حد تک رہے تو مضائقہ نہیں، مگر جب یہی مطلوب بن جائے تو تکلف آمیز ادب پیدا ہوتا ہے، سید

آزاد بلگرامی کی شاعری میں کہیں کہیں ایسی صورت حال نظر آتی ہے۔ مگر المدائح النبویہ میں ان کا استعمال کم ہے۔ اس لئے صنائع کی بنیاد پر جو اعتراضات اٹھائے گئے ہیں تو یہ عمومی شاعری کے نقطہ نظر سے ہیں۔ مدحیہ شاعری پر یہ مطلقاً منطبق نہیں ہوتے۔ البتہ تاریخی اشارے، علمی، نحوی اور فنی مصطلحات فقہی استخراجات اور دینی معتقدات کے حوالے قاری سے وسعت علم کا تقاضہ کرتے ہیں صرف عربی زبان کے مطالعے پر آزاد کی شاعری کا حق ادا نہیں ہو سکتا جو ان کے اسلوب پر علمی و دینی تلمیحات و اشارات کی گہری چھاپ ہے۔

آزاد اختصار پسند ہیں واقعات کو تاریخی ترتیب اور جزیات کی تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کرتے بلکہ اشاروں کنایوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان کے قصائد امام بوصیری یا امام صرصی کے قصائد کی طرح طویل نہیں ہیں۔ اگر قصائد میں سے تیس شعروں کے درمیان ہیں تو یہ ان کے نزدیک قصیدے کا معیاری حجم ہے۔ اس اختصار و ایجاز کی وجہ سے وہ بعض مصطلحات یا تلمیحات استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ انہیں یہ بھی احساس ہے کہ ان کا مدوح ہم صفت موصوف ہے۔ اور مدوح کے فضائل اس قدر بے حد و حساب ہیں کہ حصر ممکن نہیں۔ کہنے کے لئے مضامین کی کثرت ہے اس لئے ہر موضوع کو مختصراً پیش کرنا ہی مناسب ہے۔ اس اختصار پسندی کی وہ عمدہ توجیہ کرتے ہیں۔

اوصافه من قبول الحصر ابیہ ما طول مدحتہ اولی من القصر
کیف الموصوف یقضى حق مدحتہ یری مزایاد فوق الانجم الذھر
یشی یراعی و نبوی قصر مدحتہ قصر العبادة حکم اللہ فی سفر ۹
طویل سفر میں عبادت میں قصر کا حکم ہے، مدح رسالت ﷺ بھی مندوبات میں سے ہے۔
مدح کا سفر طویل ہے اس لئے یہ قصر کی مقتضی ہے مقصد تکمیل مدح نہیں اپنی بے چارگی اور ارادت کا اظہار ہے وگرنہ حق مدح ادا کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے۔

انی لسان یودی حق مدحتہ من لم یاتی بها آزاد معتزراً ۱۰
آزاد کی شاعری میں مقامی اثرات بڑے نمایاں ہیں یہ اثرات معنوی بھی ہیں اور لفظی بھی مثلاً
تبارک اللہ رعوت معشرا ظمتوا انہارہ الخمسة العلیا بسلسل ۱۱
انہار خمسہ کا تصور برصغیر سے لیا گیا ہے۔ جہاں پورا صوبہ ان کی مناسبت سے ”پنجاب“ کہلاتا ہے۔ آزاد کو برصغیر کی قدامت اور تاریخی عظمت کا بہت احساس تھا۔ سبتہ المرجان کا پہلا

باب ”شمامۃ العنبر“ ان کی اپنی سر زمین سے عقیدت مندانہ گرویدگی کا اظہار ہے۔ اشعار میں بھی ہندی رابطے پر انہیں فخر ہے۔

والہند مہبط جدنا و مقامہ قول صحیح جید الانسان
فسواد ارض الہند ضاً بدایتہ من نور احمد خیر الامجاد ۸۲
آزاد کا تخلص بذات خود ایک عجمی اثر ہے جسے وہ بالالتزام عربی اشعار میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ فارسی، عربی اشعار کے آخر کے قریب ایک عجیب عجمی فضا پیدا کر دیتا ہے اور ایسے عجمی جزیرے ان کے دریائے عربی میں متعدد ہیں اس لئے ان پر عجمیت کا الزام لگایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ”الفاضل ماعد سقطاۃ“ چنانچہ سید آزاد بلگرامی کی فضیلت کے اعتراف کے ساتھ ان پر بعض اعتراضات بھی اٹھائے گئے ہیں بلکہ بعض علماء نے تو معاندانہ روش بھی اختیار کی ہے مثلاً:

غلام حسن نمین نے ”شرائف عثمانی“ کے عنوان سے ماثر الکرام اور سرو آزاد کی تردید کی ہے۔
محمد صدیق سخوڑ عثمان بلگرامی نے ”تحقیق السداد فی مزارات الآزاد“ میں درشت اور انتقامی لہجہ میں ماثر الکرام اور سرو آزاد کو رد کیا ہے۔

وارستہ سیال کوٹی نے ”تذکرۃ اشعر اوارستہ“ یا ”جنگ رنگارنگ“ میں بعض اعتراضات کئے ہیں۔
ملا محمد باقر آگاہ نے ”چہار صدایہ آزاد بر کلام آزاد“ میں آزاد کی شاعری اور تصانیف میں چار سوانحیہ کی نشان دہی کی ہے۔

یہ اعتراضات سید آزاد بلگرامی کی عظمت کو دھندھلا نہیں سکے۔ ان کی تصانیف کی کثرت اور معلومات کی جامعیت نے اپنی اہمیت منوالی ہے۔ اور ان کی علمی، تاریخی اور دینی خدمات نے ان کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ جہاں تک عربی شاعری کا تعلق ہے سید آزاد بر صغیر کے سب سے زیادہ پُرگو شاعر ہیں انہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی، قصائد کے متعدد دیوان ترتیب دئے۔ مثنوی کو عربی شاعری میں متعارف کرایا اور کامیاب مثنویاں لکھیں مستزاد کی مشکل راہ پر چلے اور ایک مکمل دیوان تدوین کر دیا۔ ردیف کا التزام کر کے شاعری کو ایک نیا حسن عطا کیا۔ اور اپنی وجاہت علمی سے کامیاب تجربہ کر دکھایا۔ معنی کے لحاظ سے عربی شاعری کو نیا خون مہیا کیا۔ تشبیہات و استعارات میں جدت پیدا کی۔ صنائع اور بدائع کا بھاری پتھر بھی اٹھایا یہ نئے تجربات اور غیر متقارر ہیں بعض علماء کو پسند نہ آئیں کہ تاریخ نقد و ادب میں بھی روایت پرستی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ جاہلی دور میں ایسا نہ ہوا اس لئے بعد کے کسی ادیب کو مقرر راستے

سے ہٹ کر چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ الغرض ہر دور میں ریاضی کے سے کیے ادب کو پابند سلاسل کئے رہے ہیں۔ اسی لئے تو ابن قتیبتہ (م ۲۷۶ھ) نے کہا تھا ”لم لقصر الله الشعر والعلم و البلاغة على زمن دون زمن، ولا خص به قوماً دون قوم، بل جعل ذلك مشتتاً مفسراً بين عبادہ۔“ ۸۳

آزاد کے معتقدین میں بعض نامور بزرگ بھی ہیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) نے مولانا نور الحسن (م ۱۲۸۵ھ) کو اپنا قصیدہ تائیہ ارسال کرتے وقت کہا کہ وہ اس قصیدے کا مطالعہ کریں اور فیصلہ دیں کہ این زبان عربی مناسب ہے دارد یا از قبیل کلمات غلام علی آزاد است کہ حروف آن عربی است و در حقیقت آن زبان دیگر است ۸۴

مولانا کہ یہ رائے یا تو تفتن طبع کی خاطر ہے یا اپنے مقام و مرتبہ کے پیش نظر کہ ان کی اپنی عربیت چونکہ خالص عرب ماحول سے مطابقت رکھتی ہے اور عربی صمیم ہے اس لئے انہیں آزاد کی جدت طرازیوں بھلی نہیں لگتیں۔

مولانا شبلی نعمانی نے خزانہ عامرہ اور ید بیضا کے مجموعوں میں انتخاب شعر کے معیار کو پست بتایا ہے اگرچہ سر و آزاد سے انہیں ایسی شکایت نہیں لکھتے ہیں۔

”سر و آزاد خالص شعرائے متاخرین کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ جامعیت حالات کے ساتھ یہ خصوصیت بھی رکھتا ہے کہ اس میں جو انتخابی اشعار ہیں اعلیٰ درجے کے ہیں ورنہ آزاد کے متعلق یہ تمام شکایت ہے کہ ان کا مذاق شاعری صحیح نہیں اور خزانہ عامرہ اور ید بیضا میں انہوں نے اساتذہ کا جو کلام انتخاب نقل کیا ہے اکثر ادنیٰ قسم کے اشعار ہیں ۸۵

اور ان کے اپنے اشعار کے بارے میں علامہ شبلی کی رائے ہے۔

”آزاد کا عربی اور فارسی کلام اگرچہ کثرت سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا چہرہ کمال کا داغ ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ عربی زبان کے بہت بڑے شاعر ہیں اور ادیب ہیں۔ نہایت نادر کتب ادبیہ پر ان کی نظر ہے۔ لغات اور محاورات ان کی زبان پر ہیں لیکن کلام میں اس قدر عجیمیت ہے کہ اس کو عربی کہنا مشکل ہے ان کو اس پر ناز ہے کہ انہوں نے عجم کے خیالات عربی زبان میں منتقل کئے ہیں بلکہ نکتہ سنج

جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے۔“ ۵۶۔
 ڈاکٹر محمد یوسف کی رائے بھی مولانا شبلی کے قریب قریب ہے کہتے ہیں۔
 ”ویسے تو سات سو (سبعہ سیارہ) سے زیادہ دیوانوں کے باوجود عربی ادب کی
 وسیع دنیا میں کوئی مقام نہ حاصل کر سکے۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے جدت
 طرازی کا راستہ دریافت کر لیا تھا۔ انہوں نے ہندی سے معانی صنائع و بدائع اخذ
 کر کے عربی میں روشناس کرائے۔ یہ آزاد کی امتیازی شان ہے لیکن یہ ضروری نہیں
 کہ دوسروں کے لئے بھی یہ دل چسپی کا باعث ہو۔“ ۵۷۔
 اس لئے ان کا فیصلہ ہے کہ ”تاہم اتنی شہرت کا مدار جودت کی بہ نسبت کثرت

پر ہی ہے۔“ ۵۸۔
 ان بزرگوں کی آراء مستند ہیں لیکن بہتر ہوگا کہ ان کا تجزیہ کر لیا جائے۔ مولانا شبلی نے آزاد
 بلگرامی کی عربیت کو تسلیم کیا ہے انہوں نے صرف ان مفاہیم پر اعتراض کیا ہے جو عجم سے اٹھائے
 گئے ہیں۔ عجمی خیالات کا عربی پیراہن ان کے نزدیک عیب ہے۔ مولانا کی رائے وقع ہے لیکن
 سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خیالات میں عربیت و عجمیت کی تقسیم کا کلیہ کوئی علمی حیثیت رکھتا ہے خیال تو
 انسانیت کی مشترک متاع ہے اگر اسے بھی عرب و عجم کے حوالوں سے پرکھا جانے لگا تو ذہن
 انسانی تنگ و ناتواں میں محصور ہو کر رہ جائے گا۔ خیالات پر مقامی اثرات تو ہر دور میں موجود رہے
 ہیں۔ آزاد کی شاعری کا مخزن ان کا مدحیہ کلام ہے اور مدحیہ شاعری کے مضامین ذات رسالت
 مآب ﷺ کے حوالے سے چنے جاتے ہیں۔ عہد صحابہ سے آج تک مدحیہ شاعری کی بنیادی
 مباحث ایک سے ہیں۔ آزاد نے بعض تشبیہات یا استعارات میں مقامی ماحول سے اثر ضرور لیا
 ہے ہو سکتا ہے یہ مقامیت وقت کا باعث بنے اگرچہ ایسی صورت نظر نہیں آتی عبدالمقصود الثقافی
 اس کی گواہی دیتے ہیں۔

”لا شك كل اديب صورة لمجتمعه و مرآة لعصره و سجد حافه
 بتاريخه وفنه و قد كان آزاد في شعره العربي مقلداً يتخذ من خيال غيره
 و تفكيره قدوة و ينقذ عن احساس شاعر الى آخر و يتخيل أنه ينزل الا
 ماکن العربیة و يتعشق العربیات متصنعاً و لكنه على الرغم من ذلك كان
 يحس بالبئۃ التي يحيا بينها مجامدت منه عناصر صالحة توضح معالمها و

تبیین مستویاتھا۔ ۸۹

ادیب یا شاعر کا مقامی حالات سے متاثر ہونا اس کے زندہ ادیب ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ جس شاعر کی آنکھ بند ہو اور صرف تصور میں زندہ رہے تو نہ تو اپنے دور کا نمائندہ شاعر ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا ادب ترجمان حقیقت۔ مقامی اور جغرافیائی حالات اور معاشرتی اقدار سے متاثر ہونا نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ اس کے بغیر سچا ادب تخلیق نہیں ہوتا۔ الشقامی کو شکایت ہے کہ آزاد مصنوعی ماحول پیدا کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں انہیں اپنے ماحول میں زندہ رہنا چاہئے تھا جبکہ مقامی ناقدین کو شکایت ہے کہ وہ عجمی اثرات کو کیوں عربی میں منتقل کر رہا ہے۔ الشقامی فیصلہ دیتے ہیں۔

”اما آزاد فانہ بقصداتی الاعمی و جعلہ هدنا یصیب منہ فی شعرہ العربی و یستخذه فی بدیعہ و هذا هو موطن العیب فیہ و لکن خفت من حدہ هذا العیب آن اجمیاء اذا قلت بالنسبة لانتاجہ الضخم فانہا لن تساری شیأنا اہمیة و لذا نستطیع ان نقول ، ان آزاد علی الرغم من اجمیاءتہ بعد من کبائر الشعرأ فی عصرہ۔ ۹۰“

ڈاکٹر یوسف صاحب کا یہ فرمانا کہ آزاد کہ شہرت کا راز کثرت کلام میں ہے۔ جودت کلام میں نہیں اور یہ کہ آزاد کو عرب دنیا میں کوئی مقام حاصل نہ ہو سکا۔ سچی بات یہ ہے کہ علمی و فنی نگارشات سے استفادہ میں علاقائی تعصب روا نہیں رکھا جاتا مگر شعر و شاعری کو ہمیشہ اس تنگ فکر سے سابقہ رہا ہے۔ ایران نے خسرو سے لیکر اقبال تک جو سلوک کیا ہے وہ سب کے سامنے ہے کثرت آزاد کی شہرت کا سبب نہیں قدرے بدنامی کا باعث ہے انتخاب اشعار شاعر کا اصلی امتحان ہوتا ہے۔ تخلیق کسے پیاری نہیں ہوتی مگر پیش کش میں عوامی مذاق اور سامعین کے ذوق کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے جب کوئی شاعر اپنی تمام تر تخلیقات کو قوم کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ تو اپنا تاثر خراب کرتا ہے۔ آزاد بلگرامی کے کلام کی کثرت نے ان کی شہرت کو نقصان پہنچایا ہے۔ بھرتی کس شاعر میں نہیں ہوتی۔ قلم زد اشعار کسی شاعر کے پاس نہیں ہوتے۔ یہ تو ناقدانہ نظر کا کمال ہے کہ وہ کثیر کلام سے چند منتخب اشعار کو قوم کے سامنے لاتی ہے۔ پتھروں سے جواہر ریزے نکالنا ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ آزاد بلگرامی کو ایسا ہمدرد ناقد میسر نہیں آیا۔ جو ان کے ستر ہزار سے زائد اشعار میں ایک یاد و عمدہ اور بلند پایا دیوان مرتب کر دیتا جو ان کی شعری عظمت کا حوالہ بنتے۔ صنائع

بدائع کا الزام بھی مدحیہ شاعری کی حد تک ناقابل فہم ہے۔ اور پھر یہ بھی خیال رہے کہ عرب دنیا میں بھی بدیعات کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا اگر آزاد نے اس دور میں حصہ لے لیا تو پریشانی کا کوئی مقام نہیں اصل بات جو آزاد کے کلام میں کھلکتی ہے وہ ان کا برصغیر کے بارے میں شدید ترین حسن ظن ہے۔ اور عقیدت کی حد تک ذہنی تعلق ہے۔ انہوں نے برصغیر کی عظمت ثابت کرنے کے لئے استخر اجات استباطات کے بہت سے مرحلے طے کئے۔ وطن مالوف سے محبت انہیں مجبور کرتی ہے۔ کہ عربی شعر میں ہندی مظاہر کو جگہ دی۔ یہ ان کی علاقائی مجبوری کہی جاسکتی ہے۔

مولوی مرتضیٰ مدرسی حیدر آبادی کی رائے ہے کہ آزاد اور باقر آگاہ کی عربی تحریر پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ”حجۃ اللہ البالغۃ“ کی عربی تحریر سے پست ہے اور اس سے عربی ادب میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ۹۱

یہ تقابلی جائزہ بھی خوب ہے کہ آزاد اور باقر آگاہ کی عربی تحریروں کا مقابلہ ”حجۃ اللہ البالغۃ“ سے کیا جا رہا ہے۔ جو اس دور کی ہی نہیں برصغیر کی پوری تاریخ میں معرکے کی ایک کتاب ہے۔ ایک غیر فانی تصنیف کو معیار بنا کر دیگر تصانیف کو رد کر دینا تاریخ ادب میں بہت مہنگا سودا ہے۔ وگرنہ ابوالطیب الممتنی کے ارد گرد کوئی شاعر نہ بچے گا۔

ان معترضین کے برعکس کثیر تعداد ان بلند پایہ اصحاب کی بھی ہے۔ جنہوں نے آزاد کی شعری عظمت کو سلام کیا ہے۔ اور ان کی عربی شاعری کو موجب فخر گردانا ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے بیرون ہند عدم مقبولیت کا جواز پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بعض خارجی عوامل یعنی عدم اتصال خامی طبیعت اور علاقائی بغض کی وجہ سے آزاد کی شاعری اپنا حق حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ وگرنہ فی نفسہ اس میں کوئی خامی یا کوتاہی نہ تھی۔ ۹۲

نواب صدیق حسن خاں کا خیال ہے ”ولا لبعوق لاحد من علماء الهند من یکون له الشعر العربی لهذه الکثرة والثابته“ ۹۳

بالفاظ دیگر ”بچ شاعر قبل ایشاں ایں چنان نظم نکرده و ہرگز از اہل ہند سماعت نرسیدہ کہ اور ایک دیوان عربی باشد تا ہفت دیوان چہ رسد۔ ۹۴

علامہ حسنی کہتے ہیں ”انہ حسان الهند مداح النبی ﷺ او جد فی مدحہ کثیرہ قادرہ لم یتفق مثلہا لاحد من الشعراء المغلقین و ابداع فی قصائدہ المدحیۃ منی الصالم یبلغ مداہا فرد من الفصحأ المتدقین“ ۹۵

آزاد کی یہ مدحیہ شاعری میں عظمت ہی تھی کہ انہیں ”حسان الہند“ کا خطاب دیا گیا۔ آزاد کے تمام تذکرہ نگار انہیں حسان الہند کے لقب سے یاد کرتے ہیں جیسے۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

”و اعطی لقب حسان الہند من جهة الاستاد“ ۱۹۶ اور مزید یہ کہ ”وی حسان الہند است“ ۱۹ فقیر محمد جہلمی کہتے ہیں ”حسان الہند لقب اور آزاد تخلص تھا“ ۱۹۸ مولوی رحمن علی نے لکھا ”حسان الہند غلام علی آزاد“ ۱۹۹ ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں ”غلام علی آزاد کو بجا طور پر حسان الہند کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔“ ۱۰۰

الزکلی بھی حسان الہند کہہ کر تعارف کراتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں ”و لم یظم قبلہ فی شعر الہند من له دیوان عربی مثله“ ۱۰۱ ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ حسان الہند کا لقب ان کے لئے مخصوص ہے۔ مگر یہ لقب انہیں کیسے ملا اس کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔

”دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے“ نبی کریم ﷺ کی شان میں آپ کے قصیدہ مدحیہ پر علماء مکہ معظمہ نے آپ کو حسان الہند کا خطاب دیا۔ ڈاکٹر عبد الوحید قریشی کہتے ہیں ”خود ان کی زندگی میں انہیں حسان الہند کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔“ ۱۰۲ ڈاکٹر الثقافی نے ان آراء کا محاسبہ کیا ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ کی روایت کی تردید کی ہے کہ انہوں نے سب سے سارہ کے مختلف نسخے دیکھے ہیں کسی میں اس لقب کی نشان دہی نہیں ہوتی۔ آخر پر لکھا۔

”فاننماع احترامنا تقدیرنا لکاتب مقال آزاد فی دائرۃ المذکور فکان نجزم بآتہ لم یر“ السبع السیارة“ ۱۰۳ اذا فکیف یرخ له ضمیرہ و آمانتہ العلیہ ان یدکر مر جعاً لم یطلع علیہ ۱۰۴ الثقافی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ آزاد کو یہ لقب ان کی زندگی میں نہیں دیا گیا ”وقد صحبنا و عشامعہ فلم نعثر علی اثر لہذا القب فی مضافۃ و اشارہ مما یجعلنا نجزم بانہ لم یلقب بهذا القب الا بعد مماتہ من جہت للامیدہ والمحبین بہ۔“ ۱۰۵

الثقافی کو صرف یہ اصرار ہے کہ یہ لقب زندگی میں نہ ملا تھا لیکن ان کے حسان الہند پکارے جانے پر اعتراض نہیں ہے بلکہ ان کی رائے ہے۔

”لم یوجد فی شعر الہند الی الآن من له انتاج مثل آزاد لا فی نغزل

ولا فی المدیح النبوی وکما دافع حسن بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن الرسالة و صاحبها "علیه التحیة و السلام" فان آزاد اقتفی اثره فی المدح و حاول وان لم یبلغ مبلغه ، فاذا ما نظرنا الی النسبة فی هذا اللقب امکن لنا نقبله بدون اعتراض ۱۰۶۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حسان الہند کا لقب آزاد کا حق ہے۔ متنازعہ فیہ امر یہ ہے کہ یہ لقب انہیں زندگی میں ملا تھا یا بعد میں، درج بالا بحث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ لقب ان کی زندگی کے بعد کسی عقیدت مند نے ان کے نام کے ساتھ ملحق کر دیا، ڈاکٹر الثقافی نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ لقب ان کی کسی تحریر میں موجود نہیں اور نہ ہی ان کی زندگی میں اس کا کوئی حوالہ دستیاب ہے، حالانکہ دائرہ معارف کے فاضل مقالہ نگار کی طرح خود الثقافی کا دعویٰ بھی عدم معلومات کی وجہ سے ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لقب انہیں زندگی میں ہی مل چکا تھا اور انہیں اس پر فخر و ناز تھا آزاد کا شعر ہے۔

چوں مدح رسول کام من شد

حسان الہند نام من شد ۱۰۷۔

الغرض سید آزاد بلگرامی برصغیر کی عربی نعتیہ شاعری کے وہ گل سرسبد ہیں کہ جن کو برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا عربی شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔

حوالے

- ۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر ۱۔ ص ۱۰۴ (۲) مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۲
- (۳) مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۲ (۴) نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۲۰۱، تذکرہ ماباد ہندی ص ۳۶۳ (۵) مائثر الکرام مقدمہ ص ۳۲ (۶) مائثر الکرام مقدمہ ص ۳۷ (۷) حدائق الحنفیہ ص ۴۷۳ (۸)۔ اتحاف النبلاء ۳۲۰ (۹) مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۷ (۱۰) مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۷ (۱۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۱۰۶ (۱۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۱۰۶ (۱۳) مائثر الکرام ص ۲۹۲ (۱۴) نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۲۰۲۔ (۱۵) ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۹۲ (۱۶) نزہۃ الخواطر ص ۲۰۲ تا ۲۰۴ (۱۷) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ، الشلقا میص ۴۲، ۴۱ (۱۸) مائثر الکرام مقدمہ ص ۵۰ (۱۹) نزہۃ الخواطر الجزء السادس

ص ۳۰۲ (۲۰) علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۸۴ (۲۱) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ، الشلقامی ص ۳۴ (۲۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۴۱۱ (۲۳) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد ۲، عربی ادب ص ۳۶۲ (۲۴) مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۲۲ (۲۵) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ، الشلقامی ص ۴۵ (۲۶) مائثر الکرام مقدمہ ص ۵۵ (۲۷) دیوان ثانی ص ۳ (۲۸) دیوان اول ص ۲ (۲۹) دیوان اول ص ۲ (۳۰) دیوان اول ص ۱۵ (۳۱) دیوان ثانی ص ۲ (۳۲) دیوان اول ص ۳ (۳۳) دیوان اول ص ۷ (۳۴) دیوان اول ص ۸ (۳۵) دیوان اول ص ۳۳ (۳۶) دیوان ثالث ص ۳ (۳۷) دیوان ثالث ص ۱۰ (۳۸) دیوان اول ص ۳ (۳۹) دیوان اول ص ۲۱/۲۲/۳۰/۴۶ (۴۰) دیوان ثالث ص ۸/۴ (۴۱) دیوان اول ص ۲۳/۲۴ (۴۲) دیوان ثالث ص ۱۱ (۴۳) دیوان اول ص ۴۰ (۴۴) دیوان اول ص ۴۲ (۴۵) دیوان ثالث ص ۵ (۴۶) دیوان اول ص ۲۴/۳۷ (۴۷) دیوان ثالث ص ۱۶/۱۷ (۴۸) دیوان اول ص ۲۰ (۴۹) دیوان اول ص ۳۸ (۵۰) دیوان ثالث ص ۱۱ (۵۱) دیوان اول ص ۳۰/۳۱/۲۸ (۵۲) دیوان ثالث ص ۱۷ (۵۳) دیوان ثالث ص ۶/۳ (۵۴) دیوان اول ص ۳۰ (۵۵) دیوان ثالث ص ۱۱/۳ (۵۶) دیوان اول ص ۳۰ (۵۷) شعر غلام علی آزاد بلگرامی الشلقامی ص ۸۷ (۵۸) دیوان اول ص ۲۶/۲۸ (۵۹) دیوان اول ص ۴۴/۴۳/۴۱ (۶۰) دیوان اول ص ۱۰/۱۶ (۶۱) دیوان ثانی ص ۳ (۶۲) دیوان اول ص ۳۴ (۶۳) دیوان اول ص ۲۲/۴۷ (۶۴) دیوان اول ص ۳/۵ (۶۵) دیوان اول ص ۱۱ (۶۶) دیوان اول ص ۱۱ (۶۷) دیوان اول ص ۴ (۶۸) دیوان ثالث ص ۵ (۶۹) شعر غلام علی آزاد بلگرامی الشلقامی ص ۲۹۴ (۷۰) دیوان اول ص ۷ (۷۱) دیوان ثالث ص ۱۰/۵ (۷۲) دیوان اول ص ۲۳ (۷۳) دیوان ثالث ص ۷ (۷۴) دیوان اول ص ۱۶/۲۷ (۷۵) دیوان ثالث ص ۱۳ (۷۶) دیوان اول ص ۱۵ (۷۷) سبتہ المرجان ص ۱۲۵ (۷۸) سبتہ المرجان ص ۱۲۵ (۷۹) دیوان اول ص ۴۱ (۸۰) شعر غلام علی آزاد بلگرامی الشلقامی ص ۵۲ (۸۱) شعر غلام علی آزاد بلگرامی ص ۵۲ (۸۲) دیوان اول ص ۳۴ (۸۳) دیوان اول ص ۱۶ (۸۴) مائثر الکرام پیش لفظ از ڈاکٹر وحید قریشی ص ۲۰/۲۲ (۸۵) الشعر والشعراء ص ۷ (۸۶) تذکرہ اسلاف حالات مشائخ کاندھلہ ص ۱۵۲ (۸۷) الہلال ۱۱ محرم ۱۴۳۲/۱۰ دسمبر ۱۹۹۲ ص ۱۳ (۸۸) مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۲۲ (۸۹) تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند جلد دوم عربی ادب ص ۲۴ (۹۰) تاریخ ادبیات

مسلمانان پاکستان و ہند جلد دوم عربی ص ۲۲ شعر غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۱۸ (۹۱) شعر غلام علی آزاد بلگرامی ص ۱۸۷ (۹۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۱۰۹ (۹۳) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۴۵ (۹۴) ابجد العلوم الجزء الثانی ص ۹۲۲ (۹۵) اتحاف النبلاء ص ۳۳۱ (۹۶) نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۲۰۴ (۹۷) ابجد العلوم الجزء الثالث ص ۹۲۲ (۹۸) اتحاف النبلاء ص ۳۳۱ (۹۹) حدائق الحنفیہ ص ۴۷۲ (۱۰۰) تذکرہ علمائے ہند ص ۳۶۲ (۱۰۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۲۲۱ (۱۰۲) الاعلام الجزء الخامس ص ۳۱۴ (۱۰۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ ص ۱۰۵ (۱۰۴) مائثر الکرام پیش لفظ ص ۱۹ (۱۰۵) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ۔ الشلقامی ص ۲۹ (۱۰۶) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ۔ الشلقامی ص ۲۹ (۱۰۷) شعر غلام علی آزاد بلگرامی فی العربیہ۔ الشلقامی ص ۲۹ (۱۰۸) خزائن عامرہ ص ۴ (۱۰۹) مائثر الکرام مقدمہ ص ۵۴۔

ڈاکٹر مشاہد رضوی (مالیگاؤں)

حسان الہند علامہ سید میر غلام علی آزاد بلگرامی

کشور ہندوستان میں اسلام و ایمان، علم و فضل اور شعر و ادب کی ترویج و بقا میں صوبہ اتر پردیش بڑا ہی زرخیز واقع ہوا ہے۔ اس صوبے کی علمی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ یہاں سے علوم و فنون کی وہ ندیاں رواں دواں ہوئیں کہ گلشن معرفت و روحانیت آج تک سرسبز و شاداب ہے، اس خطے کو شیراز ہند بھی کہا جاتا ہے۔ ریاست اتر پردیش کے مختلف اضلاع اور شہروں میں بڑے بڑے علما و صلحا، فقہا و صوفیہ اور مشائخ عظام نے اپنا مسکن بنا کر تزکیہ باطن اور اصلاح و تذکیر کے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ جون پور، لکھنؤ، الہ آباد، چریاکوٹ، کاکوری، سندیلہ، موہان، خیر آباد، بریلی، مبارک پور، کچھوچھ، لاہر پور، بلگرام وغیرہ نہ جانے ایسے کتنے شہر ہیں جہاں علوم و فنون میں یگانہ، درس و تدریس میں مثاق، شعر و ادب میں ممتاز اور تصنیف و تالیف میں منفرد ہستیاں جلوہ گر ہوئیں اور ان کی علمی یادگاریں آج بھی اہل علم و دانش اور تشنگان علم و فن کو سیراب کر رہی ہیں۔

بلگرام اسی ریاست کے ضلع ہردوئی کی بہ ظاہر ایک چھوٹی سی بستی کا نام ہے۔ مگر اس کی شہرت اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ بستی دینی و علمی، روحانی و عرفانی، شعری و ادبی اور جغرافیائی لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ بادشاہ شمس الدین التمش کے دور حکومت میں مسلمانوں کے قدم اس سرزمین پر پہنچے اور یہاں اسلامی شان و شوکت اور تہذیب و تمدن کا چرچا ہوا۔ ساتویں صدی ہجری میں یہاں قدم رنجہ فرمانے والے مسلمانوں میں سادات زید یہ کا بھی ایک خاندان تھا۔ جس میں جید علما، اولیا، صوفیہ، شعراء، ادباء، حکماء اور فقہاء گذرے ہیں۔ جنہوں نے بلگرام شریف کی سرزمین کو ایسا تقدس عطا کیا کہ یہ اسلامی علوم و فنون کا گنجینہ، تزکیہ نفس و طہارت قلبی کا مرکز، شعر و ادب اور علم و فن کا گہوارہ بن گئی۔

فاتح بلگرام حضرت سید محمد صغرا نور اللہ مرقدہ (م 627ھ) نے اس شہر کو فتح کیا اور یہیں فروکش ہو گئے۔ بلگرام کی فتح، اس کے تاریخی پس منظر، جغرافیائی محل وقوع اور بلگرام کی وجہ تسمیہ کو سمجھنے کے لیے اس مقام پر ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ یافتہ مشہور ادیب و شاعر شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی) کی عبارت ذیل کو پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ موصوف اپنی کتاب ”یا حسن“ میں رقم طراز ہیں:

”بلگرام ہندوستان کے صوبہ اودھ کا مشہور و معروف مردم خیز قصبہ ہے۔ آج کل ہر دوئی کے توابع میں ہے۔ اس کا طول البلد ایک سو سولہ درجے اور پندرہ دقیقے اور عرض البلد چھبیس درجے پچپن دقیقے، سمت قبلہ پچپن دقیقے، مغرب سے شمال کی جانب مسافت بلگرام اور مکہ مکرمہ کے درمیان پینتیس درجے تریپن دقیقے اور فرخوں کے اعتبار سے فاصلہ بلگرام اور بلد الحرام کے درمیان سات سو نو اسی فرسخ ہے۔ اس کا نام پہلے وہاں کے راجا کے نام پر سری نگر تھا۔ حضرت شاہ حمزہ صاحب ”فص الکلمات“ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت تک بھی یہ نام عوام اور ہندوؤں کی زبان پر جاری تھا۔ حضرت جدی صاحب البرکات قدس سرہ نے بھی اپنے ہندی دوہے میں فرمایا ہے۔

ہم باتے سری نگر کے، آئے بسے سب چھور

مارہرے سے نگر موم جہاں ساہ نہیں چور

ہم پورب کے پوربیا جات نہ بوجھے کوئے

جات پات سو بوجھے جو ڈھر پورب کا ہوئے

ہمارے حضرت جد اعلیٰ سید محمد صغرا نے بعد فتح، بلگرام کو مرکز دائرۃ اسلام بنا کر اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھ دیا (فص ماثر) اور پھر یہی مشہور ہو گیا، یہاں تک کہ اب کوئی سری نگر نہیں کہتا۔ فقیر کہتا ہے شاید اس نام سے موسوم اس لیے کیا گیا ہے کہ بعد کے لوگوں کو یہ نام شوکت و قوت اسلام کی یاد دلاتا رہے کہ وہ مقام جو ”نیل“ ایسے دیولین کا ”گرام“ و جائے قیام تھا۔ آج بفضلہ تعالیٰ و بحولہ و قوتہ جل جلالہ نہایت کدہ شعائر اسلام ہے۔ اس لیے کہ یہ نام مرکب ہے دو لفظوں سے ایک نیل، دوسرا گرام بہ معنی مقام و شہر و آبادی... اور نیل ایک دیولین کا نام تھا جسے اس زمانے کے جوگی اور ساحر جو بلگرام میں بہت رہتے تھے، کو ہستان کشمیر سے پوجا پاٹ اور جادو سیکھنے کے ذریعے سے تسخیر کر کے اپنی مدد اور اعانت کے لیے یہاں لائے اور اسے یہاں رکھا تھا۔ یہ شیطان لعین ایسا زبردست تھا کہ دور دور تک اپنے مخالف کو نہ رہنے دیتا اور سوائے اپنی پوجا کے

کسی کی پوجا نہ ہونے دیتا۔ اگر کوئی اسے نہ پوجتا تو اسے آزار و اذیت پہنچاتا۔ حضرت خواجہ عماد الدین بلگرامی قدس سرہ نے حضرت سید محمد صفرا کے بلگرام فتح کرنے سے چند سال پہلے اپنی قوت باطنی اور زور روحانی سے بحول و قوت الہی اس دیولعین کو خاک کر ڈالا۔ جب یہ خبر راجا بلگرام کو پہنچی، اس نے چاہا کہ حضرت خواجہ پر فوج کشی کرے۔ اس کے مشیروں نے سمجھایا کہ ہم نے اپنی پوتھیوں میں دیکھا ہے کہ ایک زمانہ میں اس سرزمین پر مسلمان چھا جائیں گے اور جوان سے مقابلہ کرے گا وہ بجز ذلت و ناکامی اور کچھ نتیجہ نہ پائے گا۔ لہذا ان درویش سے تعرض نہ کرنا چاہیے جو ایسے زبردست ہیں کہ جس نیل دیولعون کے بل بوتے پر ہم کو دتے تھے، اسے انھوں نے ایک دم میں نابود کر ڈالا۔ تیری کیا طاقت ہے جو ان سے مقابلہ کر سکے گا۔ آخر راجا نے فوج کشی سے باز آ کر ایک جوگی کو جو سحر سحر میں طاق تھا، حضرت کے مقابلہ میں بھیجا۔ حضرت کے سامنے اس نے کچھ سحر کے شعبدے دکھائے جنہیں حضرت نے بحول و قوت الہی دفع کر دیا۔ آخر وہ جوگی مشرف بہ اسلام ہو کر راجا کے پاس واپس گیا اور اپنے سحر کی بے اثری اور حضرت کے زورِ باطن اور دین اسلام کی بزرگی و قوت بیان کر کے راجا کو دعوتِ اسلام دی۔ اس سے راجا غصہ ہو کر بولا: تو پرانا رفیق ہے ورنہ میں تجھے مروا ڈالتا۔ اس نے کہا تیری کیا طاقت ہے جو مجھے مروا ڈالے۔ میں نے ایسے برگزیدہ حق کا ہاتھ پکڑا ہے کہ تیرے ایسے ہزاروں اس کے سامنے خس برابر ہیں۔ اور وہاں سے آ کر حضرت خواجہ صاحب سے اس راجا مغرور کے تعصب کفر کا حال بیان کر کے اس کے قلع قمع کے لیے عرض کیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: اس نیل دیولعین کو مار ڈالنا تو فقیر کے ہاتھ سے مقدر تھا جو واقع ہوا اور اس کا فر راجا کا استیصال بھی کچھ دشوار نہیں۔ مگر تقدیر الہی میں یوں جاری ہو چکا ہے کہ ولایت سے ایک سید مسلمانانِ اہل عرب کی فوج کے ساتھ آ کر راہِ حق میں جہاد کرے گا اور ان کافروں کو ان کے مقر اصلی جہنم پہنچائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضرت سید محمد صفرا نے آ کر بلگرام فتح فرمایا اور اسلام آباد کر دیا (نظم اللہ علی)۔

جہاں سے بڑے بڑے اکابر اولیا و علما و فضلا و کملا مثل حضرت سید شاہ بڈھ بلگرامی و حضرت سید میر عبد الواحد بلگرامی، صاحبِ سبع سنابل و حضرت طیب و حضرت سید العارفین شاہ لدھا بلگرامی و علامہ سید عبد الجلیل بلگرامی و حضرت حسان الہند مولانا غلام علی آزاد اور حضرت علامہ زماں سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی یحییٰ، صاحبِ تاج العروس شرح قاموس وغیرہم اجلہ اکابر نام دارا ٹھے، جنکے فضائل و کمالات علمی و عملی آج بھی چہار دانگ عالم میں مشہور و معروف ہیں۔“

بلگرام شریف کی عظمت و رفعت پر ہر دور کے علما و فضلا اور دانشوروں نے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ سادات مارہرہ مطہرہ کے مورث اعلیٰ مشہور بزرگ حضرت سید میر عبد الجلیل بلگرامی قدس سرہ (م 1725ء) ”امواج الخیال“ میں بلگرام کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں۔

سبحان اللہ چہ بلگرامے
کوثر نے آفتاب جاے
خاکش گلِ نوبہار عشق است
آبش نے بے خمار عشق است
از عشق سرشت ایزد پاک
از روزِ ازل خمیرِ این خاک

حضرت میر عبد الجلیل بلگرامی قدس سرہ کے فرزند ارجمند حضرت میر سید محمد شاعر بلگرامی علیہ الرحمہ بلگرام کی مدحت میں یوں گویا ہیں۔

سیرِ باید کرد یاراں، نوبہارِ بلگرام
بر زمرہ ناز دارد سبزہ زارِ بلگرام
ہر نفسِ عطرِ گلستانِ یمنِ یو می کند
خوش دماغاں از نسیمِ مشکِ بارِ بلگرام
اہلِ معنی کسبِ انوارِ سعادت می کنند
از سوادِ اعظمِ دولتِ مدارِ بلگرام

یادِ ہندوستان کجا از خاطرِ طوطی رَوَد
می کند شاعرِ بجا وصفِ دیارِ بلگرام
علاوہ ازیں مجددِ اعظمِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (م 1340ھ/ 1921ء)
بلگرام شریف کی مقدس خاک کے لیے یوں اپنا نذرِ خالص و عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اللہ اللہ! عز و شان و احترامِ بلگرام
عبدِ واحد کے سبب جنت ہے نامِ بلگرامِ روزِ عرس
آوارگانِ دشتِ غربت کے لیے
من و سلوئی ہیں مگر خمیر و اَدامِ بلگرام

آسماں عینک لگا کر مہر و مہ کی دیکھ لے
جلوۂ انوارِ حق ہے صبح و شام بلگرام
تھا ”بما استحبت بلدہ“ کا پانچ بالکرام
مرکزِ دین میں ٹھہرا یہ نام بلگرام
یادگار اب تک ہیں اس گل کی بہارِ فیض کے
خندہ ہائے گلِ رُخاں و لالہ فام بلگرام
لائی ہے اس آفتابِ دیں کی تحویلِ جلیل
ساغرِ مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام

مغل بادشاہ اکبر کے عہد سے بلگرام شریف کی مذہبی و دینی اور علمی و ادبی خدمات کا پوری دنیا میں طوطی بول رہا ہے۔ یہاں کے علما و صلحا، فقہا و صوفیہ، حکما و کملا اور شعرا و ادبا کی خدماتِ جلیلہ کا ایک جہاں معترف ہے۔ انھیں بلند پایا شخصیات میں ایک قد آور اور مایہ ناز نام حضرت حسان الہند علامہ سید میر غلام علی آزاد چشتی واسطی بلگرامی قدس سرہ کا بھی ہے۔

نام و نسب اور والدین

حضرت حسان الہند علامہ غلام علی آزاد چشتی واسطی بلگرامی قدس سرہ نسباً حسینی، اصلاً واسطی، مذہباً حنفی، مشرباً چشتی اور مولداً و منشا بلگرامی ہیں۔ آپ اپنے زمانے کی مشہور علمی و روحانی شخصیت حضرت سید نوح حسینی بلگرامی کے جلیل القدر فرزند ہیں۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کے والد گرامی تقوا و پرہیزگاری اور استقامت فی الدین میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کی والدہ ماجدہ حضرت میر سید عبد الجلیل بلگرامی قدس سرہ بن سید احمد قدس سرہ کی دختر نیک اختر تھیں، آپ قائم اللیل اور صائم النہار خاتون تھیں۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

پدری شجرہ نسب

علامہ غلام علی آزاد بن سید نوح بن سید فیروز بن اللہ داد بن سید امان اللہ بن محمود ثانی بن سید حسین بن سید نوح بن سید محمود اول بن سید خداداد بن سید لطف اللہ بن سید سالار بن سید حسین بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید محمد صاحب الدعوة الصغر ابن سید علی بن سید حسین بن

سید ابوالفرح ثانی بن سید ابوالفراس بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داود بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہید کربلا بن سیدنا علی مرتضیٰ زوج دختر رسول فاطمۃ الزہراء۔

مادری شجرہ نسب

علامہ غلام علی آزاد بن دختر علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی بن سید احمد بن سید عبداللطیف بن سید محمود ثانی بن سید حسین بن سید نوح بن سید محمود اول بن سید خداداد بن سید لطف اللہ بن سید سالار بن سید حسین بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید محمد صاحب الدعوة الصغریٰ بن سید علی بن سید حسین بن سید ابوالفرح ثانی بن سید ابوالفراس بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داود بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہید کربلا بن سیدنا علی مرتضیٰ زوج دختر رسول فاطمۃ الزہراء۔

ولادت باسعادت

حضرت حسان الہند میر سید غلام علی آزاد چشتی واسطی بلگرامی کی ولادت باسعادت 25 صفر المظفر 1116ھ / 1704ء بروز اتوار کو بلگرام شریف میں فاتح بلگرام حضرت سید محمد صغیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقدس خانوادہ میں ہوئی۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کی نشوونما اسی مقدس دیار میں ہوئی۔ آپ نے روحانیت و عرفانیت سے مملو ایسے ماحول میں بچپن اور عفتوان شباب کی منزلیں طے کیں جہاں علم و فضل اور زہد و تقوا کا چشمہ جاری تھا۔ آپ دادیہال اور نانیہال دونوں ہی طرف سے فاتح بلگرام حضرت سید محمد دعوة الصغیر انور اللہ مرقدہ کی نسبت سے صغریٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ جس خاندان میں بڑے بڑے شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت اور علوم و فنون کی شخصیات نے جنم لیا تھا۔ ایسے دینی، اسلامی اور روحانی ماحول نے حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کو بچپن ہی سے خوب نکھارا اور کندن بنادیا۔

تعلیم و تربیت

علوم و فنون کے مرکزی شہر بلگرام سے تعلق رکھنے والے اس عظیم فرزند نے زیادہ تر

اپنے خاندانی علماء و اولیا کی آغوش میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اپنے عہد کے مشہور و معروف اور قابل استاذ، عالم جلیل حضرت علامہ سید طفیل محمد ابن شکر اللہ حسینی اتر ولوی ثم بلگرامی علیہم الرحمہ (م 1151ھ) سے بھی علامہ آزاد بلگرامی نے درسیات کی جملہ منقولات و معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ اور اپنے نانا حضرت علامہ سید عبدالجلیل ابن سید میر احمد حسینی واسطی بلگرامی علیہم الرحمہ سے لغت و سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) احادیث طیبہ کی اسناد اور عربی و فارسی کے اشعار کا درس لیا۔ آپ سے حدیث ”المسلسل بالآولی“ اور حدیث ”الآسودین التمر والماء“ سماعت کی، اس درس میں آپ کے خالہ زاد بھائی علامہ میر سید یوسف قدس سرہ (ولادت 1116ھ) بھی آپ کے ساتھ ہا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی کتاب ”ماثر الکرام“ میں نانا حضور علامہ سید میر عبدالجلیل بلگرامی قدس سرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ آزاد لکھتے ہیں کہ:

”بندہ اور میر محمد یوسف کہ ہم دونوں حضور کے حقیقی نواسے ہیں، شرف تلمذ

سے سعادت اندوز ہوئے اور دونوں نے سند حدیث بالاولیۃ اور حدیث الاسودین

اور اکثر کتب احادیث کی اجازت حاصل کیں۔“ (427)

طرح فن شاعری کی باریکیاں، عروض و قوافی اور کچھ دیگر ادبی علوم و فنون اپنے ماموں محترم حضرت سید محمد ابن سید عبدالجلیل بلگرامی (ولادت 1101ھ) سے حاصل کیے۔ علاوہ ازیں جب حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی 1151ھ میں حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ تب مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ محمد حیات سندھی مدنی قدس سرہ سے (م 1163ھ) سے بخاری شریف کا درس لیا اور صحاح ستہ کی اجازت لی۔ اور حضرت شیخ عبدالوہاب طنطاوی قدس سرہ (م 1157ھ) کی فیض بخش صحبت بھی آپ کو میسر آئی۔ ان سے علامہ آزاد بلگرامی نے فن حدیث اور اصول حدیث کی باریکیاں اور دقائق سے متعلق بھرپور استفادہ کیا۔ اس ضمن میں علامہ آزاد نے ”ماثر الکرام“ میں خود اپنے پیند کرے میں رقم طراز ہیں۔

”مدینہ منورہ علیہ التحیۃ والثناء میں شیخنا و استاذنا مولانا شیخ محمد حیات سندھی مدنی

حنفی قدس سرہ کی خدمت میں بخاری کی قراءت کی اور صحاح ستہ اور مولانا کی تمام

مفردات کی اجازت بھی حاصل کی۔“ (ص 441)

اساتذہ کی عنایتیں

حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی نے جن جن اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا انھوں نے آپ پر بے انتہا شفقت و مہربانی فرمائی۔ دراصل خود علامہ آزاد اپنے اساتذہ کا بے حد ادب و احترام سے کرتے تھے اور آپ کو علوم و فنون کی تحصیل میں جو لگن اور دلچسپی تھی اس کے سبب بھی آپ اپنے اساتذہ کے منظورِ نظر تھے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت میر سید محمد طفیل بلگرامی قدس سرہ آپ سے بے پناہ محبت اور خاص عنایت فرماتے تھے۔ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی اور آپ کے حقیقی خالہ زاد بھائی حضرت علامہ میر سید محمد یوسف قدس سرہم دونوں ہی ہم سبق تھے، ان دونوں خالہ زاد بھائیوں سے اساتذہ کی شفقتیں اور محبتیں نیز ان حضرات کا اپنے اساتذہ کے تئیں احترام و عقیدت کے جذبات فی زمانہ مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔

علامہ آزاد نے مکہ معظمہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب طنطاوی قدس سرہ (م 1157ھ) سے بھی علم دین حاصل کیا جب آپ نے حضرت طنطاوی قدس سرہ کی بارگاہ میں اپنا تخلص ”آزاد“ پیش کیا تو حضرت نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”یاسیدی! انت من عتقاء اللہ تعالیٰ“ یعنی اے میرے آقا! آپ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ خاص بندوں میں سے ہیں۔

(مآثر الکرام، ص: 261)

استاذِ محترم کی اس عنایتِ خسروانہ پر علامہ آزاد نے یوں اظہارِ خیال کیا کہ:

”شیخ قدس سرہ کی اس مبارک عطا سے جو اس گرفتار کے بارے میں زبانِ مبارک

سے نکلی بہت امیدیں آخرت میں رکھتا ہے۔“ (مآثر الکرام، ص: 261)

اسی طرح علامہ آزاد بلگرامی اپنے استاذِ نانا حضور حضرت علامہ میر سید عبدالجلیل بن سید احمد

قدس سرہم کی عنایتوں اور نوازشوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”راقم الحروف آں جناب کا حقیقی نواسا ہے اور اس آفتاب سے بھیک مانگنے والا

ایک ذرہ ہے۔ مجھ ناچیز کے حال پر بہت مہربان تھے۔ دارالخلافت شاہ جہاں آباد کی

ملازمت کے زمانے میں دوبار فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ تمہارے وجود کے لیے کوئی

نشانی مجھ سے باقی رہے۔“ (مآثر الکرام، ص: 393)

علامہ آزاد سے ان اساتذہ نے جو محبتیں کیں آپ نے اپنی اکثر تصانیف میں ان کا ذکر کیا

ہے ساتھ ہی بعض اساتذہ کے لیے عربی میں شان دار مدحیہ قصائد بھی ارقام فرمائے ہیں۔ یہ قصائد

شعر و ادب کا گنجینہ ہونے کے ساتھ اپنے مہدوحین سے سچی محبت و عقیدت کا اظہار یہ ہیں۔ نانا جان میر سید عبدالجلیل بن سید احمد بلگرامی کی شان میں لکھے گئے قصیدے کے بارے میں مولانا سید مصطفیٰ سورتی فرماتے ہیں کہ: ”یہ قصیدہ حق رکھتا ہے کہ اس پر رشک کیا جائے۔“ (ماثر، ص: 394)

بیعت و خلافت

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی جس عالی نسب خاندان کے چشم و چراغ تھے اس کی میدانِ تصوف میں خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ کو بچپن ہی سے تصوف و روحانیت اور معرفت و طریقت سے گہرا لگاؤ تھا۔ آپ کم عمری ہی سے ذکر و فکر اور تزکیہ و مجاہدہ میں مصروف رہا کرتے تھے۔ تصوف و معرفت کی اسی تشنگی کو بجھانے کے لیے آپ نے تصوف کے دو مشہور سلاسل چشتیہ و قادریہ کے حسین سنگم شیخ کامل سید العارفین سدا کا ملین حضرت علامہ شاہ سید لطیف اللہ شاہ عرف لدہا بلگرامی نور اللہ مرقدہ (م 1143ھ) کے دستِ حق پرست پر 1137ھ میں بیعت ہو کر سلسلہ چشتیہ و قادریہ میں داخل ہوئے۔ اور حضرت شیخ لدہا قدس سرہ کی جانب سے سلسلے کی اجازت و خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ سید العارفین حضرت علامہ شاہ سید لطیف اللہ شاہ عرف لدہا بلگرامی کی شخصیت شریعت و طریقت کے رازوں کا سرچشمہ تھی۔ آپ کو اپنے زمانے کے علماء و مشائخ اور صوفیہ کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ بڑے بڑے فضلا آپ کی روحانی و عرفانی تربیت پر فخر کیا کرتے اور شرفِ بیعت حاصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ فضل اللہ کاپوری قدس سرہ نے بھی آپ سے ایک مدت تک اکتسابِ فیض کیا اور خانقاہ مارہرہ مطہرہ کی عظیم روحانی و علمی شخصیت حضرت سید شاہ برکت اللہ عشتیٰ و تہمی مارہروی قدس سرہ نے بھی حضرت سید العارفین قدس سرہ سے تربیت پائی اور اجازت حاصل کی۔

سیر و سیاحت

ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد) کے مطابق علامہ آزاد بلگرامی کے بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ نے بلگرام میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے دہلی کا قصد کیا تھا۔ لیکن وہاں انھوں نے کیا پڑھا اور کس سے پڑھا اس ضمن میں سوانح نگاروں کی زبانیں خاموش ہیں۔ بہر حال! تعلیم سے مکمل فراغت کے بعد اپنے ماموں حضرت سید محمد بلگرامی کے بلانے پر آپ نے سندھ کا سفر اختیار فرمایا، جہاں علامہ آزاد کے

ماموں ایک سرکاری منصب پر فائز تھے۔ آپ کے وہاں پہنچنے پر ان کے ماموں نے انھیں اپنا قائم مقام بنا کر بلگرام واپس آگئے جہاں وہ چار سال تک مقیم رہے۔ اس دوران علامہ آزاد نے ان کی تمام تر ذمہ داریوں کو بہ حسن و خوبی نبھایا۔ سندھ سے جب علامہ آزاد نے واپسی اختیار فرمائی تو انھیں دہلی میں یہ اطلاع ملی کہ ان کا خاندان عارضی طور پر الہ آباد میں قیام پذیر ہے تو انھوں نے دہلی سے الہ آباد کا سفر کیا اور وہاں کچھ عرصہ مقیم بھی رہے۔

سفر حج و زیارتِ حرمین شریفین

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں جنھیں بچپن ہی میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ تب سے ہی علامہ آزاد مکہ معظمہ اور روضہ رسول کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے بے تاب و بے قرار رہا کرتے تھے کہ کسی طرح پر پرواز مل جائے اور اڑ کر یہ غلام و شیدائے مکہ معظمہ اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو جائے، اس سلسلے میں خود علامہ آزاد نے یوں روشنی ڈالی ہے:

”اس جلوہ احمدی کے شیدائے اور فتراک محمدی کے شکار نے کم سنی ہی میں ایک خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ زادہ اللہ تعالیٰ میں حاضر ہوں اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی ایک محراب میں کھڑے ہیں۔ فقیر نے حضور میں حاضری دی، آپ نے خوب توجہ فرمائی اور مسکراتے لبوں سے چند باتیں ارشاد فرمائیں۔ اب تک وہ جمال جہاں آرا خاص طور پر تبسم مبارک کی چمک دمک میری نگاہوں میں ہے، اسی وقت سے جب بھی یہ خواب یاد آتا ہے تو شوق کی زنجیر ہلا جاتا ہے۔“ (ماثر الکرام، ص: 434)

کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک تبسم کی یاد زیارتِ حرمین شریفین کے لیے شوق اور تڑپ کو بڑھاتی رہی۔ جب حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی میں صبر و قرار کی تاب نہ رہی تو اس عاشق و شیدا پر رحمتِ رب اور عنایتِ رسول (جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم) ہو ہی گئی اور رجب المرجب بروز پیر 1150ھ مطابق بہ عدد ”سفر خیر“ پیدل اور تنہا آپ گھر سے کوچہ جاناں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بغیر کچھ سامان سفر لیے چل پڑے۔ آپ نے اپنے اس عزم بالجزم کی کسی کو مطلق خبر بھی نہ ہونے دی اور دیوانگی شوق کے مارے سوئے حرم نکل پڑے۔ لیکن آپ کا یہ جوش بے ہوش جوش نہیں تھا بل کہ یہ جوش باہوش تھا۔ آپ نے مشہور و معروف شاہراہوں کے بجائے غیر معروف راستوں صحراؤں اور بیابانوں کا انتخاب کیا تا کہ کوئی ان کی راہِ محبت میں رکاوٹ نہ بن

جائے اور ایسا ہی ہو گیا جب آپ کے گھر والوں کو اس بات کا علم ہوا کہ آزاد تین تہا اور بے سروسامانی کے عالم میں عازم حج بیت اللہ ہوئے ہیں تو ان کے بھائی میر سید غلام حسین ان کی تلاش میں نکلے، لیکن وہ ان ہی راستوں پر چل رہے تھے جو حج کے مشہور راستے تھے کئی منزلوں تک ان کی تلاش جاری رہی، لیکن علامہ آزاد کو نہ ملنا تھا وہ نہ ملے۔ بالآخر میر سید غلام حسین درمیان ہی سے واپس آ گئے۔ علامہ آزاد نے بے خودی اور بے تابی کے عالم میں جو یہ مبارک سفر اختیار فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوب مدد کی۔ آپ نے خود اپنے اس سفر کی روداد لکھی ہے، سفر میں پیش آنے والے حالات و واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ یہ روداد عربی و فارسی نثر و نظم دونوں میں ہے، آپ نے اپنے سفر نامے کو بڑے ہی مؤثر، دل پذیر، رقت انگیز اسلوب اور خوب صورت پیرایہ بیان میں رقم کیا ہے جو بہت خاص کی چیز ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی مشہور تصنیف ”سبحة المرجان فی تاریخ ہندوستان“ میں جو اپنی خود نوشت سوانح تحریر کی ہے اس میں بھی سفر حرمین شریفین کا حصہ ہی غالب ہے۔ فارسی میں ”طسم اعظم“ کے نام سے آپ کی ایک طویل مثنوی ہے جو خاص اس مبارک و مسعود سفر کے احوال و آثار پر مشتمل ہے۔ اور یہی عنوان اس سفر کا مادہ تاریخ بھی ہے۔ عربی و فارسی کے متعدد قصائد میں بھی آپ نے اپنے اس جذب و شوق کا والہانہ اظہار کیا ہے۔

مالوہ میں آمد

سفر حرمین کے لیے جب حسان الہند حضرت علامہ غلام علی آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ وطن سے نکلے تو راستے کے مصائب و آلام اور تکالیف سے دوچار ہوتے ہوئے مالوہ پہنچے۔ آپ کے پیروں میں آبلے پڑ چکے تھے۔ چنانچہ اس کا ذکر اپنے فارسی قصیدے میں اس طرح نظم کیا ہے۔

می بریدم رہے بہ پائی
با رفیقے کہ بود تنہائی

جب آپ مالوہ پہنچے تو وہاں نواب آصف جاہ ایک اہم مہم کے سلسلے میں موجود تھا۔ ان کے ساتھ ان کا لشکر بھی تھا۔ آپ کو دیکھ کر ہی یہ ظاہر ہوتا تھا کہ آپ ایک طویل سفر طے کر کے آرہے ہیں۔ نواب آصف جاہ کے سپاہیوں نے آپ کی خوب مہمان نوازی کی۔ جب آپ کی نواب آصف جاہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے باوجود بڑی شانِ استغنا کے نواب کی شان میں یہ رباعی کہی۔

اے حامی دیں محیطِ جود واحسان
حق داد ترا خطاب آصف جہاں
او تخت بدرگاہِ سلیمان آورد
تو آلِ نبی را بہ در کعبہ رساں

یعنی: اے دین کے حامی بخشش اور احسان کا سمندر حق تعالیٰ نے آپ کو آصف جہاں کا لائق خطاب عطا فرمایا۔ وہ آصف سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کا تخت لایا تھا آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو کعبہ کے دروازے تک پہنچا دو۔

چنانچہ نواب صاحب نے آپ کے لیے زادِ راہ اور رتھ نما سواری کا انتظام کیا۔ چنانچہ وہ رتھ بھی آپ کو بہت کام آیا جس کا ذکر قصیدے میں یوں کیا ہے۔

رُت لباسِ خوش الوان
راہ رفتہ بساں تختِ رواں

علامہ آزاد نواب کی شان میں لکھی گئی رباعی کے بارے میں یوں راقم ہیں کہ: ”فقیر نے موزونی طبع کے باوجود اغنیا کی مدح میں پوری عمر کبھی زبان نہیں کھولی صرف یہ رباعی ہے جو سفر بیت اللہ کی استعانت کی خاطر سرزد ہوئی اور دو عربی شعر جو دفتر ثانی میں نواب نظام الدولہ کے ترجمے میں مذکور ہوں گے۔“ اس امر سے حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کی شانِ استغنا ظاہر ہوتی ہے۔

مالوہ سے رخصت ہو کر حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ محرم الحرام 1151ھ وجہ پہنچ گئے۔ حسن اتفاق کہ سلسلہ چشت کہ ایک بزرگ حضرت سید محمد فاخر زائر الہ آبادی علیہ الرحمہ (م 1162ھ) پہلے سے وہاں موجود تھے۔ دونوں ہم عصر اور ہم مشرب بھی تھے اور ساتھ ساتھ پہلے سے باہم تعارف بھی۔ علامہ آزاد نے عمرہ ادا کیا اور کعبۃ اللہ سے مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے۔ آپ لکھتے ہیں کہ: ”چوں کہ مدینہ بسکینہ علی صاحبہا الصلاۃ والتخیر کا شوق جلوہ ریز تھا۔ اس لیے اپنے اندر صبر کی طاقت نہ پا کر 26 محرم الحرام کو روز جمعہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ مقدسہ کا راستہ لیا۔ پچیسویں صفر کہ میں اسی تاریخ میں پردہ عدم سے شہرستانِ ہستی میں ظاہر ہوا تھا۔ اور قدم چھتیسویں منزل میں رکھ چکا تھا۔ صبح کے وقت مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے نظارے کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، آرزو مند آنکھوں کو روضۂ اقدس کے قبے پر ملا۔“

علامہ آزاد علیہ الرحمہ نے مدینہ منورہ کی پاکیزہ فضاؤں میں نہایت شان دار بہاریہ نعتیہ غزل قلم بند فرمائی، جس کا مطلع ہے۔

نمود جلوہ اعجازِ شمعِ مطلی
نہ ماند شوئی چشمِ شرارِ بولہی

فارسی کے علاوہ عربی میں آپ نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا۔ جو ”تسلیہ نوادی قصائد آزاد“ میں درج ہے۔ یہ قصیدہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں آپ کی بے پناہ اور والہانہ محبت و وارفتگی کا آئینہ دار ہے۔ بارگاہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی بے تاب تمنائوں اور بے چین آرزوؤں کا اظہار کرتے ہوئے علامہ آزاد نے یوں عرض کیا ہے۔

قد جئت بآبک خاشعا متضرعا

مالی وراک کاشف الضرء

احسن الیٰ ضیف بآک واقف

شان الکرام ضیافۃ الغرباء

بچپن ہی سے حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کے دل میں اپنے جدِ اعلیٰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس آستانے پر حاضری کے لیے بے چین اور بے قرار تھے، آج آپ کی ولی مراد برآئی تھی دل تھا جو عشق رسول ﷺ میں ڈوبا جا رہا تھا، آنکھیں نکھیں جو دیارِ پاک رسول ﷺ میں اٹک رہی تھیں۔ حضرت علامہ آزاد علیہ الرحمہ مکمل آٹھ مہینے تک بارگاہ بے کس پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام کیا۔ یہیں علامہ آزاد نے شیخ محمد حیات سندھی ثم مدنی سے درس حدیث لیا تھا اور تمام مقامات مقدسہ کی زیارت کی مدینہ منورہ میں اتنے طویل قیام کے بعد بھی آسودگی میسر نہ آئی اور جب حج کا موسم آیا تو 14 شوال المکرم کو سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم سے ادائیگی حج کی اجازت لینے کے لیے مواجہہ شریف کے حضور آ کر یوں عرض کیا۔

علیک سلام اللہ یا اشرف الوریٰ

لقد سال دمعی فراقک فانیا

وما انا کنت کالذی جاء منہلا

فذاق ولكن عاد ظمآن باکیا

علاوہ ازیں عربی کی جن قصائد میں انھوں نے اپنے جذب و شوق کو نظم فرمایا ان میں سے

چند اشعار نشانِ خاطر فرمائیں۔

ہاج البکاء الیٰ منازل رحمة
مسقية بالديمة الهطلاء
مالاح من نحو الابرار بارق
الا وازکی النار فی احشائی
وجلست فی کمد علی بعد المدى
شتان بین الهند والزوراء
لو کنت أخبر جیرتی و عشیرتی
لتزاحموا بینی و بین رجائی
لولا اعانة جذبة نبویة
اصبحت فی یدهم من الاسراء

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوئے اور 26 شوال المکرم کو مکہ مکرمہ پہنچے ارکانِ حج بجالائے۔ ”عملِ اعظم“ اداے حج کی تاریخ ہے حج کے بعد مکہ مکرمہ میں کئی ماہ قیام کیا اور تمام تاریخی مقدس مقامات کی زیارت کی۔ دنیا بھر سے تشریف لائے ہوئے علما و مشائخ سے ملاقات فرمائی۔ ان کی بابرکت صحبتوں سے اکتسابِ فیض کیا۔ خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب ططاوی قدس سرہ (م 1157ھ) کے علم و فضل سے خاص حصہ پایا۔ جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں گذرا۔ ایک مرتبہ دورانِ کلام علامہ آزاد بلگرامی نے حضرت شیخ ططاوی قدس سرہ کو اپنا تخلص ”آزاد“ بتایا۔ چونکہ یہ اردو کا لفظ تھا اس لیے اس کا معنی بھی واضح کیا تو شیخ ططاوی قدس سرہ نے برجستہ فرمایا: ”یاسیدی انت من عتقاء اللہ“ یعنی جناب آپ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔ شیخ محترم کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے اس جملے کو علامہ آزاد بلگرامی نے اپنے لیے خوش خبری اور نیک فال تصور کیا اور اپنے اس تخلص پر تا عمر ناز کرتے رہے۔ اس دوران علامہ آزاد علیہ الرحمہ نے طائف کا سفر بھی کیا اور حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مزارِ مقدس کی زیارت سے شاد کام ہوئے، یہاں قیام کیا اور خوب خوب روحانی و عرفانی فیوض و سعادت سے بہرور ہوئے۔ علامہ آزاد نے اس مقام پر جو اشعار پیش فرمائے ان میں سے دو شعر نشانِ خاطر کریں۔

اے صبا رو بہ مزارِ پسرِ عمِ نبی
خاک آں روضہ کم از عنبر تر نشناسی
کردہ ام خوب تماشا چمن طائف را
نرسد ہیچ گل او بہ گلِ عباسی

ماہ ربیع الآخر کے آخر میں تین بار طوافِ وداع فرمایا اور 3 جمادی الاولیٰ 1152ھ کو جدہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ 8 روز بعد راستے میں ”مخا“ کی بندرگاہ آئی جہاں آپ کا جہاز لنگر انداز ہوا۔ آپ نے یہاں کی سیر فرمائی۔ یہیں سلسلہ شاذلیہ کے بانی حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: 656ھ) کا مزار پر انوار ہے۔ حسان الہند حضرت علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ نے موقع غنیمت جانا اور وہاں حاضر ہو کر فاتحہ خوانی فرمائی۔ 29 جمادی الاولیٰ 1152ھ کو جہاز سورت کی بندرگاہ پر پہنچا۔ اس طرح آپ کا یہ مقدس روحانی و عرفانی سفر مکمل ہوا۔ ”سفر بخیر“ سے آپ نے اس سفر کا تاریخی مادہ استخراج فرمایا۔

دکن میں قیام اور وصال پر ملال

علامہ آزاد جدہ سے جمادی الاولیٰ 1152ھ میں سورت کے راستے ہندوستان واپس آئے۔ جہاں سے دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ دکن تشریف لائے تو نظام آصف جاہ حیدر آبادی نے آپ کا شان دار استقبال کیا اور اپنے ہم راہ دیارِ دکن کے مختلف مقامات کی سیر کرائی۔ بالآخر 1169ھ میں آپ اورنگ آباد شہر آئے اور یہاں ”روضہ“ نامی علاقے میں قیام کیا جسے اب ”خلد آباد“ کہا جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دنیا و مافیہا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔ (روضہ) خلد آباد شریف میں آپ نے سلطان المشائخ محبوب الہی حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ (م 725ھ) کے خلیفہ صاحب فواد الفواد حضرت مولانا نجم الدین امیر حسن علائق قدس سرہ (737ھ) کی مزارِ پاک کے احاطہ واقع ”سولی بھجن، خلد آباد شریف“ میں مستقل سکونت اختیار کر لی، حتیٰ کہ آپ نے اپنی آخری آرام گاہ کے لیے یہیں پر ایک قطعہ اراضی بھی خرید لی اور اس کا نام ”عاقبت خانہ“ رکھا۔ 24 ذی قعدہ 1200ھ/1785ء کو آپ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی تدفین اسی مذکورہ زمین میں ہوئی جسے آپ نے خرید کر اس کے گرد چہار دیواری اٹھوائی تھی۔

مزار پر انوار

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کا مزار پر انوار آج بھی سولی بھجن، خلد آباد شریف، ضلع اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں ایک نہایت پُر فضا اور پُر سکون مقام پر مرجع خلافت ہے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ علامہ آزاد بلگرامی نے یہاں پر ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی جو آج بھی موجود ہے۔ آپ کا مزار جس احاطے میں ہے اس میں حضرت مولانا نجم الدین امیر حسن علائقہ قدس سرہ مدفون ہیں آپ کے بازو میں آپ کی کتابیں دفن کی گئی ہیں۔ حضرت امیر حسن قدس سرہ کی مزار اقدس کی چوکھٹ پر شکر رکھی جاتی ہے اور پھر اٹھالی جاتی ہے اسے کند ذہن اور لکنت زدہ کو استعمال کرانے سے بے شمار فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ سید میر غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ کے مزار شریف کے سرہانے یہ عبارت نقش ہے:

هو الحی القيوم

حسان الہند غلام علی آزاد حسینی واسطی بلگرامی

”آہ غلام علی آزاد“

وفات: 24 ذی قعدہ 1200ھ

عرس حسان الہند

حضرت علامہ غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ کی مزار پر انوار سے متعلق بیش تر مورخین اور علما و مشائخ یہی کہا کرتے تھے کہ آپ کا مزار علاقہ دکن میں کہیں واقع ہے، حتیٰ طور پر لوگ اس بات سے نااہل تھے کہ آپ کی آخری آرام گاہ ”سولی بھجن، خلد آباد شریف“ میں ہے۔ 1967ء میں شہزادہ خاندان برکات حضور سید العلماء سید آل مصطفیٰ سید میاں مارہروی قدس سرہ مالیکاؤں تشریف لائے، یہاں سے آپ جالندہ اپنے تبلیغی و دعوتی دورے پر گئے۔ جالندہ سے واپسی پر اورنگ آباد اور خلد آباد زیارت کے لیے آئے، جب آپ نے علامہ آزاد بلگرامی قدس سرہ کے مزار پاک کی زیارت کی اور تربت خاکی پر لگی ہوئی تختی کو ملاحظہ کیا تو رونے لگے اور حاضرین کو بتایا کہ یہ ہمارے خاندان کی ایک جلیل القدر ہستی ”حضور حسان الہند علامہ سید میر غلام علی آزاد حسینی واسطی بلگرامی“ کا مزار پاک ہے۔ حضور سید العلماء نے جب اس بات کی تصدیق و توثیق کی تو اس موقع پر مجاہد سنیت حافظ تجل حسین رضوی شمتی علیہ الرحمہ (م 1984ء) بھی وہاں موجود تھے۔ اس واقعہ کے بعد سے مالیکاؤں کے خوش عقیدہ مسلمان علامہ آزاد بلگرامی کے آستانے پر

جا کر خصوصاً فیوض حاصل کیا کرتے ہیں۔ کیوں کہ آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ مستجاب الدعوات تھے اور آپ کی مزار پر دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں، خودراقم کو بھی اس کا کئی مرتبہ تجربہ ہو چکا ہے۔

یوں تو ہر سال حضرت مولانا نجم الدین امیر حسن علائقہ قدس سرہ کا عرس منعقد ہوتا ہی تھا، اور حضرت علامہ آزاد بلگرامی کی سالانہ فاتحہ وہاں کے حضرات کر لیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت حسان الہند قدس سرہ کے عرس کی علاحدہ سے کوئی محفل یا تقریب نہیں ہوتی تھی۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے باضابطہ آپ کے عرس مقدس کی تقریبات کا آغاز آل انڈیائی جمعیۃ العلماء شاخ مالیکاؤں کی سرپرستی میں مجلس برکات رضا مالیکاؤں کے عقیدت مند اراکین نے 2001ء سے کیا۔ تب سے ہر سال شرعی اصولوں کی مکمل پاس داری کے ساتھ آپ کا عرس نہایت تزک و احتشام اور نظم و ضبط کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ عرس میں علمائے اہل سنت کے نورانی و عرفانی خطابات، نعت خوانی، صلاۃ و سلام، شجرہ خوانی دعا اور لنگر وغیرہ کا انتظام مالیکاؤں کے احباب ہی کیا کرتے ہیں۔ عرس میں شرکت کرنے والے زائرین بھی زیادہ تر مالیکاؤں کے ہی ہوتے ہیں ویسے ادھر چند سالوں سے اورنگ آباد، بھیونڈی، ناسک، دھولیہ اور جل گاؤں وغیرہ شہروں سے بھی اہل عقیدت و محبت کی ایک اچھی خاصی تعداد جمع ہو جاتی ہے۔ عرس کے تمام تر انتظامات آل انڈیائی جمعیۃ العلماء شاخ مالیکاؤں کی سرپرستی میں مجلس برکات رضا کے اراکین کرتے ہیں۔

اولاد و امجاد

الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ نے سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ پر عمل کرتے ہوئے نکاح فرمایا۔ علامہ آزاد کے صرف ایک فرزند حضرت سید نور الحسن علیہ الرحمہ تھے۔ اور ان کے بھی صرف ایک ہی بیٹے حضرت مفتی امیر حیدر علیہ الرحمہ ہوئے۔ مفتی صاحب کی تین اولادیں ہوئیں۔ ایک صاحبزادی جو حضرت ابو محمد بن ابوتراب کو منسوب ہوئیں اور دوسری دختر حضرت آل حسن بن دربان علی کو منسوب ہوئیں اور ایک صاحبزادے حضرت امیر حسن علیہ الرحمہ تھے جو لا ولد وصال فرما گئے۔ اس طرح علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کی نسل زریں پوتے پر جا کر ختم ہو گئی۔

درس و تدریس اور تلامذہ

حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ نے اپنی پوری زندگی تعلیم و تدریس میں بسر

فرمائی۔ آپ کے علم و فضل سے بے شمار لوگوں نے اکتساب فیض کیا۔ لیکن مواد کی عدم دستیابی سے حتمی طور پر آپ کے تلامذہ اور فیض یافتگان کے نام نہیں بتائے جاسکتے۔ البتہ آپ کے بعض سوانح نگاروں نے آپ کے جن شاگردوں کا ذکر کیا ہے ان میں میر عبدالقادر مہربان اور نگ آبادی، عبدالوہاب افتخار دولت آبادی، مصنف تذکرہ بے نظیر، کچھی نرائن شفیق صاحب گل رعنا، اور ضیاء الدین پروانہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اخلاق و عادات

سید العارفین حضرت علامہ شاہ سید لطیف اللہ شاہ عرف لدہا بلگرامی جیسے عظیم المرتبت ولی کامل اور مرشد برحق کے فیض صحبت اثر اور نگاہِ کیمیا اثر نے حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی کی شخصیت کو خوب نکھارا اور سنوارا۔ خاندانِ نبوت سے تعلق رکھنے والے علامہ آزاد بلگرامی یوں تو بچپن ہی سے نیک سیرت اور اچھے اخلاق و عادات کا مجموعہ تھے۔ جید اساتذہ، علما و مشائخ، فقہاء و صوفیہ اور بالخصوص پیر و مرشد کی تربیت سے آپ ہمیشہ بڑوں کا ادب و احترام کرتے، آپ کا کردار رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کا پرتو تھا۔ آپ فقر و تصوف کے پوشیدہ رازوں سے واقف تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کا دل یادِ الہی کا گنجینہ بن گیا تھا۔ آپ کا کوئی لمحہ ذکرِ الہی سے غفلت میں نہ گذرتا۔ آپ عشقِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اولیاءِ کاملین اور صوفیاءِ عظام سے بھی محبت فرماتے تھے۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت سید العارفین کے حکم کے مطابق آپ نے تادمِ حیاتِ تعلیم و تعلم، تصنیف و تالیف اور خدمتِ خلق میں اپنے آپ کو مصروف رکھا۔

شانِ استغنا

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی صرف چشتی نسبت نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنی عادات و اطوار اور اخلاق و کردار میں سرتاپا حقیقی چشتی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہ صوفیاء کے زہد و فقر کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ دنیا اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ان کے چاروں طرف بکھری ہوئی تھی لیکن انھوں نے کبھی بھی اس کی طرف نگاہِ التفات نہیں کی۔ حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے تعلقات بڑے بڑے امراءِ سلطنت اور شاہانِ زمانہ سے رہے۔ لیکن خاندانِ سید محمد دعوتِ الصغر کا یہ پروردہ فرزندِ جلیل کبھی بھی ان تعلقات اور مراسم کو دنیا طلبی اور حصولِ منصب و

امارت کے لیے استعمال نہ فرمایا۔ بے شمار ایسے مواقع آپ کی زندگی میں پیش آئے مگر آپ نے ہمیشہ مسلکِ صوفیہ پر عمل کرتے ہوئے دنیاوی جاہ و منصب کو ٹھکرا دیا۔ آپ کی شانِ استغنا سے متعلق بیش تر واقعات و حکایات کتبِ تواریخ میں ملتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک واقعہ خود علامہ آزاد کی زبانی پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا:

”فقیر کو نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید خلف نواب آصف جاہ سے عجیب تعلقِ خاطر پیدا ہو گیا تھا، اور اتنی دوستی آپس میں ہو گئی تھی کہ جس سے زیادہ کا تصور نہیں ہو سکتا۔ جب نواب نظام الدولہ باپ کی رحلت کے بعد مسندِ تولیت پر رونق افروز ہوئے، تو بعض دوستوں نے بتایا کہ اب تو جو رتبہ چاہوں مل سکتا ہے، کوئی عہدہ لے لو اور وقتِ غنیمت میں نے کہا کہ: ”میں آزاد ہو گیا ہوں، مخلوق کا بندہ نہیں بنوں گا۔ دنیا پر طالوت میں پڑی نظر آتی ہے اور اس میں سے صرف ایک چلو حلال ہے اس سے زیادہ حرام اور یہ شعر پڑھا ہے

دریں دیار کہ شاہی بہر گدا بخشد

غنیمت است کہ مارا ہمیں بہ ما بخشد“

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے اربابِ اقتدار اور اصحابِ اختیار سے تعلقات و مراسم تو استوار رکھے لیکن تاحیات کبھی بھی اپنی ذاتی غرض ان سے پوری نہ کی بل کہ روابط کا فائدہ خلقِ خدا کی غم گساری اور دل جوئی میں استعمال کرتے رہے۔ ان کا یہ طرزِ عمل جو سلفِ صالحین کا نمونہ ہے دورِ حاضر کے علما و مشائخ اور فقر و صوفیہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

تصنیفات

علامہ آزاد بلگرامی کی عربی و فارسی میں بہت سی شعری و نثری کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اردو کے بعض اعمال بھی آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات پایہ ثبوت تک نہیں پہنچ سکی۔ لیکن یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ آپ نے اردو (ہندوی) میں کچھ لکھا ہو یا کہا ہو۔ کیوں کہ یہ آپ کی خاندانی روایت اور طبیعت دونوں سے ہم آہنگ ہے۔ آپ کی تصانیف میں درج ذیل شعری و نثری اثاثے اپنی اہمیت اور عظمت کے اعتبار سے بلند پایا ہیں۔ جن کے مطالعہ سے آپ کی گراں قدر علمی شخصیت کا کما حقہ عرفان کیا جاسکتا ہے۔

فارسی: حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ کی فارسی کتب میں:

- ☆ مآثر الکرام تاریخ بلگرام (ڈیڑھ سو سے زائد علما و مشائخ بلگرام کا تذکرہ، اس میں چند غیر بلگرامی حضرات کا بھی ضمیمہ ذکر ہے)
- ☆ خزانہ عامرہ (تقریباً 135 شعراے فارسی کا تذکرہ)
- ☆ سرو آزاد (فارسی و ہندی شعرا کا تذکرہ)
- ☆ روضۃ الاولیاء (خلد آباد شریف، اورنگ آباد، دکن میں آرام فرما اولیاء کرام کا تذکرہ) وغیرہ مطبوعات ہیں۔ اور:
- ☆ سند العادات فی حسن خاتمة السادات (سیرت و مناقب)
- ☆ غزلان الہند (سبۃ المرجان کے آ کر دی دو ابواب کا فارسی ترجمہ)
- ☆ پد بیضا (فارسی شعرا کی سوانح عمریاں)
- ☆ شجرہ طیبہ (بلگرام شریف کے سادات و شیوخ کو شجرہ مبارک)
- ☆ انیس محققین (علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کے شیخ اور دوسرے تین صوفیہ کی سیرت)
- ☆ تذکرہ صوبہ داران اودھ، وغیرہ مخطوطات ہیں۔
- ☆ اسی طرح فارسی شاعری میں:
- ☆ دیوان آزاد ☆ بیاض آزاد (ترتیب)
- ☆ قصائد آزاد ☆ مثنوی تہمتہ امواج خیال
- ☆ مثنوی سراپاے عشق، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

عربی

- ☆ سبۃ المرجان فی آثار ہندوستان: یہ حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کی بہت ہی مشہور تصنیف ہے۔ علامہ آزاد کی حیات ہی میں اس کتاب کو شہرت مل چکی تھی۔ یہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں تفسیر و حدیث میں وارد ہندوستان کے تذکرے کا بیان ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی نے اس موضوع پر پہلے ایک مختصر رسالہ قلم بند فرمایا تھا، جسے بعد میں مزید اضافے کے ساتھ اس کتاب میں ضم کر دیا۔ دوسری فصل میں ہندوستان کے چند علما کا تذکرہ ہے۔ تیسری فصل محسنات کلام کے عنوان پر ہے۔ جب کہ چوتھی فصل عشاق و معشوقات اور ان کے انواع و اقسام پر مشتمل ہے، یہ اپنی نوعیت کا بالکل منفرد اور اچھوتا

موضوع ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ممبئی سے 1303ھ/1885ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے 1967ء میں ڈاکٹر فضل الرحمن سیوانی ندوی کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوا۔

☆ ضوء الداری شرح صحیح البخاری: اصح کتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی کتاب الزکات کی شرح ہے۔ جسے حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمہ کی شرح بخاری ”ارساد الساری“ سے تلخیص کی ہے۔ اور بہت سے علمی نکات و فوائد کا اضافہ بھی فرمایا۔ اس اہم کتاب کا قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے ”ندوہ لائبریری“ (مجموعہ نور الحسن، نمبر: 364) میں موجود ہے۔

☆ تسلیۃ فواد فی قصائد آزاد: یہ حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ کی عربی شاعری میں بعض قصائد و مرثیہ کا مجموعہ ہے اور ساتھ ہی جن شخصیات کے لیے یہ قصائد اور مرثیہ نظم کیے گئے ہیں ان کے سوانحی خاکے بھی کتاب میں شامل ہیں۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی میں ”آزاد لائبریری“ کے شعبہ مخطوطات (جواہر میوزیم 70 اوراق) اور مکتبہ عارف بک مدینہ منورہ میں موجود ہے۔

حسان الہند لقب

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا کہ علامہ آزاد بلگرامی قدس سرہ نے غلہ آباد میں جب مستقل سکونت اختیار کر لی تو تصنیف و تالیف کے کاموں میں مسلسل جڑے رہے۔ دراصل آپ کو تحقیق و تفسیر، تصنیف و تالیف اور شعر و ادب سے بے انتہا لگاؤ تھا۔ آپ کو عربی و فارسی نظم و نثر پر عالمانہ و فاضلانہ دست رس حاصل تھی۔ نظم نگاری پر تو آپ کو ایسا ملکہ کامل حاصل تھا کہ ایک دن بل کہ دن کے ایک حصے میں پورا پورا قصیدہ ارقام فرما دیتے تھے۔ آپ نہ صرف فارسی بلکہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبان یعنی عربی میں بھی بہت عمدہ اشعار لکھا کرتے تھے۔ آپ کی زود گوئی اور زود نویسی سے آپ کے معاصر علماء و حکماء اور شعرا وادبا متحیر رہا کرتے تھے۔ آپ کے نعتیہ قصائد میں جذبات و خیالات کی سچائی و صداقت کے جوہر پنہاں ہیں، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بے پناہ وارفتگی و شیفگی کو دیکھتے ہوئے ایک جہان نے آپ کو ”حسان الہند“ جیسے عظیم المرتبت لقب سے نوازا ہے۔ بہ قول ڈاکٹر سید علیم اشرف جالسی (مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدرآباد): ”فارسی شاعر خاقانی متوفی 595ھ/1198ء کو اہل ایران نے اس کی نعتیہ شاعری

کے سبب حسان العجم کا لقب دیا، اور آزاد کو اہل ہند نے حسان الہند سے ملقب کیا، اور بلاشبہ خاقانی کے مقابلے میں وہ اس لقب کے زیادہ حق دار ہیں کیوں کہ خاقانی کے برخلاف انھوں نے حضرت حسان (رضی اللہ عنہ) کی زبان بھی استعمال کی۔“

الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ ایک عبقری اور فطری فن کار شاعر تھے۔ نازک خیالی، احساس جمال، عشق و محبت کے جذبات میں والہانہ سچائی آپ کی شاعری کے خصوصی عناصر ہیں۔ بلیغ استعارات اور نادر تشبیہات کے استعمال پر آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ شعری و ادبی محاسن، اور علم بیان و بدیع میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہے۔ اُس میں ہندوستان کا کوئی بھی عربی شاعر بلکہ یہاں کی کسی دوسری زبان کا کوئی بھی نعت گو شاعر آپ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی نظموں میں ہندوستانیت کا گہرا رچاؤ کیا۔ ہندی عناصر کو اچھوتے اور البیلے انداز میں اپنے شعروں میں جگہ دی۔ عربی شاعری میں ہیئت، صنف اور اچھوتی، محروں کا استعمال کرتے ہوئے جدت و ندرت پیدا کی۔ اپنی عربی شاعری میں آپ نے عجمی موضوعات اور صنائع کو خوب صورت اسلوب میں پرو کر ایک نیا انداز جنم دیا۔ باوجود ان نئے نئے تجربات اور ندرت و جدت کے آپ نے قدیم شعرا کی اتباع کو ہاتھ سے جانے بھی نہ دیا۔ عرب شعرا کی طرح آپ نے بھی محبوب کی منزل اور اس کے آثار و کھنڈرات کے ذکر کے ساتھ اپنے قصائد کا آغاز کیا۔ بلکہ اُن شعرا سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اس موضوع کو مستقل صنف بنادیتے ہیں۔ چنانچہ ”القصيدة الطلیّة“ کے نام سے ان کا ایک قصیدہ ہے جو ابتداءً انتہا منزل محبوب کے آثار کے ذکر پر مشتمل ہے۔

علامہ آزاد بلگرامی نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی فرمائی لیکن نعت اور غزل ان کا بنیادی میدان ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی غزلیں بھی نعتیہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ جسے دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی شاعری صرف نعتیہ شاعری سے عبارت ہے۔ اور یہی اُن کا اختصاصی وصف ہے جس کی رو سے بھی وہ خاقانی کے مقابلے میں ”حسان الہند“ جیسے مہتم بالشان لقب کے زیادہ مستحق قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا خوانی کی غیرت نے کبھی یہ گوارا نہیں کیا کہ کسی دنیا دار کی مدح سرائی کریں۔ ان کی نظر میں نعت گوئی ہی اصل وظیفہ ہے اور نبی کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح نگاری کے بعد کسی کی مدح ایسا عیب ہے جو میری شاعری کو بھی عیب دار بنادیتا ہے۔

حصلت بالمدح الکريم سعادة
هذا اخص عبادة الشعراء

توصيف غيرك بعد مدحك مشبه
بيتا تضمن وصمة الاقواء

آپ نے اپنی نعتیہ شاعری میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی پیروی اختیار کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور انھیں اپنا استاذ معنوی بھی قرار دیا ہے۔

نسبحت کابن زهير برمدحته
لقد غدا قلم الاستاذ منوالی

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مقدس کا ذکر جمیل اور تعریف و توصیف دنیا کی تمام زبانوں میں کی جانے والی نعتیہ شاعری کا مشترک اسلوب ہے۔ خصوصاً عربی، فارسی اور اردو کا شاید ہی کوئی ایسا نعت گو شاعر ہو جس نے سبز گنبد اور سنہری جالیوں کو اپنی شاعری کا موضوع نہ بنایا ہو۔ علامہ آزاد بلگرامی نے بھی روضہ اطہر کی تعریف و توصیف کی اور جو پیرایہ اظہار اپنایا اس میں ایک خاص انفرادیت کا رنگ پایا جاتا ہے۔

روحي الفداء لروضة قدسية
مملوءة بلطافة و صفاء
بلغ المغارب و لمشارق ضوئها
ترنو اليها الشمس كالهرباء
ما احسن القبر الذي في حجره
خير البريه سيد البطحاء
طوبى لطيبة حيث ضم ضريحها
جسما تنسم فوق سبع سماء
ولها شبايك باحسن صنعة
صادت قلوبا من اهيل ولاء

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد جیسے عاشق مدینۃ الرسول ﷺ کے موئے قلم سے نکلی ہوئی

مدینہ طیبہ کا یہ محبت آمیز اور عقیدت افروز وصف بھی نشان خاطر کریں۔

سوح المدینة ما اجل ترايها
تجد البصائر فيه فعل الاثم
و غبارها المحسوس فوق هوائها
كحل اليقين لمقلة المتردد
نصب لمن ضل الطريق بسوحها
علم الهدى من اذبع المتشهد
اشجارها قامت على ساق الهدى
وطلالها ماوى الرجال السجد
املاك اطباق السماء طيورها
وصفيرها ذكر الاله السرمد

علاوہ ازیں نبی کو نین کائنات کے مرکز عقیدت بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی اور رفعت و بلندی کی کس قدر خوب صورت تصویر کشی کی ہے۔

سكن الملائك فى حوائط بيته
مثل الحمام فى كوى الجدران
وقفوا كما تقف المشموع بسوحه
ودموعهم فى غاية الهملان
جلسوا على بسط الوقار تادبا
نسى الجناح طريقة الطيران

بہ قول ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی: درج بالا اشعار میں شاعر (حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ) نے ملائکہ کی تین خیالی تصویریں بنائی ہیں: پہلی کبوتروں کی تصویر ہے جو نہایت سکون کی حالت میں دیوار کے روشن دانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، دوسری شمعوں کی تصویر ہے، جن سے حرارت کے سبب شفاف سائل موتیوں کی شکل میں لگا تار گر رہا ہے۔ اور تیسری تصویر میں فرشتوں کی جماعت ہے جو حالت خشوع و خضوع میں ایسی خموشی اور خود فراموشی کے ساتھ بیٹھی ہے، گویا ان کے پر طریقہ پرواز بھول گئے ہوں۔

عرب دنیا کے مشہور ادیب ڈاکٹر شلقامی عربی رسالے الازہر میں علامہ آزاد کی شعری بصیرت و بصارت اور آپ کے فنی علو کو اس طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس نے بھی بوسیری وغیرہ کے روضہ انور کے وصف کو پڑھ رکھا ہے وہ پائے گا کہ آزاد کا روضہ زیادہ متحرک، زندگی سے زیادہ بھرپور، زیادہ معنویت کا حامل اور اپنے روحانی پس منظر کے اعتبار سے زیادہ غنی ہے۔

حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ نے اپنے نعتیہ قصائد میں سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ گوشوں کا بڑی کامیابی کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت سے وصال تک کے احوال و واقعات کو دل نشین پیرایے میں نظم کیا ہے۔ نعت کے شعری و فنی محاسن اور خوبیوں کا بھرپور لحاظ رکھتے ہوئے معجزات کا ذکر بھی کیا ہے۔ علامہ آزاد نے نعت کو عقیدے و عقیدت کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ شعریت اور ادبیت کے حسن کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ آپ کا شاعرانہ تخیل اور فکری پرواز اس بلندی تک پہنچا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ جہاں کسی شاعر یا نثر نگار کے طائر فکر و سخن کا گزر نہیں۔

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر اس مضمون میں اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ورنہ حضرت کی متنوع صفات ذات والا مرتبت کے کارہائے نمایاں پر کئی ضخیم کتب بھی ناکافی ثابت ہوں گی۔ اللہ کریم جل شانہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو شرف قبول بخشے۔ اور ہمیں علامہ آزاد کے فیوض سے مالا مال فرمائے۔ (آمین)

کائناتِ نعت (نعتیہ مجموعوں پر تبصرے)

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

غالبِ دہلوی

حمد رب جلیل نعت رسول کریم

شاعر : ڈاکٹر جلال توقیر مبصر : ڈاکٹر رضوان انصاری

زیر مطالعہ تقدیمی شعر پر مبنی کتاب ”حمد رب جلیل نعت رسول کریم“ ڈاکٹر جلال توقیر کی سعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ ڈاکٹر موصوف کا اصلی نام شیخ جلال الدین صدیقی ہے۔ ڈاکٹر توقیر صاحب کا تعلق نہایت مردم خیز مقام کوٹہ (راجستھان) سے ہے۔ آپ نے اردو و فارسی کی تعلیم اپنے تایا امام الدین سے حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب کامل کی سند حاصل کی، نیز اودے پور (راجستھان) سے M.B.B.S.D.C.H کی ڈگری لی۔ فی الحال ملازمت سے سبکدوش ہو کر شعر گوئی میں بھی اپنا قیمتی وقت صرف فرماتے ہیں۔

کتاب حمد رب جلیل نعت رسول کریم میں 7 عدد حمد، 2 مناجاتا، 37 لغوت، 6 حمدیہ قطعات اور 2 مناقب شامل ہیں۔ اس حمدیہ اور نعتیہ کتاب کا تعارف عرض مصنف کے علاوہ اردو کی عظیم المرتبت شخصیتوں نے کرایا ہے۔ جن میں محترم ابرار کرپوری، ڈاکٹر تابش مہدی اور معروف عالم اور محقق مولانا عبداللہ طارق نیز ڈاکٹر فراز حامدی صاحب وغیرہ خاص ہیں۔

ڈاکٹر توقیر نے عرض مصنف کے عنوان سے تقدیمی شعر کی اہمیت پر حضرت علامہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ سے متعلق ایک واقعہ دربارِ خداوندی میں قبولیت پر تحریر کی ہے۔ راقم الحروف کو فارسی اور اردو کی اعلیٰ حصول تعلیم کے دوران درسی وغیر درسی کتابوں میں تاہنوز یہ واقعہ زیر مطالعہ نہیں آیا۔ مجھے واقعہ کی حقیقت پر شک نہیں کیونکہ اس کی نسبت اللہ کے رسول سے ہے۔ مگر اپنی بات کو درج کرنے سے قبل مستند حوالہ تلاش کر لینا چاہئے۔ اور کتاب میں سند و حوالہ درج کرنا لازمی ہے۔

جناب ابرار کرپوری، ڈاکٹر تابش مہدی اور ڈاکٹر فراز حامدی اردو زبان و ادب کے نامور دانشور ہیں۔ ان کے علاوہ معروف عالم دین اسلام حضرت مولانا عبداللہ طارق کے بھی تاثرات شامل ہیں۔ مولانا موصوف نے نعت کے موضوع پر سیر حاصل تحریر پیش کی ہے۔ متذکرہ تمام اصحاب قلم نے ڈاکٹر جلال توقیر کے کلام کے محاسن پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر کلام پر دوسرا پہلو زبان و بیان اور

اصل واقعہ جو ہے اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے اصول تنقید کی خلاف ورزی کی ہے۔ شاعری رب العالمین کی عطا کردہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ وہی ہوتی ہے کسی نہیں۔ عربی و فارسی اور اردو کے کلاسیکل شعراء کا کلام شاہد ہے۔ متنہی، فردوسی اور غالب کسی اعلیٰ دانش گاہ کے تعلیم یافتہ نہ تھے۔ مگر کلام میں وہی تازگی اور شعور و فکر کی آگہی باقی ہے۔ خیر۔

ڈاکٹر جلال توقیر کی نقدیسی شعر و کلام پر مذکور مبنی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر موصوف کی شعری سفر کا دوسرا زینہ ہے۔ اس سے قبل ان کا پہلا شعری مجموعہ ”رہنمائے توقیر“ شائع ہو چکا ہے۔

”حمرب جلیل نعت رسول کریم“ میں ڈاکٹر جلال توقیر نے اپنے قلبی واردات کا ذکر بہت ہی والہانہ فکر و شعور کے ساتھ کیا ہے۔ ان کا دل عشق رسول پاک سے سرشار نظر آتا ہے۔ وہ اپنی کیفیت اندروں کو بیان کرنے میں بڑی دانائی سے کام لیتے ہیں۔ ان کی زبان و بیان میں عمومیت ہے۔ مطالعہ وسیع نہ ہونے سے رفعتِ تخیل میں وہ روانی و تسلسل برقرار نہیں رہ پاتی ہے۔ جو کلام کو انفرادیت بخشتا ہے اور جس کی جانب خواجہ حالی (1837-1914ء) نے مقدمہ شعرو شاعری میں لکھا ہے۔ پھر بھی اس مجموعہ میں بہت سے ایسے اشعار مل جاتے ہیں، جو کتاب کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہیں نیز ڈاکٹر جلال توقیر کے دلی جذبات اور عشق حقیقی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ حمد سے متعلق شعر ملاحظہ ہوں:

رُخِ ہواؤں کا کون بدلے ہے
یہ اشارے کہاں سے آئے ہیں
رحمت کو جوش آہی گیا دیکھ کر مجھے
عاصی تو ہے ضرور، مگر شرمسار ہے

مجھ سے ہوئیں خطائیں یکے بعد دیگرے
لیکن کمی نہ آئی تیرے التفات میں

ڈاکٹر صاحب کے نقدیسی مجموعہ میں جا بجا صنائع و بدائع کا بحمل استعمال ملتا ہے۔ بالخصوص تبلیغ نے کلام میں چار چاند لگا دیئے ہیں معراج شریف کا واقعہ بڑے والہانہ انداز میں ملتا ہے۔

شعر ملاحظہ ہو:-

جبریل کی جس حد سے نہیں آگے رسائی
اس حد سے بھی آگے مرے آقا کا گذر ہے

لیکن معراج شریف کے واقعے کے حوالے سے ہی ڈاکٹر صاحب نے اپنے درج ذیل شعر
میں ایک ایسی روایت کو اپنی فکر کا موضوع بنایا ہے جسے علمائے کرام نے باطل و موضوع قرار دیا ہے
ملاحظہ ہو

نعلین پہنے کون گیا عرش پاک پر
یہ مرتبہ ہے آپ کا یہ شان یا رسول

مصرع اول میں مذکور روایت کے بارے میں جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ
علیہ سے پوچھا گیا۔

سوال:- یہ صحیح ہے کی شب معراج مبارک جب حضور اقدس ﷺ عرش بریں پر پہنچے نعلین
پاک اُتارنا چاہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ودی ایمن میں نعلین شریف اتارنے کا حکم تھا۔ فوراً
ندا آئی اے حبیب تمہارے مع نعلین شریفین رونق افروز ہونے سے عرش کی زینت و عزت زیادہ
ہوگی۔

ارشاد:- یہ روایت محض باطل و موضوع ہے۔ معارف رضا۔ دوازدهم ۱۹۹۲ء ادارہ تحقیقات
امام احمد رضا۔ کراچی ص ۹۹

متذکرہ اشعار میں امید ورجا اور تصوف کے عنصر ملتے ہیں مگر ان ہی حمدیہ اشعار میں یہ شعر
بھی ہے کہ:

تو شجر میں ہے تو حجر میں ہے ترا رنگ برگ و ثمر میں ہے
تو محیط ارض و سماء پہ ہے بھلا کس میں تیرا نشان نہیں

رب العالمین کے لئے لفظ ”محیط“ اور ”شجر و حجر“ میں ہونے کا استعمال سراسر غلط ہے اور اس کا
شجر و حجر میں ہونا بھی غلط استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لا انتہا اور غیر محیط ہے اسی طرح شجر و حجر میں

ہونا ذات الہی کو محدود کرنا ہوا۔ شجر و حجر میں اس کا جلوہ تو ضرور ہے مگر وہ خود نہیں۔
آئیے نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند روح پرور اور قلب و فکر و شعور کو پاکیزگی،
طہارت اور بالیدگی عطا کرنے والے اشعار ملاحظہ کر لیں:

اللہ کا محبوب ہے وہ فخر بشر ہے
قدرت کے خزانے کا جو نایاب گہر ہے

واقعہ معراج پر یہ شعر توجہ کا طالب ہے:

جبریل کی جس حد سے نہیں آگے رسائی
اس حد سے بھی آگے مرے آقا کا گزر ہے
مدینۃ النبی دیکھنے کی تمنا دیکھئے:

نہیں آئے نہ مجھے اور نہ جھپکیں پلکیں
مسجد نبوی سے جب گنبد خضریٰ دیکھوں

جو شفیع المذنبین ہیں، وہ پیہر آپ ہیں
جن کی مانے گا سفارش رب اکبر، آپ ہیں

آپ نے جب ذرا سا اشارہ کیا، چاند دو ٹکڑے ہو کر جدا ہو گیا
سنگریزوں نے بھی جس کا کلمہ پڑھا اور کوئی نہیں ہے حضور آپ ہیں

اسی شعری مجموعہ میں چند اشعار ایسے بھی مل رہے ہیں جن کا تعلق تخیل کے ماسوا نہیں شعر دیکھئے:

پھولوں میں چمن کے کوئی خوشبو نہیں ہوتی
گر ان میں محمد کا پسینہ نہیں ملتا
دامن مرے آقا کا پکڑ کیوں نہیں لیتے
گر تم کو خدا حضرت موسیٰ نہیں ملتا

متذکرہ شعر اول میں چمن کے پھولوں میں خوشبو کا حضور کے پسینہ سے تعلق ہونا غلط اور غیر مصدقہ ہے۔ پھولوں میں خوشبو کا وجود رب العالمین کی ذات اور شانِ اعلیٰ سے ہے۔ وہ جس پھول میں جیسی خوشبو چاہتا ہے۔ عطا فرماتا ہے۔ جب کہ شعر ثانی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تک رسائی کے لئے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑنے کے لئے ترغیب دینا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے شایانِ شان نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے نبی کا مقام و مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو نبی ہیں اور کلیم اللہ کے خطاب یافتہ ہیں۔

اور نبیوں کو تو ہوگی فکر خود کی حشر میں
اپنی امت کے لئے جو ہوں گے مضطرب آپ

تمام انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں۔ ان کو میدانِ حشر کے حساب و کتاب اور اعمال کے خیر و شر کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے حشر میں خود کی فکر چہ معنی دارد؟

ہر سو پھیلی ہوئی آپ کی ہے ضیاء
ہیں یہ شمس و قمر آپ کے نقش پا

مصرعہ ثانی کا تعلق مصرعہ اولیٰ سے ربط نہیں رکھتا۔ نقش پا کو شمس و قمر سے تعلق بتانا یا مماثل قرار دینا سراسر غلط ہے۔

انبیاء کو رشک ہم پر آئے گا روزِ حساب
جب شفاعتِ امت عاصی کی فرمائیں گے آپ

انبیاء سابقہ کو موجودہ امت سے کمتر اظہار کرنا شرعی نقطہ نظر سے گناہ ہے۔ اس قبیل کے مزید اشعار اس شعری مجموعہ میں ہیں۔ بہتر ہوتا کہ کتاب کی اشاعت سے قبل مولانا عبداللہ طارق صاحب سے نظر ثانی فرمانے کے لئے مجموعہ عنایت کر دیتے۔

کتاب کی طباعت عمدہ ہے اور سرورق دیدہ زیب۔ قیمت بھی مناسب۔ میں ڈاکٹر جلال توقیر صاحب کو مبارکباد پیش کرنے کے ساتھ دعا گو ہوں کہ رب العالمین ان کی دلی آرزو یعنی مدیۃ النبی اور روضہ اقدس کی حاضری بار بار نصیب فرمائے۔ آمین

اردو کے ایک معروف شاعر کا یہ شعر قابلِ رشک ہے کہ:
 اگر کچھ ہے تو سب یہ ہے تمنا آخری اپنی
 کہ تم ساحل پہ ہوتے اور کشتی ڈوبتی اپنی

ڈاکٹر صاحب کی تمنا بھی نہایت خوب اور قابلِ رشک ہے:
 دل میں ہے میرے ایک ہی ارمان یا رسول
 نکلے تمہارے در پہ مری جان یا رسول



محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

شاعر : نذیر فتح پوری مبصر : ڈاکٹر رضوان انصاری

میرے مطالعہ کی میز پر تبصرہ کے لئے اردو کے نامور شاعر، نثر نگار اور ”اسباق“ کے معروف مدیر محترم نذیر فتح پوری کی تقدیسی شاعری (نعت) پر مبنی کتاب ”محمدؐ نہ ہوتے.....“ ہے۔ کتاب ہذا کی اہمیت، نعت گوئی کی افادیت اور فنِ نعت گوئی پر احسانِ دانش، ابوالجہاد زاہد اور محمد ادریس رضوی کے مقالات نہایت پُر مغز ہیں۔ اس سے قبل موصوف کی 72 کتابیں مختلف موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں۔

جناب نذیر فتح پوری کی زیر مطالعہ کتاب ”محمدؐ نہ ہوتے تو.....“ ان کے عشقِ رسولِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے، جس کا اظہار آپؐ نے اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کے سہارے فرمایا ہے۔ نعت گوئی اردو اصنافِ شعری میں سب سے زیادہ مشکل ہے مگر ایک سچے عاشقِ رسول کے لئے بہت آسان بھی ہے۔ شرط صرف عشق ہے۔ تطہیرِ قلب کے ساتھ اگر کوئی خوش فکر اپنے جذبِ اندروں کو شعر کا جامہ عطا کرتا ہے تو وہ نعت کا شعر کہلاتا ہے۔ اور یہی تخیل اور فکر شاعر اور قاری کو قلبی سکون عطا کرتا ہے۔

جناب نذیر فتح پوری کو نثر و نظم دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے انہیں زبان و بیان اور الفاظ کے در و بست پر کما حقہ دسترس ہے۔ چونکہ نعت گوئی ایک سچے عاشقِ رسول کا وطیرہ رہا ہے اور اس کا اظہار دنیا کی ہر زبان و ادب میں ہو رہا ہے اردو میں بدرجہ اولیٰ۔ نذیر فتح پوری نے بھی اپنے جذبات کا حقیقی اظہار تقدیسی شاعری میں کیا ہے۔ کلام میں روانی اور دلکشی خوب خوب ہے۔ دلی جذبات کا اظہار بہت والہانہ اور سرشاری کیفیت میں ملتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے دیوانہ مدینے کی جانب رواں
چہرہ پُر نور ہے اور قدم تیز ہے

دیارِ حبیبِ خدا کی وہ گلیاں
حقیقت میں فردوس کی کیاریاں ہیں

وہاں تک زمیں بوس ہوتے ہیں قدسی
جہاں تک مدینے کی پرچھائیاں ہیں

دیوانو! زمانے سے دامن بچا کر
مدینے کی جانب چلو والہانہ

محشر کی تمیز دھوپ سے بچنے کے واسطے
بے سایہ جس کی ذات ہے سایہ اسی کی ڈھونڈ

نذیر فتح پوری نے تقدیس شاعری کے بیشتر اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ کتاب ”محمد نہ ہوتے تو.....“ میں ان تمام اصناف میں کہے گئے اشعار شامل ہیں۔ مثلاً توشیحی نظم، حمد باری کربیاں، توشیحی نظم، محمد کی بارگاہ میں، آزاد نظم، نعتیہ تضمین، گیت، قطعات نعتیہ مایہ، نعتیہ دوہے، راجستھانی نعت، آزاد نعت، اور مناقب بکھور حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ کے علاوہ بیشتر لغوت کی سرخی یا عنوان نعت پاک کے کسی مصرعہ کو بنایا گیا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کل 4 مناقب کہے ہیں۔ ان میں سادگی کے ساتھ جوش و جذبہ اور روانی ہے۔ الفاظ کے بر محل استعمال نے انگشتی میں نگینہ کا کام کیا ہے۔ شعر دیکھئے:

ثانی کوئی ہوا ہے نہ ہوگا حسین کا
اب تک زمیں پہ قرض ہے سجدہ حسین کا

میں ہار کر بھی نہ ہارا ہوا لگوں گا تجھے
یزید وقت! مجھے کر بلا سے نسبت ہے

دیکھوں تو یہی دیکھوں

نورِ جسم کے

چہرے کی چھبی دیکھوں

.....(6 ما پیسے سے)

دین و دنیا کے ہر سفینے کو

وہی گرداب سے نکالے گا بحرِ وحدت کا جو شناور ہے

ہے وہی واقف رموزِ حیات

اور وہی زندگی کا مظہر ہے

.....(آزاد نعت سے)

یوں تو کتاب میں موجود تمام نعتیہ کلام ایک سے بڑھ کر ایک ہیں جن پر اظہار خیال کرنا ممکن نہیں۔ آخر میں نعتیہ تضمین اور ”کیا پوچھتے ہو دوستو! کردارِ مصطفیٰ“ سے ایک ایک بند نذر قارئین ہے۔ ملاحظہ ہو:

عطا کی محمد نے دولت یقیں کی	محمد جو آئے تو ایمان آیا
محمد نے سمجھائی عظمتِ خدا کی	محمد جو آئے تو قرآن آیا
خدا کا نہ بندوں کو عرفان ہوتا	دعا کا دوا کا نہ سامان ہوتا
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا	

یہ نعتیہ تضمین کل 11 بندوں پر مشتمل ہے جو مسدس کی شکل میں ہے۔

دوسری نعتیہ نظم سے بند ملاحظہ ہو:

چھوٹی سی اک چٹائی تھی ادنیٰ سا اک لباس

کالی سی ایک کملی تھی میرے نبی کے پاس

صبر و وفا کا ایسا نمونہ دکھا دیا

خود بھوکا رہ کے اوروں کو کھانا کھلا دیا

سب جانتے ہیں، ایسا تھا ایثارِ مصطفیٰ

کیا پوچھتے ہو دوستو! کردارِ مصطفیٰ

حاصل کلام یہ کہ پوری کتاب علم و حکمت اور عشقِ نبی کا گنجینہ ہے۔ کتاب کا سرورق، کاغذ معیاری ہے۔ قیمت مناسب ہے۔ باذوق حضرات کتاب خرید کر مطالعہ کریں۔ مکرری نذیر فتح پوری مبارکباد کے مستحق ہیں۔

نوٹ: لفظ کملی ”تصغیر کمل کی ہے)۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے حدائقِ بخشش کے کسی شعر میں کالی کملی کا استعمال نہیں فرمایا ہے۔ عصر حاضر کے نعت گو شعراء کرام براہ کرم احتراز فرمائیں۔ تفصیل کے لئے رجوع فرمائیں۔ ”بدر کمال“ از مولانا بدرالدین قادری۔



بیانِ قلم

نعت نگار : مختار عاشقی جوہپوری مبصر : ڈاکٹر رضوان انصاری

زیر نظر کتاب ”بیانِ قلم“ مختار عاشقی جوہپوری کی شعر و نغمہ پر مبنی تیسری تصنیف ہے۔ اس سے قبل ”گلشنِ اسلام“ 1968ء (نعت و منفیت کا مجموعہ) اور ”اندازِ بیاں اور“ 2007ء (نعت و غزلوں کا مجموعہ) مجموعہائے کلام شائع ہو چکے ہیں۔

مختار عاشقی جوہپوری ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کی ولادت 25 مئی 1929ء کو جوہپور میں ہوئی۔ تلاشِ معاش میں احمد آباد آ گئے اور یہیں ہو کے رہ گئے۔ اس وقت عمر کی 88 بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ فی الحال علیل ہیں۔ یہ کتاب سلمان جوہپوری جو موصوف کے پسر زادہ ہیں۔ نے مرتب کی ہے۔ ”بیانِ قلم“ دو حصوں میں منقسم ہے۔ 1- تقدیسی شاعری۔ 2- بہارِ یہ شاعری۔ اس تبصرہ میں ان کی تقدیسی شاعری کو موضوع بنایا جا رہا ہے۔

بیانِ قلم میں مختار عاشقی کی نعتیں، قطعات، منقبتیں اور قصائد شامل ہیں۔ گو کہ حمد صرف ایک ہے مگر بہت خوب ہے۔ کتاب میں طفیل انصاری۔ ایس۔ ایم۔ عباس۔ عارف برقی، شاطر انصاری، وفا جوہپوری اور محمد عرفان جوہپوری کے تعارفی نگارشات شامل ہیں۔ اگرچہ وفا جوہپوری کا مضمون ”اندازِ بیاں اور“ پر مبنی ہے۔

جیسا کہ ماقبل تحریر کیا جا چکا ہے کہ مختار عاشقی صاحب ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اگرچہ انہوں نے شاعری کو اپنا ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ تفریح طبع اور عشقِ حقیقی کو اپنی تقدیسی شاعری اور بہارِ یہ شاعری کے اظہار کے لئے فکر و رواں کو موزوں کیا ہے۔ ان کو زبان و بیان پر مکمل قدرت حاصل ہے۔ قادر الکلامی نے حسنِ کلام کو دو بالا کر دیا ہے۔ قرآن و احادیث وغیرہ پر گہری نظر ہے۔ خدا اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین فرق مراتب کا بخوبی علم ملتا ہے۔ کوئی شعر خلاف مراتب نہیں۔ وہ رب العالمین کی شان اور قدرت کا ملہ کا اظہار بڑے والہانہ شعور و آگہی کے ساتھ کرتے ہیں۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

ذروں کو آبداری، تاروں کو روشنی دی
ہر شے میں دیکھتا ہوں حسن و جمال تیرا

قاصر ہوئی ہے یا رب عقل سلیم سب کی
ادراک سے ہے بالا اک اک کمال تیرا

مختار عاشقی کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ان کی جودت طبع میں روانی ہے۔ عشق حقیقی کا جذبہ ہر نعتیہ شعر میں ملتا ہے۔ عشق رسول میں ان کا دل سرشار رہتا ہے۔ ان کا ہر ہر لہجہ شہرِ مصطفیٰ کی یاد میں گزرتا ہے۔ تقدیسی شاعری کے لئے جن لوازمات کی ضرورت ہے وہ ان میں بھرپور ہے۔ ان کے مجموعہ کلام کے تقدیسی حصہ میں متعدد اشعار ایسے ہیں جن میں رقت ہے اور دل کی گہرائیوں کو چھو لیتے ہیں۔ کلام میں صنائع و بدائع کا بھی بر محل استعمال ملتا ہے۔ خاص طور سے تلمیحات نے حسن کلام میں چارچاند لگا دیئے ہیں۔ چند اشعار سے شاعر کے تخیل اور اس کے کلام سے لطف اندوز ہوں:

عشق نبی نے صاحبِ ایمان بنادیا
داغِ جگر کو گلشنِ رضواں بنادیا

بیکسوں کا چارہ گر اور عاصیوں کا غم لئے
رحمۃ للعالمین حق آشنا پیدا کیا

بخشوائیں گے اسے حشر میں محبوبِ خدا
جس کو سرکار کے روضے کی زیارت ہوگی
اثر اللہ اکبر دیکھئے لحنِ بلالی کا
فرشتوں کی طبیعت آسمان پر جھوم جاتی ہے

یہی تو کہتے ہیں الیاس و خضر بھی مختار
زہے نصیب شہِ بحر و بر کی آمد ہے

مختار عاشقی جو نیوری کے شعری مجموعہ ”پیمانِ قلم“ کے تقدیسی جزو کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے کلام میں عشق رسول کا حقیقی جذبہ کارفرما ہے۔ ان کا کلام عطائی ہے۔ بیان میں انفرادیت ہے۔

کتاب کی طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ قیمت بھی مناسب ہے۔ باذوق اہل ادب اور نعتیہ کلام سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کتاب خرید کر صاحبِ کتاب یعنی مختار عاشقی صاحب کی ہر وقت اعانت فرمائیں اور نعت پاک کے مطالعہ سے اپنی روحانی فکر کو سکون عطا کریں۔
ادارہ دبستانِ نعت ان کی صحت کے لئے دعا گو ہے۔



مجموعہ حمد و نعت

شاعر : عبدالقادر عارف مبرر : ڈاکٹر رضوان انصاری

زیر نظر ”مجموعہ حمد و نعت“ عبدالقادر عارف (کرناٹک) کا ہے۔ جسے انہوں نے اپنے 5 شعری مطبوعات میں شامل حمد و نعت و مناقب کو الگ سے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ عارف صاحب کی ولادت 5 ستمبر 1938ء میں ہوئی۔ 38 سال سرکاری ملازمت کرنے کے بعد نائب تحصیلدار کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ ان کا پہلا مجموعہ ”پھول اور کانٹے“ (شعری و نثری طنز مزاح) 2009ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے ”نشاطِ سخن“ پیام عارف، صدائے انقلاب اور اصلاح المسلمین شعری مجموعہائے کلام شائع ہو کر عوام و خواص میں سند قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

مجموعہ حمد و نعت میں کل 2 عدد حمد۔ 1 عدد مناجات 27 لغت، 13 مناقب اور 2 قصائد شامل ہیں۔ مناقب شہیدانِ کربلا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پر مبنی ہیں جب کہ پہلا قصیدہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرا سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی شان میں ہے۔

عارف صاحب نے گرچہ پوری زندگی سرکاری ملازمت میں گزاری مگر دل میں عشقِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع بھی روشن رہی۔ جو ایک مومن کی ایمان اور پہچان ہے۔ ان کا کلام روایتی ذہن و فکر پر مبنی نہیں بلکہ دل کی ترجمان ہے۔ شعر میں رقت اور سوز دروں کا فقدان ہونے سے آمد کا شعور جلوہ گر نہیں۔ اور نہ قاری کو تادیر اُن فضاؤں میں گم کر پاتا ہے۔ پھر بھی بعض اشعار عمدہ اور ایمان افروز ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

اس روضہ اقدس پہ نظر جب سے پڑی ہے
ہر وقت تصور میں میرے روئے نبی ہے

جب وقت رخصتی ہو دیار حبیب سے
روضہ کو بار بار تو گردن گھما کے دیکھ

خلوت تو بس خدا کا اک اعجاز ہے مگر
لیکن نبی خدا کی ہیں جلوت کا آئینہ

منصور کی باتوں کو نہ سمجھا یہ زمانہ
یہ فیصلہ حق کا تھا سرِ دار ہوا ہے

نعت گوئی کے لئے تاریخ اسلام اور قرآن و احادیث کا وسیع مطالعہ درکار ہے۔ جس سے کلام میں
تازگی اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ عبدالقادر عارف کے کلام میں اس کمی کا احساس ہوتا ہے۔
کتاب کی طباعت کا غد عمدہ اور معیاری ہے۔ قیمت مناسب اور سرورق دیدہ زیب ہے۔
عارف صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اپنے لیے زادِ آخرت کے طور پر حمد و نعت کا مجموعہ اہل
ایمان کے روبرو پیش کیا ہے۔ باذوق حضرات کتاب ہذا سے مستفیض ہوں۔

محبّتوں کے چراغ

نعت نگار : قاری اخلاق احمد فتح پوری مبصر : ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی

قاری اخلاق احمد فتح پوری کا گل دستہ صفت نعتیہ مجموعہ اس وقت میرے مطالعے کی میز پر ہے۔ جو ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں حضرت سید نور الحسن نوابی عزیزی، محترم یا اور وارثی عزیزی نوابی اور جناب سرور عزیزی نوابی کے دعائیہ کلمات، تاثرات اور تبصرے ہیں۔ ان تینوں تحریروں کے آئینے میں قاری اخلاق کی نعت نگاری کے بنیادی پہلو نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس مجموعہ کلام میں ایک حمد، ایک مناجات، چوالیس نعتیں اور چھتیس مناقب کل بیاسی کلام شامل ہیں۔ اس نعتیہ مجموعے میں سلام کی شدت سے کمی محسوس ہو رہی ہے۔ اگر سلام بھی شامل کلام ہوتا تو یہ شعری گل دستہ تقدیری شاعری کے تمام اصناف کو محیط ہوتا۔ منشورات کے بعد مجموعہ کلام کا آغاز مندرجہ ذیل ”حمد باری تعالیٰ“ سے شروع ہوتا ہے جس کے دو شعر نذر قارئین ہیں۔

جلوہ فرما ہے میرا خدا ہر طرف
اس کی بکھری ہوئی ہے ضیاء ہر طرف
یا خدا تیری حمد و ثنا کے طفیل
ہو گیا شہرہ اخلاق کا ہر طرف

اور مجموعہ کلام کا اختتام حضرت صاحب سجادہ خانقاہ عالیہ ابوالعلائیہ، قاضی پور، کھاگا فتح پور کے مندرجہ ذیل تہنیتی مقفیٰ کلام پر ہوا ہے۔

وہ اوج وہ مقام عزیز الحسن کا ہے
ولیوں کے لب پہ نام عزیز الحسن کا ہے
جمشید ! تیرا جام مبارک رہے تجھے
ہاتھوں میں میرے جام عزیز الحسن کا ہے

قاری اخلاق فتح پوری صرف اسٹیج کے شاعر نہیں ہیں بلکہ ادب فن اور صنائع کا پاس و لحاظ رکھنے والے مقتدر سخنور ہیں۔ مگر اس مجموعہ میں قارئین کے ذوق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آسان بحروں، معروف ردیف و قوافی اور سہل و شستہ الفاظ و معانی کے ساتھ اپنے پاکیزہ خیالات کو شعر کا پیکر عطا کیا ہے جو براہِ راست ذہن و فکر کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ یہ مجموعہ عوام و خواص کے ساتھ نعت خواں حضرات کے لئے خصوصیت کے ساتھ گراں قدر تحفہ ہے۔ چھوٹی بحروں، آسان ترکیبوں اور شیریں لفظوں میں اعلیٰ فکر پیش کرنا یہ کمال فن کی علامت ہے۔ اس مجموعہ کے ہر کلام کی طرزِ ادا بول رہی ہے۔ نعت خواں خلوص و محبت سے ان اشعار کو گنگنا کر سامعین کے خوبیدہ جذبات کو بیدار کر سکتا ہے ملاحظہ ہوں۔

کاش مل جائے گھر مدینے میں
میں رہوں عمر بھر مدینے میں

چاند سورج سے الگ میں نے ضیا مانگی ہے
یعنی خاکِ درِ محبوب خدا مانگی ہے

اُس کا سب کچھ ہو گیا جو ہو گیا سرکار کا
تاج داری بائٹا ہے ہر گدا سرکار کا
پھر مدینے کی یاد آئی ہے
بزمِ دل پھر سے جگمگائی ہے

یا رب تمام خلق کی اُلفت نکال دے
سینے میں الفتِ شہِ ابرار ڈال دے
قصہ ہی جانفزا ہے معراجِ مصطفیٰ کا
ہر سمت تذکرہ ہے معراجِ مصطفیٰ کا

عالم کی ابتدا ہے محمد ﷺ کے نام سے
عالم کی انتہا ہے محمد ﷺ کے نام سے

نعت نگاری کا بنیادی عنصر عشق رسول ﷺ ہے اور یہی والہانہ محبت شاعر کو براہِ میخنتہ کرتی ہے اور وہ سوزشِ باطن کی تسکین کے لئے اپنے جذبات کو شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ یہ عشق جتنا عمیق ہوگا کلام اتنا ہی موثر ہوگا۔ یقیناً قاری اخلاقِ فتح پوری کے دل کا گوشہ گوشہ سرکارِ دو عالم علیہ السلام کی پاکیزہ محبت سے لبریز ہے اور ان یہ نعتیہ مجموعہ ”محببتوں کے چراغ“ میں عشق رسول ﷺ کی وہ روشنی ہے جو دل کے نہاں خانے کو بھی منور و مجلیٰ کرنے کی توانائی رکھتی ہے۔ ان کی شاعری میں عشق رسول کی سرمستی، عقیدہ و عقیدت کی ہم آہنگی، حُسن بیان کی چاشنی، روضہ رسول پر پہنچنے کی تڑپ، حُسنِ طلب اور استغاثے کے نمونے ملتے ہیں ان کے یہاں دردِ دل اور دوائے دل دونوں کے سامان موجود ہیں۔

اے طبیبو! علاج رہنے دو
ہے مرا چارہ گر مدینے میں

اپنے دیوانوں کے دل میں ان کا ہوتا ہے قیام
کیا عجب دل میں مرے تشریف لائیں مصطفیٰ
کر نہ دیں اس کو زمانے کی ہوائیں تاراج
کشت جاں کے لئے رحمت کی گھٹا مانگی ہے

کیا ہو گا ترا سوچ لے اے گردشِ دوراں
اب اور ستائے گی تو کہ دوں گا نبی ﷺ سے
بے شک طبیب دیتے ہیں بیمار کو دوا
ملتی مگر شفا ہے محمد ﷺ کے نام سے
رنج و غم کے طوفاں میں کب کے بہ گئے ہوتے
تیری یاد کے سائے آج تک سنبھالے ہیں

سیلِ رنج و الم ہے زوروں پر
میرے آقا تیری دہائی ہے

لب سے کبھی کرتے نہیں ہم عرضِ تمنا
سرکار سمجھ لیتے ہیں آنکھوں کی نمی سے

قاری اخلاق فتح پوری کو نعت کہنے کا سلیقہ ہے وہ جذبات کی رو میں بہتے نہیں ہیں۔ اعتدال کا دامن تھامے رہتے ہیں ہاں انہوں نے مضامین میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ ان کو یہ ہنر بھی معلوم ہے جس کی غمازی مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے۔

جیسے تم نے رکھ دیا اس طاق سے اس طاق پر
بس یوں ہی نہیں سورج بھی ہے ادنیٰ دیا سرکار کا

غلے میں اس کسان کی ہوتی ہیں برکتیں
جو کھیت بو رہا ہے محمد ﷺ کے نام سے
اے صبا مدینے سے اس کا ہم سفر لے آ
دل میں سچ کے بیٹھی ہے آرزو مدینے کی

مدینہ منورہ خاکدانِ گیتی کا مرکز عقیدت ہے جہاں رحمت و نور اور برکت و سرور کی ہر آن پھوار پڑتی رہتی ہے۔ مدینہ منورہ کو یہ شرف و اعزاز حاصل ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کا قدم ناز اس سرزمین پر پڑا ہی نہیں بلکہ اللہ کے حبیبِ بنفسِ نفیس چودہ سو برس سے اسی مقدس سرزمین میں آرام فرما ہیں اس پاک سرزمین کو سرورِ کونین ﷺ سے نسبت حاصل ہے اس لئے یہ بے پایاں عظمت و بزرگی کا مینارہ نور ہے۔

ہر دور کے شعرا نعت نے اپنے کلام میں اس ارضِ پاک کو عقیدتوں کا خراج پیش کیا ہے۔ وہاں پہنچے کی تمنا ظاہر کی ہے اور اس مقدس سرزمین میں پیوندِ خاک ہونے کی آرزو کی ہے۔

”محببتوں کے چراغ“ میں بھی نوعِ بنوع انداز میں مدینہ منورہ کو یاد کیا گیا ہے۔

چاروں سمتوں سے آ کے ملتی ہے
خلد کی رہ گزر مدینے میں

آرزو ہے مری میں زندہ جاوید رہوں
اس لئے میں نے مدینے میں قضا مانگی ہے
مفلسی رلاتی ہے دیر تک مجھے اخلاق
جب بھی کوئی کرتا ہے گفتگو مدینے کی

ٹھہر جا اجل دیکھ لینے دے طیبہ
ابھی زندگی مسکرائی نہیں ہے

لب پہ نامِ مصطفیٰ دل میں مدینہ چاہئے
مومنو! اس طرح تم کو مرنا جینا چاہئے
مدینے کے زروں میں ایسی چمک ہے
فلک کے ستارے بھی شرما رہے ہیں

سرکارِ دو عالم ﷺ کے لئے ”کملی والے“ کا لفظ عرصہ دراز سے اردو شاعری میں مستعمل ہے اور تلاش و تتبع کیا جائے تو قدیم و جدید شعرا کے پچاسوں اشعار مل سکتے ہیں اس حوالے سے اربابِ نقد و نظر کے دو نظریے ہیں۔ (۱) کملی کمل کی تصغیر ہے اس لئے سرکارِ علیہ السلام کے لئے مصغر کا استعمال ناروا ہے۔ (۲) کملی مستقل لفظ ہے اس کی تصغیر کملیا ہے اس لئے سرکار کے لئے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حسان الہند اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے رسول اکرم ﷺ کے لئے ”کملی والے“ کا لفظ نہ تو اپنی نثر میں استعمال کیا ہے اور نہ ہی اپنی شاعری میں۔ ماضی قریب کے دو مشہور عالم دین شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اور بدر ملت حضرت علامہ بدر الدین صاحب قادری علیہ الرحمہ نے سرکار کے لئے لفظ ”کملی والے“ کے استعمال پر سخت مواخذہ کیا ہے۔

”محبتوں کے چراغ“ میں شامل چوالیس نعتوں میں صرف اور صرف ایک نعت میں جو مثلث کی ہیئت میں ہے اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ ۷

سینے سے غم زدوں کو اپنے لگانے والا
 ہر غم میں ہر الم میں وہ کام آنے والا
 لو آگیا ہماری قسمت جگانے والا
 وہ کالی کالی کملی والا

پورے نعتیہ مجموعے میں ہر تین مصرع پر اس کی تکرار ہے۔ مجموعہ کلام کا ٹائٹل دیدہ زیب ورق دبیز کمپوزنگ خوبصورت اور طباعت معیاری ہے۔ اس نازک صنف کا یہی تقاضہ بھی ہے کہ اس کی طباعت اعلیٰ سے اعلیٰ ترین معیار پر کی جائے۔ میں اس کی حُسنِ طباعت پر قاری اخلاق فتح پوری کو مبارک باد پیش کرتا ہوں دعا ہے کہ ”محبّتوں کے چراغ“ کی روشنی ہمیں دارین میں اُجالا بخشنے۔ (آمین)۔

چراغِ حرا

نعت نگار : پروفیسر ڈاکٹر ناز قادری مبصر : ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیرِ مجلہ)

پروفیسر ناز قادری اردو ادب کا وہ جانا پہچانا نام ہے جو علم و ادب کی دنیا میں کسی کے لئے بھی غیر مانوس نہیں۔ میں نے خود انکو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میری ان سے ملاقات بہت تھوڑے وقت کی رہی مگر اتنے ہی وقت میں میں نے پایا کہ وہ بہت ہی مخلص، نیک دل اور سادہ لوح انسان ہیں۔ دوسروں کے ساتھ بھلائی اور ایثار کا جذبہ انکے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ چھوٹوں کے ساتھ وہ بہت ہی شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ انکے اندر یہ اوصاف نعتِ نبی اکرم ﷺ کی رقم طرازی کے سبب ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ نعت پاک کا یہ اعجاز ہے کہ وہ انسان کو ایک جامع انسان بناتی ہے۔

پروفیسر ناز قادری کا نعتیہ مجموعہ ”چراغِ حرا“ جو اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ انہوں نے بڑی ہوش مندی اور دیدہ وری سے اس مجموعہ کو ”غارِ حرا“ سے منسوب کیا ہے یعنی اس کا نام ”چراغِ حرا“ رکھا ہے۔ میں نے غارِ حرا کی بھی زیارت کی ہے، اور ”چراغِ حرا“ کا مطالعہ بھی۔ اگرچہ غارِ حرا بہت چھوٹی سی جگہ کا نام ہے، مگر اس کی وسعت و ہمہ گیریت کا یہ عالم ہے کہ ”وسعت کو نین میں سمانہ سکے“۔ یہی وہ مقام مقدس ہے جہاں پر اللہ کے پیارے رسول سرور انبیاء ﷺ جلوس فرما کر رب کریم سے لو لگا کر بنی نوع انساں کی فلاح و بہبود کا خاکہ تیار فرماتے تھے اور وہاں سے تشریف لانے کے بعد فروغِ انسانیت اور فلاحِ امت میں جی جان سے جٹ جایا کرتے تھے۔ اگر گہرائی و گیرائی سے دیکھا جائے تو غارِ حرا کو رشد و ہدایت کا وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے جہاں سے پوری کائنات میں اجالا پھیلا۔ غارِ حرا کی عظمت کے پیش نظر پروفیسر ناز قادری فرماتے ہیں۔

کوہِ فاراں کی تجلی سے ہے دنیا روشن
آج بھی حق کی صدا غارِ حرا دیتا ہے

غارِ حرا کے وہ ذرات کتنے مقدس و پاکیزہ ہیں جن سے میرے آقا و مولیٰ روحی فدا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا جسم اطہر ایک عرصہ دراز تک مس ہوتا رہا۔ آقا علیہم السلام کے جس مقدس و مطہر کے مس ہونے کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”جذب القلوب الی دیار المحبوب“ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”بعد اجماع تمام علماء رحمۃ اللہ علیہم کے اس مقام کو فضیلت دی ہے جو اعضاے شریفہ سید کائنات ﷺ کو موضع قبر شریف سے ملائے ہوئے ہے تمام اجزائے زمین کے افضل ہے۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ سے بھی اور بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ تمام سماوات حتیٰ کہ عرش سے بھی۔“

بات نسبت کی میں کر رہا تھا۔ ان ذرات کو چوم کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے جسم اطہر ﷺ کو بوسہ دیا ہے۔ عظیم نعت گو حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے اس شعر کی روشنی میں اس نسبت کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے آپ فرماتے ہیں:-

تجھ سے در، در سے سگ، اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت

میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈور تیرا

پروفیسر ناز قادری کا یہ نعتیہ مجموعہ ”چراغِ حرا“ بظاہر ۱۹۲ صفحات پر مشتمل نعت نبی اکرم ﷺ کا مجموعہ اور ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ مگر باطنی طور پر یہ نعتیہ مجموعہ رشد و ہدایت کا وہ مینارہ نور اور اجالوں کا وہ مرکز و منبع ہے جس کا ایک ایک حرف فلاح و بہبود کا سیل رواں ہے۔ اس نعتیہ مجموعے میں پروفیسر ناز قادری کے افکار و خیالات اور جذبہ دُروں کے وہ اسرار و رموز پنہاں ہیں جسکو انہوں نے محبت رسول ﷺ میں نہ جانے کتنے شب و روز تپ کر تیار کیا ہے، تب جا کر یہ نعتیہ مجموعہ ”چراغِ حرا“ بنا۔

پروفیسر ناز قادری کے اس مجموعے کی شروعات حمد باری تعالیٰ سے ہوئی ہے، جیسا کہ مصنفین و مولفین اور شعراے کرام اپنی تخلیقات کی شروعات حمد باری تعالیٰ سے کرتے رہے ہیں پروفیسر ناز قادری نے بھی اسی روش پر کار بند رہ کر اپنے اس مجموعے کی شروعات حمد باری تعالیٰ سے کی ہے۔ اور اس کے بعد نعت نبی اکرم ﷺ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ان کی پہلی نعت پاک کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:-

وہ سر عرش معلیٰ جو گیا رات کی رات

اس کے پرتو سے گل افشاں ہے یہ نعمات کی رات

بارش نور سے ہم تزکیہٴ نفس کریں
 آج کی رات ہے پاکیزہ خیالات کی رات
 کر دیا اس نے عیاں آدم خاکی کا مقام
 باعثِ رشک سحر ہے یہ ملاقات کی رات
 دے دیا سرور کونین نے بخشش کا پیام
 آج کی رات ہے تقدیس و مناجات کی رات
 ناز بھی مدح سرا ہے سر دربار حضور
 اللہ اللہ یہ تہذیبِ خیالات کی رات

نفس الامر میں اگر دیکھا جائے تو پروفیسر ناز قادری نے اپنی نعت گوئی کا آغاز قرآن پاک سے فرمایا ہے جو معیارِ نعت گوئی اور وصولِ نعت گوئی ہے۔ شبِ معراج کے واقعے کو آپ نے اپنی فکر و فن کا موضوع بنا کر امام احمد رضا کی زبان میں یہ اعلان فرمادیا۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
 یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

جس کی فکر و فن کا موضوع قرآن و حدیث ہو تو اس کی نعت گوئی یقیناً اعلیٰ معیار کی ہوگی۔ اصنافِ ادب میں نعتیہ شاعری کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ کسی بھی نعتیہ مجموعے کی تنقید و تبصرہ کرتے وقت مبصر یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں شعر بہت اچھا ہے یا فلاں شعر خراب ہے۔ جبکہ دوسری اصنافِ غزل، قصیدہ، مرثیہ، رباعی وغیرہ کی تنقید و تبصرہ کرتے وقت مبصر برجستہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ شعر بہت اچھا ہے، یا یہ شعر معیارِ شاعری سے گرا ہوا ہے یا اس شعر میں اس طرح کا سقم پایا جاتا ہے۔ نعتیہ شاعری کی یہی وہ خوبی ہے جو دیگر اصناف سے اس کو ممتاز کرتی ہے۔ میرے اپنے خیال میں نعتیہ مجموعوں کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت یا ان پر تبصرہ تحریر کرتے وقت نعت کے اشعار میں فرق امتیازی کی بنا پر ہی یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ شعر بہت عمدہ یا بہت اچھا ہے۔ یا اس شعر میں اگر یہ لفظ آجاتا تو اس کے معانی و مفاہیم میں ترفع پیدا ہو جاتا، نعت کے کسی بھی شعر کو ہم یک لخت مسترد نہیں کرتے بلکہ اس کے متعلق اپنا نقطہٴ نظر پیش کرتے ہیں۔ لیکن جب کوئی شعر کفر و شرک کی ضد میں ہوتا ہے، یا خلافِ شرع ہوتا ہے تو ہم برجستہ کہتے ہیں کہ یہ شعر ناجائز و حرام یا خلافِ شرع ہے۔ اچھے اشعار کے بارے میں علامہ حسرت موہانی نے کہا تھا۔

شعر در اصل ہیں وہی حسرت
 سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں
 مگر میں اس حکم یا نظریے سے پوری طرح متفق نہیں ہوں اس لیے کہ بہت سے اشعار
 بہت عمدہ ہوتے ہیں مگر سننے کے بعد ان کی تفہیم میں تردد ہوتا ہے، اس لئے کہ ان میں تلمیحات یا
 استعارے کا استعمال ہوتا ہے ان کا سننے کے بعد دل میں اتر جانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ
 پروفیسر ناز قادری فرماتے ہیں۔

جو اس حقیقت سے آشنا ہیں وہ واقف سر آگئی ہیں
 نبی کے رخ پر نقاب ہے یا تجلی حق حجاب میں ہے
 شعرا کے کلام کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی ایک شعر دوسرے شعر کی توضیح و تشریح
 ہوا کرتے ہیں۔ پروفیسر ناز قادری کے اس شعر کی توضیح و تشریح امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ
 الرحمہ کے درج ذیل شعر سے کی جاسکتی ہے آپ فرماتے ہیں۔

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے
 زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے
 شعرا کے دواوین اور مجموعہ کلام کے تبصروں کے درمیان کچھ منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں
 جن کا مقصد صرف اتنا سا ہوتا ہے کہ اہل علم و دانش انہیں اشعار کی مدد سے شاعر کے فکرو فن کے معیار
 کا اندازہ لگالیں کہ اس سخنور کی سخن گوئی کا معیار کیا ہے؟ اور اگر مزید انہیں رغبت ہے تو وہ شاعر
 کے مجموعہ کلام یا دیوان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ میں نے بھی ”چراغِ حرا“ کے مطالعے کے
 درمیان چند اشعار کی نشان دہی کی ہے، جو پیش خدمت ہیں جنکی مدد سے اہل فکر و دانش پروفیسر ناز
 قادری کی نعتیہ شاعری کا معیار متعین کر سکتے ہیں، اور اس سے محفوظ بھی ہو سکتے ہیں۔

میں قتیل ہجر رسول ہوں، مجھے زندگی کی طلب نہیں
 مرے دل کو جس کی تلاش ہے وہ نئے نشاط وصال ہے
 خبر ہے قبر میں ہوگی زیارت روئے انور کی
 نبی کے ہجر میں یہ زندگی کانٹوں کا بستر ہے
 خدا تو مہین دے تو زندگی رخت سفر باندھے
 مدینے کی زیارت کو مچلتا قلب مضطرب ہے

میں چاہے جہاں بھی رہوں احساس ہے مجھ کو
طیبہ ہو تصور میں تو آرام بہت ہے

مری زندگی میں ہے تیرگی، مجھے بخش دے نئی زندگی
میں اسیر رنج و ملال ہوں مرے دل کو غم سے نجات دے
ترا ذکر، ذکر حبیب ہو، تری مدح مرا نصیب ہو
مجھے دن دے اپنے خیال کا، مجھے اپنے قرب کی رات دے

جو آنکھ لا نہ سکی تاب حسن یوسف کی
وہ کیا ٹکے گی شہ دیں کے روئے انور پر
پروفیسر ناز قادری جدید لب و لہجے کے شاعر ہیں۔ اپنی نعتیہ شاعری کے توسط سے جدید دنیا
کو یا ترقی پسند شعرا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صنفِ نعت کے اندر یہ وسعت و تنوع ہے کہ وہ
مذہبی شاعری ہونے کے باوجود جدیدیت کی ایسی متحمل ہے کہ اس میں جدید رنگ و روپ میں
اظہار خیال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر بڑے ہی لطیف انداز میں فرماتے ہیں۔ ے
روح در روح بسی تیرے بدن کی خوشبو
مشک و عنبر سے بھی بڑھ کر تھا پسینہ تیرا

سامنے ہوتا ہے جب روضہ محبوب خدا
جذبہ حسن طلب اور سوا ہوتا ہے
اور جب وہ حق کی آواز بلند کرتے ہیں تو ان کا انداز حق گوئی بہت ہی واضح اور حقانیت
سے لبریز ہوتا ہے۔ وہ جوش و جذبے سے اس قدر سرشار ہوتے ہیں کہ گویا ان کا سراپا حقانیت میں
ڈوبا ہوا ہے چنانچہ وہ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ ے

جن سے جہان تیرہ میں ہے روشنی امن
بہتاں انہی پہ ظالمو دہشت گری کا ہے

ایسے میں ان کی یاد ہی درماں ہے درد کا
چاروں طرف سے سلسلہ نشتر زنی کا ہے
پروفیسر ناز قادری اردو کے ان نعت گو شعرا میں ایک ہیں جن کے سبب فروغِ نعت کا
رواں آگے بڑھ رہا ہے۔ آج صنفِ نعت انہی نعت گو شعرا کی کاوشوں کی وجہ سے جدید شعرا کی
فکری توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ کل تک جو شاعر غزل اور نظم کے شاعر کہلوانے میں فخر محسوس کرتے
تھے آج وہ نعت کے شاعر یا مداح رسول کہلوانے میں فخر و انبساط محسوس کر رہے ہیں۔ چنانچہ راجا
رشید محمود (پاکستان) نعتیہ ادب کے حوالے سے جن کی بڑی خدمات ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ
”عہدِ حاضر نعت کا دور ہے“ شمسُ الیم النعت، ڈاکٹر سراج احمد قادری رضوی کتاب گھر دہلی صفحہ ۱۸۴۔
پروفیسر ناز قادری کا مذکورہ نعتیہ مجموعہ ”چراغِ حرا“ میزانِ شریعت پہ نپا، تلا ہے۔ لب و لہجے کا
انوکھا پن، نیرنگی خیال، طرزِ ادا کی انفرادیت کلام میں جا بجا چستی و برجستگی جلوہ فرما ہے اگر وہ اسی
طرح متوجہ ہو کر نعتِ مصطفیٰ ﷺ کی رقم طرازی کرتے رہے تو یقیناً مستقبلِ قریب میں ان کی
ذات ایک نعت گو اور ایک نعت شناس کی حیثیت سے عالمی سطح پر نمایاں انفرادیت کی حامل ہوگی اور
اس کے سبب وہ کل میدانِ حشر میں سرخرو بھی ہوں گے اور شاد کام بھی انہوں نے سچ ہی کہا ہے۔

اعجازِ نعت پاک ہے تہذیبِ فکر و فن
میرے لیے تو باعثِ تو قیر بن گئی

زاویہ نگاہ

ہائے وہ حسن کا انداز کہ جس وقت جگر
عشق کے بھیس میں ہوتا ہے نمایاں کوئی
جگر مراد آبادی

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

شعاع امید۔ دبستان نعت

مجلہ ”دبستان نعت“ کا پہلا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے جو دراصل امید کی ایک تابندہ کرن ہے۔ اور یہ کرن وثوق کے ساتھ یہ پیغام دینا چاہتی ہے کہ اقدار سے محبت کرنے والے ابھی بھی موجود ہیں۔ اور اردو ایک تہذیب اور مضبوط ثقافت ہے جس کے اندر ذخائر کی ایک خوبصورت دنیا آباد ہے اور اس کا ایک خوبصورت ترین ذخیرہ نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اردو سے ناشنائی دراصل اسلام سے ناآشنائی ہے اور اردو تہذیب سے بے اعتنائی درحقیقت نعت رسول اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے اعتنائی ہے۔ عربی زبان و ادب کے طالب علم ہونے کے ناطے مجھے یہ کہنے کا استحقاق حاصل ہے کہ عہد حاضر کی اردو نعت گوئی کو عربی نعت گوئی پر سبقت حاصل ہے۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ڈاکٹر سراج احمد قادری کو لائق مبارک باد سمجھتا ہوں جنہوں نے اس مادیت کی رواروی میں اردو کے توسط سے شمع رسالت روشن کی ہے۔ اس نفسا نفسی میں کوئی تو بے نفسی کا علم بردار ہے ہم رخ روشن کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں جس نے عزم کیا ہے کہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو عام کیا جائے۔ یہی اسوۂ رسول شب و بچور کا خاتم اور قاتل ہے۔ قادری صاحب نے اپنے ادارے میں یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ والدین اپنے بچوں کو اسوۂ رسول کے جام سے سرشار و سیراب کریں تاکہ ان کی تعلیم و تربیت کا مناسب نظم و نسق ہو سکے۔ راقم الحروف اس تعلق سے ایک اور بات کہنے کا تمنائی ہے کہ ہمارا اصل اعتناء وارتکا قرآن کریم پر ہو کیوں کہ اس کے بغیر اسوۂ رسول کی تفہیم ممکن ہی نہیں اور اسی طرح بغیر قرآن کے ایک معتبر نعتیہ کلام کا وجود میں آنا بعید از قیاس ہے۔ یہ کتاب الہی نعت رسول کا پہلا ماخذ و مصدر ہے۔ اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: کان خلقہ خلق القرآن یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کا دوسرا نام تصویر قرآنی ہے۔ سیرت کے مصادر میں قرآن کریم کو

اساسی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کریم ایسا معیار و محور ہے جو ذات اطہر ﷺ کے تئیں کج بیانیوں سے بچاتا ہے۔ شعرائے کرام کے تجاوزات لا محدود ہیں اگر قرآن کریم پیش نظر ہو تو ان تجاوزات اور بے جا الحاقات سے بچا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم سرور کونین اور خود ان کے متبعین کا سب سے بڑا محافظ و مہمکن ہے۔ اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں آپ ﷺ کی جامع و کامل تصویر کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل حلیہ پیش کر دیا ہے تو موضوع روایات کے کیا معنی؟ سراج قادری صاحب نے اپنے ادارے میں تحریر فرمایا کہ:-

”حدیث کے کلمے کے مطابق فضائل و مناقب میں موضوع روایات

کا بھی اعتبار ہے“

کیا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کی تصویر کشی میں ناکافی ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل و مکام احادیث میں موجود ہیں اس لئے ضعیف روایات سے آپ ﷺ کی تائید و توثیق کرنا مناسب ہے۔ احادیث وضع کرنے والوں کے متعلق فرمان رسول ہے کہ ”مقعده فی النار اسی طرح“ ”فن نعت اور نعت گوئی“ میں یہ تاثر بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ نعت کا مفہوم یہ بھی ہے کہ توصیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مبالغے سے کام لیا جائے۔ یہ زاویہ نظر نعت رسول کے باب میں غیر مستحسن ہے۔ بعض ناقدین نے شاعری کے باب میں مبالغے اور کذب بیانی کا جواز فراہم کیا ہے۔ بانی بلاغت ارسطو نے بھی شاعری کی سطح پر کذب و افتراء کو مستحسن قرار دیا ہے۔ جس کی قرآن کریم کی روشنی میں مولانا فراہی نے تردید کی ہے، آپ کی مشہور زمانہ کتاب ”جمہرة البلاغة“ بلاغت صحیحہ کی پیش کش میں درجہء تفرد پر فائز ہے۔ سورة الشعراء میں شعراء کی اس بے راہ روی کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ خود سورة یس میں ”وما علمناہ الشعر وما ينبغي له“ کہہ کر وقار نبوت کی تشریح کی گئی ہے کہ شاعری اور ہوائی عمل کی تعبیر آپ ﷺ کے رتبے کے برعکس ہے۔ گویا مبالغہ اور نبوت میں بعد مشرقین ہے پھر کیا جواز ہے کہ غیر مستحسن طور پر اللہ کے حبیب ﷺ کی تعبیر و تشہیر کی جائے۔ قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت عالیہ کو ”مقام محمود“ کا نام دیا ہے۔ اس لئے درخواست ہے کہ اس تقدس کو مبالغوں سے مرتبت کرنا اسلامی غیرت کے منافی ہے۔

قابل افتخار مدیر قادری صاحب سے درخواست ہے کہ پروف پر خاصی توجہ دی جائے

”آپ کے ادارہ میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر میں ”یتضاء“ کے بجائے ”یتظاء“ ہے۔ پر خوشی کی بات یہ ہے کہ صفحہ ۱۷ پر یہ شعر صحیح درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۷۰ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر میں ”تتری علیہ“ جبکہ ”تتری علیہ“ ہے۔ یہی لفظ شوقی کے یہاں اس طرح آیا ہے۔

والای تتدی والخوارق جمۃ جبریل روّاح بها غداء۔

ایک مضمون ”غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ“ کے عنوان سے تحریر کیا گیا ہے جسے علمی سطح پر سراہا جائے گا لیکن اسلامی رو سے اس طرح کی کاوشوں کو بنظر استحسان ہرگز نہیں دیکھا جائے گا اس میں تقدیس اللہ اور تعریف رسول سے زیادہ اپنی خود نمائی اور خود ستائی ہے۔ مرتب اپنی علمی مرتبت اور فکری رفعت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ قرآن کریم تقویٰ، انکساری اور عجز کی بات کرتا ہے اور اسوۂ رسول فقر کا داعی ہے تو کیا اس آئینہ انقیاد میں اس تبخرو تقاخر کی اجازت ہے۔ خاکسار نے ہادی عالم اور سواطع الالہام پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ یہ اسلوب تعلیٰ اور اظہار تجلی اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا۔

اس شمارے کا قابل قدر مضمون ”علماء گھوسی کی نعت نگاری“ ہے اس مضمون کو مزید و قیع بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی کی ”زہۃ الخواطر“ کا ضرور جائزہ لیا جائے اس میں بہت سی ایسی چیزیں مل سکتی ہیں جو مضمون کے لئے باعث افادیت ثابت ہوں گی۔ اس کے علاوہ عرفان عباسی کی ”شعراء اتر پردیش“ کی بھی اور اراق گردانی کی جائے۔ اسی طرح علی جواد زیدی کی بعض تحریریں اس ضمن میں مفید ثابت ہوں گی اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی کی ”تذکرہ علماء اعظم گڑھ“ کا مطالعہ بھی مضمون کو تقویت بخشنے گا۔ ضرورت ہے کہ اسے مزید قابل قدر بنایا جائے۔ مضمون نگار لائق ستائش ہیں۔ آخر میں اسی قصبہ گھوسی کے معروف صاحب علم پروفیسر ظفر احمد صدیقی سے رابطہ کیا جائے کیوں کہ گھوسی کا علمی و ادبی سرمایہ ان کی نظر میں ہے۔ آپ کی وساطت سے مآخذ تک رسائی ممکن ہو سکتی ہے۔

اس شمارہ اول کی ایک خاص امتیازی شان یہ ہے کہ اس میں گوشہ علامہ جامی ہے جو ایک علمی و فکری ارتقاء کا ضامن ہے، اس سے یہی متبادر ہے کہ ”دبستان نعت“ دانشوری اور تحقیق و تفتیش کا ترجمان ہے۔ اس حصے کا ایک نامور نام ڈاکٹر سید یحییٰ نقیٹ کا ہے جن کی تحریر میں علمی ریاضت اور تصنیفی دباغت ہے اس تحریری صلابت کی تعریف پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے بھی

کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط کی تحقیقی جلوہ فرمایوں سے مجلے کے صفحات چمکتے اور دھکتے رہیں گے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ جتنی ہوں یا کوئی اور اس سے بھی عظیم تر ان کے کلام کا تنقیدی تجزیہ کیا جائے اور میزان فیصل یعنی قرآن کی روشنی میں فیصلہ صادر کیا جائے۔ اسی لئے کہ اسے ”فصل الخطاب“ کا رتبہ حاصل ہے۔

یہاں ایک خاص پہلو کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ بہت سے محققین اور صوفیہ کرام کا خیال ہے کہ قرآن کریم کے بہت سے رموز اور بوطن ایسے ہیں جن تک رسائی صرف صوفیہ کرام کی ہی ممکن ہے۔ یہ عام طور سے کہا جاتا ہے لیکن یہاں تو زہد نبوت پر آتی ہے کہ گویا قرآن کی بہت سی تہوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقف نہ تھے۔ جب کہ قرآن کریم ایک واضح کتاب ہے اس کی تمام تعلیمات دربار نبوت سے عام ہو چکی ہیں۔ اللہ نے خود آپ ﷺ کو شارح قرآن بنا کر مبعوث کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں نزول قرآن ہوا تا کہ اس کی تمام تر جامعیت و اکملیت تمام انسانوں کے سامنے رکھ دیں۔ حجتہ الوداع کے موقع پر اس کا اعلان بھی کیا گیا اور خود اللہ نے آپ کی زبان سے اعلان کروایا کہ۔

اليو اكملت لكم دينكم آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا
واتممت عليكم نعمتي اور تم پر اپنا انعام بھر پور کر دیا اور تمہارے لئے
ورضيت لكم الاسلام ديناً دین اسلام کو پسند کیا۔

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ایسی بیشار آیات کریمہ ہیں جن سے یہی ترشح ہوتا ہے کہ قرآن کریم ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ اس کے احکام، الفاظ اور معانی میں کوئی ابہام ہے اور نہ ہی کوئی ابہام، بالکل ابتداء ہی میں صراحت کر دی گئی کہ وہ تمام شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ اللہ نے بڑی وضاحت سے فرمادیا کہ ”الرکتاب احکمت ایتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر“ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیات محکم کی گئیں ہیں پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ اس آیت کریمہ کی روشنی میں بڑے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم ہر زاویے سے مبرہن ہے۔ اسی لئے اسے ”البلاغ المبين“ کہا گیا ہے۔ مجلہ دبستان نعت کے صفحہ ۵۵ پر صوفیہ کرام کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی پہلو کو اجاگر کیا۔ اس خیال سے بھی آپ کی ذات اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متاثر ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہنا ہے کہ بطونیت کا تعلق نہ قرآن کریم سے ہے اور نہ ہی صاحب قرآن سے۔ تصور علم باطن کا

قرآن کریم سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

میرے عزیز دوست سید صبیح رحمانی بھی اس میں جلوہ افروز ہیں۔ جنہوں نے دنیائے نعت کی علمی تزئین میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ نعت رنگ نے نعت گوئی کی جہتوں کی تصحیح میں کارہائے نمایاں انجام دئے اور نعت گوئی میں علامتی حیثیت اختیار کر گئے مدیر محترم نے آپ کی جس نعت کو اس میں شامل کیا ہے یہ قارئین ہند کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے۔ خاکسار کے اور اد میں یہ نعت شامل ہے۔ اسے پڑھتا ہوں، گنگنا تا ہوں تاکہ یہ جسم و جاں میں سرایت کر جائے۔ اس کے ہر ہر لفظ سے حب رسول کی خوشبو آتی ہے۔ جو رنگ و پے میں گھس کر قرار جاں عطا کرتی ہے۔ اور اڑ کر شراب میں گم ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ کاش یہ بد نصیب!

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے سلام کے لئے حاضر غلام ہو جائے تجلیات سے بھریوں میں اپنا کاسہ جاں کبھی جوان کی گلی میں قیام ہو جائے اسی قیام کے لئے علامہ اقبال زندگی بھر تڑپتے رہے۔ لیکن یہ قیام ان کے حصے میں غیر مکتوب تھا۔ علامہ اقبال کی اس تڑپ پر پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے ایک خوبصورت مقالہ تیار کیا ہے جو رسالہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ ضرورت ہے کہ من و عن اسے اس میں شائع کیا جائے۔ علامہ اقبال کے حب رسول پر شاید ہی اتنی خوبصورت تحریر ترتیب دی گئی ہو۔ قارئین دبستان نعت اسے پڑھ کر باغ باغ ہو جائیں گے۔ انھیں کلمات پر اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کے لئے حضور رب ذوالجلال دعا گو ہوں کہ انھیں عزم صمیم عطا فرمایا تاکہ ”دبستان نعت“ علوم و معارف کی بنیاد پر دنیائے نعت کی تعمیر و تشکیل میں قابل ذکر فتوحات انجام دے سکے اور اس کی شناخت صرف علم ہو۔ اسلام نے ذکر و فکر کی نشوونما میں ہر اولی کردار ادا کیا ہے۔ اس کی سمت حقیقت ہو کیوں کہ اسلام دین حنیف ہے اور اللہ اپنے بندوں کو خفاء بنانے کا خواست گار ہے۔ آج ہمارے اہل اسلام فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہی فرقے ان کی پہچان ہیں جب کہ اسلام فرقوں کو مٹانے اور دلوں کو جوڑنے کے لئے آیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ ”دبستان نعت“ قرآن کریم کے اس اصول کو قدم بہ قدم لے کر چلے گا۔ ارشاد بانی ہے:

واذکروا نعمت اللہ علیکم
اذکنتم اعداء ا فالف بین
قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ
اخوانا (آل عمران ۱۰۳/۲)

اور اپنے اوپر (نازل شدہ) اللہ کی نعمت کو یاد کرو،
جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے
پس اس نے تمہاری دلوں کو آپس میں جوڑ دیا، پس
تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری نعت رسول کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کریں گے، عالم اسلام لہولہاں ہے۔ عرب ماویٰ و بلجی کی تلاش میں درد کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ان کی کشتیوں کو ساحل پر لنگر انداز ہونے سے روکا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی حالت زار پر یہ آنکھیں اشک بار ہیں۔ شام اور یمن کے چیتھڑوں پر مغرب رقصاں ہے۔ فلسطینی معصوموں پر گولیاں داغ کر اسرائیل چراغاں کر رہا ہے۔ بغداد اور لیبیا خاکستر ہو چکے ہیں اور اب ترکی کے امن و امان کو غارت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیا ہماری دیوبندیت، سلفیت، بریلویت اور تبلیغیت ملت بیضاء کو اس طوفان قلزم سے تحفظ فراہم کر سکتی ہے۔ ہندوستان کا قبلہ اول مسکلیت سے محفوظ تھا لیکن اب یہ بھی اس مرض کا شکار ہے۔ اس کے ذمہ دار شیخ الجامعہ ضمیر الدین شاہ اور ان کی ٹیم ہے سرسید نے یہ ادارہ مسلمانوں کے دھڑوں کے اجتماع و اتحاد کے لئے قائم کیا تھا تا کہ محمود و ایاز کی مانند اس کی صفوں میں اتحاد ہو لیکن یہ اتحاد مختلف شکلوں میں پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ دیوبند، ندوہ، مدرسۃ الاصلاح اور بریلی شریف کے نام پر ”التھامن الاسلامی“ کے لئے سعی بسیار یقینی طور پر ناکام و نامراد ہوگی۔ اس شب دیبجور میں ”دبستان نعت“ کا طلوع ہونا فال نیک ہے۔ احقر کا روان ”دبستان نعت“ کا ایک رکن لاغر ہے۔ لیکن لاغری کے باوجود اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہے گا کیوں کہ مجھے احساس زیاں ہے، یہی احساس زیاں سرفرازیوں کی ضمانت ہے۔

ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی (کرناٹک)

”دبستان نعت“ ایک دستاویزی رسالہ

”دبستان نعت“ کا پہلا شمارہ میرے پیش نظر ہے اور میں حیران ہوں کہ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے فیروز احمد سیفی کی نگرانی میں اتنا ضخیم خوب صورت اور دستاویزی احمیت کا حامل شمارہ اتنے کم عرصے میں کیوں کر مرتب کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی رسالے کو اپنا معیار متعین کرنے میں اور قلم کاروں کا تعاون حاصل کرنے میں کافی وقت لگ جاتا ہے۔ سو ”دبستان نعت“ کے اس پہلے شمارے کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ اس رسالے کے نگراں اور مدیر نے بہت محنت کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ محنت کرنے والوں کی کبھی ہار نہیں ہوتی ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ یہ رسالہ دور تک جائے گا اور دیر تک یاد کیا جائے گا۔ رسالہ کے مشمولات پر نظر کرنے سے احساس ہوتا ہے کہ مدیر موصوف نے رسالہ کو اسم بامسمیٰ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پہلے شمارے میں ہی صنف نعت سے متعلق بہت سارے قیمتی مضامین کو جمع کر دیا ہے۔ ان مضامین کے مطالعے کے بعد نعت گوئی کی تاریخ اور اس کی فنی خوبیوں اور اس کے اختصاصی پہلوؤں کا بہت حد تک علم ہو جاتا ہے۔

اتنی بات ہم سبھی لوگ جانتے ہیں کہ اردو زبان و ادب کے فروغ میں اولیائے کرام نے اہم رول ادا کیا تھا اس لیے ایک زمانے تک اردو شعر و ادب کا تعلق روحانیت سے بہت مضبوط تھا۔ اتنا مضبوط کہ جو لوگ مولوی، مولانا یا عالم اور فاضل ہوتے تھے وہی شاعر اور ادیب بھی ہوتے تھے اور وہی لوگ فقہیم شعر و ادب کے میدان میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ مگر بعد میں جب ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور انگریزی زبان، انگریزی تہذیب، اور نئے علوم و فنون کا چرچا عام ہوا تو اردو زبان و ادب میں بھی انقلابی تبدیلیاں ہوئیں پھر تو صورت حال اتنی خراب ہو گئی کہ ادب، علوم، تہذیب کا ڈھانچہ یکسر بدل گیا۔ نئے علوم کی فراوانی نئے لوگوں کے سر پر عبقریت اور امام کا

تاج رکھا اور قدیم علوم اور پرانی تہذیب سے جڑے ہوئے لوگ آہستہ آہستہ مدرسوں اور خانقاہوں تک محدود ہو کر رہ گئے۔ یعنی تہذیب کی بنیاد جو پہلے پیغمبر، پیر اور رشی مٹی رکھتے تھے اور اس میں اصلاح کا کام ان کے پیروکار کرتے تھے ان کی جگہ نئی تعلیم کے حامل لوگوں نے لے لی۔ اور تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھنے اور اسے نشوونما سے ہم کنار کرنے کا فریضہ بھی وہی لوگ ادا کرنے لگے جو جدید تعلیم سے آراستہ تھے اس سماج، معاشرہ اور زبان و ادب سبھی کچھ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک حصہ جدید تعلیمات کی روشنی میں آگے بڑھتا رہا اور دوسرا حصہ دن بدن سمٹتا چلا گیا اور بعد میں لوگوں نے اسے ازکار رفتہ قرار دے دیا۔ اس طرح اردو زبان و ادب کے مزاج میں ہی نہیں اس کی سرشت میں بھی خرابی کی کئی صورتیں پیدا ہو گئیں۔ اس صورت حال پر قابو پانے کی کئی لوگوں نے کوششیں کیں۔ حالی، شبلی اور اقبال اس کی روشن مثالیں ہیں۔ مگر وہ پورے اردو ادب کو نہیں بدل سکے۔ بعد کے لوگوں نے خود ان عبقری حضرات کو کنارے لگانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس طرح صالح ادب یا یوں کہیں کہ مذہب رنگ ادب بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ منقبت، حمد اور نعت جیسی اصناف شاعری کو لوگوں نے بے وقت کی راگنی سمجھ لیا اور انہیں بحیثیت ایک صنف ادب کے دیکھنے کے محض مذہبی جذبے کی تسکین کا سامان قرار دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے نہ تو کبھی نعت گو شعرا کو اپنے خصوصی مطالعے کا موضوع بنایا، نہ سیرت منظوم کرنے والے شعرا پر توجہ کی۔ چند ایک لوگوں نے جامعاتی تحقیق کے لیے ان اصناف کا انتخاب تو کیا مگر ان میں سے بیشتر لوگ ایسے تھے جو کسی بھی طرح صرف سند حاصل کرنا چاہتے تھے اس لیے ان کی تحقیق اور تجزیے سے کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکا۔ اب اس تناظر اور پس منظر میں اگر ”دبستان نعت“ فن نعت گوئی کی روایت کو استقام بخشنے کی راہ پر گامزن ہے تو اسے بہر حال وقت کی ضرورت قرار دیا جاسکتا ہے۔ یوں بھی آج ساری دنیا میں جس نوعیت کا تہذیبی تصادم جاری ہے اس میں ہر تہذیب کا پروردہ اپنی جڑوں کی طرف لوٹنے پر آمادہ نظر آ رہا ہے۔ اپنی جڑوں کی طرف لوٹنا اپنی جڑوں سے جڑے رہنا بہت مبارک بات ہے۔ بشرطیکہ یہ فرار کی صورت نہ ہو۔

”دبستان نعت“ میں شامل کئی مضامین کافی معلوماتی ہیں۔ ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد اپنے مضمون میں نعت کو ایک منفرد شعری صنف کی حیثیت سے متعارف کرانے کی کوشش کرتے ہوئے بہت سے ایسے پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں جن پر بہت کم گفتگو ہوئی ہے۔ مگر وہ مستحکم انداز میں نعت کو ایک منفرد صنف شاعری ثابت کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اور یہ کام اتنا آسان ہے بھی

نہیں۔ کیوں کو صنفِ نعت کی شعریات طے کرنا اس کے سیاق کی وضاحت کرنا بہ حیثیت ایک منفرد شعری صنف کے اس کے تمام فنی لوازمات پر روشنی ڈالنا ایک مختصر مضمون میں ممکن بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس مضمون کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات واقعی قابلِ غور ہے کہ جن لوگوں نے محض نعت گوئی کے لیے اپنی جان لگا دی آخر ان کی خدمات کا اعتراف کیوں نہیں کیا جاتا ہے؟ کیا اس لیے نعتیہ شاعری کو تنقید کا موضوع نہیں بنایا جاتا ہے کہ اسے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے گی؟ یا یہ کہ نعتیہ شاعری کی تنقید کا کوئی پیمانہ ابھی تک وضع نہیں کیا جاسکا ہے؟ یہ ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔ ہم صرف یہ کہہ کر سرخ رو نہیں ہو سکتے کہ لوگ نعتیہ شاعری کے مطالعے میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں؟ یا یہ کہ لوگ نعت گو شعرا کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے ہیں؟ نعتیہ شاعری کے حوالے سے اس طرح کے مضامین بھی لکھوانے کی ضرورت ہے مثلاً ”نعتیہ شاعری کا اردو زبان و ادب پر اثر“ ”اردو نعتیہ شاعری کا ہندوستان کی دوسری زبانوں کے ادب پر اثر“ ”اردو زبان و ادب کو نعتیہ شاعری کی دین“ ”نعتیہ اور حمدیہ شاعری ایک تقابلی مطالعہ“ ”حمدیہ شاعری کی اتنی قلت اور نعتیہ شاعری کی اتنی بہتات کیوں؟ ظاہر ہے کہ اس طرح کے سیکڑوں عناوین قائم کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن محض عناوین قائم کرنے سے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

ڈاکٹر سید خسرو حسینی کا مضمون بھی کافی معلوماتی ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اردو کی دوسری اصناف کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہیں کہ ان پر لکھا ہوا شاید ہی کوئی مضمون معلوماتی اور تازہ محسوس ہوتا ہے۔ مگر نعتیہ شاعری کے آغاز و ارتقاء کے بارے میں ہم اتنا کم جانتے ہیں کہ اس پر سنجیدگی سے لکھا ہوا تاریخی نوعیت کا ہر مضمون نیا معلوم ہوتا ہے۔ ”دبستان نعت“ کی اشاعت کا غالباً ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ نعتیہ شاعری پر کھل کر گفتگو ہو۔ نعتیہ شاعری کی تفہیم اور تجزیے میں لوگ اپنی دلچسپی کا مظاہرہ کریں۔ اور جن لوگوں نے نعتیہ شاعری کے سرمائے میں اضافہ کیا ہے ان کی خدمات کا اعتراف ادبی پیمانے کی روشنی میں کی جائے۔ مجھے شک ہے کہ ”دبستان نعت“ سے ان مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے گا۔ کیوں کہ مذہب اور عقیدے کی آڑ لے کر لوگ جذباتیت کو ہوا دینے لگتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو خلوص سے نعتیہ شاعری کی تنقید و تفہیم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بہت جلد گھبرا کر توبہ کر لیتے ہیں۔ یا پھر ہوتا یہ ہے کہ کسی کی نعتیہ شاعری کے بارے میں کچھ لکھنا ہوتا ہے تو لوگ آنکھ بند کر کے چند توصیفی جملے لکھ دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نعتیہ شاعری کے مطالعے کی راہیں روشن نہیں ہو پاتی ہیں۔

صابر سنبھلی اور عزیز احسن صاحب کے مضامین بھی لائقِ مطالعہ ہیں۔ شخصی مضامین میں منیر احمد ملک، قاضی محمد رفیق فائز، ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی، فیروز احمد سیفی، ڈاکٹر یحییٰ نشیط وغیرہ کے مضامین لائقِ مطالعہ ہیں۔ طاہر سلطانی صاحب کا مضمون دلچسپ اور معلومات میں اضافہ کرنے والا ہے، ان کا طرزِ تحریر بھی دلکش ہے۔ ایمان داری کی بات یہ ہے کہ میں رسالے کے تمام مضامین نہیں پڑھ پایا ہوں۔ ممکن ہے کہ جو مضامین پڑھنے سے رہ گئے ہیں وہ پڑھے ہوئے مضامین سے بھی عمدہ ہوں لیکن جس حد تک رسالے کے مشمولات دیکھ سکا ہوں اس سے واضح ہے کہ آپ نے مضامین کا بھی بہت عمدہ انتخاب کیا ہے۔

نعت کے کئی اشعار بے حد پسند آئے۔ اگر تمام اشعار نقل کروں تو اور بھی کئی صفحات سیاہ ہو جائیں گے۔ دوسری زبانوں کی نعتوں اور نعتیہ اشعار کا اردو میں ترجمہ دے کر آپ نے بہت اچھا کام کیا۔ نئی نسل کو تو فارسی اتنی کم آتی ہے کہ نہ آنے کے برابر ہے۔ اب تو مدرسوں میں بھی فارسی کی تعلیم پر توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اپنے ادب کی جڑوں کی شناخت آسان نہیں ہے۔ خاص طور سے وہ ادب جس کا رشتہ مذہبِ اسلام سے مضبوط تر ہے اور وہ اصنافِ ادب جنکی جڑیں عربی اور فارسی ادب میں گہری اتری ہوئی ہیں ان کی تفہیم تو اور بھی مشکل ہے اللہ کرے آپ کے حوصلے بلند رہیں۔ اور آپ ”دبستانِ نعت“ پابندیِ وقت کے ساتھ نکالتے رہیں۔

ڈاکٹر اشفاق انجم (مالیگاؤں)

”دبستان نعت“ (شمارہ نمبر ۱) کا تنقیدی جائزہ

محترم ڈاکٹر سراج قادری صاحب !!

”دبستان نعت“ کا پہلا شمارہ موصول ہوا، اس کرم گستری کا شکریہ !!

رسالہ غالباً بڑی عجلت میں ترتیب دیا گیا ہے جس کی بنا پر بعض کمزور تخلیقات بھی شامل ہو گئی ہیں۔ کمپوزنگ کی تو بیشمار خامیاں ہیں۔ جگہ جگہ نظر کو ٹھوکر لگتی ہے۔ ایک جگہ تو ایسا معلوم ہوا کہ سانس ہی اکھڑ جائے گی۔ ملاحظہ فرمائیے صفحہ نمبر ۸۵،

”اَنَا اعطیني كل كوثر ط“۔ (اَنَا آعطینك الكوثر ط)

اگر ”اغلاط نامہ“ تحریر کروں تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ حضور! یہ نعتیہ رسالہ ہے اسلئے پروف پر توجہ بہت ضروری ہے۔ بات چل نکلی ہے تو ملاحظہ فرمائیے۔

صفحہ نمبر ۲۴، پیرا گراف ”وہ معین ہیں۔۔۔ سطر ۱۴ - ۱۸ تا صفحہ نمبر ۲۸۔ سطر ۱۲ تا ۱۴، پیرا گراف ”یہ فن ہر زبان۔۔۔ صفحہ نمبر ۳۰، سطر ۱۱ تا ۲۳ پر درج ہے۔ صفحہ نمبر ۲۸، پیرا گراف ”فن شعر (Art of Poetry)، صفحہ نمبر ۲۸۔ سطر ۱۹، صفحہ نمبر ۳۰، سطر ۲۴ - ۲۵ تا صفحہ نمبر ۳۱، سطر ۱ تا ۱۸ پر دہرایا گیا ہے۔ اسی طور پر صفحہ نمبر ۱۹۹، سطر ۷ تا ۲۵، پیرا گراف ”تمام خصوصی مہمان۔۔۔“ صفحہ نمبر ۲۰۰ پر سطر ۱۲ تا ۲۴، دوبارہ کمپوز ہو گیا ہے۔ صفحہ نمبر ۲۰۴، سطر ۲۲ تا ۲۵۔ صفحہ نمبر ۲۰۵، سطر ۱۲ کی پوری عبارت، صفحہ نمبر ۲۰۶ کی سطر ۱۳ تا ۲۵ سے لیکر صفحہ ۲۰۷، سطر ۱ - ۲ پر ہو بہو درج ہے۔

قادری صاحب! میں نے اپنی تحریروں میں کئی جگہ لکھا ہے اور مجلسوں میں بھی یہ بات کہی ہے کہ: ”اکثر غلط اشعار بہت جلد مقبول ہو جاتے ہیں، مثلاً آپ کا پیش کردہ شعر

اے خدا اجر کے اعلان سے پہلے سن لے

مجھ کو جنت سے سوا سایہ دیوار اُن کا

(احمد ندیم قاسمی، صفحہ ۱۱)

آپ نے اس شعر کی قباحت پر غور نہیں فرمایا، اول تو شعر میں خدا کو چیلنج کیا جا رہا ہے یا پھر خدا سے تاکیداً کہا جا رہا ہے کہ اپنے فیصلے سے پہلے میرا عندیہ سن لے۔ اگر اس کے خلاف ہوا تو میں تیرا فیصلہ ماننے والا نہیں!! دوسرے یہ کہ حشر اسی وقت برپا ہوگا جب ساری کائنات فنا ہو جائے گی تب قاسمی صاحب ”ان کا سایہ دیوار“ کہاں سے لائیں گے؟ تیسرے یہ کہ شاعر کو جنت کی خواہش نہیں۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللہ!!

ادھر کئی رسائل میں تنویر پھول صاحب (نیویارک) کی نعت و حمد نظروں سے گزریں اور پہلا تاثر یہ پیدا ہوا کہ پھول صاحب بحر کے ارکان پر الفاظ فٹ کر کے شعر بنالیتے ہیں۔ زبان و بیان کی صحت اور فصاحت و بلاغت پر ان کی نگاہ نہیں رہتی۔ ان کی حمد صفحہ ۱۹ پر ”رحمن دنیا“ اور ”آخرت میں رحیم“ کا مطلب کیا ہوا؟ اور ردیف ”کرم ہی کرم“ کے ساتھ جب ”تو“ لگا ہوا ہے تو پھر میرے خیال میں کرم کی بجائے ”کریم“ کا محل ہے۔ اسی طرح ”تجھ سے ہے آسرا“ بھی غلط زبان ہے۔ ”تجھ سے آس“ یا پھر ”تیرا آسرا“ کہتے ہیں۔ ”مائیں ستر محبت میں ہیں تجھ سے کم“ میں بھی تعقید ہے۔ مطلب ستر محبت میں مائیں کم ہیں؟ نیز ہمارے یہاں ماں کی محبت کی جگہ ”ممتا“ مستعمل ہے جو ماں کے تعلق سے محبت کا زیادہ صحیح مفہوم دیتا ہے۔

طاہر سلطانی صاحب کی حمد کا مطلع بھی بڑا عجیب ہے۔ اولیٰ مصرعے میں آپ فرما رہے ہیں کہ، دل میں رب کی محبت کے سوا کچھ بھی نہ رہے اور ثانی میں فرماتے ہیں ”اور کیا چاہئے سرکار کی چاہت کے سوا“۔ یہ تو متضاد باتیں ہیں!!

ایک بات پر مجھے مزید حیرت ہوتی ہے کہ اکثر شعرا ایسے الفاظ کی بھی جمع بنالیتے ہیں جن کی جمع ہے ہی نہیں۔ مثلاً پانی سے پانیوں۔ دھوپ سے دھوپوں اور طاہر سلطانی صاحب کی الفت سے الفتیں!! ان کا پانچواں شعر تو غضب کا ہے، وہ مولا سے سید عالم ﷺ کی شفاعت طلب کر رہے ہیں! کیا مولا بخشنے کی قدرت نہیں رکھتا!؟

کچھ نہیں مانگتا مولا ترا بندہ تجھ سے = حشر میں سید عالم کی شفاعت کے سوا ص ۲۰

صفحہ ۲۲ پر احمد ندیم قاسمی کے دو شعر درج ہیں اور میری نگاہ میں دونوں ہی غلط ہیں۔

فن کی تخلیق کے لمحوں میں تصور اس کا = روشنی میرے خیالوں میں ملا دیتا ہے

شعر سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ حمد کا شعر ہے یا نعت کا؟ دوسرے ”فن کی“ حشو فنیج ہے اس کے بغیر بھی مصرعہ مکمل ہے یعنی ”تخلیق کے لمحوں میں تصور ان کا“ تیسرے روشنی خیالوں میں بھر دیتا

ہے درست ہوگا نہ کہ ”ملا دیتا“۔ نیز میرے خیال میں ”فن“ تخلیق نہیں کیا جاتا۔

میرے نقاد کو شاید ابھی معلوم نہیں = میرا ایماں ہے مکمل میرا ایماں تو ہے
شعر و لخت ہے، ”نقاد“ بھی بے محل ہے یہاں ”منکر“ جیسے کسی لفظ کی ضرورت تھی!! یہاں
بھی وہی کیفیت ہے کہ شعر حمد یہ ہے نعتیہ؟ حمد یہ ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نعتیہ ہے تو محل نظر ہے!!
ڈاکٹر سید حسین احمد (پٹنہ) اہل تصوف میں مقدس ہستی ہیں اور اہل ادب میں محترم! لیکن
قابل احترام ہستیوں سے اختلاف کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔
سید صاحب کے اس خیال سے میں متفق نہیں ہوں کہ:

”نعت کا کوئی فارم مخصوص نہیں اسلئے اسے صنفِ سخن کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔“

اس تعلق سے آپ نے مرثیے کی مثال دی ہے اور فرمایا ہے کہ سودا نے مرثیے کا فارم
مسدس مقرر کیا ہے۔ یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ۔
سودا سے قبل چودہ سو سال پہلے تک جس کلام کو مرثیہ کہا گیا ہے وہ کیا ہے؟ اور میرانیس و مرزا
دبیر کے بعد مسدس کا فارم مرثیے کیلئے کتنا استعمال ہوا؟ اور کیا مسدس کے فارم میں کہا جانے والا
کلام ہی مرثیہ کہلائے گا اور دوسری ہیئت میں کہا جانے والا کلام مرثیے میں شمار نہیں ہوگا؟ جیسے
کہ رباعی، اس کے طے شدہ مخصوص اوزان ہیں اور یہ اس کی ایجاد سے ہی اس کے لئے مخصوص
اور لازمی قرار دیئے گئے ہیں۔ اگر کوئی تخلیق ان طے شدہ اوزان پر پوری نہیں اترتی تو وہ رباعی
نہیں قطعہ کہلائے گی!! جبکہ مسدس کی ہیئت میں نہ ہونے کے باوجود اپنے موضوع کے اعتبار سے
مرثیہ، مرثیہ ہی کہلائے گا۔

بعینہ صورت حال نعت کی ہے یعنی اگر مرثیہ کو اپنے موضوع کے اعتبار سے صنف کہا جا رہا
ہے تو پھر نعت بھی اپنے موضوع کے اعتبار سے صنف کیوں نہیں کہی جاسکتی؟
محترم جناب ڈاکٹر سید خسرو حسینی (گلبرگہ شریف)، ڈاکٹر عزیز احسن، فیروز احمد سیفی کے
مضامین عمدہ ہیں بقیہ تخلیقات BA اور MA کلاسیس کی نوٹس معلوم ہوتی ہیں۔
ڈاکٹر صابر سنبھلی ان دنوں بڑے عجیب و غریب مضامین تحریر کر رہے ہیں، وہ جس کی مدح و
تعریف کرتے ہیں، اس کی تضحیک و تنقیص بھی کر جاتے ہیں۔ مثلاً حدائقِ بخشش کا یہ شعر پیش
کر کے وہ رقم طراز ہیں۔

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

”بے دام اور بے دام“ میں صنعت ہے جو بہت پہلے سے استعمال ہوتی آئی ہے۔ اس صنعت کے استعمال پر شاعر (اعلیٰ حضرت) کی بہت زیادہ تحسین نہیں کی جاسکتی۔ (ص ۵۸)

”میں یہ نہیں کہتا کہ حضرت موصوف دنیا کے بہت بڑے نعت گو ہیں۔ یہ دعویٰ بھی نہیں ہے کہ اردو میں ان سے بہتر نعت گو کوئی نہیں ہوا؟ لیکن بڑی بات یہ ہے کہ ان کی نعت گوئی بارگاہ رسالت میں مقبول ہوئی اور ان کو حج و زیارت کیلئے طلب فرمایا گیا۔“ (ص ۱۹۸)

”لیکن اس خبر کی تصدیق یا عدم تصدیق اس بیچ مداف کو نہیں ہوئی۔“ (ص ۱۹۸)

اس کے بعد صاحب اس تعلق سے ایک واقعہ مفصل بیان کرتے ہیں اور پھر اس پر اس طرح پانی پھیر دیتے ہیں:

”یہ ایک عقیدت مند کی تحریر ہے۔ اسلئے اس میں۔۔۔
بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کیلئے
(ص ۲۰۱)

صاحب صفحہ نمبر ۱۹۳ پر لکھتے ہیں:

”میں پہلے کسی مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ اب شافع یوم النشور کو تو، تیرا، تجھ کو، جیسے القاب سے مخاطب نہیں کرنا چاہئے۔“

ایسی ہی بات ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی نے بھی اپنے تعلق سے ایک جگہ لکھی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ راقم الحروف نے اپنے نعتیہ مجموعہ کلام ”صلو علیہ وآلہ“ (۲۰۰۱ء) کے پیش لفظ میں تحریر کیا تھا کہ:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو، تیرا، تجھ کو، جیسے القاب سے مخاطب کرنا میرے نزدیک بے ادبی ہی نہیں بلکہ گستاخی ہے۔“

جس پر صاحب نے اپنے نعتیہ دیوان کے صفحہ نمبر ۱۶ پر تحریر فرمایا:

”یہ بات بہت دنوں سے میرے ذہن میں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو، تیرا سے مخاطب نہیں کرنا چاہئے لیکن اس تعلق سے مایگاؤں، مہاراشٹر کے ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب نے پہل کر دی۔“

کسی کی تحریر ہی نہیں کوئی قول بھی اپنے نام سے بیان کرنا ادبی بددیانتی و خیانت میں شمار ہوتا ہے۔

کرشن کما رطور پر فہم احمد صدیقی کا مضمون اچھا ہے، غیر مسلم نعت گو شعرا پر آج کل بہت کام ہو رہا ہے۔ ہونا بھی چاہئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین ہیں، لیکن مضمون نگاروں کو اس امر کا خیال رکھنا چاہئے کہ ”عقیدہ اور عقیدت“ میں بہت فرق ہے۔ غیر مسلم تو جس سے متاثر ہو جائیں اس کی پوجا ارچنا شروع کر دیتے ہیں، اب یہی دیکھئے کہ ”شرڈی کے سائیں بابا“ ایک مسلم فقیر تھے، برسوں میرے شہر مالیگاؤں میں رہے، انکے دیکھنے والوں میں بزرگ استاد شاعر حضرت احسن مرحوم تھے اور جب کبھی بات نکلتی تو فرماتے تھے کہ:

”سائیں بابا مسلم فقراء میں سے تھے۔ نام عبدالرحمن تھا اور غوث ماسٹر کے اعزاء

میں سے تھے جن کے وارثین آج بھی یسین میاں کے تکیے میں رہائش پذیر ہیں۔“

خیر۔ آدم برسر مطلب کہ غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام پر ضرور لکھا جائے لیکن اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ کہیں کوئی شعر خلاف شرع یا اسوہ حسنہ کے متضاد تو نہیں ہے مثلاً کرشن کما رطور کے یہ اشعار۔

دیکھنا ہے کہ حاجت روا کون ہے وہ نہیں ہیں تو مشکل کشا کون ہے! ص ۸۰

ہے ان کے ہاتھوں میں کنجی مرے مقدر کی مجھے تو ملتا ہے سب کچھ سدا محمد ﷺ سے ص ۸۰

وہی ہے جس نے بخشی ہے ضیاء فطرت قرآن کے وہی ہے نور علم آسمانی بانٹنے والا ص ۸۱

رنگ نارِ خلیل ہیں آپ ﷺ حسن ربّ جلیل ہیں آپ ﷺ ص ۸۱

ان اشعار کی قباحت اتنی واضح ہے کہ اس پر کچھ تفصیل سے لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

مرحومہ صغریٰ عالم پر فیروز احمد سیفی صاحب کا مضمون بہت عمدہ ہے۔ میرے خیال میں اگر

سیفی صاحب صغریٰ عالم کا یہ شعر درج نہ کرتے تو بہتر ہوتا،

مسجد توحید کے محراب در محراب میں شمع احمد سے ہو وابستگی یا مصطفیٰ ص ۸۹

محراب مونث لفظ ہے نیز شاعرہ ”مصطفیٰ“ سے ”شمع احمد“ سے وابستگی چاہتی ہے، اس

صورت میں ”احمد“ اور ”مصطفیٰ“ دو الگ الگ شخصیتیں ہو جاتی ہیں۔

قادری صاحب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو احمد ندیم قاسمی سے کوئی خاص لگاؤ ہے جس کی بنا پر ان

کے اشعار کئی جگہ پیش کئے ہیں۔ صفحہ ۹۴ پر اس شعر کے تعلق سے آپ کیا فرماتے ہیں۔

وہ مری عقل میں ہے، وہ مرے وجدان میں ہے

مری دنیا بھی وہی ہے مرا عقبی بھی وہی

میرے خیال میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نہ پہلے کسی کی عقل میں سمائی تھی نہ آج سما سکتی ہے اور نہ ہی آئندہ!! اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عقل میں ہیں یعنی وہ انہیں کما حقہ جان چکا ہے تو میں اسے ماننے کیلئے قطعی تیار نہیں ہوں! کیا آپ!!؟ محسن اعظم محسن ملیح آبادی (کراچی) نے اپنے مضمون ”طاہر سلطانی کے مجموعہ کلام“ نعت روشنی“ کا تنقیدی مطالعہ میں ”طاہر صاحب کے کئی عیب دار اشعار پیش کئے ہیں۔ ان کا تفصیلی ذکر طوالت کا باعث ہوگا، لیکن اس دوہے پر ضرور کچھ کہنا چاہوں گا۔

کر پا ہو بھگوان کی مجھ پر، میں سندر ہو جاؤں
مالا جپوں میں ہر دم ان کی یادوں میں کھو جاؤں
بھگوان، ”اللہ“ کا مترادف کسی صورت نہیں ہوگا، کیونکہ بھگوان میں رام، کرشن، شنکر جیسے ۳۶ کوئی دیوتا شامل ہیں، اس صورت میں شاعر میری دانست میں لاعلمی یا غیر شعوری طور پر شرک کا مرتکب ہو گیا ہے۔ اسے چاہئے کہ توبہ کرے اور ایسے دوہے کو اپنے ذخیرے سے نکال پھینکے۔ اس کے علاوہ جس زبان پر ہمیں عبور نہ ہو اس میں خامہ فرسائی نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ”سندر“ ہندی لفظ ہے اس کا تعلق ظاہری حسن یعنی شکل صورت سے ہے۔

طاہر سلطانی (کراچی) کا مضمون ”غیر منقوطہ حمدیہ و نعتیہ شاعری“ اچھی کوشش ہے، طاہر صاحب نے محنت بھی کافی کی ہے۔ لیکن مجھے ان سے شکایت ہے کہ انہوں نے بھی عیب دار اشعار بطور نمونہ درج کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے

کر دے وہ مٹی کو گوہر گر اُٹھے اس کے در سے رحم و احساں کی گھٹا ص ۱۵۶
کنکر تو گوہر ہو سکتا ہے مگر مٹی!؟

کلام مہر و ولا لا الہ الا اللہ حسام ملک الہ، لا الہ الا اللہ ص ۱۵۷
”ولا“ کا قافیہ ”الہ“ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ہو کے اللہ کے محمود و حامد مگر دہر کے درد دل کی دوا آگئے ص ۱۵۷
اللہ کا ”ہ“، تقطیع سے ساقط ہے جس کی بنا پر ”آلا“ پڑھا جاتا ہے جو سراسر غلط ہے۔

ملک مولیٰ کے دُلبا، عجم کے ولی حامل حال صلی علی آگئے ص ۱۵۷
ثانی مصرعے کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا!؟

دل کو مرے ملے دیر احمد کھلا ہوا ہر لمحہ مجھ درس محمد ﷺ رہا کروں ص ۱۶۴

”مجددِ درسِ محمد“ کا ”دراجمد کھلا ہونے“ سے کیا تعلق ہے اور اگر یہ ”درس“ بمعنی ”درشن“ ہے تو ترکیب غلط ہے۔

لکھوں میں مدحتِ آقا خیالوں کو وضو دے کر
پکڑتا ہوں قلم کو اپنے ہاتھوں میں عقیدت سے

ص ۱۵۶

”وضودیا“ نہیں ”کیا“ جاتا ہے۔ غسل دیا جاتا ہے وہ بھی مردے کو!
مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کا شعر ہے

کون کہتا ہے کہ مرقد میں اندھیرا ہوگا
وہ جو ہونگے تو اجالا ہی اجالا ہوگا

ص ۳۰۸

کیا ”وہ“ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک شاعر کی قبر میں تشریف فرما رہیں گے؟
ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی سے درخواست ہے کہ وہ دبستان نعت میں شامل حضرت سید شاہ حسین احمد کے مضمون کے آخری تین پیرا گراف پڑھ لیں تو انکے سامنے کئی آفاق روشن ہو جائیں گے۔
ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی نے ”علمائے گھوسی کی نعت نگاری“ پر بہت مفصل مقالہ تحریر فرمایا ہے لیکن انہوں نے بھی بہت سارے غلط اور قابلِ اعتراض اشعار مثال میں پیش کئے ہیں۔ مثلاً یہ ایک مصرعہ۔

”کروں پاشویہ اے آقا تمہارے دیدہ ترے“ (ص ۲۳۱)

پاشویہ ایک یونانی طریقِ علاج ہے جس میں جڑی بوٹیوں کو پانی میں جوش دے کر پیڑوسے نیچے تک پانی بہایا جاتا ہے۔ جسے عام زبان میں ”تریرا دینا“ کہتے ہیں۔ اب اسے کیا کہیں کہ شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس آنسوؤں سے اپنے پیڑوکا پاشویہ کرنا چاہتا ہے!
مبارک قاسمی وہ ناخدائی کو ترے آئے
تو کیا کھٹکا ہے اب مجھ کو مخالف بادِ صرصر کا

(ص ۲۲۶)

”ترے“ کی بجائے ”مری“ کا محل ہے۔ ناخدائی دریا اور سمندر میں ہوتی ہے اور بادِ صرصر ریگستان میں چلتی ہے!!

ہے خریدار گنہ رحمت کا تاجر جس جگہ
عاصیو! وہ مصطفیٰ بازار تھوڑی دور ہے

(ص ۲۲۸)

مطلب مدینہ شریف ”مصطفیٰ بازار“ ہے جہاں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوکان کھولے
بیٹھے ہیں اور گناہ خرید رہے ہیں!!

محمد سا حسین دیکھا نہ ایسی دل بری دیکھی
خدا نے مصطفیٰ میں اپنی خود جلوہ گری دیکھی

(ص ۲۳۲)

وہی ”احد اور احمد“ کے ”میم“ والا معاملہ یہاں بھی ہے اللہ شاعر کی مغفرت فرمائے۔
جبیں ہو جھکی میری کعبے کی جانب مرے دل کا قبلہ نبی کا حرم ہو ص ۲۳۷
یہ کیا ہے، منافقت یا شرک!؟

میرے آنسو کہہ رہے ہیں آج دل کی ساری بات
سامنے ہے آپ کے روضے کی جالی یا رسول

(ص ۲۶۱)

دل کی بات ”جالی“ سے کہہ رہے ہیں یا ”رسول“ سے؟
اس خاک پہ ملکتے ہیں جبیں چاند ستارے چنتا ہے گل باغ ارم خارِ مدینہ ص ۲۶۹
کیا واقعی چاند ستارے مدینے کی خاک پر جبیں ملتے ہیں؟ نیز ”باغ ارم“ تو شہاد کی جنت تھی پھر
مدینے کے خار ارم میں کیسے پہنچیں گے؟! حجاج کرام سے سنتا ہوں کہ مدینے میں ”خار“ تو کجا ”دھول مٹی“
تک نہیں ہے۔ اس صورت میں خارِ مدینہ کی کوئی نئی تاویل تلاش کرنی چاہئے!
پھرے نہ ان کی گلی میں اگر تو کچھ نہ کیا
طواف خانہ کعبہ ہزار بار کریں

(ص ۲۷۲)

اللہم احفظنا!

حضرت عبدالرحمن جامی پر خصوصی گوشہ شائع کر کے آپ نے بڑا کام کیا ہے۔ اس میں
تنویر پھول، سید یحییٰ شیط اور ڈاکٹر رضوان انصاری کے مضامین شامل ہیں۔

قادری صاحب! آپ مدیر ہیں اسلئے آپ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ آپ موصول شدہ مضامین کو بغور دیکھیں، اگر ان میں کوئی قابل اعتراض بات ہو تو صاحب مضمون سے رابطہ کر کے اس کی طرف متوجہ کریں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو آپ اپنی مقررہ کا استعمال کریں۔ شائع شدہ مضامین میں کچھ اختلافات ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

☆ ”وہ (جامی) ۱۴۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۷۸ سال کی عمر میں نومبر ۱۴۹۲ء

میں وفات پائی۔“ تنویر پھول، ص ۲۷۸

☆ ”وہ (جامی) ۱۴۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۴۹۵ء میں دنیا سے رخصت

ہو گئے۔“ یحییٰ نشیط، (ص ۲۸۲)

☆ ”جامی اس دنیائے فانی میں ۸۱ سال زندہ رہے۔ چنانچہ آپ کا وصال ۱۸

محرم ۸۹۸ھ مطابق ۹ نومبر ۱۴۹۲ء میں ہوا۔“ رضوان انصاری، (ص ۲۹۰)

اب ذرا ان بیانات کا تجزیہ کیجئے اور ان کے تضادات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) تنویر پھول کے مطابق جامی ۷۸ برس زندہ رہے یعنی ان کی ولادت ۱۴۱۴ء اور وفات

۱۴۹۲ء (۸۹۸ھ) میں ہوئی۔

(۲) یحییٰ نشیط کے مطابق جامی ۸۱ برس زندہ رہے یعنی ان کی ولادت ۱۴۱۴ء اور وفات

۱۴۹۲ء (۹۰۲ھ) میں ہوئی۔

(۳) رضوان انصاری کے مطابق جامی ۸۱ برس زندہ رہے یعنی ان کی وفات ۱۴۹۲ء

(۸۹۸ھ) سے سنہ ولادت ۱۴۱۴ء کی بجائے ۱۴۱۱ء نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ رضوان انصاری

صاحب نے لوح مزار جامی پر کندہ قطعہ پیش کیا ہے جس سے تاریخ نکلتی ہے۔

جامی کہ بود مائل جنت مقیم گشت

فی روضۃ مزار۔ اَرْضُهَا السَّمَاءُ

کَلْبِ قِضَا نُوشْتِ رِوَاں بِرْدِ بِہِشْتِ

تَارِیْخَةُ وَمِنْ دَخْلِهِ کَانَ آمَنْ

-----۸۹۸-----

اس قطعہ میں دو قباحتیں ہیں، اوّل تو ”سا“ کا قافیہ ”آمن“ غلط ہونے کے علاوہ بحر بھی

درست نہیں ہے۔ اسے ”آمنا“ ہونا چاہئے اور آیت قرآنی میں بھی ”آمنا“ ہی ہے۔ اس صورت

میں آیت ”ومن دخلہ کان آمناً“ کے اعداد ۸۹۸ کی بجائے ۸۹۹ نکلتے ہیں۔ یہاں ۸۹۸ حاصل کرنے کیلئے ”آمناً“ کا آخری ”ا“ ساقط کر دیا گیا۔ یہ تو کچھ مناسب نہیں ہوا!! اس صورت حال میں لوح مزار کو مصدقہ مانتے ہوئے جاتی کی وفات کا سنہ ۸۹۹ھ ہی تسلیم کرنا چاہئے۔ کیونکہ ماڈے کے اخراج میں کسی صنعت یعنی زبر و پیٹات یا تدخلہ و تخریجہ کا کہیں بھی کسی صورت سے اظہار نہیں ہوتا۔

حضرت جاتی کے اشعار کے بیشتر تراجم بھی غلط ہوئے ہیں۔ مترجمین نے یا تو اشعار کے سمجھنے میں غلطی کی ہے یا پھر وہ زبان فارسی کا صحیح مذاق نہیں رکھتے یا پھر مترجمین نے اپنے مزاج اور مسلک کے مطابق آزاد اور من چاہا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

صلی اللہ علیٰ نور کز و شد نور ہا پیدا
زمین از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا

(ص ۲۴۸)

ترجمہ: اور اللہ کی رحمت ہو اس نور پر جس سے (تمام) نور پیدا ہوئے، زمین اس کی محبت میں ساکن (زلزلے سے محفوظ) اور آسمان اس کے عشق میں شیدا ہے۔

”پیدا“ کے معنی مترجم نے ”پیدائش“ لئے ہیں۔ جبکہ یہاں ”ظاہر“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نیز زلزلے تو آج بھی آرہے ہیں؟ میری دانست میں شعر کا مطلب یہ ہوگا:

”اللہ کی رحمت ہو اس نور پر جس کے صدقے میں ہر نور کا ظہور ہوا۔ اور زمین

جو آپ کے انتظار میں مضطرب تھی، آپ ﷺ کی آمد پر پرسکون ہو گئی۔“

محمد ، احمد و محمود وے را خالقش بستود

کز و شد بود ہر موجود ، از و شد دید ہا بینا

(ص ۲۷۸)

ترجمہ: آپ ﷺ کے خالق نے آپ ﷺ کی مدح محمد صلی اللہ علیہ وسلم، احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمود کہہ کر کی ہے، ہر موجود شے سے جو فائدہ اور نفع حاصل ہو رہا ہے وہ آپ ﷺ ہی کے صدقے میں ہے۔ اور چشم بصیرت کی بینائی بھی آپ ہی کے طفیل ہے۔

شعر میں تو ”فائدہ اور نفع“ کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے!؟ شعر کا مطلب تو یہ ہے،

”آپ کے خالق نے محمد، احمد اور محمود کہہ کر آپ کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ہر موجود کا وجود آپ ﷺ سے ہے اور آپ سے آنکھوں کو (وہ) نور اور بینائی ملتی ہے۔“ (جس سے حق کا دیدار ہوتا ہے۔)

دو چشم زگینش را کہ مازاغ البصر خوانند
دو زلفِ عنبرینش را کہ واللیل اذا یغشی

(ص ۲۷۹)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو زگسی آنکھیں ہمیں ”مازاغ البصر“ پڑھنے کو کہتی ہیں اور دو عنبریں زلفوں کا کہنا ہے کہ ہم ”واللیل اذا یغشی“ پڑھیں۔
بہت غلط ترجمہ ہوا ہے۔ مترجم نے ”خوانند“ کو ”پڑھنے“ کے معنوں میں لیا ہے جبکہ محاورہ خواند کا مطلب ”کہتے یا سمجھتے ہیں“ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ:
”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زگسی آنکھیں جن کے تعلق سے مازاغ البصر کہا گیا ہے اور جن کی زلفوں کو واللیل اذا یغشی سے تعبیر کیا گیا ہے۔“

خیام کی رباعی ملاحظہ فرمائیے۔

قرآن کہ بہیں کلام خوانند اورا قرآن کہ جسے بہترین کلام کہتے ہیں
گہ گاہ نہ بردوام خوانند اورا (جسے/جسکو) کبھی کبھی پڑھتے ہیں مستقل نہیں
در خطِ پیالہ آیتے روشن ہست خطِ پیالہ میں ایک آیت روشن ہے
کندر ہمہ جا مدام خوانند اورا جس میں ہم اسے مدام (ہمیشہ) پڑھتے ہیں
رباعی کے پہلے مصرعے میں ”خوانند“ کا مطلب ”جانتے“ ہیں، سمجھتے ہیں یا کہتے ہیں“ ہے
دوسرے اور چوتھے مصرعے میں ”پڑھتے ہیں“ ہوگا۔ اسی طرح دوسرے مصرعے میں ”اورا“ کا
مطلب ”اسے اس کو“ نہیں بلکہ جسے/جس کو ہوگا اور چوتھے مصرعے کے ”اورا“ کا مطلب ”اسے/
اس کی“ ہوگا۔

رباعی کا مطلب یہ ہوا:

”قرآن کہ جسے بہترین کلام سمجھا/کہا جاتا ہے (لیکن) اسے بھی (لوگ)
کبھی کبھار ہی پڑھتے ہیں۔ (جبکہ) خطِ پیالہ میں ایک روشن آیت ہے جسے ہم ہمیشہ
پڑھتے ہیں۔“

بہ بر ایں جان مشتاقم بہ آں جا فدائے روضہ خیر البشر کن
ترجمہ: میری جان اس بات کی مشتاق ہے کہ وہ خیر البشر کے روضے پر فدا ہو جائے۔
شعر کا ترجمہ یوں ہوگا۔

”(اے نسیم) میری جان مشتاق کو اس جگہ لے جا اور روضہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر دے۔“

صفحہ ۲۸ پر کمپوزر نے رباعی ”شاہ ہست“ کو چھ مصرعوں میں کمپوز کر دیا ہے۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دیں است حسین دیں پناہ است حسین

سر داد نہ داد (دست) در دست یزید تھا کہ بنائے لالہ است حسین
اس رباعی کے تعلق سے ۲۵-۳۰ سال قبل ایک قدیم رسالے میں حاجی الحرمین حضرت سید
تجمل جلاپوری (خلیفہ حضرت سید بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دیوہ شریف) کا بہت تفصیلی مضمون
نظر سے گزرا تھا جس میں حضرت نے اس رباعی کے تعلق سے تحریر فرمایا تھا کہ:

”یہ رباعی کسی غالی شیعہ کی ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی نہیں
ہے۔ حسین دین نہیں ہیں اور نہ ہی لالہ کی بنیاد حسین ہیں اور اگر چوتھے مصرعے کا
تجزیہ کریں تو یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ ”حقیقت میں لالہ یعنی کوئی معبود نہیں کی بنیاد
حسین ہیں یعنی اللہ کا کوئی وجود نہیں ہے!!؟“

مشہور و معتبر محقق پروفیسر محمد ابراہیم ڈار صاحب کی تحقیق کے مطابق جو ”دیوان“ خواجہ اجمیری
رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے وہ خواجہ صاحب کا نہیں ہے۔ اس تعلق سے وہ لکھتے ہیں:

”غلط انتساب کی ایک بین مثال حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا دیوان ہے۔
شیرانی صاحب نے اپنی تحقیقات کا آغاز کیا اور آخر تلاش و جستجو کے بعد انہیں
ایک ایسے مصنف کا سراغ مل گیا جسے اس دیوان کا حقیقی مالک تسلیم کیا جاسکے۔ یہ
مصنف ملا معین واعظ فراہی ہیں، جنہیں مولانا جامی کے ہم عصر ہونے کا شرف
حاصل ہے۔“

تجمل صاحب کا مطلب تھا کہ ایسی رباعی جس سے وجود الہ کی نفی ہوتی ہو خواجہ معین الدین
چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کرنا بڑی زیادتی ہوگی۔

اس رباعی کے تعلق سے ایک روایت اور ملاحظہ فرمائیے جس کے راوی بلاغت قریشی
امروہوی ہیں:-

”ہم ایک ایسی رباعی سناتے ہیں جو شیعوں کے بزرگ مرزا جان محمد قدسی
مرحوم نے فرمائی ہے۔ اس رباعی کا طغری لکھنؤ کے حسین آباد امام باڑہ میں آویزاں
ہے۔“ ۲

ان شواہد سے اتنا تو محقق ہو چکا ہے کہ یہ رباعی سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن
چشتی سنجری غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ص ۲۸۷
مضمون نگار نے اسے شیخ سعدی کا شعر بتایا ہے جبکہ گلستان بوستاں میں یہ کہیں موجود نہیں
ہے۔ بعض لوگ اسے حضرت جامی کا شعر بتلاتے ہیں لیکن انکے یہاں بھی نہیں ملتا، ہاں ”تذکرہ شاہ
عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ میں یہ قطعہ کی صورت میں ان ہی کے نام سے یوں درج ہے۔
یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ یہ شعر شیخ سعدی کا ہے، جامی کا ہے یا پھر شاہ عبدالعزیز
محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا!! یا اگر چوتھے مصرعے کی شاہ صاحب نے تضمین کی ہے تو یہ چوتھا
مصرع کس کا ہے؟

ڈاکٹر رضوان انصاری صاحب نے درج ذیل شعر بھی حضرت جامی کے نام کر دیا ہے؟
ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست
یہ تحریف شدہ شعر ہے جو خواجہ ہمام تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ان کی نعت کے اشعار
ملاحظہ فرمائیے، صفحہ ۲۹۹ سے ۳۲۲ تک حضرت جامی کے فارسی اشعار مع ترجمہ درج ہیں جن میں
بیشتر تراجم غلط ہوئے ہیں۔ ان میں سے جو زیادہ غلط ہیں ان کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

شعر

چو سوئے من گزر آری من مسکین ز ناداری
فدائے نقش نعلیت کنم جاں یا رسول اللہ

(ص ۲۹۹)

ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میرا نصیب بیدار ہو جائے اور آپ مجھ نادار مسکین کی طرف تشریف لے آئیں، میرے پاس تو کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کر سکوں، مگر ہاں جس مقام پر آپ کے نعلین پاک کا نشان پڑے گا میں خود اس پر اپنی جان مشتاق بنا کر دوں گا۔

شعر کے خط کشیدہ حصوں پر غور فرمائیے گا!؟

راقم۔ اگر میری جانب آپ کا گزر ہو تو یا رسول اللہ میں مسکین بہ سبب ناداری و بے سرومانی آپ کے نقش قدم پر اپنی جان قربان کر دوں گا۔

شعر

زکر دہ خویش حیرانم سیہ شد روز عصیانم
پشیمانم پشیمانم پشیمان یا رسول اللہ

(ص ۲۹۹)

ترجمہ: جو کچھ میں نے کیا ہے اس پر سخت پریشان ہوں۔ گناہوں کے باعث میرا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے۔ یا رسول اللہ میں بے حد شرمندہ ہوں، میں نہایت ہی شرمندہ ہوں، میں از حد شرمندہ ہوں۔
راقم۔ یا رسول اللہ اپنے کئے پر گھبرا ہا ہوں، گناہوں کی وجہ سے میرے دن سیاہ ہو گئے ہیں۔ میں اپنے آپ سے پشیمان و شرمندہ ہوں۔

شعر بر روئے زدہ کفِ خجالت با جودِ کفِ تو بحرِ موجِ اج (ص ۳۰۱)
ترجمہ۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جود و سخا والے ہاتھوں کو دیکھ کر ٹھٹھیں مارنے والے سمندر نے شرمندہ ہو کر اپنے چہرے کو چھپا لیا ہے۔
راقم۔ یا رسول اللہ آپ ﷺ کے کفِ جود و سخا (ہتھیلی) کو دیکھ کر سمندر نے خجالت سے اپنا چہرہ کف (جھاگ) میں چھپا لیا ہے۔
شعر میں کف (ہتھیلی)۔ کف (جھاگ) میں تجنیس تام کی خوبی پائی جاتی ہے۔

شعر

مطلع صبح صفاست روئے محمد ﷺ
منع احسان و لطف خوئے محمد ﷺ

(ص ۳۰۸)

ترجمہ - حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور بزرگی کے ظہور کا اولین مقام ہے اور آپ کے شائل (خو و خصلت) کرم و احسان کے منبع ہیں۔
راقم - چہرہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پاک و روشن صبح کا مطلع ہے اور آپ کا اسوہ حسنہ احسان و لطف کا منبع ہے۔

شعر

لی حیب، قرشی، مدنی، عربی
کہ بود درد و غمش مایہ شادی و خوشی

(ص ۳۳۳)

ترجمہ - میرا محبوب قرشی، مدنی، اور عربی ہے، وہ اس قدر جاذبِ نظر اور دلنشین ہے کہ اس کا درد و غم ہزار ہا خوشی و شادمانی کا سرمایہ ہے۔
راقم - (شعر میں ”عربی“ پر تنوین نہیں چاہئے۔) میرا دوست قرشی، مدنی و عربی ہے کہ جس کا درد و غم بھی خوشی و شادمانی سے کم نہیں ہے۔

شعر

جآمی ارباب و فاجز رہ عشقش نزوند
سرمبادت گر ازیں راہ قدم باز کشی

(ص ۳۳۴)

ترجمہ - اے جآمی سچے عاشق اس محبوب کے عشق میں اضافے کے سوا دوسرا راستہ اختیار نہیں کرتے، خدا نخواستہ اگر اس راستے سے قدم پیچھے ہے تو پھر موت ہی بہتر ہے۔
راقم - جآمی اہل و فوارہ عشق کے سوا کسی اور راستے پر نہیں چلتے، اگر تو اس راستے میں سر نہیں دے سکتا تو پھر اس راہ پر قدم مت رکھ۔

”گہائے عقیدت“ کے تحت درج تخلیقات میں بھی کافی استقام پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

خیال فرما کہ چشم عالم تری ہی جانب لگی ہوئی ہے
نگاہ فرما کہ ساری امت کی میٹھی چاہیں ترس رہی ہیں

(ص ۳۳۷)

آج کل اکثر شعراء زبان کو بگاڑنے کا کام بڑی تندہی سے کر رہے ہیں۔ شعر میں ”میٹھی

چاہیں“ کا کیا جواز ہے؟ اوّل تو ”چاہ“ کی جمع ہی نہیں ہو سکتی، نیز کٹھی میٹھی، اچھی بری چاہ کہنا کہاں تک درست ہے؟

کہ جن کے خوف سے بت گر پڑے بے اختیاری میں
شیاطیں اس طرح بھاگے کہ جیسے ابرہہ کی فوج بھاگی تھی

(ص ۳۴۸)

کیا بت اپنے اختیار سے کھڑے تھے؟

بوئے درِ محبوب تری راہ ہوں نکتا ویرانہ دل میرا بسا نے کیلئے آ ص ۳۵۳

”بو“ سے ویرانہ دل مہکایا ”جاتا ہے“ بسایا نہیں جاتا؟

اے کاش کسی رات چمک جائے مقدر پیغام ملے نعت سنانے کیلئے آ ص ۳۵۳
”رات“ ہی میں کیوں؟ دن میں کیوں نہیں؟! ”رات“ حشو ہے اس کے بغیر بھی معنی مکمل ہیں۔ کسی رات کی بجائے کسی وقت بھی کہا جاسکتا تھا۔

جب پہنچے قمر گنبد خضریٰ کے جلو میں

اے پیک اجل وعدہ نبھانے کیلئے آ

(ص ۳۴۵)

کیا واقعی پیک اجل نے ایسا کوئی ”وعدہ“ کیا تھا؟

مری معصیت ہے عروج پر تری رحمتیں ہیں کمال پر

نہ مرے گناہ کی انتہا نہ ترے کرم کا شمار ہے

(ص ۳۵۵)

شعراء میں یہ ایک عجیب بدعت پھیلتی جا رہی ہے کہ اپنے گناہوں کا کھل کر اعتراف کر رہے ہیں اور اس پر رحمت حق پر حق بھی جتا رہے ہیں۔ اگر ایسے سارے گنہگار بخش دیئے جائیں گے تو پھر عبادت و ریاضت کی ضرورت ہی کہاں رہ جاتی ہے؟ لوگ بلاوجہ خوف و ہراس میں مبتلا ہیں۔ نمازیں، عبادت و تلاوت سب ترک کر دیں اور اپنے انجام کو رحمت الہی و شفاعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیں کہ اللہ بہر حال رحیم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گنہگار ان امت کی بخشش کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

نعت حبیب لکھنے کی دل میں ہے اک لگن

اس شغل میں ہی بس رہوں ہر وقت اب مگن

(ص ۳۵۷)

مطلع میں ایٹا کا عیب ہے، یا پھر قافیہ ہی غلط ہے، ”ل گن، م گن، اک اور اب بھی“ غیر ضروری یعنی حشو ہیں۔

صد شکر ہے اجازت مدح نبی ﷺ مجھے
ورنہ کہاں یہ منہ اور کہاں محبوب ذوالمنن

(ص ۳۵۷)

کس سے اجازت ملی ہے؟ ثانی مصرع بحر سے خارج ہے۔

پھر ہم کو بلائیں گے سرکار مدینے میں
نہ جانے دعاؤں میں کب اپنی اثر ہوگا

(ص ۳۶۱)

”پھر“ کے معنی ”دوبارہ“ کے بھی ہوتے ہیں، یعنی شاعر ایک بار پہلے بھی مدینہ ہوا آیا ہے؟ ادھو مہاجن بیکل کے تعلق سے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ پھر کا دوسرا مطلب ”بعد ازاں، اُسکے بعد اور تب“ بھی ہے۔ اگر ان معنوں میں لیں تو ”نہ جانے“ کا ٹکڑا غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر ”پھر“ کی بجائے ”کب“ رکھ دیں تو یہ سارے شکوک ختم ہو جاتے ہیں۔ نہ کی بجائے بحر میں ”نا“ آتا ہے۔

بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ کو
چوکھٹ پہ محمد کی پھر اہل نظر ہوگا

(ص ۳۶۱)

بند کا ”د“ ساقط الوزن ہے۔ آنکھیں کھولی اور بند کی جاتی ہیں ”نگاہیں“ نہیں!

ہو جائے گی محشر میں بیکل کی شفاعت بھی
سنت کا وہ دنیا میں حقدار اگر ہوگا

(ص ۳۶۱)

شفاعت کیلئے صرف محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی نہیں اس کے لئے ”لا الہ الا اللہ“ بھی لازمی ہے۔ شعر میں ”حقدار“ بے معنی ہے۔

حضرت منیر اعظمی کی ”رحیق بیخودی“، رحیق مدہوشی ہو گئی ہے۔ صفحہ ۳۶۲ تا ۳۶۴ پر موصوف جگہ جگہ لڑکھڑا گئے ہیں، ملاحظہ ہو:

”ادھر کب نافہ گل نے شیم بال و پر بدلی“۔ ”نگاہ صبح بدلا، زلف کا نور سحر بدلی“۔ خلیل اللہ

کی مقبول یزدان دعائیں ہیں۔ ”بشر ہی ہے بشر معلوم ہے قدرت عناصر کی۔“ کوئی گل پیر ہن یوں ضوگن ہے کالی کملی میں۔“ کوئی اپنی اداؤں پر نہیں بے وجہ نازش میں۔“ زبان ناتواں سنتا ہوں بے تاثیر ہوتی ہے۔“ پڑا ہے میکدہ میں سا قیاب خم کا خم خالی۔“ نگاہوں میں مری طیبہ کا عرض و طول ہو جاتا۔“

خط کشیدہ الفاظ کا اگر منیر اعظمی یا کوئی قاری شرح و وضاحت فرمائے تو شکر گزار ہوں گا۔
علیم صبا نویدی صاحب کم و بیش نصف صدی سے تخلیقی میدان میں قلم کی جولانیاں دکھلا رہے ہیں لیکن اور ادھر کچھ برسوں سے یہ اسپ کچھ بے لگام سا ہو گیا ہے۔ اور بے تعین سمتوں میں مسلسل دوڑ رہا ہے۔ یعنی ہر صنف ادب (ملکی غیر ملکی) پر منہ مار رہا ہے۔ نتیجتاً تخلیق تو ہو رہی ہے لیکن غیر معیاری کیونکہ وہ اصناف کی ہیئت

پر زیادہ زور دے رہے ہیں اور موضوعات و مضامین سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ مثلاً صفحہ

۳۶۹ تا ۳۷۰۔

(۱) کالی کملی کے اندر (۲) زخم خوردہ شاعر (۳) پوچھ لو زمین سے (۴) آؤ سو جائیں
راز ہیں پوشیدہ لہو سے تر بہ تر الفاظ آسماں بتائے گا چپکے سے آقا کے
کون و مکاں کے آپ کی نذر میرے اندر کون ہیں آغوش تصور میں
(۱) اس سہ سطری نثری نظم کو انہوں نے نعت کہا ہے جبکہ میری نظر میں یہ نعت نہیں ہے۔
”کالی کملی“ کی ”مدح“ ہے اور معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ کالی کملی کی فضیلت صرف
اس لئے ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک کی زینت تھی۔ اس سے علیحدہ وہ صرف
سیاہ کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے اور بس!! اس سے کون و مکاں کے اسرار و رموز کا کوئی تعلق نہیں ہے۔
(۲) ایسی شاعری اور لہو سے تر بہ تر الفاظ حضور ﷺ کی نذر کرنے سے بہتر تھا کہ صرف ایک
بار دور و شریف ہی پڑھ لیتے۔

(۳) کسی کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ زمین و آسمان سے پوچھے کہ علیم صبا نویدی کے اندر کون
ہے؟ پھر زمین سے پوچھنے پر آسماں کیسے بتائے گا کہ میرے اندر کون ہیں؟ اس کی بجائے ”کون
کون ہیں“ کا محل ہے۔ یا پھر ”کون ہے“۔

(۴) اگر کسی کو آقا کا آغوش تصور میسر ہو جائے اور وہ سو جائے تو میری نظر میں اس سے بڑا

بد نصیب کوئی نہیں!!

اس کی چوکھٹ پہ کب بھلا مہر و ماہ کی حاضری نہیں ہے
جو نقشِ پاکی رہیں منت نہیں ہے وہ روشنی نہیں ہے

(ص ۳۷۱)

کیا شاعر صاحب بتا سکتے ہیں کہ ”مہر و ماہ“ کس طرح نبی کی چوکھٹ پر حاضری دیتے ہیں؟
میں نے تو دیکھا ہے کہ ہمارے شہر کی مسجدوں اور مکانات کے اوپر سے بھی مہر و ماہ شب و روز
گزرتے ہیں!؟؟

مبین منور صاحب نے شاید ابھی ابھی شاعری شروع کی ہے اور غالباً کسی استاد شاعر کے
آگے زانوئے تلمذ بھی تہ نہیں کیا ہے۔

کون ہے جو ہمیں جنت کا پتہ دیتا ہے = ساری امت کو جہنم سے بچا دیتا ہے
”بچا دیتا ہے“ میں زبان اور زمانے دونوں کا عیب ہے۔ ابھی تو حشر قائم ہی نہیں ہوا تو پھر
”بچا دیتا“ کا سوال کہاں سے اٹھتا ہے؟

جن کے صدقے میں ہر اک شے کو بنایا رب نے
بھوکا رہ کر بھی وہ اوروں کو کھلا دیتا ہے

ص ۳۷۲

یہاں بھی وہی عیب ہے ”کھلا دیتا ہے“ کی بجائے ”کھلا دیتا تھا“ کا محل ہے۔

وہ ہمارا ہے نبی دنیا کو بتلا دو میں = دین دیتا ہے نیا کفر مٹا دیتا ہے ص ۳۷۲
دنیا کو ”دون“ پڑھیں تو بحر درست ہوتی ہے۔ نیز حضور ﷺ نے ”نیا دین“ نہیں دیا تھا۔ یہ تو وہی
دین ہے جو آدم علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سبھی انبیاء لے کر آئے تھے۔

قادری صاحب! تخلیقات کا انتخاب تعلقات اور مرآت پر نہ کیجئے ورنہ رسالے کا معیار متاثر ہوگا۔

قافلہ سوئے مدینہ جو رواں ہوتا ہے
شوق ہر گام یہ کچھ اور جواں ہوتا ہے

ص ۳۷۵

مطلع میں ایطاً کا عیب ہے ”رواں۔ جواں“ بقیہ قوافی زباں۔ گماں وغیرہ ہیں۔

سہارا مل گیا بے تابوں کو = ترے آنے سے راحت آگئی ہے ص ۳۸۳
راحت آتی نہیں، ملتی ہے۔

ہو کے امی لقب زمانے میں = منج علم جامعات ہیں آپ ص ۳۸۵
 ”ہو کے“ کی بجائے ”ہوتے ہوئے“ کا محل ہے۔ ”منج علم جامعات“ یعنی ”یونیورسٹیوں
 کے علم/علوم؟“

دینا ہے تو مدینہ زیارت کا دے شرف = تو ہی ہمارا رب ہے بڑا ذوالجلال ہے ص ۳۸۷
 زیارت مدینہ یا مدینے کی زیارت ہونا چاہئے۔ ”بڑا“ حشو ہے۔ ذوالجلال کے ساتھ چھوٹا
 بڑا لکھنا غلط ہے۔

شب قدر کی برکتیں رات لائی سعادت حضوری کے سجدوں کی پائی
 عجب بخود ہی ہے عجب کیف و لذت یہ وارفتگی ہے عطائے مدینہ
 ص ۳۸۸

”شب قدر کی رات“ روغنِ آملہ کا تیل؟!
 مدینہ کی جانب دیوانے چلے ہیں = انہیں حال دل سب سنانے چلے ہیں ص ۳۸۹
 ”سب“ حشو ہے، شعریوں ہونا تھا۔
 مدینے کی جانب دیوانے چلے ہیں = انہیں حال دل کا سنانے چلے ہیں
 واہ کیا شانِ محمد ہے کہ خود خالق نے = اپنی خوش نودی کو بھی ان کی رضا مانگی ص ۳۹۰
 یہ شعر میں مفتیان شرع کے حوالے کرتا ہوں۔

خاک طیبہ ہی ہر اک مرض کا شافی ہے علاج
 میں نے بھی شاد فقط خاکِ شفاء مانگی ہے

ص ۳۹۰

لفظ ”مَرَض“ نہیں ”مَرَض“ ہے۔
 مدینے میں محمد کے مداودِ دروغم کا ہے = کرم کی ہونظرِ دریدہ میں داماں لایا ہوں ص ۳۹۲
 شعر دو لخت ہے۔ لفظ ”دریدہ“ کو ”دریدہ“ نظم کیا گیا ہے۔ اسی طرح ”دامان“ کا ”ن“
 بھی غیر فصیح ہے۔

جاپ درودوں کی مالا پھر دیکھ مز کیا آئے = یہ ہے ایسا منتر کہ تیرا بیڑہ پار لگائے ص ۳۹۴
 کیا ”درو“ منتر، طلسم/افسوں/جادو کے بول ہیں؟ درود کی جمع درودوں بھی غلط ہے۔
 قادری صاحب! تبصرہ کافی طویل ہو گیا ہے لیکن میرے خیال میں اس میں کوئی غیر ضروری

بات نہیں آنے پائی ہے۔ میں اپنے تعلق سے اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ حمد و نعت میں معمولی سی لغزش بھی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، اسی بنا پر کبھی کبھی میرا لہجہ سخت ہو جاتا ہے لیکن میں حتی الامکان کوشش کرتا ہوں کہ کسی کی تضحیک و تذلیل نہ ہونے پائے۔

میری درخواست ہے کہ ایک مجلس ادارت تشکیل دی جائے جس میں نظم و نثر کے ماہرین شامل ہوں اور موصولہ تخلیقات پر تنقیدی نگاہ سے غور و خوض کرنے کے بعد انہیں اشاعت کیلئے منتخب کیا جائے۔

رسالے کے اصول و ضوابط ترتیب دیجئے اور قلم کاروں سے درخواست کیجئے کہ اپنی تخلیقات انہیں اصول و ضوابط کے تحت پیش کریں جن میں سنت و شریعت کا پاس و لحاظ نہایت ضروری ہے۔ دیگر یہ کہ نعتیہ اشعار میں واقعات وغیرہ کی تحقیق ضروری ہے کہ یہ واقع بھی ہوئے ہیں یا نہیں!! آجکل بعض شعراء ہر محیر العقول واقعے کو بلا تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے طور پر پیش کر دیتے ہیں، تیسرے زبان و فن پر بھی تخلیقات جانچی جانی چاہئیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری معروضات پر ضرور توجہ فرمائیں گے۔

حوالے :

- ۱۔ مقالات محمد ابراہیم ڈار۔ ناشر انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ ممبئی۔ ۲۰۱۲ء۔ صفحہ ۸۹-۹۰
- ۲۔ ضمیمہ ”تصویر یار“۔ ممبئی۔ اپریل ۱۹۱۷ء۔ صفحہ نمبر ۵

علامہ ڈاکٹر محمد شہزاد مجددی (لاہور)

’دبستانِ نعت پر ایک نظر‘

الحمد لله منشى الخلق من عدم

ثم الصلوة على المختار فى القدم

عصر حاضر نعتیہ ادب کے حوالے سے تاریخی اور تجدیدی مراحل طے کرتے ہوئے ایک ایسے موڑ پر آپہنچا ہے جہاں نعت گوئی کی روایت اپنی تمام تر معنوی خوبیوں کے ساتھ نمایاں ہو رہی ہے۔ آج نعت محض جذبہ عقیدت و محبت سے آگے نکل کر اپنی تمام تر تکنیکی و تشریحی جہات کے ساتھ حسن اظہار کے اعلیٰ ترین مراتب طے کر رہی ہے۔ نعتیہ تنقید و تحقیق کے باب میں جہت نما اور Trendstter مجلہ ’’نعت رنگ‘‘ سے شروع ہونے والی ادبی فکری اور انتقادی تحریک آج ’’دبستانِ نعت‘‘ ششماہی تک آپہنچی ہے۔ خلیل آباد ضلع سنت کبیر نگر (ہند) سے شائع ہونے والے اس جریدے کے مدیر مکرم، معروف محقق ڈاکٹر سراج احمد قادری اور سرپرست پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد (سجادہ نشین خانقاہ حضرت دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ، بہار) ہیں۔ معاونین میں ایک طرف سید صبیح الدین صبیح رحمانی کا نام ہے تو دوسری طرف قاضی اسد ثنائی (حیدر آباد، ہند) کا اسم گرامی مسطور ہے جبکہ ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین فاروقی (نیویارک) بھی اس سلک درر میں جگمگا رہے ہیں گویا نعتیہ ادب کی ابعاد ثلاثہ کا حسین امتزاج اس فہرست اسماء میں جلوہ افروز ہے۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

صاحب نعت و معنوت اعظم ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین کا عکس اس وسیع تر تناظر سے نمایاں ہے وہاں نعت کی آفاقیت بھی پاک و ہند سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ تک پھیلی ہوئی اس نعت شناسی کی کہکشاں سے جھلک رہی ہے۔

’’دبستانِ نعت‘‘ کی صورت میں خدمت نعت کا یہ سفر ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ چنانچہ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں کے مصداق بہت سفر باقی ہے امید ہے مدیر محترم اپنے رفقا کار کے ساتھ اس

سفر سرِ ایاظفر کے تمام کٹھن مگر ایمان افروز مراحل بخیر و خوبی طے کرنے میں کامیاب و کامران رہیں گے۔
مدیر محترم نے مندرجات کا تعارف بطریق احسن پیش کر دیا ہے لہذا اس تفصیل میں جائے
بغیر میلاد اکبر کے حوالے سے صفحہ ۱۵ پر موجود عبارت محلِ نظر محسوس ہوئی لکھتے ہیں۔

”میلاد اکبر میں اگرچہ موضوع روایات بھی شامل ہیں مگر فضائل و مناقب میں
موضوع روایات موثر ہیں۔ حدیث کے کلیے کے مطابق فضائل و مناقب میں
موضوع روایات کا بھی اعتبار ہے۔“ (دبستان نعت ص ۱۵)

یاد رہے موضوع روایت کا مطلب ہے ایسی جعلی اور من گڑھت حدیث جسے غلط طور پر مخبر
صادق اور اصدق الصادقین ﷺ کی ذاتِ گرامی سے منسوب کر دیا گیا ہو اس حوالے سے
احادیث صحیحہ اور متواترہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں متفق علیہ حدیث ہے، کہ جس نے میری طرف
ایسی بات قصداً منسوب کی جو میں نے نہیں کہا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا۔ ایسے ہی حدیث
سُنی سنائی بات کو آگے پہنچا دینے والے کو جھوٹا اور گنہگار کہا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے راقم
کے مضامین مطبوعہ ”نعت رنگ“ شمارہ ۲۰-۲۳

صفحہ ۶۹ پر محترم ساجد امر وہوی کا مضمون ”نعت رسول مقبول ﷺ اور اس کا ارتقا“ شائع
ہوا ہے۔ انداز تحریر کی سستگی اور احسن شعری انتخاب کے ساتھ صفحہ ۷۱ پر یہ عبارت رجوع اور توبہ کی
متقاضی ہے۔ لکھتے ہیں۔

”آخر میں ایک شعر جو فخر موجودات حضور سرور کائنات ﷺ کی زبان مبارک سے صادر
ہوا ضرور نذر قارئین کروں گا۔ اصل میں یہ شعر نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ کی زبان سے دو جملے غیر
ارادی طور سے جنگ خندق میں خندق کھودنے کے دوران نکلے ہوں گے کیوں کہ سبھی صحابہ جو
خندق کھود رہے تھے اپنا حوصلہ اور جوش بڑھانے کے لیے رجزیہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے۔
آقائے مکرم ﷺ بھی اپنے حصے کی خندق کھودنے میں مصروف تھے اس وقت مندرجہ ذیل جملے
اُنکی زبان مبارک سے نکلے جو ایک مطلع کے دو مصرعے بنتے ہیں۔“

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

گزارش ہے کہ یہ واقعہ غزوہ خندق (احزاب) کا نہیں بلکہ غزوہ حنین ۸ھ کا ہے۔ حضرت
مخدوم محمد ہاشم سندھی اپنی کتاب ”بذل القوة فی حوادث السنۃ النبویہ (مترجم) میں رقم طراز ہیں۔
”غزوہ حنین میں مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان مال غنیمت اکٹھا کرنے میں

مشغول ہوئے تو ان میں سے بعض مسلمانوں نے اپنی کثرت پر فخر کرنا شروع کر دیا مشرکین نے پلٹ کر حملہ کر دیا اور مسلمان اپنی کثرت پر فخر کے باعث ہزیمت اٹھانے لگے اور صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد بکھر گئے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری کو کفار کی طرف بڑھانا شروع کیا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا۔

انا النبى لا كذب انا ابن عبد المطلب

(صحیح بخاری: کتاب المغازی: من قاد دابة غيرة في الحرب رقم: ۲۸۶۴)

غزوہ خندق کے موقع پر پڑھے جانے والے اشعار اس سے مختلف تھے جو صحابہ کرام علیہ الرضوان نے بھی ساتھ ل کر پڑھے تھے۔

جناب محسن ملیح آبادی کی تحریر میں صفحہ ۱۴۴ پر موجود شعر

سرورِ دیں کا اگر سامنے کردار رہے

مہکا مہکا ہوا پھر اپنا گلزار رہے

جوشاید کسی نعت کا مطلع ہے اس میں دونوں مصرعوں کا باہمی ربط سمجھ میں نہیں آیا شعر نظر ثانی کا محتاج ہے۔

چمنستان نقشند یہ کے گل سرسبد حضرت مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی، فکری

اور ادبی کمالات کے حوالے سے گوشہ خاص بھی اس دبستان نعت کا ایک لائق تحسین خاصہ ہے

اگرچہ اس میں عاشقان جامی کی سیرابی کے لیے تحریری مواد کے جام بقدر طلب

موجود نہیں تھے لیکن بہر حال بقول مولانا جامی:

بہر یک گل زحمت صد خار می باید کشید

علالت کے باعث اختصار سے کام لے رہا ہوں، امید ہے یہ سلسلہ خیر و برکت جاری و

ساری رہے گا اور وابستگان نعت ”دبستان نعت“ سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ برادرِ مکرم جناب

فیروز احمد سیفی جیسے متحرک اور مخلص لوگ جس گلشن ادب کی آبیاری فرما رہے ہوں یقیناً وہ چمن

ہمیشہ بہار کی طرح لہلہاتا رہتا ہے۔

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور)

دبستان نعت (شمارہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء)

پرایک طائرانہ نظر

مکرمی سلام و تحیت!

ششماہی ”دبستان نعت“ شمارہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء سرمہ بنیش بنا۔ آپ نے بڑی محنت، محبت، خلوص اور خوش دلی سے یہ ضخیم شمارہ ترتیب دیا ہے۔ مبارکباد۔
آپ نے یہ اچھا کیا ہے کہ شروع کے صفحات کو تین حمدیہ کلام سے مزین کیا ہے۔ جناب تنویر پھول، طاہر سلطانی اور ابرار کرت پوری کے تقریباً تمام حمدیہ اشعار فکر بلند اور فن لطیف کے آئینہ دار ہیں۔ تینوں حضرات کو تہہ دل سے ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

”گنجینہ نقد و نظر“ کے تحت پہلا مضمون ڈاکٹر شاہ حسین احمد صاحب کا ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں نعت کی صنفی حیثیت کو زیر بحث لاتے ہوئے یہ فیصلہ اراقام فرمایا ہے کہ چونکہ نعت کی کوئی خاص ہیئت متعین نہیں ہے۔ اسلئے اس کو صنف کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ یہ تصوف کی طرح موضوع کلام تو ہے، صنف سخن نہیں۔ میرا معروضہ ہے کہ عربی، فارسی اور اردو میں جتنی بھی مروجہ اصناف سخن ہیں وہ آسمان سے نازل نہیں ہوئی ہیں۔ شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب علم و فن نے ہی ان کی درجہ بندی کی ہے اور ان کی مخصوص ہیئیں مقرر کی ہیں۔ ان کی محدود نگاہی کی انتہا تو یہ کہ قصائد کے ناپاک دفتر تک کو بھی انہوں نے صنف سخن کا مرتبہ دے دیا۔ یہی نہیں ریختی، واسوخت، خمریات اور شہر آشوب جیسی شاعری کو بھی اصناف سخن کے دائرے میں رکھا ہے۔ مگر حمدیہ اور نعتیہ شاعری کو شعوری طور پر اصناف کا درجہ دینے سے احتراز کیا گیا۔ اس کو ان کی چشم فراست کی نا بصیری کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے۔ نعت جو اردو شعر و ادب کے وجود میں آنے

کے پہلے سے عربی اور فارسی میں موجود ہے۔ اس کو صنفِ سخن قرار دیتے ہوئے زبانِ قلم لڑکھڑا جائے۔ مگر مغرب سے مستعار ہائیکو، سانیٹ اور نظم معرا وغیرہ کو جدید شعری اصناف کے طور پر قبول کر لیا جائے۔ اس کو احساسِ کمتری، بے حسی اور کج فکری کے علاوہ کس جذبہ پر محمول کیا جائے حالانکہ نعت کو سخن تو سب مانتے ہیں صرف صنف کا سابقہ لگانے میں تردد اور تامل ہے یا لعجب!

میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ نعت میں چونکہ رحمۃ للعالمین کی مدح و ثنا ہوتی ہے اسلئے فارسی اور اردو کی تمام مروجہ اصنافِ سخن نے زبانِ حال سے بارگاہِ رب العالمین میں یہ استغاثہ پیش کیا کہ یہ اعزاز و اکرام انہیں بھی حاصل ہو، دعا مستجاب ہوئی اس طرح تمام مروجہ اصنافِ شاعری نے مدح سید المرسلین کے لئے اپنی اپنی آغوشِ محبت وا کر دی۔ اسی لئے یہ غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، مثلث، مخمس اور مُسدّس وغیرہ کی ہیئتوں میں لکھی جانے لگی۔ اس طرح یہ ایک ممتاز و محترم صنفِ سخن کے مقام و مرتبہ تک پہنچ گئی اور اب بلا تکلف تمام اہل علم و ادب اس کو ایک اہم صنفِ سخن کی حیثیت سے لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں۔

مسئلہ زیر بحث کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ مرثیہ جس میں ممدوح کا نثات اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ محترم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اعوان و انصار کی المناک شہادت کا بیان ہوتا ہے۔ اس کی ہیئت اور اجزائے ترکیبی طے کئے جائیں۔ مگر نعت جس میں خود امام عالی مقام کے جدِ کریم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش ہوتی ہے۔ اس کے اجزائے فن اور عناصر ترکیبی کی تشکیل سے تغافل اور تجاہل برتا جائے۔ اور یہ امر محتاج وضاحت نہیں کہ حضرت امام حسین کی زندگی کی تمام بہاریں نانا جان سے انتساب کی بدولت ہی ہیں۔

مقصود نگارش یہ ہے کہ بعض اہل علم سے یقیناً یہ تسامح ہوا ہے کہ اصنافِ سخن کی درجہ بندی میں ان اصنافِ سخن کو جن کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے صنف کا مرتبہ بخشا۔ اگرچہ ان کی ہیئت متعین نہ ہو اور نعت جیسی صنفِ اطہر کو صنفِ سخن کہنے کے لئے ہیئت کے تعین کی بنیاد ڈھونڈھیں۔ نامناسب نہیں ہوگا اگر اس سلسلے میں اردو کے مشہور شاعر و ناقد جناب ناوک حمزہ پوری کی یہ قیمتی رائے بھی نقل کر دی جائے۔

”ہر چند کہ نعت عربی، فارسی اور اردو نیز دیگر زبانوں میں تقریباً ڈیڑھ ہزار برسوں سے کہی جا رہی ہے۔ لیکن بعض کوتاہ نظر ناقدین کے نزدیک یہ اب بھی صنفِ سخن کا درجہ نہیں پاسکی۔ ان کے بقول وجہ صرف اتنی سی ہے کہ نعت کی کوئی متعین ہیئت

نہیں۔ ان کج فہموں کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آتی کہ صنفی شناخت کے لئے صرف ہیئت واحد معیار نہیں بلکہ موضوع بھی بہت اہم رول ادا کرتا ہے اور موضوعی اہمیت کے لحاظ سے نعت وہ مہتمم بالشان صنف ہے کہ دوسری صنف اس کے پاسنگ کے برابر بھی نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحوم نے بجا فرمایا:

”وہ فارسی اور اردو شاعری کا مطالعہ اگر عام ڈگر سے ہٹ کر انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ کیا جائے تو سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ بھرپور صنف نعت قرار پائے گی۔ تنوع اور مقدار و معیار ہر اعتبار سے نمایاں اور ممتاز۔ (اردو شاعری میں نعت گوئی)۔ (فیکا مصنفہ ناوک حمزہ پوری 56/57)

حقیقت یہ ہے کہ اصناف سخن کے تعین کی دوا لگ الگ بنیادیں ہیں۔ ہیئت اور موضوع ناچیز کا موقف یہ ہے کہ نعت پاک جیسی صنف سخن کسی ہیئت کے چوکھٹے میں بند نہیں ہے۔ اس شمارے کا دوسرا مضمون ڈاکٹر خسرو حسینی کا ہے۔ انہوں نے فن نعت اور نعت گوئی کے عنوان پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ تحریر بہت معلوماتی اور بصیرت افروز ہے۔ معروف و مستند اہل علم و قلم ڈاکٹر صابر سنبھلی نے حدائق بخشش کے صنائع بدائع کو موضوع بنایا ہے۔ یہ ان کی دلچسپی کا خاص میدان ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے موضوع کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن کو بہت پہلے سے ”نعت رنگ“ کراچی کے حوالے سے جانتا ہوں۔ خوب لکھتے ہیں وہ واقعی فنا فی النعت ہیں۔ ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی نے شری کرشن کمار طور کی نعتیہ شاعری کا عمدہ تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ مگر ان کے نام کے پہلے لفظ ”حضرت“ اچھا نہیں لگا۔ یہ لفظ ایک اہل ایمان کو ہی زیب دیتا ہے۔ جناب فیروز احمد سیفی نے ڈاکٹر صفری عالم کی نعتیہ شاعری کو بہت سلیقے سے متعارف کرایا ہے۔ انہوں نے شاعرہ کے کلام سے وافر مقدار میں حوالے دے کر اپنے نقطہ نظر کو مدلل کیا ہے۔ انداز بیان بھی بہت سلیس، شائستہ اور پاکیزہ ہے۔ منیر احمد ملک (اسلام آباد) کا مقالہ ”حرف آرزو“ بھی بہت گرانقدر ہے۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں ایک ایسا خوبصورت شعر بھی نقل کیا ہے جو یقیناً روح ایمان سے معمور ہے۔

نبی کا عشق، خدا کی اطاعت کامل

یہ دیں کی اصل ہے، باقی تمام افسانہ

قاضی رفیق فائز فتح پوری کا مقالہ ”ناعت پر فیضانِ منعت“، بیجاہم، فکر انگیز اور چشم کشا ہے۔

انہوں نے حدیث پاک لولاک لما سے بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔ بات لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ اس لئے دیگر مضامین و مشملات سے صرف نظر کرتا ہوں۔ مگر ”گوشہ علامہ جامی“ کے تحت ڈاکٹر یحییٰ فیض کا مضمون ”مولانا جامی کی نعت نگاری جا نب توجہ“ ہے۔ موصوف کے ایک معروف قلم کار ہونے میں شبہ نہیں۔ وہ ”نعت رنگ“ کراچی میں بھی تواتر کے ساتھ لکھتے رہے ہیں۔ مگر زیر نظر مضمون کی تمہید میں وہ کچھ ایسی باتیں لکھ گئے ہیں جو یقیناً خوش عقیدگی کی مظہر نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا یہ ارشاد:

”..... اسی طرز فکر کی وجہ سے اردو فارسی نعتیہ شاعری میں میم کا گوگھٹ، احمد بے میم، مسئلہ امتناع النظر، مدینہ کا پیا، کملی والا، دیدار خداوندی سے مشرف، شہزادہ لولاک آقا و مولا، بگڑی بنانے والا، ذاتِ اول و آخر، ظاہر و باطن، عالم العنت، وغیرہ تراکیب کو اوصاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کر لیا گیا ہے۔ بعض عقیدت کا یہ غلو حد و شریعہ کو پھیلاؤنگ جاتی ہے اور عقیدے کے مبالغہ میں شانِ اُلوہیت میں استخفاف کا پہلو نکل آتا ہے“ (صفحہ ۲۸۲)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان سطور کے لکھتے وقت ڈاکٹر صاحب کا ذہن و قلم صحرائے توہب کی سیر کر رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان کے دینی معتقدات کیا ہیں۔ انہوں نے جن جن الفاظ و تراکیب پر اعتراضات جڑے ہیں اور شانِ رسالت میں ان کے استعمال کو ممنوع بلکہ موہم الی الشک قرار دیا ہے۔ ان کے انطباقات اطلاقات ہر دور میں علمائے حق اور محبانِ رسول کی تحریروں اور تقریروں میں ہوتے رہے ہیں۔ مفصل بحث کا یہ موقع نہیں۔ صرف ایک مثال پر بات ختم کرتا ہوں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو آج تک کسی ذمہ دار عالم اور اہل قلم نے ”عالم الغیب“ نہیں کہا۔ ہاں ”عالم غیب“ ضرور کہا ہے۔ لفظ غیب پر الف لام کے داخل کرنے اور نہ کرنے سے معنوی سطح پر کتنا بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کسی مستند عالم سے رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ بصورت دیگر یہ راقم الحروف حاضر ہے۔ انہوں نے بحث کے دائرے کو پھیلا دیا ہے۔ ان کی فہرست میں شامل تمام الفاظ و تراکیب کا شرعی جواز و جواب موجود ہے۔ مسئلہ ”امتناع النظر“ پر علامہ فضل حق خیر آبادی کی شاہکار کتاب ”امتناع النظر“ لا جواب ہے۔ اور حدیث لولاک لما کی صحت کے تعلق سے اسی شمارے میں خاصہ مواد موجود ہے۔ رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی تربیت کے لئے جن کو بات بات میں شرک کا آزر نظر آتا ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا خوب کہا ہے۔

شُرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
 اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے
 ”گوشہ جامی میں“ ہی ڈاکٹر رضوان انصاری نے اپنے مضمون ”حضرت عبدالرحمن جامی
 ایک نادر روزگار شخصیت“ کی تمہید میں حضرت خواجہ غریب نواز سے منسوب یہ رباعی نقل کی ہے۔
 شاہ است حسین بادشاہ است حسین
 دین است حسین دیں پناہ است حسین
 سرداد و نہ داد دست در دست یزید
 حقاً کہ بنائے لا الہ است حسین

اطلاعا عرض ہے کہ یہ رباعی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے۔ مشہور
 محقق پروفیسر حنیف نقوی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

فارسی کی یہ رباعی بہت مشہور ہے اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے
 منسوب کی جاتی ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے روح انیس کے مقدمے میں اس رباعی کو
 ”امام حسین کے عظیم الشان کارنامے پر مذہبی زبان میں خواجہ معین الدین اجمیری کا مختصر اور جامع
 ”تبصرہ“ قرار دیا ہے، لیکن درحقیقت یہ رباعی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہم نام شاعر
 معین کاشانی کی طبع زاد ہے۔“

(حنیف نقوی کی ابتدائی تحریریں: مصنفہ ڈاکٹر شمس بدایونی، ص: 169)

زیر نظر شمارہ کا شعری حصہ بھی بہت خوب ہے۔ ڈاکٹر نذیر فتح پوری (پونہ) کی نعتیہ تضمین
 میں اقبال کے ساقی نامہ جیسی سلاست اور روانی ہے، بہت خوب ہے۔ مگر ان کا یہ شعر محل نظر ہے۔
 خدا نے یہ قرآن میں کہہ دیا ہے
 یہ دنیا بنی ہے انہیں کی دولت

خدائے پاک نے قرآن میں یہ بات کہاں کہی ہے؟ ڈاکٹر صاحب اس کی نشاندہی فرمائیں
 تو میرے علم میں بھی قیمتی اضافہ ہوگا۔ ”محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، یہ قرآن نہیں ہے۔ لولاک
 لما خلقت الافلاک کا خلاصہ ہے اس سلسلے میں مزید وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی (الہ آباد)

دبستان نعت کا پہلا شمارہ

محبت گرامی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری

مدیر ”ششماہی دبستان نعت“، خلیل آباد سنت کبیر نگر

چار سو صفحات پر مشتمل ”ششماہی دبستان نعت“ کا اولین شمارہ دستیاب ہوا دیکھتے ہی دل جھوم گیا یاد آوری کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کے دبستان نعت نے دنیائے نعت کے عظیم مجاہد و شاعر اور دیدہ و رقلم کار جناب سید صبیح رحمانی کی یاد تازہ کر دی جنہوں نے ”نعت رنگ کراچی“ کی ادارتی فوقیت اور بے لوث کثرت خدمات کی روشنی میں ساری دنیا کے مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا جس کا ہر ضخیم شمارہ ایک نورانی دستاویز اور تاریخی شاہکار ہوتا ہے۔ بیشتر ممتاز و نامور اور پختہ کار اصحاب قلم کی مبارک جماعت کے تحقیقی و علمی کارنامے اور تنقیدی و تجزیاتی امانتیں، ”صفحات نعت رنگ“ پر لولو و مرجان کی طرح تابندہ و مجلی ہیں۔ دبستان نعت کا اجرا بھی بڑے حوصلے اور جرأت مندانہ پیش قدمی کا اظہار ہے، امت مرحومہ کے دل کی دھڑکن اور اسیران مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے آفاقی جذبات کا آئینہ دار ہے۔ اتنے وسیع پیمانے اور اتنے عظیم حوصلے کے سائے میں اس نوعیت کے معیاری مجلے کا اہتمام کرنا آپ کی بے لوث نعت نوازی کی ضمانت ہے، اگر آپ اس اشاعتی تسلسل کو برقرار رکھ سکے تو تاریخ آپ کو اپنی قربت سے ضرور نوازتی رہے گی، عشق رسالت مآب کی آنچ میں تپتے ہوئے آپ کے اس خدماتی اثاثے کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور عمر دراز کی دعا مانگتا ہوں۔ یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لیکر تا ہنوز بیشتر زبانوں میں نعتیہ شعروادب کا سمندر بہہ رہا ہے، ہر دور میں خاصان خدا کا محبوب مشغلہ رہا ہے، بالخصوص عربی و فارسی اور اردو زبانوں میں اس کے وسیع گنجینوں کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ صرف اردو میں ہزار ہا ہزار کتابیں اور مجموعے لگا تار منظر عام پر آتے رہے اور قیامت تک

آتے رہیں گے۔ ورنہ نالک ذکر کا فریضہ نعتیہ شاعری نے ہمیشہ نبھایا ہے۔ اتنی عظمتوں اور سرفرازیوں کے باوجود ادبی دنیا کے بعض افراد نعتیہ شاعری پر طنز کرتے اور اس کے مراتب پر حملہ کرنے سے باز نہیں آتے، اس کی وسعت پذیری پر پردہ ڈالنے کی برابر کوشش کرتے رہتے ہیں، اسی نعت بیزاری اور وجود نوازی کا نتیجہ ہے کہ ادبی دنیا کی بیشتر سرگرمیاں تقویٰ و طہارت، احتیاط و اجتناب اور مسائل و فتاویٰ سے ہمیشہ دور رہی، نہ جانے کتنے ہندو شعراء ہر دور میں نہ صرف نعتیہ شعروادب کا احترام کرتے رہے بلکہ بطور خاص طبع آزمائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نعتیہ شاعری کا کثیر سرمایہ پیش کر دیا جبکہ اسی ادبی پلیٹ فارم کے بے شمار مسلم شاعروں کو ایک نعت کہنے کی توفیق نہ ہوئی اور نہ ہی اس کے بے پناہ فکر و فن اور صنائع و بدائع کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا جذبہ بیدار ہوا۔ نذرانہ محبت نہ پیش کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس آفاقی اور جبروتی شاعری کی شان میں باغیانہ حملہ کیا جائے۔ ادبی پلیٹ فارم سے یہ آواز برابر بلند ہوتی رہی ہے کہ نعت کوئی صنف نہیں کہ اس کے پاس کوئی ہیئت نہیں۔ لاعلمی کے سبب یہ رخ نہ طرازی اگرچہ تنگی ذہن کی مجروح علامت ہے جو غیروں کے لئے تفریح کا سامان مہیا کر سکتا ہے تاہم مجھ پر لازم ہے کہ اسے تفریحی عناصر کی تردید میں کار خیر کی کچھ سعادت حاصل کر لی جائے۔

اگر صنف نعت ہیئت سے وابستہ نہیں تو کیا اس کے دامن میں عظمت و انفرادیت اور بے شمار صنائع و بدائع کا خزانہ بھی نہیں، اس کی آغوش میں فضیلتوں کے پھول بھی نہیں، عظمت کی معرفت ہیئت سے نہیں تجزیہ فکر و فن سے حاصل ہوتی ہے۔ موضوع و مواد اور فکری بلاغتیں کسی ہیئت کی محتاج نہیں ہوتیں۔ ہر بڑی شاعری کو اس کے موضوع اور تخیلی بالیدگی کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے ہیئت کی بنیاد پر نہیں۔ جس مبارک شاعری کو صحابہ کرام، تابعین کرام، اولیائے کرام اور بیشمار اقطاب و غوث نے کلیجے سے لگا کر رکھا ہوا اور فکر و فن کی نئی نئی آئینے میں تپایا ہوا اس کے لئے کسی مخصوص تلاش ہیئت کی کبھی ضرورت نہیں محسوس کی گئی اور نہ ہی اس کی وسعتیں کسی ہیئتی خول میں مقید رہنے کی مستحق ہیں، اس کے لئے ہر دروازہ کو کھلا رکھا جاتا ہے تاکہ اس نعتیہ شاعری کا عروج و ارتقاء کبھی تنگی دامن کا احساس نہ کرنے پائے تبھی تو اس بے ہیئت والی شاعری کے دم سے ہر صنف سخن کی دنیا آباد ہے۔ زمانہ گزر گیا ادبی پلیٹ فارم سے قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، شہر آشوب، بارہ ماسہ دوہا، مسدس، مخمس، رباعی اور قطع وغیرہ کا جنازہ نکل کر رہ گیا، یہ صنعتیں اپنے

شاعروں کو ترس گئیں، غزل کے سوا اساتذہ کرام کی تمام روایتوں اور تمام امانتوں کو غارت کر ڈالا، وہ نعتیہ شاعری جو تمام اصنافِ شعر و ادب پر ہمیشہ جاری رہی اس کا احسان ہے کہ وہ اپنی وظیفہ خوانی اور پر خلوص طبع آزمائی کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے ہر صنف کو زندگی عطا کرتی رہی حتیٰ کہ ہانگواور سانیٹ میں بھی بیسوں مجموعے پیش کر دیئے ورنہ ادبی دنیا کی ساری کارکردگی کب کا دم توڑ چکی ہے۔ صنفِ نعت کی بابت عدم ہیئت کی بات کرنے والے افراد اپنے تخیلی برتاؤ کے سہارے مذکورہ اصنافِ سخن کے حق میں کون سا کردار نبھا رہے ہیں۔ صنفیں محض ادب و ادیب کے تذکرہ خدمات سے زندہ نہیں رہتیں۔ ان کے لئے لگا تار تخیلی سفر اور پر خلوص جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ شاعروں کی بابت قانونی ہیئت کا دائرہ شروع ہی سے بہت محدود رہا ہے ہیئتِ مثنوی جس کے دونوں مصرعے مقفیٰ ہوتے ہیں اور ہیئتِ قصیدہ جس کے ہر دوسرے مصرعے میں قافیہ ہوتا ہے اس کے علاوہ تیسری ہیئت کا کوئی نام و نشان نہیں۔ قصیدہ و مثنوی کا ہیئتی نظام توانی کی روشنی میں اس طور پر وضع کیا گیا کہ کوئی بھی شاعری اس کی قانونی گرفت سے الگ نہیں رہ سکتی، اس کی وضع داری ہر صنف پر موضوع کی کفالت کرتی ہے، مرثیہ، شہر آشوب، بارہ ماسہ، غزل، مسدس، مخمس، رباعی اور قطع وغیرہا اپنے اپنے مصار بھی تنظیم و ترتیب کے آئینے میں قصیدہ و مثنوی کی ہیئت کے تابع ہوتے ہیں، یہ مختلف مصار بھی تنظیم، تعین صنفِ سخن کی وضاحت تو کرتی ہے مگر ہیئتی شناخت و قانون سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہر شاعری خواہ وہ جس بھی صنف سے وابستہ ہو اس کے دونوں مصرعے ہیئتِ قصیدہ و مثنوی سے بے تعلق نہیں رہ سکتے۔ شاعری کا سفر اوزان و بحر اور موضوعات کی بنیاد پر جاری رہتا ہے وابستگی ہیئت کی بنیاد پر نہیں۔ ایسا نہیں کہ قصیدہ و مثنوی کا نام پہلے رکھ دیا گیا اور ان کے اصول بعد میں وضع کئے گئے ہوں اگر ایسے کسی بھی ضابطہ و قانون کی علامت موجود ہوتی تو آج ہر شاعری کے لئے ہیئتوں کا دریا بہہ رہا ہوتا۔ غزل کی بھی کوئی ہیئت نہیں یہ بھی قانونِ قصیدہ پر موقوف ہے، غزل مسلسل کو قصیدے ہی کا ایک شعبہ کہا جاتا ہے۔ بعد میں جب اس کے مابعد اشعار، ماقبل اشعار کے فکری و تخیلی تناظر سے الگ کر دیئے گئے تو غزل کی منفرد صنفی حیثیت تسلیم کر لی گئی۔ یہی قاعدہ مثنوی میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ خیال و فکر کے سلسلہ مربوط کو حذف کر دیجئے۔ دائرہ مثنوی میں رہتے ہوئے بھی کلام کسی دوسرے صنف سے وابستہ ہو جائے گا۔ شاعری کا

آخری درجہ یہ بھی ہے کہ قافیہ و دریف کا اہتمام کئے بغیر محض اوزان و بحر کے سہارے خیالات کی بندش کی جائے، اس تجربے کو کسی صنف کے زمرے میں تو شامل نہیں کیا جاسکتا تاہم شاعری کہلانے کی ضرور مستحق ہے۔

بعض ایسے افراد جن کے پاس عقیدت و محبت کا کوئی پیمانہ نہیں، جنہیں سر جھکانے کا شعور نہیں اور جو مصلحت نواز عقیدوں کی راہیں بدلنے رہتے ہیں وہ صنفِ نعت سے کیسے ہمدردی کر سکتے ہیں، انہیں نعت جیسی مقدس شاعری میں کوئی خوبی تو نظر نہیں آئی ہیئت و اجزائے ترکیبی کی کمی ضرور دکھائی دے گی، اجزائے ترکیبی کا عنوان ہی غلط ہے، اس کا عنوان ”اجزائے مطلوبہ“ ہونا چاہئے تھا کہ شاعر جس بھی حسنِ خیر کا طالب ہو بیان کرے۔ حیرت کی بات ہے کہ سودا و ذوق کے قصیدوں اور میر حسن و شوق کی مثنویوں میں اجزائے ترکیبی تو نظر آگئے مگر چار حصوں پر مشتمل حضرت حفیظ جالندھری کی مثنوی، شاہنامہ اسلام کی وسیع ترین اجزائے ترکیبی کی کوئی خبر نہیں۔ صنفِ نعت کے آئینے میں عہدِ دیرینہ سے لیکر اب تک قصیدوں اور مثنویوں کی ہزاروں شمعیں روشن کی جا چکی ہیں، بالخصوص غلامِ امام شہید، کرامت علی شہیدی، کافی مراد آبادی، لطف بریلوی، محسن کاوری، امیر مینائی، شاہ رضا بریلوی، حسن بریلوی، جمیل بریلوی اور کیف ٹوکوی وغیرہم کے علاوہ سیکڑوں شعرائے نعت نے جم کر اجزائے ترکیبی کا اہتمام کیا ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے خاکسار کی کتاب صنفِ نعت اور شعرائے نعت) میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر شروع ہی سے شاعری کی جاتی رہی ہے، مولودی مجموعوں کا کثیر تعداد میں پتہ چلتا ہے جس میں تخلیق نور نبی، ولادت رسول، بعثت رسول، محبت رسول، جمال و کمال، اخلاق حسنہ، اسوۂ مبارکہ، معجزات و غزوات، علم غیب، معجزہ معراج، اور ازواجِ مطہرات کے علاوہ قرآن و احادیث کی روشنی میں بے شمار احکام و فضائل اور کردارِ عمل کا ذکر موجود ہے۔ اب اگر ایسے افراد، موضوعِ نعت میں میر حسن کے اجزائے ترکیبی چاہتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے البتہ مرثیے کے اجزائے ترکیبی کے بعض گوشے نعت سے ضرور ہم آہنگ ہوتے رہتے ہیں۔

دبستانِ نعت کا بیشتر حصہ انتہائی تحقیقی و تاریخی و علمی ہے، عظمتِ رسول اور فضائلِ رسالت کے آئینے میں ایک بار پھر یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نعتیہ شاعری کتنی وسیع و بلند ہو سکتی ہے جسکے تناظر میں بعض مضامین کے تحقیقی جوہر نے خوب جلوے بکھیرے۔ نعتیہ شاعری کی فوقیت و فضیلت کا سایہ ہر شاعر کے سر پر ہوتا ہے، عقیدت و محبت کی تجلیوں میں ڈوبا رہتا ہے، ہر شاعر

قرآن و احادیث اور احکام و فرائض کے حوالوں کی روشنی میں شاعری نہیں کرتا بلکہ اس کا جذبہ والہانہ اور دیوانگی عشقِ خود بخود کسی نہ کسی حقیقی گوشے سے وابستہ ہو جاتی ہے، خراج عقیدت اور نذرانہ محبت کی خوشبوؤں میں ہر شاعر اس یقین و ایمان کے ساتھ شاعری کرتا ہے کہ آپ ہی (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے زیادہ عزت و عظمت والے ہیں، آپ ہی سب سے زیادہ جمال و کمال والے ہیں، آپ ہی دانائے غیوب اور معجزات والے ہیں، آپ ہی صاحب قرآن اور خاتم المرسلین ہیں، آپ ہی رحم و کرم اور شفاعت عطا فرمانے والے ہیں، آپ ہی آقا و ملجا اور معراج والے ہیں، آپ ہی احادیث و سنن کی دولت تقسیم کرنے والے ہیں، اسی نورانی پس منظر میں لکھا ہوا قاضی محمد رفیق فاضل پوری کا مقالہ ”ناعت پر فیضانِ منعت“ (یعنی شاعر نعت پر فیضانِ نعتیہ) معلوماتی نمونہ ہے۔ اردو شاعری میں جس قدر کثرت کے ساتھ صنائع و بدائع اور اوزان و بحر کا استعمال نعتیہ شاعری میں ہوتا رہا ہے ان کی مثالیں اور حوالے کسی بھی غیر نعتیہ شاعری میں نہیں مل سکتے۔ گویا جتنی مقدس و مبارک یہ شاعری ہے اسی تقدس مآبی کے سائے میں جملہ ندرتوں سے وابستہ بھی ہوتی رہی۔ صنعت غیر منقوطہ کا بھی کثیر خزانہ صرف صنفِ نعت ہی میں تلاش کیا جاسکتا ہے، اس سلسلہ میں جناب طاہر سلطانی (کراچی) نے اپنی خصوصی سرگرمیوں کی روشنی میں متعدد شاعروں کے غیر منقوطہ شاعری کے بیشتر حوالے جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ صنعت غیر منقوطہ میں اس خاکسار کے بھی تین اشعار ملاحظہ کر لیں۔

سارے درد و الم سے دور رہا
مدح سرور سے ہر سرور رہا
مدح مولیٰ سے دل مرا مہکے
ہر گھڑی دل الم سے دور رہا
درد دل کو سکوں ملے مالک
درد دل کی دوا کہاں گم ہے

”نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر“ کے عنوانِ علیم صبا نویدی کے مضمون کا آغاز بہت عمدہ ہے مگر مضمون مزید جس تحقیقی عمل کا متقاضی تھا اختصار و قلت کے سبب تشنہ رہ گیا۔ ”گوشہ جامی“ نے دبستانِ نعت کے معیار و وقار میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ صوفیانہ، عارفانہ، اور نعتیہ شعرائے

فارسی کی صف میں حضرت جامی کی حیثیت و اہمیت تابندہ و روشن ہے، ان کے تعلق سے سارے ہی مضامین لائقِ تحسین ہیں بالخصوص ڈاکٹر رضوان انصاری (لکھنؤ) احوالِ حیات کے ساتھ حضرت جامی کے تقریباً ۲۹ نعتیہ کلام کا حوالہ مع ترجمہ پیش کر کے کارِ خیر انجام دیا ہے۔ دیگر شعرائے نعت کی طرح قدیمی معمول کے تحت محفلِ سماع میں حضرت جامی کے مندرشہ ذیل کلام پابندی سے پڑھے جاتے ہیں اور بعض حضرات پر وجد و کیف بھی طاری ہوتا ہے۔

ز رحمت یک نظر بر حال زارم یا رسول اللہ
 غریبم بے نواہم خاک سارم یا رسول اللہ
 یا شافع روز جزا پر سارم تو کی پر سارم تو کی
 رشک ملک نور خدا انساں تو کی انساں تو کی

نسیم جانب شہ بطحا گزر کن
 ز احوالم محمد را خبر کن

علمائے گھوسی کی نعت نگاری کا ذکر آئے پہلے ہی شمارے میں کر کے فرصت پالی بہت اچھا کیا۔ جناب ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ششماہی دبستانِ نعت کے پہلے ہی شمارے کے بعد پورا سال گزر گیا، اللہ مدد فرمائے۔ اور آپ حضرات کے حوصلوں پر خیر و برکت کی برسات کرے آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ (مہار شڑا)

دبستان نعت: ایک تاثر

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے اعلیٰ افضل و اکبر ہے۔ اور اس کے بعد رسول اکرم ﷺ افضل البشر کا درجہ ہے۔ آنحضرت کی فضیلت و عظمت کا یہی ثبوت ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وجہ تخلیق کائنات فرمایا ہے (لو لاک لما خلقت الافلاک) آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے (وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین) اور یہ فرمایا کہ اللہ اور فرشتے آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجیں (ان اللہ و ملائکۃ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما)

حضرت محمد ﷺ نے دنیا میں اللہ کا آخری پیغام قرآن مجید کی شکل میں پہنچایا اور دین اسلام پھیلایا۔ آپ ہمارے نبی ہیں اس لئے ہر مسلمان کو آپ ﷺ سے محبت و عقیدت فطری امر ہے۔ جس کا اظہار وہ اپنے اعمال و افعال و اقوال کے ذریعے کرتا رہتا ہے۔ اہل دانش و بینش نے احادیث مرتب کر کے، آپ کی سیرت مبارک تحریر کر کے آپ ﷺ کی تعلیمات کی تصریح و تفسیر کر کے، اور شعرا نے آپ ﷺ کی شان میں نعتیں کہ کر اس فریضہ کو انجام دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں کہی گئی نظم حمد کہلاتی ہے اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی شان میں کہی گئی نظم کو نعت کہا جاتا ہے۔ اسلامی زبانوں عربی، فارسی، ترکی، اردو وغیرہ میں نعت گوئی ہمیشہ مروج و مقبول رہی ہے۔ اس کا آغاز عربی میں ہوا وہاں سے یہ فارسی میں مروج ہوئی۔ اردو کے گجری و دکنی دور۔ آخری مغلوں کے عہد کے دہلوی و لکھنوی دور۔ برطانوی عہد کے جدید شاعری کے دور اور آزادی کے بعد ہندو پاک کی شاعری میں نعت گوئی مروج و مقبول رہی ہے اور بے شمار شعرا نے نعت کہ کر رسول اکرم ﷺ کی شان میں اظہار خیال کیا ہے۔ اردو چونکہ ہندوستان کے تمام مذہبی

طبقات کے افراد کی لکھنے پڑھنے بولنے کی مشترکہ زبان ہے۔ اس لئے اس کی شاعری اور نعت گوئی میں بھی مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم شعرا کی تخلیقات ملتی ہیں۔

اردو میں نعت ایک زندہ مشہور و مقبول مروج صنفِ سخن ہے اور اس کا بے حد وسیع و بسیط وسیع فراہم سرمایہ مہیا ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی محققین و نقادانِ ادب نے اس صنف کی تحقیق و تنقید کے کارنامے انجام دئے ہیں۔ اس سلسلے میں ناگپور کے ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق اور محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کے مقالات اور نور احمد میرٹھی مرحوم کی کتاب غیر مسلم شعرا کی نعت گوئی قابل ذکر ہیں۔ راقم کو ناگپور۔ امرادتی جل گاؤں وغیرہ جامعات کی اردو تحقیق کی رہنمائی کے سلسلے میں مختلف ادبی موضوعات کے مطالعہ کا موقع ملا اور ان میں نعت گوئی کے سرمایہ۔ ارتقاء اور خصوصیات قدر و قیمت و اہمیت سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہو گئی۔ اور جب مکرملی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب اور جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) کی عنایت سے مجلہ ”دبستان نعت“ کی ایک جلد موصول ہوئی تو اس صنف کے مطالعے و جائزے کا احیا سا ہو گیا۔ راقم کے نزدیک صنفِ نعت پر یہ ایک بسیط و بلند معیار ادبی معلوماتی تالیف ہے۔ اس سے نہ صرف نعت ریسرچ سینٹر، خلیل آباد کے سرپرست جناب پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب۔ نگرال جناب فیروز احمد سیفی، نیویارک اور مدیر جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری کی حضور اکرم ﷺ سے محبت و عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی بہترین ادبی صلاحیتوں اور ذوق و شوق کا بھی ثبوت مہیا ہوتا ہے۔ بظہرِ انصاف دیکھا جائے تو یہ اردو نعت کے فکر و فن و سرمایہ پہ معلومات کا بیش بہا خزانہ معلوم ہوتا ہے۔ کتاب کے موضوعات پر نظر ڈالنے سے اس کے متنوع مشمولات کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

تحمید و تقدیس کے باب میں تین شعرا کی حمد باری تعالیٰ پیش کی گئی ہے جو جذباتِ عبودیت سے پُر ہیں۔ گنجینہ نظر میں فنِ نعت گوئی صنفِ نعت کا فکری و فنی تعارف ہے۔ اس کے ارتقاء پر نظر ڈالی گئی ہے۔ عربی فارسی اردو زبانوں میں اس صنف کے فروغ کو بیان کیا گیا ہے۔

رحمت بیکراں میں ایک غیر مسلم نعت گو شاعر جناب کرشن کمار طور کی نعت گوئی کا جائزہ ہے۔ اور ایک معلوماتی مضمون ڈاکٹر صغریٰ عالم صاحبہ کی نعت گوئی پر ہے جو جناب فیروز احمد سیفی کے زورِ قلم کا ثمر ہے۔

صنفِ نعت کے مختلف پہلوؤں پر مقالات کے باب میں نظر ڈالی گئی ہے۔ مختلف موضوعاتِ نعت۔ خصوصیاتِ نعت۔ کچھ شعرا کی نعت گوئی وغیرہ پر فاضل مقالہ نگاروں نے بیش بہا

معلومات فراہم کی ہیں۔

فارسی کے مشہور شاعر۔ مثنوی نگار اور نعت گو مولانا عبدالرحمن جاتی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی پر تین مقالات اور ان کی فارسی نعت کا ترجمہ ایک خاصے کی چیز ہے۔ اردو والوں کے لئے یہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ کی حیثیت کی چیز ہے۔

گہائے عقیدت۔ مختلف شعرا کے ہدیہ نعت پر مشتمل ہے۔ یہ نعتیں رسول اکرم ﷺ کی محبت و عقیدت میں ڈوبی ہوئی ہیں۔

اس طرح یہ پوری تالیف صنفِ نعت گوئی۔ اس کی نوعیت حیثیت خصوصیات۔ قدر و قیمت، اہمیت، فکرو فن وغیرہ کی معلومات کا ایک منفرد و بیش بہا خزانہ بن گیا ہے۔ اس کے مرتبین نے ستائش و صلہ کی تمنا و پروا کئے بغیر محض عشق و عقیدتِ رسول ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہو کر یہ کارنامہ انجام دیا ہے اس لئے بمصدق ”من یحب الرسول یحب اللہ“ (جو رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اللہ سے محبت کرتا ہے۔) یہ تمام حضرات رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اللہ کی محبت کے بھی یقیناً حقدار ہو گئے ہیں۔ جزاک اللہ۔

متین عمادی (پٹنہ)

جریدہ ”دبستانِ نعت“ پرائیک نظر

”دبستانِ نعت“ حمد و نعت کا ششماہی تحقیقی جریدہ ہے جو خلیل آباد، یو۔ پی سے شائع ہوا ہے اور ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر سید حسین احمد۔ سجادہ نشین دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ اس کے سرپرست ہیں۔ معاونین میں سید صبیح الدین صبیح رحمانی، کراچی۔ پاکستان ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین فاروقی (نیویارک) اور قاضی اسد ثنائی۔ حیدر آباد اور نگران فیروز احمد سیفی ہیں جو نیویارک میں رہتے ہیں۔ مدیر میں ڈاکٹر سراج احمد قادری کا نام ہے۔

ایک دن مجھے امریکہ سے فون آیا بات کرنے والے فیروز احمد سیفی تھے جو اس جریدے کے نگران ہیں ان سے رابطے کا سلسلہ یوں بنا کہ میرا ایک تبصرہ جس کا عنوان تھا مدینہ منورہ سے آنے والی کتب شائع شدہ پنداران کی نگاہوں سے گزرا شاید مصنف کتاب نے اس تبصرے کو ان کے پاس بھیج دیا تھا۔ تبصرہ پڑھ کر سیفی صاحب نے میرے تبصرے کی تعریف کی اور انہیں اس کا اندازہ ہوا کہ میں بھی شاعر ہوں۔ انہوں نے بہت شستہ و مودبانہ الفاظ میں مجھ سے باتیں شروع کیں۔ اور کہا کہ آپ بزرگوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا رشتہ بہت مستحکم ہے۔ میرے لیے دعائیں فرمائیے۔ مجھے ندامت کا احساس ہوا کہ ایں خاک راجہ نسبت بہ عالم پاک۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ نعت انسٹی ٹیوٹ قائم کئے ہوئے ہیں آپ نعت لکھتے ہیں یا آپ کے بزرگوں کی نعتیں ہیں تو مجھے بھیجے ان کی گفتگو میں ایسی اپنائیت اور چاشنی تھی کہ میں حیرت زدہ ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ امریکہ میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جو حب رسول ﷺ سے اس قدر شرسار ہیں کہ نعت انسٹی ٹیوٹ قائم کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بہت جلد نعت کا ایک جریدہ منظر عام پر آنے والا ہے۔ آپ کی نعت اُس میں شامل کروں گا میں نے ان کی خواہش کی تکمیل میں کئی نعتیں اور حمد اُنکی خدمت میں بھیج دیں۔ کئی ماہ انتظار کے بعد ایک جریدہ ”دبستانِ نعت“ کے نام سے موصول ہوا۔

اس جریدہ کو دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ سیفی صاحب کا نام نگراں کی حیثیت سے دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ سیفی صاحب نے اسی جریدے کی طرف اشارہ کیا تھا اور اس میں میری بھی نعت شامل تھی۔

مدیر جریدہ سراج احمد قادری کی کاوشیں سراہنے کی لائق ہیں۔ اس میں کئی ابواب قائم کئے ہیں۔ ان ابواب سے پہلے مدیر نے نعتیہ جریدہ نکالنے کی غرض و غایت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”مجلہ پیش کرنے کا مقصد حمد و نعت کے فروغ و ارتقاء کے حوالے سے ادباء، شعراء اور محققین کی کاوشوں کو اہل علم سے روشناس کرانا ہے۔“ نعتیں اور حمدیں بے شمار لکھی گئی ہیں لیکن یا تو وہ شعراء کی بیاض تک محفوظ ہیں یا الماریوں کی زینت ہیں۔ مدیر کی مستحسن کوشش ہے کہ عوام کے سامنے اسے منصہ شہود پر لایا جائے اور اس کی جوت سے لوگوں کے دلوں کو جگمگایا جائے۔ لوگ اس عظیم فن کی طرف متوجہ ہوں۔ بہت سے شعراء ایسے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی حمد و نعت کے لیے وقف کر دی لیکن وہ عوام الناس کی نگاہوں سے دور ہیں۔ مدیر کا یہ فرمانا ہے کہ دوسری اصنافِ سخن سے نعت کا سرمایہ زیادہ نظر آتا ہے۔ انہوں نے محبتِ رسول ﷺ کے پاکیزہ نقوش و جذبات کو پیش کرتے ہوئے مشہور شعراء کے چند اردو نعتیہ اشعار بھی پیش کئے ہیں۔ ان کے پیش کئے ہوئے نعتیہ اشعار کو میں نقل کر رہا ہوں۔ آپ دیکھیں کہ بزرگ شعراء نے کس انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی

تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

علامہ اقبال

کریم! اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما

تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

حضرت رضا بریلوی

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ

ہاں کوئی نظرِ رحمتِ سلطانِ مدینہ

جگر مراد آبادی

ہاں ساقی! کوثر سے صبا عرض یہ کرنا

اک رند سیہ مست بہت یاد کرے ہے

نفسِ لاہوری

غمِ رسولِ فروزاں ہو جس کے سینے میں
وہ ظلمتوں سے گزرتے ہیں روشنی کی طرح

احسانِ دانش

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس محلّے میں مدیر نے کئی ابواب قائم کئے ہیں۔ اب میں ان ابواب کی طرف نگاہ ڈالتا ہوں۔ پہلا باب تحمید و تقدیس ہے۔ اس میں تین حمد شامل کی ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ حمد و نعت کا باہمی رشتہ توحید کے مانند ہے۔ جس طرح کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی جز کو علاحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے اسی طرح حمد و نعت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس محلّے کی پہلی حمد تنویر احمد پھول (نیویارک) کی ہے جن کا تعلق ہندوستان سے ہے لیکن ایک عرصہ سے وہ نیویارک میں رہ رہے ہیں اور اپنی مصروف ترین زندگی کے باوجود حمد و نعت سے شغف رکھتے ہیں اس طرف مائل ہو کر پُر اثر حمد کہتے ہیں۔ بطور نمونہ ان کی حمد کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

تو ہے رحمانِ دنیا بقولِ نبی ﷺ سب پہ تیری عطا تو کرم ہی کرم
آخرت میں رحیمِ اہلِ ایمان پہ تو کون دے گا جزا تو کرم ہی کرم
خوانِ یغما ترا ہے بچھا ارض پر، اپنی مخلوق کا تو ہی رزاق ہے
منکروں کو بھی دنیا میں ہے دے رہا، یہ تھل ترا، تو کرم ہی کرم
عالم الغیب بے شک تری ذات ہے، تو ہے نعم الوکیل اور غفار بھی
ہم گناہوں کا ہیں بار سر پر لئے، تجھ سے ہے آسرا، تو کرم ہی کرم
تو نے بے مثل قرآن ہم کو دیا، ہر ورق میں ہے نورِ ہدایت بھرا
تیرا احسان ہے بعثتِ مصطفیٰ ﷺ تو نے خود ہے کہا، تو کرم ہی کرم

دوسری حمد طاہر سلطانی کی ہے جن کا تعلق پاکستان سے ہے۔ طاہر سلطانی نے حمد و نعت کے حوالے سے جو خدمت انجام دیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ آپ کراچی سے حمد و نعت کا ایک ماہنامہ ”ارمغانِ نعت“ نکالتے ہیں اور حمد و نعت ٹرسٹ قائم کیا ہے۔ اس عظیم خدمت کے ذریعہ انہوں نے اپنی شناخت بنائی ہے۔ ان کی حمد کے بھی تین اشعار ملاحظہ ہوں۔

دل میں کچھ بھی نہ رہے رب کی محبت کے سوا
اور کیا چاہئے سرکارِ ﷺ کی چاہت کے سوا

رب کی رسی کو پکڑ، ورنہ بکھر جائے گا
ہاتھ آئے گا نہیں کچھ بھی ندامت کے سوا
کچھ نہیں مانگتا مولا! ترا بندہ تجھ سے
حشر میں سپید عالم کی شفاعت کے سوا
تیسری حمد ابرار کرت پوری کی ہے جو سرزمینِ دہلی میں قیام فرما ہیں اور حمد و نعت نگاری
میں مشغول ہیں۔ ان کے یہاں بھی جذبات اور وارفتگی کا اندازہ لگائیے۔

صاحبِ لطف جود و عنایت سخا ربنا آفریں آفریں
تو نے بندوں کو اعزازِ ایمان دیا ربنا آفریں آفریں
دینِ فطرت کی انساں نے پائی ضیا، مگر ہوں کو ملی منزلِ ارتقا
سرورِ دیں سا بخشا گیا رہ نما، ربنا آفریں آفریں
زندگی بشر زندگی ہو گئی، ہر طرف دہر میں روشنی ہو گئی
تو نے بخشی کتابِ میں کی ضیا ربنا آفریں آفریں

مجلے کے دوسرے باب کا عنوان ”گنجینہ نقد و نظر“ ہے اس میں پانچ مقالے قابلِ مطالعہ
ہیں۔ میں ان مقالوں کی تفصیل میں نہیں جاؤنگا۔ کیوں نہ مضمون کی طوالت سے گریز مقصود ہے۔
تیسرے باب کا عنوان ”رحمت بکراں“ ہے۔ اس باب میں دو مقالے ہیں ایک مقالہ
نعت گو غیر مسلم شاعر کرشن کمار طور پر ہے جس کو فہیم احمد صدیقی نے تحریر کیا ہے۔ دوسرا مقالہ فیروز
احمد سیفی کا ہے جس کا عنوان ہے ”ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعرہ“ مدیرِ مجلہ کا بیان ہے
کہ ہم نے نظریہ رکھا ہے کہ نعت گو غیر مسلم شعرا اور خواتین کو بھی نعت گوئی میں ان کا جائز مقام دیا
جائے۔ فیروز احمد سیفی نے صغریٰ عالم کی نعت گوئی کو پیش کرتے ہوئے بڑی عمدہ بات کہی ہے۔
ان کے جملے ملاحظہ کیجئے۔

قدرتِ الہی کا نظام کچھ ایسا ہے کہ محبت انسان کا محور و منبع ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذاتِ
اقدس وہ ذات ہے جو محبت کا خالق ہے۔ پھر عظیم ترین ہستی نبی اکرم ﷺ جن سے خود اس ذاتِ
مقدس نے محبت کا حکم صادر فرمایا ہے اور یہی درس دیا ہے کہ یہی صراطِ مستقیم ہے اور خود نبی کی
تعریف و توصیف کو اپنی زبانِ مبارک سے یوں ارشاد کر رہا ہے۔ وما ارسلناک الا رحمة
للعالمین۔ مگر اس کج فہمی کو کیا کچے کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو حضور ﷺ کو صرف ایک بشر ماننے پر

مُصر ہیں۔ جبکہ غالب جیسا بادہ نوش شاعر بھی ہوش کے ساتھ کہتا ہے۔
 غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
 کہ آں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است
 اس مفہوم سے ملتا ہوا اس ناچیز کا بھی ایک شعر دیکھئے۔
 نعت گو سب سے بڑا تو ہے مری کیا ہستی
 سب تو قراں کے اشارے ہیں وہاں پر یا رب

متین عمادی

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ تیسرا باب ”رحمت بیکراں“ کے عنوان سے ہے جس میں دو مقالے ہیں پہلا مقالہ غیر مسلم نعت گو شاعر کرشن کمار طور پر ہے ان کے بھی چند اشعار حمد و نعت کے ملاحظہ کے لائق ہیں۔ حمد کے یہ اشعار دیکھئے۔

آجائے کہیں جان مری جان میں مولا
 اک حمد لکھوں میں بھی تری شان میں مولا
 کرشن کمار طور بھی جگن ناتھ آزاد کی طرح مستند نعت گو شاعر ہیں۔ اُن کا ایک مجموعہ نعت ۲۰۰۰ء میں ”پیش قدم“ کے عنوان سے منظر عام پر آچکا ہے۔ جس میں ۳۵ حمد اور پچاس کے قریب نعت و سلام ہیں۔ ایک دو شعر حمد کے اور بھی دیکھئے۔

وہی ہے ہم کو عشق غیر فانی باٹنے والا
 وہی ہے وعدہ جّت فشانے والا
 وہی ہے جس نے بخشی ہے ضیاء لفظوں کو قرآن کے
 وہی ہے نور علم آسمانی بانٹنے والا
 اب اُن کا نعتیہ شعر بھی نقل کر رہا ہوں۔

بیاں نقطہ قرآن محمد ﷺ
 چراغ خانہ ایمان محمد ﷺ
 مرتب اُن سے ہوتی ہے محبت
 مثال رحمت یزداں محمد ﷺ

دوسرا مقالہ جو ڈاکٹر صغریٰ عالم کے نعتیہ شعری مزاج پر ہے ان کا بھی ایک شعر بطور

نمونہ دیکھئے۔

میں نہ لکھ پاؤنگی توصیفِ محمد صغریٰ
اتنا آسان نہیں توصیفِ پیمبر لکھنا

جریدے کا چوتھا باب ”مقالاتِ نعت“ ہے اس باب میں چودہ مقالات ہیں۔ سبھی اپنی الگ نوعیت رکھتے ہیں۔ ان سبھی مقالات پر تنقیدی نگاہ ڈالنا اور انکو احاطہ تحریر میں لانا آسان نہیں ہے۔ میں یہاں صرف ان کے نام گنوا رہا ہوں۔ ان مقالات کے عنوانات یہ ہیں۔

حرفِ آرزو، ناعت پر فیضانِ معنوت، انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ خیر، مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ، طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام (نعتِ روشنی) کا تنقیدی جائزہ، غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ، حمدِ الہ جلّ جلالہ و مدحِ رسول ﷺ، میلادِ اکبر ایک مطالعہ، نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر، مقبول بارگاہِ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؤف امر و ہوی، اعجاز کا میٹھوی کی نعتیہ شاعری، علمائے گھوسی کی نعت نگاری، مولانا فروغِ اعظمی اور ان کی نعتیہ شاعری، نشر کریم کی ایک قادر الکلام نعت گو شاعر، ان مقالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدیر موصوف نے سعیِ بلیغ سے کام لیا ہے۔ اور نعتیہ و حمدیہ شاعری پر اچھا مواد فراہم کیا ہے۔

اس جریدے کا پانچواں باب گوشہٴ جامی کے عنوان سے ہے جس میں حضرت جامی پر چار مضامین ہیں۔ ان مقالات میں جامی سے متعلق اچھے خاصے تذکرے ہیں۔ ان کی مشہور فارسی نعتوں کا اردو ترجمہ بھی ہے۔ جامی وہ شاعر تھے جو ہر وقت محبتِ رسول ﷺ میں ڈوبے رہتے تھے ان کے کلام میں جو تاثیر ہے وہ کم شاعروں کے کلام کا خاصہ ہے۔ ان کا متصوفانہ رنگ دل کی گہرا یوں میں اتر جاتا ہے۔ جامی کے حالات سے متعلق میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا یا کسی سے واقعہ سن رکھا تھا یہاں ضمناً تحریر کر رہا ہوں۔ جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ کہ جامی جب بھی روضہٴ رسول ﷺ پر حاضری کی خواہش لے کر روانہ ہوتے بادشاہ وقت کو حضور ﷺ سے حکم ملتا کہ جامی آ رہا ہے اس کو لوٹا دو۔ اس طرح حاضری کے بغیر لوٹا دیئے جاتے۔ آخر ایک بار بادشاہ وقت نے ہمت کر کے پوچھ لیا کہ حضور! وہ اتنا ذوق و شوق سے آتا ہے اور آپ لوٹا دیتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا تم نہیں جانتے ہو وہ میرا عاشق ہے اگر آجائے گا تو مجھے قبر سے نکل کر اُس کا استقبال کرنا ہوگا۔ اور میں قبر سے نکل جاؤنگا تو دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔ اس واقعے سے اندازہ لگائیے کہ جامی کا کیا مقام تھا۔ مدیر نے اس جریدے کو جامی سے منسوب بھی کیا ہے۔ تنویر احمد پھول نیویارک نے جامی کی چند مشہور نعتیں

پیش کی ہیں اور اُنکا اردو ترجمہ بھی لکھا ہے ان کی پیش کردہ نعتوں کے چند اشعار مع ترجمہ دیکھئے۔

دو چشمِ زرگینس را کہ ما زانِ البصر خواند

دو زلفِ عنبرینش را کہ واللّیل اذا یغشی

ترجمہ! حضور ﷺ کی دو زرگسی آنکھیں مجھے مازانِ البصر پڑھنے کو کہتی ہیں۔ اور دو عنبریں

زلفوں کا کہنا ہے کہ ہم واللّیل اذا یغشی پڑھیں۔

ز سرّ سینہ اش جامی الم نشرح لک بر خواں

ز معراجش چہ می پرسی کہ سبحان الذی اسری

ترجمہ! اے جامی تو حضور ﷺ کے سینہ اطہر کے راز کے بارے میں الم نشرح پڑھ لے اور

ان کی معراج کی شان کیا پوچھنا سبحان الذی اسری سے ظاہر ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جامی کے اشعار میں عقیدت کے جو پہلو ہیں وہ بڑی کیفیت

رکھتے ہیں۔ اُن کا یہ شعر بھی بہت مشہور ہوا ہے۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیت

اب گوشہ جامی کے علاوہ اس جریدے کے چند مقالے ایسے ہیں جن پر نگاہ شوق ٹھہر جاتی

ہے جیسے ایک مقالہ ہے۔ ”مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ“ اس کے قلم کار ڈاکٹر عزیز احسن ہیں۔ حمدیہ

شاعری وہ ہے جس میں ربّ ذوالجلال کی حمد و ثنا کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک بندہ اپنے خالق کی جتنی

بھی تعریف کرے، جتنی بھی ثنا کرے کم ہے۔ وہ کرم و فضل کا ایسا بہتا دھارا ہے جس کو توصیف کی

زبان دینا مشکل ہے۔ بہترے شعرا حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں۔ دیکھئے خسرو کس

انداز سے فرماتے ہیں۔

ما یم تحیر و خموشی ہمہ آفاق بگفتگویت

اور خدا بھی فرما رہا ہے تم میری کن کن نشانیوں کے منکر بنو گے۔ شاعر اپنی بساط بھر کوشش کرتا

ہے کہ شاید اُس کا ایک شعر بھی مقبول بارگاہ ہو جائے اور نجات کا ذریعہ بن جائے۔ مظفر وارثی کا حمدیہ

آہنگ بڑا دلکش ہے۔ انہوں نے اپنے تحت الشعور کو مسجد قرار دیتے ہوئے کس خوبی سے کہا ہے۔

مسجد الفاظ میں بھی دے رہا ہوں میں اذال

میرا فن، میرا ہنر، میرا ادب تیرے لیے

اس مضمون میں انکے بہت سے اچھوتے اور دلکش حمدیہ اشعار بھی ہیں۔ مگر میں ان کے چند اشعار پیش کر کے اپنی تنقیدی نگاہ کو سمیٹ رہا ہوں، آپ ان کے اشعار سے لطف اندوز ہوں۔

زمین تیرہ کے منہ سے لگا دیا کس نے

مہ و نجوم بھر آسماں کا پیالہ

میں ان اشعار کو پڑھ کر خود عجیب کیفیت میں ڈوب گیا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ ان کے چند شعر اور بھی آپ کے گوش گزار کر دوں۔ وحدت الوجود کے مسئلہ کو بڑی خوبی سے مظفر وارثی نے اپنے اشعار میں ڈھال لیا ہے۔

خدا ہے ایک مگر ایک کی بھی حد میں نہیں

اکائی اس کی کسی زمرہ عدد میں نہیں

مظفر وارثی کی حمدیہ شاعری میں جو تنوع اور ہنرمندی کے پہلو ہیں وہ بے شمار اور قابل دید ہیں۔ چند اشعار اور پیش کر کے اپنی بات کو ختم کر رہا ہوں ان اشعار کو دیکھئے اور جھوم جائے۔

دنیاے رنگیں کی دلہن جاتے لحوں کی ڈولی میں

شبِ نیم کی ابرق پھولوں پر موتی دریا کی جھولی میں

یہ کس کی مینا کاری ہے! کون ایسی خوبیوں والا ہے؟

بندو اللہ تعالیٰ ہے

دوسرا مقالہ جس نے میری دید کو اپنی طرف کھینچا ہے وہ ہے طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام ”نعت روشنی“ کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ اس مقالے میں طاہر سلطانی کی نعتیہ شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مقالہ نگار نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ طاہر سلطانی نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی عملی زندگی کو ماحصل بنانے پر زور دیا ہے اور یہ بتایا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا اسوہ ہی ایک مومن کی اصلی زندگی ہے۔ بطور نمونہ ان کے چند اشعار دیکھئے۔

سرورِ دیں کا اگر سامنے کردار رہے

مہکا مہکا ہوا پھر اپنا بھی کردار رہے

آپ کی نسبت سے ہم کو روشنی مل جائے گی

آپ کے علم و عمل سے آگہی مل جائے گی

جو غلام سید ابرار دل سے بن گیا
اس کو رحمت سے مژدین زندگی مل جائے گی

اس جریدے کے اہم مقالوں میں غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری پر یہ بہت اہم مقالہ ہے۔ اس کو طاہر سلطانی نے بڑی محنت سے لکھا ہے۔ غیر منقوط کلام وہ بھی حمد و نعت میں مشکل امر ہے۔ اکبر بادشاہ کے دربار میں رہنے والے فیضی نے ”سواطع الالہام“ نام کی غیر منقوط تفسیر قرآن لکھ کر دنیا میں اپنا نام روشن کیا گرچہ وہ تفسیر مکمل نہیں ہے پھر بھی اُنکا یہ کارنامہ شہرت کا سبب بنا۔ اسی طرح کچھ اور خوش نصیب افراد نے غیر منقوط سیرت لکھنے کی کوشش کی ہے جن میں ایک نام ولی رازی کا ہے۔ غیر منقوط حمد و نعت لکھنے والے شعراُ خال خال ہیں لیکن مقالہ نگار طاہر سلطانی نے اپنی تحقیق سے دس غیر منقوط کلام لکھنے والے شعراُ کے نام لیے۔ یہاں میں ان شعراُ کی جھلکیاں ہی پیش کر رہا ہوں۔ مقالہ نگار نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ یوں تو بیسوں غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ اشعار لکھنے والے شعراُ ہیں لیکن انہوں نے صرف انہیں شعراُ کو لیا ہے جن کا کلام زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکا ہے۔ اس غیر منقوط کلام میں انہوں نے پہلا نام سید محمد امین عالی شاہ کا لیا ہے ان کے دو غیر منقوط مجموعے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ انہوں نے عربی زبان میں بھی غیر منقوط کلام پیش کئے ہیں۔ اس مجموعہ کا نام ”محمد رسول اللہ“ ﷺ رکھا ہے اور اردو میں غیر منقوط کلام کے مجموعہ کا نام ”محمد ہی محمد“ ﷺ رکھا ہے۔ عربی مجموعہ میں ۳۳ منظومات ہیں جن میں ۱۲ حمدیں ہیں، اکیس نعتیں ہیں۔ نعت و حمد سے پہلے نثری طور پر آغاز کلام بھی کیا جو غیر منقوط ہے۔ میں اس کی سطرین نہیں پیش کر کے شاعری کی صلاحیت واضح کر رہا ہوں ملاحظہ کیجئے:-

”کروڑوں حمد ہوں سارے عالم کے مالک و مولا اور حاکمِ اعلیٰ کے لیے کہ
اس کی امداد و عطا سے سرکارِ دو عالم سرورِ اولادِ آدم صلی اللہ علیٰ زوجہ والہ وسلم کے
سارے مدح سراؤں سے اوّل اس لاعلم اور معمولی آدمی کو اس رسالہ کی لکھائی کا
حوصلہ ہوا کہ اس کا ہر کلمہ اور مصرع اردوئے معزّائے مسطور اور مہرِ ولّائے رسول سے
معمور ہے۔“

اب ان کے غیر منقوط کلام کا کچھ نمونہ دیکھئے۔

ہادیٰ راہ مولیٰ الوری آ گئے
سارے عالم کے صدرِ اعلیٰ آ گئے

ہو کے اللہ کے محمود حامد مگر
دہر کے دردِ دل کی دوا آگئے
مرسلوں کے امام و حسام الہ
سرورِ گل، دلِ دوسرا آگئے

اب ان کے حمدیہ اشعار بھی ملاحظہ کیجئے۔

صدائے دورِ عطا لا الہ الا اللہ طوائے راہِ ہدیٰ لا الہ الا اللہ
وہی ہے عالمِ امکاں کا مالک و مولیٰ دوائے دردِ ولا لا الہ الا اللہ
اسی کے در کا سہارا ہے سارے عالم کو رسل کا ورد ہوا لا الہ الا اللہ

مقالہ نگار نے دوسرے شاعرِ راغب مراد آبادی کو فہرست میں رکھا ہے۔ راغب مراد آبادی
نے ”مدح رسول“ ﷺ کے نام سے اپنا غیر منقوط نعتیہ کلام ۱۹۷۹ء میں مرتب کر لیا تھا لیکن ان
کے مجموعہ کی اشاعت ۱۹۹۳ء میں ہوئی۔ یہ مجموعہ ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے چند اشعار
بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

محمد کو دادِ مدعا لکھ
دو عالم کا سہارا آسرا لکھ
محمد راکع و حماد مولا
اٹھا کلک اور رودادِ حرا لکھ

تیسرے شاعر حضرت شاعر لکھنوی ہیں۔ ان کا شمار ممتاز صاحب طرز نعت گو شعرا میں ہوتا
ہے۔ ان کا مجموعہ نعت غیر منقوط ”روح الہام“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حمد و نعت اور
قطعات و رباعیات شامل ہیں۔ اس کی اشاعت کا موقع ۲۰۱۱ء میں ہوا اگرچہ ۱۹۷۶ء میں
مرتب ہو چکا تھا۔ شاعر کا انتقال ۱۹۸۹ء میں ہوا ہے۔ مقالہ نگار نے یہ لکھا ہے کہ غیر منقوط کلام کے
وصف میں وہ سب کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ میکا کی پابندی کے باوجود ان کا کلام بوجھل ادق اور بے
روح نہیں ہے۔ بلکہ ان کی شگفتگی اور بے ساختگی قابلِ دید ہے۔ گویا یہ فنی جمالیات کا ایک عمدہ نمونہ
ہے۔ میں یہاں قاری کی ضیافت طبع کے لئے ان کی صرف ایک غیر منقوط رباعی پیش کر رہا ہوں۔

ہر گرد سے روح و دل کو سادہ کر لو
ہر لمحہ درودوں کا اعادہ کر لو

مائل ہو کوئی وسوسہ دہر اگر

سرکار کی مدح کا ارادہ کر لو

شاعر کے مجموعہ نعت و حمد میں ۶۳ قطعات ہیں۔ یہ تعداد رسول خدا ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے منسوب ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے چوتھے غیر منقوط نعت گو شعراً میں لطیف اثر کا نام لیا ہے۔ ان کے دو غیر منقوط حمد و نعت کے مجموعے ہیں۔ پہلا غیر منقوط مجموعہ ”سرکارِ دو عالم“ نام سے ہے۔ اور غیر منقوط حمد یہ کا نام اہم ہے۔ ان کے بھی دو تین حمد یہ اور نعتیں اشعار دیکھئے۔

حمد اللہ کی لکھ رہا ہوں

لمحہ لمحہ اسی کا ہو گیا ہوں

مالکِ دو سرا مدد کر دے

ہر رحم و ہر کرم کی حد کر دے

دل سے اٹھے صدائے اللہ ہو

دل کو گہورۂ احد کر دے

اللہ کے رسول کا کلمہ ادا کروں

اور عام دل کے واسطے راہ ہدیٰ کروں

دل کو مرے ملے درِ احمد کھلا ہوا

ہر لمحہ محو درِ محمد رہا کروں

مقالہ نگار نے پانچویں شاعر تابلش الوریٰ کو پیش کیا ہے۔ ان کے غیر منقوط مجموعہ نعت کا نام ”سرکارِ دو عالم“ ہے۔ یہ مجموعہ ۱۰۶ صفحات پر مشتمل ہے ان کے بھی چند اشعار دیکھئے۔

مالک الملک ہے وہ ملک ہے سارا اسکا

آسمان اسکا سمک اسکا ہے صحرا اس کا

لہر در لہر رواں اس کا کرم اس کی عطا

ساحل اس کا ہے ہوا اس کی ہے دھارا اسکا

میرے اللہ مرا ولولہ اعلیٰ کر دے

میرا ہر کام محمد کے حوالہ کر دے

چھٹے شاعر قریشی کو مقالہ نگار سامنے لایا ہے اور ان کے کئی غیر منقوط اشعار کو اپنے مقالے

میں لکھا ہے۔ ان میں سے ایک دو شعر آپ بھی سماعت کیجئے۔

محمد ﷺ سا کوئی ہے طہ دکھا دو
کسی کا محمد ﷺ سا اسوہ دکھا دو
محمد ﷺ کے کلمے سا کلمہ ہے کس کا
محمد ﷺ سا اک حلم ولا دکھا دو

چونکہ میرا تبصرہ بہت طویل ہو گیا ہے اور چار سو صفحات کی کتاب پر مکمل تبصرہ معنی رکھتا ہے اس لیے تمام شاعر کے نمونہ کلام کو پیش نہ کر کے صرف ان کے نام پر اکتفا کر رہا ہوں۔ اس مقالے کے ساتویں شاعر صادق بستوی ہیں ان کی کتاب کا نام ”ہادی عالم“ ہے۔ جس میں نثری غیر منقوط تحریر کے ساتھ کچھ غیر منقوط اشعار بھی ہیں۔ آٹھویں شاعر ظفر ہاشمی قادری ہیں۔ ان کے مجموعہ کا نام ”معلم عالم“ ہے۔ جو ۹۹ غیر منقوط نعتوں پر مشتمل ہے۔ مقالہ نگار نے نواں نام قدرت اللہ بیگ راویج آبادی کا لیا ہے۔ راویج آبادی کہنے مشق شاعروں میں تھے۔ ان کا سن ولادت ۱۸۷۳ء ہے۔ ان کا بڑا کارنامہ غیر منقوط فارسی مثنوی ہے جس کا نام ”مطالع الحامد“ ہے۔ اس میں چار ہزار تین سو پچپن اشعار ہیں۔ اس میں ایک قصیدہ نعتیہ بھی ہے۔ جوش ملیح آبادی نے اپنی کتاب ”یادوں کی بارات“ میں حضرت راؤ کا ذکر خیر کیا ہے۔ آخر میں دسویں شاعر کی حیثیت سے مقالہ نگار نے محسن ملیح آبادی کا نام لیا ہے یہ زود گو اور قادر الکلام شاعر ہیں ان کے کچھ اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔ جس سے ان کی علمی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ملاحظہ ہو۔

ہے اللہ کا ہمسر کہاں اللہ اللہ
وہی ہے ہر اک سے کلاں اللہ اللہ

حمدیہ اشعار:-

کہاں آئے گا وہ سر دل کسی کے
کہ وہ ہے ورائے گماں اللہ اللہ

نعتیہ اشعار:-

علم و عمل کی آگہی صل علی محمد ﷺ
علم ہے اس کا سرمدی صل علی محمد ﷺ

سارے رسولوں کا امام اس کی عطا دوام
اللہ رے اس کی سروری صل علی محمد ﷺ

یہ مقالہ بہت عمدہ مقالوں میں ہے اور تحقیقی مقالہ ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ صنعتِ عاطلہ میں جن شعرا نے کلام لکھے وہ قابلِ مبارک ہیں ”دبستانِ نعت“ کا آخری باب کا عنوان ”گہائے عقیدت“ ہے۔ جس میں ۴۳ شعرا کی ایک مکمل نعت پیش کی گئی ہے۔ جس میں علیم صبانویدی کی سہ سطر شاعری بھی ہے اس کے علاوہ ایک شاعر کا نعتیہ دوہا بھی ہے۔ چہار دراک یعنی (Four in one) کے عنوان سے ایک قابلِ دید نعت بھی ہے۔ مجلے کے آخر میں مدیر نے اور فیروز احمد سیفی نے اہل علم و ادب سے گزارش کی ہے کہ اپنا معیاری کلام اور مضامین بھیجیں تاکہ مجلہ کو عمدہ سے عمدہ بنایا جائے۔ میں ڈاکٹر سراج احمد قادری اور فیروز احمد سیفی کو دل کی گہرا یوں سے مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے عمل کو قبول کرے اور ان کے درجات بلند کرے آمین۔

اقبال اعظمی (یو پی)

’دبستان نعت پر ایک عمیق نظر‘

محترم جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

ایڈیٹر ’دبستان نعت‘

خلیل آباد، سنت کبیر نگر

سلام مسنون

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ آپ کے تحقیقی مقالے ’نعتیہ روایت کا عروج و ارتقاء‘ کے توسط سے میں آپ کو کئی برسوں سے جانتا ہوں۔ آپ کی ادارت میں نکلنے والے نعتیہ جریدے ’دبستان نعت‘ کا پہلا شمارہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء ہمارے بھیجے مولانا وصال احمد اعظمی صاحب کے بدست موصول ہوا۔ مکمل طور پر تو نہیں مگر کہیں کہیں سے اس کا مطالعہ کیا۔ آپ اس جریدے کے ذریعہ گمنام اور ایسے نعت گو شعرا کو متعارف کرانا چاہتے ہیں جن پر اہل قلم نے یا تو اب تک قلم ہی نہیں اٹھایا اور قلم اٹھایا بھی تو ان پر بہت کم لکھا گیا۔ آپ کا یہ جذبہ قابل تحسین ہے۔

پہلے ہی شمارے میں آپ اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب نظر آتے ہیں کیوں کہ آپ نے اس میں کئی اہل علم قلم کاروں اور شعرا کو متعارف کرایا ان سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ میرے ہی قصبے گھوسی کے ۳۷ نعت گو علماء کی فہرست جناب مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی صاحب نے پیش کی ان میں سے کئی ایسے نام ہیں جنہیں میں بحیثیت شاعر نہیں جانتا تھا۔

مجموعی طور پر تمام مضامین معلوماتی اور قابل ستائش ہیں۔ اگرچہ اس شمارے میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں پائی جا رہی ہیں مگر جریدے کی اہمیت پر ان کا اثر پڑنے کا امکان کم ہے۔ اس کے علاوہ کچھ دیگر خامیاں بھی درآئی ہیں۔ چند کا ذکر یہاں کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

’اسلام کے اساطیر الاولین کا مثالی کردار پیش کر سکتے ہیں۔ (ص ۱۴)

اساطیر! عربی، مونث، اسطارہ اور اسطورہ کی جمع، قصے کہانیاں۔
 اساطیر الاولین! اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں (فیروز اللغات جلد کلاس)
 اساطین! عربی، مذکر، اسطوانہ کی جمع، بہت سے سنتون (فیروز اللغات)
 لہذا ”اساطیر الاولین“ کی بجائے ”اساطین امت“ ہونا چاہئے۔
 ”ماضی کے درپچوں کو جھانک کر دیکھتے ہیں“ (ص ۹) ”کو“ کی بجائے ”سے“ ہونا چاہئے۔
 ”بالکل کلمہ تو حید کے مانند ہے۔“ (ص ۱۱) ”کے“ کی بجائے ”کی“ ہونا چاہئے۔
 نعتیہ نظم (ص ۳۵۴) یہ نظم بحر متقارب فعولن۔ فعولن۔ فعولن پر کہی گئی ہے۔
 گل ہائے مدحت کے گجرے صبا اپنے آنچل میں اس درک مٹی کا غازہ چھپاتی رہے گی۔ لیکن
 پہلے مصرع میں فعلن فعولن فعولن ہے اور بقیہ تمام مصرعوں میں فعولن فعولن فعولن ہے۔
 تقطیع! گل ہائے مدحت ک گجرے
 فعلن فعولن فعولن

صبا پناہ آچل م اس درک مٹی ک غازہ چھپاتی رہے گی
 فعولن فعولن فعولن فعولن فعولن فعولن
 ”اگر سنجیدگی سے غور و خوض کیا جائے تو حمد و نعت سے زیادہ سچی شاعری کسی اور بھی صنف
 نے اہل علم و ادب کو دیا ہی نہیں“ (ص ۱۰)
 ”دیا“ کی بجائے ”دی“ ہونا چاہئے۔
 ولادت مصطفوی ﷺ (ابوالخیر کشفی) (ص ۳۴۸)
 یہ نعت بحر ہز مثنیٰ سالم پر ہے۔ یعنی ایک مصرع میں مفاعیلن چار بار آئے گا۔ جبکہ اس
 نعت کے ایک مصرع میں مفاعیلن تین بار اور ایک مصرع میں پانچ بار آیا ہے۔ بقیہ مصرعوں میں
 چار چار بار مفاعیلن آیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) نگاہ کفر و ظلمت ہو گئی اندھی
 تقطیع! نگاہ کفر و ظلمت ہو گئی اندھی
 مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن
 شیطاں اس طرح بھاگے کہ جیسے ابرہہ کی فوج بھاگی تھی
 تقطیع! شیطاں اس طرح بھاگے کہ جیسے اب رہہ کی فوج بھاگی تھی

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن
مقبول وہ بندہ جو بندہ ہے خدا کا (چندر بھان خیال، ص ۳۶۰)
اس میں بندہ کے بعد ”ہے“ لفظ چھوٹ گیا ہے۔
اس کو یوں پڑھے!

مقبول وہ بندہ ہے جو بندہ ہے خدا کا
ادھو مہاجن بھل (ص ۳۶۱)

(۱) آنسو کا ہر اک قطرہ پھر مثلِ گوہر ہوگا۔ کتابت میں ”گہر“ کی جگہ ”گوہر“ چھپ گیا
ہے۔ اس کو یوں پڑھے!
آنسو کا ہر اک قطرہ پھر مثلِ گہر ہوگا۔

(۲) بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ
چو کھٹ پہ محمد کے پھر اہلِ نظر ہوگا
یہ نعت بحرِ ہزجِ اُخرب مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن پر کہی گئی ہے۔
پہلا مصرع ساقطِ الوزن ہے۔ طیبہ کے بعد لفظ ”جو“ ہونا چاہئے۔
دوسرے مصرع میں چو کھٹ کو بطورِ مذکر استعمال کیا گیا ہے، جبکہ چو کھٹ مؤنث ہے۔ لہذا
دوسرے مصرع میں ”کے“ کی بجائے ”کی“ ہونا چاہئے، دونوں مصرعوں کو یوں پڑھا جائے!
بند کر کے نگاہوں کو جائے گا جو طیبہ
چو کھٹ پہ محمد کی پھر اہلِ نظر ہوگا
تقطیع! بد کرک نگاہ کو جائے گنج طیبہ کو
مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

”یہ بات عام طور پر مانی جاتی تھی کہ شاعر کے کلام میں طلسماتی طاقت ہوتی ہے اور ان پر
جنات قابو ہیں“ (فنِ نعت اور نعت گوئی از ڈاکٹر خسر حسینی، ص ۳۳)
”قابو“ کی بجائے ”قابض“ ہونا چاہئے۔

”قرآن مجید کی بلیغ و فصیح بیانی نے عربوں کے فخر اور احساسِ برتری، جو ان کے شعر و سخن کی
وجہ سے تھی“ (ص ۳۴)
”قرآن مجید کے فصیح و بلیغ طرزِ بیان نے“ ہونا چاہئے۔

”اللہ تعالیٰ نے شاعر کو مجنوں ضرور کہا ہے۔“
وہ کون سی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے شاعر کو مجنوں کہا ہے؟
”جن کے فعل و قول میں کوئی مناسبت نہیں۔“ (ص ۳۴)
”جن کے قول و فعل“ ہونا چاہئے۔
”یعنی سب سے بہتر شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ کا حامی ہے“ (ص ۳۴)
”حامی“ کی بجائے ”حامل“ ہونا چاہئے۔
”حقیقت نگاری اور کردار آموزی وغیرہ داخل ہو کر شعر و سخن کو ایک مقصد عطا کیا۔“ (ص ۳۵)
”آموزی“ کی بجائے ”سازی“ اور وغیرہ وغیرہ کے بعد ”نے“ ہونا چاہئے۔
”ترجیع بند“۔ (ص ۳۶) یہاں پر ”ترجیع بند“ ہونا چاہئے۔
”الدرائح النبویہ“ (ص ۳۶)
”الدرائح النبویہ“ ہونا چاہئے۔
”سامنے آنے والے نئی ہیئتیں“ (ص ۳۷) ”والے“ کی بجائے ”والی“ ہونا چاہئے۔
”ہم یہاں پر“ (ص ۳۸) ”پر زائد“ ہے۔
”فن شعر کے وہ سارے اصناف فنِ نعت میں کامیابی کے ساتھ آزمائے گئے ہیں۔“ (ص ۴۳)
اصناف! صنف کی جمع، قسمیں (مونث) فیروز الغات۔ ”سارے“ کی بجائے ”ساری“
اور ”آزمائے گئے ہیں۔“ کی جگہ ”آزمائی گئی ہیں“ ہونا چاہئے۔
”ترجیع بند“ (ص ۴۳) ”ترجیع“ بند ہونا چاہئے۔
”جنہوں نے نعتیں بھی کہی“ (ص ۴۳) ”کہی“ کی بجائے ”کہیں“ ہونا چاہئے۔
”جنہوں نے چند ہی نعت کہے ہیں۔“ (ص ۴۳) ”کہے“ کی بجائے ”کہی“ ہونا چاہئے۔
”ان کی شہرت زیادہ ان نعتوں کی وجہ ہوگی۔“ (ص ۴۳) ”وجہ سے ہوئی۔“ ہونا چاہئے۔
”تیسری جماعت کو سب سے زیادہ اہم اور قابل الذکر شعرا سے توصیف کرتے ہیں۔“ (ص ۴۴)
”سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر شعرا کے اوصاف سے متصف کرتے ہیں۔“ ہونا چاہئے۔
”جو شعرا حفظ مراتب کا خیال نہ رکھتے ہوں وہ انتہائی ضلالت پر اتر آنے کے مترادف
ہے۔“ (ص ۵۱) ”جو شعرا حفظ مراتب کا خیال نہ رکھتے ہوں ان کا یہ عمل انتہائی ضلالت پر اتر
آنے کے مترادف ہے۔“ ہونا چاہئے۔

”اعتراضات جذبہ ظاہری کو نمایاں کرتی ہیں“ (ص ۵۱) ”کرتی“ کی بجائے ”کرتے“ ہونا چاہئے۔

”جو بھی احساسات اور جذبات شعر کے ذریعہ نمودار ہوں گے ان کو صرف ادبی سطح پر پڑھا جائے گا بلکہ وہ عوام تک پہنچیں گی۔“ (ص ۵۲)

”صرف“ کی بجائے ”نہ صرف“ اور ”گی“ کی بجائے ”گے“ ہونا چاہئے۔
 ”عربی میں جمع مذکر حاضر کی ضمیر اتم واحد مذکر کی جگہ شاید ہی استعمال ہوا کرتا ہے۔“ (ص ۵۳)
 ”کرتا“ کی بجائے ”کرتی“ ہونا چاہئے۔

”جہاں نعت شریف لکھا جا رہا ہے۔“ (ص ۵۴) نعت (مونث) مدح، تعریف (فیروز الغات)
 ”لکھا جا رہا ہے“ کی بجائے ”لکھی جا رہی ہے“ ہونا چاہئے۔
 ”لحن کی وجہ کوئی کمی بیشی نہ ہونے پائے“ (ص ۵۴) ”لحن کی وجہ سے“ ہونا چاہئے۔
 ”جس کی وجہ سامعین کے توجہ کی یکسوئی میں فرق پڑ جائے۔“ (ص ۵۴)
 توجہ:- (مونث) رغبت، خیال، مہربانی (فیروز الغات) ”جس کی وجہ سے سامعین کی توجہ“

ہونا چاہئے۔

”نعت خواں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ الفاظ کو صحیح رکھے اور غلط نہ پڑھیں۔“ (ص ۵۴)
 ”پڑھیں“ کی بجائے ”پڑھے“ ہونا چاہئے۔

”سامعین نعت پر بھی اوپر بیان کی ہوئی شرائط لازم آتے ہیں۔“ (ص ۵۴)
 شرائط:- (مذکر، مونث) شرط کی جمع (فیروز الغات)

بطور مذکر:- اوپر بیان کئے ہوئے شرائط لازم آتے ہیں۔ ہوگا۔

بطور مونث:- اوپر بیان کی ہوئی شرائط لازم آتی ہیں۔ ہوگا۔

”صوفیہ کرام نے نہ صرف فن شعری میں بلکہ فن نثر میں بھی نعت کہی ہے۔“ (ص ۵۵)

”صوفیہ“ کی بجائے ”صوفیا“ اور شعری کی بجائے ”شعر“ ہونا چاہئے۔

”ان کی تصانیف میں جابجا نعتیہ اشعار بھی درج ہیں جو خود کی کہی ہوئی ہیں۔“ (ص ۵۵)

”کہی ہوئی“ کی بجائے ”کہے ہوئے“ ہونا چاہئے۔

”صوفیہ کرام کا کلام“ (ص ۵۵) ”صوفیائے“ ہونا چاہئے۔

حافظ شیرازی کے اشعار (ص ۵۵)

(۱) اے خسروِ خوباں نظری سوئے گدا کن
رحمی بمن سوختہ بے سرو پا کن
اس شعر میں دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے۔ یہ دونوں اشعار بحر ہزج اعراب مقصور بحر وف
بروزن مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن پر کہے
گئے ہیں۔

”نظری“ اور ”رحمی“ کو ”نظرے“ اور ”رحے“ لکھنا چاہئے۔
دوسرا مصرع: ”رحے بمن سوختہ جاں بے سرو پا کن“ ہونا چاہئے۔
تقطیع: اے خسروِ خوباں نظرے سوئے گدا کن
مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن
رحے بمن سوختہ جاں بے سرو پا کن
(۲) دارد دل درویش تمنائے نگاہے
زاں چشم سیہ مست بیک غم زدہ روا کن
(درویش کا دل ایک نگاہ کی تمنا رکھتا ہے۔ اس مست اور کالی چشم کی ایک ادا سے حاجت
روائی کر دینا)

دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے۔ ”غم زدہ روا کن“ کا ترجمہ ”حاجت روائی کر دینا“ کیا گیا
ہے۔ حاجت کے لئے اس میں کوئی لفظ نہیں آیا۔ غم زدہ بمعنی ”غم کا مارا ہوا“ ہوتا ہے نہ کہ
”حاجت“ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ کس کی ”حاجت روائی کر دینا“۔
یہ شعریوں ہونا چاہئے۔

دارد دل درویش تمنائے نگاہے
زاں چشم سیہ مست بیک غم زدہ روا کن
(درویش کا دل تیری ایک نگاہ کا تمنائی ہے۔ اپنی کالی مست آنکھوں سے غم کے مارے پر
ایک نظر کر۔)

تقطیع: زاں چشم سیہ مست بیک غم زدہ روا کن
مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن
”عربی کے بھی نعتیں۔“ (ص ۵۵) ”کے“ کی بجائے ”کی“ ہونا چاہئے۔

”لطیف اثر صاحب پر اللہ جلّ شہ کی ایک خصوصی عنایت ہے۔“ (ص ۱۶۴۔ از طاہر سلطانی)
 ”جلّ شہ“ کی بجائے ”جلّ شانہ“ ہونا چاہئے۔

سن ستر میں مدینے مجھ کو بلوایا گیا اس طریقے کہ دنیا آج تک حیران ہے
 (شاعر رؤف امروہوی، مقالہ نگار ڈاکٹر صابر سنبھلی ص ۱۹۸) کتابت میں ”طریقے“
 کے بعد ”سے“ لفظ چھوٹ گیا ہے۔

”آپ کے عقیدت مندوں کا“ (ڈاکٹر صابر سنبھلی ص ۲۰۱) ”کے“ کی بجائے ”کی“
 چھپ گیا ہے۔

استاد شاعر جناب یعقوب اعظمی صاحب کی رحلت پر آپ نے رباعیات میں خراج تحسین
 پیش کیا تھا۔

دنیا ئے فکر و فن کا وہ یعقوب اعظمی کردار کا بلند طبیعت صاف تھا
 علم عروض میں نہ تھا اس کا کوئی جواب ہر صاحب کمال کو یہ اعتراف تھا
 (نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر از وصال اعظمی ص ۲۷۳/۲۷۴)

عزیز مولانا وصال احمد اعظمی صاحب کو اس میں سہو ہو گیا ہے۔ میرے برادر مکرم جناب
 نثار کریم صاحب مرحوم نے یہ اشعار قطعہ کی ہیئت میں کہے ہیں۔ اس مضمون میں آپ کے تین
 قطعات پیش کئے گئے ہیں جو بحر مضارع مکفوف محذوف بروزن مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن
 پر کہے گئے ہیں۔

رباعی:۔ رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرع کے علاوہ بقیہ مصرعے ہم قافیہ
 ہوتے ہیں۔ رباعی بحر ہزج منسمن کے زحافات پر کہی جاتی ہے۔ رباعی کے چوبیس (۲۴) اوزان
 مقرر ہیں۔ بارہ (۱۲) اخب اور بارہ (۱۲) اخرم کے۔ ان کے علاوہ کسی بھی وزن پر کہے گئے چار
 مصرعے رباعی میں شمار نہیں ہوتے۔ انہیں قطعہ کہتے ہیں۔

اخب کے اوزان کی مثال: (۱) مفعول مفاعیلن مفاعیل فاعلن

(۲) مفعول مفاعیل مفاعیل فاعلن

اخرم کے اوزان کی مثال:

(۱) مفعولن مفاعیلن مفاعیل فاعلن

(۲) مفعولن مفعول مفاعیل فاعلن

”غالب نے اسے غزل ہی رہنے دیا ہے۔“ (ڈاکٹر سید حسین احمد شاہ، پٹنہ ص ۲۵)
 غزل:- (مونث) عورت سے باتیں کرنا، نظم کی ایک صنف (فیروز اللغات) غزل مونث
 ہے۔ لہذا ’دیا‘ کی بجائے ’دی‘ ہونا چاہئے۔

”درج بالا حمدیہ اشعار یہ ثابت کرتے ہیں کہ کرشن کمار طور کا دل ایمان کی روشنی اپنے آپ
 میں رکھتا ہے۔“ (از ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی ص ۸۰/۷۹)

کسی غیر مسلم شاعر کا حمدیہ یا نعتیہ کلام اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کا دل ”ایمان کی
 روشنی اپنے آپ میں رکھتا ہے۔“ جب تک کہ وہ صدق دل سے ایمان نہ لائے۔
 ”حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا“ (۸۱/۸۲) ادب کا تقاضہ ہے کہ ام المومنین حضرت
 عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہا جائے۔

”ان کے حق میں سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نعت کہنے کی سعادت
 سے نوازا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہو سکتا ہے۔“ (ص ۸۳)
 نعت گوئی مومن کے لئے سعادت ہے، غیر مسلم کے لئے نہیں۔

ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی صاحب فن نعت کے پہلے نقاد ہیں جنہوں نے ایک غیر مسلم کے نام
 کے پہلے لفظ ”حضرت“ لکھا ہے۔ یعنی ”حضرت کرشن کمار طور“ دبستان نعت کے مدیر اور تمام اہل
 قلم مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان حضرات کا یہ عمل صحرا میں پھول کھلانے کے مترادف ہے۔
 اخلاص اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت یہ مراسلہ لکھا گیا ہے، کسی کی دل آزاری کے لئے
 نہیں۔ اگر کسی بھائی کو اس سے تکلیف پہنچے تو مجھے معاف فرمادیں گے۔

ڈاکٹر سید منیر محی الدین قادری (آندھرا پردیش)

’دبستان نعت‘ کے تحقیقی و تنقیدی مقالات و مضامین پر ایک تنقیدی نظر

’کیا نعت صنفِ سخن ہے؟‘

ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد صاحب اپنے مضمون ’’کیا نعت صنفِ سخن ہے؟‘‘ میں جو بحث کی ہے وہ باعتبار فن کے سنی اور سنجھی جاسکتی ہے۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ’’ابھی تک اس کا فارم مقرر ہوا ہے اور نہ اجزائے ترکیبی‘‘، پھر ترتیب وار انہوں نے مرثیہ، رباعی، غزل اور مثنوی کے ہیئت کو بیان کرتے ہوئے ’’نعت‘‘ کے لیے ایک مخصوص ہیئت اور اجزائے ترکیبی کی فکر کو ظاہر کیا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں کسی بھی صنفِ سخن کو مقررہ اصول و ضوابط کے حدود میں قید کر کے بنائے گئے اجزائے ترکیبی کے خطوط میں جاری ہونے کا نام ’’صنفِ سخن‘‘ ہے۔ جو کہ فن کے اعتبار سے فنی اصول و ضوابط کے تابع رہتے ہیں۔ ان تمام اصنافِ سخن کے مقررہ اصول و ضوابط سے ہٹ کر ’’نعت‘‘ کے فن کو مقرر کرنے کا خیال نہ ہی ماہرِ ان فن کو پیدا ہوا اور نہ ہی پیدا ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ ’’نعت‘‘ وہ صنفِ سخن ہے جس کو مقررہ حدود میں قید کرنا یا اس کے لئے کوئی اصول و ضوابط کا طے کرنا عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس طرح ’’نعتِ پاک‘‘ کو صنفِ سخن جیسے حدود میں قید کرنا اس کی شان کے خلاف ہے۔

جس طرح خدا کی ذات کو محدود کرنا اس کی شان کے خلاف ہے اسی طرح پیارے نبی آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں تعریف و توصیف کے لئے کسی زبان کا بھی سہارا لینا اور کسی بھی بحر و اوزان میں عقیدت و محبت اور ادب و احترام کے خیال کو سمونے کے لئے حدود مقرر کرنا بھی

آپ ﷺ کی شان کے خلاف ہے۔ جس طرح خدا کی ذات لامحدود ہے اسی طرح لباسِ بشریت میں پیارے نبی ﷺ کی ذات بابرکت بھی لامحدود ہے۔ خدائے تعالیٰ آج تک اور انشا اللہ قیامت تک ہر ماہر علم عروض و فن کو یہ اختیار نہیں دئے گا کہ وہ ”نعت پاک“ جیسے مقدس صنفِ سخن کے لئے کوئی فنی حدود مقرر کرے۔ بلکہ یہ وہ فن ہے جس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ نعت پاک کو ہر صنفِ سخن میں لایا جاسکتا ہے یہ تو نعت گو شعرا پر منحصر ہے۔ وہ اپنے پاکیزہ و مقدس خیالات کی ترسیل کے لئے کسی بھی صنفِ سخن کو اپنا سکتے ہیں۔ اور یہ مقدس عملِ مشیتِ خداوندی اور توفیقِ الہی پر منحصر ہے۔ نہ کہ بندوں کے اختیار پر انحصار کیا جاسکتا ہے۔

پیارے نبی آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات والا برکات کی شایانِ شان کے خلاف ہے کہ نعت پاک کو صنفِ سخن کے محدود پیمانے میں نہ صرف ناپا جاسکتا ہے بلکہ اس کے تصور سے ہی بے ادبی کی جھلک نمایاں ہونے لگتی ہے۔

ہم نعت پاک کے سلسلہ کو مختلف اوزان و بحر میں لاسکتے ہیں اس کے لئے نعت گو شعرا پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس مقدس فن کے لئے کوئی فنی حدود مقرر کئے جاسکتے ہیں۔

فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد صاحب نے آگے لکھا ہے کہ ”جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے سراپا کا تعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا سوال ہے، اس طرف شعرا نے اردو نے توجہ کم دی ہے۔“

شاید فاضل مقالہ نگار کی نگاہوں سے مذکورہ موضوعات پر مبنی نعتیہ اشعار نہیں گذر رہے ہوں گے۔ ہمارے والد بزرگ وار حضرت سید شاہ غوث محی الدین چشتی قادری المعروف بہ نہال مخدومی علیہ الرحمہ نے اپنی نعتیہ شاعری میں آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر اشعار کہنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ میں چاہوں گا کہ ”کلام نہال“ کا وہ ضرور مطالعہ کریں تو یہ نکتہ شاید دور ہو جائے۔ اس طرح بہت سے ایسے شعرا بھی ہیں جنہوں نے مذکورہ موضوعات پر اپنی نعتیہ شاعری میں تذکرہ کیا ہے۔ آگے چل کر آپ نے لکھا ہے کہ۔

”اور بھی نعتیہ مجموعے میری نگاہ سے گزرے ہیں جن میں اس طرح کا اعلان

موجود ہے۔ نعت لکھنے والوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ نعت صرف توشہ آخرت نہیں بلکہ ادب

بھی ہے اسے پرکھنے اور اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے کا ناقد کو پورا پورا اختیار ہے۔“

مذکورہ تحریر میں جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔ واقعی نعت صرف توشہ آخرت نہیں بلکہ ادب بھی ہے۔ میرے خیال میں اردو ادب میں اس وقت نکھار آئے گا اور جولانی پیدا ہوگی جبکہ نعت پاک کے صنف کو اردو ادب میں شامل کیا جائے گا۔ اردو ادب کو جلا بخشنے کا اگر کوئی واحد ذریعہ ہے تو وہ ”نعت شریف“ ہے۔ نعت پاک بھی ادب کے سرفہرست دائرہ میں شامل ہے اور وہ بھی ادبی پارہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت پاک ادب عالیہ کا ایک بلند و بالا حصہ ہے۔ اس صنف میں ادبی چاشنی کے سرور و انبساط کے علاوہ ادب و احترام عشق و محبت کے جملہ لوازمات برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔

اردو کے کسی بھی تنقید نگار کو باعتبار فن کے پرکھنے کا پورا پورا اختیار ہے جبکہ وہ ادب و احترام کے دائرہ میں رہ کر اس مقدس ادب کی قدر و قیمت متعین کرے۔ راقم الحروف کو اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے توفیق الہی اور تاجدارِ مدینہ ﷺ کے نظرِ کرم کا صلہ ملا کہ وہ ”دبستان نعت“ کے ہر ایک تحقیقی مضمون پر اظہارِ خیال کی نہ صرف جسارت کی بلکہ حدود و اصول و ضوابط کو ”نعت پاک“ سے مستثنیٰ کروانے کے خیال کو ظاہر کیا۔ ”نعت پاک“ بلا شک و شبہ ادب عالیہ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ ”نعت پاک“ بیشک ادب بھی ہے۔ اور وہ زمرہٴ ادب میں سرفہرست شامل ہے اور یہ وہ ادبی صنف ہے جس کے لئے کوئی فنی حدود مقرر کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ وہ ادبی صنف ہے جو ہر صنفِ سخن میں کہی جا سکتی ہے۔ اب رہی بات اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے کی ناقد کو پورا پورا اختیار ہے۔ وہ صرف اوزان و بحر کی پابندی اور الفاظ کے استعمال کے طور و طریقہ کو پرکھا اور جانچا جاسکتا ہے۔

”فن نعت اور نعت گوئی“

ڈاکٹر خسرو حسینی نے تفصیل کے ساتھ فن نعت کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کو بڑے عمدہ پیرائے میں پیش کیا ہے۔ آپ کا مضمون معلومات کا ایک خزانہ ہے۔ جو لوگ ”نعت پاک“ کو صنف کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں ساری تفصیلات انہیں اس مضمون میں مل جائے گی۔ راقم الحروف کے خیال میں یہ مضمون ماہرانِ علم و فن کے لیے خضرِ راہ کا کام دے گا۔ میں ڈاکٹر خسرو حسینی صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے تشنگانِ علم و فن کو صنفِ نعت کے ضمن میں ایک معلومات افزا پیش بہا علمی خزانہ بہم پہنچایا ہے۔ میں چاہوں گا کہ ہر ایک ماہرِ علم و فن اس مضمون سے استفادہ ضرور کرے۔ تحقیقی پیرائے میں یہ مضمون قابلِ غور و فکر کا سامان لئے ہر ایک

قاری کو مطمئن کر جاتا ہے۔

نعتِ نبی ﷺ کے سلسلہ میں ڈاکٹر خسرو صاحب نے مختلف زبانوں عربی، فارسی اور اردو پر تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ تحقیقی اور تنقیدی آراء کی جھلکیاں پورے آب و تاب کے ساتھ ان کے مضمون میں دکھائی دیتی ہیں۔ ’دبستان نعت‘ شمارہ کے لیے یہ مضمون بڑی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ خدا کرے ایسے مضامین بار بار چھپتے رہیں۔

”حدائقِ بخشش کے صنائعِ بدائعِ پراک اور نظر“

ڈاکٹر صابر سنبھلی کا لکھا ہوا مضمون ”حدائقِ بخشش کے صنائعِ بدائعِ پراک اور نظر“ میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے شاعرانہ خوبیوں پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ۔

”میرا خیال ہے کہ فنی پہلو پر فکری پہلو کی نسبت کم توجہ دی گئی ہے“ صفحہ ۵۵

مذکورہ تحریر کے ذریعہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام میں موجود فنی پہلوؤں کو یہ اجاگر کر رہے ہیں جبکہ ان سے پہلے تنقید نگاروں نے اس طرف توجہ نہ دی ہے۔ اس کے ثبوت میں انہوں نے تقریباً چھ اشعار کی تشریح بھی کی ہے جو اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے عنوان کا جو انتخاب کیا ہے۔ ایک عام قاری کو سمجھنے میں بڑی مشکل ہوتی ہے کہ ”حدائقِ بخشش“ کیا یہ کسی شاعر کا نام ہے یا کسی مجموعہ کلام کا؟ بڑی مشکل کے بعد قاری کو پورا مضمون پڑھنے کے بعد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ مجموعہ کلام کا نام ہے۔ اگر مضمون نگار صاحب پہلے ہی قوسین میں اس کی وضاحت کرتے تو بہتر ہوتا۔ یا حضرت رضا بریلوی کے مجموعہ کلام یا حضرت رضا بریلوی کی تصنیف ”صنائعِ بدائعِ پراک نظر“ اس طرح کا عنوان انتخاب کیا جاتا تو قاری کو عنوان کے سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ شمال کے رہنے والے ان کی تصانیف کے نام اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ مگر جنوب کے قاری ان کی تصانیف سے ناواقف ہیں۔ امید کہ آئندہ کے مقالوں میں اس بات کی جانب توجہ دی جائے گی۔

”نعت اور ہماری شعری روایات“

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) کا تحقیقی مضمون ”نعت اور ہماری شعری روایات“ تقریباً سات صفحات پر مبنی بڑا ہی فکر انگیز دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالہ کے ذریعہ قاری کو اس بات کی

طرف اشارہ کیا ہے کہ نعت نبی ﷺ کے لئے گو خاص ہیئت یا کوئی خاص صنفِ سخن مخصوص نہیں ہے۔ شاعر جس صنفِ سخن میں مہارت رکھتا ہو وہ نعتیہ اشعار کہہ سکتا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے عربی اور فارسی شعرا کے علاوہ اردو زبان کے شعرا پر بھی ایک تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ ان کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ ”نعت شریف“ کے مخصوص صنف کو ہر صنفِ سخن میں لایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ ”حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب تو نعت لکھنے کے لئے غزل اور قصیدہ کا ”پیٹرن (Pattern) ہی سامنے رکھا لیکن محسن کا کوروی نے غزل قصیدہ اور مثنوی میں اپنے فن کے وہ جوہر دکھائے کہ انہیں نعت گوئی کا فن شناس شاعر تسلیم کیا گیا۔ پھر حالی نے اپنی مسدس میں نعتیہ اشعار اس دردمندی سے لکھے کہ عوام و خواص کے دلوں پر یہ نقش ہو گئے۔

(دبستانِ نعت صفحہ ۶۵)

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے مذکورہ اقتباس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نعت شریف، غزل، قصیدہ، مثنوی اور مسدس میں لکھی جاسکتی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے ہندوپاک کے مختلف شعرا کی وہ فہرست پیش کی ہے جنہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں نعت شریف کو لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے اور وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ”پاکستان میں جب عہدِ ضیاء الحق“ قائم ہوا تو سرکاری سطح پر نعت خواں حضرات کی پزیرائی ہونے لگی تو مزید شعرا اس مقدس صنف کی طرف راغب ہوئے اور سلسلہ پوربی تیزی کے ساتھ آج تک رواں دواں دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے چند شعرا کی فہرست کا ذکر کیا ہے۔ وہ آگے لکھتے ہیں۔

”کیوں کہ ان شعرا نے تسلسل کے ساتھ قدیم و جدید شعری اسالیب کے امتزاج سے نعتیں کہی ہیں۔ جدید شعری اسالیب میں نعتیہ ادب تخلیق کرنے والے شعرا میں عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمبین، احمد ندیم قاسمی، ریاض مجید، ریاض حسین چودھری، سرشار صدیقی وغیرہم کے نام ہمیشہ درخشاں ستاروں کی طرح چمکتے رہیں گے۔“ (دبستانِ نعت - صفحہ ۶۷)

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قدیم و جدید چاہے ان کا تعلق ہندوستان سے ہو یا پاکستان سے ہر ایک شاعر نے مختلف اصنافِ سخن میں نعتیہ ادب کو تخلیق کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ راقم الحروف نے اس سے پہلے کے تحقیقی مضمون اور تبصرہ میں اس بات کا ذکر کر چکا ہے کہ ”نعتیہ ادب کے لئے کوئی خاص صنفِ سخن مخصوص نہیں بلکہ وہ ہر صنف

سخن میں تخلیق کیا جاسکتا ہے۔

اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نہ تو ہم نعتیہ ادب کے لئے کوئی خاص صنفِ سخن مخصوص کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس مقدس صنفِ ادب کے لئے مخصوص صنفِ سخن مقرر کیا گیا ہے۔ اس طرح ”نعت“ کے لئے کوئی بھی صنفِ سخن مقرر کرنے سے اس کا دائرہ ادب محدود ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ صنفِ ادب محدود نہیں بلکہ لامحدود ہے۔

ہم تمام شعرا کو اس بات کا اختیار ہے کہ ہم جس صنفِ سخن میں کیوں نہ ہو اپنی عقیدت و محبت کے پھول کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ نچھاور کر سکتے ہیں۔ اس کو نہ کوئی روک سکتا ہے اور اس کے لئے نہ کوئی حدود مقرر کر سکتا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں شاعر کو پوری آزادی ہے کہ وہ دائرہ ادب میں رہ کر مختلف اصناف میں اپنی نعتیہ شاعری کو تخلیق کر سکتا ہے۔ اس طرح نعتیہ ادب کے لئے صنفِ حدود مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کیا جائے تو بے ادبی کا سبب بن سکتا ہے اس سے ہر ایک شاعر کو بچنا چاہیئے۔

”نعتِ رسول ﷺ اور اس کی ارتقاء“

جناب ساجد امروہوی اپنے مضمون ”نعتِ رسول ﷺ اور اس کی ارتقاء“ میں اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ”نعت“ کے لئے کوئی صنفِ سخن مخصوص نہیں۔ وہ آگے لکھتے ہیں۔

”نعت کے اس معنی میں نثر اور نظم کی کوئی تخصیص نہیں“ (دبستانِ نعت صفحہ ۶۹)

فاضل مقالہ نگار نے اس مضمون کے ذریعہ عربی، فارسی اور اردو زبان کے شعرائے کرام کا مستند حوالوں کے ساتھ شعرا کا ایک ایک شعر پیش کر کے قارئین کی معلومات میں اضافہ کیا۔ خدا ان کے قلم کو مزید تقویت بخشنے۔ آمین۔

ساجد صاحب کا یہ مضمون ہماری معلومات میں اضافہ ہی اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہوئی کہ آپ نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کے عم محترم حضرت ابو طالب سے منسوب عربی شعر پیش کر کے واقعی ”فنِ نعت“ کے ابتدائی منازل کا پتہ ہمیں بتایا ہے جو کہ عام قاری ان باتوں سے ناواقف ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نعت کا قدیم ترین ماخذ ”تبع حمیری“ کے اشعار کو ایک ایسے معتبر حوالہ سے پیش کیا ہے جس کا نام تفسیر ابن کثیر جلد ۴ کے صفحہ ۴۶ پر مرقوم ہے۔ حوالے دیے گئے اشعار سے ایک عام قاری اب تک لاعلم تھا جس کو انہوں نے بڑی خوبی کے ساتھ تحقیقی پیرائے میں پیش کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بی بی

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار پیش کر کے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے فارسی زبان میں کہے گئے نعتیہ اشعار کو بھی ترتیب وار پیش کیا ہے جیسا کہ حضرت شیخ سعدی، حضرت حافظ شیرازی، مولانا جامی، خاقانی کے علاوہ حضرت محی الدین جیلانی علیہ الرحمہ عرفی شیرازی اور قدسی ایرانی کے اشعار وغیرہ۔ اس کے بعد انہوں نے اردو زبان کے شعرا میں علی الترتیب حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ، حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ، اسد اللہ غالب اور سرسید احمد خاں کے فارسی اشعار کو لکھا ہے۔

راقم الحروف کو یہ بات اچھی لگی کہ انہوں نے سرسید احمد خاں کا نعتیہ شعر ڈھونڈ نکالا جو کہ عام قاری کی نظروں سے اب تک نہیں گزرا۔ لہذا قابل مبارک باد ہیں ساجد امر و ہوی صاحب انہوں نے سرسید احمد خاں کا حسب ذیل شعر پیش کیا۔

ز جبرئیل امیں قرآن بہ پیغامِ نئی خواہم

ہمہ گفتار معشوق است قرآن کے من دارم

اس طرح اردو شعرا کی تحقیق بھی بڑے عمدہ پیرائے میں کی ہے جس میں تاریخی شواہد کی تفصیلات دیکھنے کو ملتی ہیں۔ آپ نے ایک ایسے شاعر کی نشان دہی کی جنہوں نے نعت گوئی کے سلسلہ کو تاحیات جاری رکھا جن کا نام ہے کرامت علی شہیدی۔ شاید قارئین کے لئے یہ ایک نئی دریافت ہوگی۔ امیر مینائی ایک ایسے باکمال شاعر ہیں جنہوں نے ایک نعتیہ دیوان ”محمد خاتم النبیین“ اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ میرے خیال میں یہ دیوان دیگر نعت گو شعرا کے لیے خضر راہ کا کام دے گا۔ مجھے امید ہے کہ مستقبل میں اس طرح کے کئی دیوان معرض وجود میں آئیں گے۔ جدید نعت گو شعرا کی انہوں نے جو فہرست بیان کی ہے وہ بھی معلومات کا ایک ذخیرہ دکھائی دیتی ہے۔ میرے خیال میں شمالی ہندوستان کے یہ شعرا ہیں اگر جنوبی ہند کے چند شعرا کو بھی اس میں شامل کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ اس کے علاوہ مختلف شعرا کے ایک ایک شعر کو پیش کر کے قارئین کے دلوں میں جذبہ عشق رسول ﷺ کو بڑھا دیا۔ مضمون کے آخری حصے میں آپ نے ایک ایسی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ جو عشق رسول ﷺ کی زندہ مثال ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ۔

”اصل میں دلوں کو تڑپا دینے والے اشعار کہے نہیں جاتے ہو جاتے ہیں“ بڑا معنی خیز جملہ ہے جو کہ حقیقت حال پر مبنی ہے۔ میری دعا ہے کہ اس طرح کے مضامین اگلے شماروں میں آتے

رہیں۔ عاشقان رسول ﷺ کو سامان عشق مہیا کرتے رہیں۔ آمین۔

ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی کا مضمون:

”حاضر کے بلند قامت غیر مسلم نعت گو شاعر حضرت کرشن کمار طور“

مذکورہ عنوان کی روشنی میں اگر مضمون دیکھا جائے تو درمیانی حصہ میں ایک جھول نظر آتا ہے، وہ ان کی غزل گوئی کے محاسن پر بات کی ہے اگر اس بات کو مضمون سے نکال دیا ہوتا تو مضمون کے ساتھ انصاف ضرور ہوتا۔ بات نعت گوئی کی ہو رہی ہے درمیان میں غزل گوئی کو لایا گیا جو کہ مضمون آفرینی کی راہ میں حائل ہو گیا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے ان کی حمد یہ اور نعتیہ شاعری کو ان کے ہی اشعار سے ان کے اندر وحدانیت و رسالت پناہ ﷺ سے بے حد عقیدت و محبت کے اظہار کا ذریعہ بنا۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ آپ اہمیت کی حامل تو نظر آتی ہیں۔ لیکن اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود وہ بنیادی طور پر طور صاحب نعمت ایمان سے محروم رہ گئے ہیں۔ کاش وہ اگر دولت ایمان سے مالا مال ہو جاتے تو میرے خیال میں ان کی نعتیہ شاعری سرفہرست رکھی جاسکتی۔ اور پیارے نبی آقا ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں مقبولیت کا درجہ رکھتی۔ اور آپ کے نام کے ساتھ فاضل مقالہ نگار نے جو لفظ ”حضرت“ استعمال کیا ہے۔ وہ بھی اسم بانسملی ہو جاتا۔ کاش اگر ایسا ہوتا۔ ورنہ لفظ ”حضرت“ کا استعمال راقم کے خیال میں غلط اور غیر مناسب ہے۔ یہ وہ مقدس لفظ ہے جو صرف پیغمبر حضرات جیسی بلند مقام شخصیات اور عام مسلمانوں میں جو بھی مقام عرفان الہی یا عشق نبوی ﷺ سے مالا مال ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ہی استعمال کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ آخر میں یہ عرض کرتا چلوں کہ طور صاحب کی نعتیہ اور حمدیہ شاعری قابل قبول و لائق تحسین ہے۔ صرف ادبی محاسن کے ضمن میں اور خیال آفرینی کی بلندی میں جو کہ عقیدت و محبت کی قوت پر واز رکھتی ہیں۔ راقم کی دعا ہے خدا طور صاحب کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دے آمین ثم آمین۔

فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی صاحب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ انہیں مختلف اکادمیوں سے انعامات بھی دئے گئے ہیں۔ خوشی کی بات ہے۔ لیکن راقم کے خیال میں انہیں اکادمیوں سے انعامات تو مل چکے کاش وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جاتے تو خدا کے ایوارڈ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرفراز ہو جاتے۔

”ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعرہ“

جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) کا یہ مضمون فن ”نعت گوئی“ کے ضمن میں ایک نئی دریافت کی حیثیت رکھتا ہے۔ تحقیق اس کو کہتے ہیں جو بات عام قاری کی معلومات سے باہر ہو۔ اس بات کو قاری کی معلومات کے لئے مختص کی جائے تو وہ اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔ لہذا سیفی صاحب نے اپنے مضمون کے ذریعہ تحقیق کے اصول پر پابند ہوتے ہوئے انہوں نے حق تحقیق کو مذکورہ مضمون کے ذریعہ ادا کیا ہے۔ وہ قابل مبارک باد ہیں۔ میں یہ کہوں گا کہ ان کے اس مضمون سے ”نعت گو“ شعرا کی فہرست میں بالخصوص شاعرات کی فہرست میں اضافہ ہوا۔

صغریٰ عالم صاحبہ کا نام جنوبی ہند کی ”نعت گو“ شاعرات میں ایک نئی دریافت کا درجہ رکھتا ہے۔ ”نعتیہ شاعری“ ہر کوئی شاعر نہیں کر سکتا جبکہ اسکے قلب و ذہن بلکہ اس کے پورے وجود پر عشق نبی ﷺ کا مبارک و مسعود جذبہ غالب نہ ہو۔ آپ کی شاعری کو پڑھنے کے بعد دل یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ تو عاشقہ ہے جو اپنے رسول ﷺ سے ہر درجہ عقیدت و محبت رکھتی ہے ان کے اشعار قاری کو عاشق رسول ﷺ بنانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ راقم نے حسب ذیل اشعار میں یہ کیفیت دیکھی ہے وہ اشعار ملاحظہ ہوں۔ ے

با وضو رہتی ہیں ہر دم مری آنکھیں دونوں
تیرے دیدار کا کیا اور سلیقہ ہوگا

میں نہ لکھ پاؤں گی توصیف محمد ﷺ صغریٰ
اتنا آسان نہیں توصیف پیغمبر ﷺ لکھنا

ان کے صدقے میں لگا دوں یہ مری عمر رواں
ہیں مری روح، مری جان، رسول عربی ﷺ

میرے خیال میں خوابوں میں روضہ اطہر
سراغ اپنا خدا نے یوں دیا ہے مجھے

اس طرح کے بہت سے اشعار ہیں جو ان کے جذبات حقیقی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ میں نے ان کے آخری شعر میں ان کے خاتمہ بالخیر ہونے کے جذبہ کو دیکھا ہے خدا ضرور ان کا خاتمہ بالخیر کیا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ وہ جو ار رحمت خداوندی میں رسالت پناہ ﷺ کی قربت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ آمین اس مضمون کے صفحہ ۸۵ پر لفظ ”رحمة العالمین“ لکھا ہوا ہے شاید کتابت کی غلطی ہوئی ہوگی اس کی اس طرح تصحیح کرنی چاہیے۔ ”رحمة اللعالمین“ اسی طرح ”اَنَا اعطینا“ کی بجائے اعطینی لکھا ہوا ہے یہ بھی کتابت یا ٹائپنگ کی غلطی ہوگی۔ اصلاح کر لی جائے۔

صفحہ ۸۴ پر مقالہ نگار موصوف نے لکھا ہے کہ ”پھر وہ عظیم ترین نیر اعظم ﷺ جن سے خود اس ذات مقدس نے محبت کی اور اپنے بندوں کو اس ذات ستودہ صفات رسول اکرم ﷺ سے محبت کرنے کا حکم صادر فرما کر یہ درس دیا ہے کہ یہی ”صراط مستقیم“ ہے۔ راقم کے خیال میں ”صراط مستقیم“ کی بجائے ”معراج انسانی“ ہے لکھ دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ دوسرا وہ جملہ صفحہ ۸۵ پر لکھا ہوا ”بشرطیکہ نعت گو بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کی لازوال عظمتوں، لطافتوں اور دل آویزیوں سے حتی الامکان آشنا اور اپنے موضوع کی نزاکتوں کا“ ادب شناس ہو۔

مذکورہ جملہ میں ”ادب شناس“ ہو کی بجائے ”واقف ہو“ لکھا جاتا تو بہتر ہوتا۔ میرا اپنا خیال ہے شاید پسند آئے۔ مذکورہ مقالہ تحقیقی اعتبار سے قابل قبول و لائق ستائش ہے۔ خدا کرے اس طرح کے اور مضامین فاضل مقالہ نگار لکھتے رہیں۔ اصل میں یہی تحقیق ہے۔ اس طرح کے مضامین قارئین کی معلومات میں اضافے کا سبب بنیں گے۔

”حرفِ آرزو“

منیر احمد ملک (اسلام آباد) کا مضمون ”حرفِ آرزو“ اپنے عنوان کی معنویت میں اسمِ باسمیٰ نظر آتا ہے۔ صاحب موصوف کو پیارے نبی ﷺ سے حد درجہ عقیدت و محبت ہے جس کی جھلکیاں ان کے مقالے کے ہر ایک لفظ سے عیاں ہوتی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے جو زبان اختیار کی ہے وہ مقفیٰ و مسجع اندازِ تحریر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ یہاں تو دو باتیں ذہن نشیں ہونی چاہیے۔ پہلی بات ادبی نقطہ نظر سے مقفیٰ و مسجع طرزِ تحریر کو موجودہ دور میں اتنی اہمیت نہیں دی جاتی جتنی کہ آسان و سہل زبان میں بات کو سمجھایا جائے ”یہ تو رہی ادب جدید کی بات“ دوسری اہم بات یہ ہے کہ منیر صاحب کی تحریروں میں ہر ایک نقطہ سے عقیدت و محبت کی وہ خوشبو جو مشک و عنبر سے کم نہیں قاری کے ذہن و قلب کو معطر کرتی چلی آرہی ہے عقیدت کی وہ اٹھان جس میں ادب و عقیدت کو

ملحوظ رکھا گیا ہے ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے ”اردو ادب“ کے حلقہ میں شاید ان کا انداز تحریر قابل قبول ہو نہ ہو لیکن بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ضرور قبولیت کا درجہ حاصل کرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عقیدت کی زبان کچھ اور ہے ادب کی زبان کچھ اور۔ منیر صاحب نے واقعی مقالے کے شروع میں اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

”میں نہ تو سخن ور ہوں کہ شوخی گفتار سے آپ کے شعلہ نفس کو گرما سکوں اور نہ ہی

قلم کار کہ لفظوں کے خنزف ریزوں سے ہیرے تراش سکوں۔“ (دبستانِ نعت، صفحہ ۹۵)

منیر صاحب نے واقعی اپنی تحریروں میں اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں یا لکھ چکے ہیں ان کی تحریروں کے پیچھے ان کی ذاتی کاوشیں اور فی کمال کی حُسن کاری نہیں ہے بلکہ ان کی تحریروں کی تخلیق محض اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور پیارے نبی ﷺ کا نذرِ کرم ہے ورنہ وہ کچھ بھی نہیں۔ حسب ذیل تحریر میں ہم اس صداقت کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں، ملاحظہ کیجئے۔

”تحریر کے ابرِ رشتم میں حُسنِ تربیت کا فقدان اور الفاظ کی کم مائیگی شاید

زبانِ حال سے پکارتی نظر آئے تو اسے میری تفسیر سمجھئے گا اور اگر کسی لفظ کا حُسن کسی

خیال کی ندرت آپ کی نگاہِ جمال بن کر دل کے تاروں کو چھو لے اور محبوبِ انس و

جاں ﷺ کی محبت کی دھنک ستاروں کی طرح پلکوں پہ اتر آئے تو یہ میرا کمال

نگارش نہیں بلکہ احسانِ خداوندی اور آقائے دو جہاں ﷺ کی نذرِ کرم کا صدقہ

ہوگا۔“ (دبستانِ نعت، صفحہ ۹۶)

ادبی تحقیق میں تحریروں کا اصول یہ ہے کہ جو بھی بات آپ بیان کریں اس کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ کیوں کہ جو بات حوالے کے ذریعہ کہی جاتی ہے وہ اصولِ تحقیق کے عین مطابق ہوتی ہے۔ بغیر حوالے کے جو بات کہی جاتی ہے وہ ادبی نقطہ نظر سے معیوب سمجھی جاتی ہے۔ میری مراد منیر صاحب نے اپنے مقالہ میں جو تحریری انداز اختیار کیا وہ بہت ہی ادبی حُسن و جمال سے مزین ضرور ہے لیکن تحقیقی اصول و ضوابط کی روشنی میں غیر مستند ہیں کیوں کہ انہوں نے جو اشعار پیش کیئے ہیں اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ قاری کو اشعار پڑھ کر اس کا ذہن اچھے میں پڑ جاتا ہے کہ یہ اشعار خود منیر صاحب کے ہیں یا کسی اور کے؟ یہ سلسلہ صفحہ ۹۵ سے صفحہ ۱۰۷ تک کا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے صفحہ ۱۰۸ میں جو اشعار لکھے ہیں باقاعدہ طور پر حوالہ دیا ہے۔ مثلاً مولانا ظفر علی خاں، شورش کاشمیری، ریاض حسین چودھری، علامہ اقبال وغیرہ۔

منیر صاحب کا یہ طویل مقالہ جو تقریباً بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ نے مقالہ بہت ہی اچھا تحریر فرمایا ہے۔ معلومات افزا اور قابل قرأت ہے۔ آخر میں آپ حوالہ جات دیے ہوتے تو اس مقالے میں اور بھی حُسن و خوبی پیدا ہوتی، امید کہ فاضل مقالہ نگار ضرور اس جانب توجہ فرمائیں گے۔ اور جو بھی ناچیز نے اپنے خیالات کا اظہار تنقیدی و تحقیقی پیرائے میں کیا ہے اس طرف آپ التفات فرمائیں گے۔ بحیثیت مجموعی آپ اپنے مضمون کے ذریعہ قاری کے اندر جوش و جذبات کا ایک خوبصورت پیکر لیے متاثر کر جاتے ہیں۔ امید کہ صاحب مقالہ نگار میرے دئے ہوئے مشوروں پر عمل پیرا ہو کر اگلے مقالوں کو اور بھی خوبصورت بنائیں گے۔ بس اسی امید کے ساتھ اپنی تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

”ناعت پر فیضانِ معنوت“

قاضی محمد رفیق فاضل فتح پوری کا یہ مضمون ”ناعت پر فیضانِ معنوت“ جو کہ تقریباً تیرہ صفحات پر مشتمل ہے۔ تحقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس مضمون کو فقہی دلائل پر مبنی مستند اور مدلل قرار دیا جاسکتا ہے۔ آپ نے جو بات کہی ہے وہ اصول فقہ کی روشنی میں راست اور درست قرار دی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں مستند حوالوں سے بات کہی ہے۔ تحقیق میں مستند حوالوں کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ مضمون جو بغیر مستند حوالوں کے لکھا جاتا ہے، اصول تحقیق کی روشنی میں ناقابل قبول قرار دیا جاتا ہے۔

”نعت“ شریف کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے مضمون کی شروعات ہی بڑے ہی خوبصورت انداز میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”نعت جیسے عبادتی موضوع پر خامہ فرسائی کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش بھی عبادت کے زمرے میں ہی آتی ہے۔“

(’دبستان نعت‘ - صفحہ ۱۱۵)

آپ نے ایک اہم اور پتے کی بات یہ کہی کہ نعت شریف کی اساس کلمہ طیبہ پر رکھی گئی ہے وہ لکھتے ہیں۔

”اس کی اساس و بنیاد خود کلمہ طیبہ ہے جو دو جزوں پر مشتمل ہے“ صفحہ ۱۱۵

فقہی نقطہ نظر سے بھی آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ:

”تو جب کلمہ طیبہ کے جز اول پر اجر و ثواب مرتب ہوگا تو جز ثانی پر کیوں

نہیں۔“ (’دبستانِ نعت‘ - صفحہ ۱۱۶)

”نعت“ پاک وہ صنفِ سخن ہے جس کے لئے نہ تو نظم کی قید لگائی جاسکتی ہے اور نہ ہی نثر کی بلکہ ”نعت پاک“ نظم و نثر کے مختلف اصناف میں کہی جاسکتی ہے اس مقدس صنف کو مقید کیا نہیں جاسکتا کیوں کہ وہ لامحدود صنفِ سخن ہے۔“

قاضی محمد رفیق صاحب نے اسی بات کی تصدیق اس طرح کی ہے:

”اردو ادب میں ”نعت“ کو مقید و محصور کیا گیا ہے۔ ورنہ تو ”نعت“ کے معنی خوبیاں، اور

اوصاف و خصائل بیان کرنا ہے۔ اس میں (نظم) و نثر کی کوئی قید نہیں۔“

آگے چل کر آپ نے کلمہ طیبہ کے معنوی پس منظر میں حمد باری تعالیٰ کے ساتھ نعت نبی ﷺ کا بھی ذکر کرتے ہوئے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک شعر نقل کیا ہے جو کہ قابلِ غور ہے وہ لکھتے ہیں:-

”اور جب حمد باری تعالیٰ پر عبادت کا اطلاق ہوتا ہے تو نعت نبی ﷺ کا انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ جو بقول حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔“

ضمم الہ اسم النبی باسمہ ان قال فی الخمیس الموزن اشہد۔

”یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا نام اپنے نام کے ساتھ ایسا ملایا ہے کہ جس کی

گواہی موزن پانچ وقت اذان میں دیتا ہے۔ تو جو کام خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے

اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہو اس کے عبادت ہونے

سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔“

صاحب مضمون نگار نے یہ ثابت کیا ہے کہ سب سے پہلے زمین پر حضرت آدم علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ مبارکہ سے آپ کی شان میں نعت شریف کے الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی وہ نعتیہ الفاظ جس کا وسیلہ لے کر آپ نے اپنی مغفرت طلب کی وہ یہ ہیں۔ ”بحق محمد الا غفرت لی“ اس طرح آپ نے مختلف احادیث کے ذریعہ آپ کی شفاعت کبریٰ کے دلائل کو بھی پیش کیا ہے۔ بہر حال مجموعی طور پر آپ کا یہ مضمون نہ صرف قابلِ قبول ہے بلکہ قابلِ تقلید بھی کہا جاسکتا ہے۔

”ناعت پر فیضانِ معنوت“ میں کتابت کی بہت جگہ غلطیاں ہو گئی ہیں انہیں درست کر لیا

جائے تو مناسب ہوگا جن کی تفصیلات حسب ذیل بیان کی جا رہی ہیں:-

- ۱۔ ”ترمذی شریف“ صحیح لفظ ”ترمذی شریف“ صفحہ ۱۲۴
 - ۲۔ ”حضرت ابو حریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح ہے۔ صفحہ ۱۲۴
 - ۳۔ ”حق محمد الاغفر لی“ ”الاغفر لی“ صحیح ہے۔ صفحہ ۱۲۶
- آخر میں یہ عرض کرتا چلوں کہ مضمون ”ناعت پر فیضانِ منعت“ کا آخری حصہ موضوع سے ہٹا ہوا دکھائی دیتا ہے کیوں کہ آپ ناعت و منعت کی بات کے بجائے شفاعت کبریٰ کا ذکر مفصل طور پر کیا ہے جس سے موضوع کا کوئی تعلق نہیں۔ اس جانب توجہ کر لیں تو مناسب ہوگا۔
- ”انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ خیر“

سید اقبال حیدر (ہیوسٹن) کا مضمون ”انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ خیر“ چار ذیلی عنوانات کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ انہوں نے ”علامہ ماوردی کے مضمون“ سے استفادہ کر کے جن چار ذیلی عنوانات کو ”ابجد“ کی ترتیب کے ساتھ لکھا ہے۔ اس میں ان کی طرف سے کوئی تحقیقی یا تنقیدی پہلو دکھائی نہیں دیتا۔ مضمون نگار کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی تحقیقی پہلو اور تنقیدی آرا کو شامل کر لیا ہوتا تو یہ مضمون تحقیقی نقطہ نظر سے قارئین کو متاثر کر جاتا۔

میرا مشورہ ہے کہ مضمون نگار سید اقبال حیدر صاحب مزید مطالعہ کر کے تحقیقی و تنقیدی پہلوؤں سے اگلے مضمون کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔ علامہ کا جو نام انہوں نے لکھا ہے شاید کتابت کی غلطی سے نام میں تبدیلی ہوئی ہوگی۔ اصلاح کر لیں۔

”مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ“

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) کا مضمون ”مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ“ تحقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس میں بہت سی معلومات کو یک جا کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک عام قاری کو معلومات میں اضافہ ہونے لگا ہے۔ انہوں نے اسلوبیات پر کھل کر بحث کی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے ”مافیہ و اسلوب“، ”طیف“، ”مجرد خیال کو تجسیمی بنانا، تمثال آفرینی اور کالمک ویزن وغیرہ کو مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر عزیز صاحب! اپنے مقالہ میں دونوں اجزاء کا بھرپور استعمال کیا ہے جس سے مقالہ میں ایک ادبی نکھار دیکھنے کو ملتا ہے۔ دونوں اجزاء سے مراد تحقیق و تنقید ہے۔ ایک کامیاب ادیب کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہر موقع بر محل ان کیفیات کو بیان کر کے جیسا کہ انہوں نے اشعار کے اسلوبیاتی

اور معنوی پیکر میں سمو دیا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں آپ کے مقالہ میں تحقیقی و تنقیدی دونوں پہلو واضح نظر آتی ہیں۔ یہی بات ایک تجربہ کار محقق اور نقاد میں ہوا کرتی ہے۔ اسی اعتدال پسندی کی وجہ سے فن کا حقیقی مرتبہ قاری کے سامنے کھل کر آتا ہے۔ ایک کامیاب نقاد و محقق تحقیق و تنقید کے اصول و ضوابط کا پابند نظر آتا ہے یہ کیفیت ہمیں ڈاکٹر عزیز احسن کے مقالہ میں دکھائی دیتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اشعار کی تشریح اس کے معنوی پس منظر میں وضاحتی پیرائے میں پیش کی ہے۔ جس سے نہ صرف شاعر بلکہ ناقد کے بصیرت افروز انداز بیاں کا بخوبی اظہار دکھائی دیتا ہے۔ مظفر وارثی کی حمد یہ شاعری کا انہوں نے بغائر مطالعہ کیا۔ اشعار میں چھپے معنوی پیکر کو وضاحتی انداز بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جس کے لیے میں فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ اپنے آئندہ لکھے جانے والے نعتیہ ادب پر مشتمل مقالہ میں بھی اسی کیفیت کو برقرار رکھیں گے۔ آمین۔

بحیثیت مجموعی آپ کا مقالہ تمام فنی نقائص سے پاک دکھائی دیتا ہے۔ (راقم الحروف) مظفر وارثی کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے ایک جگہ لفظ ”صحیفہ عقیدت“ لکھا ہے وہ مناسب نہیں کیوں کہ یہ لفظ آسمانی کتابوں کے نزول کے لیے مختص ہے جو کہ پیغمبران اسلام پر نازل ہوئے۔ بجائے لفظ ”صحیفہ عقیدت“ کے ”گہائے عقیدت“، یا کتاب عقیدت لکھ دیتے تو مناسب تھا۔ اس طرف ڈاکٹر صاحب توجہ دیں۔ (راقم الحروف)

”لسان الحسان طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام ”نعت روشنی“ کا تنقیدی جائزہ“ جناب محسن اعظم محسن ملیح آبادی (کراچی) کا مضمون ”لسان الحسان طاہر سلطانی کے نعتیہ کلام“ ”نعت روشنی“ کا تنقیدی جائزہ پڑھنے کے بعد راقم کو اس بات کا واضح اندازہ ہوا کہ آپ نے جو طرز ادا اشعار کی تشریح کے لیے اپنایا ہے وہ طوالت لیے ہوئے ہے۔ اشعار کی تشریح اگرچہ انتہائی عقیدت و محبت کے پیرایہ میں کی گئی ہے۔ بات کو اس طرح پیش کرنا چاہیے کہ قاری کو طوالت کا احساس نہ ہو اور نہ ہی مقفع مسجع الفاظوں میں چھپے معنوی پیکر کی تراشی کی جائے بلکہ اشعار کی وضاحت فصیح و بلیغ پیرائے میں کی جائے۔

جوزبان فصاحت و بلاغت کے لئے استعمال کی جاتی ہے وہ قاری کے سمجھنے میں آسانی ہو اور اس کے دل پر اثر کرے۔ جہاں تک تنقیدی اصول و ضوابط کا تعلق ہے وہاں زبان کو اس طرح استعمال کی جائے جس سے قاری کے سمجھنے میں آسانی ہو مترادف الفاظ یا مختلف لفظیات

کے ذریعے معنی کی یکائی ظاہر کرنا قاری کو مشکلات میں ڈال دیتا ہے یہ الگ بات ہے کہ اس زبان سے ایک ادیب ضرور محفوظ ہو سکتا ہے عام قاری نہیں۔ ایک کامیاب ادیب کے پیش نظر وہی زبان ملحوظ رہتی ہے جو افہام و تفہیم کی راہ میں مدد و معاون ثابت ہو۔ اسی زبان کے ذریعہ ادیب قاری کو اپنی بات سمجھانے میں کامیاب و کامران نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جو معنی کی ترسیل میں موثر ثابت ہوا ہے۔ جن میں تفہیم کی لذت کے ساتھ تاثیر کی حلاوت قاری کو متلذذ ذکر جائے۔

اب رہی بات طاہر سلطانی صاحب کے ان اشعار کی جن کے ہر ایک لفظ سے لذتِ تفہیم کی جھنکار کے ساتھ ساتھ حلاوت کی چاشنی دیر پا اثر چھوڑ جاتی ہے۔ عقیدت و محبت سے بھرے جذبات کی لے میں ڈوبے ہر ایک شعر میں عشق و محبت کی حرارت ایمان و یقین کو استحکام بخشی جا رہی ہے۔ واقعی طاہر سلطانی صاحب کے ہر ایک شعر میں احساسات و جذبات کا ایک حقیقی پیکر دیکھنے کو ملتا ہے۔ محسنِ آبادی اگر آسان اور موثر زبان کو استعمال کرتے تو قاری کے سمجھنے میں اور شاعر کے سمجھاتے ہوئے معنوی پیکر میں ہم آہنگی پیدا ہو سکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی زبان صرف ادیبوں کے لیے ہے ایک عام قاری کی سمجھ سے باہر نظر آتی ہے۔ امید کہ اس جانب توجہ دی جائے گی (راقم الحروف)

”ان کی نعت رسمی نہیں“ (دبستان نعت، صفحہ ۱۴۳)

محسن صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی نعتیں رسمی نہیں۔ جہاں تک نعت نبی ﷺ کا مقام و مرتبہ ہے وہاں لفظ رسمی کا استعمال کرنا بے ادبی کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ نعت شریف نعوذ باللہ رسمی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ تو توحید کے ہر دو جز کے معنوی پس منظر میں رسالت مآب ﷺ کے مجسم سراپا، مجسم اوصافِ حمیدہ، رحمۃ للعالمین کے ہر ایک حُسنِ ادا، ہر ایک حسنِ معاملہ کی تصویر کشی سے متعلق ہوتی ہے۔ اس مقدس صنف میں ”رسمی“ کا لفظ استعمال کرنا میرے خیال میں غیر مناسب لفظ دکھائی دیتا ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ بعض غیر مسلم حضرات نے جو نعت شریف لکھی ہیں اُن کو صنفِ ادب کے تحت نعت رسمی میں استعمال کیا گیا ہو۔ غیر مسلم شعراء سے ہٹ کر جتنے بھی مسلم شعراء اپنی عقیدت و محبت کا اظہار ”صنفِ نعت“ سے کیا کرتے ہیں اُن کے لیے ”رسمی نعتیں“ کہنا غیر مناسب و ادب کے خلاف ہے۔ اُن کا یہ جملہ میری سمجھ میں نہیں آیا ”کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن میں نسبتِ رسولِ مصور ملتی ہے“، معنوی اعتبار سے یہ جملہ جھول پیدا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس جملہ کو

اس طرح لکھا جاتا تو بہت ہی بہتر ہوتا وہ یوں ہے ”کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن میں نسبتِ رسول کی تصویر کشی ہمیں بخوبی دیکھنے کو ملتی ہے“ معنوی پس منظر میں یہ جملہ بہت ہی خوب نظر آتا ہے۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”ان کے طرزِ اظہار میں سلیقہ شاعرانہ ہے“ یہ جملہ بھی کھٹکتا ہوا نظر آتا ہے بجائے اس کے سلیقہ عقیدت مندی دکھائی دیتی ہے“ لکھ دیتے تو بہت ہی اچھا ہوتا۔ ان کی تحریر میں عربی تراکیب کے جملے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں بھی بعض قاری ایسے بھی ہیں جن کو عربی زبان پر عبور حاصل نہیں ہے ایک عام قاری کو عربی تراکیب کے جملے پڑھ کر سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے۔

بالاستیعاب پڑھا ہے۔ سرلیج التاشیری (دبستان نعت، ص: ۱۴۵)

”نعت شریف“ کے الفاظ خود حد درجہ تازگی کا احساس دلاتے ہیں۔ جن کی کیفیات کو ہم الفاظ کے ذریعہ بیان نہیں کر سکتے محسوس ضرور کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں محسن صاحب کا یہ جملہ ”جن سے ان کی نعتوں میں تازگی کا احساس ہوتا ہے۔“ غیر مناسب دکھائی دیتا ہے۔

(دبستان نعت، ص: ۱۵۰)

یہ جملہ بھی غیر مناسب دکھائی دیتا ہے وہ لکھتے ہیں۔ ”اُس کی شاعری اس منطقہ میں پہنچ جاتی ہے جہاں لفظ سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔“ لفظ منطقہ کو ایک عام قاری سمجھ نہیں سکتا۔ اشعار کی شرح میں اس طرح کے مشکل الفاظوں کو نہ استعمال کریں تو وہ ادبی پیرائے میں خوب نکھر کر قاری کے سامنے آسکتے ہیں۔ اس جانب توجہ کی جائے۔ (راقم الحروف)

بحیثیت مجموعی آپ کے مضمون کو پڑھنے کے بعد جو اشعار آپ نے طاہر سلطانی صاحب کے پیش کئے ہیں ہر ایک شعر میں عشق و محبت اور عقیدت مندی کے ملے جلے حقیقی جذبات ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں کوئی بھی شعر اپنی شعریت اور عقیدت و محبت کے علاوہ ادب و احترام سے جدا دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے اشعار کو پڑھنے کے بعد ذہن بار بار کہتا ہے کہ پھر سے پڑھو پھر سے پڑھو اور پڑھتے رہو یوں ہی زندگی گزر جائے آمین۔

حمدِ الہ جلّ جلالہ و مدحِ رسول اللہ ﷺ

(غیر منقوط حمد یہ نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ)

مذکورہ مضمون طاہر سلطانی (کراچی) صاحب کا لکھا ہوا پڑھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی۔

انہوں نے مختلف شعرا کے وہ مجموعہ ہائے کلام جو کہ غیر منقوطہ ہیں ہر ایک کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ غیر منقوطہ کلام جس کو ”صنعتِ عاطلہ“ کہتے ہیں۔ بڑا ہی مشکل فن ہے۔ لیکن خدائے تعالیٰ جس کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے وہ بڑے خوش نصیب شعرا ہوتے ہیں بالخصوص ”نعت پاک“ جیسی صنفِ سخن میں طبع آزمائی کا مقام آئے۔

طاہر سلطانی صاحب نے بڑے سلیقہ کے ساتھ نہایت عمدہ پیرائے میں بغیر کسی طوالت کی بات کو سمجھاتے ہوئے ہر ایک شاعر کا نہ صرف تعارف کروایا ہے بلکہ اشعار کی تشریح بھی کی ہے۔ فیضی، حفیظ جالندھری، مولانا رازی، سید محمد امین علی شاہ نقوی، راغب مراد آبادی، لطیف اثر، تابش الوری، یوسف طاہر قریشی، صادق علی صادق بستوی، محسن اعظم حسن ملیح آبادی، مولوی قدرت اللہ بیگ مراد ملیح آبادی وغیرہ کی غیر منقوطہ مجموعہ کلام کا تبصرہ بڑے ہی عمدہ پیرائے میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہر ایک شاعر کا انتخابی کلام بھی بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ آپ کے مبسوط مقالہ پڑھنے کے بعد ایک عام قاری کو اس بات کا احساس ہونے لگتا ہے کہ ہمارے شعرا نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے پیش نظر غیر منقوطہ کلام کو معلومات میں اضافہ کیا۔ اگرچہ کہ طاہر سلطانی صاحب کا مضمون طویل ہونے کے باوجود پر کیف دکھائی دیتا ہے۔ بعض جگہ انہوں نے اپنی بات کو سمجھانے میں غیر ضروری طوالت کو اختیار کیا ہے۔

”میلادِ اکبر ایک مطالعہ“

ڈاکٹر نذیر فتح پوری کا مقالہ ”میلادِ اکبر ایک مطالعہ“ مختصر ہونے کے باوجود قاری کی معلومات میں اضافہ کا سبب بنا ہوا ہے۔ قاری کو جن باتوں کا علم نہیں تھا ڈاکٹر نذیر صاحب نے بڑے ہی سلیقہ کے ساتھ بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

”میلادِ اکبر“ کی اہمیت و افادیت کو انہوں نے رسالہ کے کئی اشاعت کو سبب ٹھہرایا ہے۔ واقعی یہ بات قابلِ قبول ہے کہ جو تصنیف عوام میں زیادہ مقبول ہونے لگتی ہے اس کے ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لے لئے جاتے ہیں۔ اس طرح طالع و ناشر مزید ایڈیشن شائع کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مرے خیال میں اس کتاب کی سب سے بڑی مقبولیت اشعار میں موجود نغمگی و سلاست کے علاوہ عقیدت و محبت کے ملے جلے جذبات قاری کے قلب و ذہن کو متاثر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قاری ان اشعار کو کئی مرتبہ پڑھنے کے بعد محسوس کرنے لگتا ہے۔

راقم الحروف کو خولجہ محمد اکبر وارثی کے وہ اشعار پسند آئے جس میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ اپنے پیارے محبوب کو لوریاں دے کر سلایا کرتی تھیں۔
 یہ حلیمہ کہ رہی تھی میرے گلِ عذار سو جا
 ترے جاگنے کے صدقے مری جان زار سو جا
 بنی سعد کا قبیلہ ہوا باغ باغ تجھ سے
 مرا دودھ پینے والے گل نو بہار سو جا
 مرادل ہو تجھ پہ واری مری جاں تجھ پہ صدقے
 مرے نورِ عین سو جا مرے شیرِ خوار سو جا
 ”میلاد اکبر“ کے نہ صرف نعتیہ اشعار بلکہ درود شریف سے متعلق اشعار بھی قابلِ دکھائی دیتے ہیں۔ جن کو حسب ذیل پیش کئے جا رہے ہیں:

ہر درد کی دوا ہے صلی علی محمد ﷺ
 تعویذ ہر بلا ہے صلی علی محمد ﷺ
 جو درد لا دوا ہو گھول کر پلا دو
 کیا نسخہ شفا ہے صلی علی محمد ﷺ
 اس کی نجات ہوگی رحمت بھی ساتھ ہوگی
 جو پڑھ کے مر گیا ہے صلی علی محمد ﷺ

میرے خیال میں ”میلاد اکبر“ نہ صرف ہندوپاک بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں شائع ہو کر پڑھا جانا چاہیے۔ تاکہ عاشقانِ رسول ﷺ کے قلوب میں گرمیِ محبت زیادہ سے زیادہ بڑھتی جائے۔ ان ممالک میں عشقِ رسول ﷺ کے مقابلے مادیت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ مقالہ بہت ہی پراثر دکھائی دیتا ہے۔

”نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر“

علیم صبا نویدی نے اپنے مضمون ”نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر“ میں عنوان کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے عنوان کا تقاضہ یہ ہے کہ نعتیہ کے سلسلہ کی شاعری میں عرب ممالک کے علاوہ دیگر ممالک کے ”نعت گو“ شعرا کا تذکرہ کیا جانا چاہیے تھا۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہوا اس کے ساتھ ساتھ شاعری کا آغاز و ارتقاء پر سیر حاصل بحث نہیں کی گئی ہے۔ صاحب موصوف نے عربی اشعار پر

اکتفا کرتے ہوئے نہ تو فارسی شعراً کا تعارف کروایا ہے اور نہ ہی اردو شاعری کے چند مشہور و معروف شعراً کا تعارف ان کی شاعری کے حوالہ سے کیا ہے۔

بحیثیت مجموعی علیم صبا نویدی کا یہ بہت ہی مختصر مضمون اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کرنے سے قاصر رہا۔ علیم صبا نویدی کو چاہئے تھا کہ بات کو مختصر ہی سہی تینوں زبانوں کے شعراً کا ایک مختصر تعارف ان کے اشعار کے حوالے سے کرتے تو بہت ہی بہتر ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ قاری اس اچنبھے میں پڑ جاتا ہے کہ صرف عربی کے اشعار ہی کو وہ تاریخی پس منظر سمجھنے لگتا ہے۔ تحقیقی رو سے یہ تذکرہ غیر مستند دکھائی دیتا ہے۔

تحقیقی نقطہ نظر سے علیم صبا نویدی کا مضمون ”تحقیق طلب“ ہے۔ اس مضمون میں ”نعت پاک“ کے صنف کا آغاز کیا ہے سمجھایا نہیں گیا ہے۔ امید کہ صاحب مقالہ نگار اپنے آئندہ مضامین میں اصول تحقیق و تنقید کا ضرور خیال رکھیں گے۔

”مقبول بارگاہ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؤف امر و ہوی مرحوم“

ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مضمون ”مقبول بارگاہ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؤف امر و ہوی مرحوم“ ایک تعارفی مضمون ہے۔ رؤف امر و ہوی صاحب کے جن ”مجموعہ نعت“ کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ وہاں تاریخ اشاعت کا ذکر نہیں کیا ہے شاید انہیں تاریخ دستیاب نہ ہوئی ہوگی۔ رؤف صاحب کی جانب سے ایک طویل مدّت تک نعتیہ محافل کا انعقاد کیا جانا واقعی ایک عاشق رسول ﷺ کی اظہار عقیدت و محبت کا نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ آپ کا یہ عمل ہر عاشق رسول ﷺ کو نہ صرف مسرور کر جاتا ہے بلکہ ان کے اندر جذبہ ایثار و قربانی کو بڑھانے کا سبب بن جاتا ہے۔ ان کی قربانیوں کو دیکھ کر ہر عاشق رسول ﷺ کے دل میں تاحیات اپنی قربانیوں کو پیش کرنے کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔

”مقبول بارگاہ رسالت ﷺ“ کا ہونا ایک سچے عاشق رسول ﷺ کے ہونے کی دلیل ہے۔ خدا کرے یہ شرف ہر عاشق رسول ﷺ کو نصیب ہو آمین۔

جہاں تک تحقیق و تنقید کا معاملہ ہے اس سلسلہ میں جناب ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے ایک سطحی طور پر تحقیق کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ ان کی تحقیق میں نہ گہرائی ہے اور نہ ہی گیرائی پائی جاتی ہے صرف معروضانہ شکل ابھر کر سامنے آتی ہے۔ تحقیق کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اشعار کی تشریح کی جائے۔ انہوں نے ایسا نہیں کئے۔ اگر اشعار کی تشریح کی جاتی تو بہتر ہوتا۔

ڈاکٹر موصوف سے میری گزارش ہے کہ جب کبھی وہ مضمون لکھیں تحقیق و تنقید دونوں پہلوؤں کو اجاگر کر کے قارئین کے لیے دلچسپی کا سامان مہیا کریں۔ تاکہ تشنگی کا سبب بن نہ جائے۔

”مولانا سعید اعجاز کا مٹوی کے رُخِ حیات کی جھلکیاں اور سعادت افروز

نعتیہ و سلامیہ شاعری“

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی صاحب کا ”مضمون“ باعتبار انتخاب مضمون کے بہت ہی طوالت لئے ہوئے نظر آتا ہے۔ عنوان اس طرح انتخاب کیا جانا چاہیے یا عنوان کو اس طرح بنایا جانا چاہیے کہ قاری کو اس کے پڑھنے میں یا سمجھنے میں آسانی ہو اور قاری حالتِ تذبذب میں نہ پڑ جائے۔ مثال کے طور پر آپ نے مولانا سعید اعجاز صاحب کے ”رُخِ حیات کی جھلکیاں“ لکھ کر قاری کو حیرت میں ڈال دیا ہے کہ رُخِ حیات کی جھلکیاں آخر کس کی ہیں؟

راقم الحروف کے خیال میں عنوان اس طرح انتخاب کیا۔ ”مولانا اعجاز کی نعتیہ و سلامیہ شاعری“ اور اسی طرح عنوان کی وضاحت کرنے سے پہلے مضمناً شاعر کی حیات پر ایک اختصار یہ پیش کرتے ہوئے اصل موضوع پر کھل کر بحث کی جاتی تو مناسب ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا آئندہ اس بات کی طرف صاحب مقالہ نگار توجہ فرمائیں گے۔

مضمون کی شروعات شاعر کے حالاتِ زندگی اور شعری تخلیقات کو وضاحت کے ساتھ کی گئی۔ اس کے بعد نفسِ مضمون نعتیہ و سلامیہ شاعری پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔ جو کہ تقریباً تیرہ صفحات پر موجود ہے۔ مولانا اعجاز کا مٹوی صاحب کی شاعری ان کی شخصیت کی آئینہ دار دکھائی دیتی ہے۔ جس طرح انہوں نے ”صفِ نعتِ پاک“ کو اپنی زندگی کا موضوع بنایا ہے بالکل اسی طرح انہوں نے ہر ایک شعر کے ہر ایک لفظ میں اپنی حقیقی محبت کا اظہار کیا ہے جس میں اخلاص بھی ہے، محبت بھی ہے تمنا بھی ہے، اور یہاں تک کہ اپنے آپ کو قربان کر دینے کا پاکیزہ جذبہ بھی کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ یہ واقعی ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ کی حقیقی تمنا ہے جو انہیں اس مقام پر لے جاتی ہے جہاں وہ جانا چاہتے تھے۔

نکلی ہے روح ذکرِ جمالِ نبی کے ساتھ
ہم گوشہٴ لحد میں چلے روشنی کے ساتھ

راقم الحروف کے خیال میں مولانا اعجاز کا مٹوی صاحب کے دل سے نکلی ہوئی صدا ان کے اشعار میں ایک صدائے گونج لے کر نکلتی ہے۔ ہر عاشق رسول ﷺ کے دل و دماغ کو گرماتی چلی جاتی ہے۔ صاحب مضمون نگار نے تشریح بڑے ہی عمدہ پیرائے میں کی ہے۔ لیکن راقم کے خیال میں ان کا ہر ایک شعر وضاحت کا ایک سمندر چاہتا ہے جو اسی کا ہی حق ہے۔ میں صاحب مقالہ نگار ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں ان کے مقالہ لکھنے پر ان کے انتخاب مضمون پر ان کے انتخاب شاعری پر خدا کرے ہر ایک شاعر کے اندر کا یہ پاکیزہ جذبہ پیدا ہو۔ آمین۔

”علمائے گھوسی کی نعت نگاری“

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی صاحب کا لکھا ہوا مضمون ”علمائے گھوسی کی نعت نگاری“ تقریباً چھتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ غالباً اس رسالے میں موجود تمام مضامین میں یہی ایک طویل مضمون ہے۔ کیوں کہ آپ نے جن شعرا کا تعارف کروایا ہے وہ خود طوالت چاہتا ہے۔ آپ کا مضمون طویل ہونے کے باوجود معلومات کا ایک خزانہ دکھائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے گھوسی کے علم و ادب کے تعارف پر ایک سیر حاصل نوٹ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اصول تحقیق کی پابندی کرتے ہوئے مستند حوالوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اصول تحقیق کی روشنی میں یہ بات مستند سمجھی جاتی ہے۔ ان کا اسلوب بیان معروضی ہے جن میں بات کو بڑے سلیقے کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ انہوں نے ۳۷ گھوسی کے نعت گو شعرا کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ہی علی الترتیب ۱۶ مشہور و معروف نعت گو شعرا کا تذکرہ مختصر حالات زندگی کے ساتھ ان کی ادبی خدمات کی بھی وضاحت کی آپ کا یہ مقالہ قاری کی معلومات میں اضافہ کا سبب دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے شعرا کی تاریخ ولادت اور وفات کو بھی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے یہ ایک کامیاب محقق کی علامت ہے۔

وہ شعرا کرام جن کا تذکرہ آپ نے کیا ہے حسب ذیل ان کے نام پیش کئے جا رہے ہیں۔
۱۔ علامہ اولیس برکاتی ۲۔ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی ۳۔ قاری محمد عثمان اعظمی ۴۔ مولانا محمد رمضان مسلم ۵۔ مولانا غلام ربانی فائق ۶۔ مولانا اکرام الحق اکرام نقشبندی ۷۔ علامہ بدر القادری بدر ۸۔ مولانا ڈاکٹر شکیل احمد شکیل ۹۔ مولانا سیف الدین سیف انصاری ۱۰۔ مولانا فدالمصطفیٰ فدائی ۱۱۔ مولانا فروغ احمد فروغ اعظمی ۱۲۔ مولانا مظفر الدین سحر اعظمی ۱۳۔ مولانا وصال احمد وصال ۱۴۔ ڈاکٹر شکیل احمد شکیل اعظمی۔

شعرا کے تعارفی عبارت میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہاں اکثر عربی الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک عام قاری کے سمجھنے میں رُکاوٹ کا سبب بن سکتا ہے۔ اردو ادب کے قاری کو دلچسپی کا فقدان نظر آتا ہے۔ اردو ادب میں اگرچہ عربی اور فارسی الفاظ زیادہ پائے جاتے ہیں اس کے باوجود جو تراکیب ہمارے مقالہ نگاروں میں بالخصوص ہمارے علمائے کرام کی تحریروں میں عربی تراکیب کثرت کے ساتھ استعمال کر جاتی ہے جس کی وجہ سے اردو ادب میں ایک جھول سا رہ جاتا ہے جو کہ ادب کو خوب سے خوب تر بنانے میں روکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ادیس برکاتی کے تعارف میں آپ نے لکھا ہے:-

”بریلی جا کر مدرسہ منظر اسلام میں داخل ہونے کے بعد صدر الشریعہ کی

معیت میں دارالخیرا جمیر شریف جامعہ عثمانیہ میں پہنچے۔“ صفحہ ۲۲۳

آگے لکھتے ہیں:-

”شیخ العلماء جامع فضائل والکمالات شخصیت کے مالک تھے۔“ صفحہ ۲۲۴

اشعار کا جو تعارف آپ نے کروایا ہے وہ عبارت حسب ذیل پیش کی جاتی ہے:-

”عشق رسول ﷺ سے معمور، حب رسالت سے بھرپور اور فصاحت و

بلاغت سے ترتر مندرجہ ذیل نعت ملاحظہ کریں۔“

مذکورہ عبارت میں ”حب رسالت سے بھرپور اور فصاحت و بلاغت سے ترتر“ یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔

شروع ہی میں آپ ”عشق رسول ﷺ سے معمور“ لکھ دیا ہے کافی ہے۔ ”حب رسالت سے بھر

پور“ ضروری نہیں ہے وضاحت ہو چکی ہے۔ ”فصاحت و بلاغت سے ترتر“ یہ جملہ بھی صحیح نہیں ہے۔

جملہ اس طرح سے ہونا چاہئے:-

”فصاحت و بلاغت کا ایک خوش نما گل دستہ دکھائی دیتا ہے۔

یا

فصاحت و بلاغت سے بھرپور خوش نما کلام دیکھنے کو ملتا ہے“ وغیرہ

راقم الحروف کو علامہ ادیس برکاتی کے یہ اشعار بہت ہی دل کو مسرور کر گئے۔

کبھی دیوانگی میں قیس مجھ سے بڑھ نہیں سکتا

وہ دیوانہ ہے لیلیٰ کا میں دیوانہ ہوں پیمبر کا

سکندر سے کہو آبِ بقا سے کچھ نہیں کم ہے
وہ آنسو جو نکلتا ہے ہمارے دیدہ تر کا
آپ نے علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی کے تعارف میں لکھا ہے:-
”علم کے دھنی مصنف تھے جن کے قلم سے موسمِ رحمت، معمولاتِ الابرار، جیسی کتابوں کا
آپ نے جو تذکرہ کیا ہے ایک عام قاری کو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عبارت ہے یا کتابوں کے نام۔
اس طرح عبارت لکھنی چاہیے جس سے کہ قاری کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ تحریر بھی ادب کے خلاف
ہے۔ (دبستان نعت، صفحہ ۲۲۶-۲۲۷)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی کے اشعار میرے دل کو متور کر گئے۔
نہ پوچھ اعظمی منزل سر بلندی
مرا سر ہے محبوب کا آستان ہے

ہے خریدار گنہ رحمت کا تاجر جس جگہ
عاصیو! وہ مصطفیٰ بازار تھوڑی دور ہے

عشق و مستی میں قدم آگے بڑھا کر دیکھ لو
گنبدِ خضریٰ کا وہ مینار تھوڑی دور ہے

دشتِ طیبہ ہے یہاں چل سر کے بل اے اعظمی
مصطفیٰ ﷺ کا جنتی دربار تھوڑی دور ہے

علامہ عبدالمصطفیٰ ماجد نے اپنے اشعار میں ایک عاشق رسول ﷺ کے دلی کیفیت کا اظہار
بڑی خوبی کے ساتھ کیا ہے:

فرقت کوئے نبی ﷺ میں یہ ہوا حال مرا
آہ بھی دل سے مرے سینہ فگار آتی ہے

گلشنِ زندگی ہوا بارِ آوار
زخمِ دل لے کے مدینے سے بہار آئی ہے

آہِ دل گیر کا مرکز ہے ترا پاک دیار
لوٹ کے عرش سے سوئے مزار آئی ہے

قاری محمد عثمان اعظمی کے تعلق سے آپ نے لکھا ہے:-
”رسمِ زمانہ کے مطابق ابتدائی تعلیم قصبہ کے مکتب میں حاصل کی“ رسمِ زمانہ جملہ صحیح نہیں
ہے۔ بلکہ ”روایتی اعتبار“ سے آپ کی ابتدائی تعلیم لکھا جانا درست ہے۔ یہ اصلاح ادبی ہے۔
ادبی اعتبار سے دیکھا جائے تو ”رسمِ زمانہ“ صحیح نہیں۔ آپ نے کتابوں کا تعارف بھی غیر ادبی طرزِ
تحریر کے ساتھ کیا ہے۔

جیسا کہ آپ نے صفحہ ۲۳۱ میں لکھا ہے۔
”نظم خیالِ حرم“ نغمہ رسول“ نغمہ مجاز اور منظوم سیرت النبی ﷺ آپ کی منظوم تصانیف ہیں۔
قلمی یادگار غیر ادبی جملہ ہے۔ اصلاح کر لیں۔

قاری محمد عثمان صاحب کے وہ نعتیہ اشعار جو ہمارے قلب و ذہن کو منور کرتے ہیں حسب
ذیل پیش کئے جا رہے ہیں ملاحظہ کیجئے! جو کہ راقم الحروف کو بہت پسند آئے۔
محمد ﷺ سا حسین دیکھا نہ ایسی دلِ بری دیکھی
خدا نے مصطفیٰ ﷺ میں اپنی خود جلوہ گری دیکھی

وہ آئے سامنے تو بت بھی سجدے میں چلے آئے
خدا شاہد ہے دنیا نے نہ ایسی رہبری دیکھی

صحنِ عالم میں یہ کیسی چمن آرائی ہے
صبح دم بادِ صبا پیغام یہ کیا لائی ہے

بلبلوں کی ہے زبانوں پہ ترانہ کس کا
پھول ہنستے ہوئے سنتے ہیں ترانہ کس کا

مسکراتی ہوئی کلیوں کا نہ عالم پوچھو
راز ہے راز کوئی جس کو اسی دم پوچھو
مولانا محمد رمضان مستم کے تعارف میں آپ نے لکھا ہے:-
”فن طب پر بھی دسترس رکھتے تھے۔“ (صفحہ ۲۳۴)

یہ جملہ صحیح نہیں ادبی اعتبار سے۔ جملہ اس طرح ہونا چاہیے تھا۔ وہ فن طب کے بھی ماہر تھے۔

یا انہیں فن طب پر کامل مہارت تھی۔ وغیرہ۔ ادبی جملہ کہلاتا ہے۔
مولانا غلام ربانی فائق کے تعارف میں آپ نے لکھا ہے کہ۔

”سالانہ جلسہ دستار بندی میں آپ کو تاج فضیلت سے سرفراز کیا گیا۔“

(صفحہ ۲۳۶)

یہ جملہ ادبی اعتبار سے صحیح نہیں۔ تاج فضیلت سے نوازا گیا۔ تاج فضیلت سے سرفراز
ترکیب صحیح نہیں ہے۔

پھر آپ نے لکھا ہے۔

”فراغت کے بعد تاحین حیات درس و تدریس کی بافیض خدمات انجام

دئے۔“ (صفحہ ۲۳۶)

جملہ اس طرح ہونا چاہیے۔

تاحین حیات کے بجائے تاحیات کافی ہے۔

درس و تدریس کی بافیض خدمات کی ضرورت نہیں بلکہ درس و تدریس کی خدمات کو انجام دیا
کافی ہے۔ درس و تدریس میں خود فیض پہچانے کے معنی چھپے ہوئے ہیں اس میں بافیض لکھنے کی
ضرورت نہیں۔ آپ نے ان کی تصانیف کا ذکر جملہ میں کر دیا۔ تصانیف کا ذکر شروع میں کر دیتے
تو مناسب تھا۔ تصانیف کا لفظ نہیں لکھا بلکہ ترجمہ کی بات کہی ہے۔ یہ جملہ لکھا جانا چاہیے جو کہ قاری
کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ آپ نے لکھا ہے سیال قلم کے مالک تھے۔ یہ جملہ غیر ادبی ہے۔ ان کے

قلم میں زبان کی روانی دیکھنے کو ملتی ہے۔ وغیرہ لکھتے تو بہتر ہوتا اس طرح ان کی تحریر میں اکثر جگہ طویل عربی ترکیبات پائی جاتی ہیں جو کہ قاری کو پڑھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کی تحریر کو پڑھنے کے بعد مجھے ایک شعر یاد آ گیا۔ شعر یہ ہے۔

جو بات سمجھ آ جائے فصاحت اس کو کہتے ہیں

جو بات دل پر اثر کر جائے بلاغت اس کو کہتے ہیں

آپ کی تحریروں میں فصاحت و بلاغت دونوں کا فقدان نظر آتا ہے۔ بات ایسی کی جاتی جو کہ ادبی پیرائے میں ہو۔ ادبی پیرایہ اسے کہتے ہیں جن میں فصاحت و بلاغت کی ملی جلی کیفیت ہو۔ یعنی بات ادبی پیرائے میں کہی گئی ہو جو کہ سمجھ میں بھی آئے اور دل پر اثر بھی کرے۔ اس بات کی جانب ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی صاحب کو راغب ہونا چاہیے۔ (راقم الحروف)

مولانا اکرام الحق اکرام کے بارے میں لکھتے ہیں:-

”مولانا تصوف آشنا طبیعت رکھتے تھے“ صفحہ ۲۳۸

یہ جملہ بھی غیر ادبی ہے۔ ادبی اس طرح ہونا چاہیے۔

”مولانا تصوف کے پیچیدہ مسائل سے آشنا تھے۔“

عربی تراکیب کو اس طرح استعمال کیا ہے۔

سلیم الطبع، منکسر المزاج، وسیع النظر وغیرہ۔

علامہ بدر القادری کے تعلق سے لکھتے ہیں:-

”علامہ بدر القادری کی شخصیت کئی جہت رکھتی ہے۔“ یہ جملہ غیر ادبی ہے۔

ادبی جملہ اس طرح ہونا چاہئے۔

علامہ بدر القادری کی شخصیت میں مختلف خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ کئی خوبیوں کے مالک

تھے وغیرہ۔ مناسب جملے ہیں۔ (راقم الحروف)

علامہ بدر القادری کی شاعری کے تعلق سے لکھتے ہیں:-

”علامہ بدر القادری، حمد، نعت، نظم، غزل، قطعہ مناجات اور سہرا ان تمام

اصناف پر استادانہ طبع آزمائی کی ہے۔“

استادانہ طبع آزمائی کی ہے۔ یہ جملہ غیر ادبی ہے۔ ادبی جملہ اس طرح ہونا چاہئے۔ ان تمام

اصناف پر آپ کو قدرت حاصل تھی۔ وغیرہ (راقم الحروف)

علامہ بدر القادری کے یہ اشعار میرے دل کو چھو گئے۔

پڑھو حمدِ نعتِ نبی ﷺ گنگناؤ
حضور ﷺ آگئے ہیں حضور آگئے ہیں
دلوں کو لٹاؤ نگاہیں بچھاؤ
حضور ﷺ آگئے ہیں حضور آگئے ہیں
ڈاکٹر شکیل اعظمی کے تعارف میں لکھتے ہیں:-

”ڈاکٹر شکیل اعظمی ایک استاد شاعر ہیں جن کو شاعری پر عبور حاصل ہے“ یہ

جملہ غیر ادبی ہے۔

ادبی جملہ اس طرح ہونا چاہئے۔

”ڈاکٹر شکیل اعظمی کو فنِ عروض و بلاغت پر عبور حاصل ہے وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ یہ

جملہ مناسب ہے (راقم الحروف)

وہ اشعار جو میرے دل کو متاثر کر گئے انہیں حسبِ ذیل پیش کیا جا رہا ہے۔

اربابِ ذوق سُن لیں ادب کا مقام ہے
اب میرے لب پہ مدحتِ خیر الانام ہے

وہ جس کے فیض سے اب تک شامِ جاں معطر ہے
وہ خوشبوئے بدن ہے نکھتِ زلفِ پیہر ہے

زیارتِ شہرِ طیبہ کی نہ بوسہ ارضِ اقدس کا
ابھی میں کیسے سمجھوں اوج پر میرا مقدر ہے

مولانا سیف الدین سیف انصاری کے تعارف میں لکھتے ہیں:-

”غزل کی ہیئت میں انہوں نے کئی نعتیں کہی ہیں جو فن کی کسوٹی پر بھی پورا اترتی

ہیں۔ ان کے ذخیرہ نعت میں سے ایک کلام بطور نمونہ نذر قارئین ہے۔“ (صفحہ ۲۴۳)

”غزل کی ہیئت میں انہوں نے کئی نعتیں کہی ہیں۔ یہ جملہ کافی ہے اسی میں فن کی بات

پوری ہو گئی ہے۔“ پھر جملہ ”جو فن کی کسوٹی پر بھی پوری اترتی ہے۔“ غیر ادبی جملہ ہے۔

پھر اس کے بعد آپ نے لکھا ہے۔

”ان کے ذخیرہ نعت میں سے ایک کلام بطور نمونہ نذر قارئین ہے۔“ اس کے بجائے آپ لکھتے ان کے کلام میں سے ایک بطور نمونہ نذر قارئین ہے، کافی تھا۔ راقم الحروف۔
مولانا سیف الدین صاحب کی نعت کے چند اشعار راقم الحروف کو بہت متاثر کر گئے وہ حسب ذیل پیش کئے جا رہے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

ترے پیغام حق افزا سے ہمیشہ دم بدم
گلشنِ ہستی کا ہر پودا لہکتا جائے ہے

ترا رستہ امنِ عالم صلحِ عالم کا امیں
جس نے چھوڑا اس روش کو وہ بھٹکتا جائے ہے

ان کی زلفیں ہیں کہ ہے مشکِ تنار بے مثال
جس طرف وہ چل دئے کوچہ مہکتا جائے ہے

کہکشاں بن جائے اس عارضِ پر نور پر
نرگسی آنکھوں سے جو آنسو چھلکتا جائے ہے

قافلے والو بتاؤ کیا مدینہ آگیا
کیوں دلِ مضطر مرا اتنا مچلتا جائے ہے

وہ مجسمِ نور ہیں نورانیت سے ان کی سیف
گوشہ تارکِ دل میرا چمکتا جائے ہے
مولانا فدائے المصطفیٰ فدائے تعلق سے لکھتے ہیں:-

”علامہ قادری صاحب اعلیٰ درجہ کے مدرس ہیں جن کو افہام و تفہیم کا گراں قدر

ملکہ حاصل ہے۔“ صفحہ ۲۴۵

یہ ایک غیر ادبی جملہ ہے۔ حالانکہ اس جملہ میں افہام و تفہیم کا ملکہ حاصل ہے۔ کافی تھا لفظ ”گرافندر“ یہاں بے جا و بے محل دکھائی دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے ادبیت کھو بیٹھا ہے۔ راقم الحروف۔
راقم الحروف کو فدا صاحب کے حسب ذیل اشعار متاثر کر گئے۔

ہر دل میں یاد تیری ہر لب پہ نام تیرا
اے رحمتِ دو عالم ہے ذکرِ عام تیرا
شمس و قمر ستارے سب میں تری چمک ہے
بیلا گلاب جوئی سب میں تری مہک ہے
ہر جز و کل میں جلوہ خیر الانام تیرا
سارے جہاں سے ظلمت کا نور ہو گئی ہے
مولانا فروغ احمد فروغ کے تعلق سے لکھا ہے:-

”ان کی نعتوں میں وفور عشق، سوزِ باطن در حبیب کی تڑپ اور شوقِ زیارت

کے جلوے ملتے ہیں۔“ صفحہ ۲۴

مذکورہ جملہ میں سوزِ باطن در حبیب کی تڑپ ”میں در حبیب“ کے الفاظ غیر ادبی ہیں۔ جملہ
یہی کافی تھا۔ سوزِ باطن کی تڑپ، (راقم الحروف)
اس طرح ایک دو جگہ کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس طرف ڈاکٹر صاحب خیال کریں تو
مناسب ہوگا۔

راقم الحروف کو مولانا فروغ صاحب کی نعت کے چند اشعار بے حد متاثر کر گئے جنہیں
حسب ذیل پیش کیا جا رہا ہے ملاحظہ کیجئے۔

جبیں ہو جھکی میری کعبہ کی جانب
مرے دل کا قبلہ نبی کا حرم ہو

مدینہ پہنچ کر میں واپس نہ آؤں
جنازہ مرا خاکِ طیبہ میں ضم ہو
مرا عشق لے جائے گا مجھ کو طیبہ
اگر چہ مری راہ میں پیچ و خم ہو

ہند بھیجیں گر تو پھر میری لحد کے واسطے
اپنے قدموں میں جگہ رکھیں خالی یا رسول ﷺ
مولانا ظفر الدین سحر صاحب کے نعتیہ اشعار راقم الحروف کے دل کو گرما گئے۔ جنہیں
حسب ذیل پیش کئے جا رہے ہیں۔

دولتِ دنیا نہیں ہے غم نہیں
تیرے کہلائیں یہ عزت کم نہیں

دل نہیں جس میں نہ تیری یاد ہو
سر نہیں جو تیرے درپہ خم نہیں
☆

اپنی قسمت کو یوں جگاتے ہیں
نعتِ شاہِ امم سناتے ہیں

لب کے بوسے فرشتے لیتے ہیں
جب گھر نعت کے لٹاتے ہیں

یا نبی اذنِ حاضری دیجئے
ہجر میں اشکِ خوں بہاتے ہیں

ہم تصور میں ان کے کوچے میں
روز جاتے ہیں روز آتے ہیں
مولانا وصال احمد کے اشعار راقم کو متاثر کر گئے انہیں حسب ذیل پیش کیا جا رہا ہے۔
خواب میں جس نے بھی دیکھا ہے جمالِ مصطفیٰ
کامراں و اللہ اس کی زندگانی ہو گئی

ناز کر اے خاکِ پاکِ ارضِ طیبہ ناز کر
آئے جب سرکارِ ہر سو شادمانی ہو گئی

اپنی قبر وں میں ہیں زندہ جاں نثارانِ نبی
ان کی ذاتِ پاک کی نقلِ مکانی ہو گئی
مقالہ نگار ڈاکٹر شکیل، احمد شکیل صاحب اپنے تعلق سے لکھتے ہیں:-

”ان کا نعتیہ مجموعہ ”فانوسِ جاز“ ترتیب و تہذیب کی منزل سے گذر کر طباعت

کی منزل میں ہے۔“ صفحہ ۲۵۳

مذکورہ جملہ میں یہ الفاظ ”ترتیب و تہذیب“ غیر ادبی جملہ ہے یہاں یہ لکھنا چاہئے۔ ”ترتیب و تدوین یا ترتیب و تزین“ کی منزل سے گذر کر طباعت کی منزل میں ہے۔ ٹھیک ہے۔ (راقم الحروف)
مولانا فروغ اعظمی اور ان کی نعتیہ شاعری

مولانا نور الہدیٰ صاحب نے اپنے مقالہ ”مولانا فروغ اعظمی اور ان کی نعتیہ شاعری“ میں جو تعارفی انداز اختیار کیا ہے وہ تو عربی طرزِ تحریر کا نمونہ دکھائی دیتا ہے۔ شاعر کے نام کی وضاحت صرف اس کے نام کے ساتھ کر دینی چاہئے عربی اسلوبِ تحریر کی طرح فروغ اعظمی ابن ممتاز احمد قادری ابن قمر الدین اشرفی وغیرہ کا ایک ساتھ لکھ دینا اردو ادب کے طرزِ تحریر کے خلاف ہے۔ اردو ادب میں شاعر کا اگر آپ تعارف کروانا چاہتے ہیں تو پہلے شاعر کا پورا نام پھر اس کے بعد اس کا تخلص اور عرف عام میں اگر اسے کسی مخصوص نام کے ساتھ بلایا جاتا ہے تو اس کی بھی وضاحت کرنے کے بعد شاعر کے باپ کا نام لکھ دیا جاتا ہے ایک ساتھ ایک ہی جملہ میں شاعر کا نام، باپ کا نام، دادا کا نام نہیں لکھا جاتا اصولِ ادب کے خلاف ہے۔ اس طرف مولانا نور الہدیٰ صاحب کو دھیان دینا چاہئے۔ آگے آپ نے لکھا ہے۔

”مولانا اعظمی دورِ طالب علمی ہی سے قلم و قرطاس سے جُڑ گئے تھے۔“

(دبستان نعت، صفحہ ۲۵۶)

مذکورہ جملہ غیر ادبی ہے۔ ادبی جملہ اس طرح ہونا چاہئے کہ قاری کو بات سمجھ میں بھی آجائے اور ادبی کیفیت کی نکھار بھی جملہ میں پایا جائے۔ یہ دونوں باتیں مذکورہ جملہ میں دکھائی نہیں دیتی ہیں۔ دورِ طالب علمی نہیں بلکہ دورانِ طالب علمی صحیح جملہ ہے۔ اس طرح کی بہت سی

باتیں آپ کے مقالہ میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان باتوں سے ادیب کو بچنا چاہئے۔ اس طرح تحریر کا اسلوب اختیار کیا جائے جس کے ذریعہ زبان میں آسانی اور معانی میں ادبی نکھار خود بخود نکھرنے لگے۔ اسی کو ادبی تحریر کہتے ہیں۔ (راقم الحروف)

مولانا نور الہدیٰ صاحب نے عربی الفاظ کے بوجھ کو اردو زبان پر اس طرح ڈال دیا کہ زبان اپنی توانائی اور خوبی کو عربی الفاظ کے بوجھ کے نیچے دب کر رہ گئی ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے لکھا ہے۔

”ضرع عقیدت“ صفحہ ۲۵۷ قارئین کو محظوظ، مستفیض اور مستنیر کرتی ہیں

وغیرہ۔ (صفحہ ۲۶۲)

جملوں کی ساخت میں بھی وہ پیچیدہ تراکیب استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ان

کے شعری اجمال میں تہدار تفصیلیں ہیں۔ صفحہ ۲۶۲

زبان کو اس طرح استعمال کرنی چاہئے۔ جس سے کہ قاری کو معنوی افہام و تفہیم میں دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آپ کے مقالہ کو پڑھنے کے بعد قاری کو معنوی افہام و تفہیم میں دشواریاں زیادہ سے زیادہ دیکھنے کو ملتی ہیں۔ وہ آئندہ مقالہ لکھیں تو اس بات کا ضرور خیال رکھیں۔

”نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر“

مولانا وصال احمد اعظمی صاحب کا لکھا ہوا مقالہ ”نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر“ ’دبستانِ نعت‘ کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ’دبستانِ نعت‘ مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے حسن ترتیب کے ساتھ ان تمام مقالوں کو شائع کیا جو کہ موضوع کے اعتبار سے موضوع کے ساتھ انصاف کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ آخر میں ہی سہی مذکورہ مضمون کو شائع کرنے پر اس لئے مجبور ہوئے کہ نثار کریمی صاحب کی شاعری میں ”نعت پاک“ جیسی مقدس صنفِ سخن بھی شامل ہے۔ خود نثار کریمی صاحب نے اپنی شاعری سے متعلق اس بات کا اظہار کیا ہے کہ میری اپنی کہی ہوئی شاعری میں میری زندگی کا مقصد وہ صنفِ سخن ہے جس کو نعت گوئی کہتے ہیں۔ یہی صنفِ سخن میری زندگی کا واحد مقصد ہے دیگر اصناف کے شائع ہونے یا نہ ہونے کی انہیں ذرا برابر بھی فکر نہیں تھی وہ چاہتے تھے کہ اپنی حیات ہی میں ”نعتیہ مجموعہ“ شائع ہو جائے اس بات کا اظہار کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

”شعر و شاعری کے میدان میں تقریباً چالیس سال سے سرگرم ہوں حالات سازگار ہوتے تو غزلوں، نظموں کے کئی مجموعے بہت پہلے منظرِ عام پر آ چکے ہوتے۔ غزلوں کے دو مجموعے نظم کا ایک مجموعہ مرتب کر چکا ہوں چھپے یا نہ چھپے اس کی مجھے فکر نہیں۔ نعتیہ مجموعہ جسے میں حاصلِ زندگی سمجھتا ہوں آج آپ کے ہاتھوں میں ہے میں مطمئن ہوں اس میدان میں ذکرِ رسول ﷺ کے حوالہ سے پہچانا جاؤں بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔“ (دبستانِ نعت، صفحہ ۲۶۶)

مولانا وصال احمد صاحب اپنے والد بزرگ واری خواہش و تمنا کے خلاف ایک ایسا موضوع انتخاب کیا جو ان کی خود قادر الکلامی پر بات کی ہے حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ جناب نثار کریمی صاحب کی نعتیہ شاعری پر اپنا مقالہ لکھ کر ”دبستانِ نعت“ میں شائع کرواتے تو بات بڑی ہی خوب ہوتی جس سے موضوع کے ساتھ انصاف بھی ہوتا اور مرحوم نثار کریمی صاحب کی روح بھی خوش ہوتی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ مولانا موصوف نثار کریمی صاحب کی نعتیہ شاعری کو موضوع بنا کر صرف نعتیہ شاعری پر کھل کر بحث کرتے، صنفِ نعت پاک کے ہر ایک پہلو پر وضاحت کے ساتھ ان کے فن پر بات کرتے۔ راقم الحروف نے آپ کو پورے مقالہ کو پڑھا جس میں آپ نے نثار کریمی صاحب کے مجموعہ کلام ”سبیلِ نور“ پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کی وہ نعتیں جو سالانہ طرحی مشاعروں میں پڑھا تھا اس پر بھی اپنے خیال کا ظہار کرتے تو بہتر ہوتا مگر ایسا نہ ہوا۔ آئندہ مولانا اس بات پر دھیان دیں کہ رسالہ کس عنوان کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، اس رسالے کو کس صنفِ سخن کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ مضمون نگار سے کس بات کی خواہش کی گئی ہے ان تمام باتوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

”نثار کریمی صاحب ایک قادر الکلام شاعر“ یہ ایک ایسا عنوان ہے جو کہ عام رسالوں یا پرچوں میں شائع کیا جاسکتا ہے۔ ”دبستانِ نعت“ کے لئے یہ موضوع مناسب نہیں ہاں اگر نثار احمد کریمی صاحب کی نعتیہ شاعری کو موضوع بنایا جاتا تو یہ مضمون ”دبستانِ نعت“ کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا۔ اس کے باوجود مدیر ”دبستانِ نعت“ ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے ”دبستانِ نعت“ کی فہرست میں آپ کے مضمون کو اس لئے شامل اشاعت کیا ہے کہ اس مقالہ میں شاعر کے نعتیہ مجموعہ پر بحث کی گئی ہے۔

تنقیدی اعتبار سے اصولِ تنقید کی روشنی میں موضوع کے اعتبار سے یہ مقالہ ”دبستانِ نعت“

کے قابل نہیں ہے۔ مولانا موصوف صاحب مقالہ آئندہ مقالہ لکھتے وقت موضوع کے صحیح انتخاب کا ضرور خیال رکھیں۔

”آفتاب آسمان نعت مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی کی دو مشہور نعتیں“

”دبستان نعت“ کے آخری حصے کو فارسی زبان کی شاعری کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ فارسی زبان میں بلند مقام رکھنے والے شاعر مولانا جامی علیہ الرحمہ کی شاعری سے نہ صرف آغاز کیا بلکہ آپ کی شاعری سے متعلق لکھے جانے والے مقالوں کو بھی ترتیب وار پیش کیا گیا ہے۔

مولانا جامی علیہ الرحمہ کی دو فارسی زبان میں لکھی گئی نعتوں کو اردو ترجمہ کے ساتھ جناب تنویر پھول صاحب نے شرح کی ہے۔ قارئین کی معلومات میں اضافے کا سبب دکھائی دیتا ہے۔

راقم الحروف کو مولانا جامی علیہ الرحمہ کی نعتوں کو پڑھنے کے بعد ان کا طرزِ تخیل نہ صرف مسرور کر گیا بلکہ حرارتِ عشق کی لو کو بڑھاتا گیا۔ واقعی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ تکلم میں ایک حقیقی عاشق کے وارداتِ قلب کی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے۔ بالخصوص آپ کا حسبِ ذیل شعر مقام محمد ﷺ کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے وہ شعر یہ ہے۔

و صلی اللہ علی نور کز و شد نور ہا پیدا

ز میں از حُب او ساکن فلک در عشق او شیدا

جناب تنویر پھول صاحب نے دوسرے شعر کی تشریح کرتے ہوئے اردو میں جو شعر لکھا ہے کیا وہ ان کا خود کہا ہوا ہے یا کسی دوسرے شاعر کا وضاحت نہیں ملتی۔ یہاں شرح کرتے وقت شاعر کا نام یا خود کا لکھا ہوا شعر لکھنا ضروری ہے۔

مولانا جامی نے چھٹے شعر میں قرآن پاک کی آیت کے جوا لفاظ ”مَا زَاغَ الْبَصَرُ“ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى“ کو شعر میں بہتر طریقے سے لایا ہے جس میں شعری حُسن میں دو بالگی پائی جاتی ہے۔ لیکن تنویر پھول صاحب نے ان دو آیت کے الفاظ کا اردو ترجمہ قوسین میں کر دئے ہوتے تو ایک عام قاری کی سمجھ میں بہت آسانی ہوتی مگر ایسا نہیں کیا۔ ساتویں شعر میں بھی یہی بات دکھائی دیتی ہے۔ اس طرح دوسری نعت شریف کے صرف چار اشعار شرح کے ساتھ پیش کیا ہے۔ میں تنویر پھول صاحب سے خواہش کروں گا کہ وہ شرح کرتے وقت پہلے دونوں نعتوں کو نمبر دیکر بتا دیتے پہلی نمبر والی نعت اور دوسرے نمبر والی نعت۔ اس کے بعد شرح کرتے۔ آپ نے دوسری نعت کے چوتھے شعر کی شرح کرنے کے بعد آخر یہ لکھا ”ایک نعت گو شاعر ثناء علی اجاگر کرنے

والے اس فارسی نعت کا منظوم اردو ترجمہ اس طرح کیا ہے۔“ (دبستان نعت، صفحہ ۲۸۰)
 نثار علی کیا شاعر کا نام ہے؟ اُجاگر کرنے کا جملہ یہاں میل نہیں کھاتا۔ اس بات کی یہاں
 اصلاح ہونی چاہئے۔ ’راقم الحروف‘
 ”مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی“

ڈاکٹر سید تنحیٰ نسیط صاحب کا لکھا ہوا مقالہ ”مولانا جامی کی نعت نگاری“ پڑھنے کے بعد
 بعض اہم نکات راقم الحروف کے سامنے آئے ہیں۔ جن میں فنی خامیاں بھی ہیں اور تشریحی
 خوبیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ جملوں کی ساخت میں بعض جگہ خامیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جیسا کہ
 انہوں نے لکھا ہے:-

”فارسی میں محارباتی شاعری کو بڑا فروغ حاصل ہوا“ (دبستان نعت، صفحہ ۲۸۱)
 راقم کو ”محارباتی“ شاعری کسے کہتے ہیں سمجھ میں نہیں آیا اور رہی دوسری بات دوسری
 جگہ ”ان کے اندرون کو سنوارنے کے جتن کئے“ (دبستان نعت، صفحہ ۲۸۱)
 لفظ اندرون کے بجائے باطن کا لفظ استعمال کرتے تو بہتر ہوتا کیوں کہ یہ لفظ ادبی جملہ کے
 بنانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ لفظ اندرون غیر ادبی لفظ ہے۔
 وہ آگے لکھتے ہیں:-

”اس طرز فکر کی وجہ سے اردو، فارسی کی نعتیہ شاعری میں ”میم کا گھونگھٹ“،
 ”احمد بے میم“ مسئلہ امتناع النظیر“ ”مدینے کا پیا“ ”کملی والا“ ”دیدار خداوندی
 سے مشرف“ ”شہزادہ لولاک“ ”آقا و مولیٰ“ ”بگڑی بنانے والا“ ”ذاتِ اول و
 آخر“ ”ظاہر و باطن“ ”عالم الغیب“ وغیرہ کی تراکیب کو اوصاف نبی ﷺ میں شمار
 کر لیا گیا ہے۔“ صفحہ ۲۸۲

لفظ ”میم کا گھونگھٹ“، ”احمد بے میم“، مسئلہ امتناع النظیر“ یہ تینوں الفاظ حضور پاک ﷺ
 کے اوصاف کے معنی میں نہیں آتے بلکہ یہ الفاظ تصوف کے مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔
 علم تصوف میں لفظ میم کے معنوی پس منظر میں ایک دوسرے میں یعنی ”احد“ اور ”احمد“ میں
 تعریف کی باریکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اہل تصوف کے یہاں لفظ ”میم“ بظاہر لکھا جاتا
 ہے جیسا کہ لفظ ”احمد“ میں لفظ ”میم“ ہے۔ حقیقت میں وہ ایک پردے کی شکل اختیار کر گیا ہے
 ورنہ لفظ میم کے پردے کو ہٹا دیا جائے تو وہ ”احد“ ہو جائے گا۔ یہ علم تصوف کی اصطلاحات ہیں

یہاں ادبی طرزِ تحریر سے کوئی واسطہ نہیں۔ معنوی پس منظر کے لحاظ سے دیکھا جائے تو فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر سید تنجی شیط صاحب کا مغالطہ ہے۔ مذکورہ تینوں الفاظ کا تعلق، اصطلاحاتِ تصوف سے ہے۔ اوصافِ نبوی ﷺ کے معنی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ البتہ باقی کے الفاظ اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔ اس بات کی جانب ڈاکٹر صاحب اپنی توجہ مبذول کر لیں تو مناسب ہوگا۔

مقالہ نگار نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولانا جامی علم و عرفان کے مدارج طے کئے وغیرہ۔ ظاہری بات ہے کہ مولانا کو علم تصوف سے کتنا لگاؤ ہے اور علم و عرفان کے کس منزل کو پہنچ چکے ہیں۔ اور راہِ سلوک میں اُن کا مقام و مرتبہ کیا ہے یہ ساری باتیں اہل تصوف کی شاعری میں دیکھنے کو ملتی ہیں جن کا مقام، مقام ولایت سے سرفراز ہوتا دیکھنے کو ملتا ہے۔

آپ نے آگے لکھا ہے:-

”حضور کی تمنائے بے تاب والے مضامین کی افراط ہے۔“ (دبستان

نعت، صفحہ ۲۸۲)

معنی اور ترکیب کے لحاظ سے یہ جملہ غیر ادبی ہے۔ وہ اس لئے کہ نہ تو معنی سمجھ میں آتا ہے اور نہ ہی ایک دوسرے میں معنوی ترتیب پائی جاتی ہے جو کہ ادب کا خاصہ ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے:-

”انہوں نے اپنی تخلیقات میں جہاں نعت گوئی کو جگہ دی ہے۔“ صفحہ ۲۸۲

یہ جملہ غیر ادبی بھی ہے اور بے ادبی کا حامل بھی ہے۔ غیر ادبی اس لئے کہ معنوی تسلسل سے خالی ہے، اور بے ادبی کا حامل اس لئے کہ ”نعت گوئی“ یہ تو خدا کی طرف سے بندہ کو دیا جانے والا بہت ہی بڑا شرف ہے جس کی فضیلت ناچیز بندوں کی زبانی بیان نہیں کی جاسکتی۔ یہاں ”جگہ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ بے ادب جملہ ہے“

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”نعت کے ان اشعار میں جامی نے حضرت محمد ﷺ کی حقیقت مرتبہ اور وجود

روحانی کو تمام امکانات پر مقدم مانا ہے۔“

جملہ میں حقیقت مرتبہ صحیح نہیں حقیقی مرتبہ ہے۔

شاید کتابت کی سہو ہوئی ہوگی۔

اس کے بعد آپ نے تین اشعار فارسی کی نعتیہ شاعری کے لکھ کر جو شرح کی ہے تین یا چار

سطور میں شرح مکمل ہو گئی ہے۔ باقی شرح جو کی ہے تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے۔ تشریح کردہ عبارت تعلق رکھنے والے اشعار کو نہیں لکھا ہے جو کہ یہ ایک غیر ذمہ دار زہد حرکت ہے تحقیق میں اس طرح کے عمل کو ’غیر مستند حوالہ تحریر‘ کہتے ہیں۔

آپ نے صفحہ ۲۸۵ پر تحریر کیا ہے کہ:-

”مولانا جامی کی مشہور تصنیف ”یوسف زلیخا“ بھی ہے۔ یہ مثنوی صوفیائے

کرام کے نزدیک تصوف کا گل سرسبد بھی مانی جاتی ہے۔“ صفحہ ۲۸۵

راقم الحروف کے خیال میں یہ ایک ایسی تحریر ہے جس میں نفس موضوع سے متعلق بات نہیں ہے بلکہ موضوع سے ہٹ کر بات کہی گئی ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ مولانا جامی کے نعتیہ مضامین سے متعلق بات کو آگے بڑھاتے۔ البتہ مقالہ کے آخر میں آپ نے چند منتخب اشعار پیش کر کے مقالہ کو ختم کیا ہے۔ یہی سلسلہ شروع سے آخر تک ایک ہی موضوع کی لڑی میں پُر جاتا تو ایک خوبصورت موتی کہلاتا۔ صاحب مقالہ نگار اپنے آئندہ لکھے جانے والے مقالوں میں اصول تحقیق کی جانب توجہ دی جائے تو بہتر ہوتا۔

”حضرت عبدالرحمن جامی نادر روزگار شخصیت“

ڈاکٹر رضوان انصاری صاحب کا لکھا ہوا مضمون ”حضرت عبدالرحمن جامی نادر روزگار شخصیت“ حضرت جامی کے تصوفانہ کلام اور ان کے اندر چھپی عرفانی کیفیت کے اظہار کو بڑے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کے اصطلاحات پر بھی تفصیل کے ساتھ کھل کر بحث کی ہے جو کہ قارئین کے لئے ایک معلومات کا خزانہ فراہم کر جاتا ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں اگر ڈاکٹر رضوان صاحب اپنے عنوان کو تبدیل کرتے ہوئے صرف ان کی نعتیہ شاعری پر بات کرتے اور نئے نئے گوشوں کو جو انہوں نے اپنے مقالہ میں لانے کی کوشش کی ہے۔ اگر نعتیہ شاعری کے ضمن میں بیان کرتے تو بہت ہی مناسب ہوتا۔ ”حضرت جامی کی نعتیہ شاعری“ کو عنوانات بنانا مناسب تھا۔ کیوں گوشہ جامی ہی سہی گوشہ جامی میں نعتیہ شاعری کا اظہار ضروری ہے۔ تصوف اور عرفان کا عنوان ”دبستان نعت“ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ ”صنف نعت“ کے ضمن میں تصوفانہ کلام میں موجود نعتیہ اشعار کی نشان دہی کر کے اس کی تشریح کرتے تو بہت ہی بہتر ہوتا۔

نعتیہ شاعری کے عنوان میں تصوفانہ کلام میں موجود نعتیہ اشعار بڑی اہمیت کے حامل نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ اسرار و رموز کی باتوں میں اظہار عقیدت و محبت کی باتوں کو بر موقع بر محل استعمال کرنا یہ واقعی فنی تکنیک ہے جو شاعر اپنے اوپر غلبہ کی کیفیت کو اعتدال پسند رویے میں پیش کرتا ہے۔ تاکہ قاری بات کی باریک بینی سے واقف ہو جائے۔ تصوف کی بعض باتیں راز و نیاز میں رکھی جاتی ہیں ان باتوں کو کھلم کھلا قارئین کے سامنے پیش نہیں کیا جاتا جس کے لئے ایک مخصوص طبقہ مختص ہے جو ان باتوں کو معنوی گیرائی و گہرائی کو نہ صرف محسوس کر سکتا ہے۔ بلکہ اس سے محفوظ بھی ہوتا ہے۔ عام قاری ان باتوں سے نہ واقف ہونے کی وجہ سے ظاہر کی معنی، مطلب ہی سے فرحت و مسرت کی کیفیت کو اپنے دامنِ شوق میں لئے حقیقتِ حال سے واقف ہونے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ بحیثیت مجموعی آپ کا مقالہ بڑا ہی پرمغز اور پُر اثر دکھائی دیتا ہے۔ تصوف کی باتوں کو انہوں نے بڑے ہی گہرائی کے ساتھ ایک معنوی پیکر میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور قاری کو تصوف کے تعلق سے معلومات بہم پہنچائی ہے۔ میں مبارک باد دیتا ہوں ڈاکٹر رضوان انصاری صاحب کو ان کے کامیاب مقالہ پر اور ساتھ ساتھ یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگلے مقالہ کا عنوان نعتیہ شاعری پر ہوگا اور اس عنوان کے تحت قارئین کو ایک بھر پور معلومات افزا مقالہ عنایت فرمائیں گے۔ (راقم الحروف)

’ایک تبصراتی خط مدیر ’دبستانِ نعت‘ کے نام‘

مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں ایک شاندار معلومات افزا نعتیہ فنی شاعری سے متعلق مختلف آراء، مختلف اندازِ تحریر کے ساتھ مضامین کا مجموعہ تصنیف کو چار چاند لگا دینے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ راقم الحروف کو ’دبستانِ نعت‘ تصنیف کے نگراں کار جناب فیروز احمد سیفی صاحب نے نیویارک سے فون کر کے ایک بڑے ہی اہم کام کے لیے خواہش ظاہر کی جس کو میں نے تہ دل سے قبول کیا۔ میں جناب فیروز صاحب کا بہت ہی ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے پیارے نبی آں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس ’صنفِ نعت‘ پر تبصرہ کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔ ساتھ ہی ساتھ جملہ مقالہ نگاروں کی تحریروں پر اپنی رائے لکھنے کا شرف عطا کیا۔ میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ ایک مقدس صنف ’صنفِ نعت‘ پر اپنے خیالات و نظریات کی کسوٹی پر بات کرنے کا ذریعہ عنایت کیا۔ اس بہترین رسالہ کے اجراء سے دو اہم باتوں کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پہلا نعت گو شعرا کی فنی اعتبار سے ان کی بہتر طور پر رہنمائی کی جا رہی ہے۔ دوسرا

فائدہ دور جدید اور مستقبل کے افراد کو ان کی خود ساختہ غلط عقائد کی بڑے ہی عمدہ پیرایہ میں بیخ کنی کرانے کا ذریعہ دکھائی دیتا ہے۔

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ اس نے چند ایسی شخصیتوں کو قبول فرمایا جو کہ ہندوستان میں ”فن نعت“ پر ایک تحقیقی ادارہ قائم کر کے اس کے ذریعہ ایک رسالہ بعنوان ”دبستان نعت“ جاری کیا۔ اس مقدس کام کو بڑے پیمانے پر پاکستان میں کیا جا رہا ہے۔ لیکن ہندوستان میں جناب فیروز احمد سیفی صاحب اور ان کے رفقاء نے بڑے ہی عزم و حوصلہ کے ساتھ اس کی بنیاد ڈالی ہے۔ خدا کرے کہ یہ کام دوسرے ممالک سے بھی زیادہ ہندوستان بھر میں ہوتا رہے اور مستقبل میں اس کی روشن امکانات سامنے آتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

میں نے تمام مقالوں کو ترتیب وار پڑھنے کے بعد اپنی آراء و نظریات کو بیان کیا ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میں نے وعدہ کے مطابق اپنے تبصراتی مضمون کے مجموعہ کو ارسال کر رہا ہوں۔

خان حسنین عاقب (مہاراشٹرا)

”دبستانِ نعت“ پر چند سطریں

اردو زبان کا شعری ادب اتنا ضخیم ہے کہ اگر اسے ڈیجیٹل طور پر جمع کرنے کی کوشش کی جائے تو شاید ہزاروں ٹی۔بی۔ای۔سی ٹیڑا بائٹ ڈاٹا درکار ہوگا۔ اردو ادب کی ایک اہم قسم ہے نقدی ادب جس میں حمد، نعت اور منقبت وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔ نقدی ادب میں بھی تخصیص کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے سیرت نگاری اور آپ کے تین امتیوں کی عقیدت کو مد نظر رکھتے ہوئے جو شعری ادب تخلیق کیا جاتا ہے، اسے نعتیہ ادب کہا جاتا ہے۔ اردو میں شعری ادب تو بہت شائع ہوتا ہے اور یار لوگ جو اردو زبان و ادب کا ذرا بھی درک رکھتے ہوں، ہر موضوع پر بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ نہایت بے کاری اصناف تک ایجاد کر لی جاتی ہیں اور ان اصناف کو منوانے اور تسلیم کروانے کے لئے رسائل کے صفحات کے صفحات سیاہ کئے جاتے ہیں۔ لیکن نعت جیسی اہم اور بلیغ صنف شاعری پر کوئی مستقل رسالہ اب تک نہیں تھا۔ کافی عرصہ قبل پاکستان سے جناب سید صبیح الدین رحمانی صاحب نے نعت رنگ نامی مستقل رسالہ جاری کیا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے اختراعی اور موضوع کے اعتبار سے نہایت وقیع ہے۔ لیکن ہمارے وطن عزیز سے اس سمت کوئی پیش رفت اب تک نہیں ہوئی تھی۔ خوشا وہ وقت بھی آیا اور کچھ دیوانے، ذاتی سودو زیاں کے تفکرات سے پرے، محبت و عقیدت محمد ﷺ سے لبریز ہو کر ایک رسالے یعنی ”دبستانِ نعت“ کا اجراء کر بیٹھے۔ اللہ ان کی مساعی کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔ مجھے شیخ ابراہیم ذوق کی یاد آ رہی ہے جنہوں نے کہا تھا۔

ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروفِ رقم میرا
الف الحمد رب العالمین کا ہے قلم میرا
رہے نام محمد ﷺ لب پہ یارب اول و آخر
اُلٹ جائے بوقتِ نزع جب سینے میں دم میرا

محبت اہل بیت مصطفیٰ ﷺ کی نورِ برحق ہے
کہ روشن ہو گیا دل مثلِ قندیلِ حرم میرا

دبستانِ نعت نامی اس رسالے کے مدیر ہیں جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب۔ سراج احمد قادری صاحب سے ہمیشہ فون پر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ نہایت سلیقہ مند اور سعادت مند، بااخلاق اور منکسر مزاج شخص ہیں۔ دراصل دبستانِ نعت اور سراج احمد قادری صاحب کا تعارف مجھ سے فیروز احمد سیفی صاحب (مقیم نیویارک، امریکہ) نے کروایا تھا۔ ان کے دورہ ہند کے درمیان انہیں کسی نے میری کتاب 'خامہ سجدہ ریز' کا نسخہ دیا تھا جو میری حمد و نعت کا مجموعہ ہے۔ موصوف نے بڑی تفصیل سے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور امریکہ جا کر وہاں سے مجھ سے رابطہ کیا اور دبستانِ نعت اور قادری صاحب کے بارے میں تفصیل بتائی۔ فیروز احمد سیفی صاحب دبستانِ نعت کے نگرانِ کار ہیں۔ اس رسالے کو پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب (سجادہ نشین خانقاہ حضرت دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ، بہار) کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس رسالے کے معاونین میں ایک تو نعت رنگ (کراچی) کے مدیر جناب سید صبیح الدین رحمانی ہیں، ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین فاروقی صاحب (نیویارک، امریکہ) ہیں اور پھر ہندوستان ہی سے ہمارے دوست جناب قاضی اسد ثنائی صاحب (حیدرآباد، بھارت) ہیں جو ادب کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں اور اردو ادب کے مختلف موضوعات پر کانفرنسیس اور سیمینار منعقد کرواتے رہتے ہیں۔ غرض کافی فعال شخص ہیں۔

خیر، میرے پاس دبستانِ نعت کا جو شمارہ پہنچا، وہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء کا شمارہ ہے۔ معلنہ طور پر یہ رسالہ ششماہی ہے لیکن اس رسالے کی ضخامت کچھ مہینوں سے کچھ زیادہ ہی کی کمی پوری کر دیتی ہے۔ یعنی یہ رسالہ ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس درجہ ضخیم شمارے کی ادارت اور پھر اس کی اشاعت کے تمام تر انتظامی و معاشی مراحل کو طے کر پانا آسان نہیں ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لیکن مدیرِ محترم اور ان کے سرپرستوں اور معاونین کی ان کاوشوں کے لئے مجھے حافظ کا یہ شعر زیادہ مناسب لگتا ہے کہ

تو و طوبیٰ، و ما و قامتِ یار

فکرِ ہر کس بہ قدرِ ہمتِ اوست

آئیے، اس ضخیم شمارے کے مشمولات پر کچھ بات ہو جائے۔ عمومی طور پر رسائلِ شعری

تخلیقات سے اتنے لبریز ہوتے ہیں کہ الامین الحفیظ۔ رسالہ، رسالہ نہ ہو کر کسی شعری صنف کا انتخاب لگنے لگتا ہے۔ اور پھر نعت گوئی پر کوئی مستقل رسالہ جاری کرنا اولاً تو نہایت مشکل ہے، جس کو توفیق مل جائے، وہ کامیاب لیکن اس کے لئے مواد کہاں سے جمع کیا جائے؟ اس لئے کہ ہمارے سہل پسند حضرات اس متبرک صنف سخن پر خامہ فرسائی کرنے سے کتر اتے ہیں کیونکہ نعتیہ شعری ادب کے علاوہ شعبہ نعت میں نقد و نظر اور تحقیق کا کوئی ذخیرہ موجود نہیں ہے یعنی اگر کسی کو اس سمت سفر کرنا ہے تو اسے اپنے سنگِ میل بھی خود بنانے ہوں گے، راستے بھی خود طے کرنے ہوں گے اور زاوِ راہ کا انتظام بھی خود ہی کرنا ہوگا۔ بھائی صبیح رحمانی نے یہ مشکل کام کیا ہے اور ان سے جو لوگ شعبہ نعت میں نئے زاویوں کی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ برادر سراج احمد قادری نے ملکِ عزیز میں یہی کام انجام دیا ہے۔ اس ضخیم شمارے میں ۲۹۷ صفحات مکمل طور پر تنقیدی اور تحقیقی مضامین کے لئے مختص ہیں۔ درمیان میں کہیں بھی کوئی شعری تخلیق نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مدیرِ محترم اور ان کے سرپرستوں اور معاونین کو نعت نگاری کے تئیں نہایت مخلص اور کل وقتی قلم کاروں کا تعاون حاصل ہے۔ اس شمارے کی تخصیص مولانا عبدالرحمن جامی خصوصی گوشے کی اشاعت ہے جس میں مولانا جامی پر تنویر پھول کا مضمون 'مولانا جامی کی دو مشہور نعتیں'، مشہور محقق اور ماہرِ لسانیات و مترجم جناب ڈاکٹر سید یحییٰ فیض صاحب کا مضمون 'مولانا جامی کی نعت نگاری'، ڈاکٹر رضوان انصاری کا مضمون 'حضرت عبدالرحمن جامی، نادر روزگار شخصیت' اور ڈاکٹر نور احمد ربانی کی پیش کش 'مولانا عبدالرحمن جامی کا فارسی نعتیہ کلام کا اردو ترجمہ خاصے کی چیز ہے۔ پچاس صفحات پر مشتمل یہ گوشہ اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے۔ مولانا جامی عالمی نعتیہ ادب کے سرخیلوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مجاہد محمد علیؒ کی فہرست میں ان کا نام صفحہ اول پر نمایاں ہے۔ اگر شخصی مضامین کی بات کریں تو ہمیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب بریلوی (ڈاکٹر صابر سنبھلی)، مظفر وارثی (ڈاکٹر عزیز احسن)، ڈاکٹر صغریٰ عالم (فیروز احمد سیفی)، جناب طاہر سلطانی (محسن اعظم محسن ملیح آبادی)، رؤف امر و ہوی (ڈاکٹر صابر سنبھلی)، اعجاز کا میٹھوی (ڈاکٹر مشاہد رضوی)، مولانا فروغ اعظمی (مولانا نور الہدیٰ مصباحی)، نثار کریمی (مولانا وصال احمد اعظمی) جیسے نعت گو شعراء کی شخصیت کا سیر حاصل تعارف اور ان کے فنِ نعت گوئی کا کما حقہ جائزہ ملتا ہے۔ خصوصی طور پر اردو کے ایک اہم اور بزرگ اور بلند قامت شاعر جناب کرشن کمار طور کی نعت گوئی پر بھی ایک علاحدہ مضمون شامل ہے جس سے فنِ نعت

نبی ﷺ پر صرف مسلمانوں کا اجارہ نہ ہونے کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔

اردو نعتیہ ادب میں تنقیدی و تحقیقی کے نئے درجے واکرنا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے انجام دینے کی سکت بہت کم لوگوں میں ہے۔ کچھ لوگ جو یہ کام انجام دینے کی اہلیت رکھتے ہیں، یا تو یہ کام ان کی ترجیحی فہرست میں شامل نہیں ہے یا پھر انہیں توفیق الہی نصیب نہیں ہوئی۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ان کا قلم اس سمت رواں ہو جائے تاکہ فنِ نعت گوئی میں تنقید و تحقیق پر کام کی رفتار بڑھ جائے۔ اس شمارے میں فنِ نعت گوئی پر تنقیدی و تحقیقی مضامین کی کہکشاں دکھائی دیتی ہے۔ کیا نعت صنفِ سخن ہے؟ اس موضوع پر جناب ڈاکٹر سید حسین احمد نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ ابتداء ہی سے ایک تحقیق طلب موضوع رہا ہے کہ کیا نعت کو ایک علاحدہ صنفِ سخن تسلیم کیا جائے؟ اس بات سے اتفاق یا اختلاف ثانوی حیثیت رکھتا ہے لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ اس موضوع پر گفتگو رفتار پکڑ رہی ہے۔ فنِ نعت اور نعت گوئی (ڈاکٹر سید خسرو حسینی صاحب) نعت اور ہماری شعری روایت (ڈاکٹر عزیز احسن) نعتِ رسول مقبول ﷺ اور اس کا ارتقاء (ساجد حسین ساجد امر و ہوی) ناعت پر فیضانِ معنوت (قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری) انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ خیر (سید اقبال حیدر) نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر (علیم صبانویدی) ایسے مضامین ہیں جن کے مطالعے کے بعد فنِ نعت گوئی کے تعلق سے ہمارے بہت سے اشکالات کے تشفی بخش جواب ملتے ہیں۔

کچھ مضامین جن کے مطالعے سے فنِ نعت گوئی کی کچھ لسانی اور تحقیقی جہتوں کے باب و ا ہوتے ہیں، وہ ہیں حدائقِ بخشش کے صنائعِ بدائع پر ایک اور نظر (ڈاکٹر صابر سنبھلی) حرفِ آرزو (منیر احمد ملک) غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ (طاہر سلطانی) میلادِ اکبر ایک مطالعہ (ڈاکٹر نذیر فتح پوری) علمائے گھوسی کی نعت نگاری۔ بعد ازاں یعنی سب سے آخر میں صفحہ ۳۴۶ سے صفحہ ۴۰۰ تک، کل ۵۴ صفحات پر نعتیہ شعری تخلیقات ہیں۔ کتاب عمدہ کاغذ، بہترین روشنائی، خوبصورت سرورق سے مزین ہے۔ مدیر محترم کی تمام تر محنت یقیناً ہماری تحسین کی متقاضی ہے۔ اللہ، اس کتاب کو مدیرِ مکرم، سرپرست موصوف، نگرانِ اعلیٰ اور دیگر معاونین کی نجاتِ اخروی کا ذریعہ بنادے۔ آمین۔

امید تو قوی ہے کہ یہ سلسلہ ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے میں تبدیل ہو جائے گا کیونکہ یہ کام کسی دنیاوی لالچ یا غرض کے پیشِ نظر نہیں کیا گیا ہے بلکہ محبتِ رسول ﷺ ہی اس کام میں مقدم رہی ہے۔

فہیم بسمل (شاہ جہاں پور)

دبستانِ نعت: ایک مطالعہ

دبستانِ نعت کا اوّل شمارہ ڈاکٹر سراج احمد کی ادارت اور فیروز احمد سیفی کی نگرانی میں اشاعت کی منزل سے گزر کر منظر عام پر آیا ہے۔ جو حمد و نعت کی شعری و نثری تخلیقات کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس کا ورق ورق ایمان پرور خوشبوؤں کا مخزن ہے۔ یایوں کہیے کہ ایمان افروز خوشبوئیں بکھیر رہا ہے۔ مضامین لکھنے والے قلم کاروں نے اسلامیات سے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے جہاں خالق کائنات کی حمد بیان کی ہے وہیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی نعت بھی جذبہ ایمانی کے ساتھ بیان کی ہے۔ جذبے کی شدت ملاحظہ فرمائیں۔

ساری تعریفیں اگر سو ہیں خدا کے واسطے
ایک کم سو ہیں محمد مصطفیٰ کے واسطے

نثار امر و ہوی

مضامین کے عنوانات، مذکورہ شمارے کی حمد و نعت کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے لیے بھی کافی ہیں مثلاً ”کیا نعت صنفِ سخن ہے“، ”فنِ نعت اور نعت گوئی“، ”حدائقِ بخشش کے صنائعِ بدائع پر ایک نظر“، ”نعت ہماری شعری روایت“، ”نعت رسولِ مقبول ﷺ اور اس کا ارتقا“، یہ مضامین دبستانِ نعت میں گنجینہٴ نقد و نظر کے عنوان کے تناظر میں شائع کیے گئے ہیں۔ جو اپنے عنوان کے علمی وقار کو بلند رکھتے ہیں جس کا اظہار ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اپنے ادارہ میں بہت ہی عمدگی کے ساتھ کیا ہے اور دبستانِ نعت کو سجانے کے مقصد پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً ادارہ کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمائیں:

”مجلہ دبستانِ نعت“ ششماہی کا پہلا شمارہ آپ کے پیش نظر ہے۔ دبستانِ

نعت کا یہ گراں مایہ تحفہ پیش کرتے ہوئے ہمیں دلی مسرت کا احساس ہو رہا ہے۔ اس مجلے کو پیش کرنے کا ہمارا مقصد حمد و نعت کے فروغ و ارتقا کے حوالے سے ادبا و شعرا

اور محققین کی ان کاوشوں سے اہل علم کو روشناس کرانا ہے جو اب تک ناقدینِ ادب کی نگاہِ توجہ سے محروم رہی ہیں۔ آج بھی اُردو زبان و ادب کا گراں قدر سرمایہ مخطوطات کی شکل میں یونیورسٹیز اور دیگر کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ انھیں مخطوطات میں نعتیہ ادب کے گل سرسبد شعرا کے کرام کے مسودے اور بیاضیں بھی ہیں جن کو اب تک اہل علم کے درمیان متعارف نہیں کرایا جاسکا۔ ہماری کوشش ہے کہ ان تک رسائی کر کے منصفہ شہود پر لا کر اہل علم و فن کے درمیان متعارف کرایا جائے۔ جس سے نعت کی عظمت کی حیثی دلوں کو جگمگا دے۔ اور وہ اس عظیم فن کی جانب متوجہ ہو سکیں۔“

اداریہ کے یہ تقری الفاظ دبستانِ نعت کی اشاعت کے مقصد کو پوری طرح عیاں کر دیتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ دبستانِ نعت، حمد و نعت کے تخلیقی حوالے سے ایک مشن کی صورت میں کام کرے گا اور شعرا کو حمد و نعت کی تخلیق پر مائل کرے گا۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے جیسا کہ اداریہ میں تحریر کیا ہے کہ وہ دبستانِ نعت کو وسیلہ بنا کر ایسے مسودات کو بھی منظر عام پر لائیں گے جو آج تک اشاعت کے لمس سے محروم ہیں۔ اگر خدا کے فضل سے ڈاکٹر سراج احمد قادری کا یہ خواب تعبیر کی منزل میں قدم رکھنے میں کامیاب ہو گیا تو اسلامی شعریات کے گلشن پر یقیناً نئی بہار چھا جائے گی۔ کیونکہ اسلامی شعریات کے تعلق سے جتنا کام پرانے شعرا و ادبا نے کیا ہے اس کے مقابلے میں نئے فنکاروں کا کام تو نظر ہی نہیں آتا ہے۔ مجھے اُمید ہی نہیں یقین ہے کہ انشاء اللہ دبستانِ نعت کے اجرا کے ساتھ اس منظر میں کچھ تبدیلی ہوتی ہوئی نظر آنے لگے گی اور نئے لکھنے والوں کے دلوں کو اسلامی شعریات کے تخلیقی نور سے آباد کر دے۔ مذکورہ شمارے کے ادارے کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ چار سو صفحات پر پھیلے ہوئے شمارے کا تذکرہ صرف نو صفحات میں اس خوبی کے ساتھ کیا ہے کہ کوئی بھی ادبی اہم منظر اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا ہے۔ جسے ادارے کے ان الفاظ میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ”چنانچہ مشہور صوفی شاعر اور رعا شق رسول حضرت عبدالرحمن نور الدین جامی رحمۃ اللہ کے درج ذیل شعر پر ایک عمیق نظر ڈال کر دیکھیں کہ خود سپردگی کی کیا کیفیات ہیں۔ دنیا کا کوئی ذی شعور انسان اس کی صداقت پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا ہے۔“

جامی اگر یافتہ قبولِ غلامیت

غاشیہ بردوش در عنان تو بودے

دبستانِ نعت کے اشاعتی مقصد کو نظر میں رکھتے ہوئے علامہ جامی کے گوشے کو بھی دبستانِ نعت میں ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں ان کے تخلیق کردہ حمد و نعت کے بے مثل نمونوں کو بہت ہی

اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور رسولِ اکرم سے ان کی محبتوں کو مضامین کے پھولوں کی شکل میں اس طرح پرویا گیا ہے کہ ان کا حرف حرف توحید کی خوشبو سے مہک گیا ہے۔ جس میں تنویر پھول نے علامہ جامی کی نعتوں کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ ڈاکٹر سید یحییٰ شیط نے علامہ کی نعت نگاری کا جائزہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر رضوان انصاری نے ان کی شخصیت اور سیرت پر بہت ہی صادق انداز میں بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔ جو اس دور کے لوگوں کے لیے زندگی کا بہترین سبق کے مترادف ہے اور ڈاکٹر نور احمد ربانی نے علامہ جامی کے فارسی نعتیہ کلام کا اُردو ترجمہ کیا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ مذکورہ مضامین اور ان کے کلام نے گوشے کو خاصے کی چیز بنا دیا ہے۔

دبستانِ نعت میں غیر مسلم شعرا کی بھرپور نمائندگی کے طور پر ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی نے کرشن کمار طور کی حمد و نعت کے تعلق سے جو گفتگو کے چراغ روشن کیے ہیں ان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس شعری کائنات کے حوالوں میں غیر مسلم شعرا کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ مدیر نے مذکورہ شمارے کی انفرادیت کو شاہ کار بنانے کے لیے قلم کاروں کو عنوانات دے کر جو مضامین لکھوائے ہیں انھوں نے بھی دبستانِ حمد و نعت کو اہم بنا دیا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے ”میلادِ اکبر“ کے وجود کی اہمیت پر اصرار کر کے گزرے ہوئے وقتوں کی میلادِ خوانی کی یادوں کو ایک بار پھر سے تازہ کر دیا ہے۔

شعرا کی فہرست طویل ضرور ہے لیکن سب نے ہی اپنے قلم کے جوہر بہ حسن و خوبی دکھائے ہیں اور حمد و نعت کے باب کو اپنے ایمانی جذبوں کے نور سے اس طرح منور کیا ہے کہ دلوں کی سیاہیاں مطالعہ کے دوران منہ چھپانے کے لیے جاے اماں ڈھونڈتی نظر آتی ہیں اور آنکھیں اپنے شفاف آنسوؤں سے دلوں کے منظروں کو پھر سے جگمگا دیتی ہیں اس لیے دبستانِ نعت کو ہر گھر میں ہونا چاہیے۔

کیا ہی اچھا ہوتا ہے کہ اس میں اسلامیات سے متعلق اہم کتابوں کے اشعار دیے جاتے اور نئے حمد و نعت کے مجموعات پر تبصرے بھی شائع کیے جاتے۔ چونکہ یہ سفر کا آغاز ہے اس لیے مجھے قوی امید ہے کہ آئندہ تمام گوشوں پر کام کیا جائے گا کیونکہ اس کے حوالے سے حمد و نعت کا تخلیقی سلسلہ دراز ہوتا ہی رہے گا بہر حال ڈاکٹر سراج احمد قادری اور محترم فیروز احمد سیفی نے دبستانِ نعت کو اسلامی شعریات اور ذکر روایات و حکایات سے اس طرح سجا سنوار کر پیش کیا ہے کہ اُردو والے دعائیں کر رہے ہیں کہ خدا اس محلے کو رہتی دنیا تک قائم رکھنا کیونکہ یہ تیرا اور تیرے محبوب کا قصیدہ خواں ہے۔ (آمین)

آخر میں چند پسندیدہ نعتیہ اشعار کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

حضورِ شبہ بحر و بر جانے والے
لیے جا ہماری نظر جانے والے

زائرِ حرم حمید صدیقی

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے

سید صبیح رحمانی

صفت ان کی حامد بے نوا جو بیاں کرے بھی تو کیا کرے
کوئی آج تک نہ سمجھ سکا جو نبی کا عز و وقار ہے

حامد امر و ہوی

توفیق تیری فکر میں شامل نہ ہو اگر
میری ہے کیا بساط ہی جو کھل سکے دہن

ولی اللہ ولی عظیم آبادی

یہ زمین و زماں یہ مکین و مکاں یہ مہ و مہراں جن کے لیے
اُس نبی کی ولادت کے موقع پہ ہم کیوں نہ اپنے گھروں میں جلائیں دیے
اجمل سلطان پوری

یقین کامل ہے شرطِ اولِ خلوصِ دل سے پکار دیکھو
اگر ہوں مشکل کشا نبی تو کوئی بھی مشکل بڑی نہیں ہے

قاضی اسد ثنائی

آپ کا نام ہے بس وجہ سکونِ بیمار
آپ کا ذکر ہی بس راحتِ جاں ہوتا ہے

اسرار رازی

دروِ پاک کا یہ مشغلہ بھی خوب کام آیا
کہ دنیا خیر و برکت کی ہمارے گھر چلی آئی

رباب رشیدی

کیوں لب پہ سوال آئے مرے بخیہ گری کا
سرکار ہیں مینار وسیع النظری کا

قاسم جیبی

مشغول جب سے نعتِ شہ انبیا میں ہوں
محسوس ہو رہا ہے جوارِ خدا میں ہوں

ڈاکٹر تابش مہدی

مرے احساس پر وہ چھا گئی ہے
مدینے کی فضا یاد آگئی ہے

فراز فتح پوری

عظمت مرے حضور کی دیکھو کہ کیا ہیں آپ
بعد از خدا بزرگ ہیں اور مصطفیٰ ہیں آپ

نثار احمد راہی فتح پوری

ہو کے اُمی لقب زمانے میں
منج علم جامعات ہیں آپ

مفتی توفیق احسن برکاتی (مہمبی)

دبستان نعت: ایک جائزہ

صنف نعت یک موضوع رہتے ہوئے بھی حد درجہ متنوع، ہمہ رنگ، مشکل تر اور بہتر صنف سخن ہے جو شعر کی تمام ہیئتوں میں پیش کی جاسکتی ہے۔ اس کا موضوع اگرچہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن اس ایک ذات میں اتنے بلند ترین اوصاف و کمالات جمع ہیں کہ کما حقہ ان سب کا احاطہ ناممکن امر ہے۔ یہی ہمہ جہتی صنف نعت کو ہمہ رنگ بنا دیتی ہے اور اس سے تحقیق، تنقید، تدوین، تذکرہ اور تجزیہ جیسی کئی اصنافِ نثر متعلق ہو جاتی ہیں۔ امام نعت گویاں امام احمد رضا قادری قدس سرہ حد درجہ ثنا خوانی اور نعت گوئی کے باوصف یہ کہتے نظر آتے ہیں:

اے رضا خود صاحبِ قرآن ہے مدارِ حضور

تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

نعت گوئی کا یہ سلسلہ عہد رسالت تک دراز نظر آتا ہے جس کا سراغ حضور اکرم ﷺ کے چچا ابوطالب کے ان اشعار میں پوشیدہ ہے جو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایام طفلی میں کہے گئے تھے، جس کا ایک مشہور شعر یہ ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهہ

ثم الیتمیٰ، عصمة للارامل

خود مدروح کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو استحسان کی نگاہ سے ملاحظہ فرمایا ہے۔ صحیح البخاری کتاب الاستسقاء میں کئی احادیث میں یہ شعر موجود ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ابوطالب کا یہ پورا کلام شامل کیا گیا ہے۔ مختلف اوقات میں جماعت صحابہ کے عربی شعرا بشمول حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ وغیرہم نے جس شان و شوکت سے ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نعتیہ شاعری کا حصہ بنایا اس کی ایک مستقل تاریخ ہے۔ گویا نعت نگاری سنتِ

صحابہ ہوئی، نعت گوئی کا یہ سلسلہ عہدِ صحابہ سے آج تک دراز ہے اور قیامت تک منقطع ہونے والا نہیں ہے۔ مشکل رہتے ہوئے بھی ہر درمند ایمان والا اس سلسلۃ الذہب سے خود کو جوڑنا باعثِ فخر سمجھتا ہے اور خوب خوب کہنے کے بعد یہ کہہ کر قلم روک لیتا ہے:

لایمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

عربی نعت نگاری کا رنگ شیخ سعدی اور علامہ جامی وغیرہ پر چڑھا تو فارسی زبان مالا مال ہوئی اور فارسی سے اردو زبان کو یہ حسن و جمال میسر آیا تو زبانِ اردو میں کہی گئی نعتیں دلوں میں محبتوں کا قندیل روشن کرنے لگیں۔ برصغیر ہند و پاک کے علاوہ اردو کی نئی بستیوں میں رہائش پذیر شعرا بھی اس کے حسن پر فریفتہ ہوئے اور اب اتنی مقدار میں نعتیہ نعمات کہے جانے لگے کہ ہر سال سیکڑوں کی تعداد میں نعتیہ مجموعے شائع ہو رہے ہیں اور محافل میں ان کا زور قائم ہے۔

نعت گوئی کے ساتھ تنقیدِ نعت اور تفہیمِ نعت کی اہمیت بھی فزوں تر ہو جاتی ہے کیوں کہ اس کے بغیر اچھی نعت کہی ہی نہیں جاسکتی۔ چوں کہ نعت میں وہی مضامین برتے جاسکتے ہیں جو شانِ رسالت سے ہم آہنگ ہوں، بے جا مبالغہ آرائی یا تقصیرِ شان پر مبنی خیال کی یہاں بالکل ہی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں ذاتِ محمدی، عظمتِ رسول، شمائل و خصائلِ نبوی، سیرت کے مہتمم بالشان کارنامے، نبوی معجزات، نبوی کمالات، اختیاراتِ نبوت اور اعلیٰ ترین اوصاف ہی نعت میں منظوم کیے جاسکتے ہیں اور وہ بھی مکمل حدود کی رعایت کے ساتھ۔ ایسی مبالغہ آمیزی کہ شرک و تو حید سے ہم رشتہ ہو جائے نعت میں کسی طرح گوارا نہیں کی جاسکتی اور ایسی تقصیر کہ ذاتِ رسول عام سی دکھائی دینے لگے یہ بھی ناقابلِ برداشت ٹھہرے گی۔ اس لیے تنقیدِ نعت کی اہمیت مسلم ہو جاتی ہے۔ نعت کی تاریخ، نعت گو شعرا کے تذکرے، نعتوں کا انتخاب، تدوین، نعت شناسی اور بھی بہت کچھ دبستانِ نعت میں سمائے ہوئے ہیں اور یہ سب وقتاً فوقتاً منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں۔

ہندستان کے بالمقابل پاکستان میں نعت شناسی اور تفہیمِ نعت کا یہ سلسلہ طویل عرصے سے جاری ہے جس میں چند ممتاز محققینِ نعت کی ادبی کاوشیں کافی پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ نور احمد میرٹھی، راجہ رشید محمود، طاہر سلطانی، ابوالخیر کشفی، عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری، صبیح رحمانی، عزیز احسن وغیرہ پاکستانی محققین کا نام اس وقت ذہن میں آ رہا ہے اور ہندوستانی محققین میں سید شمیم

گوہر، طلحہ رضوی برق، صابر سنبھلی، فاروق احمد صدیقی، ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر یحییٰ نشیط، سراج احمد بستوی، حلیم حاذق، شرر مصباحی، امجد رضا امجد، مشاہد رضوی اور غلام ربانی فدا کا نام لیا جاسکتا ہے جو نعت نگار بھی ہیں اور ناقدینِ نعت بھی۔ پاکستان میں تو ایک زمانے سے باقاعدہ حمد و نعت کے مستقل رسائل شائع ہو رہے ہیں جن میں نعت رنگ، سفیر نعت، حمد و نعت، فروغ نعت وغیرہ جرائد کو خصوصی مقام و شہرت حاصل ہے۔ ہندوستان میں صرف موضوع نعت و حمد کو اجالتے جرائد نہ کے برابر ہیں۔ مولانا غلام ربانی فدا کرناٹک سے ششماہی جہان نعت نکالتے ہیں اور اب سنت کبیر نگر۔ یوپی سے ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں ’دبستانِ نعت‘ کا آغاز ہو رہا ہے البتہ نعتیہ شاعری کے آغاز و ارتقاء پر انڈیا میں کچھ کتابیں ضرور طبع ہوئی ہیں مگر وہ انفرادی کوششیں ہیں یا یونیورسٹی میں پیش کیے گئے پی، ایچ، ڈی اور ایم فل کے مقالات جنہیں بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ ایسے میں شش ماہی ’دبستانِ نعت‘ کی اشاعت ایک گونہ طمانیت بخشی ہے جو پروفیسر سید حسین احمد سجادہ نشین خانقاہ دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ کی سرپرستی اور فیروز احمد سیفی۔ نیویارک کی نگرانی میں شائع ہوا ہے۔

’دبستانِ نعت‘ حمد و نعت پر مشتمل ایک تحقیقی و تنقیدی جریدہ ہے جس کا پہلا شمارہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء چار سو صفحات کو محیط اس وقت راقم کے پیش نگاہ ہے۔ نعت و حمد کے موضوع پر تحقیقی، تاریخی و تنقیدی و تجزیاتی مقالات کے ساتھ عاشق رسول حضرت علامہ جامی علیہ الرحمہ کا ایک مختصر گوشہ بھی شامل ہے اور اس جریدے کا انتساب بھی انھیں کے نام ہے۔ مدیر جریدہ ڈاکٹر سراج احمد قادری خود ایک ممتاز ناقد و محقق ہیں۔ ان کے تحقیقی و تنقیدی مضامین ہند و پاک کے مؤقر جرائد میں جگہ پارہے ہیں۔ نعت رنگ کراچی میں انھوں نے مستقل لکھا ہے۔ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی، ایچ، ڈی کی سند پائی ہے اس لیے تحقیقی و تنقیدی نعت ان کے مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔ ’دبستانِ نعت‘ کا اجرا اسی مزاج کا پرداختہ ہے۔ ادارہ کے علاوہ یہ جریدہ چھ مستقل کالموں سے سجا ہوا ہے اور اس کا ساتواں حصہ ’گوشہ علامہ جامی‘ ہے۔ ادارتی تحریریں ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اس مجلے کے اجرا کی وجوہات پر روشنی ڈالی ہے جس میں ان کا درِ دل اور جذبہ پر خلوص صاف دکھائی دیتا ہے۔ لکھتے ہیں:

’اس مجلے کو پیش کرنے کا ہمارا بنیادی مقصد حمد و نعت کے فروغ و ارتقاء کے

حوالے سے ادب، شعر اور محققین کی ان کاوشوں سے اہل علم کو روشناس کرانا ہے جواب

تک ناقدینِ ادب کی نگاہ شوق سے محروم رہی ہیں۔ آج بھی اردو زبان و ادب کا گراں قدر سرمایہ مخطوطات کی شکل میں یونیورسٹیز اور دیگر کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ انھیں مخطوطات میں نعتیہ ادب کے گل سرسبد شعرا کے کرام کے مسودے اور بیاضیں بھی ہیں جن کو اب تک اہل علم کے درمیان متعارف نہیں کرایا جاسکا۔ ہماری کوشش ہے کہ ان تک رسائی کر کے مصنف شہود پر لا کر اہل علم و فن کے درمیان متعارف کرایا جائے جس سے کہ نعت کی عظمت کی حیوتی ان کے دلوں کو جگمگا سکے اور وہ اس عظیم فن کی جانب متوجہ ہو سکیں۔“ (ص ۹)

آگے انھوں نے اور بھی قیمتی تاریخی حقائق پیش کیے ہیں جن کا تعلق نعت، تحقیقِ نعت اور تنقیدِ نعت سے ہے اور پھر موجودہ اربابِ تنقید کو دعوتِ فکر دی ہے۔ ابواب کا تعارف اور ان میں شامل اہم مقالات کا مختصر جائزہ بھی شامل ادارہ ہے جس کی وجہ سے پورے جریدے کا اجمالی خاکہ ذہن میں بیٹھ جاتا ہے۔ ابواب یہ ہیں:

”تحمید و تقدیس، گنجینہ نقد و نظر، رحمتِ بیکراں، مقالات، گوشہ علامہ جامی،

گلہائے عقیدت، پیامِ مدحت۔“

تحمید و تقدیس اور گلہائے عقیدت میں نعتیہ و حمدیہ نغمات کو جگہ دی گئی ہے اور پیامِ مدحت میں اہل علم کے مکاتیب رکھے گئے ہیں، بقیہ ابواب میں مضامین و مقالات درج ہیں۔ گنجینہ نقد و نظر میں پانچ مضامین ہیں: کیا نعت صنفِ سخن ہے؟ (ڈاکٹر سید حسین احمد)، فنِ نعت اور نعت گوئی (ڈاکٹر سید خسرو حسینی)، حدائقِ بخشش کے صنائعِ بدائع پر ایک اور نظر (ڈاکٹر صابر سسنبھلی)، نعت اور ہماری شعری روایت (ڈاکٹر عزیز احسن) نعت رسول مقبول اور اس کا ارتقا (ساجد حسین امر و ہوی)۔

ڈاکٹر سید حسین احمد کا موقف جو ان کے مضمون کے مطالعے سے سامنے آتا

ہے وہ یہ ہے کہ نعت صنفِ سخن نہیں بن سکتی کیوں کہ نہ اس کی ہیئت اور فارم متعین ہے

نہ اجزائے ترکیبی۔ جس طرح غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور رباعی کا فارم مقرر ہے

اور اس کے اجزائے ترکیبی بھی متعین ہیں، اصناف کی مختلف مثالوں سے اپنی بات کو

مؤثق کرتے ہوئے اخیر میں رقم طراز ہیں: ”جس طرح اردو اور فارسی شاعری کا بڑا

حصہ صوفیانہ اشعار پر مشتمل ہے لیکن اسے صنفِ سخن کا درجہ حاصل نہیں، ٹھیک اسی

طرح نعتیہ شاعری مضامینِ سخن میں سے تو ہے لیکن صنفِ سخن نہیں۔“ (ص ۲۲)

یہ سچ ہے کہ اسلافِ ادب نے نعت کو صنف کا درجہ نہیں دیا ہے لیکن بعد کے ناقدین و محققین ادب نے اسے مستقل صنف کا درجہ دیا ہے اور اس پر بحثیں کی ہیں اس لیے یہ موقف مکالمے اور نئی بحث کا آغاز کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر سید خسر حسین کا مقالہ ”فنِ نعت اور نعت گوئی“ اپنے موضوع پر ایک جامع اور معلومات افزا مقالہ ہے اور تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ مقالہ نگار نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے پیش کیا ہے۔ حصہ اول میں فنِ ادب، فنِ شعرا، عہدِ جاہلیت اور شعراے اسلام اور شعر پر اپنی تحقیقات لکھی ہیں اور حصہ دوم میں نعت کے لفظی اور اصطلاحی معنی و مفہوم، احکامِ نعت، موضوعِ نعت، مضامینِ نعت، احکامِ نعت گو، اور نعت گوئی کے لوازمات و مقتضیات زیر بحث آئے ہیں۔ نعت گوئی میں حفظِ مراتب کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے۔ ساتھ ہی طریقہٴ خطاب و انتخابِ الفاظ میں حسن و ضبط اور پاکیزگی لازم ہے۔ حفظِ مراتب کے ذیل میں مقالہ نگار نے ایک جگہ ممتاز حسن کا یہ قول نقل کیا ہے:

”خدا اور بندے کا فرق اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے، رسول کی بشریت پر قرآن نے اور خود رسول نے بار بار زور دیا ہے۔ قل انما انا بشر مثلكم اور ما عرفناك حق معرفتك اس پر شاہد ہیں۔“ مقالہ نگار نے ممتاز حسن کے قول پر یہ کمیٹ کیا ہے: ”بشر مثلكم پر تو بہت کچھ کہا جاسکتا ہے، یہاں ہم صرف اتنا کہیں گے کہ کسی بھی چیز کی مثل اصل (محمد) جیسی نہیں ہو سکتی، اصل اور مثل میں نمایاں فرق ہے۔“ (ص: ۵۱)

یہاں رک کر تبصرہ نگار یہ کہنا چاہتا ہے کہ عام طور پر ناقدینِ نعت ”قل انما انا بشر مثلكم“ کو اتنا ہی بیان کرتے ہیں اور ”یوحی الی“ اسی سے بالکل متصل حصے کو چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ ضابطے کے تحت مکمل آیت پیش کرنی چاہیے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو ”یوحی الی“ کے حقائق سے آراستہ کر کے نمایاں کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس استدلال کی روشنی میں ناقدین کے مخاطب وہ لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو رسول کی بشریت کے منکر ہیں اور میری معلومات کی حد تک اس وقت دنیا میں شاید ہی کوئی ہو جو ”بشریتِ مصطفیٰ“ کا انکار کرتا ہو پھر ایسے کسی گروہ کو مخاطب کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ تیسری بات یہ کہ ممتاز حسن کی تحریر کا یہ

جملہ ثبوت و شواہد کا متقاضی ہے: ”رسول کی بشریت یہ قرآن نے اور خود رسول نے بار بار زور دیا ہے۔“ تبصرہ نگار سوال کرتا ہے کتنی بار قرآن میں اور کتنی بار رسول نے اس پر زور دیا ہے؟۔ ”بار بار“ کی بار بار تکرار سے یہ ناقد کیا نتیجہ نکالنا چاہ رہے ہیں؟ ہم جانتے ہیں کہ خدا، خدا ہے اور رسول، رسول ہیں اور دونوں ذاتوں میں حفظ مراتب کا خیال رکھنا ایمانی تقاضا ہے لیکن اس کے ثبوت کے لیے: ”قل انما انا بشر مثلكم“ (”یوحیٰ الی“ سے صرف نظر کر کے) جیسی آیت ہی پیش کرنا لازم ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہم بشریت مصطفیٰ کو اپنی تمام تر بصیرت و بصارت کے باوجود مکمل حق سمجھ نہیں سکتے۔ نبوت و رسالت کے بقیہ اوصاف و امتیازات مصطفیٰ کی وضاحتوں کی روشنی میں بھی تو حفظ مراتب کا عقدہ حل کیا جاسکتا ہے۔ جہاں خدا اور بندے کا فرق اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے وہیں رسول اور امتی کا فرق بھی اسلامی حقیقت ہے، اس پر بھی غور کرنا ہمارا ایمانی و ادبی فریضہ ہے۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی نے امام نعت گویاں امام احمد رضا قادری کی نعت گوئی پر مستقل مضامین تحریر کیے ہیں۔ زیر نظر مضمون حدائقِ بخشش کے صنائع و بدائع پر ایک اور نظر، ایک الگ جہت سے روشنی ڈالتا ہے، اس کا تعلق فنی خوبیوں کی نشان دہی اور امام احمد رضا کی قادر الکلامی سے ہے جو بلاغت کے کئی ابعاد روشن کرتا ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن پاکستان کے محققین نعت میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، تحقیق و تنقید نعت پر قیمتی مقالات کے ساتھ مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ نعت اور ہماری شعری روایت پر یہ مختصر مضمون ایک جائزہ ہے جس میں تحقیق کا پہلو کم اور تجزیے کا پہلو زیادہ ہے۔ اسی باب میں مرزا ساجد حسین امر وہوی کا مضمون نعت رسول مقبول اور اس کی ارتقا کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے جس میں نعت گوئی کی تاریخ مختلف ادوار کی وضاحت کے ساتھ مع مثال پیش کی گئی ہے۔ اشعار کا انتخاب بھی خوب ہے۔

باب سوم رحمت بیکراں میں شامل دونوں مضامین ”عصر حاضر کے بلند قامت غیر مسلم نعت گو شاعر حضرت کرشن کمار طور“ (ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی) اور ”ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعرہ“ (فیروز احمد سیفی) باب چہارم کے مقالات میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ دونوں مضامین الگ باب میں کیوں آگئے؟ مرتب نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔ پہلے مضمون کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرتب کے الفاظ میں: ”میگزین کا نصب العین غیر مسلم نعت گو شعرا، خواتین نعت گو شعرا کی نمائندگی کو ترجیح دے کر اردو ادب میں ان کا جائز مقام و

مرتبہ دلانا بھی ہے۔‘ (ص ۱۳) اس لیے ایک علاحدہ باب متعین کر دیا گیا ہے لیکن دوسرے مضمون پر سوال کھڑا ہو سکتا ہے۔

اس جریدے کا ایک اہم باب ’’مقالاتِ نعت‘‘ ہے جس میں مختصر اور طویل تیرہ مضامین و مقالات شامل ہیں، عنوانات یہ ہیں:

حرف آرزو (منیر احمد ملک)، ناعت پر فیضانِ منعوت (قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری)، انسان کامل ﷺ کا ذکر خیر (سید اقبال حیدر)، مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ (ڈاکٹر عزیز احسن)، طاہر سلطانی کے نعتیہ کلامِ نعتِ روشنی کا تنقیدی مطالعہ (محسن اعظم لیخ آبادی)، غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ (طاہر سلطانی)، میلاد اکبر: ایک مطالعہ (ڈاکٹر نذیر فتح پوری)، نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر (علیم صبا نویدی)، مقبول بارگاہ رسالتِ نعت گو شاعر رؤف امر وہوی (صابر سنبھلی)، اعجازِ کامٹوی کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی)، علمائے گھوسی کی نعت نگاری (ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی)، مولانا فروغ احمد اعظمی اور ان کی نعتیہ شاعری (مولانا نور الہدی مصباحی) اور نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر (مولانا وصال احمد اعظمی)۔

چند کو چھوڑ کر بقیہ مضامین نئی بحثوں پر مشتمل ہیں اور انھیں مقالاتِ نعت میں شامل رہنے کا حق ہے۔ علیم صبا نویدی تحقیق و تنقید اور شعر و شاعری کا بڑا نام ہے مگر ان کا مضمون نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر کافی ہلکا بھلکا دکھائی دیتا ہے اور اس کا موضوع باب دوم سے میل کھاتا ہے۔ منیر احمد ملک، عزیز احسن، طاہر سلطانی، صابر سنبھلی، مشاہد رضوی، شکیل اعظمی، نور الہدی مصباحی اور وصال اعظمی کے مقالات میں تحقیق کے ساتھ تجزیے اور تنقید کا پہلو موجود ہے جن میں طاہر سلطانی کا ’’غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ‘‘ اور شکیل احمد اعظمی کا ’’علمائے گھوسی کی نعت نگاری‘‘ کافی مبسوط اور تاریخی حقائق کا ترجمان ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی نے ممتاز نعت گو شاعر محترم رؤف امر وہوی پر مشاہداتی و مطالعاتی گفتگو کی ہے اور ان کی نعتیہ شاعری کے امتیازات گنوائے ہیں۔ رؤف امر وہوی اپنے دولت کدے پر ہفتہ وار نعت خوانی کی بزم منعقد کرتے تھے، بعد نماز جمعہ یہ محفل جمتی تھی، آپ سرکاری اسکول میں مدرس تھے، حافظ قرآن تھے، جگر مراد آبادی سے شرف تلمذ رکھتے تھے، ہفتہ وار منعقد ہونے والی بزمِ نعت خوانی کے تمام اخراجات وہ خود ادا کرتے تھے اور جب سے نعت خوانی کا یہ ہفتہ وار پروگرام شروع ہوا تھا کسی مجبوری یا

ناگزیر وجہ سے اس کا ایک بھی پروگرام ناغہ نہیں ہوا۔ رؤف امر وہوی کے شعری مجموعے ”گل رنگ تخیل“ میں شامل پروفیسر نثار احمد فاروقی کے پیش لفظ سے پتہ چلتا ہے: ”اس باون سال میں اندازہ ہے کہ دو ہزار چھ سو باون نشستیں اس کی ہو چکی ہوں گی۔“ (ص: ۱۰)

یہ بہت بڑی سعادت ہے جو کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ اسی وجہ سے مقالہ نگار نے ”مقبول بارگاہ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؤف امر وہوی مرحوم“ کے عنوان سے یہ مقالہ تحریر کیا ہے۔ حضرت رؤف امر وہوی کے تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ گل رنگ تخیل کے علاوہ لُحْظِ محامد اور کوثرِ رحمت، لُحْظِ محامد اور کوثرِ رحمت تقدیسی شاعری پر مشتمل ہیں اور اول الذکر مجازی کلام ہے۔ لُحْظِ محامد کے مطالعے کے وقت ڈاکٹر صابر سسنبھلی کے نہاں خانے میں رؤف امر وہوی کے درج ذیل شعر کا خیال محفوظ ہو گیا تھا:

رؤف ان کی غلامی میں بس اتنی فکر ہے مجھ کو
کہیں وہ یہ نہ کہہ دیں ہم تجھے آزاد کرتے ہیں
مقالہ نگار جب اپنا نعتیہ دیوان ”دیوان صابر“ مکمل کر رہے تھے تو ایک شعریہ بھی تحریر کیا تھا اور وہ دیوان نعت میں شامل بھی ہے:

با ادب ہیں حاضر در ہم غلامانِ حضور
جو بھی چاہیں دیں مگر درکار آزادی نہیں
مقالہ نگار ڈاکٹر صابر سسنبھلی لکھتے ہیں: ”اگرچہ اب تک کسی نے نہ تو ٹوکا ہے اور نہ
اعتراض کیا ہے مگر میں خود اعتراف کرتا ہوں کہ یہ مضمون اصل میں رؤف صاحب کا ہی ہے
جس نے ایک مدت بعد میرے شعر کا روپ لے لیا، ورنہ میرے ذہن کی رسائی شاید یہاں
تک نہ ہوتی۔“ (ص: ۱۹۶) اس اعترافِ نارسائی اور شرمندگی کے بعد لکھتے ہیں کہ میں
”دیوان صابر“ کی دوسری اشاعت میں اپنے اس شعر کو خارج کردوں گا اور جس کے پاس یہ
دیوان ہے وہ اس شعر کو قلم زد کر دیں۔“

یہ بہت بڑی بات ہے جو صابر سسنبھلی جیسے کیاب حق گو یوں اور معترفین کے قلم سے نکلی ہے
ورنہ ارباب شعر وہ گل کھلاتے ہیں کہ ”توارد“ کیا، ”سرقہ“ بھی سرپیٹتا رہ جاتا ہے۔
”گوشہ جامی“ میں معروف نعت گو شاعر تنویر پھول امریکہ کا مضمون ”علامہ جامی کی دو مشہور
نعتیں“، ڈاکٹر یحییٰ فیض پور نے کا ”مولانا جامی کی نعت نگاری“ اور ڈاکٹر رضوان انصاری کا ”

حضرت عبدالرحمن جامی: نادر زورگار شخصیت“ شامل کیا گیا ہے۔ اسی گوشہ کا ایک اہم حصہ علامہ جامی کے فارسی نعتیہ کلام کا اردو ترجمہ بھی ہے جسے ڈاکٹر نور احمد ربانی کی کتاب ”کشف العرفان“ سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ کل اکتیس نعتیہ کلام ہیں اور سب انتخاب ہیں۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط اور ڈاکٹر رضوان انصاری کا مقالہ حاصل گوشہ ہے جس کے مطالعے سے علامہ جامی کی نعتیہ شاعری اور ان کی علمی و قلمی خدمات کے مختلف گوشے سامنے آتے ہیں۔ ناقدین نعت کا عام رویہ ہے کہ جب وہ گزشتہ صدی یا موجودہ نعت گو شعرا کے نعتیہ سرمائے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو استمداد، استعانت، شفاعت طلبی، اختیاری حقائق اور مراسم اہل سنت کے مضامین و خیال کی موجودگی کو غلط نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یک رخ تنقید کر کے قلم کو زخمی کر ڈالتے ہیں۔ بسا اوقات الزام کفر و شرک یا شائے کفر تک پہنچ جاتے ہیں لیکن ان کا یہی رویہ اس وقت تحسین آمیز ہو جاتا ہے جب اسی طرز کا مضمون و خیال اسلاف شعرا کی شاعری میں انھیں دکھائی دیتا ہے۔ علامہ عبدالرحمن جامی علیہ الرحمہ کا سن ۱۲۱۴ء اور سن وفات ۱۲۹۵ء ہے، ہجری اعتبار سے ۸۱۷ھ میں ولادت اور ۸۹۸ھ میں وفات ہوئی گویا آپ نویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط نعتیہ شاعری کے لوازمات پر گفتگو میں احتیاطی تدابیر کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

”بعض اوقات عقیدت کا یہ غلو حد و شرعیہ کو پھلانگ جاتا ہے اور عقیدت کے

مبالغے میں شان الوہیت میں استخفاف کا پہلو نکل آتا ہے اسی لیے اکثر عقیدت

مندان رسول اور صوفی شعرا نے حب رسول کے اظہار کے لیے اپنے نعتیہ کلام میں

احتیاط برتی۔ جامی کا شمار ایسے ہی محتاط شعرا کے سلاسل میں ہوتا ہے۔“ (ص: ۲۸۲)

عقیدت میں غلو اور عقیدت میں مبالغہ کی چند مثالیں بیان بھی کی ہیں۔ ان میں مسئلہ امتناع النظر، آقا و مولیٰ، بگڑی بنانے والے، ذات اول و آخر، ظاہر و باطن، دیدار خداوندی سے مشرف، عالم غیب جیسے تراکیب کو نمایاں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”انھیں یا ان جیسی تراکیب کو اوصاف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں شمار کر لیا گیا ہے۔“ لیکن علامہ جامی کی نعتیہ شاعری کا تجزیہ کرتے وقت کئی مقام ایسے ضرور آئے ہوں گے جہاں ڈاکٹر یحییٰ نشیط کو اپنا یہ احتیاطی بیان بار بار یاد آیا ہوگا مگر تحسین آمیز روشنائی میں قلم کو ڈبو کر وہ اسے جامی کے فکر و فن کا کمال کہتے ہیں چاہے وہ مضمون و خیال وہی ہو جس کا اوپر انھوں نے تذکرہ کیا ہے، آخر اس دورگی کی وجہ کیا ہے؟ یہی ناکہ یہاں معاملہ علامہ جامی کا ہے جن کا شمار محتاط شعرا کے سلاسل میں ہوتا ہے۔ یقین نہ آئے تو

ڈاکٹر یحییٰ شیط کے یہ جملے پڑھ لیں:

”جامی نے ایک نعت گنہ گاروں کی شفاعت طلبی میں رقم کی ہے۔ اس میں تضرع والحاہ اوج پر دکھائی دیتا ہے۔ شاعر کی بے بسی، بے کسی کے احساس میں اضطراب و بے قراری کی جھلک نمایاں ہے۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استمداد اور شفاعت کی امید میں تڑپ بھی شامل ہے اور اسی اضطراب کی کیفیت کے ساتھ کہتے ہیں۔“ (ص: ۲۸۴)

”یا رسول اللہ جیسی ترکیب کی مخالفت میں زمین و آسمان ایک کر دینے والے ناقدین علامہ جامی کے اس کلام کے متعلق کیا فتویٰ دیں گے جس کے ہر آخری مصرع میں یہ ترکیب موجود ہے؟
تم فرسودہ جاں پارہ ز ہجراں یا رسول اللہ
دل پر درد آوارہ ز عصیاں یا رسول اللہ!
یہ پورا کلام نقل کرنے بعد ڈاکٹر یحییٰ شیط لکھتے ہیں:

”مذکورہ بالا نعتیہ اشعار میں جامی کا تضرع، فراق، شوق، حضوری، دل رنجوری، بے بسی، خوف گناہ اور شفاعت کی آس تمام کیفیات جمع ہو گئی ہیں۔ حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اشعار میں جھلک پڑتا ہے، یقیناً جامی کی نعتیہ شاعری کبھی بھی صرف نظر کا شکار نہ ہوگی اور حب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع دوسروں کو بھی روشن کرتی رہے گی۔“ (ص: ۲۸۶)

ڈاکٹر رضوان انصاری کے مقالے میں علامہ جامی کی شخصیت، سوانحی پہلو، علمی و قلمی خدمات کو فوکس کیا گیا ہے اور مثالوں کی روشنی میں ان کے افکار زیر بحث لائے گئے ہیں اور ان کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ عبد الرحمن جامی کی بلند پایہ ذات اور ان کی متصوفانہ و عاشقانہ شاعری عہد آفرین فکریات رکھتی ہے اور اس کے معنوی ابعاد میں فکر و فن کی لاتعداد جہتیں پوشیدہ ہیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں نکال کر اہل علم تک پہنچایا جائے اور ان پر تحقیق و تنقید کی جائے۔ ان کی فارسی شاعری زبان و ادب کا قیمتی سرمایہ ہے اور ان کے افکار و خیالات تصوف و عشق کا بیش بہا خزانہ ہیں جس کی چمک دمک آج بھی باقی ہے اور دل و دماغ کو روشن کر رہی ہے۔ ”گوشہ جامی“ گو کہ مختصر ہے مگر یہ دونوں مضامین تشنہ ہی سہی، فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔

شش ماہی ”دبستان نعت“ کا یہ پہلا شمارہ، لگتا ہے کافی عجلت میں ترتیب دیا گیا ہے اس

لیے پروف کی خامیاں قدم قدم پر اختلاج کا سبب بنتی ہیں۔ چند جگہوں پر قرآنی آیات بالکل غلط کمپوز ہوئی ہیں جسے کسی طرح روا نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ جب نعتیہ شاعری ادب کا حصہ ہے تو اس کے باطنی حقائق کے ساتھ ظاہری لباس بھی نکھر استھرا ہونا چاہیے اور نعت پر جو مضامین و مقالات تحریر کیے جائیں ان میں ادبی زبان اور قواعد انشا و املا کی رعایت بھی ضروری ہے ورنہ اس کے تقدس کو زک پہنچے گی۔ ’دبستانِ نعت‘ کے کچھ حصوں میں یہ غفلت دکھائی دیتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ شماروں میں ان گزارشات پر دھیان دیا جائے گا۔ اخیر میں ’دبستانِ نعت‘ کی پوری ٹیم اور جملہ مقالہ نگاران و شعرا کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ ان کی اجتماعی کوششوں سے یہ چشمہ علم و ادب ہم جیسے تشنہ علموں کی سیرابی کا سامان کر رہا ہے اور شائقینِ نعت سے گزارش ہے کہ وہ اس جریدے کو خرید کر اپنی یادداشت کا حصہ بنالیں اور اپنی لائبریری میں محفوظ کر لیں۔

مدیر سے رابطہ: 09415875761



طاہر حسین طاہر سلطانی (کراچی)

دبستانِ نعت پر ایک نظر

جناب ڈاکٹر سراج احمد بستوی صاحب
محترم فیروز احمد سیفی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ آپ حضرات کی عقیدت و محبت اور خلوص کا آمینہ ”دبستانِ نعت“ (ششماہی) موصول ہوا۔ دل کے آگن میں، سبحان اللہ سبحان اللہ کی صدائیں گونجنے لگیں۔ آپ دونوں صاحبان اور اس شمارے میں لکھنے والے تمام ہی اہل علم و قلم کے لیے قلب کے ہر گوشے سے دعائے خیر کے کلمات زبان پر آ گئے۔ اللہ عز و جل، حضور پر نور آنحضرت ﷺ کے طفیل آپ کی سعی کو قبول و منظور فرما پے۔ (آمین)

”دبستانِ نعت“ کے پہلے شمارے کے مشمولات کو دیکھنے کے بعد یہ کہنے میں کوئی تاثر نہیں کہ آپ نے اردو نعتیہ ادب کو ایک یادگار و شاندار اور معیاری رسالہ ”دبستانِ نعت“ کی شکل میں دیا ہے جو وابستگانِ نعت کے لیے بہارِ جاں فزا ثابت ہوگا۔ تحمید و تقدیس کے باب میں ربّ ذوالجلال کی بارگاہ میں ترانہ حمد سے آغاز، جناب تنویر پھول، جناب ابرار کرت پوری اور رافق الحروف کے حمدیہ کلام سے کیا گیا ہے۔ گوشہٴ گنجینہٴ نقد و نظر، ڈاکٹر سید حسین احمد کا مضمون ”کیا نعت صنفِ سخن ہے“ میں تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حمد و نعت لکھنا، پڑھنا اور سماعت کرنا باعثِ سعادت و برکت ہے۔ تمام اصنافِ سخن حمد و نعت کے آگے ہاتھ جوڑے محو التجا ہیں کہ آپ ہمارے سر کا تاج ہیں۔ دوسرا مضمون، ڈاکٹر سید خسر و حسینی کا ”فنِ نعت اور نعت گوئی“ دبستانِ نعت کی زینت بنا ہے۔ جسے حصہ اول قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے حصے کے مطالعے کے بعد (انشاء اللہ) بھرپور تبصرہ کیا جائے گا۔ تیسرا مضمون ڈاکٹر صابر سنبھلی نے تحریر فرمایا

ہے ”حدائقِ بخشش کے صنائعِ بدائع پر ایک اور نظر“ محدث بریلوی شاہ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے مختصر مگر خوبصورت مضمون ہے امام اہلسنت شاہ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری پر بہت زیادہ لکھا گیا، مزید یہ سلسلہ جاری ہے، راقم الحروف کو بھی یہ سعادت حاصل ہو چکی ہے کہ 2005ء میں ”جہانِ حمد“ (کتابی سلسلہ - کراچی) کا عاشق رسول امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نمبر میں شائع کیا۔ جس کے صفحات 544 ہیں۔ اس کتاب نما رسالے کی شہرِ حمد و نعت کراچی میں دوا، ہم تقریب تعارف منعقد ہوئی، پہلی تقریب ڈاکٹر فرمان فتح پوری مرحوم کی صدارت میں آرٹس کونسل کراچی میں منعقد ہوئی، مہمانِ خصوصی پروفیسر سحر انصاری تھے دیگر مقررین میں ادیب رائے پوری مرحوم، بابا صوفی معین الدین چشتی ظہوری، صوفی الحاج محمد کمال میاں جمیلی سلطانی وغیرہ شامل تھے۔ ظہوری، صوفی الحاج محمد کمال میاں جمیلی سلطانی وغیرہ شامل تھے۔ دربارِ سلطانی کی جانب سے فقیر پُر تقصیر کی تاج پوشی غیر اعلانیہ طور پر کی گئی، جس کی مجھے خبر نہیں تھی۔

دوسری تقریب شہر قائد کی سب سے بڑی جامع مبین مسجد، بولٹن مارکیٹ میں حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں بریلوی کی صدارت میں ”اہلسنت کانفرنس“ کے انعقاد کے موقع پر عاشق رسول ﷺ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نمبر کی خصوصی اشاعت کی تقریب تعارف بدست مبارک مفتی اعظم ہند علامہ محمد اختر رضا خاں بریلوی ہوئی جو راقم کے لیے نہ صرف یہ کہ ایک بڑی سعادت تھی بلکہ ایک بڑا اعزاز بھی۔ راقم کا مضمون ”اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری میں مناقب“ دبستانِ نعت کے لیے حاضر ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو ”دبستانِ نعت“ کا مولانا احمد رضا حمد و نعت نمبر کی اشاعت کا اہتمام ضرور کریں۔

”نعت اور ہماری شعری روایت“ مختصر مگر اچھا مضمون ہے، اسے تحریر کیا ہے ڈاکٹر عزیز احسن نے۔ مرزا ساجد حسین امر وہوی نے ”نعت رسول ﷺ اور اس کی ارتقاء“ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”دلوں کو تڑپا دینے والے اشعار کہے نہیں جاتے ہو جاتے ہیں۔“ غیر مسلم نعت گو شاعر، کرشن کمار طور کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی نے مجموعہ نعت ”چشمہ چشم“ کے شاعر کرشن کمار طور فرماتے ہیں، میری حمدیں اور نعتیں اس بات کی عین گواہ ہیں کہ میرا باطن ربُّ العزت کے حکم سے روشن ہے۔ طور کے حمد یہ نعتیہ کلام سے یہ بات ثابت بھی ہو رہی ہے، مگر؟ دعا ہے کہ وہ کلمہ طیبہ کے فیضان سے فیضیاب ہوں (آمین)۔

فہیم صدیقی نے چھ صفحات پر مشتمل مضمون کے ذریعے طور کا تعارف سلیقے سے کرایا ہے۔ ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھارت میں حمد یہ نعتیہ مجموعے تو اتر سے شائع ہو رہے ہیں۔

بدقسمتی سے ان کی آمد پاکستان، بالخصوص شہرِ حمد و نعت کراچی میں نہیں ہو پاتی، ضرورت اس امر کی ہے کہ مصنفین، ناشر حضرات اور کم از کم جو ادارے اور رسائل و جرائد حمد و نعت کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں، انہیں اپنی کتابیں ضرور ارسال فرمائیں۔

فیروز احمد سیفی ایک مطاہر قلب کے مالک ہیں، عاجزی ان کا سرمایہ ہے۔ فروغِ حمد و نعت کے لیے دامے درمے سخنِ قدس پیش پیش رہتے ہیں۔ آپ کا مضمون ”ڈاکٹر صغریٰ عالم ایک خوش فکر نعت گو شاعرہ“ دبستانِ نعت کی زینت بنا ہے۔ ہم شکر گزار ہیں سیفی صاحب کے کہ انہوں نے ایک صوم و صلوة کی پابند نعت گو شاعرہ سے متعارف کرایا۔ ”حرف آرزو“ منیر احمد ملک نے عقیدت و مودت اور علم و ادب کی خوشبوؤں سے سجایا ہے۔ ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“۔

سرورِ دیں ﷺ کی محبت کے سوا کچھ نہ خدا را مانگو، یہی تو زندگی کا اصل مقصد ہے، اندازِ بیان دلکش ہے۔ ”دبستانِ نعت“ میں صفحہ ۱۱۵ پر مضمون ”ناعت پر فیضانِ منعت“ شامل کیا گیا ہے، اس کے مصنف قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری ہیں۔ مضمون کی بنیادی باتیں اول: فیضانِ نعت، دوم: حدیثِ قدسی، اے محبوب اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں یہ دنیا ہی پیدا نہ کرتا۔ مگر دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے۔ سید اقبال حیدر ممتاز شاعر و ادیب کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کے مضمون کا عنوان ”انسانِ کامل ﷺ کا ذکرِ خیر“ ہے۔ آپ ﷺ کے کمالِ اخلاقِ کریمانہ کا بیان اور آپ کے بلند اقوال کا تذکرہ ”سبحان اللہ.....“۔

مظفر وارثی کا حمدیہ آہنگ، ڈاکٹر عزیز احسن نے مذکورہ مضمون تحریر کیا ہے۔ مظفر وارثی مرحوم، حمدیہ و نعتیہ شاعری کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ کا حمدیہ مجموعہ ”الحمد“ پاکستان میں شائع ہونے والے مجموعہ ہائے حمد میں دوسرے نمبر پر آتا ہے، پہلے نمبر پر عبدالسلام طور کا مجموعہ حمد ”پتھر میں آگ“ ہے۔ جو ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ مظفر وارثی کی حمدیہ شاعری پر ایک مضمون، اقبال عالم نے تحریر کیا تھا جو ”جہانِ حمد“ میں شائع کرنے کی سعادت راقم کو ہوئی۔ مظفر وارثی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور مزید لکھا جائے گا۔ عزیز احسن لکھتے ہیں ”مظفر وارثی کی شاعری میں مترنم بحروں، صوتی مناسبتوں، لفظیاتی نغسگی کے التزام اور معنوی بولمونی سے ایک صحیفہ عقیدت بھی وجود میں آیا ہے اور رنگارنگ فنی نگار خانہ بھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مظفر وارثی کا نام دنیاے حمد و نعت میں ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

راقم الحروف کے نعتیہ مجموعہ ”نعتِ روشنی“ کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے محسنِ اعظم محسنِ ملیح آبادی نے، مضمون گیارہ صفحات پر مشتمل ہے، اگر وقت ملے تو آپ بھی مطالعہ کیجئے گا۔ مذکورہ مجموعہ نعت

سے پہلے راقم الحروف کے مجموعہ ہائے نعت ”مدینے کی مہک“، ”نعت میری زندگی“، ”ہر سانس پکارے صل علی“، مجموعہ ہائے حمد ”حمد میری بندگی“، ”حمد کردگار“ جہانِ حمد پہلی کیشنز، حمد و نعت ریسرچ سینٹر اور ادارہ چمنستانِ حمد و نعت کے زیرِ اہتمام شہرِ حمد و نعت کراچی سے شائع ہو چکے ہیں، ان مجموعوں کے علاوہ دس سے زائد نثری کتب بھی شامل ہیں۔

”حمد الہ جل جلالہ و مدحت رسول ﷺ“ (غیر منقوٹہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ ہے)

راقم الحروف کا مذکورہ مقالہ صفحہ 154 تا 179 پر محیط ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ حمدیہ و نعتیہ ادب میں اولین کوشش ہے۔ جو ہمیں غیر منقوٹہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کے بارے میں اچھی خاصی معلومات فراہم کرتا ہے۔ مضمون بالا کے مطالعے کے بعد شعراء کرام میں غیر منقوٹہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کا ذوق و شوق پیدا ہوا ہے۔

”میلادِ اکبر ایک مطالعہ“ مضمون نگار ڈاکٹر نذیر فتح پوری ”میلادِ اکبر“ اور اس کے مصنف خواجہ محمد اکبر وارثی میرٹھی کی نثر و نظم کے حوالے سے جو حقائق بیان کیے ہیں اور جس اثر پذیریری کا ذکر فرمایا ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں، حق تو یہی ہے کہ ”میلادِ اکبر“ کے پاک و ہند سے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے۔ خود میرے حمد و نعت ریسرچ سینٹر میں تین پبلشرز کے طبع شدہ ”میلادِ اکبر“ موجود ہیں۔ راقم الحروف نوعمری سے نعت خوانی اور صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ سلام تو بہت لکھے گئے، خود راقم نے ایک کتاب بنام ”سلام“ مرتب کر کے شائع کی جس میں کم و بیش ڈیڑھ سو شعراء کا سلامیہ کلام شامل ہے، مگر راقم بچپن سے دو سلام ”یا نبی سلام علیک“ اور ”مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام“، اول خواجہ اکبر وارثی، دوم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی کا کلام ہے، پڑھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عالمِ اسلام میں بسنے والے غلامانِ رسول ﷺ مذکورہ سلاموں کو حد درجہ پسند کرتے ہیں اور عشاقانِ رسول اکرم ﷺ انتہائی والہانہ انداز میں کیف و سرور اور وجدانی کیفیت کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں مذکورہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے بجا فرمایا ہے ”میلادِ اکبر محض منظوم نعتیہ کلام کا نسخہ نہیں ہے بلکہ اس میں نثری قصیدے کے گل بوٹے بھی مصنف کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں“۔ جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے ”میلادِ اکبر“، یعنی حضور پر نور آنحضرت ﷺ کی ولادت کا صاف و شفاف اور عام فہم زبان میں بیان، نثری قصیدے کا یہ ابتدائی حصہ انشاء پر دازی کا بہترین نمونہ ہے۔ فصاحت اور بلاغت کے باوجود ایک

عام مسلمان کی سمجھ میں بھی بات آسانی سے آجاتی ہے۔ یہ مقفی، مسجی اور رواں دواں نثر منظوم توصیف نامے سے بھی زیادہ پراثر ہے۔ مثلاً ”بے یاروں کا یار، بے مددگاروں کا مددگار، بے وسیلوں کا وسیلہ، بے بھروسوں کا بھروسہ، بے بسوں کا بس، بے کسوں کا کس، ٹوٹے دلوں کا سہارا اور اللہ کا پیارا“ سبحان اللہ۔ مصنف کے قلم نے کیسے موتی رو لے ہیں، کیسے بول بولے ہیں، یہ تحریر پڑھتے وقت یوں لگتا ہے جیسے کسی نے منہ میں مصری کی ڈلی رکھ دی ہو۔ خواجہ محمد اکبر وارثی عالم باعمل اور عاشق رسول ﷺ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نعتیہ کلام کو آج بھی اسی طرح پسند کیا جاتا ہے جس طرح ماضی میں پسند کیا جاتا تھا۔ اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)۔

”نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر“ علیم صبا نویدی نے ایک بڑے موضوع کو انتہائی مختصر انداز میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ مقبول بارگاہ رسالت نعت گو شاعر حضرت رؤف امر وہوی مرحوم کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر صابر سنبھلی کی نظر میں۔ زیر نظر مضمون کو پڑھ کر حضرت رؤف امر وہوی کے حالات زندگی معلوم ہوئے۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں ان کے بلاوے کا تذکرہ پڑھ کر مجھے عاشق رسول ﷺ حضرت بہزاد لکھنوی یاد آ گئے کہ ان کا بلاوا بھی اسی طرح آیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کی ڈیوٹی لگائی کہ ہمارے عقیدت مند بہزاد لکھنوی کو ہمارے دربار میں بھیجا جائے۔ بہر کیف عاشق رسول ﷺ زندگی کا اصل سرمایہ ہے۔ کیوں کہ

عشق نبی ﷺ ہو دل میں تو صُور بار ہے حیات
دولت اگر نہیں یہ تو بے کار ہے حیات

(طاہر سلطانی)

عاشق رسول بہزاد لکھنوی 1957ء کو حرمین شریفین روانہ ہوئے اور عاشق رسول رؤف امر وہوی 1978ء کو۔ شکریہ، ڈاکٹر صابر سنبھلی، ڈاکٹر سراج احمد بستوی، آپ نے عاشق رسول رؤف امر وہوی کا تعارف ہم پاکستانیوں سے کرایا۔ ہم نے ”جہانِ حمد“ کا بہزاد لکھنوی حمد و نعت نمبر نومبر 2001ء میں شائع کیا، یہ خصوصی اشاعت 208 صفحات پر مشتمل ہے۔ جناب احمد حسین سیفی ابن رؤف امر وہوی اگر سطور بالا پڑھیں تو اپنے والد محترم کے مجموعہ ہائے کلام راقم الحروف کے پتے پر ضرور ارسال فرمائیں، راقم آپ کا شکر گزار رہے گا۔

”علمائے گھوسی کی نعت نگاری“ ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کا یہ مضمون گھوسی کے نام ور علمائے کرام و نعت گو یان کے بارے اور ان کی نعت گوئی کے حوالے سے خاصی معلومات فراہم کرتا ہے۔ گھوسی کے

نعت گو بیان کی ایک فہرست ڈاکٹر شکیل کے مطابق ۳۷ نعت نگار علماء کے اسمائے گرامی موجود ہیں۔ تذکرہ نعت گو بیان گھوسی (علماء کرام) کا آغاز، علامہ غلام جیلانی اولیس برکاتی کے تعارف سے کیا گیا ہے۔ علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، علامہ عبدالمصطفیٰ ماجد ازہری کے باب میں ڈاکٹر شکیل رقمطراز ہیں کہ حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے قابل فخر فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۳۲ھ میں محلہ کریم الدین پور گھوسی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں حاصل کی۔ والد محترم کے ساتھ اجیر شریف چلے گئے، ابتدائی عربی، فارسی سے متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں بریلی شریف جا کر شمس باز ندو اور امور عامہ کی تکمیل کی۔ ۱۹۳۲ء ہی میں جامعہ ازہر مصر میں آپ نے داخلہ لیا، چار برس جامعہ ازہر کے معتبر علماء کرام سے اسلامیات اور ادبیات کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء سے دارالعلوم امجدیہ کراچی میں زندگی کے آخری ایام تک خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم امجدیہ میں عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر طرحی نعتیہ مشاعرے کا انعقاد ہوا کرتا تھا۔ مسند صدارت پر آپ رونق افروز ہوتے، کراچی کے نامور نعت گو شعراء کرام شریک ہوتے، راقم الحروف کو بھی کئی مرتبہ، طرحی مشاعرے میں اپنا طرحی کلام سنانے کی سعادت حاصل ہوئی، مصرع طرح: اعلیٰ حضرت کی نعت سے دیا جاتا تھا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ازہری صاحب کے انتقال کے بعد نعتیہ طرحی مشاعرے کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ راقم نے دارالعلوم امجدیہ کی انتظامیہ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی، مگر نتیجہ صفر؟۔ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری جب قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تو راقم کے بڑے بھائی زاہد حسین قادری (سابق کونسلر لیاقت آباد کراچی) اور راقم نے قبلہ ازہری صاحب، شاہ فرید الحق صاحب، محمد عثمان خاں نوری وغیرہ کے اعزاز میں ”انجمن غلامانِ غوث الاعظم“ اور ادارہ چمنستانِ حمد و نعت“ کے زیر اہتمام شاندار و یادگار تقریب کا انعقاد کیا تھا۔ ازہری صاحب کے علاوہ ڈاکٹر شکیل کے مضمون کی زینت بننے والے شعراء کرام میں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، مولانا قاری محمد عثمان اعظمی، مولانا محمد رمضان، مولانا غلام ربانی فائق، مولانا اکرام الحق اکرام نقشبندی، علامہ بدرز القادری بدر وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کا مذکورہ مضمون تحقیقی مضمون ہے جو ہمیں علمائے گھوسی کی نعت نگاری اور ان کی حیات کے بارے میں جان کاری دیتا ہے۔

”نثار کریمی ایک قادر الکلام شاعر“ نثار کریمی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے مولانا وصال احمد اعظمی نے نثار کریمی کے حالات زندگی اور ان کی نعتیہ شاعری بالخصوص ان کے طرحی نعتیہ کلام کو مضمون کی زینت بنایا ہے۔ نثار کے کلام میں عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

کے مختلف پہلو نمایاں ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی ایک طرحی نعت کا مطلع و مقطع ملاحظہ ہو۔

خواہش نہیں کہ سارے جہاں کی خوشی ملے
بس ہے یہ آرزو کہ رضائے نبی ﷺ ملے
تو عندلیب باغِ مدینہ ہے اے نثار
وہ گیت گا کہ رُوح کو بالیدگی ملے
اس بحر میں میری ایک حمد کا مطلع اور مقطع آپ کے ذوقِ حمد کی نذر۔
خواہش مجھے کہاں ہے کہ شمس و قمر ملے
تا عمر تیری حمد لکھوں وہ ہنر ملے
حمد و ثنا کی روزِ سجائے یہ محفلیں
طاہر کو اے کریم کوئی ایسا گھر ملے

نثار کریمی کا نعتیہ مجموعہ پاکستان بالخصوص شہرِ حمد و نعت کراچی میں نایاب ہے۔ نثار کریمی کے فرزند سے بتوسط جناب سراج احمد بستوی درخواست ہے کہ دو کاپی حمد و نعت ریسرچ سینٹر اور ”جہانِ حمد“ میں تبصرے کے لیے ضرور بھیجیں۔ دعا ہے کہ اللہ عز و جل نثار کریمی کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

فارسی کے نعت گو شعراء کرام میں عاشقانِ رسول ﷺ کی فہرست میں ایک نمایاں نام مولانا نور الدین جامی کا لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اُردو نعت گو یان میں عشاقانِ رسول ﷺ کے بیسیوں نام لیے جاسکتے ہیں۔ ان ناموں میں امامِ اہلسنت مجددِ دین و ملت شاہِ احمد رضا خاں محدث بریلوی کا نام سرفہرست ہے۔ ”دبستانِ نعت“ میں ڈاکٹر سراج احمد قادری نے ایک گوشہ عاشقِ رسول مولانا جامی کے لیے مختص کیا ہے۔ ممتاز شاعر و ادیب تنویر پھول نے مولانا کی دونوں نعتوں کی تفسیر بیان کی ہے۔ ”مولانا جامی کی نعت نگاری“ یہ مضمون ڈاکٹر یحییٰ شیط کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، جس سے قاری کو خاصی معلومات حاصل ہو جاتی ہے۔ ”مولانا عبدالرحمن جامی نادر روزگار شخصیت“ یہ تحریر ڈاکٹر رضوان انصاری کی فکر کا آئینہ ہے۔ رضوان انصاری رقمطراز ہیں کہ ”آپ کا اسم گرامی عبدالرحمن، لقب نور الدین، 22 شعبان 817ھ مطابق 7 نومبر 1414ء کو بوقتِ عشاء پیدا ہوئے۔ والد نظام الدین احمد بن محمد الدمشقی تھے جو نہایت عابد و متقی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنی جائے ولادت میں حاصل کی۔ پھر فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ہرات، مشهد اور بغداد جیسے مراکزِ علوم کا سفر کیا۔ وقت کے عظیم المرتبت روحانی دنیا کے بزرگ صوفی شیخ سعدی کاشغری کے

حلقہٴ ارادت میں داخل ہو گئے۔ شیخ موصوف نے اپنے مرید اور روحانی بیٹے کی ایسی تربیت فرمائی کہ مولانا جامی علیہ الرحمۃ اپنے پیر طریقت کے پردہ فرمانے کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ ۸۱ برس کی زندگی میں علم و ادب کی خدمت اور عرفانی خدمات میں بسر کی۔ ان کی پوری زندگی تین ادوار میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ دورِ اول: علوم و فنون کا زمانہ۔ دورِ دوم: تصانیف و تالیفات پر مشتمل رہا۔ دورِ سوم: یہ دور آپ کی زندگی کا سب سے اہم اور انقلاب آفرین رہا ہے۔ آپ نے سلسلہ نقشبندیہ خواجہ سید بہاء الدین عمر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے عرفانی اور روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آپ کا وصال ۸ محرم ۸۹۸ھ مطابق ۹ نومبر ۱۴۹۲ء بروز جمعہ بمقام ہرات ہوا اور اپنے استاد پیر طریقت اور خسر مولانا سعد الدین کاشغری کے مزار شریف کے پہلو میں خواب سرمدی میں آرام فرما ہیں۔ اللہ کریم حضور پر نور آنحضرت ﷺ کے صدقے میں آپ کے درجات بلند فرما کر آپ کی لحد کو منور و معطر فرمائے۔ (آمین) المختصر یہ کہ ڈاکٹر رضوان انصاری کی تحریر ایک عاشق رسول ﷺ کے بارے میں اچھی خاصی معلومات فراہم کرتی ہے۔ صفحہ 299 تا 344 تک مولانا جامی کا فارسی نعتیہ کلام اُردو ترجمے کے ساتھ اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ صفحہ قرطاس پر جگمگا رہا ہے۔ صفحہ 354 تا 396 تک ”گہائے عقیدت“ کے عنوان سے مختلف شعراء کرام کا نعتیہ کلام شائع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی کا انتخاب قابل تعریف ہے۔

آخر میں تین خطوط، مرزا ساجد حسین ساجد امر و ہوی، ڈاکٹر صابر سنہیلی اور ڈاکٹر رضوان انصاری کے ”دبستانِ نعت“ کے زینت بنے ہیں۔ مجموعی طور پر مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری اور نگراں فیروز احمد سیفی کی یہ کوشش و کاوش قابل تحسین و ستائش ہے۔

دعا ہے کہ اللہ کریم آقائے نامدار تاجدار انبیاء ﷺ کے طفیل ہر دو حضرات کی سعی کو قبول و منظور فرما کر، انہیں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے اور ”دبستانِ نعت“ کو ترقی و سرفرازی عطا فرمائے۔ (آمین) آخر میں ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے مضامین و کلام سے ضرور مستفیض فرمائیں۔ آپ نے اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر پی ایچ ڈی کیا ہے، آپ اپنے اس مقالے کو قسط وار بھی شائع کریں تو نوازش ہوگی۔

ازراہ کرم ”گوشہ نعت نگار“ کا سلسلہ جاری رکھیے گا۔

حکیم صابر (کلکتہ)

حمدیہ و نعتیہ ادب پر امتیازی خصوصیت کا حامل ”دبستانِ نعت“

آغازِ اسلام سے لے کر اب تک چودہ سو سے زائد عرصے پر محیط حمدیہ و نعتیہ ادب کا گراں قدر سرمایہ جو شعرائے متقدمین کی عربی و فارسی نعت گوئی کے حوالے سے موجود ہے اُس میں اردو حمد و نعت نے مزید اضافہ کیا وہ ایسی ایمان افروز شاعری پر مشتمل ہے جس کی مثال دیگر مذاہب کے پیشواؤں کی شان میں لکھے گئے قصائد پیش نہ کر سکے۔ لہذا شاعری کی تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے کہ اسلامی عقیدے کی رو سے حمدیہ و نعتیہ جیسی پاکیزہ صنفِ سخن پر طبع آزمائی کرنے والوں نے دینی شعائر کے تحت اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جس کی حیثیت لامحدود ہے لیکن اس کے باوجود نعتیہ ادب پر بھرپور توجہ صرف نہیں کی گئی جس کے سبب نعتیہ شاعری کے بہت سارے گوشے چشمِ عالم سے اب تک اوجھل رہے اور اردو کے محققین اور ناقدین اس کے تعلق سے ناواقفیت کے دائرے میں گھرے رہے۔

خدا کا شکر ہے کہ چند بندگانِ خدا جن کا شمار اہل دانش میں ہوتا ہے انہوں نے اس جانب اپنی توجہ صرف کی اور پچھلے پانچ سو برسوں سے آج تک کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا اور نعتیہ ادب کی ترویج و توسیع اور فروغ کے لئے حمد و نعت پر مشتمل تحقیقی و تنقیدی جریدہ ”دبستانِ نعت“ ششماہی کا اجراء بڑی شان و شوکت کے ساتھ اتر پردیش کے شہر خلیل آباد سے کیا، جس کا پہلا شمارہ جو چار سو صفحات پر محیط ہے مجھے اُس کے مدیر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری نے ایک ادب نواز اور مخلص انسان جناب فیروز احمد سیفی نیویارک، امریکہ کے حوالے سے تحفۂ ارسال فرمایا ہے۔ جس کا مطالعہ میرے حق میں یقیناً مفید ثابت ہوگا۔ ابھی میں نے سرسری طور پر اُس کا مطالعہ کیا ہے جس

پراپنی مختصر رائے قلم بند کر رہا ہوں۔

اس سے پہلے کہ میں ”دبستانِ نعت“ پر خامہ فرسائی کروں یہ چاہتا ہوں کہ اس عالمی جریدے کے سرپرست پروفیسر ڈاکٹر سید حسین احمد، سجادہ نشین خانقاہ حضرت دیوان شاہ ارزانی، پٹنہ، بہار، اس کے نگراں فیروز احمد سیفی، نیویارک، امریکہ اور مدیر باوقار ڈاکٹر سراج احمد قادری کے علاوہ اس کے عالمی معاونین سید صبیح الدین صبیح رحمانی (کراچی)، ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین فاروقی (نیویارک) اور قاضی اسد ثنائی، حیدرآباد کوئٹہ دل سے مبارک باد پیش کروں جن کی محنت شاقہ کے نتیجے میں یہ جریدہ ملت اسلامیہ کے بھی خواہوں تک پہنچ پایا اور زینت نگاہ بن کر ان کی عقیدت قلبی کو تسکین بخشنے کا سبب ثابت ہوا۔

”دبستانِ نعت“ کے مدیر اعلیٰ اپنے ادارے میں رقم طراز ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

”اس مجلے کو پیش کرنے کا ہمارا بنیادی مقصد حمد و نعت کے فروغ و ارتقاء کے حوالے سے ادباء، شعرا اور محققین کی ان کاوشوں سے اہل علم کو روشناس کرانا ہے جو اب تک ناقدین ادب کی توجہ سے محروم رہی ہیں۔ آج بھی اردو ادب کا گراں قدر سرمایہ مخطوطات کی شکل میں یونیورسٹیز اور دیگر کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ انہیں مخطوطات میں نعتیہ ادب کے گل سرسبد شعرائے کرام کے مسودے اور بیاضیں بھی ہیں جن کو اب تک اہل علم کے درمیان متعارف نہیں کرایا جا سکا۔“

نعتیہ ادب کے حوالے سے ”دبستانِ نعت“ کی پیش کش ایک مستحسن قدم ہے جس سے نعت پاک کی افادیت پر بھرپور روشنی پڑے گی اور ایمان و یقین کی صوفی ثنائی عقیدتمندوں کے دلوں کو متور کرے گی۔

اس جریدے میں نعت گو شعرا کے حوالے سے صرف مسلم شعرا کے تذکرے شامل نہیں کئے گئے بلکہ غیر مسلم شعرا جنہوں نے سرورِ دو عالم ﷺ کی شان میں نعتوں کے نذرانے پیش کئے ہیں ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور نمونہ نعت بھی شامل ہے۔ جس سے کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔

مثال کے طور پر جہاں عالمی شہرت یافتہ شاعروں کے تذکرے نعت گوئی کے حوالے سے قلم بند کئے گئے ہیں وہیں غیر معروف شعرا پر بھی مضامین شامل کئے گئے ہیں اور ان کی نعتیں بھی شامل کی گئی ہیں جس سے نعتیہ شاعری کے بہت سارے ایسے گوشے بھی سامنے آئے۔ جو اب تک پردہ خفا میں تھے۔

”دبستانِ نعت“ میں شامل سارے مضامین بے حد معلوماتی ہیں جن کے مطالعے سے ذہن و دل نور ایماں جگمگا اٹھے ہیں۔ ڈاکٹر خسرو حسینی نے ”فنِ نعت اور نعت گوئی“ کے تعلق سے ۳۰

صفحات پر مشتمل جو مضمون پیش کیا وہ ہر نعت گو شاعر کے لئے رہنما ثابت ہو سکتا ہے اگر اُس پر عمل کیا جائے۔ ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) نے ”نعت اور ہماری شعری روایت“ کے عنوان سے لفظ ”ہماری“ کی وسعتوں کو بیان کرتے ہوئے عرب و عجم کیا اسلامی معاشروں کی شعری روایت سے گزر کر اردو کی اقلیم نعت تک رسائی حاصل کی ہے۔ مرزا ساجد حسین ساجد امر و ہوی نے نعت اور اس کی ارتقاء پر خامہ فرسائی کی ہے ڈاکٹر فہیم احمد کا مضمون شہرہ آفاق غیر مسلم شاعر کرشن مکار طور کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے معلوماتی ہے۔ طور کا نعتیہ مجموعہ ”چشمہ چشم“ ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا تھا۔ فیروز احمد سیفی (نیویارک) نے سرزمین گل برگہ شریف سے تعلق رکھنے والی بلبل باغ رسالت ڈاکٹر صغریٰ عالم جو شعبہ دُرس و تدریس سے وابستہ تھیں کا ذکر حمدیہ و نعتیہ شاعری کے حوالے سے کر کے عظیم شاعرہ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

شاعری کی ایک صنف غیر منقوٹہ شاعری ہے جس کو برتنے والے شاید دو چار فیصد ملیں گے۔ طاہر سلطانی (کراچی) نے غیر منقوٹہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے اور مولانا ولی رازی جن کا غیر منقوٹہ نعتیہ مجموعہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ان پر اپنی رائے کا اظہار احسن انداز میں کیا ہے۔ ڈاکٹر نذیر فتح پوری (پونہ) نے خواجہ محمد اکبر وارثی کی کتاب ”میلاد اکبر“ کے حوالے سے مضمون سپرد قلم کیا ہے اور اکبر وارثی کی دولوری بھی شامل کر دی ہے جو بزبان حلیمہ سعدیہ انہوں نے پیش کی ہے۔ میلاد اکبر کے کئی ایڈیشن دہلی سے شائع ہو چکے ہیں۔ بی بی حلیمہ کی زبان میں جولوری نبی کریم ﷺ کے تعلق سے ہے اس میں گیارہ اشعار ہیں تین اشعار جو مضمون نگار نے کوڈ کئے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ حلیمہ کہ رہی ہے میرے گل عذار سو جا
ترے جاگنے کے صدقے مری جان زار سو جا
بنی سعد کا قبیلہ ہوا باغ تجھ سے
مرا دودھ پینے والے نو گل بہار سو جا
مراد دل ہو تجھ پہ واری مری جان تجھ پہ صدقے
مرے نورِ عین سو جا مرے شیرِ خوار سو جا

نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر علیم صبا نویدی (چنئی) نے مختصر طور پر مگر جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ جس میں عربی نعتوں کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ کی ارفع و اعلیٰ صفات اور

خصوصیات کا عکس پاکیزہ واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

پندرہویں صدی کے صوفی شاعر نور الدین عبدالرحمن جامی جن کی وفات ۸۹۲ھ میں ہوئی۔ فارسی شاعری میں ایک مقام رکھتے تھے۔ ان کے تعلق سے تنویر پھول (نیویارک)، ڈاکٹر سید تکی نشیط اور ڈاکٹر رضوان انصاری کے مضامین بھی اس میں شامل ہیں جن سے جامی کی نعتیہ شاعری کے اسرار کھلتے ہیں۔ جنہوں نے کہیں صرف فارسی تو کہیں فارسی و عربی کی آمیزش سے ہر ایک مصرع تیار کیا ہے جس کا مطالعہ ایمان افروز ہونے کے علاوہ لطف سے خالی نہیں ہے۔ ”وہ شعر ملاحظہ فرمائیں جس کا ہر مصرع آدھا فارسی اور آدھا عربی ہے“۔

دو چشم ز گیش را ما زاغ البصر خوانند

دو زلف عنبریش را کہ وائل اذا یغشی

ز سرّ سینہ اش جامی الم نشرح لک بر خواں

ز معراجش چہ می پرسی کہ سبحان الذی اسری

اس کے علاوہ بہت سے مشہور و معروف اہل قلم نے حمدیہ و نعتیہ شاعری سے متعلق مضامین قلم بند کئے ہیں جو اس جریدے کی افادیت میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کے مطالعے سے معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے ”دبستان نعت“ کا سلسلہ اشاعت آئندہ بھی جاری رہے اس کے لئے بھی کوشش کرنی چاہئے اور زیادہ سے زیادہ قارئین کو اس سے متعارف کرایا جائے تاکہ نعتیہ ادب کے حوالے سے مزید ایسے گوشے ان کے سامنے آئیں جو نظروں سے اب تک اوجھل ہیں۔

مدیر کارابطہ نمبر 9415875761

(اخبار مشرق۔ کلکتہ مورخہ ۱۵ ستمبر ۲۰۱۶ء)

گل ہائے عقیدت

نہ میری نعت کی محتاج ذات ہے تیری
نہ تیری مدح ہے ممکن مرے خیالوں سے

احمد فراز

صلی اللہ علیہ وسلم

میں بیت اللہ سے مسعود تحفہ لے کے آیا ہوں
غلاف کعبہ اقدس کا ٹکرا لے کے آیا ہوں

خدا کی راہ کا یثرب سے سودا لے کے آیا ہوں
حقیقت میں طریقت کا یہ تمنہ لے کے آیا ہوں

ہے اب پیش نگاہ شوق ہر دم شانِ رحمت کی
بتاؤں کیا کہ اس سرکار سے کیا لے کے آیا ہوں

سماتا ہی نہیں نظروں میں میری طور کا منظر
کسی کا دل کے آئینے میں جلوہ لے کے آیا ہوں

شرف حاصل ہوا دربار احمد میں رسائی کا
میں بیمار محبت تھا مداوا لے کے آیا ہوں

میرے سینے میں عکس گنبد خضریٰ منور ہے
میں گویا کعبہ دل میں مدینہ لے کے آیا ہوں

شفاعت کا بھروسہ نقدِ رحمت ہاتھ آیا ہے
مدینہ اور مکہ سے خزانہ لے کے آیا ہوں

جو مانگا حق سے وہ پایا رسول اللہ کے در سے
کہوں کیا حضرت واعظ میں کیا کیا لے کے آیا ہوں

گیا تھا سوئے کعبہ ساز آہنگِ جنوں لے کے
مدینہ سے عجب پُر کیف نغمہ لے کے آیا ہوں

نہایت سخت تھی مسعود عصیاں کی گراں باری
مگر حضرت سے بخشش کا سہارا لے کے آیا ہوں

سید مسعود حسن مسعود

پ ۱۸۸۵ء و ۱۹۷۲ء

صلی اللہ علیہ وسلم

تضمینِ دل پذیرِ برکلامِ نصیر

اپنی پلکوں پہ ستارے سے ٹکائے ہوئے ہیں
 ہم دیا عشق رسالت کا جلائے ہوئے ہیں
 گنبدِ سبزِ تصور میں بسائے ہوئے ہیں
 لو مدینے کی تجلی سے لگائے ہوئے ہیں
 دل کو ہم مطلعِ انوار بنائے ہوئے ہیں
 اپنی سوئی ہوئی تقدیر جگائے ہوئے ہیں
 ان کی چوکھٹ پہ کھڑے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں
 بات بگڑی ہوئی ہر ایک بنائے ہوئے ہیں
 کشتیاں اپنی کنارے سے لگائے ہوئے ہیں
 کیا وہ ڈوبیں جو محمد ﷺ کے ترائے ہوئے ہیں
 ان کے دیدار سے ہٹ کر کوئی ارمان نہ تھا
 سیرِ محشر کی طرف بھی کوئی رجحان نہ تھا
 پھر ملائک سے بھی ایسا کوئی پیمان نہ تھا
 قبر کی نیند سے اٹھنا کوئی آسان نہ تھا
 ہم تو محشر میں انہیں دیکھنے آئے ہوئے ہیں
 اس ادب گاہ میں آرام سے چل تیز نہ دوڑ
 منطق و فلسفہ و جہل سے منہ خیر سے موڑ
 فرقہ وارانہ خیالات کے اصنام کو توڑ
 حاضر و ناظر و نور و بشر و غیب کو چھوڑ
 شکر کر وہ ترے عیبوں کو چھپائے ہوئے ہیں

بعد سرکار وہ دونوں ہیں بزرگ و برتر
 ساتھ رہتے تھے جو سرکار کے سایہ بن کر
 جز رسولوں کے بھلا کوئی ہے ان سے بہتر
 نام آتے ہی ابوبکر و عمر کا لب پر
 تو بگڑتا ہے وہ پہلو میں سلائے ہوئے ہیں
 اپنا دیدار کرا گنبد خضریٰ کے مکین
 در پہ حاضر ہیں گنبد خضریٰ کے مکین
 آن کی آن ہی آ گنبد خضریٰ کے مکین
 اک جھلک آج دکھا گنبد خضریٰ کے مکین
 کچھ بھی ہیں دور سے دیدار کو آئے ہوئے ہیں
 فرش کو عرش بنا گنبد خضریٰ کے مکین
 طور کو وجد میں لا گنبد خضریٰ کے مکین
 پردہ میم ہٹا گنبد خضریٰ کے مکین
 اک جھلک آج دکھا گنبد خضریٰ کے مکین
 کچھ بھی ہیں دور سے دیدار کو آئے ہوئے ہیں
 فیض جب مسند محمود کا جاری ہو نصیر
 ہر گنہ گار پہ اک کیف سا طاری ہو نصیر
 لب پہ شہزاد کے مصرع یہی جاری ہو نصیر
 کیوں نہ پلڑا تیرے اعمال کا بھاری ہو نصیر
 اب تو سرکار بھی میزان پہ آئے ہوئے ہیں

علامہ ڈاکٹر شہزاد مجیدی (لاہور)

صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے ہر سانس مشک بو کرنا
 پھر مدینے کی جستجو کرنا
 عشقِ احمد میں چاک ہے سینہ
 کفر ہے حاجتِ رنو کرنا
 میرے چہرے پہ خاکِ طیبہ ہے
 مجھ حوروں کے رو برو کرنا
 اے صبا کوچہٴ رسول میں ہوں
 مجھ کو پامال چار سو کرنا
 کلمہ طیبہ ہے جن کے نام
 اے زباں ان کی گفتگو کرنا
 آج ان کے حضور ہے پیشی
 اے خدا آج سرخرو کرنا
 حسن سیرت کا ذکر ہے آقا
 مجھ کچھ اور خوب رو کرنا
 ان کے قدموں کی دھول ہو جانا
 ان کی ٹھوکر سے پھر نمو کرنا
 یہ سلیقہ ہے رحمتِ آقا
 سر نہیں دل کو قبلہ رو کرنا

پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی (کانپور)

صلی اللہ علیہ وسلم

علم کے شہر کی خدمت ہے زباں پر یارب مجھ لائی مری تقدیر کہاں پر یارب
 بن کے درویش کھڑا ہوں میں وہاں پر یارب سر جھکاتے ہیں فرشتے بھی جہاں پر یارب
 تو نے مبعوث کیا مرے نبی کو جس دم لرزہ طاری ہوا سب قلبِ بتاں پر یارب
 وہ زمیں کتنی مقدس ہے زمانے بھر میں بھیجتا ہے تو سلام اپنا جہاں پر یارب
 نعت گو سب سے بڑا تو ہے مری کیا ہستی سب تو قرآن کے ارشاد ہیں وہاں پر یارب
 وہ ہی وہ اکمل انساں کہ نہیں ثانی کوئی ان کی تختی ہے لگی دل کے مکاں پر یارب
 مجھ کو دکھلا دے تو سرکار کا نوری چہرہ عشق کی آگ ہے اس قلبِ طپاں پر یارب
 موت آئے تو رہے پاس درودوں کی ضیاء نام اُس ذات کا ہو وِ زباں پر یارب
 نفسِ جبرئیل کو آداب سکھایا کس نے سوراہا تھا، رہا تھا ترا محبوب جہاں پر یارب

روشنی لفظوں میں گوندھوں یہی خواہش ہے متین
 خوش ہوں آقا بھی مرے حُسنِ بیاں پر یارب

متین عمادی (پٹنہ)

صلی اللہ علیہ وسلم

نعتیہ سہ غزلہ (ورقِ اول)

خُدا! قسمت سے مجھ کو ایسا آقا مل گیا
میں نے اُس سے جب بھی مانگا، جو بھی مانگا مل گیا
ہر کوئی حیران ہے اِس پر، مجھے کیا مل گیا
نعلِ پاکِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک ذرہ مل گیا
مصطفیٰ ﷺ کے در پہ سائل کیا کہے حیران ہے
جتنی رکھتا تھا طلب، اُس سے زیادہ مل گیا
کیسے پا سکتا ہے کوئی تھاہ اُس کے فضل کا
اُن کے بحرِ بے کراں سے جس کو قطرہ مل گیا
سخت بے چینی میں دی اُن صدا تو یوں لگا
راہی تشنہ دہن کو جیسے دریا مل گیا
اُس کی آقائی پہ صابر دو جہاں قربان ہے
آمنہ کے لال جیسا جس کو آقا مل گیا

(ورقِ دوم)

چارہ گر حیران ہے، اللہ! یہ کیا ہو گیا
ذکرِ طیبہ کر دیا، بیمار اچھا ہو گیا

پست ہو کر رہ گئے گردابِ غم کے حوصلے
 شاہِ طیبہ کے کرم سے پار بیڑا ہو گیا
 اب طبیبوں کی دواؤں کی مجھے حاجت نہیں
 خاکِ طیبہ سے ہی ہر دُکھ کا مُداوا ہو گیا
 روضۂ اطہر کو سجدہ ہوش میں ممکن نہ تھا
 بے خودی میں دوستو! کعبے کا دھوکا ہو گیا
 غارِ رُخسار جس نے خاکِ طیبہ کو کیا
 ماہِ طیبہ سے مُنور اُس کا چہرہ ہو گیا
 ہو گئی آباد جس کے دل میں یادِ مصطفیٰ ﷺ
 مومنو کا قبلۂ جاں دل اُس کا ہو گیا
 اب فرشتوں کی زبانوں پر بھی اُس کا نام ہے
 جب سے صابرِ مصطفیٰ کا نام لیوا ہو گیا

ورقِ سیوم

مصطفیٰ ﷺ کے پائے اقدس پر جو شیدا ہو گیا
 اُس کی بخشش کا سہارا اُن کا تلوا ہو گیا
 تلخ کامی کے سبب تھا زیست میں زہرابِ غم
 اُن کی رحمت ہو گئی، زہرابِ میٹھا ہو گیا
 اُس کے طوفاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی
 آپ نے ٹھوکر لگا دی ، پار بیڑا ہو گیا

المدد ! کفار عالم در پئے آزار ہیں
 یا رسول اللہ ! اب دشوار جینا ہو گیا
 ہے روایت معتبر جب دھوپ میں نکلے حضور
 چھا گیا سورج پہ بادل اور سایہ ہو گیا
 جو مسلمان ہو گیا قسمت سے پابندِ درود
 اور، عمدہ، اور بہتر، اور اچھا ہو گیا
 حشر کے دن دھوپ سے بھڑکا تھا صابر جب بدن
 دپد اُن کی ہو گئی، ٹھنڈا کلیجہ ہو گیا

ڈاکٹر صابر سنبھلی (یوپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

عزم لازم ہے نئے عہدِ وفا سے پہلے
 اُسوۂ پاک میں ڈھل جاؤں فنا سے پہلے
 رنگ اپناؤں محمد ﷺ کی غلامی کے سبھی
 رب کی حاصل ہو رضا مجھ کو قضا سے پہلے
 میں نے سمجھا ہے کہ ہے کیا یہ جہاد اور قتال
 دعوتِ دین ضروری ہے وُعا سے پہلے
 دین لفظوں سے عمل تک جو نہ ہو نور فشاں
 پھر تو وہ موت ہے انساں کی فنا سے پہلے
 نہ تو دنیا تھی نہ تھا دیں ہی میسر ہم کو
 بالیقین سرورِ عالم ﷺ کی عطا سے پہلے
 کاش میں خود در سرکارِ ﷺ پہ حاضر ہو جاؤں
 نالہ شوق سے معمور صبا سے پہلے
 اتباعِ نبوی میرے عمل سے جھلکے
 ان کے دربار میں اظہارِ وفا سے پہلے
 کاش احساسِ ندامت کی بھی بارش برسے
 مدحتِ شاہِ ﷺ میں لفظوں کی گھٹا سے پہلے
 نعتِ سچائی کی ضامن ہو بہر طور عزیز
 قلب میں داخلہ شوقِ جزا سے پہلے

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

صلی اللہ علیہ وسلم

خیال، نعت کی چوکھٹ پہ سر بہ خم آیا
 کمالِ سدرہٴ فن تک مرا قلم آیا
 گھلے ہیں دشتِ تمنا میں مشک بو نافر
 حریم جاں میں کوئی آہوئے حرم آیا
 افقِ خیال کے قوسِ قزح میں ڈوب گئے
 زمینِ فکر پہ اک موجہٴ ارم آیا
 سخن میں اخضرِ رنگت و نور پانے لگی
 ہر ایک لفظ پئے نعت تازہ دم آیا
 چراغِ بر سرِ مژگاں جلا لیے میں نے
 خوشا، سلیقہٴ تزئینِ شامِ غم آیا
 یہ ذوقِ نعتِ قلم کو کہاں میسر تھا
 صریحِ خامہ جبریل سے بہم آیا
 زمینِ شعر کو زرخیزیاں عطا کرنے
 عرب سے ابر اٹھ کر سوئے عجم آیا
 نہالِ جان سے پھوٹی گداز کی کوئیل
 پچل کے آنکھ کے صحرا میں یک یم آیا
 پھرا ہوں کاسہٴ جاں لے کے در بدر شا کر
 زِ مراد یہیں سے مگر بہم آیا

سید شاکر القادری (الک۔ پاکستان)

صلی اللہ علیہ وسلم

چشمِ حیراں میں جلوے سمیٹے لوگ محفلِ سجانے لگے ہیں
 آمدِ مصطفیٰ کا ہے موسم، سارے منظر سہانے لگے ہیں
 دل ابھی سے ہے ان کا منور سرا بھی سے جھکانے لگے ہیں
 جن کا جن کا بُلاوا ہے آیا، وہ مدینے کو جانے لگے ہیں
 ماہِ اول ربیعِ صبح صادق، روزِ دوشنبہ، تاریخِ بارہ
 ہر طرف ہے درودوں کی خوشبو، برکتوں کے خزانے لگے ہیں
 فرش سے عرش تک کا سفر تھا، میرے آقا کا یہ معجزہ تھا
 ایک لمحہ کا تھا کارنامہ، عقل سمجھی زمانے لگے ہیں
 ساری دنیا تو گھوما ہوں آقا ہائے قسمتِ مدینہ نہ دیکھا
 اب یہ سارے سفر بن کے طعنے دل پہ خنجر چلانے لگے ہیں
 میرے آقا مدینے کے والی، نخلِ رحمت کے پھولوں کی ڈالی
 مجھ کو قدموں پہ اپنے بلا لیں حوصلے ڈگمگانے لگے ہیں
 فاطمی جا کے دیکھو مدینہ، نور ہی نور تم کو دکھے گا
 سبز گنبد کے سائے میں جا کر لوگ جنت بھلانے لگے ہیں

پروفیسر علی احمد فاطمی (الہ آباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

دعا کبھی نہیں مانگی سو مانگ لیں اللہ
 کہ درد ہو تو ہم آنسو بہا سکیں اللہ
 ہمارے نقشِ کفِ پا ہی سدِّ راہ بنے
 لہو غبار اڑاتا ہے کیا کریں اللہ
 وہ ایک زخم کہ ہستی جسے کہیں ، نہ بھرا
 تری عطا ہے ، کسے اتہام دیں اللہ
 نفسِ نفس ہے یقین و فنا کی آویزش
 قدم قدم پہ خدا ہیں کسے کہیں اللہ
 الجھ گیا میرے دامن سے خارِ خودی
 پھسل گئیں مرے ہاتھوں سے راحتیں اللہ
 یہاں تو لوگ سدا نیکیاں بھناتے ہیں
 کبھی گناہ کی توفیق دے انہیں اللہ
 ہر ایک شے میں مظفرِ خدا نظر آیا
 اگرچہ ہم ہیں خود اپنی تلاش میں اللہ

پروفیسر مظفر حنفی (نئی دہلی)

صلی اللہ علیہ وسلم

دوہا نعت

(۱۳-۱۱-۲۴ مائراؤں)

آپ ﷺ خدا کا نور ہیں عالم کے سردار ، مجھ پر بھی کیجئے کرم خادم ہوں سرکار
 آپ ﷺ کی آمد جب ہوئی دنیا میں سرکار معبودوں کے سر جھکے ٹوٹ گئے زنار
 طوفان سے ٹکرا گیا کر کے بسم اللہ
 اُمت میں تھا آپ ﷺ کی ہو گیا بیڑا پار
 تیز ہوا میں ہاتھ سے چھوٹ گئی پتوار ایک سہارا آپ ﷺ کا کر دو بیڑا پار
 شرمندہ ہو جائے گی اندھیاروں کی بھیڑ سیرت کی تنویر سے بھر دیجئے افکار
 ابو بکر فاروق ہوں یا کہ علی عثمان
 گُندن جیسا کر دیا آپ نے ہر کردار
 قدم قدم پر دھوپ ہے تھکے تھکے ہیں پاؤں کاش ہو سر پر آپ کی ﷺ مکی سایہ دار
 جب میں کوثر کی طرف پیسا مارا جاؤں ایک نظر ہو جائے بس شفقت کی سرکار
 وردِ دُرودِ پاک کا جب بھی کیا فراز
 خوشبو کے احساس سے ذہن ہوا بیدار

ڈاکٹر فراز حامدی (جے پور)

صلی اللہ علیہ وسلم

انگلی پہ جن کی گھوم رہے ہیں یہ شش جہات
وہ بور یہ نشیں ہیں شہنشاہِ کائنات

دن ان کے رخ کا عکس تو ہے عکسِ زلف رات
اور سارے عطر اُن کے پسینے کی ہیں زکات
بر حال زار من، بفکن بہرِ بختن
اک چشمِ التفات بس اک چشمِ التفات

اُن کی مثال ان کی نظیر ان کا ہم شبیہ
ممکن نہیں ملے کوئی تا حدِ ممکنات
مل جائے اُن کا در تو یہ فوراً برس پڑے
ٹھہری ہوئی پلکوں پہ اشکوں کی اک برات

محو کرم وہ رہتے ہیں ہر لمحہ ہر گھڑی
درکار کب ہیں اُن کو کرم کے محرکات
ہم چاہتے ہیں بس وہی محو کرم رہیں
ہم سے بھی تو ہیں اُن کو بہت سی توقعات

وہ چاہتے ہیں اُن کے طریقے پہ ہم چلیں
ہم کو عزیز رہتی ہیں بس اپنی خواہشات
لب ہائے گلفشانِ نبی جب کریں
کلامِ سنیے بگوشِ ہوش تو ہر بات میں ہے بات

ساجد برائے حفظِ شریعت اٹھیں قدم
دیں کے نہ کام آئے تو کس کام کی حیات

ساجد امر و ہویٰ (وپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

ہے خداوندی کرم نام نبی
 دور کر دیتا ہے غم نام نبی
 ہم فقیروں کی ہے سلطانی عجب
 تاج و دستار و درم نام نبی
 وردِ جاں، وردِ نفس، وردِ نگہ
 وردِ قرطاس و قلم نام نبی
 نام سارے انبیاء کے محترم
 محترم سے محترم نام نبی
 جب سے آنکھیں با سلیقہ ہو گئیں
 لکھ رہی ہیں یم بہ یم نام نبی
 ہو گئی روشن بصیرت کی نگاہ
 اہل دل کا جامِ جم نام نبی
 صدقے جاؤں اے نفس کے زیر و بم
 سُن رہا ہوں دم بہ دم نام نبی
 عمر بھر کرتے رہے کاغذ سیاہ
 حاصلِ لوح و قلم نام نبی
 زیبِ جاں کیجئے نظیر اس نام کو
 ہے غریبوں کا بھرم نام نبی

پروفیسر ڈاکٹر واحد نظیر (نئی دہلی)

صلی اللہ علیہ وسلم

اُمّتی ہوں آپ ﷺ کا حضرت محمد مصطفیٰ
 ہو کرم روزِ جزا، حضرت محمد مصطفیٰ
 ذکر بس ہو آپ ﷺ کا، حضرت محمد مصطفیٰ
 تاج دارِ انبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ
 آپ ﷺ ہی ہیں رہنما حضرت محمد مصطفیٰ
 آپ ﷺ ہر دکھ کی دوا، حضرت محمد مصطفیٰ
 فرقِ این و آں مٹا، حضرت محمد مصطفیٰ
 بعد حمدِ کبریا، حضرت محمد مصطفیٰ
 ہے یہی رب سے دعا، حضرت محمد مصطفیٰ
 ہے خدا سے التجا، حضرت محمد مصطفیٰ
 روضہ اطہر کے ہوں میں روبرو، یہ دیکھنا
 کیا نصیب ہے مرا، حضرت محمد مصطفیٰ
 موت آئے اور ہو وِ دِ زباں کلمے کے بعد
 ربّنا اغفر لنا، حضرت محمد مصطفیٰ

اسلم مرزا (اورنگ آباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

تخلیق کائنات ہے قدرت کا آئینہ
 ہر شے ہے کائنات کی فطرت کا آئینہ
 اسلام کیا ہے حق و صداقت کا آئینہ
 ایمان کیا ہے حُسنِ اطاعت کا آئینہ
 بعثتِ نبی کی ہے مرے رحمت کا آئینہ
 قرآن کیا ہے آپ کی سیرت کا آئینہ
 جب کفر کے اندھیروں میں حق جلوہ گر ہوا
 اک لختِ پاش ہو گیا ظلمت کا آئینہ
 معراجِ مصطفیٰ کی فضیلت بھی دیکھئے
 بخشا خدا نے آپ کو عظمت کا آئینہ
 سرکار کا وہ روضہ و طیبہ کی سر زمیں
 زیرِ فلک ہے گوشہٴ جنت کا آئینہ
 اُمی تھے آپ اور فصاحتِ غلام تھی
 قبضے میں آپ کے تھا بلاغت کا آئینہ
 توصیفِ نعت گوئی کے پردہ میں کیا کریں
 گوہرِ کلامِ پاک ہے مدحت کا آئینہ

گوہر تری کیروی (کرناٹک)

صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اک مسافر ہے وہ
جس کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے
کوششیں رات دن
راہِ حق سے ہٹانے کی ہوتی رہیں
کان جن کے
سماعت سے محروم تھے
ان کو قدموں کی آہٹ سنائی نہ دی
جن کی آنکھوں میں
ذوقِ بصیرت نہ تھا
ان کو نقشِ قدم کا نشان نہ ملا

وہ تھا ثابت قدم، صرف چلتا رہا

اس مسافر نے رکھے جہاں بھی قدم
وہ جگہ سجدہ گا ہوں سے افضل ہوئی
جس گلی سے بھی گزرا وہ مردِ خدا

اس گلی کی فضا میں معطر ہوئیں

اس کی چاہت ہوئی
 اس کو ڈھونڈا گیا
 دل کے نزدیک قدموں کی آہٹ لگی
 تو نگاہوں نے حیرت سے دیکھا کیا
 اس کے نقش قدم!
 شاہراہوں میں تبدیل ہونے لگے
 شاہراہوں کا اک سلسلہ ہو گیا
 ساری دنیا میں اک جال سا بچھ گیا

ڈاکٹر یس۔ یم۔ عقیل (شیموگہ)

ﷺ

فضائیں عطر آگئیں ہیں مہک کیسی فضا میں ہے
 کہ یہ تاثیر اُس نامِ محمدِ مجتبیٰ میں ہے
 قدم ہیں ناتواں لیکن میں سو سو بار گذرا ہوں
 نہ جانے کیا کشش اُس کوچہٴ خیرالورا میں ہے
 میں ایک ایسا ہوں پروانہ جو جل کر بھی نہیں مٹتا
 یہ قوت کیسی اُس شمعِ محمد مصطفیٰ ﷺ میں ہے
 کروڑوں ماہ و انجم ہیں فقط اک شمس سے روشن
 یہ کیسا سحر اُن مٹ جو محمد ﷺ کی ضیاء میں ہے
 امانت کے، دیانت کے نہ آیا بال شیشہ میں
 امیں جن کا لقب مشہور سارے انبیاء میں ہے
 یہ کیسا عشق ہے جس پر ہمیشہ ناز ہے مجھ کو
 فنا ہوں گر تو میرا مستقر دارِ بقا میں ہے
 حقیقت میں وہی ہیں پیکرِ انسانیت مشتاق
 ”مکمل آدمیت بس حبیبِ کبریا میں ہے“

مشتاقِ سعید (میسور)

صلی اللہ علیہ وسلم

جب ان کے نام پہ جلتا چراغ ہاتھ میں تھا
میں کیسے بھولتی رستہ، چراغ ہاتھ میں تھا

شبِ سیاہ مجھے بھی ڈرا رہی تھی مگر
لبوں پہ نام تھا اُن کا چراغ ہاتھ میں تھا

نہ زادِ راہ تھا کوئی نہ وش گمانی تھی
بس ایک حرفِ دعا کا چراغ ہاتھ میں تھا

کوئی بھی آندھی کبھی ڈمگا سکی نہ مجھے
اُجالا دل میں نہاں تھا، چراغ ہاتھ میں تھا

سفر کے وقت مرے ساتھ میرے آنسو تھے
اور ایک اُن کی رضا کا چراغ ہاتھ میں تھا

ہوائے دہر نے کوشش تو کی بہت راحت
نہ بجھ سکا کبھی ایسا چراغ ہاتھ میں تھا

حمیرا راحت (کراچی)

صلی اللہ علیہ وسلم

ہو کیوں کر بیاں مجھ سے نعت محمد ﷺ
 ہے بے مثل دنیا میں ذاتِ محمد ﷺ
 ہوا ہے کوئی اور نہ ہوگا کوئی پھر
 محمد ﷺ کا ثانی نہ اُن سا پیہر
 نہیں ہے جہاں میں مثالِ محمد ﷺ
 عجب تھا جلال و جمالِ محمد ﷺ
 نبی ﷺ تو بہت آئے دنیا میں لیکن
 تھی اصلاح بس اک قوم کی ان سے ممکن
 زمانے کو تھا انتظارِ محمد ﷺ
 کہ افضل و اکمل تھا کارِ محمد ﷺ
 ترستی تھی انسانیت راہبر کو
 تڑپتی تھی نسانیت چارہ گر کو
 مسیجائے نسواں نبی ﷺ بن کے آئے
 غریبوں کے حق میں غنی بن کے آئے
 وہ ماجی شرک و ستم بن کے آئے
 وہ رافع رنج و الم بن کے آئے
 زمانے کو تھا انتظارِ محمد ﷺ
 کہ خوب اور بہتر تھا کارِ محمد ﷺ

سید لطف اللہ راحل بخاری (میسور)

صلی اللہ علیہ وسلم

ترے نام ہی کے صدقے، ترے لطف کے سہارے
 مرے دل میں ضو فشاں ہیں تری یاد کے ستارے
 ہیں نگاہ حق نگر کے بڑے پُر اثر اشارے
 کہ بدل دیے ہیں یکسر مری زندگی کے دھارے
 وہی کام آئے میرے زہے بخت روزِ محشر
 تری یاد میں جو لمحے کبھی میں نے تھے گزارے
 مرے والدین قرباں شہِ دیں کی ہر ادا پر
 کہ خدا نے خوب ان کے خد و خال ہیں نکھارے
 لیے بے شمار عصیاں ہو ا ان کے در پہ حاضر
 تو بس ایک ہی گھڑی میں ہوئے جل کے راکھ سارے
 نگہ حبیب ﷺ رب کا ملا جس گھڑی سہارا
 دلِ زار کا سفینہ اُسی دم لگا کنارے
 کسی امتی کی بگڑی جو کہیں نہ بن سکے تو
 درِ مصطفیٰ ﷺ پہ جا کر وہ نصیب کو سنوارے
 دلِ خفتہ کی سیاہی تبھی دور ہوگی مقصود
 کہ مکین ہوں گے اس میں مرے رب کے جب دُلا رہے

پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد مقصود (بڑودہ)

صلی اللہ علیہ وسلم

بدل جائے گی صورت میرے گھر کی اگر آمد ہوئی خیر البشر کی
تمنا ہنس پڑی شمس و قمر کی نقابِ چہرہ آقا جو سر کی
زیارت ہو اگر خیر البشر کی قسم کھائیں ملک میری نظر کی
نبی کے نام پر نقطہ نہیں جب تو پھر کیوں بحث یہ نور و بشر کی
نہیں ہے ان کے در سے ربط جن کا وہی کھائیں گے ٹھوکر در بدر کی
مرے سرکار کی ہے آمد آمد چمک اب دیکھئے روئے سحر کی
ارادہ ہوگا جب شہر نبی کا مثالی ہوگی نوعیت سفر کی
محمد مصطفیٰ لکھا ہو جس پر مثالیں دے زمانہ اس کھڑ کی
خیالِ سرور دیں تو بہت ہے نہیں ہم کو ضرورت ہم سفر کی
نبی کا نام روشن ہے لبوں پر اسے حاجت نہیں تیغ و سپر کی
نہ کیوں دل سے لگا لوں یاد ان کی کمائی ہے یہی تو عمر بھر کی
معطر ہو گیا وجدان میرا ہوئی حاصل جو خوشبوان کے در کی
چمکتا نور بھی مہتاب جیسا
جو ہوتا خاک تیری رہ گزر کی

سید محمد نور الحسن نور فتح پوری (یوپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

روئے پہ اپنے مجھ کو بلا لیجے حضور ﷺ
 بے آسرا ہوں اپنا بنا لیجے حضور ﷺ
 حسرت میں زندگی نہ کبھی ختم ہو کہیں
 ہوں دور اپنے پاس بلا لیجے حضور ﷺ
 شمع ہدایت آپ ہیں نور جہاں ہیں آپ
 دنیا کی ظلمتوں سے بچا لیجے حضور ﷺ
 شیطان کے وسوسوں سے بچا لیجے مجھے
 دامن میں رحمتوں کی چھپا لیجے حضور ﷺ
 پستی میں ہوں گرا ہوا عیش و نشاط کی
 مجھ کو بڑھا کے ہاتھ اٹھا لیجے حضور ﷺ
 طیبہ میں ہو بسر مری باقی تمام عمر
 خدمت میں اب جری کو لگا لیجے حضور ﷺ

ڈاکٹر جعفر جری (کریم نگر)

صلی اللہ علیہ وسلم

سوئے ہوئے عالم میں بھی بے دار ہیں آنکھیں
 اس ہادی برحق کی طلبگار ہیں آنکھیں
 آئیں گے نظر کیا مجھے انوار محمد
 باطل کے اندھیروں میں گرفتار ہیں آنکھیں
 جو دیکھ نہیں سکتی ہیں انوار مدینہ
 تو جان لو چہرے پہ گنہگار ہیں آنکھیں
 پڑھتی ہیں ادب سے یہ سدا نام محمد
 تعمیر صداقت میں مددگار ہیں آنکھیں
 اک عرصہ ہوا ہے درِ سرکار کو دیکھے
 محسوس یہ ہوتا ہے کہ بیمار ہیں آنکھیں
 سوغات انھیں مل گئی مولیٰ کے کرم کی
 جج پہ جو گئے ان کی چمکدار ہیں آنکھیں
 صدیق و عمر ہوں کہ عثمان غنی ہوں
 آقا کے لئے سب کی وفادار ہیں آنکھیں

تلک راج پارس (جبل پور)

صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے یہ مال و زر کیا تختِ دارا و سکندر کیا
 شہِ بطحا کا ادنیٰ امی ہوں اُس سے بڑھ کر کیا
 عزیز از جان ہیں کانٹے بھی طیبہ کی بیلوں کے
 مرے نزدیک جنت کی کوئی شاخ گل تر کیا
 مقاماتِ شہِ لولاک کی رفعت کا اندازہ
 لگا پائیں گے جبرئیل امین کے بازوئے پر کیا
 مرے آقا کا فیضانِ کرم سب کے لئے یکساں
 نگاہِ رحمت، عالم میں کم تر اور بر تر کیا
 جسے مل جائے سایہ رحمتِ عالم کے دامن کا
 تو پھر اُس کے لئے ہے گرمی میدانِ محشر کیا
 حرم کی شام اور صبحِ مدینہ جس نے دیکھی ہو
 بہارِ غلد کا اس کی نظر میں کوئی منظر کیا
 شفیع روزِ محشر کا ہے دامن جس کے ہاتھوں میں
 ہے اس کے واسطے دونوں جہاں میں اس سے بہتر کیا
 کھجوروں کی چٹائی مرکزِ درسِ ہدایت تھی
 حریر و پُر نیاں کا پُر تکلف نرم بستر کیا
 عجب اک سلسلہ تھا نور کا مشرق سے مغرب تک
 عرب کی سرزمین کیا آمنہ کا صرف اک گھر کیا
 شرف ان کی غلامی کا میسر ہو جسے فآخر
 نگاہوں میں پھر اس کی سطوتِ کسریٰ و قیصر کا
 فآخر جلالِ پوری (یوپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

آنکھوں میں میرے دل میں مدینے کی فضا ہے
 جس شہر کو دیکھا نہیں وہ دل میں بسا ہے
 جو روح کو سرشار کئے رہتی ہے ہر دم
 جنت سے نہیں کم وہ مدینے کی ہوا ہے
 جس نام کی خوشبو سے معطر ہے دو عالم
 وہ نام مرے دل کے گننے میں لکھا ہے
 اللہ اُسے بخشے گا جنت کی فضائیں
 اخلاص سے جس شخص نے بھی سجدہ کیا ہے
 اللہ کی نظروں میں پسندیدہ ہے وہ کام
 والیل کی ساعت میں جو مصروفِ دعا ہے
 ہیں جس سے خفا آپ وہ ہے راندہ درگاہ
 راضی ہیں نبی جس سے بس اُس کا خدا ہے
 جو اخلاص سے پڑھتا ہے ظفرِ کلمہ طیب
 قسمت میں اسی شخص کے رحمت کی گھٹا ہے

ظفر اقبال فتح پوری (یوپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

سورج رخِ صبح صادق پر کرنوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے
 اور مالکِ گلشن دل پہ مرے پھولوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے
 یوں نامِ نبی ﷺ کی عظمت کا احساس کرانے مالکِ گل
 وہ فہمِ بشر سے بالا تر لفظوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے
 جب بے خبری سے پوچھے ہم نے تخلیق ہوئے ہیں کیوں عالم
 اک نور صفا کے ماتھے پر جذبوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے
 وہ مردِ مجاہدِ خون سے جو تاریخِ جہاں رنگین کرے
 وہ حق کے لئے جاں دیتا ہے زخموں سے محمد ﷺ لکھتا ہے
 عرفان کی موجیں اُٹھتی ہیں گرا دے سمجھ کے پیتے ہیں
 جب دل کا سمندر ہستی میں لہروں سے محمد ﷺ لکھتا ہے
 اُسکو تو نظر آتا ہے وہی اک نامِ فضائے عالم پر
 جو دل میں انہیں رکھتا ہے سدا آنکھوں سے محمد ﷺ لکھتا ہے
 محسوسِ سہیل میں کرتا ہوں یہ یادِ نبی میں راتوں کو
 اقصائے فلک پر دستِ حسیں تاروں سے محمد ﷺ لکھتا ہے

سہیل کا کوروی (یوپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

ہزار دل ہزار جان سے ہمیں قبول وہ
وہ اولین کائنات آخری رسول ﷺ وہ

تضاد قول و فعل کا محال اس کی ذات پر
وہ ضابطہ بہ ضابطہ اصول در اصول وہ

بلندقامتی میں وہ پرے مری نگاہ سے
زمین پر آسمان کا وسیلہ نزول وہ

نفاذ کفر ہر طرف ورودِ جہل چار سو
بلا کے خارزار میں کھلا تھا بن کے پھول وہ

مری خوشی بھی کیا اگر نہ رو پڑوں یہ سوچ کر
مری خوشی کے واسطے سدا رہا ملول وہ

غلام مرتضیٰ راہی فتح پوری (یوپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

حبیبی محمد ﷺ نبی تہامی، زہے عزّ و جاہِ رسول ﷺ گرامی
 تیری بزم میں اے شرِ علیہ ذوالکرامی
 ملک ہیں پیامی بشر ہیں سلامی
 سراجِ مبیں ہے وہ ماہِ تہامی زہے عزّ و جاہِ رسول گرامی
 شفیعِ امم ﷺ، شافعِ روزِ محشر ﷺ
 وہ فخرِ بشر ﷺ، زیبِ محراب و منبر
 حبیبِ خدا ﷺ شاہدِ ذوالکرامی، زہے عزّ و جاہِ رسول گرامی
 وہ شاہِ رسل ﷺ، خسرو عرشِ مند
 وہ محمود ﷺ و حامد محمد و احمد
 خدا سے جسے نازش ہم کلامی، زہے عزّ و جاہِ رسول گرامی
 رسولِ معظم ﷺ، نبیِ مکرم ﷺ
 شِفائے مریضوں تیرا اسمِ اعظم
 تیرے نام سے ہے میری شادکامی، زہے عزّ و جاہِ رسول گرامی
 اے نورِ مجسم، نبیِ مکمل
 حقیقت میں شاہوں کے رتبے سے افضل
 ہے نایاب کو تیرے در کی غلامی، زہے عزّ و جاہِ رسول گرامی

سیدہ نیلو فر نایاب عاقل شاہی (میسور)

صلی اللہ علیہ وسلم

ملی ہے ایک اشارے پہ جس کے، کنکریوں کو بھی گویائی
اُس اُمی پہ ختم ہوئی ہے، سب حکمت اور دانائی
معراج کی شب ہو مبارک، سدرہ کا سفر ہو مبارک
سُوئے عرش چلی جو سواری تو تھی وجد میں ساری خدائی
صدیق و عمر بھی شیدا عثمان و علی بھی واری
ہے ستاروں کے جھرمٹ میں، اُس چاند کی جلوہ نمائی
میری عمر کا اک اک لمحہ، سو جان سے تم پر قرباں
میری خاک بھی کام آ جائے، ہو اتنی کرم فرمائی
ترا ذکر ہی شام و سحر ہو، تیری یاد میں عمر بسر ہو
ترے نور سے جلمگ ہے جگ، تیرے نور سے ہے رعنائی
میری حمد و ثنا بھی بے شک، تیرے نام بغیر ادھوری
میں حباب بھلا کیا مٹی، اور نور کی لکھوں بڑائی

ڈاکٹر حبیب راحت حباب کھنڈوا (ایم پی)

صلی اللہ علیہ وسلم

مدحت خیر البشر ﷺ سب کے مقدر میں کہاں
 یہ سعادت، یہ ہنر سب کے مقدر میں کہاں
 ہادی جن و بشر، محبوب داور کے سوا
 میہمانی عرش پر سب کے مقدر میں کہاں
 جو مقدس شہر مسکن ہے رسول اللہ کا
 اس کی گلیوں سے گزر سب کے مقدر میں کہاں
 پہلوئے سرکار ﷺ میں سوئے ہیں صدیق و عمر
 یہ سکون معتبر سب کے مقدر میں کہاں
 جس دعا کے فیض سے ایمان لے آئے عمر
 وہ دعا اور وہ اثر سب کے مقدر میں کہاں
 حضرت عثمان کو ذوالنورین جس نے کر دیا
 وہ عنایت کی نظر سب کے مقدر میں کہاں
 آج بھی تاریخ ہجرت کہہ رہی ہے اے شفیع
 بستر خیر البشر ﷺ سب کے مقدر میں کہاں

ڈاکٹر محمد شفیع (سیتا پور)

صلی اللہ علیہ وسلم

ہر سمت موجزن ہے جو فیضانِ مصطفیٰ
 احسانِ مصطفیٰ ہے یہ احسانِ مصطفیٰ
 دنیا سنور گئی مرا عقبیٰ سنور گیا
 ہاتھوں میں آگیا مرے دامنِ مصطفیٰ
 فرما دیا کہ اُمتِ عاصی کی مغفرت
 پوچھا خدا نے جب کبھی ارمانِ مصطفیٰ
 اے آفتابِ حشر ترا غم نہیں ہمیں
 ہم اُمتی ہیں سایہ نشینانِ مصطفیٰ
 حالانکہ یورشیں تو بہت ہیں خزاؤں کی
 لیکن مہک رہا ہے گلستانِ مصطفیٰ
 کترا کے ان سے گردشِ دوراں گزر گئی
 جو بھی ہوئے ہیں نغمہ سراپانِ مصطفیٰ
 حائل تھے درمیاں جو حجابات اُٹھ گئے
 یہ عظمتِ رسول ہے یہ شانِ مصطفیٰ
 ہم جن کو آسمانی صحیفہ کہیں مجیب
 مداحِ مصطفیٰ ہیں ثنا خوانِ مصطفیٰ

ڈاکٹر مجیب شہزاد (علی گڑھ)

صلی اللہ علیہ وسلم

اعلان جس کا کر رہا، قرآن ہے کہ بس
 کونین کے امام کی وہ شان ہے کہ بس
 دیکھیں جو مسکرا کے تو مردے بھی جی اٹھیں
 اللہ کے حبیب کی مسکان ہے کہ بس
 ٹکڑے کیا قمر، کبھی چشمے اُبل پڑے
 وہ انگلیاں، کہ معجزوں کی کان ہے کہ بس
 عرصہ بہت طویل تھا معراج کا مگر
 سمٹا تھا وقت ایسے کہ، اک آن ہے کہ بس
 روزے، نماز، کم سہی بخشش کے واسطے
 حب رسول پر میرا ایمان ہے کہ بس
 کونین کے ہیں شاہ مگر زیت کے لیے
 کچھ مختصر ترین سا سامان ہے کہ بس
 اپنا کے دیکھ لیجئے خود ان کے دین کو
 اتنا نفیس، سادہ، اور آسان ہے کہ بس
 یوں تو بہت عمل ہیں جو مسنون ہیں مگر
 نعت نبی وہ منت رحمان ہے کہ بس
 فائز کو نعت کہنے کی توفیق بخش دی
 اتنا بڑا یہ آپ کا احسان ہے کہ بس

قاری، قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری (راجستھان)

صلی اللہ علیہ وسلم

نورِ حق، محبوبِ یزداں، شاہِ خواباں پر سلام
انتساب و افتتاحِ نوعِ انساں پر سلام
پاکبازی سے مرصعِ شاہِ طفلان پر سلام
آمنہ کے لعل، تقدیرِ حلیمہ پر درود
خوش خرام و التجا رفتارِ پیکر پر درود
ابنِ عبد اللہ پر، درِ یتیمی پر درود
کلمہِ ایمان میں رب کے مقرب پر درود
محورِ تنویر و تشکیلِ ہدایت پر درود
ربِ کن کے مقصدِ خلقتِ پناہی پر درود
خلوتِ غارِ حرا، گوشہ نشینی پر درود
عفو فرمائے خطا و جرم پرور پر درود
گالیاں سن کر دعائیں دینے والے پر درود
رازدارِ رب، شناسائے مشیت پر درود
منجرِ صادق، امینِ دینِ فطرت پر درود
سامعِ روحِ الامیں مغموم و مضطر پر درود
خاتمِ اعجاز و اعزازِ رسالت پر درود
صاحبِ اموال و احوالِ خدیجہ پر درود
مرگِ ابراہیم سے نمناک آنکھوں پر درود
یارِ غارِ حضرتِ صدیقِ اکبر پر درود
نازشِ جہدِ عمرِ فاروقِ اعظم پر درود
جاں نثار و ناز بردارِ حمیرا پر درود
محوِ ذکر و فکرِ خوشبوئے توکل پر درود

رحمتِ دنیا شفیقِ حشرِ سماں پر سلام
شجرہٴ آدم کے رکنِ خاص خاصاں پر سلام
با حیا و باادب ہوئے گلِ افشاں پر سلام
رشکِ محبوبیتِ لعلِ بدخشاں پر سلام
خندہ لب، روشن جبیں، رخسارِ تاباں پر سلام
خوابِ عبد المطلب تعبیرِ شاداں پر سلام
مستقلِ تسبیحِ خواں، مرغوبِ سبحاں پر سلام
داعیِ تصحیحِ نیت، حفظِ ایماں پر سلام
شہسوارِ عالمِ تدبیر و امکاں پر سلام
رحمۃ اللعالمینی ابرِ باراں پر سلام
تائبِ بے ارتکابِ جرم و عصیاں پر سلام
سنگِ باری میں بھی صابر، غم گریزاں پر سلام
حاملِ فیضانِ حق، رحمتِ بداماں پر سلام
رہبرِ اصلاحِ احوالِ پریشاں پر سلام
امیٰ مطلقِ نبی ﷺ تلمیذِ رحماں پر سلام
عالمِ امکاں پر رب کے لطف و احسان پر سلام
زید بن حارث کے مخدوم و نگہباں پر سلام
اوردعائے مغفرت کے ساز و سماں پر سلام
قاسمِ برکاتِ ذوالنورین عثمان پر سلام
فاتحِ خیبر کے مقصودِ دل و جاں پر سلام
امہاتِ المومنین کے بختِ تاباں پر سلام
شانِ تقویٰ و طہارتِ جانِ ایماں پر سلام

راکبِ بَرّاق معراجِ نگاراں پر سلام
 حلقہٴ معمور کے مخصوص مہماں پر سلام
 رو بروئے رب، تشہد کے سخن داں پر سلام
 کہکشاں در کہکشاں نورِ فروزاں پر سلام
 سورہٴ کوثر میں مخفی عہد و پیمان پر سلام
 اور بنامِ خاک ساری ظرفِ ذیشان پر سلام
 اختیاری فاقہ فرمائی کے سلاطین پر سلام
 صاحبِ دل بستگی جاں نثاراں پر سلام
 چلتی پھرتی باعمل تفسیرِ قراں پر سلام
 حضرت حسان کے اشعار خواہاں پر سلام
 اور مشیت کے علم بردارِ نسیاں پر سلام
 شارحِ حج، اعتصامِ عید قرباں پر سلام
 درد مند و خوش پناہ درد منداں پر سلام
 انقلابِ حق کے تند و تیز طوفاں پر سلام
 بہرِ باطلِ عازمِ شمشیرِ بڑاں پر سلام
 شرک و بدعت کے یقینی دشمنِ جاں پر سلام
 بے سہاراں کے لیے ازغیبِ پرساں پر سلام
 فاطمہ زہرا کے بابائے بہاراں پر سلام
 مصدرِ حبِ صہیب و چاہِ سلیمان پر سلام
 ضوفشاں تاروں کے مہتابِ درخشاں پر سلام
 بدر کے میداں کی شان، مردِ میداں پر سلام
 اور عریشِ وعرش میں طے پائے فرماں پر سلام
 اور عنوانِ احد، تقدیسِ دنداں پر سلام
 رازِ مخفی سے معرئِ تیغِ عریاں پر سلام
 مائلِ عفو و تحلِ ابرِ نیساں پر سلام
 شاہِ طیبہ کی عنایاتِ فروزاں پر سلام

قدسیوں کے خیر مقدم میں فلکِ رو پر درود
 کبریا کی میزبانی کے مکلف پر درود
 ربِ ارحم امتی، فرمانے والے پر درود
 فیضِ یابِ صحبتِ ربِ دو عالم پر درود
 سورہٴ اسرا کے سیاحِ مکرم پر درود
 اک چٹائی پر فروکش شاہِ عالم پر درود
 عیش و عشرت، طرزِ شاہانہ کے منکر پر درود
 جاں نثاری صحابہ کی عقیدت پر درود
 مقصد و احکامِ قراں کے شناسا پر درود
 حکمت و دانائیِ حق کے معلم پر درود
 واقفِ شبِ قدر کے علمِ تعین پر درود
 دینِ ابرہیم کی تزئینِ اکمل پر درود
 فکرِ مند نیک اعمال و عوالم پر درود
 فہم اور ادراک سے مشتقِ خموشی پر درود
 محسنِ انسانیت پر امن پیکر پر درود
 سرِ وحدت پر، سراپائے رسالت پر درود
 حضرت عباس و حمزہ کے بھتیجے پر درود
 لاڈلے حسین کے محبوبِ نانا پر درود
 منبعِ عشقِ بلالِ شانِ حبشہ پر درود
 متقی اصحاب کے ماویٰ و محور پر درود
 دس بشارت یافتہ روحوں کے بجا پر درود
 تین سو تیرہ کے آگاہِ عزیمت پر درود
 عرصہٴ طائف میں جاری خونِ اطہر پر درود
 بو دجانہ کو عطا فرما نوازش پر درود
 درگزر فرمائے وحشی کی متانت پر درود
 فاتحِ مکہ کے اخلاص و مروت پر درود

غیرتِ صد فاحسین، رشکِ شہیداں پر سلام
 قاطع ہر اختلافِ نسلِ انساں پر سلام
 رحمتِ تَوَاب کی خیراتِ ارزاں پر سلام
 دونوں عالم کے سراجِ نور افشاں پر سلام
 آخری پیغمبر ہر جن و انساں پر سلام
 سورۃ تبتِ یدئی کے رازِ پنہاں پر سلام
 آسمانی حکم کے مفہومِ آساں پر سلام
 غمگسار و شافعِ محشر کے احساں پر سلام
 عالمی امت کے استخلاص خواہاں پر سلام
 مہربان و درد مند ہر مسلمان پر سلام
 در یقینِ فضلِ مولیٰ روئے خنداں پر سلام
 یعنی اللہ احد کے مرتبہ داں پر سلام
 بے نیازیِ صمد کے ناز و نازاں پر سلام
 حضرت ختمِ الرسل سرتاجِ شاہاں پر سلام
 از ازل تا بہ ابد تنویرِ یزدان پر سلام
 بر سرِ محشر شفاعت مند ارماں پر سلام
 ایک آقائے غلامانِ غلاماں پر سلام
 چشمِ گریاں کے، ہجومِ غم کے درماں پر سلام
 ربِ کعبہ کے حبیب و جانِ جاناں پر سلام
 اذنِ شافی کی شفا کے کلِ مریضاں پر سلام
 میرے دورِ جبر کے بھی لطفِ دوراں پر سلام
 میرِ ایماں و یقین و فیض و عرفاں پر سلام
 اور زبانِ شوق و صل و ضعفِ ہجراں پر سلام

حق کے پیرو، حق پناہی کے پیہر پر درود
 درس فرمائے مساواتِ حقیقی پر درود
 عظمت و ہباب کی نایاب نعمت پر درود
 ظلمتِ جہلِ عرب سے جنگ فرما پر درود
 اولیں حجت بہ عنوانِ عبادت پر درود
 سورہ اِنَّا فَتَحْنَا کے مخاطب پر درود
 سختیوں کی آزمائش سے مشرف پر درود
 حق گزارِ داورِ محشر کے سجدوں پر درود
 واقفِ استغنا و یکسوئے توکل پر درود
 ہر مسلمان کے عیارِ دین و دنیا پر درود
 امتِ عاصی کے غم میں دیدہٴ غم پر درود
 مدحِ خواں ہے جس کا خود رب اس محمد ﷺ پر درود
 قادرِ مطلق کے سادہ لوح بندہ پر درود
 سرورِ کونین، شاہِ ہر دو عالم پر درود
 تا قیامت رہنمائے دین و دنیا پر درود
 آرزو مند و رضائے جوئے الہی پر درود
 آدمیت کی نمائندہ شرافت پر درود
 مرحمتِ بخش و عطائے خوئے مسرت پر درود
 گنبدِ خضریٰ میں محوِ استراحت پر درود
 قلبِ صافی کی مناجاتی دعاؤں پر درود
 ہر زمانہ کے نصابِ فیضِ یابی پر درود
 میرے آق، میرے مولیٰ، میرے سرور پر درود
 ہے سحر خیز ابو ذاکر کے ہونٹوں پر درود

اظہارِ مسرتِ یزدانی ابو ذاکر مظہری (جے پور)

ستائشِ نامے

کوئی چٹکی سی کلیجے میں لیے جاتا ہے
ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

فاتی بدایونی

سید صبیح رحمانی (کراچی)

مدیر ”نعت رنگ“

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام مسنون

”دبستان نعت“ کا پہلا شمارہ موصول ہوا۔ مجھے مسلسل اسفار کے سبب اسے توجہ سے دیکھنے میں کچھ تاخیر ہوئی اور اسی لئے فوری طور پر آپ کو رسید نہ دے سکا جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ سب سے پہلے تو اس وقیع رسالے کے اجرا پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ آپ اور فیروز احمد سیفی جس خلوص اور سنجیدگی سے ہندوستان میں نعت کے علمی و ادبی فروغ پر کمر بستہ ہوئے ہیں اس سے مجھے دلی خوشی کے ساتھ ساتھ اطمینان قلب بھی حاصل ہوا ہے میری بڑی خواہش رہی ہے کہ ہندوستان سے بھی کوئی ایسا جریدہ سامنے آئے جو ہند میں نعت کی تخلیقی رفتار اور معیار کے جائزے کے ساتھ تحقیقی اور تنقیدی نقوش کو بھی واضح کر سکے۔ غلام ربانی فدا کے رسالے ”جہان نعت“ نے سفر کا آغاز کیا مگر جاری نہ رہ سکا۔ اب ”دبستان نعت“ کے پہلے شمارے کو دیکھ کر اور اس کے مشمولات کو دیکھ کر امید ہو چلی ہے کہ انشاء اللہ یہ رسالہ ہماری آرزوؤں کی تکمیل کر سکے گا۔ آپ نے پہلے شمارے ہی میں ہندو پاک کے کئی اہل قلم کا تعاون حاصل کر لیا ہے جو خوش آئند ہے۔ رسالے کے اکثر مضامین علمی اور معلوماتی ہیں۔ مولانا جاتی پر گوشہ اچھی کوشش ہے اس کا دائرہ وسیع کیجئے اور اس میں کلاسیکی روایت کے شعرا پر کام کروائیے۔ ہندوستان کے نعت گو شعرا کے تعارف اور تذکروں پر توجہ دیجئے کہ ان کا تعارف ابھی پاکستان تک نہیں پہنچا یہی وجہ ہے کہ یہاں لکھے جانے والے تحقیقی و تنقیدی مقالات میں وہاں کے شعرا کے حوالے کم ہی سامنے آتے ہیں۔

میں نے ”نعت رنگ“ میں اپنی سی کوشش کی ہے مگر فاصلوں اور رابطوں کے حجابات آڑے آتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود میں نے اپنی ہر کتاب اور ”نعت رنگ“ کے شماروں میں اس کا خیال رکھا ہے۔ اب آپ اس محاذ پر کام سنبھالیئے ہند کے صاحبِ اسلوب نعت نگاروں کا تعارف ”دبستان نعت“ کی اولین ترجیح ہونا چاہئے۔

وہاں کی جماعت میں اردو کے اساتذہ تک رسالے کو پہنچا کر ان سے قلمی تعاون حاصل کیجئے صرف نعت پر لکھنے والے اہل علم تک محدود مت رہیئے نئے لوگ تنقید و تحقیق کے نئے

امکانات لیکر آتے ہیں ان کو اس طرف راغب کرنا آسان کام نہیں ہوتا مگر یہی ایک مدیر کی کامیابی کا معیار ہے کہ اس نے اپنے رسالے کے لئے معاصر ادبی منظر نامے سے کتنا تعاون حاصل کیا۔ مجھے آپ کی صلاحیتوں اور محنت پر بھروسہ ہے، مجھے یقین ہے آپ ”دبستان نعت“ کو ترقی کی اعلیٰ منازل تک ضرور لے جائیں گے، میری دعائیں اور تعاون ہمیشہ آپ کے ساتھ ہے۔

محمد ابراہیم حنیف مغل (لاہور)

مدیر ”کاروان نعت“

جناب فیروز احمد سیفی کی طرف سے ارسال کردہ ششماہی ”دبستان نعت“ انڈیا، علی بھائی کے ذریعہ موصول ہوا۔ مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری کی زیرِ ادارت یہ خوبصورت اور معیاری پرچہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ چار صد صفحات پر مشتمل یہ نقشِ اول اپنے آنے والے شماروں کے اعلیٰ معیار کی پیشین گوئی کر رہا ہے۔

نعت جیسی صنف کو ادبی دنیا میں منوانے کے لیے ایسے تحقیقی و تنقیدی کاموں کی از حد ضرورت ہے جو نہ صرف ادبی دنیا بلکہ موجودہ دور میں پیدا ہونے والے بے ادبوں کی تربیت کا ساماں بھی کر سکے۔ امام عاشقان علامہ عبدالرحمن نور الدین جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام سے منسوب یہ کاوش حمد رب کریم جل شانہ کی خوشبوؤں سے شروع ہوتی ہے جس میں تنویر پھول، طاہر سلطانی اور ابرار کرت پوری جیسے کہنہ مشق بارگاہِ الوہیت میں حاضری کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد (پٹنہ۔ انڈیا) نعت کی صنف کو اردو ادب میں بڑے احسن انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ فنِ نعت پر ڈاکٹر سید خسرو حسینی (گل برگہ شریف) جدید انداز میں گفتگو کر رہے ہیں مگر صفحہ نمبر ۲۸ تا ۳۱ پر غلطی کی نظر ہو گیا ہے۔ جس پر توجہ کی ضرورت ہے۔

حدائقِ بخشش کے صنائعِ بدائع پر ڈاکٹر صابر حسین بھٹی (یو۔ پی) امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں۔ نعت اور ہماری شعری روایت ”پر نامور محقق و نقاد جناب ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) ہمیں اپنے تجزیہ سے نواز رہے ہیں۔ ”ارتقائے نعت“ پر یو۔ پی سے مرزا ساجد حسین ساجد امر و ہوی سید ہر دو عالم علہ الصلوٰۃ والسلام کے دورِ مبارک کے شعرا سے لیکر آج کے دور کے اہلِ سخن کا ایک نقشہ پیش کر رہے ہیں۔

اسی طرح ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی (ناندری)، فیروز احمد سیفی (نیویارک) منیر احمد ملک، قاضی

محمد رفیق فاتر فتح پوری، سید اقبال حیدر (ہیوسٹن)، محسن اعظم محسن علیج آبادی، طاہر سلطانی، ڈاکٹر نذیر فتح پوری (پونہ)، علیم صبانویدی (مدراس)، مولانا نور الہدیٰ مصباحی (یو۔ پی) ڈاکٹر محمد مشاہد رضوی (مالیگاؤں) ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی (یو۔ پی)، مولانا وصال احمد اعظمی (یو۔ پی) تنویر پھول، ڈاکٹر سنجی نشیط (مہاراشٹر) اور ڈاکٹر رضوان انصاری (لکھنؤ) جیسی نابغہ روزگار شخصیات نعت، نعت گو اور عاشقانِ رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت کے پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ کلام مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی خاصے کی چیز ہے۔ نیز بہت ہی معزز احباب ذی وقار نے اپنی زندگی کا اثاثہ آخرت سرکار بدرقہ ارعائے کو پیش کیا ہے۔

اس شمارے میں یہ بھی ایک خوبی ہے کہ حضور پر نور نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ درود پاک کا خیال رکھنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں جناب فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، ”اللہ کرے تلاش یار کی پیاس اور زیادہ شکر یہ۔“

سعید رحمانی۔ کلک (اڑیشا)

مدیر اعلیٰ ”ادبی مجاذ“

۴ اگست ۲۰۱۶ء

برادر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ششماہی ”دبستانِ نعت“ کا اولین شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ اس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ تقدیری شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری کے فروغ کے لیے آپ نے یہ مستحسن قدم اٹھایا ہے جس کے لیے آپ بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اس اولین شمارے کے مشمولات کو دیکھتے ہوئے مجھے پوری امید ہے کہ آپ کی یہ کاوش نہ صرف بار آور ہوگی بلکہ ہندوستان میں یہ رسالہ ”نعت رنگ“ کا نعم البدل سمجھا جائے گا۔ سبھی مضامین بصیرت افروز اور چشم کشا ہیں جن کے مطالعہ سے نعت پاک کی نہ صرف مختلف جہتیں روشن ہوئی ہیں بلکہ مختلف نعت گو شعرا کے فکر و فن سے بھی آشنا ہونے کا موقع ملا ہے۔ مجموعی طور پر یہ رسالہ اپنے صوری حسن اور معنوی جمال سے آراستہ ہے۔ میری دعا ہے کہ دبستانِ نعت کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہو اور اللہ تعالیٰ اسے بقائے دوام عطا فرمائے۔ آمین

نعتیہ شاعری پر دو مضامین اور اپنی چند نعتِ پاک ارسالِ خدمت ہیں۔ اگر آپ کو پسند آجائیں تو اگلے شمارے کی زینت بنا کر موقعِ تشکر عطا فرمائیں۔

ڈاکٹر آفاق فاخری (جلال پور۔ یو پی)

۲۲ اگست ۲۰۱۶ء

برادر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب
السلام علیکم

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

”دبستانِ نعت“ کا شمارہ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء کا باصرہ نواز ہوا، شکریہ۔ محترم فیروز احمد سیفی صاحب (نیویارک) سے فون پر گفتگو ہوئی موصوف نے تفصیل کے ساتھ صرف نعت پر اپنے منصوبے سے آگاہ کیا بے پناہ مسرت ہوئی باری تعالیٰ جزائے خیر دے۔

اس شمارے میں ”تحمید و تقدیس“ باعثِ برکت ہے ”گنجینہ نقد و نظر“ کے جملہ مضمومات گراں قدر اور پُر از معلومات ہیں۔ مقالات کے تحت بھی مضامین و قیغ اور معیاری ہیں کس کس کا ذکر کیا جائے ”گوشہ علامہ جامی“ نے گویا اس شمارے کے معیار و میزان میں اضافہ کیا ہے۔ ”گلہائے عقیدت“ سبحان اللہ۔ ماشا اللہ۔

مجموعی طور پر یہ شمارہ ایک وقیع دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے یہ سب ”دبستانِ نعت“ کے نگراں اور معاونین حضرات کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ محترم فیروز احمد سیفی (نیویارک) کے حسبِ ارشاد اپنا شعری مجموعہ ”والفجر“ چند مضامین اور دو نعت برائے اشاعت آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ رسید سے مطلع فرمائیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر مناظر عاشق ہر گانوی (بھاگل پور)

محترم سراج احمد قادری صاحب

سلام مسنون

ڈاکٹر نذیر فتح پوری صاحب نے ”دبستانِ نعت“ کا پہلا شمارہ رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجا ہے جو آپ نے مجھے بھیجوانے کے لیے انہیں دیا تھا۔

سات حصے پر مشتمل چار سو صفحے کا شمارہ پاکر میں جتنا خوش ہوں اتنا ہی حیران بھی ہوں، میرے خیال میں ہندوستان کا یہ پہلا رسالہ ہے جس کا عام شمارہ اتنی ضخامت میں شائع ہوا ہے۔ آپکو جتنی مبارک بادوں کم ہے کہ اردو کے مرکز سے ہٹ کر غیر معروف ادبی جگہ سے اتنا معیاری رسالہ نکالا ہے۔ اس کی لمبی عمر کے لیے دعا گو ہوں۔ فراست سے بھرپور جو دو سخا کے جو دروازے آپ نے وا کئے ہیں اس کا صلہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ملے گا فلاح دارین کی اس روشنی میں آپ موضوع گفتگو ہیں گے اس کا یقین ہے۔ اس شمارے پر تبصرہ ”رنگ و بو“ حیدر آباد کے اپنے کالم ”میرا مطالعہ“ میں دے رہا ہوں۔

دو ایک تخلیق منسلک کر رہا ہوں، اور کتابیں بھی بھیج رہا ہوں۔ ”ہر سانس محمد ﷺ پڑھتی ہے“ پر جتنے مضامین آئے ہیں انہیں کتابی شکل میں ڈاکٹر امام اعظم (ڈائریکٹر مانو، کلکتہ اور مدیر ”تمثیل نو“، دربھنگہ) ترتیب دے رہے ہیں۔ اکتوبر میں یہ کتاب ہر حال میں آجائے گی۔ آپ یا آپ کے احباب دو چار صفحہ بھی لکھ دیں تو کتاب میں شامل کر کے خوشی ہوگی۔

میرا تعاون ملتا رہے گا۔

امید ہے نغمہ بار ہوں گے۔

ڈاکٹر شائر اللہ خاں (رام پور)

یکم ستمبر ۲۰۱۶ء

محترم! سلام مسنون

آپ کے مسلسل تحقیقی مجلہ ”دبستانِ نعت“ کی دو کتابیاں موصول ہوئیں، میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس عاجز کو ایسے بابرکت مواد سے نوازا۔ کراچی سے شائع ہونے والے ”نعت رنگ“ جریدہ سے تو میں واقف تھا لیکن ہندوستان میں نعت رنگ سے بہتر مواد پیش کر کے آپ نے بڑی ہمت کی اور عزیزی ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب کی سرپرستی میں اور محترم فیروز احمد سیفی صاحب کی نگرانی میں بہترین تحقیقی مواد سے مملود دبستانِ نعت جیسا رسالہ جاری کیا۔ میری جانب سے مبارک باد قبول فرمائیں۔

اس شمارہ میں تحمید و تقدیس کے تحت حمدوں کا انتخاب قابل ستائش ہے، گل ہائے عقیدت کے تحت مشمولہ نعتوں کا معیار بھی بہت بلند ہے۔ ان نعتوں میں شعرا کرام نے نہایت عقیدت و

الفت کے ساتھ بارگاہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم میں نذرانے پیش کیے ہیں۔ مجلہ میں شامل ”گوشہ علامہ جامی“ انفرادی حیثیت رکھتا ہے اس میں جناب تنویر پھول نے حضرت جامی علیہ الرحمۃ کی دو نعتوں کی بہترین اردو ترجمانی کی ہے۔

آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ رام پور کی دو مشہور علمی شخصیات مولانا عبد الہادی خاں کاوش اور مولانا ڈاکٹر انوار حسن خاں فرقانی نے اکابر فارسی شعرا کی متعدد نعتوں کا اردو ترجمہ کیا ہے جسے ہم نے ماہنامہ ضیاء وجیہ، رام پور میں موقع بموقع شائع کیا ہے۔

فن نعت گوئی پر دبستان نعت میں آپ نے جو مقالات شامل کئے ہیں وہ نہایت مفید مطلب ہیں نعت گو شعرا کے علم و فن کا جائزہ ان مقالات میں خوب لیا گیا ہے اسی طرح بعض نعتیہ مجموعوں کا تجزیاتی مطالعہ بھی خاصہ کی چیز ہے۔ رب کریم دبستان نعت کو حوادثِ دہر کے جھونکوں سے محفوظ و مامون رکھے۔

اس خط کے ہمراہ ماہنامہ ضیاء وجیہ کے جنوری تا جولائی ۲۰۱۶ء کے شمارے ارسال کر رہا ہوں قبول فرمائیں، مطالعہ فرمائیں اور اپنے تاثرات سے نوازیں تاکہ ہمیں اپنی ٹوٹی پھوٹی محنت کا اندازہ ہو سکے۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ کار لائقہ سے یاد فرمائیں۔

ڈاکٹر حبیب راحت حباب۔ کھنڈوا (ایم پی)

مورخہ ۱۱ ستمبر ۲۰۱۶ء

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب
السلام علیکم

”دبستان نعت“ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء نظر نوز ہوا، اس بیش بہا اور نادر و نایاب تحفہ کی حصول یابی پر ہدیہ سپاس پیش کرنے کے لئے سوائے جزاک اللہ خیرہ کہنے کے، نہ الفاظ ہیں نہ سکت! سبھی مضمولات فن نعت اور آداب نعت گوئی کا سلیقہ عطا کرتے ہیں۔ بالخصوص مولانا جامی علیہ الرحمۃ پر شامل مقالات روح کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ محترم فیروز احمد سیفی صاحب نے فنون پر رسالہ کے تعلق سے بتایا تھا۔ موصوف کا دل جذبہ حب نبی ﷺ سے سرشار ہے، جو انکی کسی نیکی کے عوض رب تعالیٰ نے انہیں بخشا ہے۔ موصوف انڈیا تشریف لائیں تو ناچیز کا سلام عرض کریں۔

جب اُن کا فون آیا تھا میری بات ہوئی تھی۔ آپ کو اور جملہ احباب کو بھی سلام عرض کرتا ہوں۔
خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔
اپنی دو غیر مطبوعہ نعت پاک ”دبستانِ نعت“ کے لئے اس مکتوب کے ساتھ ہی منسلک کر
جواب کا منتظر ہوں۔

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

مکرمی و محترمی ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب!
السلام علیکم!

”دبستانِ نعت“ کا پہلا شمارہ نظر نواز ہوا۔ بہت سی تحریریں اور نظم و نثر کی نگارشات دیکھ کر
خوشی ہوئی۔ بعض مواقع پر احساس ہوا کہ دوستیاں یا P.R. نبانے کے لیے، کمزور کلام کے تخلیق
کاروں کو بھی قادر الکلام شعرا کی صف میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
آپ کا مقصد حمد و نعت کا فروغ ہے تو اس بات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ کمزور کلام
شائع نہ کیا جائے۔ کسی بھی مضمون میں کمزور کلام کی تعریف ہو تو اسے شامل اشاعت کرتے
ہوئے کمزور کلام کو حذف کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بہت سارے مضامین ستائشِ باہمی کی
تحریک پر لکھے جاتے اور رسائل کو بھجوا دیئے جاتے ہیں۔ ان میں بھی بحیثیت مدیر آپ کی ذمہ
داری ہے کہ انتخاب فرمائیں۔ تحریروں کو قابل اشاعت یا ناقابل اشاعت قرار دینا آپ کا
صوابدیدی اختیار ہے۔ اس اختیار کا عملی مظاہرہ بھی ہونا ضروری ہے۔ عام شاعری میں عروضی
، لسانی اور شعری کمزوریاں دیکھ کر اسے رد کرنے کا رجحان ہماری ذمہ دارانہ صحافتی روایت کا حصہ
رہا ہے۔ نعت میں ایسا کیوں نہ ہو؟

ڈاکٹر سید شاہ حسین احمد نے کیا خوبصورت بات کہی ہے:

”نعت لکھنے والوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ نعت صرف توشہء آخرت نہیں بلکہ ادب بھی
ہے۔ اسے پرکھنے اور اس کی ادبی قدر و قیمت متعین کرنے کا ناقد کو پورا پورا اختیار ہے۔ اس
پر نعت گو کو چیں بہ جیں نہیں ہونا چاہیے“ (ص 26)۔ نعت کے فن پر ڈاکٹر سید خسرو حسینی نے بڑی
پُر مغز تحریر پیش کی ہے۔ نعتیہ ادب سے منسلک شعرا، ادبا، ناقدین اور محققین کے لیے اس مضمون
میں انتہائی اہم فکری تغذیہ (Food For Thought) ہے۔ ڈاکٹر صابر سسنبھلی نے

”حدائق بخشش کے صنائع بدائع پر ایک نظر“ کے عنوان سے اچھا لکھا ہے لیکن جدید شعری فضا میں قدیم پیمانوں سے ناپ کر کسی کے فن کو جانچتے رہنے سے بہتر ہے کہ جدید تنقیدی اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو از سر نو زیر مطالعہ لایا جائے۔ صنائع بدائع کے علاوہ ان کے متن کی فکری جہتوں کو اجاگر کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ مسلسل ایک ہی ڈگر پر چلتے ہوئے ان کی شاعری کے محاسن گنائے جائیں۔ بہر حال ڈاکٹر صابر سنبھلی نے اپنے موقف کو بالکل علمی انداز میں پیش کر کے استدلال کو مضبوط بنایا ہے۔ ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی نے کرشن کمار طور کا اچھا تعارف پیش کیا ہے۔ طور کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچھا شعر بھی کہتے ہیں اور نعت کے مافیہ (Content) کو نبھانا بھی جانتے ہیں۔ لیکن مضمون میں شامل

بعض اشعار میں کمپوزنگ کی کچھ اغلاط کے باعث مصاریع کے اوزان پر حرف آرہا ہے۔ کلام شاعر بڑی احتیاط سے نقل ہونا چاہیے۔ مثلاً مجھے ان مصرعوں میں کوئی لفظ چھوٹا ہوا محسوس ہو رہا ہے..... سج جہاں میں کچھ نہیں ماوراء محمد ﷺ سے..... سج کی تو بزم عطا محمد ﷺ سے ”بانٹنے والا“ کی ردیف میں پوری نعت لائق تحسین ہے۔ فیروز احمد سیفی صاحب نے ڈاکٹر صغریٰ عالم کا تعارف کروایا ہے۔ ان کی شاعری اچھی ہے لیکن کہیں کہیں عروضی اسقام محسوس ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کمپوزنگ کی اغلاط ہوں۔ طاہر سلطانی نے لطیف اثر کو قادر الکلام شاعر کے طور پر متعارف کروایا ہے لیکن ان کے کلام میں عروضی معاملات بہت زیادہ سقیم ہیں۔ مثلاً

مالک دوسرا مدد کر دے

ہر رحم ہر کرم کی حد کر دے

دوسرے مصرعے میں حائے حلی متحرک ہوگئی ہے حالاں کہ ساکن ہے۔ اس لیے مصرع

ناموزوں ہو گیا۔

صلی علی کا ورد امر ہو گھڑی گھڑی

سرکار ہوں ہمارے اور سرکار کے ہوں ہم

دوسرا مصرع خارج از بحر ہے۔

حرم کی راہ آئی اللہ اللہ

صدا ہوگئی عام صلی علی کی

پہلا مصرع بے وزن ہے۔

اسی طرح صفحہ نمبر 163 پر جو حمد ہے اس میں ”مالک الملک“ عربی تلفظ کے ساتھ پڑھنے میں دقت ہوتی ہے اور مصرعے بے وزن لگتے ہیں۔ اس مضمون میں تابلش الوری کا کلام بڑا جاندار ہے۔ حمد لا جواب ہے:

مالک الملک ہے وہ ملک ہے سارا اس کا
آسماں اس کا، سمک اس کی ہے صحرا اس کا
لہر در لہر رواں اس کا کرم اس کی عطا
ساحل اس کا ہے، ہوا اس کی ہے دھارا اس کا

بعض مضامین میں عصر حاضر کے شعرا کیے لیے مبالغہ آمیز خطابات دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ نقدِ سخن کی آبرو نقش و نگار طاقِ نسیاں ہوئی جاتی ہے۔
بہر حال آپ کی پیش کش لائقِ تحسین ہے۔ امید ہے اگلے شماروں میں اشعار کی صحت کے ساتھ کمپوزنگ کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ جس قدر میں پڑھ سکا اسی قدر گفتگو کی ہے۔ سارا لوازمہ دیکھنے کے لیے وقت چاہیے اور مجھے، دوسرے مطالعات میں مصروف ہونے کے باعث، یہ شمارہ، بالاستیعاب پڑھنے کی فرصت میسر نہیں ہے۔

تنویر پھول (نیویارک)

محترم المقام سراج احمد قادری صاحب!

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

برادرِ م فیروز احمد سیفی صاحب کی عنایت سے ششماہی ”دبستانِ نعت“ کا پہلا شمارہ نظر نواز ہوا جسے پا کر بے حد مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین
پہلا شمارہ ہی اتنا خوب صورت ہے کہ دل سے بے ساختہ سبحان اللہ اور واہ! واہ! کی صدا بلند ہوئی۔ ان شاء اللہ یہ جریدہ مستقبل میں مزید ترقی کرے گا کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ”نقاشِ نقشِ ثانی بہتر کشفِ اول“۔ ایک گزارش ہے کہ کمپوزنگ پر مزید توجہ دی جائے تو بہتر ہوگا۔ صفحہ نمبر ۵ پر فہرست میں راقم الحروف کی حمد کے مصرع میں ”سب پہ تیری عطا، تو کرم ہی کرم“ میں ”تو“ کمپوز ہونے سے رہ گیا جس کی وجہ سے وزن متاثر ہو رہا ہے۔ یہ بھی محسوس ہوا کہ شاید ”کھڑا زبر“ کمپوز نہیں ہو رہا ہے کیونکہ ”رحمن“ اور ”مصطفیٰ“ ﷺ میں یہ موجو نہیں ہے۔ میرے

کمپیوٹر میں ”شفٹ“ دبا کر اگر حرف ”آئی“ پر کلک کیا جائے تو ”کھڑا زبر“ ٹائپ ہو جاتا ہے، یہ طریقہ آزما کر دیکھئے۔ فہرست کا عنوان ”نور و نکہت“ بہت پسند آیا، داد اور مبارک باد قبول کیجئے۔

صفحہ نمبر ۱۳ پر سطر نمبر ۶ میں ”پی ایچ۔ ڈی“ درست کمپوز نہیں ہوا ہے۔ ”پی“ کے بعد بھی ”ڈیش“ لگا دینے سے لوگ ازراہ تفہن اسے ”پھرا ہوا دماغ“ کہتے ہیں۔ اسی صفحے پر سطر نمبر ۱۳ میں ”اور“ کا ”الف“ رہ گیا ہے۔ صفحہ نمبر ۳۵ پر ولی صاحب کی نعت شریف کے چوتھے شعر کے مصرع ثانی میں غالباً ”اور“ زیادہ کمپوز ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وزن قائم نہیں رہا، درست مصرع اس طرح ہوگا: ”ورنہ کہاں یہ منہ، کہاں محبوب ذوالمنن“ ﷺ۔

صفحہ نمبر ۳۴۹ پر راقم الحروف کی نعت کا نواں مصرع درست کمپوز نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس کا وزن متاثر ہو رہا ہے۔ درست مصرع یہ ہے:

”سورہ طہ کے ہے آغاز میں حق کا خطاب“۔ اس میں ”ہے“ کمپوز نہیں ہوا ہے۔ یہ مثالیں دینے کا مقصد ”تفہید برائے تنقیص“ ہرگز نہیں ہے، یہ کمپوزنگ میں مزید احتیاط کی گزارش ہے ویسے یہ بھی حقیقت ہے کہ کوشش کرنے کے باوجود کچھ نہ کچھ غلطیاں ضرور رہ جاتی ہیں۔ مجموعی طور پر مضامین نثر و نظم کا انتخاب اور آپ کی یہ مبارک پیشکش لائق صد تحسین و ستائش ہے جس پر آپ دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

سیفی بھائی کے ارشاد کے مطابق ”نعت میں بچوں اور ادب اطفال کا حصہ“ کے زیر عنوان ایک مقالہ اور حمد و نعت منسلک ہیں۔ تمام احباب کو سلام کہئے اور ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھئے۔ والسلام

غفران اشرفی (گیا)

محترم مدیر اعلیٰ دبستان نعت

تسلیمات

بڑی کاوش و محبت کا آئینہ دار ”دبستان نعت“ قابل تحسین و ستائش ہے۔ اس دور میں نعت کے اشعار کو تبصروں کے ساتھ شائع کرنا ایک سنگ میل سے کم نہیں ہے۔ ایک ضخیم چار سو صفحات پر مشتمل اپنے مشمولات کے ساتھ ہندوستان میں یہ رسالہ جلوہ گر ہوا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بے مثال قلم کاروں کی تخلیقات سے آراستہ یہ ”دبستان نعت“ فخر ہندوستان کہا جائے تو کم ہوگا۔ دوسرے ملکوں میں اس ضمن میں بہت کام ہوئے ہیں مگر ہمارا ملک بھی اس میں کم نہیں

ثابت ہوا ہے۔ حضور سرور کونین ﷺ کی نگاہِ کرم ہے کہ آج حبِّ رسول ﷺ کے جذباتِ نیت
نئے انداز میں مفکرین پیش کرتے رہے ہیں۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ سحر دے

علامہ اقبالؒ

تو بے حساب بخش کہ ہیں بے حساب جرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا

علامہ حسن رضا خاں بریلویؒ

چو بازوئے شفاعت را کشا ئی
مکن محروم جامی را درآں دم یا رسول اللہ

علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ

تیری رہ گزر سے آگے کوئی راستہ نہیں ہے
ترے نقش پا سے افضل کوئی نقش پا نہیں ہے

مستین عمادیؒ

ظلمتیں رخصت ہونیں باطل کا سر نیچا ہوا
واقعی نورِ نبی سے گھر کے گھر روشن ہوئے

مجتبیٰ مہر (بہار)

مدیرِ اعلیٰ نے اس مجلے کو بہت سے ابواب سے آراستہ کیا ہے جیسے تحمید و تقدیس، گنجینہٴ
نقد و نظر، رحمتِ بیکراں، مقالات، گوشہٴ علامہ جامی، گلہائے عقیدت، پیامِ مدحت۔ دنیا کے
ہر ملک کے لوگوں کی نعتیں اس میں محفوظ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی محبت حضور پر نور
سرور کونین ﷺ سے ساری دنیا کے لوگوں کو ہے۔ یہ بھی قابلِ ذکر امر ہے کہ حضور نے معراج
کے وقت اپنی امت کو یاد کیا اور وقتِ رخصت بھی امت کو یاد کیا۔ کاش آج ہم بھی کچھ محبت و
جاں فشانی آپ کے لیے رکھتے۔ قاری کے لیے یہ بہت دل چسپ کتاب ہے۔ اور اردو ادب
کا بہترین سرمایہ ہے پڑھنے والوں کو ایمان کی تازگی کا احساس دلاتا ہے۔ دعا ہے کہ اس سلسلے

کو آپکا ادارہ آگے بڑھاتا رہے۔

ایں امانت چند روزہ نزد ما ست
در حقیقت مالک ہر شے خدا است

ڈاکٹر رضوان انصاری (سیتاپور)

محپ گرامی قادری صاحب

السلام علیکم

اردو کی نعتیہ شاعری (تقدیسی شاعری) پر تحقیقی و تنقیدی مقالے کے لیے مزید وقت درکار ہے۔ کتابوں تک رسائی اور مواد اخذ کرنے میں وقت کی کمی بھی درمیان میں حایل ہے اس لیے ”دبستان نعت“ میں شمولیت کی خاطر حمدیہ شاعری کے حوالے سے مقالہ حاضر کر رہا ہوں جو غیر مطبوعہ ہے یقین ہے پسند آئے گا۔ فی الحال ”ذکر خلیل و ذبیح“ علیہا السلام نامی کتاب مرتب کرنے اور شائع کرانے میں مصروف ہوں اس لیے تاخیر ہوئی۔ تقدیسی نثر و نظم پر تبصرہ بھی شائع ہو تو شاید مفید ہو، غور فرمائے گا۔
امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

متین عبادی (پٹنہ)

۶ ستمبر ۲۰۱۶ء

محترمی و مکرمی

سلام و نیاز

آپ سے ٹیلی فون پر باتیں ہوئیں ”دبستان نعت“ کا جریدہ نظر نواز ہوا۔ آپ کی کاوشیں قابل ستائش ہیں۔ آپ نے اچھی محنت کی ہے اور اس کو عمدہ سے عمدہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ اور رسول آپ کی محنتوں کو قبولیت کا شرف بخشے (آمین) ایک چیز جو کھٹکی وہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔ خاص کر میری نعت کے اشعار میں فاش غلطیاں رہ گئی ہیں۔ میری نعت کا شعر یوں تھا۔
تری نعت گنگنا ہے عبادتوں میں شامل تری گفتگو سے بڑھ کر کوئی مشغلہ نہیں ہے
قافیہ مشغلہ کی جگہ معاملہ ہو گیا ہے اور گنگنا کی جگہ گنگنا ہو گیا ہے۔ مقطع میں بھی ایک لفظ

”شامل“ جوڑ دیا ہے جس کی ضرورت نہیں تھی۔

مصرعہ یوں ہے۔

ہے متین ان کی مدحت میں شریک خود خدا بھی

بہر کیف کمپوزنگ کی غلطی ہے موزوں شعر ناموزوں ہو جاتا ہے اس لیے اس پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ دوسرا شمارہ بھی اشاعت کی منزل میں ہے۔ دونی نعتیں کہی ہیں فی الحال ابھی ایک ہی نعت بھیج رہا ہوں کوشش کر رہا ہوں کہ نعت پر ایک مضمون لکھوں۔ مضمون مرتب ہو گیا تو بھیج دوں گا۔

امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ دعا کیجیے صحت برقرار رہے۔ گھٹیا اور ہارٹ دونوں مرض کا شکار ہوں اللہ کا شکر ہے کہ لکھنے پڑھنے کے کچھ لائق ہوں۔ اپنی نئی کتاب ”گلشن عقیدت“ روانہ کر رہا ہوں ملنے پر مطلع کریں گے۔ آپ کی کاوش کا مداح

ڈاکٹر وحید انجم (گلبرگہ)

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے کہ آپ بخیر ہوں۔

آپ کی فرمائش پر ایک مضمون ”گل برگہ میں نعت گوئی آزادی کے بعد“ ارسال کر رہا ہوں۔ ناسازی طبعیت کے باعث مضمون جلد بھیجوا نہ سکا۔ ”دبستان نعت“ واقعی دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ ادارہ انتہائی متاثر کن ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت جو مضامین لکھوائے گئے ہیں وہ نہ صرف قابل مطالعہ ہیں بلکہ پُر مغز ہیں۔ کئی مضامین قارئین کے لیے کارآمد اور مفید ہیں جس سے جذبہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور آپ کی مدیرانہ صلاحیت بھی جا بجا جھلکتی ہے۔ بہر حال ”دبستان نعت“ کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ خدا کرے اس کا سلسلہ جاری رہے۔ محترم آپ کی خدمت میں ایک نعت شریف بھی پیش ہے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

مدہوش بلگرامی (یوپی)

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب
السلام علیکم

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

”دبستان نعت“ کا تازہ ترین اولین شمارہ موصول ہوا۔ پڑھ کر جی خوش ہوا۔ ماشاء اللہ آپ نے بڑی محنت کی ہے اس شمارے کو سجانے میں۔ تخلیقات کا انتخاب بھی خوب سے خوب تر ہے۔ ہر اعتبار سے دلچسپ اور معلوماتی مضامین کا گل دستہ آپ نے تیار کیا ہے۔

بے شک ”دبستان نعت“ نعتیہ شعروادب کی دنیا میں ایک منفرد مجلہ ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ آپ کی خوں ریزی رائگاں نہیں جائے گی۔

ایک عدد حمد اور ایک عدد نعت رسول ﷺ ارسال خدمت ہے۔ امید ہے آپ پسند فرمائیں گے اور ”دبستان نعت“ کے قریبی شمارے میں شامل کر لیں گے۔
آپ کی خیریت اور تازہ شمارے کا منتظر ہوں۔

نثار اختر انصاری (ناگپور)

عالی جناب سراج احمد قادری صاحب
مدیر ششماہی ”دبستان نعت“

سلام و آداب

وکیل نجیب صاحب کے ہاتھوں حضرت ڈاکٹر سید رفیع الدین قادری صاحب کے لیے ”دبستان نعت“ کا پہلا شمارہ ملا۔ جو کل شام حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ حضرت آپ کو سلام کہتے ہیں اور اس خلوص کے لیے شکر گزار ہیں۔ ”دبستان نعت“ خوب مقبول ہو۔ ایسی دعا ہے۔
حضرت برصغیر میں نعت گوئی پر تحقیق کام کرنے والے پہلے محقق ہیں ۱۹۵۴ء میں ناگپور یونیورسٹی نے اس مقالے کے لیے انہیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا تھا۔ عمر کا ۹۸ رواں سال ہونے سے وہ اب لکھنے پڑھنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کے سب سے چھوٹے فرزند سید حبیب الحسن قادری ان کا تحریری کام دیکھتے ہیں۔ پتہ اس طرح ہے۔

Dr, syed Rafiuddin Quadri
Qadri Enclave, Near Salfiah Masjid ,
Ahab Colony Area.NAGPUR-440013

سید حبیب الحسن قادری کا موبائل نمبر 09665636653

میں حضرت پر اب تک سات آٹھ آرٹیکل تحریر کر چکا ہوں۔ ان کی نعت گوئی پر ایک آرٹیکل ”دبستان نعت“ کے لیے روانہ کر دوں گا۔

آپ شمارے کی دو تین کاپی اور روانہ کر دیں میرے پتے پر! ایک میرے لیے، ایک مولانا سعید کا مٹھی کے فرزند کے لیے، جن پر آرٹیکل شائع ہوا ہے۔ ایک کاپی حکومت مہاراشٹر کی اردو ساہتیہ اکادمی کے لیے، تاکہ وہ اس رسالہ کی ہمیشہ دو کاپی خریدے۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ میرا پتہ اس طرح ہے۔

نثار اختر انصاری (ناگپور)

۳۱ اگست ۲۰۱۶ء

عالی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری
السلام علیکم

”دبستان نعت“ کی تین کاپی ملی بے حد شکریہ! ایک کاپی کا مٹی جا کر مولانا اعجاز کا مٹھی صاحب (مرحوم) کے فرزند کو پیش کرنا ہے۔ اللہ کرے ”دبستان نعت“ ششماہی خوب ترقی کرے اور اس کے سالانہ خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہو۔

حضرت ڈاکٹر سید رفیع الدین قادری صاحب آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔ ان کی دعا ہے کہ یہ رسالہ آگے بڑھے۔ اللہ آپ کو نیک مقاصد میں کامیابی سے نوازے۔ دعاؤں میں یاد رکھیں!

اسلم مرزا (اورنگ آباد)

۲۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء

گرامی قدر ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گے۔

وعدہ کی تکمیل میں تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

”دبستانِ نعت“ ۱۱ اگست ۲۰۱۶ء کو پہنچا تھا اور فون پر دو مرتبہ آپ سے طویل گفتگو رہی۔ گذشتہ مہینہ جناب فیروز احمد سیفی صاحب اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ مجھ ناچیز کے دفتر تشریف لائے تھے اور ان سے بھی ”دبستانِ نعت“ کے شاندار اجرا اور دیگر امور پر سیر حاصل گفتگو رہی۔ نہایت خلیق اور مخلص نظر آئے۔ میں بہت متاثر ہوا۔

حسب وعدہ اودھی زبان میں لکھا ہوا مائل صاحب کا ”حزہ کا نڈ“ دبستانِ نعت“ میں اشاعت کے لیے حاضر ہے۔ ابنِ فرید کا تعارف بھی شامل ہے یہ دونوں ایک ساتھ چھپ جائیں تو بہتر ہوگا۔ حزہ کا نڈ کی کتابت اور پروف ریڈنگ پر خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ اودھی زبان کی لفظیات اہلِ اردو کے لیے نامانوس ہیں۔

آپ کی فرمائش پر میں اپنی ایک نعت کی زیرِ اس ”دبستانِ نعت“ میں اشاعت کے لیے روانہ کر رہا ہوں۔ اس وقت یہی اکلوتی نعت میرے پاس ہے۔ پسند آئے تو شاملِ اشاعت کیجئے۔ آپ کے مجلہ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے آپ حضرات کو نوازے۔

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (علی گڑھ)

۱۰ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ / ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۶ء

مکرمی! سلام مسنون

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

”دبستانِ نعت“ کا پہلا شمارہ نظر نواز ہوا۔ صوری و معنوی خوبیوں سے مزین، دیدہ زیب۔

سبحان اللہ، ماشا اللہ۔

حمد و نعت سے شغف عطیۃ الہی ہے جو بڑے خوش نصیبوں کو حاصل ہوتا ہے۔ فیروز احمد سیفی صاحب مقیم نیویارک اُن خوش قسمت افراد میں سے ایک ہیں جنہیں اس عطیۃ الہی سے وافر حصہ ملا ہے۔ اُس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ نہ صرف حمد و نعت کے چاہنے والوں میں سے ہیں بلکہ ان کی ترویج و اشاعت کے لئے غیر معمولی انداز سے کوساں بھی ہیں اور اس کے لئے بڑے سے بڑا ایثار کرنے کے لئے آمادہ بھی۔

پاکستان سے تو ایک ایسا مجلہ ”نعت رنگ“ نکل رہا تھا جو حمد و نعت کی نشر و اشاعت میں کوشاں

ہے۔ سیفی صاحب نے ہندوستان میں ایک ایسے محلّے کا خواب دیکھا اور اُسے کرناٹک سے ”جہانِ نعت“ کے نام سے غلام ربّانی صاحبِ فدا کی ادارت میں ششماہی محلّہ کی صورت میں جاری کرایا جس کے کئی شمارے منصہ شہود پر آئے۔ اُن میں سے شمارہ نمبر ۹ میں میرا مقالہ بعنوان ”بقا مروہوی کی نعت گوئی“ اور ایک عریضہ بھی شائع ہوا تھا۔ سیفی صاحب کے ارشاد پر میں نے دو اور مقالات ارسال کئے تھے لیکن یہ شمارہ ہی غالباً آخری شمارہ ثابت ہوا، اور یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

مگر جواں ہمت، پُر عزم اور بلند حوصلہ سیفی صاحب نے ہمت نہیں ہاری اور ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں ”دبستانِ نعت“ کے نام سے دوسرا ششماہی جریدہ جو ضخیم (چار سو صفحات پر مشتمل) بھی ہے اور وسیع بھی جاری کرایا۔ امید ہے اللہ کی رحمت اور مدد اُن کے شامل حال رہے گی اور اُن کا ذوق پروان چڑھتا رہے گا۔ اللہم زدّ فزد۔

”دبستانِ نعت“ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے بڑی محنت اور فنی خوبیوں کے ساتھ مرتّب کیا ہے۔ نگراں اور مرتّب دونوں ہی حضرات انتہائی شکریئے اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ پہلا شمارہ ”گوشہ جامی“ کا حامل ہے۔ مولانا نور الدین جامی فارسی کے بلند پایہ ادیب و شاعر خصوصاً نعت گو ہوئے ہیں جنکی قلب کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی نعتیں عشق رسول ﷺ سے حصہ پائے ہوئے افراد کے لئے فردوسِ گوش اور جنتِ نگاہ ہوئیں۔ قولوں کے ذریعہ بھی اُنکا نعتیہ کلام اہل ذوق کی سماعتوں کو محظوظ کرتا ہے۔ مولانا جامی کی شاعری پر کئی وقیع مضامین کے ساتھ جامی کے کلام اور اس کے اردو ترجمے نے اس گوشہ کو قابلِ قدر بنا دیا ہے۔

محلّے کی ابتدا تین بہترین ”حمد“ سے ہوئی ہے جو ہندوپاک کے ساتھ یو۔ ایس۔ اے کی بھی نمائندہ ہیں۔ نعت اور نعت گو شعرا پر اکیس بھر پور مقالات ہیں۔ اکتالیس نعت گو شعرا کی خوبصورت نعتوں کی شمولیت نے محلّے کے حُسن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ آخر میں تین خطوط بھی ہیں۔ صفحہ ۷۳ پر شائع افسر مروہوی کی نعت ہے۔ اُس کے نیچے صرف افسر مروہوی (یو۔ پی) شائع ہوا ہے اگر اُن کا پورا نام مرزا افسر حسن بیگ افسر مروہوی شائع ہوتا تو دوسرے شعر کا مفہوم واضح ہوتا ”افسر نہ کہا جائے، مرزا نہ کہا جائے۔“

افسوس ۳۱ مارچ ۲۰۱۶ء کو انہوں نے ۷۴ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنی حمد و نعت کا صلہ لینے اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

اُن کی حمد و نعت و مناقب پر مشتمل کلام ”سرمایہ“ کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں اس سرمایہ دار پر میرا بھی ایک مقالہ ہے جو ”دبستانِ نعت“ کے قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش خدمت ہے ”دبستانِ نعت“ کے دوسرے شمارے میں اسے شامل کر کے افسرِ امر و ہوی کو خراجِ تحسین پیش کیجئے۔

بحیثیتِ مجموعی ”دبستانِ نعت“ ایک تاریخی اور قابلِ تحسین مجلہ ہے جس کے لئے نگراں اور مدیر دونوں کی خدمت میں سلامِ عقیدت و محبت بھی اور مبارک باد بھی قلب و روح کی گہرائیوں کے ساتھ فقط۔ والسلام مع الکرام

اظہر عنایتی، ایڈوکیٹ (راپور)

اظہر نواز سراج احمد قادری

سلام و نیاز

آپ کی خواہش کے احترام میں ”دبستانِ نعت“ کے لیے دو نعتیں ارسال کر رہا ہوں۔ مل جائیں تو مجھے فون پر مطلع کرنے کی زحمت ضرور کریں۔ اللہ کرے آپ مع الخیر ہوں۔

شارق عدیل (مارہرہ)

قابلِ قدر و احترام محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام و اکرام

محترم ابراہار کرت پوری صاحب سے آپ کا پیٹہ فراہم ہوا ہے۔ سو کچھ تخلیقات ارسال کر رہا ہوں، دیکھ لیجئے اگر آپ کے کام کی نکل آئیں تو رکھ لیجئے گا۔ میں نے بہت ساری اصناف میں حمد و نعت کے نمونے اربابِ فکر و نظر کے سامنے رکھے ہیں۔ آپ کو ابھی دو چار تخلیقات ہی بھیج رہا ہوں پرچہ آنے پر مزید تخلیقات روانہ کروں گا۔ اور حمد و نعت کے تعلق سے میرے مضامین کا مجموعہ زیرِ ترتیب ہے شائع ہونے پر روانہ کروں گا۔ ”دیوناگری“ کا مجموعہ اس لیے روانہ کر رہا ہوں کہ اردو کے دونوں مجموعے اب ختم ہو چکے ہیں۔

زیادہ خیریت

کرشن کمار طور (ہماچل پردیش)

پیارے سراج قادری

”دبستان نعت“ کا جنوری تا جون ۲۰۱۶ء کا شمار مجھے دستیاب ہوا۔ میں اس محبت کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم نے اس میں میرے حمد و نعت کے مجموعہ ”چشمہ چشم“ پر ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی کا مضمون شامل اشاعت کیا ہے جس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں اور ڈاکٹر صدیقی کا بھی۔ ڈاکٹر صدیقی کا فون نمبر یا پھر ایڈریس میرے پاس موجود نہیں ہے ورنہ میں ان سے براہ راست رابطہ قائم کر کے اپنی خوشنودی اور احسان مندی کا ذکر کرتا کہ انہوں نے میری کتاب کو اپنے مقالہ کے لئے چنا اور سرفراز فرمایا۔ بہر کیف۔

اب آؤ رسالے کے مندرجات پر کچھ باتیں ہو جائیں۔ رسالہ میں سب سے وقیع حصہ گنجینہ نقد و نظر ہے جس کے تحت تم نے فنِ نعت اور نعت گوئی پر مضامین کو ترتیب دیا ہے۔ اس حصے میں چار مضامین نعت کے حوالے سے ہیں اور ایک مضمون جو کہ ڈاکٹر صابر سنبھلی نے تحریر کیا ہے رضا بریلوی کی شاعری کی محاکمت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مضمون باقیہ چار مضامین سے میل نہیں کھاتا اور اسے مقالات کے گوشہ میں رکھا جانا احسن ہوتا، اسی طرح علیم صبانویدی کا مضمون نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر مقالات کے گوشہ سے نکال کر گنجینہ نقد و نظر میں اور مقالات کے ساتھ منسلک کرنا بہتر ہوتا اسی طرح یہ گوشہ بے حد وقیع اور خوبیوں سے مالا مال ہو جاتا۔

اس مجلہ میں مجھے تمہارا ادارہ خاص طور پر پسند خاطر رہا۔ تم نے جس طرح رسالہ کے ہر گوشہ اور مندرجات پر روشنی دالی ہے وہ تمہاری بلاغت کی دلیل ہے۔ یہ سلسلہ آئندہ شماروں میں بھی قائم رکھا جائے گا یہ میری آرزو بھی ہے اور تحسین بھی۔ گہلے عقیدت کے تحت تم نے جن ناموں کو یکجا کیا ہے وہ ادب کی سلطنت میں بے حد روشن ہیں۔ مجھے امید ہے ان سب حضرات کی محبتیں تمہیں ارزاں ہوں گی اور باقیہ شماروں کی شان بڑھائیں گی۔

میں اپنی غزلوں کی حالیہ کتاب طور طلسم، حمد و نعت کا مجموعہ چشمہ چشم اور میری ادارت میں شائع ہونے والا رسالہ سرسبز کے دو شمارے تمہارے شعری، ادبی اور تنقیدی فکر کی نذر کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم ان سے خاطر خواہ محظوظ ہو گے۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ تمہیں اپنی عافیت میں رکھے۔

ڈاکٹر صابر سنبھلی (یوپی)

۳۰ نومبر ۲۰۱۶ء

مدیر محترم ششماہی دبستان نعت، خلیل آباد

السلام علیکم

جسمانی اور ذہنی دونوں حیثیتوں سے قابلِ رحم ہوں۔ دعا کا خواستگار ہوں۔ روزمرہ کی گفتگو میں عام طور سے استعمال ہونے والے بعض الفاظ سنتا ہوں تو سوچتا رہ جاتا ہوں کہ یہ کیا ہے۔ قائل سے پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی جس لفظ کو زندگی میں بے شمار بار استعمال کیا ہو اُس کو کسی سے پوچھوں تو شرم معلوم ہوتی ہے۔

گھٹنوں اور ٹانگوں سے معذور ہوں تو کوئی بات نہیں زندگی بھر لو بلڈ پریشر کا مریض رہا، اس لیے ذرا سی کمزوری بھی معذور بنا دیتی ہے۔ کچھ لکھنے بیٹھتا ہوں تو کچھ کے کچھ لکھ جاتا ہوں۔ بہت احتیاط سے کام لیتا ہوں مگر پھر بھی میری تحریر میں آپ جا بجا و ہائٹنر کا استعمال پائیں گے۔ اب پہلی جیسی بات تو رہی نہیں ہے اس لیے اشاعت کی غرض سے لکھنے سے ڈرتا ہوں۔ جگہ جگہ غلطیاں ہوں گی تو کوئی کیوں بخش دے گا۔

دیوان اکبر وارثی پر اپنے تاثرات لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ جہاں کہیں اغلاط نظر آئیں درست فرمائیں۔ ایک نعتیہ سہ غزلہ بھی ہے۔ قابلِ اشاعت سمجھیں تو نوازدیں۔ ایک مضمون اعلیٰ حضرت اور مولانا حسن رضا سے متعلق بھی ہے۔ انڈیا کے لیے تو یہ غیر مطبوعہ ہے۔ پاکستان میں نعت رنگ میں چھپ چکا ہے۔ اگر کسی وجہ سے شائع کرنا نہ چاہیں تو اتنی درخواست ہے کہ کسی نہایت محفوظ ذریعے سے واپس فرمادیں۔ ممنون ہوں گا۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بہ عافیت ہوگا۔ مضمون اور بیکسل ہی بھیج رہا ہوں۔

انور سلیم (حیدر آباد)

۹ دسمبر ۲۰۱۶ء

محترمی و کمزری ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم

اول تو میں آپ کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں کہ جریدہ ”دبستان نعت“ جاری کرنے پر، خالص

مذہبی جریدہ اور ایسا ضخیم! کافی محنت کا کام ہے اور ضخامت یوں ہی نہیں بلکہ معلومات کا سمندر ہے۔
برادرِ ماسدِ ثنائی نے جب یہ میرے حوالے کیا تبھی لگا کہ یہ کوئی نایاب شے ہے۔ اور جب
اس نورانی محفل میں خود کو شامل پایا تو دل کا عالم ہی عجب تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کا یہ
جریدہ کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا جائے۔ آمین
آئندہ شمارے کیلئے میں نے آپ کے ای۔میل پر نعتیہ ماہے بھیجے ہیں، امید کہ مل گئے ہوں گے۔

قاری محمد رفیق قاضی فائز فتح پوری (راجستھان)

رمضان شریف کی ساعتِ سعید میں ایمان افروز اور روح پرور مجلہ ”دبستانِ نعت“ اپنی
آب و تاب، چشمیت و تمکنت کے ساتھ بدست ہو کر نظر نواز ہوا۔ شکریہ و جزاک اللہ۔
رسالے کی خوبصورتی، زینت و آرائش توقع سے کہیں بڑھ کر ہے۔ زکیر کثیر اس کی اشاعت پر
خرچ ہوا ہوگا اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین۔
رسالے کا سرورق اور پس ورق ہلکے سبز رنگ پر دودھیا سفید منقش تحریر میں۔ رسالے اور
مدیر کا نام یوں لگتا ہے جیسے بادلوں سے چاند جھانک رہا ہو۔ ناموں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے
نکتوں سے مینا کاری نے جگہ پُر کرتے ہوئے ناموں کو مزید رونق افزا بنا دیا۔ مگر رسالے کے نام
کے بانیں کونے کے نیچے وہ نکتے وغیرہ دے کر پورا بریکٹ بھر دیا جاتا تو اور خوبصورت لگتا۔ اسی
طرح سرورق کے نیچے جلی خط میں رسالے کا نام لکھا وہ مکمل نظر آتا تو اور خوبصورت ہوتا جو
سرورق کی کشک کرتے وقت آدھا گھٹ گیا ہے۔ رسالے میں مشمولہ تمام نثری و نظمی مضامین و حمد
و نعت مجلہ و اسم مجلہ کے شایانِ شان ایمان افروز و روح پرور ہیں۔ بلکہ بعض حمد و نعت اور نثری
مضامین تو ایسے ہیں کہ فقط ان کے عنوان پڑھتے ہی فرط عقیدت سے آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔
بعض مضامین مختصر ہونے کے باوجود نہایت موثر ہیں۔ جیسے ڈاکٹر سید حسین احمد صاحب کا مضمون
”کیا نعت صنفِ سخن ہے؟“ یہ مضمون ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ امت میں بڑے بڑے شاعر،
علماء حضرات اور ماہر عروضیات مل کر بھی خاص نعت کے لئے کوئی عروضی ضابطہ قائم نہ کر سکے۔ جبکہ
نعت سے فروتر اصناف کے لئے ضابطے طے کئے گئے ہیں۔

ڈاکٹر صابر سسنبھلی صاحب نے ”حدائقِ بخشش کے صنائع و بدائع پر ایک اور نظر“ میں

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فن شاعری میں بھی برتری اور نکتہ رسی کا واضح ثبوت پیش کیا ہے۔ حالانکہ فاضل بریلوی نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کا حق ادا کیا ہے اور ان کا یہ شعر۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دئے ہیں

شاعرانہ تعلیٰ نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے اور مجلہ ”دبستان نعت“ کا جو مقصود غایت لوگوں کے دلوں میں حب رسول ﷺ کی شمع فروزاں کرنا ہے۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اس کے امام ہیں۔ ڈاکٹر نذیر فتح پوری صاحب نے ”میلا دا کبر ایک مطالعہ“ مختصر مضمون لکھ کر مصنف میلا دا کبر خواجہ محمد اکبر وارثی کو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے، یہ نذرانہ نہ صرف ڈاکٹر نذیر صاحب کی طرف سے ہے بلکہ تمام میلا دخواں حضرات کے دل کی آواز ہے۔ ایسا مضمون لکھنا صاحب قلم اور قادر الکلام شاعر و ادیب ڈاکٹر نذیر صاحب فتح پوری کا ہی حصہ ہے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

محمد نظام الدین نوری (لہستی)

۷ جنوری ۲۰۱۷ء

محبت گرامی قدر ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام و تسلیمات

آپ کے ششماہی مجلہ ”دبستان نعت“ کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ رسالہ کا معیار، حسن ترتیب اور داخلی و خارجی خوبیوں نے ”نعت رنگ“ کی یاد تازہ کر دی آپ پورے ہندوستان کے شائقین نعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مجلہ کی ضخامت اور ٹھوس مضامین کے پیش نظر ابھی اسے سالنامہ ہونا چاہئے تھا جب ارباب قلم کی ٹیم تیار ہو جاتی تو ششماہی، سہ ماہی یا ماہنامہ کی شکل اختیار کر لیتا مگر میں آپ کے بلند حوصلہ کی داد دیتا ہوں۔

میں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا اور پورے مجلہ میں قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری کے مضمون ”ناعت پر فیضان منوعات“ کو اولیت حاصل ہے یہ مضمون دل کی اتھاہ گہرائی سے لکھا گیا ہے اس لئے دل کے دروازہ پر دستک دیتا ہے۔ اس مجلہ میں مذکورہ مضمون کو کلیدی مقام حاصل ہے۔ گوشہ علامہ جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں دونوں مضامین کے علاوہ نعتیہ کلام کے بھی کیا کہنے۔

زرحمت یک نظر بر حال زارم یا رسول اللہ ﷺ

غریبیم بے نوائیم خاکسارم یا رسول اللہ ﷺ
دم آخر نمائی جلوہ دیدار جانی را
زلطف تو ہی امید دارم یا رسول اللہ ﷺ

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کا مضمون تحقیقی اور تاریخی نوعیت کا ہے ضرورت ہے کہ اسی طرح ہر علاقے کے نعت گو شعرا کا تذکرہ تحریر میں لایا جائے تو نعتیہ ادب کی تاریخ میں وسعت بھی ہوگی اور نئے گوشے بھی سامنے آئیں گے۔ بہت سے ایسے شعرا ہیں کہ زندگی بھر سرکار کی محبت و عقیدت میں نغمہ سرائی کرتے رہے مگر ان کے کلام محفوظ نہ رہ سکے اور انھوں نے دنیا کو خیر آباد بھی کہہ دیا ہے۔
ڈاکٹر شکیل کی شاعری پر تبصرہ لکھتا ہے یہ آپ کے قلم کا رہین منت ہے اگر ایسا ہے تو اشاریہ میں آپ کو اپنا نام یا ایڈیٹر لکھ دینا چاہئے تھا اس لئے کہ ڈاکٹر شکیل صاحب قبلہ خود اپنے بارے میں اپنے قلم سے ایسا نہیں لکھ سکتے تھے بہر کیف اس مجلہ کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور خوب سے خوب تر کی دعا کرتا ہوں۔ فقط والسلام

مرزا ساجد حسین ساجد امر و ہوی (یو پی)

۱۰ جنوری ۲۰۱۷ء

محکم مکرّم جناب ڈاکٹر سراج احمد صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ذات ربّ کریم سے امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

میں آپ سے بصد عجز معذرت خواہ ہوں کہ میں اپنا مقالہ مکمل نہ کر سکا۔ اس کی وجوہات میں سب سے پہلے میری علالت رہی۔ ہمارے علاقے میں وائرل بخار پھیلا تھا میں بھی اس کا شکار ہوا اور اس کے موذی اثرات تقریباً دو مہینے تک جاری رہے جن کے دوران میں لکھنے پڑھنے سے معذور رہا۔ اس کے علاوہ نومبر میں مجھے پنجاب یونیورسٹی، پیالہ کے سیمینار میں شرکت کرنا تھی وہاں کے لئے مقالہ لکھنے میں کافی وقت لگا۔ پھر نومبر میں ہی رام پور کے ایک طرحی نعتیہ محفل کے لئے نعت بھی کہنی تھی وہ تازہ نعت بھی آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں ایک کتاب ”نعت کے سات رنگ“ جو ڈاکٹر اجمل فاروق ندوی نے تصنیف کی ہے وہ بھی بھیج رہا ہوں۔ میں نے اُن سے اجازت لے لی ہے کہ ان کے مضامین میں سے کوئی سا مضمون بھی آپ اپنے مجلے میں شامل کر سکتے ہیں۔ اس کتاب پر ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی کا غیر مطبوعہ تبصرہ بھی بھیج رہا ہوں

اور برادرِ گرامی پر لکھی گئی کتاب ”اس پار سے اُس پار تک“ بھی ارسال ہے۔ پہلے مجلے کی اشاعت پر میں آپ کو صدقِ دل سے مبارک باد پیش کر رہا ہوں۔ اس مجلے کی شان کو بے مثال بنانے میں آپ کی سعیِ بلیغ اور اتنے بہت سے صاحبانِ قلم سے رابطہ قائم کرنا جو میری نظر میں کارِ محال تھا آپ نے اُسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ سارے ہی مضامین قابلِ داد ہیں۔ منیر احمد ملک کا مقالہ ”حرفِ آرزو“ کا نثری حصہ آتشِ عشقِ رسول ﷺ کو بھڑکانے والا ہے میں انہیں صدہا مبارک باد پیش کرتا ہوں مگر انہوں نے جہاں اشعار نقل کئے ہیں اُن میں تقریباً چودہ پندرہ جگہ مصرعے وزن سے خارج ہیں اس کی طرف میں اُن کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ ڈاکٹر سید کیجی نشیط صاحب کے مضمون ”مولانا جامی کی نعت نگاری“ میں اُن کی نعت گوئی پر نہایت بلیغ انداز میں بحث کی ہے۔ آپ نے مولانا جامی کی جو نعتیں نقل کی ہیں اُن میں پہلی نعت ”تسم فرسودہ۔۔۔ زیب قرطاس کی ہے اُس کے مقطع میں دوسرے مصرعے کا قافیہ الگ ہو گیا ہے وہ اصل میں یوں ہے۔۔۔ مکن محروم جامی را در آں دم یا رسول اللہ

اسے تنقید بالکل نہ سمجھیں آپ کی اعلیٰ ظرفی سے مجھے امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے میں پھر ایک بار آپ کو تہِ دل سے اس کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور میرے مضمون اور نعت شریف کو شامل اشاعت کرنے پر ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں۔ آخر میں بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہوں کہ وہ آپ کی بلند حوصلگی میں اور آقائے نامدار علیہ السلام کے عشق کی تابانیوں میں اضافہ فرمائے (آمین) سبھی متعلقین کو سلام و دعاء۔

سید محمد مفیض الدین قادری (شاہ جہاں پور)

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

محترم المقام جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مضمون حاضر خدمت ہے ساتھ ہی حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور تصنیف ”امن و شانتی“ برائے مطالعہ پیش ہے۔ چند ہندی کتابچے بھی حاضر ہیں۔ اپنے قیمتی تاثرات سے مطلع فرمائیں۔ ذاتی مصروفیات اس قدر ہیں کہ مضمون ارسال کرنے میں تاخیر ہوئی مُعاف فرمائیں۔ امید ہے مزاج بخیر ہوگا تمام پرسان احوال کی خدمت میں سلام مسنون جوابی رسید سے مطلع ضرور فرمائیں۔

مشتاق احمد نوری (پٹنہ)

۲۵ فروری ۲۰۱۷ء

محترم المقام!

السلام علیکم

آج کی ڈاک سے مجلہ ”دبستان نعت“ کی دو کاپیاں ملیں۔ جزاک اللہ
اس علمی عنایت کے لئے صمیم قلب سے شکریہ!

مجلہ صوری اعتبار سے نہایت نفیس و عمدہ ہے اور مشمولات ”نور و نکہت“ کی فہرست پر ایک
طائرانہ نظر ڈالنے سے ہی اس کے معیار و وقار کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔ یہ بڑی بات ہے کہ ایسے
زمانے میں جبکہ نعتیہ شاعری کو باقاعدہ ادبی صنف ماننے میں ہی ایک طبقہ لیت و لعل سے کام لینا
چاہتا ہے، آپ نے صحافت کی راہ سے اس صنف کی تازہ آبیاری کا مخلصانہ ذمہ اٹھایا ہے اور اپنی
محنتوں سے سعادتیں سمیٹنے کے لئے پر عزم ہیں۔

دعا گو ہوں کہ خدائے پاک اپنے حبیب کے طفیل میں آپ کی کاوشوں کو دونوں جہان میں
مقبول بنائے۔ یہ پڑھ کر مزید مسرت ہوئی کہ ”دبستان نعت“ کا آئندہ شمارہ بھی قریب
الاشاعت ہے۔ یقین کامل ہے کہ اس کا ہر نقش ثانی بہتر سے بہتر ہوتا جائے گا اور تجزیات و
تخلیقات دونوں اعتبار سے اہل نظر کے نزدیک استناد و اعتبار پائے گا۔ فی الوقت ان ہی چند
کلمات کے ساتھ خدا حافظ!

ظفر اقبال ظفر (فتح پور)

۲۴ مارچ ۲۰۱۷ء

برادر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

پہلی بار آپ کو چند سطریں تحریر کرنے کی مسرت حاصل کر رہا ہوں۔ نعت ریسرچ سنٹر کے
تحت آپ لوگ صنف نعت کے سلسلے میں جو گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں لائق ستائش
ہے۔ فیروز احمد سیفی صاحب دیار غیر سے اس کام کو انجام دینے میں خلوص و معاونت کا مظاہرہ کر
رہے ہیں۔ وہ جذبہ قابلِ قدر اور مبارک باد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائے ہے کہ آپ لوگوں کو حوصلہ عطا

کرے اور کامیاب و کامراں کرے۔

اپنی نعت کے علاوہ اختر کاظمی، شریف فتح پوری اور انجنا کشش کی نعت ارسال کر رہا ہوں شامل کر کے ممنون فرمائیں۔ کان پور، جھانسی بھوپال، الہ آباد، لکھنؤ اور دیگر اضلاع سے میری معرفت نعتیں موصول ہوں گی توجہ فرمائیں۔ خدا کرے آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔ سیفی صاحب سے رابطہ ہو تو میرا بہت بہت سلام عرض کریں متعلقین کو واجبات۔

مولانا عبد العظیم اشرف مصباحی (نیپال)

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

ہدیہ تسلیم

حمد و نعت پر مشتمل تحقیقی و تنقیدی و معیاری مجلہ ”دبستان نعت“ جنوری تا جون ۲۰۱۶ء باصرہ نواز ہوا کرم نوازی پر صد شکریہ، سر ورق نہایت دیدہ زیب اور پرکشش اندرون خانہ مضامین و مشمولات لائق تحسین ہیں ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب کا مضمون ”حدائق بخشش کے صنایع بدائع پر ایک اور نظر“ ڈاکٹر ثلیل اعظمی کا ”علمائے گھوسی کی نعت نگاری“ اور دیگر تمام مضامین تحقیقی و معلوماتی ہیں مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ جریدہ ششماہی سے ہر ماہی اور یہ دبستان سب کے لیے حسین گلستاں ہو جائے۔ آمین۔

پروفیسر فیروز احمد (جے پور)

مکرمی سراج احمد قادری صاحب!

دبستان نعت کا شش ماہی شمارہ ملا۔ شکریہ

آپ کے اس اقدام کی خبر ابتداءً جناب فیروز احمد سیفی (نیویارک) کے ذریعہ مل چکی تھی۔ اب جو شمارہ منظر عام پر آیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے واقعاً ایک مثالی کارنامہ انجام دیا ہے۔ شمارہ جاذب نظر ہے اور نعت رسول عربی کی مختلف جہات کا احاطہ کرتا ہے۔ خدا کرے کہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔

میں آپ کے اس خیال سے پوری طرح متفق ہوں کہ غیر مسلم نعت گو شعرا اور خواتین نعت گو شعرا کو ترجیح دے کر اردو ادب میں ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا جائے۔ ذرا دیکھیے ایک غیر

مسلم شاعر جناب چند بہاری لعل صبا جے پوری کیا کہتے ہیں:

کلیم اللہ آتے بھی تو کیوں آتے مدینے میں
انھیں کیا ہوش کھونے تھے دو بارہ یا رسول اللہ
خدا کے سامنے بھی مجھ سے پوچھو گے تو کہہ دوں گا
تمہارا ہوں تمہارا ہوں تمہارا یا رسول اللہ

ایسا نعتیہ کلام کہنے والے اور بھی غر مسلم شاعر ہوں گے۔ امید ہے کہ اب ان سب کی پذیرائی آپ کے دبستان نعت کے ذریعہ ہو پائے گی۔

سینٹی صاحب کی ایما پر جناب اظہار مسرت یزدانی سے میں نے درخواست کی تھی کہ وہ حضرت امیر حمزہ کی شان میں بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔ مسرت صاحب راجستھان کے کہنہ مشق شاعروں میں ہیں۔ اسلامی ادبیات پر ان کی گہری نظر ہے۔ انھوں نے صنعت تو شیخ میں جو کچھ اور جس والہانہ انداز میں کہا ہے اسے بھیج رہا ہوں۔ ساتھ میں ’صلیٰ وسلم‘ کے عنوان سے انھوں نے ایک سلام بھی عنایت فرمایا ہے۔ ایسا سلام کب کسی نے کہا ہوگا۔ اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھنا چاہیے۔ قارئین دبستان نعت کے لیے اظہار مسرت یزدانی صاحب سے موصول یہ دونوں کلام اگر ممکن ہو تو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر لیجئے گا۔

ڈاکٹر سید الیس۔ ایم عقیل (شیموگہ)

بتاریخ ۳۰ مارچ ۲۰۱۷ء

محترمی و مکرمی ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

مدیر ”دبستان نعت“، خلیل آباد (یوپی)

سلام نیاز

”دبستان نعت“ کی دو جلدیں دستیاب ہوئیں، شکریہ۔ مجلہ ہر اعتبار سے جاذب نظر اور معلوماتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے دنیا ہی نہیں بلکہ آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ بہت ہی تحقیقی و تنقیدی مضامین یک جا کر کے کتاب کو مرتب کیا گیا ہے، جسے دیکھ کر اس کے پیچھے آپ احباب کی محنت شاقہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کا میاب کوشش پر مبارک باد قبول کیجئے۔

حسب وعدہ دو عدد آزاد اور تین عدد پابند نعتیں ارسال کر رہا ہوں، توقع ہے کہ آپ کو پسند آئیں گی۔ تاخیر کے لیے معافی چاہتا ہوں۔
دبستانِ نعت کے عملے کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

پروفیسر توقیر احمد خاں (نئی دہلی)

۲۸ اپریل ۲۰۱۷ء

محترم و مکرم جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب
علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مجلہ ”دبستانِ نعت“ مع آپ کے مکتوب کے موصول ہوا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ اس مجلہ کے سلسلہ میں محترم جناب فیروز احمد سیفی صاحب (نیو یارک) کا فون آیا تھا اور انہوں نے تفصیلات سے آگاہ کیا تھا۔ یہ ارادہ نیکی کا ہے اور یہ امر اس لئے بھی باعثِ مسرت ہے کہ ایک عرصہ سے عدم توجہ کا شکار ہے۔ آپ حضرات نے اس کی طرف از سر نو توجہ فرمائی ہے یہ ایک نیک فال ہے۔ مجلہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ حمد و نعت پر مشتمل تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی فن پاروں کو جمع کیا گیا ہے۔ مجلہ کا یہ پہلا شمارہ شہنشاہِ نعت گویاں حضرت علامہ عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب کیا گیا ہے کہ یہ انہیں کا حق تھا۔ اس شمارہ میں جو تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل ہیں وہ بجائے خود بہت عمدہ ہیں۔ اصل معاملہ معیار کو برقرار رکھنے کا ہے۔ مضامین معیاری اور موثر ہوں تا کہ اپنا اثر قائم کر سکیں۔ یہ ہماری یونیورسٹیز کا المیہ اور اہل علم کی بد بختی ہے کہ حمد اور نعت جیسی قدیم اور پُر مغز صنف کسی یونیورسٹی کے نصاب میں شاید ہی شامل ہو۔ نصاب ساز عملہ کو بھی اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سر دست کوئی ایسا مضمون نہیں جو آپ کی خدمت میں اشاعت کے لئے بھیج سکوں۔ لیکن آئندہ انشاء اللہ ضرور کوشش کروں گا دوسرا شمارہ جو اشاعت کے لئے تیار ہے چھپ جائے تو ضرور دیکھوں گا۔ خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ سلسلہ جاری رہنا چاہئے تسلسل کا میابی کی علامت ہے۔
امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

ڈاکٹر سید منیر محی الدین (آندھرا پردیش)

۲۵ اپریل ۲۰۱۷ء

جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام عشق و نیاز!

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ دیگر کیفیت یہ کہ احقر کڈپہ کے نعت گو شعرا میں بالخصوص ان کی نعتوں میں آل رسول ﷺ کے تذکرہ کی نشان دہی کرنا چاہا۔ اسی عنوان کے تحت تقریباً تین چار نعتوں کے مجموعے نظروں سے گزرے کسی میں بھی آل رسول ﷺ کا تذکرہ دکھائی نہ دیا۔ لہذا راقم نے ڈاکٹر راہی فدائی کے نعتوں کا مجموعہ ”ناعت و منعت“ کا مطالعہ کیا تو اس میں تقریباً پانچ اشعار مل گئے جس کو بنیاد بنا کر راقم نے اپنے ایک شعر جس میں آل رسول ﷺ کی فضیلت بیان کی گئی ہے شامل کر کے ایک تحقیقی مضمون جس میں تنقیدی پہلو بھی شامل ہے جو کہ ”دبستان نعت“ کی زینت کو بڑھانے میں مدد دے گا ارسال ہے۔ جسے اگلے کتابی شمارہ میں شامل کر کے ایک عدد تصنیف بطور ہدیہ ارسال فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی (کان پور)

۵ مئی ۲۰۱۷ء

نحمدہ و نصلي على رسولہ الكريم

عزیزم سراج احمد سلمہ نے نعت کے تعلق سے جو کام شروع کیا ہے اُس کے لئے بڑے بڑے اداروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاکستان سے ”نعت رنگ“ کا اجرا ہوا تو ہم سمجھے کہ یہ وہ کام ہے جس کی جھلک اور پرتو کی تاب شاید ہی کوئی دوسرا لاسکے کہاں نبی اکرم ﷺ کے شیدائیوں کے ایک شان تقدس مآب کی آخری حد کا تعین ہی نہیں ہوا ہے ہندوستان میں جہاں اس طرح کے مواد کو یکجا کرنا وہم و گمان میں نہیں سما سکتا تھا ڈاکٹر سراج احمد سلمہ کے اس کو دیکھا اور اس کی مثالی تعبیر بھی خود ہی پیش کر دی۔ اس نعرہ مستانہ کے ساتھ کہ۔

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟

اور میں یوں نازاں ہوں کہ اس گوہر نایاب کو اللہ تعالیٰ نے میری جھولی میں کیوں ڈال دیا۔ یہ سوچتا ہوں کہ عشق نہیں محبت نبی اکرم ﷺ کی جزا شاید اسی شکل میں عطا ہوتی ہوگی۔ سراج

سلمہ نفسِ نفیس تشریف فرما ہوتے تو خود ان ہی کو اپنے محسوسات املا کر دیتا کیوں کہ انہوں نے کسی ایسے شخص کو مجھ پر مسلط نہیں کیا جس سے میں خدمت لے سکتا۔ گلا کو ماسل ہائی کے مریض کے کام عشق و مزاولت آگئی ورنہ یہ سطریں بھی کیسے لکھی جاسکتی تھیں۔

اللہم زد فزد

ایک نعت بھیج رہا ہوں اور آپ کی آمد کا منتظر ہوں۔

ابوالحسنات

سراج میاں سلمہ

یہ بالکل تازہ نعت ہے اس کو پورے صفحے پر جگہ دینا تمہاری اقبال مندی کے لئے ہمیشہ دعا گور ہتا ہوں۔

رسید سے بذریعہ موبائیل فوراً مطلع کرنا

9919441240

ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی (شیوگرہ)

برادرِ مڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے، ”دبستانِ نعت“ کے لیے ڈاکٹر حافظ کرناٹکی صاحب کا مضمون ”نعت کی لفظیات“ حاضر خدمت ہے۔ ڈاکٹر حافظ کرناٹکی کی نعتیہ کتاب ”شع ہدیٰ“ پر اپنا بھی ایک مضمون بھیج رہا ہوں۔ دبستانِ نعت کے شمارہ سے متعلق اپنے تاثرات رجسٹری ڈاک سے کل ہی پوسٹ کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ کوئی تحقیقی مضمون بھیجوں گا۔ بھائی فیروز احمد سیفی سے میرا سلام سنائیے اور ممکن ہو تو رسید سے نوازیے۔

پروفیسر شریف حسین قاسمی (نئی دہلی)

۲۰ مئی ۲۰۱۷ء

مکرمی! سلام مسنون

آپ نے مجھے ”دبستانِ نعت“ کا تازہ شمارہ ڈاک سے ارسال کیا ہے، ملا شکریہ

اس میں شامل مضامین اور نعتیں پسند آئیں۔ آپ نے جس ترتیب سے یہ مواد شائع کیا ہے وہ آپ کے حسن سلیقہ کا ترجمان ہے۔ ابھی تو یہ رسالہ غالباً آپ نے شائع کرنا شروع کیا ہے، تجربہ اس رسالہ کو ہر لحاظ سے ان شاء اللہ عروج پر پہنچا دے گا۔

میں فارسی کا طالب علم ہوں، آپ کو ضرور معلوم ہوگا کہ میرے اندازے کے مطابق شاید فارسی میں دوسری زبانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ نعتیں کہی گئی ہیں۔ فارسی شاعری بنیادی طور پر مذہبی شاعری ہے۔ اس حقیقت کا اطلاق صرف فارسی شاعری ہی پر نہیں ہوتا بلکہ پورا مشرقی نظام زندگی ہی مذہبی ہے۔ دنیا کے اس حصے میں مذہبی اثرات نے ذہنوں کو نسبتاً زیادہ متاثر کیا ہے۔ فارسی کے ایسے شعرا کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے مذہبی شاعری کو اپنی توجہ کا مرکز نہ بنایا ہو۔ حمد، نعت اور منقبت وغیرہ کا شمار ظاہر ہے مذہبی شاعری کے زمرے میں کیا جاتا ہے، یہ صحیح اور منطقی بھی ہے، مشکل ہی سے کوئی ایسا فارسی شاعر یا ادیب رہا ہوگا جس نے اپنا دیوان یا نثری کارنامہ حمد، سے شروع نہ کیا ہو، پھر نعت نہ کہی ہو اور بعض شعرا نے منقبت لکھنا بھی ضروری سمجھا ہے۔ حمد و نعت و منقبت میں قصائد و غزلیات و فنی مثنویات نظم کی ہیں۔ چند شعرا ایسے بھی ہیں جنہوں نے صرف مذہبی شاعری کو ہی اپنے فن کا محور قرار دیا ہے اور ان کے کلام پر مذہبی اور دینی عناصر نسبتاً زیادہ حاوی ہیں۔ سترہویں اٹھارہویں صدی کے ایک شاعر محمد حسن اصفہانی متخلص بہ تاثیر نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور نعت پیغمبر ﷺ پر مشتمل ”منہاج المعراج“ کے عنوان سے ایک مثنوی کہی ہے یہ اپنی نوعیت کی واحد مثنوی نہیں بل کہ اس قسم و نوعیت کی دیگر مثنویاں بھی عام طور پر فارسی شعرا کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ نعت کہنا نہایت مشکل فن ہے۔ اس سلسلے میں مجھے اکبر کے دور کے معروف شاعر عرفی شیرازی کے یہ دو بیت ہمیشہ یاد آتے ہیں:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا

آہستہ کہ رہ بردم تنغ است قدم را

بہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن

نعت شہ کونین و مدح کے و جم را

عرفی جلدی نہ کرو، یہ نعت کہنے کا میدان ہے، جنگل و صحرا نہیں کہ کہیں بھی نکل جاؤ، جو چاہو کہو، آہستہ چلو، دھیان سے قدم اٹھاؤ، منہ سنبھال کر بات کرو، نعت کہنا ایسا ہی ہے جیسے تلوار کی

دھار پر چلنا ہو، ذرا چوک ہوئی اور مارے گئے، دیکھو خیال رکھو، جس طرح دنیا کے فرمانرواؤں کے کاؤس و مجتہد کی مدح کرتے ہو، شہ کونین کی مدح اس انداز پر نہیں کی جاسکتی، اس کے اپنے اصول ہیں، اس کی اپنی محدودیتیں ہیں، آپ کی سیرت مبارک معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں، اس تفصیل کا دھیان رکھو، اس میں کمی بیشی کی اجازت نہیں۔ ہاں اس تفصیل کو اپنے الفاظ و عبارت میں پیش کر سکتے ہو۔

یعنی ہمارے نعت گو شعرا کو اس فن کی نزاکتوں کا احساس تھا۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی جو سیرت قرآن حکیم، احادیث شریف اور دیگر معتبر معاصر روایات میں محفوظ ہے، نعت کہتے وقت وہی شاعر کے مد نظر رہیں۔ شاعر کا حسن فن صرف یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی روایات کو زبان و بیان کے جملہ محاسن کام دلائے اور نعت میں گہرائی اور گیرائی کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ میری نظر سے اردو میں ایسی تصانیف گزری ہیں جن میں نعت گوئی میں تساہل اور سیرت پیغمبر کی معتبر روایات سے انحراف کی شکایت کی گئی ہے اور یہ تو گناہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی اپنے رسالہ کے مواد کے انتخاب میں ان نزاکتوں کو ملحوظ رکھیں گے اور آپ کا رسالہ نعت پیغمبر ﷺ کا صحیح ترجمان ثابت ہوگا۔

پروفیسر علی احمد فاطمی (الہ آباد)

برادر م!

آپ کا رسالہ ”دبستان نعت“ موصول ہوا۔

آپ نے اپنے اس رسالے کو محض نعت کے لیے وقف کر دیا ہے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ صنفِ نعت کے ساتھ انصاف نہیں ہوا ہے یہ تو صحیح ہے لیکن اس کے کچھ تہذیبی اسباب بھی ہیں معاملہ جب بھی رسول اکرم ﷺ کا آجاتا ہے تو قلم و ذہن دونوں میں احترام و عقیدت کے ایسے معاملات آجاتے ہیں کہ تصور و تخیل پر لگام لگانا ہی پڑتا ہے اور شاعری تصور و تخیل کی بنیاد پر ہی آگے بڑھتی ہے۔ بہر حال پھر بھی عمدہ نعتیں کہی گئی ہیں ان پر فنی اور فکری گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ میں شاعر تو نہیں لیکن الہ آباد میں کئی بڑے دائرے ہیں جہاں نعتیہ مشاعرے ہوا کرتے ہیں کبھی کبھار ان میں شرکت ہو جاتی ہے چند اشعار بھی ہو جاتے ہیں۔ دو نعتیں آپ کے رسالے کے لیے روانہ کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ رسالے سے نوازتے رہیں گے۔

ڈاکٹر شمس بدایونی (بریلی)

۲۷ جولائی ۲۰۱۷ء

برادر مکرم! سلام مسنون

دبستان نعت کا پہلا شمارہ موصول ہوا، نعتیہ ادب کی ترسیل و اشاعت میں یہ ایک اچھا قدم ہے۔ شمارے کی ضخامت اور اس کے مضمولات دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ میں ادبی صحافت کی خاصی صلاحیت موجود ہے۔ مقالات کا تنوع، دیکھ کر ایک گونہ خوشی ہوئی، مجھے امید ہے کہ آپ صبیحِ رحمانی صاحب کی طرح ہندوستان میں نعت نگاری کے فروغ میں قابل ذکر حصہ لیں گے اور اس سلسلے کی آپ کی خدمات کو قبول عام حاصل ہوگا۔

محمد علی صدیقی (علیگ) شیدابستوی

۳۱ جولائی ۲۰۱۷ء

گرامی قدر ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کی علمی و جاہت کا تو میں ایک عرصے سے قائل ہوں مختلف کتب و رسائل میں آپ کے مقالے اور تصانیف پڑھنے کا برابر موقع ملتا رہا ہے خصوصیت سے سرور کونین ﷺ کی شان بیان کرنے والوں کی قلم کے ذریعے پذیرائی آپ کا خاصہ ہے جس سے میں بہت متاثر ہوں اور جو آپ کی ادبی بلندی کی خصوصی شناخت ہے اور اس کو مزید وسعت دے کر آپ نے نیا شاہکار جریدہ ”دبستان نعت“ کا اجرا کیا ہے جس کا ہر صفحہ آپ کی رسول اکرم ﷺ سے محبت کا ثبوت ہے اس کے پہلے ہی شمارے کے تمام مضامین سرور کونین ﷺ سے عقیدت کی ضمانت ہیں۔

”دبستان نعت“ میں جناب ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے دو مضامین شامل ہیں۔ موصوف کا ان مضامین میں لب و لہجہ کافی بدالا ہوا ہے ورنہ یہ نعت نگاروں کا بخیر ادھر نے میں کوئی کور کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ آخر تنقید کے ڈاکٹر جو ٹھہرے۔

آپ نے مجھ ہیچ مداں کو بھی اس کار ثواب میں شرکت کی دعوت دی تھی لیکن اس موقع سے میں فیض یاب ہونے میں ناکام رہا۔ مجھے حیرت اور خوشی بھی ہے کہ اتنے اعلیٰ پائے کے ادیب ہونے کے باوجود آپ کی سادگی، خوش اخلاقی اور خلوص قابل ستائش ہیں۔ آپ علامہ اقبال کے ذیل شعر کی ایک

مثال ہیں۔ اللہ رب العزت آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے۔ آمین۔
یقین محکم عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مومن کی شمشیریں

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ (مہاراشٹر)
یکم اگست ۲۰۱۷ء

مکرمی و محترمی!
السلام علیکم

امید ہے بفضلِ خدا بخیر ہوں گے۔

کل آپ کی خدمت میں ایک پوسٹ کارڈ تحریر کر کے ارسال کیا تھا۔ آج آپ کی خدمت میں دو تحریریں بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ارسال کر رہا ہوں ایک ”دبستان نعت“ پر تاثرات پر مشتمل ہے اور ایک میں ہمارے مہاراشٹر کے ایک مشہور مراٹھی شاعر سریش بھٹ آنجہانی کی ایک مراٹھی نعت کا منظوم ترجمہ ہے۔ یہ چیزیں میں نے عجلت میں قلم برداشتہ لکھی ہیں اس لئے استدعا ہے کہ ملاحظہ فرما کر سہو و خطا کو درست فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ اگر پسند آئیں تو شامل مجلہ آئندہ فرما لیجئے ورنہ کوئی شکوہ نہ ہوگا۔ متعلقین کی خدمت میں سلام و دعا۔

ڈاکٹر جعفر جری (کریم نگر)

برادر م ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

السلام و علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ،

امید کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔ اس سے پہلے کہ مجلہ پر کچھ گفتگو ہو یہاں کچھ وضاحت کرنا چاہوں گا۔ محترم فیروز احمد سیفی صاحب (نگران ”نعت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ“) سے صرف ٹیلی فون پر ہی بات ہوتی رہی ہے، بہت ہی منکسر المزاج شخصیت کے مالک ہیں، ازراہ عنایت انھوں نے اس ناچیز کا تعارف آپ سے کروایا۔

اور جب آپ کی ادارت میں شائع ہونے والے مجلہ کا پہلا شمارہ ”دبستان نعت“ (جنوری تا جون ۲۰۱۶ء) نظر نواز ہوا..... الحمد للہ چار سو صفحات پر مشتمل یہ خوبصورت شمارہ عاشقِ رسول علامہ

عبدالرحمن نور الدین جامیؒ کے نام معنون ہے اور ساتھ میں بہت ہی مختصر لیکن جامع ”گوشہء علامہ جامی“ بھی ہے جو اپنے قارئین کو حضور پر نور محمد ﷺ سے لو بڑھاتا ہے۔ یہاں میں زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے اتنا ہی کہوں گا، علامہ جامی کی کیفیت کا عالم دیکھیے، نثار علی نے فارسی سے منظوم ترجمہ کیا ہے، صرف ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

صبا! پھر جانبِ بطحا گزر کر مرے احوال کی اُن کو خبر کر

دیگر عناوین میں ”تحمید و تقدیس، گنجینہء نقد و نظر، رحمتِ بیکراں اور مقالوں کے علاوہ بارگاہِ حضوری میں گل ہائے عقیدت“ کے تحت آقا کریم ﷺ کے عاشقوں کا نذرانہ ایک کوزے میں سمویا گیا ہے۔ میں نے جب محترم فیروز احمد سیفی صاحب سے فون پر، اس مجلہ کی خوبی پر روشنی ڈالی اور کچھ اظہارِ خیال کیا تو کہنے لگے کہ ”ہم آقا کے ادنیٰ غلام ہیں، کچھ کوشش کیے جا رہے ہیں۔“ قادری صاحب واقعی آپ تمام احباب کی سعی و جستجو کو دیکھ کر رشک ہوتا ہے۔ یہ مجلہ نہ صرف برصغیر بلکہ ساری دنیا میں اپنی ایک انفرادیت رکھتا ہے اور اس مجلہ کی خوبی یہ ہے کہ پڑھنے کے بعد قاری کی فکر و سوچ بدل جائے گی، ہم اُمتِ محمدی ہیں اس بات کی سہی قدر معلوم ہوگی اور ہمارے دلوں میں ایک شمعِ عشق رسول ﷺ روشن ہونے لگے گی۔

ہماری دُعا ہے اللہ رب العزت آپ تمام احباب کی ان کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے..... آمین۔

نعت ریسرچ سنٹر۔ انڈیا کو موصول ہونے والی کتب

- ۱- اس پار سے اُس پار تک حامد امروہوی ۲۰۱۵ مرزا ساجد حسین ساجد امروہوی، محلہ سدو، امروہہ پی۔نگر 244221 (یو۔پی)
- ۲- راز بخشش ساجد امروہوی ۱۹۹۰ مرزا محمد زبیر ابن سیفی، محلہ سدو، امروہہ۔ 244221
جے۔ پی۔نگر (یو۔پی)
- ۳- گہر بخشش ساجد امروہوی ۲۰۰۸ دفتر یادگار رؤف، محلہ سدو، امروہہ۔ 244221
جے۔ پی۔نگر (یو۔پی)
- ۴- محامد رب (حمدیہ دیوان) ڈاکٹر صابر سسنبھلی ۲۰۱۴ نفیس احمد بک سیلر، محلہ رکن الدین
سرائے سنبھل 244302 (یو۔پی)
- ۵- رباعیات کے چار دیوان ڈاکٹر صابر سسنبھلی ۲۰۱۵ نفیس احمد بک سیلر، محلہ رکن الدین
سرائے سنبھل 244302 (یو۔پی)
- ۶- دواوین رباعیات ڈاکٹر صابر سسنبھلی ۲۰۱۵ نفیس احمد بک سیلر، محلہ رکن الدین سرائے
سنبھل 244302 (یو۔پی)
- ۷- چراغ (مجموعہ نعت) سید شا کر القادری نومبر ۲۰۱۶ اکادمی فروغ نعت، انک۔ پاکستان
- ۸- نعت کہوں تو خوشبو آئے (نعتیہ مجموعہ) ابراہیم پوری ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۹- الّا ھو (انتخاب محامد) ابراہیم پوری ۲۰۱۵ الحسنات سرسید احمد روڈ، دریا گنج، نئی دہلی
- ۱۰- گلشن عقیدت (حمد، نعت، سلام، مرثیہ، نوحہ منقبت) متین عمادی ۲۰۱۶ ایجوکیشنل
پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۱۱- دیوان افسر ناروی افسر ناروی ۲۰۱۳ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۱۲- محراب (مجموعہ نعت و منقبت) یاور وارثی ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۱۳- حدائق الریحان (منظوم اردو ترجمانی) ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ۲۰۱۶ گوشہ مطالعات
فارسی، علی گڑھ

- ۱۴- بیان قلم مختار عاشقی جو نیپوری ۲۰۱۲ محمد سلمان ممتاز احمد شیخ (سلمان جو نیپوری) احمد آباد۔ گجرات
- ۱۵- باب رحمت (نعتیہ مجموعہ) اسحاق انور ۲۰۱۶ اخبار اڑیسہ پبلی کیشنز۔ کلکتہ
- ۱۶- رحمت عالم (نعتیہ مجموعہ) حبیب سرور ۲۰۱۱ حبیب سرور نوابی، عزیزی، ابوالعلائی، ناتھو پور۔ ہتھ گام۔ فتح پور (ہسوہ)
- ۱۷- چشمہ چشم (مجموعہ محمد، نعت، سلام) کرشن کمار طور ۲۰۱۰ سر سبز پبلی کیشنز، کنھیاروڈ، دھرم شالہ 176215 (ہماچل پردیش)
- ۱۸- طور طلسم (غزلوں کا مجموعہ) کرشن کمار طور ۲۰۱۵ عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی ۶
- ۱۹- وہی اوّل وہی آخر (مجموعہ نعت) محمد علی صدیقی شیدا بستوی ۲۰۱۶ محمد علی صدیقی، افتخار ہاؤس، نزد اسکاٹ پریس، گاندھی نگر، بستی
- ۲۰- ہزار آئینہ (مجموعہ محمد، نعت، منقبت و سلام) فیروز ناطق خسرو ۲۰۱۷ جہان احمد پبلی کیشنز، کراچی
- ۲۱- والفجر (مجموعہ نعت) ڈاکٹر آفاق فاخری ۲۰۱۵ ڈاکٹر آفاق فاخری، محلہ قاضی پور، جلال پور، ضلع امبید کرنگر (یو۔ پی)
- ۲۲- دربار مصطفیٰ ﷺ (حمدیہ و نعتیہ مجموعہ) سعید رحمانی ۲۰۱۷ اخبار اڑیسہ پبلی کیشنز۔ کلکتہ
- ۲۳- ہر سانس محمد ﷺ پڑھتی ہے پروفیسر مناظر عاشق ہر گانوی ۲۰۱۵ البجیو کیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۲۴- مناظر عاشق ہر گانوی کی ”ہر سانس محمد ﷺ پڑھتی ہے“ ڈاکٹر نذیر فتح پوری ۲۰۱۶ البجیو کیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۲۵- گنج شازگاں (کلیات قصائد) فلک شکوہ محمد علی مہکری آصف خانہ زاد ۲۰۱۶ الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدر آباد
- ۲۶- عید منظر (مجموعہ محمد، نعت، منقبت) اسد ثنائی ۲۰۱۵ الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدر آباد
- ۲۷- خیر السیر فی سیرۃ خیر البشر ولی اللہ عبد سبحان۔ ولی عظیم آبادی ۱۴۳۵ھ مطابع الرشید المدینہ المنورہ
- ۲۸- نوائے طیبہ (مجموعہ محمد و نعت ولی اللہ عبد سبحان۔ ولی عظیم آبادی ۱۴۲۳ھ مکتبہ الشیخ ۳/۲۴۵ بہادر آباد، کراچی
- ۲۹- اذکار مبین (نعتیہ و منقبتی مجموعہ) مبین منور ۲۰۱۲ مبین منور 702/1، آٹھواں مین، سیکنڈ بلاک، بنگلور

- ۳۰۔ وجہ کُل ﷺ (حیات و سیرۃ النبی منظوم) منیر احمد جامی ۲۰۱۵ء مانیٹری اڈوائزری (آئی ایم اے) بنگلور
- ۳۱۔ سامان تسکین (مجموعہ محمد و مناجات، نعت و منقبت) شاہ حسین نہری ۲۰۱۲ء نوائے دکن پبلی کیشنز، اورنگ آباد
- ۳۲۔ حمد ربّ جلیل جلّ جلالہ نعت رسول کریم ﷺ ڈاکٹر جلال توقیر اگست ۲۰۱۲ء اسٹوڈیو ایکزالٹ، بنگلور، کرناٹک
- ۳۳۔ دکن دیس کی پیش روغز لیس اسلام مرزا ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۶ء الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدرآباد
- ۳۴۔ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ ڈاکٹر عزیز احسن مارچ ۲۰۱۳ء نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
- ۳۵۔ اردو نعت کی شعری روایت صبیح رحمانی جون ۲۰۱۶ء اکادمی بازیافت، کراچی
- ۳۶۔ کلام رضا فکری و فنی زاویے صبیح رحمانی ۲۰۱۷ء نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
- ۳۷۔ بدیع الرضانی مدح المصطفیٰ ﷺ میرزا امجد رازی جنوری ۲۰۱۱ء محی الدین ریسرچ سینٹر، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، آزاد کشمیر
- ۳۸۔ مقالات نعت اسد ثنائی جنوری ۲۰۱۴ء الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدرآباد
- ۳۹۔ تفہیم و تجزیہ (تنقیدی مقالات کا مجموعہ) پروفیسر فاروق احمد صدیقی ۲۰۱۵ء پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مظفر پور (بہار)
- ۴۰۔ اردو نعت کے سات رنگ شاہ اجمل فاروق ندوی ۲۰۱۶ء مکتبہ الفاروق، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی
- ۴۱۔ اردو کے منتخب غیر مسلم نعت گو شعرا ڈاکٹر عقیلہ بیگم سید غوث ۲۰۰۳ء پٹیل حفیظ الرحمن، امبا جوگائی، ضلع بیڑ (مہاراشٹر)
- ۴۲۔ سفیر حمد و نعت طاہر سلطانی سے ملیے یاور مہدی ۲۰۱۴ء سید حسن مہدی ریٹائرڈ سینئر ایگزیکٹو، نیشنل بینک آف پاکستان
- ۴۳۔ وفیات نعت گویان پاکستان ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیج اگست ۲۰۱۵ء نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
- ۴۴۔ تکملہ (دوسری نثری نظمیں) علیم صبانویدی ۲۰۱۶ء ٹمبل ناڈو وارڈ پبلی کیشنز، چنئی
- ۴۵۔ نقش علیم (علیم صبانویدی کے شعری مجموعوں کا جائزہ) ۲۰۱۶ء ٹمبل ناڈو وارڈ پبلی کیشنز، چنئی

- ۴۶- جہان غزل علیم صبا نویدی ۲۰۱۶ ٹمبل ناڈو وارڈو پبلی کیشنز، چنئی
- ۴۷- صبح ہونے والی ہے یس۔ عبد المجید اسد ۲۰۱۶ ناز پبلی کیشنز 8/12 اولیا اسٹریٹ، مونٹ روڈ، چنئی
- ۴۸- نواب والا جاہ حضرت العلام عبد العلیم بحر العلوم فرنگی محلی علیم صبا نویدی جنوری ۲۰۱۷ علیم صبا نویدی، مونٹ روڈ، مدراس
- ۴۹- تقویم جاویدانی (ہجری اور عیسوی کی تطبیقات) ڈاکٹر جاوید حبیب جنوری ۲۰۱۷ ٹمبل ناڈو وارڈو پبلی کیشنز، چنئی
- ۵۰- محبتوں کے چراغ (نعت و منقبت کا مجموعہ) قاری اخلاق فتح پوری ۲۰۱۷ قاری اخلاق فتح پوری۔ منگرے مو، ضلع فتح پور (یو۔ پی)
- ۵۱- آتش گل (شعری مجموعہ) شیخ محمد الیاس احکم کلیمی نوابی ۲۰۱۷ آستانہ عالیہ نوابیہ، قاضی پور شریف ضلع فتح پور ہسوہ (یو۔ پی)
- ۵۲- حرفِ معتبر (شعری مجموعہ) محمد مجاہد سید مارچ ۲۰۰۲ تخلیقات، علی پلازہ، مزنگ روڈ، لاہور
- ۵۳- جہات (شعری مجموعہ) محمد مجاہد سید مئی ۲۰۱۰ ادبیات عالیہ اکادمی، نئی دہلی
- ۵۴- پسِ غبار (شعری مجموعہ) یاہور وارثی ۲۰۱۵ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۵۵- وجدان (نعتیہ مجموعہ) یاہور وارثی ۲۰۱۱ نجم السعید، رضوان عارف، ۲۴۲/۸۸ چن گنج، کانپور
- ۵۶- قصائد جذب ڈاکٹر سید حسن عباس ۱۹۹۳ مرکز تحقیقات اردو فارسی، گوپال پور، باقر گنج، ضلع سیوان (بہار)
- ۵۷- فصول (نظمیں) شارق عدیل ۲۰۱۱ سلم حنیف فاؤنڈیشن، علی گڑھ
- ۵۸- دھنک شعری مجموعہ (ہندی) ۲۰۰۵ ادبی پبلی کیشنز، جے پور (راجستھان)
- ۵۹- نعت، مرثیہ اور عرفان (ایک علمیاتی بحث) حیات عامر عثمانی ۲۰۱۶ مکتبہ جامعہ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ
- ۶۰- ٹمبل ناڈو میں اردو کی سمت و رفتار علیم صبا نویدی ۲۰۱۴ ٹمبل ناڈو وارڈو پبلی کیشنز، چنئی
- ۶۱- مفتاحِ سخن ابراہار کرت پوری ۲۰۱۰ مرکز علم و دانش، ۲۶/۷۱ قدسیہ منزل ذاکر نگر، نئی دہلی
- ۶۲- خطباتِ محرم ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ۲۰۱۰ ویلور اسلامک فاؤنڈیشن، 62 گاندھی روڈ، ویلور

- ۶۳- علیم صبا نویدی بہار کے دانشوروں کی نظر میں علی منیر ۲۰۱۶ روشناس پرنٹرس، دہلی ۶
- ۶۴- حضرت قطب ویلور کے علمی و ادبی کارنامے ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ۲۰۱۲ ویلور اسلامک فاؤنڈیشن، 62 گاندھی روڈ، ویلور 632004 (ٹمل ناڈو)
- ۶۵- کتب سابقہ میں سید المرسلین ﷺ سے متعلق بشارتیں ڈاکٹر مقصود احمد جنوری ۲۰۰۶ فلائج دارین ٹرسٹ، جامعہ نگر، نئی دہلی
- ۶۶- کلام ربانی کی منظوم ترجمانی ڈاکٹر مقصود احمد جولائی ۲۰۱۴ حضرت پیر محمد شاہ لاہوری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد، گجرات
- ۶۷- علم حدیث کے فروغ میں علمائے گجرات کا حصہ ڈاکٹر مقصود احمد دسمبر ۲۰۱۳ حضرت پیر محمد شاہ لاہوری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد، گجرات
- ۶۸- رسالہ معرفت عشق (محفل میلاد کے جوازمیں) پروفیسر مقصود احمد جون ۲۰۱۶/۲۰۳۳ رشفہ کاپلیکس، تانڈل جاردو، بڑودہ، گجرات
- ۶۹- رفاقت کی خوشبو (شعری مجموعہ) پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد فروری ۲۰۱۴ حضرت پیر محمد شاہ لاہوری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد، گجرات
- ۷۰- مشاہیر خطوط کے حوالے سے (تنقیدی مضامین) ڈاکٹر رؤف خیر جولائی ۲۰۱۵ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۷۱- عزیز احمد قلم کار خوش قد ڈاکٹر رؤف خیر ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۷۲- خیر کثیر (تنقیدی و اصلاحی مضامین) ایلاف خیری ۲۰۱۷ دارالاشاعت مصطفائی، دہلی ۶
- ۷۳- کاروان نعت (نعت خوانی نمبر) محمد ابرار حنیف مغل فروری مارچ ۲۰۰۷ ادارہ کاروان نعت، اردو بازار، لاہور
- ۷۴- سہ ماہی مدحت مدیر سرور حسین نقشبندی مارچ تا مئی ۲۰۱۵ نعت فورم، لہرنی مارکیٹ، گل برگ، لاہور
- ۷۵- گیسوئے اردو (دکنی ادب نمبر) مدیر اعلیٰ پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر اپریل ۲۰۱۵ شعبہ اردو و فارسی، گل برگ یونیورسٹی، گل برگ
- ۷۶- عالم گیر ادب (شاہ حسین نہری فن اور شخصیت) مدیر عارف خورشید ۲۰۱۴ نوائے دکن پبلی کیشنز، رشید پورہ، اورنگ آباد

- ۷۷- کاروانِ ادب بھوپال (گولڈن جلی شماره) جاوید یزدانی، کوثر صدیقی جنوری تا ستمبر ۲۰۱۶
- کاروانِ ادب، 79-A گنوری روڈ، بھوپال
- ۷۸- ادراک۔ مدیر اعزازی پروفیسر سید حسن عباس اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ مرکز تحقیقات فارسی اردو، گوپال پور، سیوان۔ بہار
- ۷۹- اولیائے اسلام (ڈائریکٹری) ڈاکٹر اشفاق انجم مارچ ۲۰۱۱ الہدی پریس، مالگاؤں
- ۸۰- فیصل بے چراغ (مجموعہ کلام) ڈاکٹر اشفاق انجم ۲۰۰۵ ڈاکٹر اشفاق انجم 749 نیا پورہ، مالگاؤں 423203
- ۸۱- آفتابِ عالم تاب ڈاکٹر اشفاق انجم ۲۰۱۵ مولانا غلام محمد دستاوی لاہوری، مدرسہ زینب اختر لکھنؤ، درے گاؤں
- ۸۲- چراغِ معرفت ڈاکٹر اشفاق انجم ۲۰۱۷ صوفی علیم احمد صاحب سجادہ صوفی نور الہدی ۸/ ہزار کھولی، مالگاؤں
- ۸۳- پسِ نوشت (تنقیدی مضامین) ڈاکٹر اشفاق انجم ۲۰۱۲ الہدی آفسیٹ پریس۔ مالگاؤں
- ۸۴- نظام شاہی توپ ساز محمد بن حسن رومی خان اسلم مرزا جون ۲۰۱۳ نوائے دکن پبلی کیشنز، رشید پورہ، اورنگ آباد، دکن
- ۸۵- سلاطینِ دکن کے عہد میں شادی اسلم مرزا فروری ۲۰۱۶ نوائے دکن پبلی کیشنز، رشید پورہ، اورنگ آباد، دکن
- ۸۶- تنقیدی زاوے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۸۷- تمثیلِ نو مدیرہ ڈاکٹر زہرہ شائل جولائی ۲۰۱۶ تا جون ۲۰۱۷ اردو ادبی سرکل محلہ گنگوارہ پوسٹ سارا موہن، دربھنگہ
- ۸۸- مناظر عاشق ہرگانوی کی ادبی آبیاری ایڈوکیٹ صفی الرحمن راعین ۲۰۱۷ دارالاشاعت مصطفائی، دہلی ۶
- ۸۹- نیلم کی آواز (شعری مجموعہ) ڈاکٹر امام اعظم ۲۰۱۴ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی ۶
- ۹۰- مناظر عاشق ہرگانوی کی نعت گوئی میں ندرت فن ڈاکٹر زہرہ شائل ۲۰۱۷ دارالاشاعت مصطفائی، دہلی ۶
- ۹۱- مناظر عاشق ہرگانوی کی ”آنکھوں دیکھی“ تجزیہ احمد معراج ۲۰۱۶ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی ۶

- ۹۲- مناظر عاشق ہر گانوی کے افسانے اور تجزیے ڈاکٹر عرش منیر ۲۰۱۷ دار الاشاعت مصطفائی، دہلی ۶
- ۹۳- مناظر عاشق ہر گانوی کی افسانوی جہتیں عذرا مناٹ ۲۰۱۷ دار الاشاعت مصطفائی، دہلی ۶
- ۹۴- ثنائے سرکار ہے وظیفہ توفیق احسن برکاتی اپریل ۲۰۱۷ رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نیروول، نئی ممبئی
- ۹۵- ہفت روزہ ”تاج دار، ممبئی“ کا قرآن نمبر توفیق احسن برکاتی مارچ ۲۰۱۷ ادارہ معارف اسلامی ۱۲۲/۱۲ مینیکرا سٹریٹ، ممبئی
- ۹۶- سید العلماء شخص و عکس توفیق احسن برکاتی اگست ۲۰۱۶ رضا اسلامک فاؤنڈیشن، نیروول، نئی ممبئی
- ۹۷- علامہ قمر الزماں اعظمی احوال و افکار نومبر ۲۰۱۶ مکتبہ طیبہ، ممبئی
- ۹۸- سید نظمی مارہروی شخصیت اور فن توفیق احسن برکاتی اگست ۲۰۱۶ مکتبہ امام اعظم، دہلی
- ۹۹- اسوہ رسول ﷺ مشتاق در بھنگوی ۲۰۱۳ اخبار مشرق پبلی کیشنز، 12 درگاہ روڈ، کلکتہ 17
- ۱۰۰- غزالان حرم (شاعرات کا حمدیہ انتخاب) مشتاق در بھنگوی ۲۰۱۳ اخبار مشرق پبلی کیشنز، 12 درگاہ روڈ، کلکتہ 17
- ۱۰۱- عندلیبان طیبہ (شاعرات کا نعتیہ انتخاب) مشتاق در بھنگوی ۲۰۱۳ اخبار مشرق پبلی کیشنز، 12 درگاہ روڈ، کلکتہ 17
- ۱۰۲- امن و شافقی الحاج سید معز الدین قادری مارچ ۲۰۰۹ بشیر یہ لائبریری، آستانہ قادریہ، چندوی، ضلع مراد آباد
- ۱۰۳- نغمہ محمدی ﷺ سے نکلی ہوئی آب جوشا کر کنڈان ۲۰۱۶ مثال پبلشرز، رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار، فیصل آباد
- ۱۰۴- پیارے محمد ﷺ (نعتیہ مجموعہ) زاہد محمود شمس ۲۰۱۵ دھنک مطبوعات لاہور، ملتان
- ۱۰۵- محمد ﷺ محمد ﷺ (نعتیہ مجموعہ) زاہد فخری مئی ۲۰۰۱ خزینہ علم و ادب، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
- ۱۰۶- تذکرہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ طالب ہاشمی ۲۰۱۰ القمر انٹرپرائزز، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور
- ۱۰۷- محمد نہ ہوتے۔۔۔ (نعتیہ مجموعہ) ڈاکٹر نذیر فتح پور جون ۲۰۱۶ اسباق پبلی کیشنز۔ سنجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
- ۱۰۸- تلیوں بھرا آسمان (غزلیات) ڈاکٹر نذیر فتح پوری ۲۰۱۲ اسباق پبلی کیشنز۔ سنجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ

- ۱۰۹- اعتراف (ادبی مضامین) ڈاکٹر نذیر فتح پوری ۲۰۱۲ اسباق پہلی کیشنز۔ سنجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
- ۱۱۰- اردو کا اثر راجستھانی بولیوں پر (تحقیق) ڈاکٹر نذیر فتح پوری فروری ۲۰۱۱ اسباق پہلی کیشنز۔ سنجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
- ۱۱۱- مناظر صاحب! کتابیں ملیں ڈاکٹر نذیر فتح پوری ۲۰۱۲ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
- ۱۱۲- میری شاعری میں جانور ڈاکٹر نذیر فتح پوری جنوری ۲۰۱۲ اسباق پہلی کیشنز۔ سنجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
- ۱۱۳- تذکارِ فاروقی ملک محبوب الرسول قادری رضوی، سردار محمد اکرم بٹر ۲۰۱۵ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور
- ۱۱۴- مطالعہ امیر ڈاکٹر ابو محمد سحر ۲۰۰۸ مکتبہ ادب ۳۹ مالوئیہ نگر، بھوپال۔

Organwise Ghazlen

By Dr. Manazir Ashique Harganvi

2016 Educational Publishing House Delhi -6

Encomium To Holy Prophet

By Dr. Manazir Ashique Harganvi

2016 Educational Publishing House Delhi -6

- ۱۱۷- ہمارے بچے مترجم و مولفہ سید نوشاد بیگم محمود ۲۰۱۲ اسباق پہلی کیشنز۔ سنجے پارک، لوہ گاؤں روڈ، پونہ
- ۱۱۸- پشاور کی کہانیاں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی ۲۰۱۵ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
- ۱۱۹- غزوہ بدر اور اس کا پس منظر (ایک تحقیقی جائزہ) ڈاکٹر رضوان انصاری ۲۰۱۰ جامعہ فضل رحمانیہ، سدھولی، سینٹاپور
- ۱۲۰- فیضانِ نور حراڈاکٹر رضوان انصاری ۲۰۱۵ محمد عمر خاں قادری، رضوی، نوری شاہ جہانپور
- ۱۲۱- دائرہ قادریہ ڈاکٹر ساحل شہسرامی ۲۰۱۱ سلطان شیر شاہ سوری پہلی کیشنز، شہسرام۔ بہار
- ۱۲۲- ہندوستان اور خولجہ غریب نواز مولانا قاری محمد میکا نیل ضیائی ۲۰۱۰ المجاہد اکیڈمی، کانپور

SEMESTER

764

دہستان نعت

1

M.A. URDU
POST-GRADUATE SEMESTER SYSTEM EXAM

(Proposed Out-Line/Format for Syllabus)

FOUR SEMESTERS POST-GRADUATE EXAMINATIONS
(DURATION WILL BE SIX MONTHS FOR EACH SEMESTER)

Semester - Ist

Paper - Ist (DASTAN)

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
101	داستان DASTAN	Unit - 1	داستان، فن اور روایت DASTAN-ART & TRADITION	20	100
		Unit - 2	انتخاب سب دس ناشر: یو پی اردو اکادمی - لکھنؤ INTEKHAB-SABRAS PUB.: UP URDU ACADEMY LUCKNOW	20	
		Unit - 3	باغ و بہار (سیر پہلے اور دوسرے درویش تک) BAGH-O-BAHAR MIR AMMAN (SAIR PAHLE AUR DOOSRE DARWESH TAK)	20	
		Unit - 4	انتخاب فسانہ عجائب ناشر: یو پی اردو اکادمی - لکھنؤ INTEKHAB-E-FASANA-E-AJAB RAJJAB ALI BEG SAROOR Pub.: UP URDU ACADEMY LUCKNOW	20	
		Unit - 5	رانی کتکی کی کہانی RANI KETKI KI KAHANI INSHA ALLAH KHAN INSHA	20	

SEMESTER

765

دبستان نعت

2

Semester - Ist

Paper - IInd (QASIDA AUR NAAT)

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
102	قصیدہ اور نعت QASIDA AUR NAAT	Unit - 1	قصیدہ اور نعت فن اور روایت QASIDA AUR NAAT ART AND TRADITION	20	100
		Unit - 2	مرزا محمد رفیع سودا اٹھ گیا بہمن دوسے کا چنستان سے عمل انتخاب قصائد، ناشر: یو پی اردو اکادمی - لکھنؤ MIRZA MOHD. RAFI SAUDA UTH GAYA BAHMAN-O-DAI KA CHAMANISTAN SE AMAL INTEKHAB-E-QASAEED Pub.: UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 3	شیخ ابراہیم ذوق ساون میں دیا پھر مہ شوال دکھائی انتخاب قصائد، ناشر: یو پی اردو اکادمی - لکھنؤ SHAIKH IBRAHIM ZAUQ SAWAN MEN DIYA PHIR MAH-E-SHAWWAL DIKHAYEE INTEKHAB-E-QASAEED Pub.: UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 4	محسن کاکوروی سمت کاشی سے چلا چاہپ مٹھریا دل انتخاب قصائد، ناشر: یو پی اردو اکادمی - لکھنؤ MOHSIN KAKORVI SAMT KASHI SE CHALA JANIB-E-MATHURA BADAL INTEKHAB-E-QASAEED Pub.: UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 5	حضرت احمد رضا خاں بریلوی واہ کیا جو دو کرم ہے شہر بطحا تیرا حدائق بخشش - از احمد رضا خاں بریلوی HAZRAT AHMAD RAZA KHAN BARELVI WAH KIYA JOOD-O-KARAM HAI SHAH-E- BATHA TERA HADAYEQ-E-BAKHSISH	20	

SEMESTER

766

دبستان نعت

3

Semester - Ist**Paper - IIIRD (MARSIA AUR MASNAVI)**

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
103	مرثیہ اور مثنوی MARSIA AUR MASNAVI	Unit - 1	مرثیہ و مثنوی - فن اور روایت MARSIA-W-MASNAVI ART AND TRADITION	20	100
		Unit - 2	میر میر علی انیس جب قطع کی مہریت شب آتا ہے (ابتدائی پچیس بند) انتخاب مرثی - ناشر: یو پی اردو اکادمی لکنؤ MIR BABBAR ALI ANIS JAB QATA KI MUSAFAT-E-SHAB AFTAB NE (IBTEDAI PACHIS BAND) BOOK: INTEKHAB-E-MARASI Pub.:UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 3	مرزا سلامت علی دہیر پیدا اشعار میر کی مقررہ ہے (ابتدائی پچیس بند) انتخاب مرثی - ناشر: یو پی اردو اکادمی لکنؤ MIRZA SALAMT ALI DABIR PAIDA SHUA-E-MEHR KI MIQRAZ JAB HUYEE (IBTEDAI PACHIS BAND) BOOK: INTEKHAB-E-MARASI Pub.:UP URDU ACADEMY LKN.	20	
		Unit - 4	میر حسن، سحر الہیان - از انتخاب منظومات حصہ دوم (مکمل) MIR HASAN SEHRUL BAYAN (MUKAMAL) BOOK: INTEKHAB-E-MANZOOMAT Vol. 2	20	
		Unit - 5	پندت دیا شکر نسیم گلزار نسیم - از انتخاب منظومات (حصہ دوم مکمل) PANDIT DAYA SHANKAR NASIM GULZAR-E-NASIM (MUKAMAL) INTEKHAB-E-MANZOOMAT (Vol.2) Pub.:UP URDU ACADEMY LKN.	20	

SEMESTER

767

دہستان نعت

4

Semester - Ist

Paper - IVth (CLASICI GHAZAL)

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
104	کلاسیکی غزل CLASICI GHAZAL	Unit - 1	غزل - فن اور روایت GHAZAL-ART AND TRADITION	20	100
		Unit - 2	ولی دکنی از منتخب غزلیں - (ابتدائی دس غزلیں) ناشر: اترپردیش اردو اکادمی WALI DAKNI BOOK: MUNTAKHAB GHAZLEN (IBTEDAYI DAS GHAZLEN) Pub.:UP URDU ACADEMY LUK.	20	
		Unit - 3	میر تقی میر از منتخب غزلیں - (ابتدائی دس غزلیں) MIR TAQI MIR BOOK: MUNTAKHAB GHAZLEN (IBTEDAYI DAS GHAZLEN)	20	
		Unit - 4	آتش از منتخب غزلیں - (ابتدائی دس غزلیں) AATISH BOOK: MUNTAKHAB GHAZLEN (IBTEDAYI DAS GHAZLEN)	20	
		Unit - 5	مرزا غالب از منتخب غزلیں - (ابتدائی دس غزلیں) MIRZA GHALIB BOOK: MUNTAKHAB GHAZLEN (IBTEDAYI DAS GHAZLEN)	20	

SEMESTER

768

دہستان نعت

5

Semester - Ist

Paper - Vth (FARSI AUR HINDI ADAB)

Code No.	Name of the Paper	Units of Detail Syllabus		Marks	Total
105	فارسی و ہندی ادب FARSI AND HINDI ADAB	Unit - 1	غزلیات خسرو (ابتدائی پانچ غزلیں) از نصاب فارسی GHAZALIYAT-E-KHUSRO (IBTEDAYI PANCH GHAZLEN) BOOK: NISAB FARSI	20	100
		Unit - 2	رباعیات سرمد (مکمل) از نصاب فارسی RUBAYIAT-E-SARMAD (MUKAMMAL) BOOK : NISAB FARSI	20	
		Unit - 3	منتخب از گلستان سعدی (ابتدائی پانچ حکایتیں) از نصاب فارسی MUNTAKHIB AZ GULISTAN-E-SAAADI (IBTEDAYI PANCH HIKAYATEN) BOOK : NISAB FARSI	20	
		Unit - 4	ویرگاتھا کال، بھگتی کال، ریتی کال، چھایا واد از ہندی ادب کی تاریخ - محمد حسن VEER GATHA KAL, BHAGTI KAL, RITI KAL, CHAYA WAD BOOK : HINDI ADAB KI TARIKH Prof. MD. HASAN	20	
		Unit - 5	پرتھوی راج راسو، تلسی داس، کبیر داس، نیرالا اور مہا دھوپی و رما، از ہندی ادب کی تاریخ - محمد حسن PIRTHAVI RAJ RASO, TULSI DAS, KABIR DAS, NIRALA AND MAHADEVI VERMA BOOK : HINDI ADAB KI TARIKH Prof. MD. HASAN	20	

Total Marks : 500



نعت گوئی ایک مقدس اور روحانی اسلوب افکار اور فہم ہے بلکہ اگر اس میں
تخلیقیت، صلاحیت کا بحر پور اظہار کیا جائے اور فنی سطح پر اسے ہنرمندیوں
کی پیش کش کا وسیلہ بنایا جائے تو نعت میں بھی دور کی افصاف
سامنے آئے گی۔ شہرت اور فنی اقدار مسابدہ کی جا بٹکتا ہے۔
سراج الحق درامہ سربہ عرف، یہ کہہ کر عاقلانہ شوقِ رسول میں بلکہ
مذہب کی مبارک بات سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے ان کے
رسالے میں صحیفہ عقیدہ اور مسدک کے معاملے میں کوئی اغراق و تفريط
دیکھا جاتی ہے۔ تمام یہی وجہ ہے کہ ان نعت گوئی کے مشمولات
کا انداز ایک خاص سطح اور اعتبار کو پیش کرتا ہے۔

دلبران نعت، کاکٹ اپ، کمپیوٹرنگ اور پیش کش
جس قدر دلکش ہے اس میں شاعرانہ خرابی بھی اسی معیار
کی تصدیق و توثیق کرتی ہیں۔ صحیح یقین ہے کہ یہ رسالہ بہت
جلد اپنے حلقہ پر ایک حریف اور منفرد ادبی اور مذہبی
جریدہ ہونے کا ثبوت فراہم کرے گا۔ اگر یہ کہا جائے
تو بالکل حق بجانب بات ہوگی کہ اس رسالے نے پہلے شہر سے اپنی
راک شگفت جانچ کر لی ہے۔ ان کلمات کے ساتھ مزید دلبران نعت
کے لئے اپنی نیک خواہشات پیش کرتا ہوں،

ابوالکلام قاسمی
۱۸ جنوری ۲۰۰۲ء